اِسلامی کُتب خانے

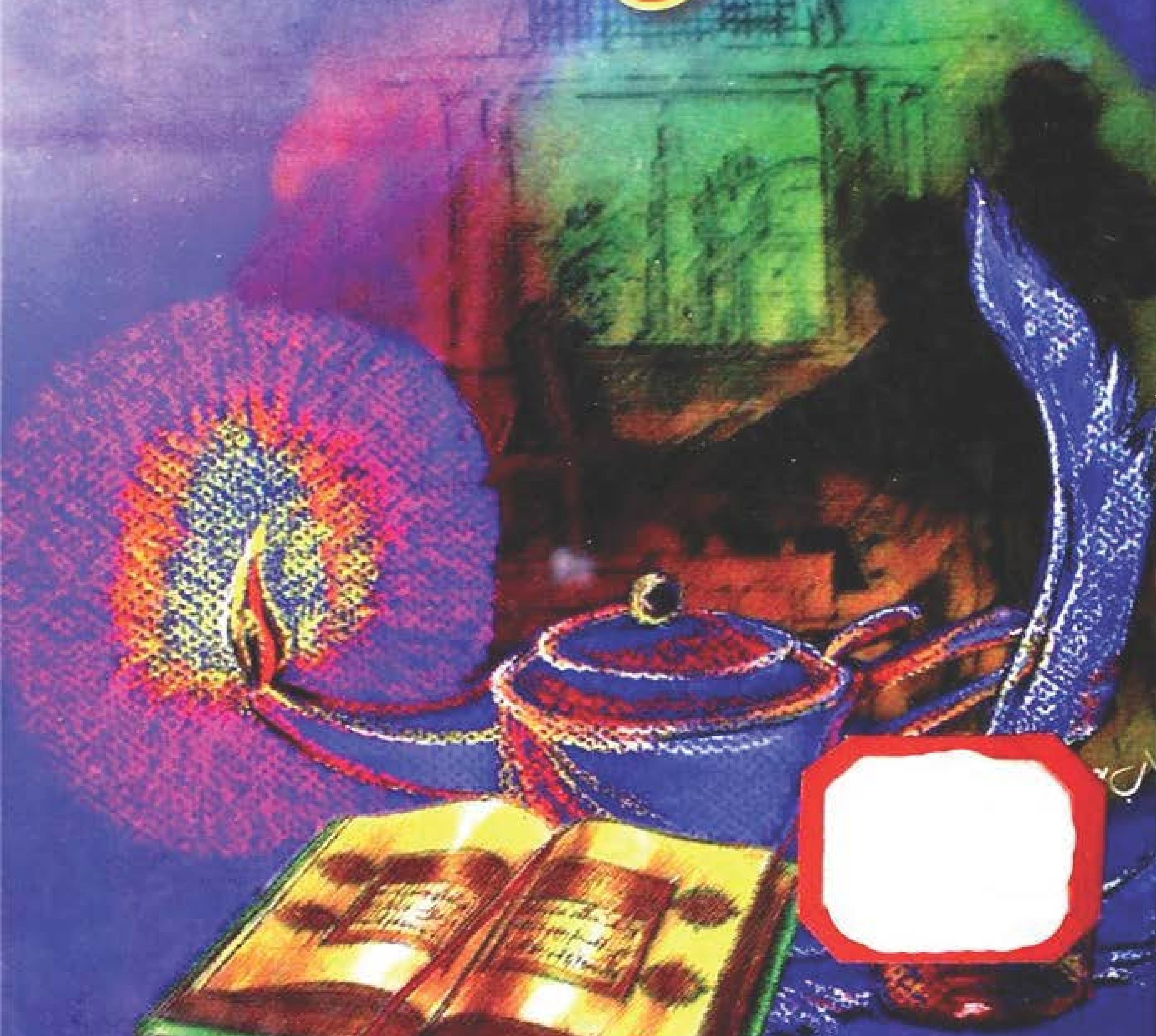

تالیف: مولانا محمد عبد الحلیم چشتی پی ایچ ڈی

بسم الله الرحمن الرحيم

اِسلامی کُتب خانے

اِسلامی کُتب خانے

تالیف:

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی پی ایچ ڈی

عہدِ عباسی (۷۴۹ء / ۱۳۳ھ - ۱۳۵۸ء / ۶۵۶ھ) میں حکم اقراء کے ثقافتی جلووں کے مظاہر، کتب خانوں کا قیام، انفرادی و عوامی، فنی و خصوصی، ادارہ جاتی و عوامی اور علمی کتب خانوں کا تذکرہ، کتاب سازی، درجہ بندی و ہمنسقی، کیٹلاگ سازی، کتابیات اور ہیئت انتظامیہ سے اس مقالہ میں بحث کی گئی ہے۔ یہ مقالہ ان مباحث سے متعلق قیمتی و نادر تاریخی و تحقیقی معلومات کا جامع ہے۔

UTE
-2

تالیف:

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی پی ایچ ڈی

اسلامی کتب خانے

کتب خانے ذہنی طاقت کا سر چشمہ اور تہذیبی و ثقافتی ورثہ کی بنیاد ہیں۔ اسلامی کتب خانوں کی عالمگیر تحریک، تحریک حکم اقراء کا فیضان ہے۔ اس کا کامل ظہور عہد عباسی میں ہوا۔ چنانچہ اس مقالہ میں عہد عباسی میں کتب خانوں کی ترویج واشاعت کے اسباب، ان کی شناخت کے رہنما اصول، فروغ علم اور کتب خانوں کے ارتقاء، عباسی خلفاء اور ان سے الحاق رکھنے والے اور ہم سری کرنے والے فرمانرواؤں کے کتب خانوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انفرادی وعمومی اور فنی وخصوصی کتاب خانوں، ادارہ جاتی، عوامی اور علمی کتب خانوں، کتاب سازی کی تاریخ، ترتیب علوم اور کلاسیفکیشن اسکیموں کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ کیٹلاگ سازی، کتابیات اور ہیئت انتظامیہ سے بحث کی گئی ہے۔

یہ مقالہ اسلامی کتب خانوں کے اہم مباحث کا جامع ہے، محقق نے اس مقالے میں مختلف زبانوں کے رسائل کے علاوہ چھ سو سے زیادہ کتابوں سے استفادہ کیا اور تین ہزار سے زیادہ اس میں حوالے مذکور ہیں جو اس مقالے کی علمی و تحقیقی حیثیت کے شاہد عدل ہیں۔

یہ مقالہ "قرآن" کی دینی و کتابی تہذیب کا آئینہ دار و اسلامی کتب خانوں کی ایک علمی و تاریخی دستاویز ہے اردو ادب ہی میں نہیں اسلامی ادب کے بے کراں ذخیرے میں بیش بہا اضافہ اور اپنے موضوع پر تحقیق نتائج و نادر معلومات و گرانقدر تحقیقات کا مرقع ہے۔

لائبریری سائنس کے طلبہ و محققین نیز اسلامی تہذیب و ثقافت اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نہایت مفید و نادر علمی تحفہ ہے۔

انتساب

یہ تحقیق مقالہ والد ماجد محمد عبدالرّحیم خاؔطر المتوفی ۱۳۷۲ء کے نام معنون کرتا ہوں، جو جے پور (راجستھان) کے نامور خوشنویس تھے۔ یہاں موصوف نے چھاپہ خانہ ”رحیمی پریس“ قائم کیا، اردو میں کتابیں چھاپیں، مجھے علم کے راستہ پر ڈالا اور میں اس لائق ہو سکا کہ برِّ صغیرِ پاک کی جامعات میں سب سے پہلے جامعہ کراچی کے شعبۂ علم و کتب خانہ سے اسلامی کتب خانے کے موضوع پر تحقیقی مقالہ نگاری کا فتح باب کر سکا۔

فللہ الحمد اولاً و آخرا

فہرست

انتساب
پیش لفظ 49
اظہار تشکر 52
طباعت و تصحیح کا مرحلہ 55

باب اول

(تمہید و تعارف) 59
(۱) تمہید 60
(الف) کتب خانے عہد تمدن کی یادگار 60
(ب) ذہنی طاقت کا سرچشمہ 69
(ج) کتب خانہ ایک تہذیبی و ثقافتی ورثہ کی اساس 72
(د) حکم اقراء و قیدو العلمه والعلم بالکتاب کے ثقافتی جلوے اور عہد عباسی میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات 74
(ہ) عہد عباسی میں کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کے اسباب 99
(و) عہد عباسی میں کتب خانوں کی نشاندہی کے اسباب 111
(ز) عہد عباسی میں کتب خانوں کی شناخت کے رہنما اصول 112
(ح) عہد عباسی میں عوامی' شاہی و انفرادی کتب خانوں کے ذخائر کی کیفیت و کمیت 131
(۲) تعارف 147
(الف) مقصد مطالعہ 147
(ب) انتخاب موضوع 150
(ج) سابقہ مطالعہ اور ماخذوں کا سرسری جائزہ 152
(د) وسعت اور طریق کار 171
فہرست ماخذ 174

باب دوم

(فروغ علم اور کتب خانوں کا ارتقاء) 203

(۱) فروغ علم 207
(۲) علم کی اہمیت 208
(۳) کتب خانہ کے عناصر اربعہ (علم، کتابت، کتاب، قرات) 211
(الف) علم 211
(۱) مفہوم علم 211
(۲) فضیلت علم 212
(۳) تحصیل علم 212
(۴) کتابت علم 213
(٥) ابلاغ علم 213
(٦) کتمان علم کی سزا 213
(ب) کتابت 216
(ج) کتاب 219
(د) قرات 224
(۴) کتب خانوں کا ارتقاء 229
(٥) فروغ کتب اور کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیاں 229
(الف) انوار نبوت کی تابانی کا ثمرہ 234
(ب) شرق اوسط کے انبیاء و کتب سے قرآن کا اعتناء 234
(ج) کتب و کتب خانہ ”بیان“ کا مرہون منت 236
(د) گلی کتب خانہ 238
سجل، سجیل اور سجین کے معنی 238
(٦) انبیاء علیہم السلام کے کتب خانے 240
(الف) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کتب خانہ 240
(ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کتب خانہ 240
(ج) حضرت داؤد علیہ السلام کا کتب خانہ 241
(د) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کتب خانہ 242

(ہ) معلم کتاب و حکمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کتب خانہ 244
(۷) قیام کتب خانہ کے عوامل و محرکات 245
(الف) تحصیل علم ہر انسان کا بنیادی حق 245
(ب) علم عبادت و فضیلت 246
(ج) علم میراث انبیاء 246
(د) گھر میں کتاب رکھنا نبی کو مہمان رکھنا 246
(ہ) علمی امانت کی پاسداری و ادائیگی 247
(۸) تحفظ کتب 247
(۹) فروغ علم و کتاب 247
(۱۰) ابلاغ علم 248
(۱۱) فراوانی علم 249
(۱۲) وقف 249
(۱۳) صدقہ جاریہ 250
(۱۴) وصیت 250
(۱۵) عاریت 250
(۱۶) ہبہ 252
(۱۷) ہدیہ 252
(۱۸) جود و سخا 252
(۱۹) ایثار کے معنی دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دینا 253
(۲۰) احسان 253
(۲۱) تعاون 254
(۲۲) مثالی انسان بننا 255
(۲۳) انفاق 255
(۲۴) بخل 256
(۲۵) اکتناز و تکاثر 256
(۲۶) کتمان علم 257
فہرست ماخذ 260

باب سوم

(عہد عباسی میں خلفاء کے کتب خانے) 271

(۱) عہد عباسی میں تعلیمی و ثقافتی سرگرمیاں 275
(۲) خلفاء بغداد کے کتب خانے 279
(الف) خلیفہ منصور کا کتب خانہ 282
(ب) خلیفہ مہدی کا کتب خانہ 282
(ج) خلیفہ ہارون الرشید کا کتب خانہ 283
(د) خلیفہ مامون کا کتب خانہ 285
خزانہ المامون 288
بیت الحکمتہ کا سال تاسیس 289
بیت الحکمتہ کے شعبے 291
شناخت کتب کی علامت کا آغاز 292
بیت الحکمتہ کا کیٹلاگ 293
انواع موضوعات کے ذخائر 293
بیت الحکمہ کی علمی خدمات 294
فنی اصطلاحات سازی کا آغاز 294
اختراعات و ایجادات 294
(ہ) المتوکل کا کتب خانہ 295
(۲.۶) المہتدی باللہ کا کتب خانہ 296
(۲.۷) المعتضد باللہ کا کتب خانہ 296
(۲.۸) خلیفہ المکتفی باللہ کا کتب خانہ 297
(۲.۹) خلیفہ المقتدر باللہ کا کتب خانہ 298
(۲.۱۰) خلیفہ الراضی باللہ کا کتب خانہ 298
(۲.۱۱) خلیفہ قائم بامر اللہ کا کتب خانہ 300
(۲.۱۲) خلیفہ المقتدی بامر اللہ کا کتب خانہ 300
(۲.۱۳) خلیفہ المستنجد باللہ کا کتب خانہ 301

(۲.۱۴) خلیفہ المستغنی باللہ کا کتب خانہ 301

(۲.۱۵) خلیفہ الناصر الدین اللہ کا کتب خانہ 301

(۲.۱۶) خلیفہ المستنصر باللہ کا کتب خانہ 303

(۲.۱۷) خلیفہ مستعصم باللہ کا کتب خانہ 304

(۳) خلفاء بغداد سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں کے کتب خانے 309

(۳.۱) طاہریہ (۳۰۵-۲۵۹ھ / ۸۲۰-۸۵۲ء) کا کتب خانہ 309

(۳.۲) شاہان سیستان صفاریہ (۲۵۴- ۳۹۳ھ / ۸۶۸- ۱۰۰۲ء) کے کتب خانے 310

یعقوب صفار 310

خلف سنجری 311

(۳.۳) شاہان سامانیہ کا کتب خانہ 312

(۳.۴) شاہان طولونیہ کا کتب خانہ 313

(۳.۵) شاہان حسویہ کے کتب خانے 314

(۳.۶) شاہان دیلمی کے کتب خانے 314

(۳۸) حبشی بن معزالدولہ احمد بن بویہ بویہی کا کتب خانہ 315

(۳۹) عزالدولہ ابوالمنصور بختیار بن معزالدولہ احمد بویہی کا کتب خانہ 315

(۴۰) عضد الدولہ ابو شجاع فنا خسرو ابن الحسن ابن بویہ دیلمی کا کتب خانہ 315

(۴۱) مجدالدولہ ابوطالب رستم بن فخرالدولہ ابن بویہ کا کتب خانہ 315

(۴۲) (۳.۷) بنی کاکویہ کا کتب خانہ 316

(۴۳) (۳.۸) بنو مزید، فرمانروایان تکریت و حلہ کا کتب خانہ 316

(۴۴) (۳.۹) شاہان خوارزم کے کتب خانے 316

(۴۵) (۳.۱۰) شاہان غزنویہ کے کتب خانے 318

(۴۶) محمود بن سبکتگین کا کتب خانہ 318

(۴۷) مسعود بن محمود کا کتب خانہ 319

(۴۸) (۳.۱۱) شاہان کبیر سلجوقی کے کتب خانے 320

(۴۹) (۳.۱۲) شاہان نیم روز سجستان کا کتب خانہ 321

(۵۰) (۳.۱۳) شاہان آل نہاوند جبال کا کتب خانہ 321

(۵۱) (۳.۱۴) شاہان زیدیہ یمن کا کتب خانہ 321

(۵۲) (۳.۱۵) شاہان ماردین کا کتب خانہ 322
(۵۳) (۳.۱۶) شاہ جزرہ کا کتب خانہ 322
(۵۴) (۳.۱۷) سلاطین ایوبیہ کے کتب خانے 323
(۵۵) الملک الظاہر ابو منصور غازی کا کتب خانہ 323
(۵۶) الملک المنصور ناصر الدین ابو المعالی کا کتب خانہ 323
الملک المعظم شرف الدین عیسیٰ کا کتب خانہ 323
الملک الناصر داؤد بن عیسیٰ کا کتب خانہ 324
الملک الناصر صلاح الدین یوسف کا کتب خانہ 324
(۳.۱۸) شاہان اغالبہ کا کتب خانہ 326
(۳.۱۹) بیت الحکمۃ 326
موضوعات 326
بیت الحکمہ کے ذخیرے میں اضافے 327
(۳.۲۰) خلفاء بغداد سے ہمسری کرنے والے خلفاء کے کتب خانے 328
(۳.۲۱) فاطمین مصر کے کتب خانے 328
المعزالدین اللہ ابو تمیم معد کا کتب خانہ 328
کتب خانہ مارستان 328
العزیز باللہ ابو منصور نزار کا کتب خانہ 329
الحاکم بامراللہ ابو علی منصور کا کتب خانہ 330
ذخیرۂ کتب 330
(۳.۲۲) بنو حمدان حلب کا کتب خانہ 332
(۲.۲۳) بنو عمار فرمانروایان طرابلس شام کے کتب خانے 333
امیرالدولہ ابو طالب عبداللہ کا کتب خانہ 333
جلالتہ الملک ابوالحسن علی کا کتب خانہ 333
(۳.۲۴) اموی خلفاء اندلس کے کتب خانے 335
ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم کا کتب خانہ 335
عبداللہ بن عبدالرحمان کا کتب خانہ 336
المستنصر باللہ ابوالعاصی کا کتب خانہ 336
فہرست ماخذ 340

باب چہارم

(انفرادی و عمومی اور فنی و خصوصی کتب خانے) 359

انفرادی و عمومی کتب خانے 363

(۱) وزیروں کے کتب خانے 365
- (۱.۱) یحییٰ برمکی کا خزانۃ الکتب 365
- (۱.۲) فتح بن خاقان کا کتب خانہ 366
- (۱.۳) قاسم بن عبداللہ حارثی کا کتب خانہ 366
- (۱.۴) محمد بن عبدالمالک الزیات کا کتب خانہ 366
- (۱.۵) یحییٰ بن اکثم مروزی کا کتب خانہ 367
- (۱.۶) اسماعیل بن عباد طالقانی المعروف بصاحب ابن عباد کا کتب خانہ 367
- (۱.۷) محمد بن الحسین قمی المعروف بکاتب ابن العمید کا کتب خانہ 370
- (۱.۸) ابوالفرج یعقوب بن یوسف بغدادی ثم مصری المعروف بابن کلس کا کتب خانہ 370
- (۱.۹) ابوالقاسم احمد جمالی کا کتب خانہ 370
- (۱.۱۰) احمد بن عبدالرحیم بیسانی مصری المعروف بالقاضی الاشرف کا کتب خانہ 371
- (۱.۱۱) کمال الدین بن ابی سعید دمشقی کا کتب خانہ 372
- (۱.۱۲) جمال الدین بن ابراہیم شیبانی قفطی کا کتب خانہ 372
- (۱.۱۳) ابو طالب محمد بن علی العلقمی بغدادی کا کتب خانہ 373

(۲) عمال کے کتب خانے 374
- (۲.۱) اسحاق بن علی ہاشمی عباسی کا کتب خانہ 374
- (۲.۲) ابو عبداللہ ہارون بن جعفر عباسی کا کتب خانہ 375
- (۲.۳) علاؤ الدین بن عطاجوینی کا کتب خانہ 375

(۳) حکام کے کتب خانے 375
- (۳.۱) تاج الدین بن حسین بغدادی کا کتب خانہ 375
- (۳.۲) ابوالحسن علی بن رشید حربوی حنبلی کا کتب خانہ 376

(۳.۳) ابو احمد حسن امبرک نیشاپوری کا کتب خانہ 376
(۳.۴) خوارزم شاہ کا کتب خانہ 376
(۳.۵) ابو شجاع محمد بن حسین کا کتب خانہ 376
(۴) دربانوں کے کتب خانوں 377
(۴.۱) ابو الحسین عبدالعزیز کا کتب خانہ 377
(۴.۲) محمد بن نصر حاجب کا کتب خانہ 377
(۵) موچی، رنگریز اور عطاروں (سے شہرت رکھنے والوں) کے کتب خانے 378
(۵.۱) ابو مخلد عطاء بن مسلم جلبی المعروف جاالخفاف کا کتب خانہ 378
(۵.۲) ابو نصر محمود بن فضل بن محمود اصفہانی ثم بغدادی کا کتب خانہ 378
(۵.۳) ابو عبداللہ محمد بن مخلد دوری بغدادی کا کتب خانہ 378
(۵.۴) ابوالفضل نصر بن محمد بن احمد طوسی عطار کا کتب خانہ 378
(۶) وراقوں کے کتب خانے 379
(۶.۱) ابو اسحٰق ابراہیم بن سعید نعمانی کا کتب خانہ 379
(۶.۲) ابوبکر محمد بن احمد بابن الخاضبہ کا کتب خانہ 379
(۶.۳) ابوبکر احمد بن الحسین بابن الخفاف الوراق کا کتب خانہ 379
(۷) خوش نویسوں کے کتب خانے 380
(۷.۱) ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ حمصی کا کتب خانہ 380
(۷.۲) ابوالیسر ابراہیم بن احمد شیبانی کا کتب خانہ 380
(۷.۳) ابو علی حسن بن عبداللہ مصری کا کتب خانہ 380
(۸) خازنوں کے کتب خانے 381
(۸.۱) عبدالسلام بن الحسین لغوی کا کتب خانہ 381
(۸.۲) ابوالفضل اسعد بن احمد شیعی کا کتب خانہ 381
(۹) فنکاروں کے کتب خانے 382
(۹.۱) ابو محمد اسحٰق بن ابراہیم موصلی کا کتب خانہ 382
(۹.۲) ابوبکر محمد بن یحیٰی شطرنجی کا کتب خانہ 382
(۱۰) تاجروں کے کتب خانے 384
(۱۰.۱) ابوبکر احمد بن محمد بن فضل جراح خزاز کا کتب خانہ 384

(۱۰.۲) ابو منصور عبدالمحسن بن محمد شیحی بغدادی کا کتب خانہ 384
(۱۰.۳) ابو اللیث نصر بن حسن بن قاسم شاشی کا کتب خانہ 384
(۱۰.۴) ابوالحسن سعد الخیر بلنسی اندلسی کا کتب خانہ 385
(۱۰.۵) تقی الدین ابو محمد عبدالعزیز بزاز کا کتب خانہ 385
(۱۱) دولت مندوں کے کتب خانے 386
(۱۱.۱) ابو اسحاق ابراہیم حربی بغدادی کا کتب خانہ 386
(۱۱.۲) ابوالوفاء بن سلمہ ہمدانی کا کتب خانہ 387
(۱۱.۳) ابو جعفر محمد بن یعقوب خرجی کا کتب خانہ 387
(۱۱.۴) ابو جعفر ہارون بن محمد ضبی کا کتب خانہ 388
(۱۱.۵) ابوالحسین محمد بن محمد حسنی علوی بغدادی کا کتب خانہ 388
(۱۲) غرباء کے کتب خانے 389
(۱۲.۱) محمد بن حسین شیعی کا کتب خانہ 389
(۱۲.۲) ابوالحسن علی بن ابوبکر ہروی موصلی کا کتب خانہ 391
(۱۲.۳) ابوبکر معین الدین ابن نقطہ کا کتب خانہ 391
(فنی و خصوصی کتب خانے) 395
(۱) قراء کے کتب خانے 395
(۱.۱) ابو عمرو بن العلاء تمیمی مازنی بصری کا کتب خانہ 395
(۱.۲) ابوبکر محمد بن الحسن النقاش کا کتب خانہ 396
(۱.۳) ابوالعلاء حسن بن احمد ہمدانی عطار حنبلی کا کتب خانہ 396
(۱.۴) تاج الدین ابوالیمن زید بن الحسن کندی بغدادی ثم دمشقی حنفی کا کتب خانہ 396
(۲) مفسرین کے کتب خانے 398
(۱) ابوبکر محمد بن القاسم انباری کا کتب خانہ 398
(۲) ابو یوسف عبدالسلام بن محمد المعروف بابن بندار کا کتب خانہ 398
(۳) ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی کا کتب خانہ 399
(ج) محدثین کے کتب خانے 400
۱) ابو عبداللہ سفیان بن سعید مسروق ثوری کوفی کا کتب خانہ 401
۲) ابو جعفر احمد بن مہدی اصفہانی کا کتب خانہ 402

(۳) ابواسامہ حماد بن اسامہ مولی بنی ہاشم کوفی کا کتب خانہ 402
(۴) ابو محمد روح بن عبادہ قیسی بصری کا کتب خانہ 402
(۵) ابو خیثمہ زہیر بن حرب شداد نسائی کا کتب خانہ 402
(۶) ابو زرعہ عبید اللہ بن عبدالکریم رازی کا کتب خانہ 403
(۷) ابوالحسن علی بن عبداللہ جعفر مولی سعدی بصری ابن المدینی کا کتب خانہ 404
(۸) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل مولی جعفی بخاری کا کتب خانہ 404
(۹) ابو عبداللہ محمد بن ایوب بجلی رازی ابن الضریس کا کتب خانہ 405
(۱۰) ابو عبداللہ محمد بن سنجر جرجانی ثم قطائی مصری کا کتب خانہ 406
(۱۱) ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ مولی ذہلی نیشاپوری کا کتب خانہ 406
(۱۲) ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوری کا کتب خانہ 407
(۱۳) ابو زکریا یحییٰ بن معین مری بغدادی کا کتب خانہ 407
(۱۴) ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید مولی بنی ہاشم ہمدانی کوفی زیدی کا کتب خانہ 408
(۱۵) ابوالعباس احمد بن منصور ثابت شیرازی کا کتب خانہ 408
(۹۱) (۱۶) ابوالقاسم سلیمان بن احمد عجمی شامی طبرانی کا کتب خانہ 408
(۹۲) (۱۷) ابو محمد عبداللہ بن محمد قرشی مطلبی نیشاپوری المعروف ابن شیرویہ کا کتب خانہ 409
(۹۳) (۱۸) ابو حفص عمر بن احمد ابن شاہین کا کتب خانہ 409
(۹۴) (۱۹) ابوالعباس محمد بن اسحاق سراج کا کتب خانہ 409
(۹۵) (۲۰) ابو عبداللہ بن اسحاق المعروف بن مندہ کا کتب خانہ 410
(۹۶) (۲۱) ابوالحسن محمد بن العباس بغدادی ابن الفرات کا کتب خانہ 410
(۹۷) (۲۲) ابو عبداللہ محمد المسیب اسفنجی کا کتب خانہ 411
(۹۸) (۲۳) ابو عثمان سعید بن محمد بحیری نیشاپوری کا کتب خانہ 411
(۹۹) (۲۴) ابوذر عبد بن احمد بابن السماک کا کتب خانہ 412
(۱۰۰) (۲۵) ابو محمد عبدالصمد بن احمد سلیطی رازی المعروف بابت طاہر نیشاپوری کا کتب خانہ 412
(۱۰۱) (۲۶) شیخ الاسلام ابو محمد عطیہ قفصی اندلسی کا کتب خانہ 413

(۱۰۲) (۲۷) عماد الدین (صدر الدین) احمد بن سلفی اصفہانی اسکندری شافعی کا کتب خانہ 413

(۱۰۳) (۲۸) ابواسحاق مولی خولانی مصری کا کتب خانہ 413

(۱۰۴) (۲۹) ابومسعود ضبی رازی کا کتب خانہ 413

(۱۰۵) (۳۰) ابوالفضل عباس بحرانی مصری کا کتب خانہ 413

(۱۰۶) (۳۱) ابوبکر عبداللہ طرخانی کا کتب خانہ 414

(۱۰۷) (۳۲) ابوالحسن علی صہیب واسطی بغدادی کا کتب خانہ 414

(۱۰۸) (۳۳) ابوکریب ہمدانی ثم کوفی کا کتب خانہ 414

(۱۰۹) (۳۴) ابواللیث نصر بن سیار سمرقندی کا کتب خانہ 414

(۱۱۰) (۳۵) ابوبکر احمد بن ابراہیم بزاز کا کتب خانہ 414

(۱۱۱) (۳۶) ابوالحسن احمد بن عمیر ابن جوصاء کا کتب خانہ 414

(۱۱۲) (۳۷) ابوالحسن احمد بن موسیٰ نجار کا کتب خانہ 414

(۱۱۳) (۳۸) ابواحمد بکر بن محمد خمسینی بخاری کا کتب خانہ 414

(۱۱۴) (۳۹) ابومحمد جعفر نیشاپوری کا کتب خانہ 414

(۱۱۵) (۴۰) ابوعبداللہ حسین بن احمد بصیری بغدادی کا کتب خانہ 414

(۱۱۶) (۴۱) ابوعلی حسین بن محمد زہری کا کتب خانہ 414

(۱۱۷) (۴۲) عبیداللہ بن اسحاق ابن مندہ کا کتب خانہ 414

(۱۱۸) (۴۳) ابوعمرو عثمان بن احمد بغدادی کا کتب خانہ 414

(۱۱۹) (۴۴) ابوعوانہ یعقوب اسفرائینی کا کتب خانہ 14

(۱۲۰) (۴۵) ابومحمد حسن بن احمد سمرقندی کا کتب خانہ 14

(۱۲۱) (۴۶) ابوعلی حسن بن عبداللہ شاشی کا کتب خانہ 414

(۱۲۲) (۴۷) ابوالقاسم حمزہ جرجانی کا کتب خانہ 414

(۱۲۳) (۴۸) ابومحمد عبدالعزیز بن محمد نخشی کا کتب خانہ 414

(۱۲۴) (۴۹) ابومحمد عبداللہ بن عطار ہروی کا کتب خانہ 414

(۱۲۵) (۵۰) ابوحازم عمر بن احمد اعرج کا کتب خانہ 414

(۱۲۶) (۵۱) ابومسلم عمر بن علی بخاری کا کتب خانہ 415

(۱۲۷) (۵۲) ابوالفتح محمد بن احمد ابن ہمکویہ کا کتب خانہ 415

(۱۲۸) (۵۳) ابوالفتح محمد بن احمد الغوارس کا کتب خانہ 415
(۱۲۹) (۵۴) منصور بن عبدالملک تمیمی کا کتب خانہ 415
(۱۳۰) (۵۵) ابوالقاسم تمیم ازجی کا کتب خانہ 415
(۱۳۱) (۵۶) ابوالقاسم زاہد بن طاہر شروطی مستملی کا کتب خانہ 415
(۱۳۲) (۵۷) ابوالبرکات عبدالوہاب انماطی حنبلی کا کتب خانہ 415
(۱۳۳) (۵۸) ابونصر احمد بن عمر غازی کا کتب خانہ 415
(۱۳۴) (۵۹) ابوالحسن مبارک بن عبدالجبار صیرفی کا کتب خانہ 415
(۱۳۵) (۶۰) تاج الاسلام ابوبکر محمد بن منصور مروزی کا کتب خانہ 415
(۱۳۶) (۶۱) شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن احمد بلخی کا کتب خانہ 415
(۱۳۷) (۶۲) سیف الدین ابوالعباس احمد بن عیسیٰ الصالحی حنبلی کا کتب خانہ 415
(۱۳۸) (۶۳) ابوالمعالی احمد بن یحییٰ بغدادی کا کتب خانہ 415
(۱۳۹) (۶۴) جمال الدین عبداللہ بن عبدالغنی حنبلی کا کتب خانہ 415
(۱۴۰) (۶۵) رشد ابوالحسن علی بن محمد تبریزی کا کتب خانہ 415
(۱۴۱) (۶۶) محمد بن داؤد صارمی کا کتب خانہ 415
(۱۴۲) (۶۷) شرف الدین محمد بن عروہ موصلی دمشقی کا کتب خانہ 415
(۱۴۳) (د) محدثہ خواتین کے کتب خانے 416
(۱۴۴) (۱) فاطمہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی صالح الحرانی کا کتب خانہ 416
(۱۴۵) (۲) شہدہ بنت احمد الابری بغدادی کا کتب خانہ 416
(۱۴۶) (ہ) فقہاء کے کتب خانے 417
(۱۴۷) (۱) امام مالک بن انس اصبحی حمیری کا کتب خانہ 417
(۱۴۸) (۲) الامام الاعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کا کتب خانہ 417
(۱۴۹) (۳) ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی وائلی بغدادی کا کتب خانہ 418
(۱۵۰) (۴) ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم ابن راہویہ کا کتب خانہ 419
(۱۵۱) (۵) ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس شافعی کا کتب خانہ 419
(۱۵۲) (۶) محمد بن اسحاق ابن خزیمہ سلمیٰ نیشاپوری شافعی کا کتب خانہ 419
(۱۵۳) (۷) ابوجعفر محمد بن جریر طبری کا کتب خانہ 420
(۱۵۴) (۸) ابوبکر احمد بن محمد برقانی کا کتب خانہ 421

(۱۵۵) (۹) ضیاء الدین ابوشجاع .سطامی بلخی کا کتب خانہ 421
(۱۵۶) (۱۰) ابو حفص احمد بن حفص بخاری کا کتب خانہ 421
(۱۵۷) (۱۱) ابویعقوب اسحاق بن منصور وراق کا کتب خانہ 421
(۱۵۸) (۱۲) ابو محمد سلیمان بن عبداللہ زغندانی کا کتب خانہ 422
(۱۵۹) (۱۳) ابوعبداللہ محمد بن نصر سمرقندی کا کتب خانہ 422
(۱۶۰) (۱۴) زید بن الحسن قایشی یمنی کا کتب خانہ 422
(۱۶۱) (۱۵) ابوعبداللہ محمد بن الحسین زاغولی شافعی کا کتب خانہ 422
(۱۶۲) (۱۶) تاج الدین ابوعبداللہ محمد ہبتہ اللہ مصری شافعی کا کتب خانہ 422
(۱۶۳) (۱۷) عزالدین ابوالفتح محمد بن عبدالغنی مقدسی حنبلی کا کتب خانہ 422
(۱۶۴) (۱۸) شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مرسی مالکی کا کتب خانہ 422
(۱۶۵) (و) قضاۃ کے کتب خانے 423
(۱۶۶) (۱) ابوعبداللہ محمد بن عمر مدنی واقدی کا کتب خانہ 423
(۱۶۷) (۲) ابواحمد محمد بن الحاکم الکبیر کا کتب خانہ 424
(۱۶۸) (۳) ابو عمر محمد بن یوسف ازدی بغدادی کا کتب خانہ 424
(۱۶۹) (۴) ابو الولید عبداللہ بن محمد ابن الغرضی کا کتب خانہ 424
(۱۷۰) (۵) ابو منصور محمد بن عبدالجبار تمیمی مروزی حنفی کا کتب خانہ 425
(۱۷۱) (۶) ابوبکر احمد بن عمرو ابی عاصم شیبانی کا کتب خانہ 425
(۱۷۲) (۷) ابوالحسن علی بن مسہر قرشی کا کتب خانہ 426
(۱۷۳) (۸) ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق بغدادی مالکی کا کتب خانہ 426
(۱۷۴) (۹) ابو علی حسن ابن زیاد کوفی کا کتب خانہ 426
(۱۷۵) (۱۰) ابوالحسن نضر بن شمیل مازنی مروزی کا کتب خانہ 426
(۱۷۶) (۱۱) ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج بغدادی کا کتب خانہ 426
(۱۷۷) (۱۲) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ طمانی شافعی کا کتب خانہ 426
(۱۷۸) (۱۳) ابوالفرج محمد بن عبیداللہ ابوالبقاء کا کتب خانہ 426
(۱۷۹) (۱۴) ابوعبداللہ محمد بن علی دامغانی حنفی کا کتب خانہ 426
(۱۸۰) (ز) متکلمین کے کتب خانے 427
(۱۸۱) (۱) رکن الدین ابوالمعالی امام الحرمین کا کتب خانہ 427

(۱۸۲) (۲) ابوحیان علی بن محمد توحیدی کا کتب خانہ 427
(۱۸۳) (۳) ابوعبدالرحمان علی بن الحسن مروزی کا کتب خانہ 428
(۱۸۴) (۴) ابوسعد اسماعیلی معتزلی کا کتب خانہ 428
(۱۸۵) (۵) ابوجعفر محمد بن الحسن طوسی نجفی شیعی کا کتب خانہ 428
(۱۸۶) (۶) ابوبکر محمد بن الحسن بن خورک انصاری شافعی کا کتب خانہ 428
(۱۸۷) (ح) صوفیہ کے کتب خانے 429
(۱۸۸) (۱) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ صفار کا کتب خانہ 429
(۱۸۹) (۲) ابوسعد اجیر بن محمد ہروی مالینی کا کتب خانہ 430
(۱۹۰) (۳) شیخ الاسلام ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن صابونی کا کتب خانہ 430
(۱۹۱) (۴) ابوعبدالرحمان محمد بن الحسین سلمیٰ نیشاپوری کا کتب خانہ 430
(۱۹۲) (۵) ابوعبدالرحمان بن عبداللہ کا کتب خانہ 431
(۱۹۳) (۶) ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرآبادی کا کتب خانہ 431
(۱۹۴) (۷) ابومسعود احمد بن عبد رازی بجلی کا کتب خانہ 431
(۱۹۵) (۸) ابومحمد فضل بن محمد صاعدی فراوی کا کتب خانہ 431
(۱۹۶) (۹) ابوعبداللہ اسعد بن احمد نسوی کا کتب خانہ 431
(۱۹۷) (۱۰) ابوحفص بن عبدالحمید ایوروی کا کتب خانہ 431
(۱۹۸) (۱۱) عزالدین ابوالعباس بن ابراہیم واسطی کا کتب خانہ 431
(۱۹۹) (۱۲) ابوبکر عبدالرزاق بن عبدالقادر بغدادی حنبلی کا کتب خانہ 431
(۲۰۰) (۱۳) جمال الدین ابوغانم محمد بن ہبتہ اللہ کا کتب خانہ 431
(۲۰۱) (ط) نحویوں کے کتب خانے 432
(۲۰۲) (۱) ابوالعباس احمد بن یحییٰ شیبانی ثعلب کا کتب خانہ 432
(۲۰۳) (۲) ابوموسیٰ سلیمان بن محمد حامض کا کتب خانہ 433
(۲۰۴) (۳) ابوالحسن علی بن محمد ابن الکوفی کا کتب خانہ 433
(۲۰۵) (۴) ناصح الدین ابومحمد سعید بن المبارک ابن الدھان کا کتب خانہ 434
(۲۰۶) (۵) ابراہیم بن محمد بن سعدان نحوی کا کتب خانہ 434
(۲۰۷) (۶) ابوزکریا یحییٰ بن زیاد دیلمی کا کتب خانہ 434
(۲۰۸) (ی) ائمہ لغت کے کتب خانے 435

(۲۰۹) (۱) ابونصراحمد بن حاتم باھلی کا کتب خانہ 435
(۲۱۰) (۲) ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان جشمی کا کتب خانہ 435
(۲۱۱) (۳) ابوالحسن علی بن احمد بن علی ایذیجی کا کتب خانہ 436
(۲۱۲) (۴) ابوعبدالرحمٰن خلیل ازدی بصری کا کتب خانہ 436
(۲۱۳) (۵) ابوسعید حسن سکری کا کتب خانہ 436
(۲۱۴) (۶) ابوعمرو شمر بن حمدویہ ہروی کا کتب خانہ 436
(۲۱۵) (۷) ابوعبدالرحمٰن نیشاپوری کا کتب خانہ 436
(۲۱۶) (۸) ابوالہیثم رازی کا کتب خانہ 436
(۲۱۷) (۹) ابوعمرو اسحاق بن مرار شیبانی کا کتب خانہ 436
(۲۱۸) (۱۰) ابو علی حسن بن احمد فاری فسوی کا کتب خانہ 436
(۲۱۹) (۱۱) ابوالحسن علی بن احمد الدریدی کا کتب خانہ 436
(۲۲۰) (۱۲) ابوالحسن علی بن عبیداللہ سمسانی کا کتب خانہ 436

(ک) ادیبوں کے کتب خانے

(۲۲۱) (۱) ابوعثمان عمرو بن بحر معتزلی جاحظ کا کتب خانہ 437
(۲۲۲) (۲) محمد زیاد سندی ابن الاعربی کا کتب خانہ 438
(۲۲۳) (۳) امیر ابوالفضل عبیداللہ بن احمد میکالی کا کتب خانہ 438
(۲۲۴) (۴) ابوالعباس احمد ابن الفرات کا کتب خانہ 440
(۲۲۵) (۵) ابوسعید عبدالملک بن قریب باھلی کا کتب خانہ 440
(۲۲۶) (۶) ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ خارجی کا کتب خانہ 440
(۲۲۷) (۷) ابوسعید وھب بن ابراہیم کا کتب خانہ 440
(۲۲۸) (۸) ابوالحسن احمد بن عبیداللہ ابن قزاعہ کا کتب خانہ 440
(۲۲۹) (۹) ابوالحسن علی بن المغیرہ اثرم کا کتب خانہ 440
(۲۳۰) (۱۰) ابوعمران موسیٰ بن عبداللہ نجندی کا کتب خانہ 440
(۲۳۱) (۱۱) ابوغالب محمد بن احمد ابن خالہ کا کتب خانہ 440
(۲۳۲) (۱۲) ابوالحسن علی بن عبداللہ انطاکی کا کتب خانہ 440
(۲۳۳) (۱۳) حجتہ الدین ابوجعفر محمد صقلی نحوی کا کتب خانہ 440
(۲۳۴) (۱۴) ابونزار ربیعہ بن حسن ذماری کا کتب خانہ 440

(۲۳۵) (ل) شاعروں کے کتب خانے 441
(۲۳۶) (۱) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل ابن ابوالعتاہیہ کا کتب خانہ 441
(۲۳۷) (۲) ابو عبادہ الولید بن عبیداللہ البحتری کا کتب خانہ 441
(۲۳۸) (۳) ابوالطیب احمد بن حسین شیعی کا کتب خانہ 441
(۲۳۹) (۴) فخرالدین مبارک شاہ بن حسین مرو روذی کا کتب خانہ 442
(۲۴۰) (۵) عضد الدین ابوالفوارس مرھف کنانی کلبی کا کتب خانہ 442
(۲۴۱) (۶) رشید الدین محمد بن عبدالجلیل الو طواط کا کتب خانہ 443
(۲۴۲) (۷) ابوغانم معروف قصری ثعالبی کا کتب خانہ 443
(۲۴۳) (۸) ابوالعباس احمد بن جعفر ویشی کا کتب خانہ 443
(۲۴۴) (م) مورخین کے کتب خانے 444
(۲۴۵) (۱) ابوالحسن علی بن محمد بصری مدائنی ثم بغدادی کا کتب خانہ 444
(۲۴۶) (۲) ابو عبداللہ عمر بن سعد بن منیع زہری کا کتب خانہ 444
(۲۴۷) (۳) ابو عبیداللہ محمد بن عمران مرزبانی کا کتب خانہ 445
(۲۴۸) (۴) ابو عبداللہ محمد بن علی صوری بغدادی کا کتب خانہ 446
(۲۴۹) (۵) ابوالحارث اسد بن حمدویہ نسفی کا کتب خانہ 446
(۲۵۰) (۶) ابوالقاسم سعید بقال اصفہانی کا کتب خانہ 446
(۲۵۱) (۷) ابوالفضل علی بن الحسین ابن الفلکی کا کتب خانہ 446
(۲۵۲) (۸) ابو عبداللہ محمد بن سعید دبیثی کا کتب خانہ 446
(۲۵۳) (ن) ماہرین انساب کے کتب خانے 447
(۲۵۴) (۱) الامیر سعد الملک ابوبصر علی بن ہبتہ اللہ ابن ماکولا کا کتب خانہ 447
(۲۵۵) (۲) یمین الدین ابوالقاسم قسم بن طلحہ ابن الاتقی کا کتب خانہ 447
(۲۵۶) (۳) ابو عبداللہ زبیر بن بکار قرشی کا کتب خانہ 447
(۲۵۷) (س) فلاسفہ کے کتب خانے 449
(۲۵۸) (۱) ابراہیم بن عبداللہ نصرانی کا کتب خانہ 449
(۲۵۹) (۲) ابو یوسف یعقوب بن اسحاق کندی کا کتب خانہ 449
(۲۶۰) (۳) ابوبکر قومسی فلسفی کا کتب خانہ 450
(۲۶۱) (۴) ابو عبید عبدالواحد بن محمد جوزجانی کا کتب خانہ 450

(۲۶۲) (۵) رکن الدین ابو منصور عبدالسلام بغدادی کا کتب خانہ 450

(۲۶۳) (ع) مہندسوں کے کتب خانے 451

(۲۶۴) (۱) احمد بن موسیٰ، حسن بن موسیٰ اور محمد بن موسیٰ کا کتب خانہ 451

(۲۶۵) (۲) ابو محمد حسن بن موسیٰ بغدادی شیعی نوبختی کا کتب خانہ 451

(۲۶۶) (۳) علی بن احمد عمرانی موصلی کا کتب خانہ 452

(۲۶۷) (۴) ابوریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی کا کتب خانہ 452

(۲۶۸) (۵) عین الزمان ابو علی حسن بن علی مرو روذی المعروف بالقطان کا کتب خانہ 453

(۲۶۹) (۶) امیر محمود الدولہ ابوالوفاء مبشر بن فاتک امری کا کتب خانہ 453

(۲۷۰) (ف) اطباء کے کتب خانے 454

(۲۷۱) (۱) ابو زید حسنین بن اسحاق عبادی نصرانی کا کتب خانہ 454

(۲۷۲) (۲) ابوبکر محمد بن زکریا رازی کا کتب خانہ 455

(۲۷۳) (۳) ابو کثیر افرائیم بن الحسن بن اسحاق اسرائیلی کا کتب خانہ 455

(۲۷۴) (۴) موفق الدین بن اسعد بن مطران کا کتب خانہ 456

(۲۷۵) (۵) نصر بن محمد بن المظفر کا کتب خانہ 456

(۲۷۶) (۶) ثادوس بغدادی کا کتب خانہ 457

(۲۷۷) (۷) ابن الواسطی کا کتب خانہ 357

(۲۷۸) (۸) مجد الدین ابوالفضل ہبتہ اللہ کا کتب خانہ 457

(۲۷۹) (۹) اوحد الدین عمران بن صدقہ دمشقی کا کتب خانہ 457

(۲۸۰) (۱۰) ابونصر سعید بن ابی الخیر کا کتب خانہ 457

(۲۸۱) (۱۱) ابوالخیر مسیحی ابن العطاء کا کتب خانہ 457

فہرست ماخذ 461

باب پنجم

(ادارہ جاتی عوامی اور علمی کتب خانے) 495

(۲) (الف) عوامی کتب خانے 499

(۳) (۱) اوقاف کے کتب خانے 507

(۴) (۲) دور اموی میں عوامی کتب خانے 508

(۵) (الف) عہد عباسی میں عوامی کتب خانے 509

(۶) (۱) موصل میں دارالعلم (کتب خانہ) 509

(۷) (۲) بصرہ اور رامہرمز میں دارالکتب 510

(۸) (۳) بغداد میں دارالعلم 511

(۹) (۴) ہمدان میں دارالکتب 513

(۱۰) (۵) رے کا عوامی کتب خانہ 513

(۱۱) (۶) بغداد میں دارالکتب 514

(۱۲) (۷) بصرہ میں دارالکتب 515

(۱۳) (۸) اصفہان میں دارالکتب 515

(۱۴) (۹) بغداد میں ابن القصاب کا دارالعلم (کتب خانہ) 515

(۱۵) (۱۰) بغداد میں ابن المارستانیہ کا دارالعلم 516

(۱۶) (۱۱) بوزجان میں کتب خانہ 516

(۱۷) (۱۲) سرخس میں کتب خانہ 517

(۱۸) (۱۳) جنزہ میں کتب خانہ 517

(۱۹) (۱۴) بغداد میں کتب خانہ خطیب بغدادی 517

(۲۰) (۱۵) بغداد میں حازمی کا کتب خانہ 517

(۲۱) (۱۶) فاری سلامی کا کتب خانہ 518

(۲۲) (۱۷) دومی مستظہری کا کتب خانہ 518

(۲۳) (۱۸) ابی فضل کا کتب خانہ 518

(۲۴) (۱۹) سویدی کا کتب خانہ 518

(۲۵) (ب) مسجدوں کے کتب خانے 519

(۲۶) (۱) کتب خانہ جامع حلب 523

(۲۷) (۲) جامع دمشق کا کتب خانہ 523

(۲۸) (۳) جامع میارفارقین اور جامع آمد میں کتب خانے 523

(۲۹) (۴) جامع مرو اور جامع نیشاپور میں کتب خانے 524

(۳۰) (۵) جامع قزوین میں کتب خانہ 525

(۳۱) (۶) جامع اصفہان میں دار الکتب 525

(۳۲) (۷) جامع صروف میں کتب خانہ 525

(۳۳) (۸) جامع عتیق میں کتب خانہ 526

(۳۴) (۹) جامع منیعی نیشاپور میں کتب خانہ 526

(۳۵) (۱۰) جامع ساوہ میں کتب خانہ 526

(۳۶) (۱۱) جامع مرو میں کتب خانہ 528

(۳۷) (۱۲) جامع زیدی بغداد میں کتب خانہ 529

(۳۸) (۱۳) جامع زیدی میں علیمی کا کتب خانہ 529

(۳۹) (۱۴) جامع قمریہ بغداد میں کتب خانہ 530

(۴۰) (۱۵) جامع زیدی میں یاقوت رومی کا کتب خانہ 530

(۴۱) (ج) خانقاہوں کے کتب خانے 531

(۴۲) (۱) مرو شاہجہاں خانقاہ ضمیریہ کا خزانۃ الکتب 532

(۴۳) (۲) جامع دمشق میں خانقاہ سمیساطیہ میں خزانہ کتب 532

(۴۴) (۳) کتب خانہ مدرسہ خانقاہ صدوقی 532

(۴۵) (۴) کتب خانہ مدرسہ خانقاہ طرطوسی 532

(۴۶) (۵) کتب خانہ مدرسہ خانقاہ ابوالفضل المعید نیشاپوری 532

(۴۷) (۶) کتب خانہ خانقاہ غزالی 532

(۴۸) (د) رباطات کے کتب خانے 533

(۴۹) (۱) رباط اخلاطیہ بغداد کا کتب خانہ 534

(۵۰) (۲) رباط رمانہ بغداد کا کتب خانہ 535

(۵۱) (۳) رباط مامونیہ بغداد کا کتب خانہ 536

(۵۲) (۴) موصل میں رباط ابن الاثیر کا کتب خانہ 537

(۵۳) (۵) رباط ربیع مکہ کا کتب خانہ 537

(۵۴) (۶) رباط شرابی کا کتب خانہ 537

(۵۵) (ہ) مزارات کے کتب خانے 538

(۵۶) (۱) خزانہ حیدریہ نجف 539

(۵۷) (۲) مشہد ابی حنیفہ کا خزانۃ الکتب 540

(۵۸) (۳) کتب خانہ قلعہ الموت 540
(۵۹) (۴) کتب خانہ متصل مزار کرخی 541
(۶۰) (۵) مشہد قاسیون میں کتب خانہ 541
(۶۱) (۶) کتب خانہ مشہد حسام الدین ماردین 541

باب پنجم

(دوسرا حصہ)

(۶۲) درسگاہوں کے کتب خانے 545
(۶۳) (الف) درسگاہوں کے کتب خانے 546
(۶۴) (۱) مدرسہ حسان قریشی اموی نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۶۵) (۲) مدرسہ ابن حباب بستی تمیمی نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۶۶) (۳) مدرسہ ابوحفص بخارا کا کتب خانہ 551
(۶۷) (۴) مدرسہ مرست پنج دیہ کا کتب خانہ 551
(۶۸) (۵) مدرسہ باب بستان غزنہ کا کتب خانہ 551
(۶۹) (۶) محمد حمشاوی نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۰) (۷) مدرسہ ابن رضوان نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۱) (۸) مدرسہ سعیدیہ نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۲) (۹) مدرسہ دقاقیہ نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۳) (۱۰) مدرسہ صاعدیہ نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۴) (۱۱) مدرسہ ابی سعد زاہد نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۵) (۱۲) مدرسہ سل صعلوقی نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۶) (۱۳) مدرسہ ابواسحاق اسفرائینی نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۷) (۱۴) مدرسہ صابونس نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۸) (۱۵) مدرسہ قطان نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۷۹) (۱۶) مدرسہ بسطامیہ نیشاپور کا کتب خانہ 551
(۸۰) (۱۷) مدرسہ ابن فورک انصاری کا کتب خانہ 551

(۸۱) (۱۸) مدرسہ ناصحیہ نیشاپور کا کتب خانہ 551

(۸۲) (۱۹) مدرسہ بیہقیہ نیشاپور کا کتب خانہ 551

(۸۳) (۲۰) مدرسہ ابوطیب الفرائینی نیشاپور کا کتب خانہ 551

(۸۴) (۲۱) مدرسہ الخاف نیشاپور کا کتب خانہ 551

(۸۵) (۲۲) مدرسہ ابوبکر بستی نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۸۶) (۲۳) مدرسہ ابوسعد استرآبادی نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۸۷) (۲۴) مدرسہ ابوالحسن متوی نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۸۸) (۲۵) مدرسہ ابن غافرہ اسدی بوشیخ نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۸۹) (۲۶) مدرسہ نظامیہ نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۹۰) (۲۷) مدرسہ مشطی نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۹۱) (۲۸) مدرسہ سیوری نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۹۲) (۲۹) مدرسہ عراقی طوس کا کتب خانہ 552

(۹۳) (۳۰) مدرسہ صندلی نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۹۴) (۳۱) مدرسہ سراجین نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۹۵) (۳۲) مدرسہ قشیریہ نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۹۶) (۳۳) مدرسہ شحانی نیشاپور کا کتب خانہ 552

(۹۷) (ب) مدرسوں کے (وقف) کتب خانے 555

(۹۸) (۱) بغداد میں المنجم کا کتب خانہ 555

(۹۹) (۲) بست (افغانستان) میں ابن حبان کا کتب خانہ 556

(۱۰۰) (۳) جاجری کا خزانۃ الکتب 557

(۱۰۱) (۴) کتب خانہ شریف مرتضیٰ 558

(۱۰۲) (۵) کتب خانہ شریف مرتضیٰ 558

(۱۰۳) (۶) کتب خانہ نورانی بیہقی 559

(۱۰۴) (۷) کتب خانہ خوارزم شاہ تکش 559

(۱۰۵) (۸) کتب خانہ عبدالملک 559

(۱۰۶) (۹) کتب خانہ ابن جوزی 560

(۱۰۷) (۱۰) کتب خانہ قاضی فاضل 560

(۱۰۸) (۱۱) کتب خانہ ابن عساکر 562

(۱۰۹) (۱۲) کتب خانہ ابوالحسن مرجب حنبلی 562

(۱۱۰) (۱۳) کتب خانہ گوہر خاتون 563

(۱۱۱) (۱۴) کتب خانہ حارثی مقدسی 563

(۱۱۲) (۱۵) کتب خانہ ابوالمظفر شیبانی 563

(۱۱۳) (۱۶) کتب خانہ ابن الجوہری 564

(۱۱۴) (۱۷) کتب خانہ بالکین ناصری 564

(۱۱۵) (۱۸) کتب خانہ ابوالقاسم مقدسی 565

(۱۱۶) (۱۹) کتب خانہ ابوطالب حلبی 565

(۱۱۷) (۲۰) کتب خانہ بادرائی 565

(۱۱۸) (۲۱) کتب خانہ شمس الدین بطال 566

(۱۱۹) (۲۲) کتب خانہ ضیاء الدین مقدسی 566

(۱۲۰) (۲۳) کتب خانہ مورخ ابن النجار 567

(۱۲۱) (ج) جامعات کے کتب خانے 570

(۱۲۲) (۱) جامعہ نظامیہ بغداد کا کتب خانہ 570

(۱۲۳) (۲) جامعہ نظامیہ نیشاپور کا کتب خانہ 570

(۱۲۴) (۳) جامعہ نظامیہ بلخ کا کتب خانہ 570

(۱۲۵) (۴) جامعہ نظامیہ ہرات کا کتب خانہ 570

(۱۲۶) (۵) جامعہ نظامیہ اصفہان کا کتب خانہ 570

(۱۲۷) (۶) جامعہ نظامیہ بصرہ کا کتب خانہ 570

(۱۲۸) (۷) جامعہ نظامیہ موصل کا کتب خانہ 570

(۱۲۹) (۸) جامعہ نظامیہ مرو کا کتب خانہ 570

(۱۳۰) (۹) جامعہ نظامیہ آمل طبرستان کا کتب خانہ 570

(۱۳۱) (۱۰) جامعہ نظامیہ جزیرہ ابن عمر کا کتب خانہ 570

(۱۳۲) (۱۱) کتب خانہ جامعہ نظامیہ بغداد 571

(۱۳۳) (۱۲) کتب خانہ جامعہ نظامیہ نیشاپور 571

(۱۳۴) (۱۳) خزانہ کتب جامعہ مستنصریہ 571

(۱۳۵) (د) طبی مدارس اور شفاخانوں کے کتب خانے 573

(۱۳۶) (۱) کتب خانہ بیمارستان کبیر دمشق 573
(۱۳۷) (الف) بیمارستان نوری (ب) صیدلہ نوری (ج) بیمارستان کبیر 573
(۱۳۸) (۲) کتب خانہ دخوار دمشقی 573
(۱۳۹) (۳) کتب خانہ نجم الدین لبودی 574
(۱۴۰) (ہ) رصد گاہوں کے کتب خانے 575
(۱۴۱) (۱) نصیر الدین طوسی کا کتب خانہ 575
فہرست ماخذ 577

باب ششم

پہلا حصہ (کتاب سازی و وراقت)

(۲) (الف) کاغذ سازی 605
(۳) (۱) کاغذ کی تین نسبتوں سے شہرت 609
(۴) (۱) بلاد کی نسبت سے جیسے ورق سمرقندی 609
(۵) (۲) کاغذ کے کارخانہ کے مالکان کی نسبت سے جیسے ورق سلیمانی 609
(۶) (۳) کاغذ سازوں کی نسبت سے جیسے ورق منصوری 609
(۷) صنعت کاغذ سازی کے مراکز 609
(۸) (۱) ماوراء النہر 609
(۹) (۲) خراسان 609
(۱۰) (۳) بلخ 609
(۱۱) (۴) عراق 609
(۱۲) (۵) شام (دمشق، طبریہ فلسطین، حماۃ، حلب، منبج) 610
(۱۳) (۶) مصر 610
(۱۴) (۷) ایران 610
(۱۵) (۸) ہندوستان 610
(۱۶) (۹) مغرب (اندلس، قرطبہ، شاطبیہ صقلیہ) 610
(۱۷) (۲) اقسام کاغذ (سلیمانی، طلحی، نوحی، فرعونی، جعفری، طاہری) 611

(۱۸) (۳) بہترین کاغذ کی پہچان 611
(۱۹) (۴) کاغذ سازی کا ضابطہ اخلاق 614
(۲۰) (ب) سامان کتابت (قلم، دوات اور سیاہی) 615
(۲۱) (۱) کتابت و خوشنویسی 616
(۲۲) (۲) اقسام خط 619
(۲۳) (۳) تحریر و کتب شناسی 621
(۲۴) (۴) خوشنویسی کا پیشہ ورانہ مدرسہ 621
(۲۵) (۵) نقل و ضبط کا اہتمام 622
(۲۶) (۶) کتابوں میں اعراب کا اہتمام 624
(۲۷) (۷) کتاب کا مقابلہ 624
(۲۸) (۸) تخریج اور الحاق نقص 625
(۲۹) (۹) ضرب (قلم زد کرنا) حک (رگڑنا) شق (چیرنا) اور محو (مٹانا) 625
(۳۰) (۱۰) صحت کے اصول و قواعد اور احتیاطی پہلو 626
(۳۱) (۱۱) تصحیح میں احتیاط اور اصطلاحات 627
(۳۲) (۱۲) کاتبوں کا ضابطہ اخلاق 629
(۳۳) (۱۳) کاتب و ناقل کی شرطیں 630

دوسرا حصہ

(۳۴) (الف) وراقت: کتاب منزل بہ منزل 633
(۳۵) (۱) سوق الوراقین 634
(۳۶) (۲) سوق الوراقین کی کثرت 635
(۳۷) (۳) سوق الوراقین کی علمی و ثقافتی حیثیت 635
(۳۸) (۴) کتابوں کی نقل انفرادی و اجتماعی 640
(۳۹) (۵) مصنف و وراق کی نقل میں فرق 640
(۴۰) (ب) فروخت کتب کے مستقل اور عارضی مرکز 642
(۴۱) (۱) کتابوں کی قیمت پر کنٹرول 644
(۴۲) (۲) شرح کتابت 644

(۴۳) (۳) کتابوں کی قیمت کا ضروریات زندگی سے موازنہ 646
(۴۴) (۴) گراں قیمت کتابوں کے عوامل 647
(۴۵) (۵) سستی کتابوں کے عوامل 649
(۴۶) (ج) عہد عباسی کے کتب فروشوں کی خصوصیات 651
(۴۷) (ا) ضابطہ اخلاق 653
(۴۸) (۲) تحقیق اور جائزہ 653
(۴۹) (د)(ا) کتابیات و مختصرات اور دیگر مراجعاتی مواد 654
(۵۰) (۲) عہد عباسی کے معیاری ناشرین 655
(۵۱) (ہ) اشاعت کتب کی صورتیں 657
(۵۲) (ا) اشاعت کتب کی موڈرن ٹیکنیک کی بنیاد عہد عباسی میں 658
(۵۳) (۲) لغو اور مخرب اخلاق لٹریچر پر پابندی 659
(۵۴) (۳) اوائل عہد عباسی کے پسندیدہ اور مروجہ علوم 659
(۵۵) (و) تبصرہ کا آغاز 661
(۵۶) (ا) انتخاب و خریداری کتب 662
فہرست ماخذ 667

باب ہفتم

تنظیم و ترتیب علوم اور درجہ بندی۔ (اجمالی خاکہ) 685
(۲) (الف) علمی درجہ بندی 689
(۳) جابر بن حیان کی تقسیم علوم 693
(۴) (ا) شرعی (دینی) علوم (۲) عقلی (دنیوی) علوم 693
(۵) (الف) شرعی (دینی) علوم کی تقسیم کی اسکیم کا خاکہ 693
(۶ب) عقلی (دنیوی) علوم کی تقسیم کی اسکیم کا خاکہ 694
(۷) جابر بن حیان کی تقسیم علوم کی دوسری اسکیم کا خاکہ 694
(۸) کندی کی تقسیم علوم میں انقلابی نظریہ 696
(۹) (ا) علوم فلسفیہ (دنیویہ) (ب) علوم دینیہ 696

(۱۰) (ا) کندی کی تقسیم علوم کی پہلی اسکیم کا خاکہ (علوم فلسفیہ) 696

(۱۱) (ب) کندی کی تقسیم علوم کی دوسری اسکیم کا خاکہ (علوم دینیہ) 696

(۱۲) (ا) فارابی کی تقسیم علوم 697

(۱۳) (۲) خوارزمی کی تقسیم علوم 706

(۱۴) (۳) ارباب اخوان الصفا کی تقسیم علوم 708

(۱۵) (ا) علوم فلسفہ کی تقسیم کا خاکہ 710

(۱۶) (ب) علوم الہیات کی تقسیم کا خاکہ 711

(۱۷) (ج) سیاست کی تقسیم کا خاکہ 711

(۱۸) (۴) ابن سینا کی تقسیم علوم 712

(۱۹) (ا) ابن سینا کی طبیعیات کی تقسیم کا خاکہ 713

(۲۰) (ب) ابن سینا کی ریاضیات کی تقسیم کا خاکہ 716

(۲۱) (ج) ابن سینا کی الہیات کی تقسیم کا خاکہ 716

(۲۲) (۵) ابن حزم کی تقسیم علوم 718

(۲۳) (ا) ابن حزم کی علوم شرعیہ کی تقسیم کا خاکہ 720

(۲۴) (ب) ابن حزم کی علوم لغت کی تقسیم کا خاکہ 720

(۲۵) (ج) ابن حزم کی علوم النجوم کی تقسیم کا خاکہ 722

(۲۶) (د) ابن حزم کی علم العدد کی تقسیم کا خاکہ 722

(۲۷) (ہ) ابن حزم کی علم منطق کی تقسیم کا خاکہ 722

(۲۸) (و) ابن حزم کی طب کی تقسیم اول کا خاکہ 722

(۲۹) (ز) ابن حزم کی طب کی تقسیم دوم کا خاکہ 722

(۳۰) (ح) ابن حزم کی طب کی تقسیم سوم کا خاکہ 723

(۳۱) (ط) ابن حزم کی علوم شعر کی تقسیم کا خاکہ 723

(۳۲) (۶) ابن عبدالبر کی تقسیم علوم 724

(۳۳) (۷) راغب کی تقسیم علوم 725

(۳۴) (ا) راغب کی علم کی تقسیم کا خاکہ 727

(۳۵) (ب) راغب کی تقسیم شرعی علوم (ا) اعتقادات کا خاکہ 727

(۳۶) (ج) راغب کی تقسیم شرعی علوم (۲) عبادات کا خاکہ 727

(۳۷) (د) (۳) (دس مشتہیات) کا خاکہ 728

(۳۸) (ہ) (۴) معاملات) کا خاکہ 728
(۳۹) (و) (۵) زاجرات) کا خاکہ 728
(۴۰) (ز) (۶) آداب خلقیات) کا خاکہ 728
(۴۱) (۸) غزالی کی تقسیم علوم 729
(۴۲) (ا) غزالی کی تقسیم شرعی علم کا خاکہ 731
(۴۳) (ب) غزالی کی علوم دنیوی کی تقسیم کا خاکہ 733
(۴۴) (ج) غزالی کی شرعی علم کی دوسری تقسیم کا خاکہ نمبر۱ 734
(۴۵) (د) غزالی کی علم عقلی کی تقسیم کا خاکہ نمبر۲ 739
(۴۶) (۹) ابن ابی الربیع کی تقسیم علوم 742
(۴۷) (ا) اعلیٰ (الہیات) 742
(۴۸) (ب) اوسط (ریاضیات) 742
(۴۹) (ج) ادنیٰ (طبیعیات) 742
(۵۰) (ا) ابن ابی الربیع کی اعلیٰ (الہیات) کی تقسیم کا خاکہ 743
(۵۱) (ب) ابن ابی الربیع کی اوسط (لسانی علوم) کی تقسیم کا خاکہ 744
(۵۲) (ج) ابن ابی الربیع کی علم ادنیٰ (طبیعات) کی تقسیم کا خاکہ 746
(۵۳) (۱۰) امام فخرالدین رازی کی تقسیم علوم 747
(۵۴) (ا) امام فخرالدین رازی کی تقسیم کا خاکہ 749

باب ہفتم

دوسرا حصہ

(۵۵) (ا) کتابیاتی تقسیم علوم 755
(۵۶) (ا) ابن الندیم کی تقسیم علوم (کتابیاتی درجہ بندی) 755
(۵۷) ابن الندیم کی تقسیم علوم کا خاکہ 757
(۵۸) (ب) کتابی درجہ بندی 764
(۵۹) افادی درجہ بندی 765

(۶۰) ابن الکوفی کی کتابی درجہ بندی 765
(۶۱) (ج) مقاصد تنظیم و تنسیق علوم 768
فہرست ماخذ 770

باب ہشتم

(اجمالی خاکہ) 780
(۱) (ا) کیٹلاگ سازی 781
(۲) (ا) اسماء، کنیت، القاب وغیرہ قرآن کی روشنی میں 781
(۳) (۲) عربوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ 783
(۴) (ب) فہرست سازی کی اساس۔ علم، کنیت، لقب، نسبت اور تخلص 785
(۵) (ا) اقسام علم 785
(۶) (۲) علم مرکب 785
(۷) (۳) لقب و اقسام لقب 785
(۸) (۴) کنیت 786
(۹) (۵) نسبت 786
(۱۰) (ج) لقب، کنیت، علم و نسبت کی جمع و ترتیب 787
(۱۱) (ا) "ابن" کے اندراج کا اصول 788
(۱۲) (۲) مرکب نام کے اندراج کا اصول 788
(۱۳) (۳) ترتیب اندراج اسماء کے اقسام 788
(۱۴) (۴) ترتیب حروف ہجا میں علماء مشرق و مغرب کا اختلاف 790
(۱۵) (۵) الف ممدودہ و مقصورہ کی ترتیب میں تقدم و تاخر 791
(۱۶) (۶) مخفف و مشدد اسماء کی ترتیب 791
(۱۷) (۷) لفظاً و خطاً اسماء کی ترتیب 792
(۱۸) (د) عہد عباسی کا کیٹلاگ 794
(۱۹) (ا) فہرست نگاری میں اندراجات کے رہنما اصول 794
(۲۰) (۲) کتب مقدسہ کے اندراج کا رہنما اصول 795
(۲۱) (۳) موضوعی کیٹلاگ 798

(۲۲) (۴) کتابوں کے ناموں میں اختلاف کے اسباب 799
(۲۳) (۵) اشاریہ سازی کے اصول 800
فہرست ماخذ 801

باب نہم

(۱) (ا) کتابیات 807
(۲) (ا) کتابیات کی تعریف اور اس کے نام 809
(۳) (۲) فہرست نگار 814
(۴) (۳) فرقہ جاتی کتابیات 814
(۵) (۴) کتابیات کے اقسام 816
(۶) (ب) دارالخلافہ بغداد اور کتابیاتی سرگرمیوں کا جائزہ 822
(۷) (ا) موضوعی کتابیات 822
(۸) (۲) فہرست مضامین کتاب کے لیے لفظ ''ثبت'' کا استعمال 827
(۹) (۳) فن کتابیات کی مصطلحات کا استعمال 827
(۱۰) (ج) کتابوں میں حوالوں اور کتابیات کی نشاندہی کا آغاز 830
(۱۱) (ا) مواد کی حیثیت اور تبصرہ 831
فہرست ماخذ 833

باب دہم

انتظامیہ

پہلا حصہ۔ (انتظامیہ) 839
(۲) (ا) کتب خانے کی مالیات 843
(۳) (ا) مالیاتی ذرائع 843
(۴) (۲) بجٹ 844
(۵) (۳) تقابلی موازنہ۔ میزانیہ 847
(۶) (ب) عمارت کتب خانہ 850

(۷) (۱) عمارت کتب خانہ کی تعمیر میں مصر و یونان کی شہرت 850

(۸) (۲) انتخاب زمین 850

(۹) (۳) تعمیر سے قبل انتخاب زمین کے اصول 852

(۱۰) (۴) کتب خانے کے لیے مستقل عمارت کا آغاز 853

(۱۱) (۵) انہدام اور تعمیر نو 854

(۱۲) (ج) حیر (Steck) 857

(۱۳) (د) کتب خانوں میں کاغذ کی در آمد اور ذخیرہ اندوزی کا نظام 859

(۱۴) (ہ) اندراج کتب کا رجسٹر 860

(۱۵) (۱) کتابوں پر مہر لگانے کا رواج 860

(۱۶) (۲) ترتیب کتب 860

(۱۷) (۳) ترتیب علوم 861

(۱۸) (۴) عہد عباسی میں علامات نگاری کا آغاز 861

(۱۹) (۵) عہد عباسی میں ذخائر کتب کے ناپ تول کے پیمانے 863

(۲۰) (۱) حجم و ضخامت کتاب کی وضاحت کے لیے اصطلاحی الفاظ کا استعمال 863

(۲۱) (۱) کراسہ 863

(۲۲) (۲) دفتر 864

(۲۳) (۳) طاقہ 864

(۲۴) (۴) جزء 864

(۲۵) (۵) سفر 865

(۲۶) (۶) من 865

(۲۷) (۷) مجلد 866

(۲۸) (۸) مشرس 867

(۲۹) (۹) مدرج 867

(۳۰) (۱۰) رزمہ 867

(۳۱) (ز) کتب خانہ کے اوقات 868

(۳۲) (ح) کتب خانوں میں کتب و سامان کتابت کی سہولت 868

(۳۳) (ط) کتابوں کی تدفین 869

(۳۴) (ی) مجلس کتب خانہ 869

(۳۵) (ک) استعارۂ کتب 871
(۳۶) (ل) کتب خانوں سے عاریتاً کتابیں دیہات میں لے جانے کی اجازت 876
(۳۷) (م) اجراء کتب کا نظام 878
(۳۸) (ن) عاریتاً کتابیں لینے والوں کی اخلاقی ذمہ داریاں 878
(۳۹) (س) مستعار کتابوں کے قوانین 879

باب دہم

دوسرا حصہ

(۴۰) (۱) عملہ 883
(۴۱) (۱) خازن کے فرائض 885
(۴۲) (الف) دوسری صدی ہجری کے خازن 888
(ب) عہد عباسی کے مشہور خازن 888
(۴۳) (۱) تیسری صدی ہجری کے خازن (کتب خانہ) 888
(۴۴) (۲) چوتھی صدی ہجری کے خازن (کتب خانہ) 889
(۴۵) (۳) پانچویں صدی ہجری کے خازن (کتب خانہ) 890
(۴۶) (۴) چھٹی صدی ہجری کے خازن (کتب خانہ) 891
(۴۶) (الف) ساتویں صدی ہجری کے خازن 892
(۴۷) (۲) مشرفین کتب خانہ 894
(۴۸) (۳) وکیل 894
(۴۹) (۴) نساخ 894
(۵۰) (۵) کاتب و وراق 894
(۵۱) (۶) مصحح 894
(۵۲) (۷) جلد ساز 894
(۵۳) (۸) مترجم 894
(۵۴) (۹) طلا کار 894
(۵۵) (۱۰) مناول 895
(۵۶) (۱۱) خدام 895
(۵۷) (۱۲) فراش 895

(۵۸) (۱۳) حاجب وغیرہ 895

(۵۹) (ج) تحفظ کتب کی احتیاطی تدابیر 896

(۶۰) کتابیں رکھنے کے ظروف 896

(۶۱) (۱) جامہ دان 896

(۶۲) (۲) جراب 896

(۶۳) (۳) حب 896

(۶۴) (۴) خرج اور خرجین 896

(۶۵) (۵) سفط 896

(۶۶) (۶) سلہ 896

(۶۷) (۷) صن 896

(۶۸) (۸) صندوق 896

(۶۹) (۹) غرارہ، بورہ 896

(۷۰) (۱۰) تارودہ، بوتل 896

(۷۱) (۱۱) قمطر 896

(۷۲) (۱۲) قوصرہ 896

(۷۳) (۱۳) لکڑی اور تختے کی الماریاں 896

(۷۴) (۱۴) کم 897

(۷۵) (۱۵) مخلاہ 897

(۷۶) (د) کتابوں کی درستی کے لیے مسالوں کا استعمال 898

(۷۷) (ہ) جلد سازی 899

(۷۸) (و) تزئین و آرائش کتب 901

(۷۹) (ز) کتابوں کی تباہی 903

(۸۰) (۱) دیمک 903

(۸۱) (۲) چوہے اور کیڑے 903

(۸۲) (۳) اختلافات عقائد 903

(۸۳) (۴) لشکر کشی 904

(۸۴) (۵) سیلاب 904

(۸۵) (۶) آگ 904

(۸۶) (۷) چوری 904
فہرست ماخذ 911

باب یازدہم

(ثمرات، نتائج، تحقیق)

فہرست ماخذ 966
کتابیات 969
(ا) عربی کتب 969
(ب) اردو کتب 1025
(ج) ترکی کتب 1029
(د) فارسی کتب 1030
(ہ) انگریزی کتب 1033
(۵) رسائل 1036

پیش لفظ

از

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی

الحمد لله وحده والصلوة على من لانبي بعده

یہ گراں قدر تحقیقی و علمی مقالہ مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی ایم اے، پی ایچ ڈی کا وہ مقالہ ہے جس پر جامعہ کراچی نے لائبریری سائنس میں انہیں ڈاکٹریٹ کی سند دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ مقالہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ اس وقت لکھا ہے جب کہ تعلیم اور وسیع مطالعہ کے ساتھ انہوں نے مختلف کتب خانوں میں تقریباً بیس سال تک عملی تجربہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ انہوں نے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ سے اچھی واقفیت حاصل کر لی تھی اور کتب خانوں میں کام کی طویل مدت میں ہزاروں کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں ان کے سامنے تھیں۔ کتابیں انہیں میسر تھیں، وہ ان کتابوں کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔ عربی، اردو، فارسی اور انگریزی میں اب تک جو کچھ اس سلسلہ میں لکھا گیا ہے۔ مطبوعات، مخطوطات اور مصورات، سب ہی ان کی دسترس میں تھے، انہوں نے ان سے پوری طرح استفادہ کیا اور بہت سی کتابوں سے بیش بہا موتیوں کو حاصل کر کے یہ نولکھا ہار گوندھ کر تیار کیا ہے۔ جو شخص بھی اس مقالہ کو بالاستیعاب دیکھے گا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ

سات دریاؤں سے مہیا کیے ہوں گے موتی
تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا

میں نے اس مقالہ کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عہدِ عباسیانِ بغداد (۱۳۳ - ۶۵۶ھ) میں اسلامی کتب خانوں کا یہ سب سے بڑا تذکرہ ہے جو سلیقہ کے ساتھ اور بڑی تلاش و تفحص کے بعد لکھا گیا ہے۔ یہ کہنا تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس سے بہتر اور وسیع پیمانہ پر کوئی اور تذکرہ نہیں لکھا جا سکتا۔ تحقیق و تفحص کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور نہ عنوان و بیان کا کوئی اختتامی نکتہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے علمِ ناقص میں اس سے بڑی اور اس سے زیادہ محققانہ کوئی اور کتاب خاص اس موضوع پر نہیں ہے۔

قوموں کی انتہائی تاریخ میں تین ادوار بڑے نمایاں نظر آتے ہیں۔

پہلا دور:

دورِ استقرار ہوتا ہے۔ اس دور میں قومیں اپنے وجود کو مخالف کے حملوں سے محفوظ کرتی ہیں۔ باہمی نظم و ضبط کو استوار کر کے اپنے لیے سامان استقرار مہیا کرتی ہیں۔ امتِ اسلامیہ کا یہ دور ۶۲۲ء/۱ھ سے ۶۳۴ء/۱۴ھ تک ہے جس میں عہدِ رسالت و عہدِ صدیقی واقع ہے۔

دوسرا دور:

دورِ وسعت' اس دور میں قوموں کی سرحدیں وسعت اختیار کرتی ہیں' اس دور میں دوسری قومیں اس قوم میں شریک ہوتی ہیں' ممالک مفتوح ہوتے ہیں اور جو مفتوح نہیں ہوتے ان میں قوم کی آواز گونجتی اور پھیلتی ہے۔ امتِ مسلمہ کا یہ دور ۶۳۴ء/۱۴ھ سے ۷۸۸ء/۱۳۲ھ تک ہے۔ اگرچہ اس کے بعد بھی تھوڑی بہت فتوحات ہوئیں مگر فتوحات کا حقیقی اور آوازۂ تبلیغ کے دور و نزدیک گونجنے کا یہی دور ہے یہ خلافت بنی مروان کے آخری خلیفہ مروان بن محمد پر ختم ہو جاتا ہے۔

تیسرا دور:

دورِ تمدن ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جب کوئی قوم اپنا نیا تمدن پیدا کرتی ہے۔ مختلف علوم و فنون میں اس کے کارنامے وجود میں آتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں تمدن آفرینی کارنامہ ہوتا ہے۔ اس دور میں روایاتی علوم منقولات کے علاوہ قوموں میں تجرباتی و تطبیقی علوم پر بھی بہ کثرت کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ امتِ اسلامیہ کا یہ دور خلافتِ عباسیہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کا سب سے سخت اور افسوس ناک واقعہ ۱۲۵۸ء/۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ کی بربادی اور بغداد کی ویرانی ہے' اس واقعہ سے یہ دور ختم تو نہیں ہوا مگر اس میں طویل فاصلہ پڑ گیا۔ اس کے بعد۔ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

صرف دو سال کے بعد ہی ۱۲۶۰ء/۶۵۸ھ میں معرکہ عین جالوت ہوا' جس میں تاتاری فوج شکست کھا کر برباد ہو گئی۔ اس کے بعد ظالم ہلاکو خان کا پوتا احمد اللہ کا بندہ مسلمان ہو گیا اور صدق دل سے مسلمان ہو کر امتِ اسلامیہ کا حامی و مددگار ثابت ہوا۔ اسلامی تہذیب' تبلیغ و تمدن کا قافلہ پھر جادہ پیما ہو گیا۔ جہاں تک تصنیف اف اور علوم و فنون کا تعلق ہے' یہ دوسرا

دور جو تاتاری فتنہ کی وجہ سے ایک قلیل مدت کے فترہ کے بعد شروع ہوا پہلے دور سے کمتر نہیں بلکہ برتر ثابت ہوا۔ اگر اسی دور میں ہندوستان، ملیشیا، انڈونیشیا اور لاوس وغیرہ میں اسلام پھیلا، اور ہندوستان کے سوا سب جگہ بغیر فوجی فتوحات یا فوج کشی کے پھیلا تو بڑے فنکار بھی اس دور میں بہت سے پیدا ہوئے، بڑے بڑے مصنفین مثلاً امام ابن تیمیہ”، امام ابن حجر”، امام السخاوی”، امام السیوطی” وغیرہ سب اسی دور میں پیدا ہوئے تھے۔ بڑے بڑے کتب خانے قائم ہوئے۔ بڑی بڑی درسگاہیں بنیں۔ یادگار اور عجوبہ عالم عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ غرض یہ کہ ہلاکو خان نے بغداد کے کتب خانے تو جلا دیئے مگر مسلمانوں کے ذوقِ علمی کو نہ دبا سکا۔

ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی کا یہ مقالہ دورِ تمدن کے پہلے حصہ کی تاریخ کتب خانہ ہے، اور مسلمانوں کے دورِ تمدن آفرینی کے پہلے دور کی ایک دلچسپ اور سبق آموز کہانی ہے۔ یہ کہانی خاصی طویل ہے۔ مسلمانوں میں نسلی حد بندی ایسی سخت نہ اس زمانہ تھی اور نہ آج ہے جو بڑے بڑے پبلک کتب خانوں کے قیام میں حائل ہوتی۔ یہودیوں، پارسیوں اور برہمنوں کے تصور نسلیت سے امتِ اسلامیہ ہمیشہ متنفر رہی ہے اور آج بھی متنفر ہے۔ نہ برہمنوں کی طرح وید پڑھنے کا حق اس کے نزدیک برہمن تک محدود ہے اور نہ یہودیوں کی طرح بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کو اصلی کتاب سے روشناس کرانا مسلمانوں کے نزدیک جرم ہے۔ اس لیے مسلمانوں نے اپنے دورِ تمدن آفرینی میں بڑی کثرت سے بڑے بڑے پبلک کتب خانے قائم کئے، جن سے استفادہ کا حق مسلم اور غیر مسلم سب ہی کو یکساں حاصل ہوتا تھا، اور اس عمل کی وجہ سے انتظامِ کتب خانہ اور کتاب داری کا ایک فن پیدا ہوا جس میں کتابوں کے تحفظ، نقل، فن وار تقسیم اور فہرست سازی میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہی۔ امتِ اسلامیہ کے دورِ تمدن آفرینی کے حصۂ اول میں مسلمانوں کے ذوقِ علمی کو سمجھنے کے لیے یہ مقالہ انشاء اللہ بڑا کارآمد ثابت ہوگا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اہلِ علم ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی کے اس گراں قدر مقالہ سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں۔ وما توفیقنا الا باللّٰہ

عبدالقدوس ہاشمی
کراچی۔ یکم شعبان المعظم۔ ۱۴۰۱ھ
مطابق ۴ جون ۱۹۸۱ء

اظہارِ تشکر

اس تحقیقی مقالہ کی تیاری میں جن کتب خانوں سے میں نے فائدہ اٹھایا اور جن شخصیات نے قدمے سخنے میری مدد کی ہے ان کا شکریہ ادا کرنا میرا دینی اور اخلاقی فرض ہے، ان میں جامعہ کراچی کا کتب خانہ، مجلس علمی کا کتب خانہ، مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کا کتب خانہ، آل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کا کتب خانہ، ہمدرد فاؤنڈیشن کا کتب خانہ، کراچی سے باہر پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کا کتب خانہ۔ موخرالذکر دو کتب خانوں سے چند کتابیں منگائی گئی تھیں، بیرونِ پاکستان بیرو یونیورسٹی (Bayer University) کانو، نائجیریا کا کتب خانہ میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ذاتی کتب خانوں میں علامہ عبدالعزیز میمن کا کتب خانہ قابلِ ذکر ہے۔ علامہ عبدالعزیز میمن کی اس عاجز پر عنایات بہت رہی ہیں، انہیں جب اس کا علم ہوا کہ میں اس موضوع پر کام کر رہا ہوں تو مجھے بطور خاص بلوا کر المنجد کی کتاب "قواعد الفہرست المخطوطات العربیہ" اور عبدالغافر فارسی کی "السیاق" گھر پر مطالعہ کے لیے عنایت کیں جس پر میں ان کا ممنون ہوں۔ لیکن مذکورۂ بالا کتب خانوں میں سے اصل فائدہ میرے عزیز دوست بشیر محمد صاحب کے خزانۃ الکتب النوریہ سے پہنچا۔ یہ حدیث، تفسیر، تاریخ، اسماء الرجال، ادب، لغت اور دیگر علوم کی اہم اور نادر کتابوں پر مشتمل اور تازہ کتابوں کا جامع ہے۔ مولانا میمن جیسے بالغ نظر عالم کی نظر میں کم ہی کوئی کتب خانہ جچتا ہے۔ جب میں نے انہیں یہ کتب خانہ دکھایا تو انہیں اس کتب خانے کی تعریف کرتے پایا، اس کا استعمال بشیر محمد صاحب شارق المتوفی ۱۴۱۷ء/۱۹۹۶ء کی ذاتی ضروریات تک محدود ہے اس کا محل وقوع بھی ایسا ہے کہ اہلِ علم کو آنے میں اور انہیں بلانے میں بہت زحمت ہوتی ہے اس لیے اس سے استفادے کا دائرہ بہت ہی محدود ہے لیکن اس باب میں میرے ساتھ ان کا طرزِ عمل وہی رہا ہے جو ثعالبی کے ساتھ ابو الفضل عبیداللہ میکالی (المتوفی ۴۳۶ھ) کا رہا تھا۔ اب یہ کتب خانہ وارثوں میں تقسیم ہو کر پارہ پارہ ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے اس دور میں عہدِ عباسی کی روایات کو زندہ کر دیا میں اس پر موصوف کا بہت ممنون ہوں، جزاہ اللہ خیرا۔

یہ تحقیقی مقالہ میرے مشفق استاد ڈاکٹر عبدالمعید صاحب، سابق لائبریرین کتب خانہ جامعہ کراچی، پروفیسر و صدر شعبۂ علم کتاب داری، جامعہ کراچی کی نگرانی میں تیار کیا گیا جن کی

حیثیت پاکستان میں ”استاد الکل فی الکل“ اور ”ملحق الاحفاد بالاجداد“ (سند میں پوتوں کو دادوں سے ملانے والے ہیں) کی ہے ان کی نظرِ انتخاب نے پاکستان میں اس اہم موضوع کے لیے مجھے منتخب کیا اور جب تک ان کا پاکستان میں قیام رہا میں مواد جمع کرنے میں لگا رہا جب لکھنا شروع کیا تو وہ زاریا، نائجیریا، افریقہ تشریف لے گئے لیکن ان کی محبت، ہمت افزائی اور مشورے میری برابر رہنمائی کرتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں جب پاکستان آئے تو جو لکھا تھا وہ پیش کیا، فرمایا ٹھیک ہے، اسے مختصر کرو، میں نے اسے مختصر کیا مگر موضوع سے متعلق مزید جستجو اور مسلسل غور و فکر کرتا رہا جس کی وجہ سے اس تحقیقی مقالہ میں فنی نقطۂ نظر سے اسلامی کتب خانوں سے متعلق ایسے گوناگوں علمی مباحث زیرِ بحث آگئے ہیں جن کا سراغ ہمیں اس سے قبل نہ عربی ادبیات میں کہیں ملتا ہے اور نہ کسی یورپی زبان کے ادب میں نظر آتا ہے، اس لیے اس تحقیقی مقالہ کا حجم بڑھ جانا ایک طبعی امر تھا بلکہ اردو ادبیات میں دینی نوع کا یہ پہلا اضافہ ہے اور اردو ادب کے لیے ایک اچھا شگون ہے۔

بلاشبہ اگر میں نے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر عمل کیا ہوتا تو مجھے بار بار آنکھوں پر آتشیں شیشے نہ بدلوانے پڑتے۔ اس لیے اتنا مواد بھی ڈاکٹر صاحب کی نظر میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لیے کافی تھا مگر مقالہ میں وہ جامعیت و تنوع نہ آسکتا تھا جس کا میں متمنی تھا، مفتی صدر الدین آزردہ نے سچ کہا ہے۔

تمامتر نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

غرض اس ہوش ربا گرانی میں مزید جستجو اور مقالہ کی تیاری دونوں ساتھ ساتھ جاری رہیں پھر موصوف ۱۹۷۷ء کے آخر میں ڈیڑھ ماہ کی چھٹی میں پاکستان تشریف لائے تو اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اسے دوبارہ ملاحظہ فرمایا اور بعض مفید مشوروں سے سرفراز کیا جس کا میں صمیم قلب سے شکرگزار ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کے بعد دوسرے میرے استاد ڈاکٹر انیس خورشید صاحب Associate Professor شعبۂ علم کتب خانہ، جامعہ کراچی نے میری حوصلہ افزائی کی۔ مشورہ سے رہنمائی کی۔ مصروفیات کے باوجود مقالہ کے ابواب اور ثمرات و نتائج کو سنا اور اپنے ذخیرے سے بعض انگریزی آرٹیکل کی فوٹو کاپی کرانے کی اجازت بھی دی جس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ میرے بڑے بھائی وقت کے نامور فاضل، محقق عصر، (سابق پروفیسر) جامعہ اسلامیہ بہاولپور، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی زید مجدہم، میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں انہوں

نے اس مقالہ کو سنا اور مفید معلومات کی طرف رہنمائی کی۔

ایم اے لائبریری سائنس کے میرے ساتھی محمد سعید الدین صاحب فاروقی لائبریرین بلدیہ کراچی کا اخلاص اور مشورے بھی اس لائق ہیں کہ انہیں شکر گزاری کے موقعہ پر فراموش نہیں کیا جا سکتا اس طرح میری رفیقہ حیات کی رفاقت و اعانت میری دمساز رہی اور میں شب و روز پورے انہماک سے یہ تحقیقی کام کرتا رہا نیز میرے خویش مولانا نعیم الدین صدیقی المتوفی ۱۴۱۳ء / ۱۹۹۲ء بھی اس لائق ہیں کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے انہوں نے سعودی سفارت خانہ کراچی' میں فرائض منصبی کی انجام دہی و تدریسی خدمات کے باوجود وقت نکال کر اس مقالہ کی تصحیح کی اور اس کے سلسلہ میں یونیورسٹی کے تمام مراحل طے کیے اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنھوں نے اس امر میں مدد کی ہے دنیا و آخرت میں اپنی شایان شان جزا دے' آمین۔

عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ۱۹۷۷ء کے آخر میں یہ مقالہ ٹائپ کے منازل سے گزر رہا تھا کہ میرا تقرر بیرو یونیورسٹی' کانو میں ہو گیا میں مقالہ کی تصحیح کیے بغیر ہی کانو (نائیجیریا) آگیا' یہاں مراجعت کے وقت مجھے بعض کتابوں کے وہ ایڈیشن نہ مل سکے جو پاکستان میں میرے پیش نظر رہے تھے اس لیے مجبوراً دوسرے ایڈیشنوں کے حوالے دیئے گئے لیکن ایسے مقامات پر مطبع کی صراحت کر دی گئی ہے۔

ایک مصنف کی کئی کتابوں کے حوالوں کی صورت میں جلدوں سے امتیاز برقرار رکھا گیا ہے مثلاً ابن القفطی کی تاریخ الحکماء اور انباہ الرواۃ دونوں کے بکثرت حوالے آئے ہیں اس لیے ابن القفطی بلا جلد تاریخ الحکما اور جلد کے ساتھ انباہ الرواۃ مراد ہے حوالوں کے دینے میں Kate L. Turabian کے بیان کردہ طریقہ کو اختیار کیا گیا ہے۔

طباعت و تصحیح کا مرحلہ

اس مقالہ پر مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ۱۹۸۱ء میں ملی۔ اس زمانے میں اس کی طباعت و اشاعت کا خیال آیا لیکن میں بیرو یونیورسٹی کانو، نائیجیریا میں رہا، مدت کے بعد کراچی آیا، حالات بدلتے رہے اور اس کی طباعت کا جذبہ بھی سرد ہوتا گیا لیکن اس مقالہ سے میرا رشتہ جب سے قائم ہوا، اب تک قائم ہے یہی وجہ ہے کہ دورانِ مطالعہ یہ مجھے کبھی فراموش نہیں ہوا۔ جب کبھی اور جہاں کہیں اس سلسلہ کی کوئی بات یا معلومات مل سکیں انہیں حرزِ جاں بناتا رہا اور مناسب جگہ ٹانکتا رہا بعض مقام سے بعض پیراگراف نکالتا، بدلتا اور بڑھاتا رہا۔ مشکلاتِ فن کے حل کی تگ و دو کرتا رہا ہے۔ اور بقولِ غالب

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

زندگی کی منزلیں طے ہوتی رہیں اور مقالہ کا حجم بھی بڑھتا رہا میں گھٹتا رہا اور بقول شاعر حالت یہ ہے!

تنم سوخت، دلم سوخت، استخوانم سوخت
تمام سوختم، ذوق سوختن باقی ست

ایک دن مولانا حافظ محمد الثانی فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، ایم۔اے، مولف ’’تجلیات سیرت ﷺ‘‘ (جو روزنامہ جنگ میں حافظ محمد ثانی کے نام سے لکھتے رہتے ہیں کہنے لگے۔ ’’ابا میاں‘‘ آپ کو اس مقالہ کی طباعت کا خیال نہیں، میں اور حافظ حقانی میاں قادری لاہور جا رہے ہیں کسی سے بات کریں گے کہ جلد چھپ جائے، فوٹو کرا کر لے گئے، آکر کہنے لگے۔ مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب سے بات کی ہے جلد چھپ جائے گا، میں خاموش رہا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ علوی صاحب نے یہ مقالہ افضل حق قریشی، چیئرمین شعبۂ علم کتب خانہ، دانشگاہ پنجاب کو دکھایا اور الفیصل اشاعت کے لئے تیار ہوگئے۔ اس کی کمپوزنگ سے پہلے اس عاجز کو ان حضرات سے کبھی نہ خط و کتابت یاد ہے۔ نہ ملاقات، قریشی صاحب کی علم کی دوستی، فن سے محبت، قدر شناسی و اخلاص اس مقالہ کی اشاعت کا سبب ہے اللہ تعالیٰ ان علم دوستوں کو بہتر جزا دے۔ آمین۔

میں مطمئن تھا کہ مقالہ لاہور میں ہے اور علوی صاحب بھی، تصحیح کا کام ہو جائے گا، لیکن مولانا ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں انتقال کرگئے۔ تصحیح کا کام جن صاحب کے سپرد کرگئے تھے۔ وہ اس سے عہدہ برآ نہ ہوسکے۔ ناچار مجھے اس مرحلہ سے بھی گزرنا پڑا۔ اس لئے کہ تاجروں کے یہاں مصنف جب تک جان نہ کھپائے علمی و تحقیقی کتاب کی تصحیح ہوتی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اداروں کے علاوہ تاجروں کے یہاں صحت کے ساتھ کم ہی کتابیں چھپتی ہیں۔ اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ یہ صحیح چھپ جائے۔

میں نے مولانا علوی مرحوم کو ٹیلی فون کیا یہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے الفیصل میں کیسے چلا گیا مولانا علوی فرمانے لگے ادارہ مقالہ چھاپنے کے لئے تیار تھا اس کی طباعت میں تاخیر ہوتی، میں نہیں چاہتا کہ مقالہ کی طباعت میں تاخیر ہو اسے تو بہت پہلے شائع ہو جانا چاہئے تھا، آپ مطمئن رہیں جلد اور اچھا چھپ جائے گا۔ یہ ان کی پہلی اور آخری آواز تھی جو میرے کانوں نے سنی، پھر مولانا کا خط آیا میں آئندہ ہفتہ کراچی آ رہا ہوں، آپ سے ملاقات رہے گی۔ مجھے بھی خوشی تھی کہ ایک علم دوست سے ملاقات ہوگی مگر کراچی آمد سے دو دن پہلے دل کی حرکت بند ہوئی اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو موصوف اللہ کو پیارے ہو گئے۔

رفتید ولے نہ از دل ما

میں نے اس مقالہ کی Magnifier استعمال کر کے باربار تصحیح کی، چوتھی بار مولانا حافظ محمد الشافی پی۔ ایچ۔ ڈی سلمہ نے پروف پڑھے ہیں۔ غلطیاں درست کر دی جائیں تو انشاء اللہ کتاب صحیح چھپ سکے گی، وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

مولانا سعید الرحمٰن علوی علم دوست و مخلص انسان تھے ان کا علم کتب خانہ سے بظاہر کوئی تعلق نہ تھا وہ یہ مقالہ چھپوا کر علم کتب خانہ سے جس دلی وابستگی کا مظاہرہ کر گئے، وہ قابل رشک ہے یہی نہیں وہ اس مخلصانہ عمل سے علم کتب خانہ سے وابستہ اہل علم، طلبہ و طالبات اور اس مقالہ سے بہرمند افراد کے قلوب میں خصوصاً اور اسلامی ثقافت کے شیدائیوں کے دلوں میں عموماً اپنی یاد کا نقش ثبت کر گئے۔ بقول غالب!

سرمۂ ہفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

اللہ تعالیٰ حقانی میاں قادری کو بھی خوش و خرم رکھے کہ ان کی مساعی بھی بار آور ہوئیں اور مقالہ چھپ کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں پہنچا۔

اس موقعہ پر مجھے استاد الکل فی الکل ڈاکٹر عبدا لمعید المتوفی ۱۳ جنوری ۱۹۸۵ء جو پاکستان میں عِلم کتب خانہ کے علمی و عملی ہر دو پہلوؤں میں یکتائے زمانہ تھے اور ڈاکٹر سید عبداللہ نگران اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ دانشگاہ پنجاب، المتوفی ۷ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ - ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء، مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی، لائبریرین مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، المتوفی ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء اور میرے عزیز دوست سعید الدین فاروقی لائبریرین بلدیہ لائبریری کراچی، المتوفی ۱۲ اگست ۱۹۸۵ء جنہوں نے اس مقالہ کو حرف بحرف پڑھا تھا۔ اب گوناگوں اور فراواں و نادر معلومات، نئے عنوانات اور نئی ترتیب سے آراستہ دیکھ کر جو خوشی ہوتی، وہ کم لوگوں کو ہوگی۔

کب ایسے لوگ ہوتے ہیں پیدا جہاں میں
افسوس کہ تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

اس عاجز پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ اس نے ایک تاریخی خلا کو مجھ سے پُر کرا دیا جو اب تک باقی تھا میں اس قابل نہ تھا اس کی دستگیری سے یہ سب کچھ ہوا۔ ماکنا لنہتدی لولا ان ھد انا للّٰہ ہم تو (کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتے اگر اللہ نے ہم کو نہ پہنچایا ہوتا (الاعراف۔ ۴۳)

اس انعام و اکرام پر اس کے حضور میں سربسجود ہوں کہ اسے قبول فرما اور میری خطاؤں سے درگزر فرما۔ میرے اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اسلامی کتب خانے کی چوتھی کڑی "اسلامی کتب خانے عہدِ عباسی میں" جو ایک زمانۂ دراز پر محیط ہے پہلے شائع ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی دورِ جاہلی میں عربوں کے کتب خانے، ان کے مختلف پہلوؤں پر عاجز کے مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری کڑی "دورِ رسالت" اور تیسری کڑی "دورِ اموی" کے اسلامی کتب خانے ہیں۔ ان کا مواد تیار ہے۔ صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی فرصت درکار ہے۔ وہ عطا فرمائیں تو اسلامی کتب خانوں کا یہ سلسلہ عہدِ عباسی تک مکمل ہو جائے، اور اس سلسلہ کا وہ تاریخی خلاء جو اب تک باقی ہے، پر ہو جائے وما ذالک علی اللہ بعزیز

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم

محمد عبدالحلیم چشتی

۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۹۶
بوقت سحر، کراچی پاکستان

باب اول

تمہید و تعارف

فسانہ گشت و کہن شد حدیثِ اسکندر
سخن نو آر کہ نو را حلاوتے است دیگر

(فرخی)

یہ تحقیقی مقالہ جس کا موضوع "اسلامی کتب خانے" ہیں پورے عہدِ عباسی ۱۳۲-۶۵۶ھ/۷۴۹-۱۲۵۸ء کو محیط اور گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول' تمہید و تعارف ' کے دو حصے ہیں پہلا حصہ جس کی سرخی تمہید ہے اس میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ کتب خانے تمدن کی پیداوار اور ذہنی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی ترقی' کثرت و تنوع' حکمِ اِقراء اور شاہانِ عباسی کی عالمگیر تحریکِ کتب خانہ سازی کے ساتھ اثرات کا مرہون منت ہے' دورِ عباسی میں کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کے آٹھ اور کتب خانوں کی نشاندہی کے تین اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے نیز پہلی مرتبہ کتب خانوں کی شناخت کے چھپن بنیادی رہنما اصول اور ایک سو دو فروعی جن کی مجموعی تعداد (۱۵۸) ایک سواٹھاون، کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور عہد عباسی میں کتب خانوں کے ذخائر کی عددی حیثیت کو بتایا گیا ہے۔

دوسرا حصہ "تعارف" پر مشتمل ہے جس میں مقصدِ مطالعہ' انتخاب موضوع' سابقہ مطالعہ اور ماخذوں کا سرسری جائزہ' وسعت و طریق کار کی وضاحت کی گئی ہے۔

تمہید

اسلام میں تصنیف و تالیف، کتابوں کی ہم نسفی و صنف وار ترتیب و تبویب اور کتب خانوں کے حالات کے پیش نظر کبھی واجب، کبھی مستحب اور کبھی مباح ہے اس لئے کہ وحی جب اتری رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قلم بند کرایا، یہ امر واجب تھا، اسی حکم میں دینی کتابیں داخل ہیں۔ حالات کے پیشِ نظر ان کا ذخیرہ کرنا ان کی تبویب و ترتیب کرنا بھی واجب، مستحب و مباح ہے۔(۱)

اقوامِ عالم کا علمی ورثہ بھی ائمہ مجتہدین کی دور رس نگاہوں سے اوجھل نہیں رہا، انہوں نے اس کا بھی شرعی نقطۂ نگاہ سے جائزہ لیا، اسے عربی میں ترجمہ کرانے کا حکم دیا چنانچہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کتاب الام میں رقمطراز ہیں۔

”عجمیوں کی جو کتابیں ملیں وہ سب مالِ غنیمت ہیں، خلیفۂ وقت کو چاہئے کہ ترجمہ کرنے والوں کو بلائیں ان کا ترجمہ کرائیں، اس لئے کہ طب وغیرہ علوم میں کوئی کراہت نہیں ہے انہیں فروخت کریں، جس طرح دوسری غنیمت کی اشیاء فروخت کی جاتی ہیں، شرک کی کتابیں پارہ پارہ کی جائیں اور ان کے ظروف و آلات سے فائدہ اٹھائیں، انہیں فروخت کریں کتابوں کی حقیقت کو جانے بغیر جلانے اور دفن کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔“(۲)

اسلام معیشت کے لئے مادی ضروریات کے فراہم کرنے پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ تہذیب و ثقافت کے وسائل و مظاہر کو مہیا کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کا ضامن ہے اور اس امر پر زور دیتا ہے چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کی تعلیم و تربیت کے لئے مختلف اطراف میں علماء بھیجے۔ خلفاء راشدین کا بھی یہی معمول رہا، عہدِ عثمانی میں مصحف کے ساتھ مقری (جو قرات و معانی کی طرف رہنمائی کرتا تھا) اسلامی مرکزوں میں بھیجا گیا(۳) اسلام میں دارِ المصاحف و بیت المصاحف سے دارالکتب کا آغاز ہوا اور کتب خانہ تہذیب و ثقافت کا وسیلہ و مظہر اور عہد تمدن کی یادگار قرار پایا۔

امام شافعی کی مذکورۂ بالا تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا الزام مسلمانوں کے سر دھرنا قطعی بے بنیاد ہے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو صحابہؓ کا یہ طرزِ عمل امام شافعی کے لیے دلیل بنتا اور وہ مذکورۂ بالا فقہی حکم کیونکر لگاتے۔

باب اول

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ کتب خانے عہدِ تمدن کی یادگار

☆ ذہنی طاقت کا سرچشمہ

☆ کتب خانہ ایک تہذیبی و ثقافتی ورثہ کی اساس

☆ حکمِ اقراء و قیدّوا العلم بالکتاب کے ثقافتی جلوے

☆ اور عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات

☆ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کے اسباب

☆ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی نشاندہی کے اسباب

☆ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی اشاعت کے رہنما اصول

☆ عہدِ عباسی میں عوامی، شاہی و انفرادی کتب خانوں کے ذخائر کی کیفیت و کمیت

حصہ اول

(۱) کتب خانے عہدِ تمدن کی یادگار ہیں

تعلیم اور کتب خانے دورِ تمدن کی یادگار ہوتے ہیں جو قوم جتنی متمدن ہوتی ہے اسی نسبت سے اس کے علوم و فنون کی ترقی ہوتی ہے، صنعتوں اور حرفتوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے:

"علوم کی تعلیم بھی منجملہ اور پیشوں کے ایک پیشہ ہے جب معاشی آسودگی حاصل ہوتی ہے تو انسانوں کی زندگی میں مزید لطافت آجاتی ہے اور انہیں علوم و فنون اور صنعتوں سے شغف ہو جاتا ہے" (۴)

اسلام کے تمدن کی پہلی اینٹ مکہ میں رکھی گئی، سب سے پہلا مدرسہ مکہ میں کوہِ صفا پر دار ارقم میں بنا، اس میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا۔ اسی درسگاہ میں رسالت مآب ﷺ نے صحابہ ؓ کو اسلام کی دعوت و قرآن کی تعلیم دی (۵) افراد کی سیرت و کردار کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے قرآن کی تفہیم کو ذہنوں میں اتارا جس نے شعور کو بیدار کیا۔ ابلاغ اور کتب خانوں کی تحریک کی داغ بیل ڈالی، علم و کتاب کا چرچا شروع ہوا تا آنکہ عباسی دورِ خلافت میں کتب خانوں کی تحریک اتنی عام ہوئی کہ کتب و کتب خانے مسلم معاشرے کے لوازمِ حیات بن گئے۔

مکہ کے بعد اسلام کے تمدن کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا، یہ شہر سب سے پہلے اسلام میں عوامی تعلیم کا مرکز بنا، مسجد نبوی کو اسلام کی پہلی درسگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا پھر مدینہ ﷺ کی نو مسجدوں میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا (۶) مدینہ سے علوم کی سوتیں پھوٹیں، یہی شہر مرکزِ علم بنا اور "دار السنہ" کے لقب سے ممتاز ہوا (۷)

مذکورۂ بالا اصول کے مطابق اسلامی عہد میں جو شہر تمدنی حیثیت سے ممتاز و فائق رہے وہ تعلیم کے مرکز بھی رہے چنانچہ عہدِ صحابہ ؓ میں مدینہ منورہ کو سب سے پہلے "مدینۃ العلم" کا لقب ملا پھر حجاز مرکزِ علم قرار پایا۔ دورِ مرتضوی ؓ میں مرکزِ خلافت جب عراق منتقل ہوا تو یہ شرف کوفہ و بصرہ کو حاصل ہوا، اس کے بعد دورِ اموی میں دار الخلافہ جب سرزمینِ شام میں لے جایا گیا تو مرکزِ علم دمشق بن گیا، زوالِ بنی امیہ کے بعد مشرق میں دورِ عباسی میں بغداد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تو بغداد معدن علم بنا۔ پھر یہ فضیلت و امتیاز مصر و نیشاپور وغیرہ کو اور مغرب

میں قیروان و قرطبہ کو حاصل ہوا، ابن خلدون لکھتا ہے:

"بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ، کوفہ کو دیکھو جب یہاں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تمدن پھیلا اور عمرانی ترقی درجہ کمال کو پہنچی تو ان شہروں میں علم کے سمندر جوش مارنے لگے، یہاں کے باشندے تعلیمی اصطلاحات و مسائل کے استنباط میں تفنن طبع دکھانے لگے اور متقدمین سے بھی گوئے سبقت لے گئے جب یہاں تمدن کو زوال آیا اور حالت ابتر ہوئی تو بساطِ علم الٹ گئی اور علم و تعلیم یہاں سے مفقود ہو کر دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے" (۸)

"جب بغداد، بصرہ اور کوفہ جیسی علم کی کانیں مٹ گئیں تو ان سے بڑے بڑے شہر آباد ہوئے اور علم کا مرکز عراق عجم میں منتقل ہو کر خراسان و ماوراء النہر میں قائم ہوا پھر قاہرہ میں منتقل ہوا، قاہرہ کی تمدنی حیثیت چونکہ مسلسل قائم رہی اس بنا پر یہ ہر زمانے میں علم کا مرکز رہا، اس لیے جو لوگ دیارِ مغرب سے علم حاصل کرنے کے بعد دیارِ مشرق میں آتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اہلِ مشرق کی عقل و ذہانت اہلِ مغرب سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ فطری طور پر ان سے زیادہ عقل مند و تیز ہوتے ہیں۔ اس طریقہ سے وہ مغرب (یورپ، ہسپانیہ) اور مشرق (ایشیا و افریقہ) کے باشندوں کی انسانی خصوصیتوں میں فرق سمجھنے لگے ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے..... اہلِ مشرق تمدنی ترقیوں اور مسلسل مشق جاری رکھنے کے باعث اہلِ مغرب سے بڑھ گئے ہیں۔ ان کی تمام عقلی ترقیوں کا حقیقی سبب یہی ممارست و انہماک علمی (تدریس کتب و کتب خانے) ہیں" (۹)

عہدِ رسالت ﷺ سے تعلیم کا آغاز ہوا لیکن سو سال کی مختصر سی مدت میں تعلیم کو ایسی ترقی ہوئی کہ فتوحاتِ اسلامی کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا گیا تعلیم کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع تر ہوتا گیا چنانچہ علامہ

ابن حزم فرماتے ہیں۔

> "جسے تاریخ کا تھوڑا سا علم ہے وہ یقیناً یہ بات جانتا ہے کہ تابعین نے سندھ، خراسان، آرمینیہ، آذربائیجان، موصل، دیار ربیعہ، دیار مصر، شام، افریقہ، اندلس، حجاز، یمن، پورا جزیرہ عرب، عراق، فارس، کرمان، بجستان، کابل، طبرستان، جرجان، جبال میں اسلام پھیلایا اور نور علم سے گوشہ گوشہ کو منور کر دیا تھا، الحمدللہ ان مذکورہ شہروں میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جس میں "مفتی" "مقری" نہ ہو، اکثر بستیوں میں تو ایک سے زیادہ "مفتی" و "مقری" موجود تھے" (۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھی کئی کئی مقری (معلم اور لائبریرین) اور مفتی موجود تھے۔ مورخ شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ ثانیہ کے اختتام پر سنہ ۱۰۱ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

”پہلی صدی ہجری میں اہلِ علم اور ائمہ اجتہاد، زہاد، عباد، اقطاب، غوث اور ابدالوں کی ایک بہت بڑی خلقت بلادِ اسلامی میں آباد تھی ممکن ہے ہم نے ان میں سے جن کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے وہ ان سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے علم و فضل، عبادت و ریاضت اور کارناموں میں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوں۔ پہلی صدی ہجری میں اسلام کا خوب بول بالا ہوا اور گوشہ گوشہ میں اسلام پھیل گیا تھا“(۱۱)

مورخ موصوف نے تیسرے طبقہ کے خاتمہ پر مختلف بلاد کے فقہاء، محدثین و حفاظ کے نام پانچ صفحوں میں گنائے ہیں جن کی مساعی جمیلہ سے علوم و فنون کو فروغ حاصل ہوا تھا(۱۲) تعلیم کا جہاں اتنا رواج اور چرچا ہو وہاں ممکن نہ تھا کہ کتب خانے نہ ہوں، انہی وجوہ سے ہم نے عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ و دورِ اموی میں کتب خانوں کا سراغ لگایا اور اس دور کے کتب خانوں کا تذکرہ ”عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء“ میں پیش کیا ہے(۱۳)

بلاشبہ عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ و دورِ اموی میں بعض علوم کی تدوین کا آغاز ہوا انفرادی، عوامی اور شاہی کتب خانوں کی داغ بیل پڑی لیکن عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک خالص عربی تمدن جلوہ فگن رہا، عربوں کو اپنی قوت حافظہ پر جیسا کچھ اعتبار و اعتماد اور فخر و ناز تھا وہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ اپنا پورا علمی و ثقافتی ورثہ نسب نامے، جنگی کارنامے، بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے قصیدے سب حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے اور انہیں قید تحریر میں لانا عار سمجھتے تھے(۱۴) مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے یہاں کوئی کتابی مواد ہی نہ تھا۔ رسالتمآب ﷺ کے معاہدات، فرامین، ذاتی و سرکاری خطوط اور قرآن و سنت کا تحریری سرمایہ موجود تھا جس کا تذکرہ مذکورہ بالا مقالہ میں کیا گیا ہے۔ عربوں کے اپنے قوتِ حافظہ پر غیر معمولی اعتماد اور تحریری مواد کی قلت کی وجہ سے ان کے تحریری سرمایہ میں تنوع و کثرت نہیں آسکی تھی اور نہ بہت اعلیٰ پیمانے پر ان کے علوم و فنون کی تدوین ہی کی جاسکی تھی۔ اس لیے اس دور کے کتب خانوں کے ذخیرہ میں جامعیت، تنوع اور کثرت پیدا نہ ہو سکی تھی۔ اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ صرف ابلاغ اور کتب خانوں کی تحریک کا وہ آغاز ہے جس سے علم و کتاب کے سلسلہ کا احیاء ہوا تھا، اس کو ترقی دینا کتب اور کتب خانوں کے متنوع

اقسام کے ترقی پذیر سلسلہ کو نئی اور مضبوط بنیادوں پر فروغ دینا عباسی خلفاء کا کارنامہ ہے۔

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ عہدِ رسالت سے چوتھی صدی ہجری تک مسلم معاشرے میں دو قسم کے کتب خانوں کی ہر جگہ کثرت رہی ہے، ایک وہ کتب خانے تھے جنہیں عرف عام میں زندہ کتب خانہ کہا جاتا تھا یہ سامانِ کتابت کی قیود سے آزاد تھے۔ دوسرے وہ کتب خانے تھے جن کا وجود سامانِ کتابت کا مرہون منت ہے، آج اصطلاحِ فن میں اسی کو چند قیود کے ساتھ کتب خانہ کہا جاتا ہے، یہ اسلام کا فیضان ہے اس نے صدیوں تک دونوں قسم کے کتب خانوں کا سلسلہ برقرار رکھا۔

وہ زندہ کتب خانے (مکتباتِ حیہ) جن سے بلا قید زمان و مکان ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا یہ علوم و معارف کے گنجہائے گرانمایہ علماء و محدثین، فقہاء و مفسرین، ادباء و ائمہ لغت کے صدور (سینے) تھے جن میں وہ سب کچھ محفوظ تھا جو انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم و معاصرین صحابہؓ سے سنا اور شب و روز غور و فکر کے بعد خود سمجھا تھا چنانچہ خلفاء اربعہ و عبادلہ ثلاثہ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمرؓ مجتہدین حفاظ اور مکثرین (کثرت سے روایت کرنے والے) صحابہ رضی اللہ عنہم) کی جماعت (۱۵) اس قسم کے کتب خانوں کی نظیر تھے اس لیے کہ جب ان سے کچھ پوچھا جاتا یہ بلا کم و کاست اسے بیان کرتے تھے۔

ان کے بعد ان کے نامور تلامذہ کی بھی یہی شان تھی چنانچہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری (۵۸/ ۱۲۴ھ - ۶۷۸ء/ ۷۴۲ء) کا واقعہ کتب تاریخ و تذکرہ میں محفوظ ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی (۷۱-۱۲۵ھ - ۶۹۰-۷۴۳ء) نے امام زہری کو بلایا اور فرمائش کی کہ صاحبزادوں کو کچھ حدیثیں املاء کرائیں، ابن تے پسِ پردہ کاتب کو بٹھایا تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں اور ہدایت کی کہ جو املاء کرائیں قلم بند کرتا جائے۔ موصوف نے چار سو حدیثیں املاء کرائیں کچھ عرصہ بعد ہشام نے زہریؒ سے عرض کیا وہ ذخیرہ جو املاء کرایا گیا تھا گم ہو گیا، امام موصوف دوبارہ املاء کرانے پر آمادہ ہو گئے ہشام نے کاتب پس پردہ بٹھا کر ہدایت کی کہ جو موصوف بیان کریں لکھتا جائے، امام زہری وہی حدیثیں املا کرا کر رخصت ہو گئے، خلیفہ ہشام نے خود اس کا مقابلہ کیا تو سرمو فرق نہیں پایا(۱۶) حفظ کا یہ انداز عربوں کی طبیعت و مزاج کے عین مطابق تھا وہ جب کچھ سنتے اسے حافظہ کی قید میں محفوظ رکھتے تھے، ان وجوہ سے ابتدائی دور میں اس قسم کے زندہ کتب خانوں کو مسلم معاشرے میں پسند کیا جاتا تھا چنانچہ مورخ شمس الدین "الذہبی تذکرۃ الحفاظ" میں رقمطراز ہیں:

"ان علم الصحابه والتابعین فی ا[illegible]ور فهی کانت خزائن العلم لهم"(۱۷)

صحابہؓ و تابعینؒ کا علم سینوں میں محفوظ تھا ان کے سینے ان کے علم کے خزانے اور سفینے تھے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلم معاشرے میں ابلاغ علم و کتب خانوں کی یہ وہ زندہ تحریک تھی جس نے مادی کتب خانوں کی تحریک کو ابتداء میں بہت سہارا دیا اس لیے کہ ابتداء میں وسائل و سامانِ کتابت کی اتنی فراوانی نہیں تھی کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسے بآسانی حاصل کیا جا سکتا جیسا کہ قرآن مجید کی جمع و تدوین کی تاریخ کے واقعات سے عیاں ہے کہ اسے کبھی کھال پر، کبھی پتھر پر، کبھی ہڈی وغیرہ پر لکھوا کر محفوظ کیا گیا تھا(۱۸)

دوسرے وہ کتب خانے تھے جو "الکتاب" اور "قیدوا العلم بالکتاب" (علم کو قید تحریر میں لاؤ) کی تحریک تھے جس نے عربوں کی طبیعت و مزاج کو بدل کر کتاب کا خوگر و شیدا بنایا اور اس حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرایا کہ علم ایک ثقافتی ورثہ ہے اور یہ بنی نوعِ انسان کی مشترک میراث ہے، معلوم نہیں موت کب انسان کو اپنی آغوش میں لے لے پھر حافظہ گو کتنا ہی قوی ہو اور بلکہ یادداشت خواہ کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو، عوارض اسے لاحق ہوتے ہیں۔ حافظہ بعض اوقات نسیان کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان وجوہ سے علوم و معارف کو جلد از جلد کتابی صورت میں منتقل کیا جانا چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے چنانچہ علوم و حکم کو صدور سے اسفار (کتابوں) میں اور سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا گیا (اور کتب خانے معرضِ وجود میں آنے لگے تھے چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۷ ق ھ ۶۵ھ - ۶۱۶-۶۸۴ء)(۱۹) اور ابو ہریرہ (۲۱ ق ھ - ۵۹ھ - ۶۰۲-۶۷۹ء)(۲۰) اور عبداللہ بن عباس (۳ ق ھ - ۶۸ھ - ۶۱۹-۶۸۷ء) رضی اللہ عنہم کے کتب خانے(۲۱) اس کی بہترین مثال ہیں۔

اسلامی فتوحات کا دائرہ جب زیادہ وسعت اختیار کر گیا، اقوام عالم جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئیں، وہ عربوں کی طرح ہر بات کو یاد رکھنے کی عادی نہ تھیں، نہ ان کا حافظہ ان کی طرح قوی تھا پھر اس مدت میں علوم و فنون میں تنوع و کثرت آ گئی تھی، کھرے سکوں کے ساتھ کھوٹے سکے بھی بازار علم میں آنے لگے تھے۔ چنانچہ امام لیث بن سعد (۹۳-۱۷۵ھ) کا بیان ہے:

> "اسکندریہ میں ایک شیخ آیا جو نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے روایت بیان کرتا تھا میں نے بھی اس سے دو فنداق (بڑی بڑی کاپیاں) نقل کیں اور انہیں نافع کو بھیجا، موصوف نے ان روایات سے انکار کیا۔"(۲۲)

پھر اسلام کی بدولت علمی، سیادت و قیادت بھی موالی (غلاموں) کو حاصل ہو گئی تھی وہ

علمی مسندوں پر جلوہ افروز ہو کر علم کی تشریح و اشاعت اور تصنیف و تالیف میں سرگرم عمل تھے (۲۳) لوگوں کی ہمتیں جواب دینے لگی تھیں۔ ائمہ فن کو علم کے برباد ہونے کا خطرہ ہوا اور انہوں نے سینوں سے سفینوں میں علوم و معارف کو منتقل کرنا شروع کیا۔ انہوں نے عربوں سے اکتسابِ علم کیا تھا، اس لیے ان کے انداز و طریقہ اکتسابِ علم کے دلدادہ تھے چنانچہ انہیں مرغوبِ خاطر یہی امر تھا کہ علوم کی تحصیل اس طرح حافظہ سے کی جاتی ہے جس طرح انہوں نے کی تھی (۲۴) اس طرح اسلامی تاریخ میں علوم و فنون کی تدوین شروع ہوئی، یہی وہ زمانہ تھا جب وسائلِ کتابت و سامانِ کتابت بآسانی میسر ہونے لگا، کاغذ کے کارخانے اسلامی قلمرو میں لگنے شروع ہوئے، وہ سہولت سے ملنے لگا تو اسلامی قلمرو میں ہر شہر اور بستی بلکہ گلی گلی مادی کتب خانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور سینوں کے سفینوں میں بھی علم کا دفینہ کیا جانے لگا اس طرح مسلم معاشرہ میں ہر دو قسم کے کتب خانوں کا باہمی سفر شروع ہوا جہاں ایک پایا جاتا وہاں دوسرا بھی ساتھ ہی ملنے لگا تھا، ہر دو نوع کے کتب خانوں کے تلازم کا یہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری تک اپنے عروج پر رہا پھر پہلے نوع کے کتب خانوں کی کثرت میں انحطاط آنے لگا، تاہم عہدِ عباسی تک یہ سلسلہ برابر قائم رہا جیسا کہ کتب طبقات سے عیاں ہے۔

عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں میں کاغذ سازی کے کارخانوں اور سوق الکتب کا قیام علوم و فنون کی ترتیب و تدوین اور تنوع و کثرت، ترویج و اشاعت، تصنیف و تالیف، دوسری زبانوں سے ترجمہ کتب کے عالمگیر سلسلہ کا آغاز، عالمی ادب کی حفاظت اور ترجمہ کے ذریعہ عمومی طور پر اس کی نشر و اشاعت، اسلامی شہروں میں وراقوں کے کوچوں اور مستقل محلوں کی آباد کاری، کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کا احیاء اور ہمہ اقسام کے کتب خانوں کا قیام اور ان کی فنی تنظیم، اس دور کی برکات ہیں۔ ان وجوہ سے اسلام کی تاریخ میں کتب و کتب خانوں کی تشکیل و ترویج کا سب سے زیادہ روشن و تاباں دور، عباسی دور ہے اور اس دور کے اسلامی کتب خانے ہمارے اس تحقیقی مقالہ کا موضوع ہیں۔

(ب) ذہنی طاقت کا سرچشمہ

موجودہ دور میں ملکی طاقت کا سرچشمہ حسب ذیلِ تین طاقتوں کو تسلیم کیا گیا ہے ان کی تنظیم و تشکیل بھی عہدِ عباسی میں بدرجہ اتم ہوئی ہے۔

(۱) فوجی طاقت (Military Power) جس کے متعلق قرآن نے کہا۔

"واعدو الهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترهبون به عدو الله و عدو کم و آخرین من دونهم لا تعلمونهم الله یعلمهم (الانفال - ۳۰) اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور ہتھیار بند رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

(۲) اقتصادی طاقت (Economic Power) اقتصادی طاقت کے بقاء و ارتقاء کے لیے اسلام نے زکوٰۃ، صدقات، غنائم و جزیہ وغیرہ کا مستقل نظام قائم کیا ہے۔

(۳) ذہنی فکر و دانش کی طاقت (Intelectual Power) جس کو پروان چڑھانے کے لیے نبی کے فرائض منصبی میں "یعلمهم الکتاب والحکمه" البقرہ' (وہ ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے) کو داخل کیا گیا قرآن نے علم کتاب و حکمت سے بہرہ ور افراد کا ذکر بڑے ہی امتنان کے مواقع پر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت طالوت کے متعلق فرمایا ہے۔

"وزاده بسطة فی العلم والجسم" (۲۴۷۔ البقرہ) اور اللہ نے اس کو دماغی اور جسمانی دونوں قسم کی صلاحیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھیں۔۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کے متعلق کہا ہے "اتیناه الحکمة وفصل الخطاب" (۲۰۔صاد) اس کو حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔ حضرت لقمان کے بارے میں فرمایا ہے۔ "ولقد اتینا لقمان الحکمة" (۱۲۔ لقمان) اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی اور سورۂ حدید میں فرمایا گیا ہے "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط' وانزلنا الحدید فیه باس شدید ومنافع للناس و یعلم الله من ینصره ورسله بالغیب ان الله قوی عزیز" (۲۵-۵۷ الحدید)۔ "ہم نے اپنے رسولوں کو صاف

صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور اور لوگوں کے منافع ہیں یہ اس لیے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اقوامِ عالم میں قوت کا توازن اور اعتدال قائم رکھنے کے لیے انہی تین طاقتوں کی ضرورت ہے لیکن ذہنی فکر و دانش کی طاقت اصل طاقت ہے اور فارسی والوں کا تو مقولہ یہ ہے "توانا بود ہر کہ دانا بود"۔ اس اصل ذہنی طاقت کا سرچشمہ کتب و کتب خانہ ہیں۔ فکر و دانش کی طاقت، مذکورہ بالا ہر دو طاقتوں کی بقاء و ارتقاء اور ان کے بر محل اور صحیح استعمال کی ضامن ہے، اس لیے اس کو ان دونوں مذکورہ بالا طاقتوں سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، موجودہ ترقی یافتہ دور میں اس سے اندرونِ ملک قومی عزم و استقلال کی تعمیر کی جاتی ہے اور بیرونِ ملک نفسیاتی جنگ (Psychological Warfare) لڑی جاتی ہے۔ زمانہ امن میں اس سے قومی وقار میں اضافہ اور جنگ کی صورت میں اس سے Morale حوصلہ، ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ بیرونی ممالک کو اپنا ہمنوا بنانے اور دشمن کو کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بڑی بڑی کامیابیاں اسی طاقت کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہیں۔ اس لیے اس کو نہایت موثر اور اہم قوت تصور کیا جاتا ہے فکر و دانش کی طاقت کے پروان چڑھنے کا مرکز کتب و کتب خانہ ہے۔ موجودہ سائنسی دور میں طاقت کے حسبِ ذیل سات عناصر مانے گئے ہیں(۲۵)

(۱) جغرافیہ	*Geography*
(۲) قدرتی وسائل اور خام اشیا	*Natural resources • raw material*
(۳) آبادی	*Population*
(۴) ٹیکنالوجی	*Technology*
(۵) نظریات	*Ideologies*
(۶) عزم و استقلال	*Morale*
(۷) قیادت	*Leadership*

فکر و دانش کی طاقت کا ان مذکورہ بالا سات عناصر میں سے آخری چار عناصر سے نہایت گہرا اور ابتدائی تین عناصر سے عمومی ربط و تعلق ظاہر ہے۔ فکر و دانش کے سرمایہ کی حفاظت

اشاعت و ترقی کا مرکز کتب و کتب خانہ ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ملک و ملت کی فلاح و بہبود کا کتب و کتب خانوں سے نہایت قریبی اور بہت ہی گہرا رشتہ ہے اور قومی بقاء و ارتقاء میں کتب اور کتب خانوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ کسی خطہ و مملکت میں آباد قوموں کو زیرِ نگین رکھنے کے لیے حکمران قوم کا محکوم اقوام سے ذہنی سطح میں بلند تر ہونا لازمی امر تھا اور ہے، تاریخ اسلام اس امر کی شاہدِ عادل ہے کہ حجاز و نجد کے رہنے والے حاملین کتاب بدووں کا سلطنتِ روما، شام و ایران جیسی متمدن اقوام کی مملکتوں پر اپنا دبدبہ و شوکت قائم کرنے میں کامیابی ان کی ذہنی سطح کی رفعت و بلندی کا بین ثبوت ہے جو انہیں اس کتاب سے نصیب ہوئی تھی۔

اسلام نے فکر و دانش کی طاقت کے سرچشمہ کتب و کتب خانہ کی ترویج و اشاعت اور تحفظ و توسیع پر بہت زور دیا ہے۔ عہدِ عباسی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ تاریخ کے اس سنہری دور میں کتب و کتب خانوں کی سب سے زیادہ کثرت رہی ہے۔

(ج) کتب خانہ: ایک تہذیب و ثقافتی ورثہ کی اساس

حقائقِ اشیاء سے فراہم کی ہوئی معلومات پر ہر قوم اپنے علمی، معاشرتی، تاریخی و ثقافتی نظریات کی تعمیر و تشکیل کرتی اور انہی افکار و نظریات کے مطابق اپنا نظامِ فکر و عمل مرتب کرتی ہے اور وہی اس قوم کی خاص تہذیب کہلاتی ہے، انہی افکار و نظریات پر مبنی فلسفہ زندگی کے مطابق وہ ہر شعبہ علم کو ترتیب دیتی اور تشکیل کرتی ہے(۲۶) اس علمی سرمایہ و ثقافتی ورثہ کے مظاہر کتب خانے ہیں، اس لیے کتب خانوں کو ہمیشہ ثقافتی مرکز کہا جاتا ہے، ہر قوم کے نظامِ فکر و عمل کی بدولت ان کے علوم و فنون میں تنوع، کثرت، وسعت پیدا ہوتی اور علوم و معارف کو اہمیت حاصل ہوتی ہے، اس قوت کے سہارے اس قوم کے علوم و فنون اور کتب خانے فروغ پاتے رہے ہیں۔

شاہانِ عباسی کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں اور ایرانی، کلدانی، مصری، یونانی و ہندی تہذیب و تمدن کی رنگ آمیزیوں سے عباسی تمدن مشرق میں اسلامی تمدن بنا(۲۷) مشرق و مغرب میں جہاں کہیں کوئی نئی حکومت قائم ہوئی یا کوئی نئی قوم برسرِ اقتدار آئی وہ بھی ان کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں سے متاثر ہوئی اور علم نوازی، معارف پروری میں انہی کے نقش قدم پر چلی۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے دنیا کی تمام متمدن اقوام پر محض سیاسی یا فوجی غلبہ ہی حاصل نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اپنے علمی افکار، نہایت مدلل، نظریات، نادر تحقیقات، بیش بہا معلومات، تجربات و انکشافات کو اپنے طرزِ فکر و عقیدے کے مطابق مرتب کر کے پیش کیا جس کی وجہ سے ایک ایسی پاکیزہ و شاندار تہذیب وجود میں آئی جس کے رنگ میں دنیا رنگتی چلی گئی اور صدیوں دنیا اس تمدن تہذیب و ثقافت کی تقلید کو فخر سمجھتی رہی، ان کے مرتب و مدون کئے ہوئے ثمرات و نتائج کی روشنی میں یورپ کے مفکر اور دانشور آگے قدم بڑھاتے رہے(۲۸)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی کا علمی و تحقیقاتی ادب اور اس کے ثقافتی مظاہرے طالب علموں، استادوں، دانشوروں اور محققوں کے لیے علم و بصیرت، دانش و آگہی کے لیے سب سے زیادہ کشش و جاذبیت کا باعث رہے۔ اس دانشورانہ طاقت کے سہارے مسلمان اپنے اور اپنے زیرِ نگین اقوامِ عالم کے اخلاق، سیرت و کردار، سنوارتے، اذہان و افکار کی تعمیر و تشکیل کرتے اور تحقیقاتی ادب کے پروان چڑھانے میں سرگرمِ عمل رہے۔ وہ علماء و محققین جو اس سلسلہ میں ان کی مدد کرتے یہ ان کی ہمت افزائی کرتے ان کی تحقیقاتی سرگرمیوں، علمی کاوشوں اور ذہنی ثمرات و نتائج کی سونے کے بھاؤ قیمت ادا کر کے علمی سرمایہ

میں اضافہ کرتے رہتے تھے (۲۹)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ثقافتی مظاہرے مسلمانوں کی علمی بقاء و ارتقاء کا سب سے موثر و اہم سبب بنے رہے۔

مذکورۂ بالا وجوہ سے عباسی دور کو مسلمانوں کے علم و آگہی کا سنہری دور ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس کی نقش آرائیاں اور علمی و کتابی سرگرمیاں ہر دور میں اہلِ علم و دانش کی مرکزِ توجہ ہیں اس لیے مسلمان اہلِ قلم اور مستشرقین نے اس دور کے کتب خانوں کو اپنا موضوعِ بحث بنایا ہے۔

(د) حکم اِقرا و قیدِوا العلم بالکتاب کے ثقافتی جلوے اور عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات

غار حراء میں اِقراء کے حکم اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان قید و ا العلم بالکتاب نے مسلمانوں کو الکتاب کی

۱۔ قرائت

۲۔ کتابت

۳۔ حفاظت اور

۴۔ اشاعت کا پابند کر کے علم و عرفان کا والہ و شیدا بنایا پھر ان کی دعوت پر جس قوم و ملت نے اقرا کے نور اور قید و ا العلم بالکتاب (علم کو قیدِ تحریر میں لاؤ) کی معرفت کو دل میں جگہ دی وہ بھی مذکورہ بالا چار باتوں کی خوگر ہو گئی۔ اس طرح حکم الٰہی اور فرمان رسول ﷺ سے عالم میں علمی دور کا آغاز ہوا اور علوم و فنون کے کتب کے احیاء کا ایسا ترقی پذیر سلسلہ شروع ہوا کہ جب تک اس عالم میں اقرا کا سلسلہ قائم ہے اِس کی تحریکِ احیاء علوم و کتب کا دریائے فیض رواں رہے گا۔

"اِقراء" اور "قیدوا العِلم بالکتاب" کی اس تحریک احیاء علوم و کتب سے کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا پھر شاہانِ عباسی نے خزانۃ الحکمہ، بیت الحکمہ و خزانۃ الکتب قائم کر کے بنی نوعِ انسان کے تمدنی و ثقافتی مشترکہ ورثہ کی حفاظت کے جذبہ کو مزید توانائی بخشی۔ ان کے دور میں عالمگیر تحریک اور کتب خانہ سازی کو خوب پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا، عہدِ عباسی میں اس کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کے دیرپا و دور رس اثرات حسبِ ذیل تھے۔

عرب جو اپنے حافظہ پر غیر معمولی اعتماد کی وجہ سے اپنے علمی و ثقافتی ورثہ کو ضبطِ تحریر میں لانا عار سمجھتے رہے تھے۔ (۳۰) اس تحریک نے ان کے ذہن ہی کو بدل کر رکھ دیا وہ اس کو فخر سمجھنے لگے۔ چنانچہ اوائل عہدِ عباسی میں پورے اسلامی قلمرو میں تصنیف و تالیف اور تدوین علوم کے ترقی پذیر سلسلہ کا نہایت سرعت کے ساتھ آغاز ہوا (۳۱)۔

مجالس علم و املاء میں دوات اور کاغذ کے ساتھ حاضری اہلِ علم کا دستور بن گئی تھی (۳۲)

یہ عالمگیر و اجتماعی تحریک پورے اسلامی قلمرو میں پروان چڑھی اور ایسی مقبولِ انام ہوئی کہ اس کے چلانے اور کتب خانوں کو فروغ دینے کے لیے نہ مرکزی نہ صوبہ جاتی و بلدیاتی اداروں کی مدد درکار ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک نے مسلم معاشرے کے احساسات اتنے بیدار کیے تھے کہ کتب خانوں کا قیام و اہتمام مسلم معاشرے کے ثقافتی آداب و لوازم سے سمجھا جانے لگا تھا۔

۲۔ عہدِ عباسی میں کتب خانہ مسلمانوں کی تمدنی زندگی کا لازمی جز بن گیا تھا اس لیے تذکرہ کی کتابوں میں کتابوں کے شوقین بادشاہوں، امیروں، وزیروں اور عالموں وغیرہ کے کتب خانوں کے ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں کتب خانوں کا ذکر شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔

شاہِ دمشق الملک المعظم جو ایک عالم اور نہایت فاضل مصنف تھا، تذکرہ نگاروں نے اس کے سب ہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے لیکن اس علم دوست، معارف پرور شیدائے کتب بادشاہ کے کتب خانہ کا کسی نے تذکرہ نہیں کیا، یاقوت نے ابو سعد محمد بن احمد عمیدی نحوی المتوفی ۴۳۳ھ کی کتاب "تنقیح البلاغہ" کا نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس کے کتب خانہ میں دیکھا تھا(۳۳) اس لیے عمیدی کے ذکر میں اس کے کتب خانہ کا نام آگیا ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ اس کا بھی کوئی کتب خانہ تھا۔

۳۔ عہدِ عباسی میں بادشاہ، امیر، وزیر کے محل سرا و ہر ذی حیثیت اور پڑھے لکھے کے مکان میں کتب خانہ ہونا لوازم زندگی سے شمار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ شاہانِ عباسی میں سے ہر ایک خلیفہ کے پاس کتب خانہ موجود تھا لیکن تذکرہ نگاروں نے دو چار کے سوا کسی خلیفہ کے کتب خانے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ عوام و خواص میں ان کے کتب خانوں کی بہت شہرت ہوتی تھی چنانچہ صولی نے ایک موقعہ پر خلیفہ راضی باللہ سے یہ بات کہی تھی۔

" یتحدث الناس بان سیدنا مع جلالة علمه، وعلو نعمته عمل خزانة کتب کما عمل متقد مو الخلفاء "(۳۴) عوام میں چرچا ہے کہ ہمارے بادشاہ نے جلالتِ علمی اور علوِ نعمت کے باوجود خزانہ کتب بنایا ہے جیسا کہ پیشرو بادشاہ کتب خانے بناتے چلے آئے ہیں۔

اس سلسلے سے ثابت ہوتا ہے کہ راضی باللہ کے تمام پیشرو بادشاہوں۔

۱۔ منصور ۱۳۶ھ - ۱۵۸ھ = ۷۵۴ء - ۷۷۴ء

۲۔ مہدی ۱۵۸ھ ۔ ۱۶۹ھ = ۷۷۵ء ۔ ۷۸۵ء
۳۔ ہادی ۱۶۹ھ ۔ ۱۷۰ھ = ۷۸۵ء ۔ ۷۸۶ء
۴۔ رشید ۱۷۰ھ ۔ ۱۹۳ھ = ۷۸۶ء ۔ ۸۰۹ء
۵۔ امین ۱۹۳ھ ۔ ۱۹۸ھ = ۸۰۹ء ۔ ۸۱۳ء
۶۔ مامون ۱۹۸ھ ۔ ۲۱۸ھ = ۸۱۳ء ۔ ۸۳۳ء
۷۔ معتصم ۲۱۸ھ ۔ ۲۲۷ھ = ۸۳۳ء ۔ ۸۴۱ء
۸۔ واثق ۲۲۷ھ ۔ ۲۳۲ھ = ۸۴۲ء ۔ ۸۴۴ء
۹۔ متوکل ۲۳۲ھ ۔ ۲۴۶ھ = ۸۴۷ء ۔ ۸۶۱ء
۱۰۔ منتصر ۲۴۷ھ ۔ ۲۴۸ھ = ۸۶۱ء ۔ ۸۶۲ء
۱۱۔ مستعین ۲۴۸ھ ۔ ۲۵۱ھ = ۸۶۲ء ۔ ۸۶۵ء
۱۲۔ معتز ۲۵۱ھ ۔ ۲۵۵ھ = ۸۶۶ء ۔ ۸۶۹ء
۱۳۔ مہتدی ۲۵۵ھ ۔ ۲۵۶ھ = ۸۶۹ء ۔ ۸۷۰ء
۱۴۔ معتمد ۲۵۶ھ ۔ ۲۷۹ھ = ۸۷۰ء ۔ ۸۹۲ء
۱۵۔ معتضد ۲۷۹ھ ۔ ۲۸۹ھ = ۸۹۲ء ۔ ۹۰۲ء
۱۶۔ مکتفی ۲۸۹ھ ۔ ۲۹۵ھ = ۹۰۲ء ۔ ۹۰۸ء
۱۷۔ مقتدر ۲۹۵ھ ۔ ۳۲۰ھ = ۹۰۸ء ۔ ۹۳۲ء
۱۸۔ قاہر ۳۲۰ھ ۔ ۳۲۲ھ = ۹۳۲ء ۔ ۹۳۴ء

کے پاس کتب خانے تھے لیکن تاریخ کی کتابوں میں منصور، ہارون اور مامون کے سوا کسی کے کتب خانہ کا ذکر نہیں ملتا۔

یہ اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ عباسی دور میں کتب خانہ مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کا ایک لازمی جز بن چکا تھا۔ ہر پڑھے لکھے کا گھر چھوٹے بڑے کتب خانے سے خالی نہیں تھا، اس امر میں بڑے لوگوں کی بڑی شہرت تھی اور ان کے کتب خانے شہرت کی بناء پر ذکر سے مستغنی سمجھے جاتے تھے اس لیے ان کے کتب خانوں کے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔

۴۔ مسلم معاشرہ میں عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا عام معمول بن گیا تھا چنانچہ ابو نصر احمد بن حامد اصفہانی المتوفی ۵۲۶ھ جو سلطان محمود سلجوقی کے خزانۂ شاہی کا نگران تھا تذکرہ نگاروں نے اس کا تذکرہ لکھا(۳۵) لیکن اس کے دارالکتب کا ذکر نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ عہدِ عباسی میں عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا عام معمول تھا، اس

لیے اس کے بانی و موسس کے ذکر کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا' اگر کوئی بہت ہی غیر معمولی کارنامہ ہوتا تو اس کا ذکر گاہ بگاہ تذکرہ نگاروں کے زبان پر آجاتا تھا۔

اہل خیر عموماً مسجدیں بنواتے اور ان میں کتب خانے قائم کرتے تھے' بعض اہل خیر مختلف شہروں میں کئی کئی مسجدیں تعمیر کراتے تھے۔ چنانچہ حسان بن سعید منیعی المتوفی ۴۶۳ھ نے بہت سی مسجدیں مختلف شہروں میں بنوائی تھیں(۳۶) ان میں کتب خانے بھی قائم تھے لیکن ان کے غیر معمولی کارنامے کی وجہ سے تذکرہ نگار صرف جامع منیعی نیشاپوری کا ذکر کرتے ہیں اور "بیت الکتب" کا ذکر صرف عبدالغافر فارسی نے کیا(۳۷) اور کسی نے نہیں کیا جس سے ہمارے مذکورہ بالا دعوے کی مزید تائید ہوتی ہے۔

۷۔ عہدِ عباسی میں تیسری صدی ہجری کے نصفِ اول میں علم کی سہولت و افادہ کی خاطر بغداد میں گھروں میں (انفرادی) اور راستوں پر (عوامی) کتب خانے موجود تھے(۳۸)

اسلامی قلمرو کے بعض شہروں میں صرف عوامی کتب خانوں کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی چنانچہ یاقوت نے مرو شاہجہاں کے بیان میں دوسرے اقسام کے کتب خانوں کو نظرانداز کرتے ہوئے صرف دس ایسے مشہور عوامی کتب خانوں کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے جن سے دو سو مجلدات بلا زرِ ضمانت باآسانی مل جاتی تھیں(۳۹)

سلاطین بھی عوامی کتب خانوں کے قیام کو خیر و برکت اور عزت و شرف کا کام سمجھتے اور اس میں مسابقت کو پسندیدہ اور نہایت شریفانہ اقدام خیال کرتے تھے۔ چنانچہ عضدالدولہ نے بصرہ میں جب ابن سوار کے دارالکتب کو دیکھا تو کہا تھا "ھذہ مکرمہ سبقنا الیھا" (۴۰) یہ ایسا خیر کا کارنامہ ہے جس میں ابن سوار ہم سے گوئے سبقت لے گیا۔

عضدالدولہ کے مذکورہ بالا جملہ میں عوامی کتب خانوں کے قیام کا ایک گونہ عزم و ارادہ ی پایا جاتا ہے۔

ہر جامع مسجد اور ہر اس مسجد میں جس میں درس کا حلقہ قائم ہوتا تھا عوامی کتب خانہ بنایا جاتا تھا(۴۱) پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں جب خلیفہ ناصرلدین اللہ نے "روح العارفین" نامی کتاب لکھی تو بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں اس کا درس دیا جاتا تھا(۴۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں عوامی کتب خانے قائم

تھے کیونکہ ہر جامع مسجد اور ایسی مسجد میں جہاں تعلیمی حلقے قائم ہوتے تھے عوامی کتب خانہ قائم کیا جاتا تھا(۴۳) نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں عوامی اور نصابی کتب خانوں کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔

۹۔ دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں کتب اور کتب خانوں میں انہماک اتنا بڑھ گیا تھا کہ اہلِ علم اس کو بلند ترین عہدہ و منصب اور شاہوں کی قربت و مصاحبت سے بہتر و برتر سمجھنے لگے تھے' جاحظ کا بیان ہے:۔

"میں جب اسحاق بن سلیمان ہاشمی المتوفی ۱۹۴ھ کے پاس ان کی گورنری سے معزولی کے بعد گیا اور انہیں کتب خانہ میں کتابوں میں منہمک دیکھا تو کہا کہ آج کے دن سے زیادہ پروقار' بلندتر' بارعب اور باعظمت میں نے ہاشمی کو کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے کہ اس نے ہیبت کے ساتھ محبت کو اور عظمت کے ساتھ حلاوت کو اور سیادت کے ساتھ عظمت کو جمع کر دیا تھا"(۴۴)

۱۰۔ زمانۂ طالب علمی میں طلبہ کتب خانہ بنانے کی دھن میں لگ جاتے تھے چنانچہ صولی المتوفی ۳۳۵ھ نے جب راضی باللہ اور اس کے "بھائی ہارون کو پڑھانا شروع کیا اور انہیں کچھ منتخب' فقہ و ادب' لغت و تاریخ کی کتابیں خرید کر دیں تو "**عمل کل واحد منهما خزانة**" لکتبه(۴۵) ہر ایک نے اپنا کتب خانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔

۱۱۔ کتابیں پڑھے لکھے لوگوں کی زندگیاں بدلتی' ان کے اذہان کو جلا بخشتی ان کے افکار میں ندرت و وسعت پیدا کرتی تھیں اور بے پڑھے لکھے لوگوں کے محل سراؤں اور رین بسیروں کی سجاوٹ اور زینت کا بھی کام دیتی تھیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے کتب اور کتب خانوں سے تطہیر قلب و نظر اور تزکیۂ ذہن و فکر کے علاوہ آرائش مکین و مکان کا بھی کام لیا تھا چنانچہ اس کا عملی مظاہرہ عباسی قلمرو سے باہر مشرق ایشیا و افریقہ کے علاوہ مغرب یورپ' اندلس میں بھی ہوتا رہتا تھا۔

حضرمی کا بیان ہے کہ قرطبہ کے سوق الکتب میں اپنی مطلوبہ کتاب کی طلب و جستجو میں مدت سے منتظر تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ کتاب روشن خط اور عمدہ تشریح کے ساتھ نظر آئی مجھے بہت خوشی ہوئی' میں اس کی قیمت بڑھا کر لگانے لگا لیکن بڑھ کے بولی دینے والا میری زیادہ قیمت پر بھی بڑھتا رہا' میں نے آواز لگانے والے سے پوچھا ذرا بتاؤ کون ہے جو اس کتاب کی بولی بڑھانے سے اتنا بڑھ گیا ہے کہ مقابلہ نہیں کیا

جا سکتا۔

اس نے ایک امیر آدمی کی طرف اشارہ کیا میں نے اس سے جا کر کہا، جناب فقیہہ اگر آپ کو اس کی ضرورت ہو تو میں اس کو چھوڑتا ہوں۔ اس کی قیمت انتہا کو پہنچ گئی ہے، اس نے کہا جناب میں کوئی فقیہہ نہیں، نہ مجھے یہ علم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے، میں نے کتب خانہ بنایا ہے تاکہ شہر کی سربر آوردہ شخصیتوں میں میرا شمار ہونے لگے۔ اب میرے کتب خانہ میں بس اس کتاب کے رکھنے کی گنجائش ہے۔ میں نے جب اس کی ظاہری آرائش و زینت دیکھی تو یہ قلب و نظر میں سما گئی۔ زیادہ قیمت کی میں نے کوئی پرواہ نہیں کی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اس نے رزق و دولت فراواں دے رکھی ہے۔

اس کے اس جملہ نے مجھے یہ کہنے پر آمادہ کیا کہ بلاشبہ دولت آپ ہی جیسوں کے پاس آتی ہے وہ اخروٹ انہی کو کھلاتا ہے جن کے دانت نہیں ہوتے جو کچھ کتاب میں ہے اس کو میں جانتا ہوں اور اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس پیسہ اتنا نہیں ہے کہ اسے لے سکتا (۴۶)

۱۲۔ مسلم معاشرہ کی ذہنی سطح اتنی بلند ہو چکی تھی کہ قیادت و سیادت اپنا بھرم رکھنے کے لیے کتب خانوں کی محتاج تھی۔ کسی شخص کی قیادت و سیادت کے متعلق رائے قائم نہیں ہو سکتی تھی جب تک یہ نہیں معلوم ہو جاتا کہ اس کی ملکیت میں کتب خانہ ہے جیسا کہ مذکورۂ بالا واقعہ سے ثابت ہے اس حقیقت کا انکشاف بھی مذکورۂ بالا خاص واقعہ کی وجہ سے ہوا ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ مسلم معاشرہ میں عزت و شرف کی خاطر جاہلوں کو بھی قابل رشک کتب خانہ بنانا پڑتا تھا۔

۱۳۔ عہدِ عباسی میں مسلم معاشرے میں اہلِ علم کو کتابوں کے دیکھنے، مطالعہ کرنے اور خریدنے کا ذوق و شوق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ ہر عالم اپنی بساط و استطاعت کی حد تک کتاب کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ جب کتاب کی قیمت اس کے بوتے سے باہر ہو جاتی وہ خاموشی اختیار کرتا تھا، حضرمی کا واقعہ اس امر کا واضح ثبوت ہے۔

۱۴۔ عہدِ عباسی میں دربار سے وابستہ اہلِ علم کے لیے کتب خانہ رکھنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان کے پاس حکمرانوں کی طرف سے عملی سوالات آتے رہتے تھے جن کے جوابات کے لیے کتابوں سے مراجعت ضروری ہوتی تھی چنانچہ ابو علی صقلی کا بیان ہے:۔

”میں ابن خالویہ المتوفی ۳۷۱ھ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ سیف الدولہ کا فرستادہ لغت سے متعلق کچھ سوالات لایا ابن خالویہ انہیں پڑھ کر پریشان نظر آئے، اپنے خزانۂ کتب میں آئے۔ کتابیں نکالیں، تلامذہ میں تقسیم کیں تاکہ ان باتوں کا جواب دیا جائے“ (۴۷)

۱۵۔ عہدِ عباسی میں مشرق سے مغرب تک کتابوں کی ظاہری زیب و زینت بھی بڑھنے لگی اور جمالیاتی نقطہ نظر سے تزئین و آرائش پر بھی خوب زور دیا جانے لگا تھا جیسا کہ حضرمی کے مذکورہ بالا واقعہ سے ظاہر ہے نیز کتابوں کی آرائش و زیبائش کا فن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ اس دور کے سو صفحے کی کتاب کی سجاوٹ پر دس دس تولہ سونا کھپا دیا جاتا تھا چنانچہ فقیہہ ابو اللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ کی کتاب ”بستان العارفین“ کے نسخہ کی زرکوبی طلا کاری میں دس دینار دو دانق اور ایک حبہ کے بقدر زر خالص استعمال کیا گیا تھا(۴۸)

۱۶۔ اہلِ علم اپنے لیے نہیں اپنی اولاد کے لیے بھی کتب خانہ علیحدہ بنانے لگے تھے چنانچہ ابوالحسن علی بن عبداللہ انطاکی المتوفی ۵۴۱ھ نے جو بہت اچھے خطاط تھے، تین خزائن کتب بنائے تھے۔ ایک کتب خانہ اپنے لیے، دوسرا اپنے فرزند ابو البرکات عبدالقاہر کے لیے اور تیسرا ابو عبداللہ حسن کے لیے بنایا تھا(۴۹)

۱۷۔ عہدِ عباسی میں اساتذہ تلامذہ کو اپنے ذخائر کتب سے کتابیں نقل کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتے بلکہ بعض اوقات خوش ہو کر اپنے قلم سے کتاب نقل کر کے تلامذہ کے ذخائر کتب میں اضافہ کرتے تھے چنانچہ شیخ زاہد محمد بن ابی بکر خطیب پوشنجی نے علامہ واحدی کی ”التفسیر الوسیط“ کا ایک نسخہ خود نقل کر کے صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ کو دیا تھا(۵۰)

۱۸۔ بعض عوامی کتب خانوں میں کتابوں کے علاوہ شائقین کتب کو نقد رقم بھی دی جاتی تھی چنانچہ ابن سوار، بصرہ و رامہرمز کے کتب خانے میں استفادہ کرنے والوں کو نقدی بھی دیتا تھا(۵۱) ابوالقاسم جعفر موصلی المتوفی ۳۱۳ھ موصل میں اس طرح کی داد و دہش کرتا تھا(۵۲) تاکہ کتب خانوں سے ذوق و شوق میں مزید اضافہ ہوتا رہے اور عوام کتاب اور کتب خانوں سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ سرکار ہی نہیں دولت مند طبقہ بھی غیر سرکاری طور پر کتب اور کتب خانوں کے فروغ کے لیے ان عوامل کو پیش نظر رکھتا تھا جو استفادہ کتب کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ وہ افلاس اور روٹی کا مسئلہ ہے جو آج بھی ایک دین اور

نظامِ حیات بنا ہوا ہے اس تحریک نے دولت مندوں کے ذہن کو ایسی جلا دی تھی کہ وہ کتب و کتب خانوں کے شائقین اور استفادہ کے خواہش مندوں کی وابستگی و شیفتگی کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی ضروریات زندگی بھی نقدی کی صورت میں مہیا کرنے لگے تھے تاکہ کتب اور کتب خانوں سے دلچسپی و وابستگی کا سلسلہ دائم و قائم رہے۔

۱۹۔ اس تحریک نے ایک ایسے نظامِ کتب خانہ کو جنم دیا جس نے ان تمام کڑیوں کو جن کے قیام و اہتمام کے لیے آج مملکتوں کا سہارا لیا جاتا ہے، ٹیکس لگائے جاتے ہیں محض ایک اخلاقی و روحانی نظام "صدقۂ جاریہ" کے ذریعہ مربوط و استوار کر رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نظام میں چھوٹے سے چھوٹے پائنٹ اور ڈپو (مستقر) سے بیت الحکمت تک ہر ایک، ایک ہی سلسلہ میں منسلک نظر آتا ہے۔ حالانکہ آج کے دور میں ان کڑیوں کو باہم پیوست رکھنے کے لیے مالیاتی سرچشمہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔ اس لیے ریٹ سپورٹیڈ (Rate-Suptag ported) اور ٹیکس سپورٹیڈ (Tax-suptag ported) لائبریریاں قائم کی جاتی ہیں(۵۳) اس مالیاتی سرچشمہ سے دیگر کتب خانوں کو منسلک کرنے کے لیے کبھی بل، ایکٹ اور کبھی آرڈیننس منظور کیے جاتے ہیں اس کے باوجود بھی خدمت کی کمی کا احساس شدت سے کیا جاتا ہے۔

اسلام نے اشاعتِ علوم کی جو تحریک چلائی اور جو نظام قائم کیا اس نے اس قسم کے جبری مالیاتی نظام کے ذریعہ ان مختلف کڑیوں کو مربوط و منسلک رکھنے کے بجائے ایک اخلاقی و روحانی نظریہ سے اس کا رشتہ قائم کیا جو صدقہ جاریہ کے نام سے آج بھی عالم میں جاری و ساری ہے، صدقہ جاریہ کے پیچھے جو قوتِ نافذہ سرگرمِ عمل نظر آتی ہے وہ قرآن و سنت کا پیدا کردہ یقین ہے، وہی دراصل وہ قوتِ نافذہ ہے جو ہمیشہ اپنے مظاہر دکھاتی رہی ہے۔ اس کی فیض بخشیاں بلا قید زمان و مکان آج بھی ہر جگہ جاری ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ تملیکی نشاط (Possesive happiness) کا بھرپور مظاہرہ بھی اس نظام میں نظر آتا ہے، چنانچہ عہدِ عباسی میں ذاتی کتب خانوں کا بلا امتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل، مسلک و عقیدہ ہر شخص کے لیے کھلا رکھنا اس اخلاقی قوتِ نافذہ کا عمل و اثر تھا۔ انفاق فی سبیلِ اللہ کی تعریف و تائید نے صدقہ جاریہ کے حدود کو بہت وسیع کر دیا۔

اس کی جڑیں بہت مضبوط کر دی اور بہت دور تک پھیلا دی تھیں۔

۲۰۔ ذاتی کتب خانوں نے عوامی کتب خانوں کی خدمات انجام دینا شروع کر دی تھیں وہ بھی اہلِ علم کی علمی تشنگی دور کرنے، روحانی اور دماغی سامان فراہم کرنے لگے تھے چنانچہ ابو الفضل عبیداللہ میکالی المتوفی ۴۳۶ھ نے اپنے نہایت نادر و بیش قیمت خزانۂ کتب سے علامہ ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ کو بہت بڑی تعداد میں کتابیں دیہات میں لے جانے کی اجازت بھی دے دی تھی جس کا تذکرہ علامہ ثعالبی نے حسبِ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

> "مجھے امیر موصوف نے اجازت دی تھی کہ میں ان کی کتابوں کے خزانوں سے زاد راہ کے لیے پھلوں کو ساتھ رکھ لوں تاکہ جس کام کے میں درپے ہوں اس سے اس میں مدد لیتا رہوں یہ امیر رہنما کی طرح ہیں جو مسافر کی توشہ سے مدد کرتا اور طبیب کی طرح ہیں جو مریض کو دوا کے ساتھ غذا بھی دیتا ہے اس طرح گویا مجھے ادبی کتابوں کے ساتھ چھوڑ دیا گیا میں ان سے مطلب کی باتیں نکالتا، اقتباس لیتا، ابواب بندی کرتا، فصلیں قائم کرتا، نوع بنوع ترتیب دیتا تھا، اور ائمہ فن خلیل، اصمعی، ابو عمرو شیبانی، کسائی، فراء، ابو زید، ابو عبید، ابو عبیدہ، ابن الاعرابی، نضر بن شمیل، ابو العباس مبرد، ابو العباس ثعلب، ابن درید، نفطویہ، ابن خالویہ، خار زنجی، ازہری اور ان کے علاوہ ظریف ادیب جو فصاحت و بلاغت کے جامع تھے جیسے صاحب ابو القاسم، حمزہ بن حسن اصبہانی، ابو الفتح مراغی، ابو بکر خوارزمی، قاضی ابو الحسن، علی بن عبدالعزیز، جرجانی، ابو الحسن احمد بن فارس، زکریا قزوینی کے انوار و فیوضات سے مستفید ہونے لگا"(۵۴)

علامہ ثعالبی نے امیر موصوف کا مقابلہ اس طبیب سے کیا ہے جو اپنے دواخانہ سے جسمانی امراض کے لیے دوا غذا دونوں مریضوں کو پہنچاتا ہے۔ امیر موصوف نے بھی روحانی و دماغی تسکین کے لیے کتب خانہ بنایا تھا۔ یہ کتب خانہ بہمہ وجوہ یہ خدمت انجام دیتا تھا یہ خود بھی محققین کی رہنمائی کرتے، ان کی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے زبان و قلم سے عالم کو فائدہ پہنچاتے اور اپنے کتب خانے سے نادر کتابیں بے تامل شہر ہی میں نہیں دیہات میں لے جانے کے لیے دیتے تھے، اس طرح ان کے کتب خانے سے دور و نزدیک ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ گویا اس تحریک نے ذاتی کتب خانوں کو اپنی ہیئت و خدمات میں عوامی کتب خانوں کے ہمسر بنا دیا

تھا اور انہیں ادارہ جاتی اور عوامی کتب خانوں کی خدمات میں تبدیل کر دیا تھا جیسا کہ مذکورۂ بالا واقعہ سے عیاں ہے۔

۲۱۔ اس تحریک نے کتب خانوں کو ایسا مرغوبِ خاطر بنایا تھا کہ رشتۂ ازدواج کے انتخاب کے لیے مال و منال اور حسب و جمال کی طرح کتب خانے کے وجۂ انتخاب بننے کا رجحان بھی اہلِ علم میں ہونے لگا تھا چنانچہ امام اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ نے سلیمان بن عبداللہ زغندانی المتوفی ۲۲۱ھ کی بیٹی سے شادی اس لیے کی تھی کہ انہیں اس سے امام شافعی کی جملہ تصانیف پر مشتمل کتب خانہ مل گیا تھا(۵۵)

اسے بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں عقد نکاح صرف شرعی اور سماجی ضرورت نہیں سمجھی جانے لگی تھی بلکہ وہ علمی ضرورت بھی بننے لگی تھی۔ علم، کتب اور کتب خانے ایک مقام سے دوسرے مقام پر اس نسبت سے منتقل ہوتے اور یوں اس مقام کو بھی شہرت و بقائے دوام حاصل ہوتا تھا(۵۶)

اس واقعہ کو چنداں حیرت و استعجاب سے نہیں دیکھنا چاہئے اس ترقی یافتہ دور میں بھی کتب خانہ جہیز میں دینے کا رجحان پایا جاتا ہے چنانچہ اس دور کی نامور علم دوست شخصیت و حکیمانہ اخلاق و شرافت کی یادگار ہمدرد دواخانہ کے سربراہ حافظ حکیم محمد سعید صاحب دہلوی نے اپنی لڑکی کے جہیز میں ذاتی کتب خانہ دے کر اسلاف کی یاد از سرِ نو تازہ کی ہے۔

۲۲۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں وراقوں کی دکانیں علمی اکیڈیمیاں بننے لگی تھیں، یہاں اہلِ علم کی مجلسیں جمتی تھیں اور ان کے جوہر کھلتے تھے(۵۷)

۲۳۔ قبۃ الاسلام بغداد کے سوق الوارقین (بازار کتب) میں دن کو کتابوں کی خرید و فروخت ہوتی اور جو محققین و مصنفین تصنیف و تالیف سے علوم و معارف عام کرتے اور نت نئے علوم و فنون میں کتابیں لکھتے اور شائع کر کے ذخائر کتب میں اضافہ کرتے تھے انہیں دکانیں رات بھر کے لیے کرایہ پر بھی دی جاتی تھیں(۵۸)

۲۴۔ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی اہمیت و افادیت اتنی بڑھ چکی اور عام ہو چکی تھی کہ علم کے جویا اور رسیا، معذور و محتاج ہونے کے باوجود علم و حکمت کے خزانوں کی جستجو میں سفر کرنے لگے تھے۔ وہ ان کی علمی ثروت سے بہرہ مند ہوتے، ان کی خدمات کا برملا اعتراف کرتے، عملہ کی تعریف کرتے، ان کی ثقافتی سرگرمیوں کا اشعار و خطوط میں تذکرہ کرتے تھے۔ چنانچہ عربی زبان کا نامور فلسفی و نابینا شاعر ابو العلاء معری (۳۶۲-۴۴۹ھ) نے معرہ سے بغداد کا سفر مشہور کتب خانۂ دارالعلم سابور سے

استفادہ کی خاطر کیا تھا(۵۹)

وہ دارالعلوم کے خازن عبدالسلام بصری المتوفی ۴۰۵ھ کی ہفتہ وار ادبی مجلسوں میں شرکت کرتا تھا، اس نے اپنے اشعار میں عبدالسلام بصری کا ذکر کیا ہے(۶۱،۶۰) اور اپنے ماموں کو ایک خط میں بغداد کے سفر کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "اقد منی تلک البلاد مکان دار الکتب بھا" (۶۲) بغداد میں دارالکتب کا قیام ہی مجھے یہاں کھینچ لایا ہے، اس نے اس کو سب سے بہتر جگہ قرار دیا ہے۔ اس مکتوب میں پھر لکھتا ہے:

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے سفر مال سمیٹنے کے لیے نہیں کیا، نہ میرا مقصد اہلِ علم سے زیادہ سے زیادہ ملاقات کرنا ہے، میں نے دارالعلم کے قیام کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ مجھے سب سے زیادہ عمدہ جگہ نظر آئی (ایک برس اور سات مہینے قیام کے باوجود سیری نہیں ہوئی پھر کہتا ہے) زمانے نے میرے یہاں کے قیام میں میری حاجت پوری نہ ہونے دی، میں اپنی علمی تشنگی دور نہیں کر سکا" (۶۳)

یہاں کے قیام نے معری کو بہن بھائی اور ماں کی یاد سے بھی بے پرواہ کر دیا تھا اور وہ اس کی صورت کو ترس گئے تھے چنانچہ اس کے بھائی نے اسے بلانے کے لیے بڑا لمبا قصیدہ لکھ کر بھیجا۔ اس میں کہا کہ آپ کی دارالعلم بغداد سے شیفتگی بہت بڑھ گئی، اب آپ کا دل و دماغ علوم اور دارالعلم کی منزل کا ہو کر رہ گیا ہے اور اسے چھوڑنے کو آپ کا جی نہیں چاہتا۔ (۶۴)

۲۵۔ عہدِ عباسی میں کتابوں سے محبت، ان کی اہمیت و افادیت اہلِ علم کے دل و دماغ میں ایسی بیٹھ گئی اور علمی و کتابی ضروریات کے ترقی پذیر سلسلہ کی تعمیر و تشکیل ان کے قلب و نظر میں ایسی سما گئی تھی کہ وہ اپنی اور بیوی بچوں کی جان پر فقر و فاقہ برداشت کرتے لیکن کتابوں کی جدائی اور اپنے علمی ذخیروں میں کمی کو گوارا نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ کا مندرجہ ذیل واقعہ اس امر کا شاہدِ عادل ہے۔

ایک مرتبہ ان پر کئی دن فاقے سے گزر گئے بیوی نے آکر عرض کیا "میں اور آپ تو صبر سے بیٹھے رہیں گے لیکن ان دو بچیوں کو کہاں تک بھوکا ماروں، اپنی کتابوں میں سے کچھ دیجئے انہیں بیچیں یا گروی رکھیں" موصوف کا بیان ہے میں نے ذرا بخل سے کام لیا اور کہا "ان کے لیے تم کہیں سے قرض لے لو، مجھے ایک دن کی اور مہلت دو، میرے مکان کی دہلیز کے پاس میرا بیت الکتب تھا جہاں بیٹھ کر لکھتا پڑھتا تھا، رات کو ایک شخص نے آکر دستک دی، میں نے کہا کون! وہ بولا، آپ کا پڑوسی، میں نے کہا آیئے، اس نے کہا پہلے چراغ بجھا دیجئے پھر آؤں گا،

میں نے چراغ مدہم کر دیا وہ آیا' ایک رومال میں پانچ سو درہم اور کھانے کا سامان رکھ کر چلا گیا میں نے بیوی کو بلایا اور کہا بچیوں کو کھلا دو" (۶۵)

ابراہیم حربی نے فقر و فاقہ' پیٹ کی آگ سب کچھ اپنے اور بیوی پر ہی نہیں بچیوں پر بھی گوارا کیا لیکن کتابوں کو بیچنا یا گروی رکھنا ذخیرہ میں کمی کرنا گوارا نہیں کیا(۶۶) اس لئے انہی کتابوں نے ان کی کتاب زندگی کو سنوارا تھا فکر کی تربیت کی تھی ان کے ذہن کو جلا بخشی تھی اور ان کے مذاق و مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں۔ بھلا ایسے محسن رفیق کو کون جدا کر سکتا ہے۔

۲۶۔ عہدِ عباسی میں کتابوں سے محبت و شیفتگی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اگر کسی کو اپنی زندگی میں کبھی بحالت مجبوری اپنی کچھ کتابیں جدا کرنی پڑتیں تو اہلِ علم کے دل و دماغ پر جو گذرتی وہ زبان قلم پر اشعار کی صورت میں آجاتی پھر جو اسے پڑھتا وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ان کتابوں کی خریداری پر پچھتاتا اس کا جی چاہتا کہ کاش وہ یہ کتابیں اس کے مالک کو واپس کر سکتا چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ نامور محدث مصنف ادیب و شاعر راوی کتاب المحدث الفاضل ابو الحسن علی بن احمد بن علی ایذیجی فالی بغدادی المتوفی ۴۴۸ھ کے ساتھ پیش آیا تھا' گردشِ ایام سے موصوف کو کچھ کتابیں اپنے ذاتی کتب خانے سے نکالنی پڑیں' ان میں جمہرۃ ابن درید کا نسخہ بھی تھا' قاضی ابو بکر بن بدیل تبریزی نے اسے پانچ دینار میں ان سے خریدا اور تبریز آگئے' اس نسخہ سے ابو بکر زکریا تبریزی نے الجمہرۃ کا نسخہ نقل کیا دورانِ نقل انہیں اس کی ایک جلد میں فالی کا رقعہ ملا جس پر خالی کے وہ شعر لکھے ہوئے تھے جو اس نے اس کتاب کی جدائی پر کہے تھے وہ کہتا ہے:

انست بها عشرين حولا وبعتها   فقد طال شوقی بعد هاو حنينی

میں بیس برس نسخہ جمہرۃ سے محبت کرتا رہا اور جب میری محبت و اشتیاق بڑھ گیا اس موقعہ پر مجھے اسے بیچنا پڑا۔

وما كان ظنی اننی سا بيعها   ولو خلد تنی فی السجون ديونی

مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میں اس کو بیچوں گا اگرچہ مجھے اس کی وجہ سے دائمی قرض کی قید میں رہنا پڑتا۔

ولكن بضعف و افتقار وصبيه   صغار عليهم يستهل شوونی

لیکن کمزوری' احتیاج اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے جن پر میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

فقلت ولم املک سوابق عبرة   مقاله مشوی الفواد حزین

اب میں کہتا ہوں اور مجھے اب آنسوؤں پر قابو نہیں رہا ایک غمگین اور سوختہ جگر کی بات۔

وقد یخرج الحاجات یا ام مالک   کرائم من رب بھن ضنین

اے ام مالک حاجتیں نفیس چیزیں مالکوں سے، نکلوا دیتی ہیں جنہیں وہ جدا کرنا نہ چاہتے مگر نکالنا پڑتی ہیں۔

زکریا تبریزی نے جب یہ رقعہ قاضی ابو بکر تبریزی کو دکھایا' اس نے یہ شعر پڑھے تو کہنے لگا اگر اس کو پہلے دیکھا ہوتا تو میں یہ نسخہ فالی کو واپس کر دیتا لیکن اب فالی دنیا سے رخصت ہو چکا تھا(۶۷)

اس دور میں کتابوں سے گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ بعض اہلِ علم بعض نامور ادباء کی کتابوں پر جی جان سے فدا تھے' ان کی کتابیں اگر جنت میں بھی میسر آجائیں تو وہ انہیں نعیمِ جنت کا بدل سمجھتے تھے چنانچہ ابو محمد زبیدی اندلسی المتوفی ۳۷۹ھ نامور ادیب ابو عمرو جاحظ کی تالیفات کے ایسے ہی عاشقوں میں تھے۔

یہ امر بھی کتب خانہ سازی میں محرک رہا ہے(۶۸)

۲۷۔ اس تحریک نے عہدِ عباسی میں کتابوں کی قدر ایسی بڑھائی تھی اور ذخیرہ کتب کو ایسا بیش قیمت سرمایہ بنا دیا گیا تھا کہ اسے گروی رکھا جاتا تھا۔(۶۹)

گویا کتابیں عہدِ عباسی میں زرِ خالص کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس لیے چور انہیں چراتے تھے (۷۰) اور اوباش انہیں لوٹا کرتے تھے۔(۷۱)

۲۸۔ عہدِ عباسی میں بعض بلاد اسلامی کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ وہاں اہلِ علم و صاحبِ تصانیف۔ (ارباب کتب خانہ) و افتاء میں بھی بعض مخصوص نام کے اربابِ کمال و اہلِ علم کو ایک جداگانہ قبرستان میں دفن کیا جاتا اور اس میں کسی اور نامور اہلِ علم و اربابِ تصانیف۔ (کتب خانہ رکھنے والوں) کو دفن کی اجازت نہیں دی جاتی تھی چنانچہ سمرقند کے شہر ماکروین میں تربتہ المحمدین (قبرستان) میں جہاں چار سو سے زیادہ محمد نام کے اربابِ تصانیف یعنی وہ اہلِ علم جو کتب خانہ رکھتے تھے' دفن کیے گئے تھے۔

شیخ الاسلام برہان الدین علی مرغینانی کو یہاں دفن کرنے کی کوشش کی گئی لیکن نام کی شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے اس قبرستان میں تدفین کی اجازت نہیں ملی(۷۲)

ذرا نظر کو بلند کیجئے جس معاشرہ میں علم و اہلِ علم اور ان کی تصانیف ذخائر کتب کو یہ فخر

و امتیاز حاصل رہا ہو اس میں گلی گلی اور گھر گھر کتب خانے موجود ہوں تو تعجب کی کیا بات ہے۔

یاد رہے یہ سمرقند کے اس غیر معروف شہر کے قبرستان کا ذکر ہے جس شہر کا علامہ سمعانی "کتاب الانساب" میں اور یاقوت "معجم البلدان" میں تذکرہ ہی نہیں کرتے، معلوم نہیں عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو میں اور کتنے ایسے بلاد اور قبرستان ہوں گے جن کے ذکر سے تذکرہ و تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں۔

۲۹۔ کتب خانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ عمارتیں بنوائی جاتی تھیں چنانچہ سابور بن اردشیر المتوفی ۴۱۶ھ نے سنہ ۳۸۱ھ میں محلہ کرخ بغداد میں علیحدہ عمارت تعمیر کرا کر کتب خانہ قائم کیا تھا(۷۳) اصفہان میں ابو الشیخ بن محمد نطنزی المعروف بذی البراعتین المتوفی ۵۴۹ھ نے دار الکتب کی نہایت عالیشان عمارت تعمیر کرانی شروع کی تھی جو پوری بن جاتی تو اصفہان کی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوشنما و پائیدار ہوتی مگر ذی البراعتین کی سیاحت اور اس کے باہر رہنے کی وجہ سے ہمیشہ بنتی اور ٹوٹتی رہتی تھی، اس واقعہ کی اتنی شہرت ہو گئی تھی کہ ابو فراس عامری المتوفی ۵۷۳ھ نے اس پر حسبِ ذیل شعر کہے۔

دار کتب بغیر کتب و مال   من تراب انفقته فی تراب
یہ دار الکتب بغیر کتابوں کے ہے مال جو زمین سے حاصل کیا تم نے زمین میں لگایا۔
انت فی (عامر) بزعمک   منها واللها کل ساعه فی خراب (۷۴)
تم اپنے زعم میں اسے آباد کر رہے ہو بخدا وہ تو ہر آن برباد و خراب ہوتا رہتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کو کتب خانوں کی عمارت تعمیر کرنے کا شوق بھی اس تحریک سے پیدا ہوا تھا۔

۳۰۔ کتب خانہ کے ساتھ رصد گاہ کا سامان بھی رکھا جاتا تھا چنانچہ ابو طاہر خاتونی ساوی المتوفی ۵۴۷ھ نے جامع خاتونی میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس میں تجربات کے لیے رصد گاہ کا سامان بھی محفوظ کر دیا تھا(۷۵)

۳۱۔ اہلِ علم نہایت عسرت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود قابلِ رشک کتب خانہ بناتے تھے چنانچہ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ فقر و فاقہ سے بسر کرتے لیکن ذخیرۂ کتب بڑھاتے رہتے تھے دولت مند ان کی تنگ دستی اور ان کے کتب خانے کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے چنانچہ ایک موقعہ پر کسی سے نہ رہا گیا اور اس نے موصوف سے پوچھ لیا کہ آپ نے اتنی کتابیں کیسے جمع کیں، ان کو غصہ آگیا، وہ فرمانے لگے بلحمی و دمی(۷۶) خون

پسینہ ایک کر کے جمع کی ہیں۔

۳۲۔ عہدِ عباسی میں فکری قوتوں کو پروان چڑھانے اور دماغی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا منبع و مخزن کیف و سرور اور سیر و تفریح کا مرکز کتب و کتب خانہ بن گیا تھا۔ چنانچہ شیخ ابو نصر احمد بن حسین میکالی کا بیان ہے "ہم بیٹھے ہوئے ایک دن تفریح گاہوں کا ذکر کر رہے تھے بعض کہتے تھے کہ بہترین جگہ غوط دمشق ہے، بعض نہر ایلہ کو اچھا بتاتے تھے، بعض کا خیال تھا کہ **سغد** سمرقند تفریح کی اچھی جگہ ہے، بعض نہروان بغداد کے قائل تھے، بعض شعب بوان کو پسند کرتے تھے اور بعض نوبہار بلخ کو ترجیح دیتے تھے، ابن درید بولے یہ مقامات آنکھوں کی تفریح کے لیے خوب ہیں، بتاؤ تمہارے قلوب کی تفریح کے لیے کون سے مقامات اچھے ہیں، ہم نے پوچھا ابو بکر (ابن درید) وہ کیا ہیں تو بتایا ابن قتیبہ کی "عیون الاخبار" ابن داؤد کی "کتاب الزھرۃ" اور ابن ابی طاہر کی کتاب "خلق المشتاق" اور پھر یہ شعر پڑھے۔

ومن كانت نزهته قينه   وكاس تحث وكاس تصب

اور بعض وہ ہیں جن کی تفریح جام و سبو ہیں ایک جام انڈیلا جاتا اور دوسرا بھرا جاتا ہے۔

خزهتنا و استرا حتنا   تلاقي العيون و درس الكتب (۷۷)

ہماری تفریح اور آرام و راحت کا سامان آنکھوں سے دیکھنا اور کتابیں پڑھنا ہیں۔

ابو بکر ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ نے تحقیق و تدقیق، بحث و نظر اور دل و دماغ کی فرحت کا سامان اور فکری قوتوں اور دماغی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا سرچشمہ کتابوں کو قرار دیا تھا۔

۳۳۔ عہدِ عباسی میں طلبہ، محققین و شائقینِ کتب کو "فیض بخش مراکز علم" درسگاہوں، علمی اداروں اور کتب خانوں سے جہاں وہ اور ان کے اساتذہ و اہلِ علم استفادہ اور افادہ کرتے تھے ان سے ان کی شیفتگی و دلبستگی اتنی ہو جاتی تھی کہ وہ مراکز عقیدت و محبت اور احترام و عزت سے دیکھے جاتے تھے ان کی ویرانی و بربادی پر وہ آبدیدہ ہوتے بعض اوقات وفورِ غم سے ان کے جذبات شعر کی صورت میں ڈھل کر زبان پر آتے تھے جو عہدِ عباسی میں مراکزِ علم اور کتب خانوں سے پڑھے لکھوں کی عام دلچسپی کا بین ثبوت ہے، مشہور متکلم عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ نے فلاسفہ کی ناکامی و محرومی پر جو قطعہ نقل کیا ہے اس سے بھی اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

لقد طفت في تلك ا لمعاهد كلها   وسيرت طرفي بين تلك معالم

میں ان تمام علمی اداروں میں گھوما پھرا اور میں نے اپنی نظریں ان درسگاہوں میں دوڑائیں۔

فلم ار الا واضعا کف حائر　　علی ذقن او قارعاسن نادم (۷۸)
جس کو بھی دیکھا حیران، ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے ہوئے یا شرمسار یا دانتوں سے انگلی کاٹتے ہوئے۔

۳۴۔ عہدِ عباسی میں مراکز علم کی عظمت اہلِ علم کے قلوب میں گھر کر گئی تھی چنانچہ شارح صحیح مسلم یحیٰ بن شرف نووی (۶۳۱-۶۶۷ھ) دار الحدیث الاشرفیہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، ان کی تعلیمی و تدریسی خدمات اور علمی عظمت و شہرت کی وجہ سے اس دارالحدیث الاشرفیہ کو بھی یہ مرتبہ مل گیا تھا کہ علامہ تاج الدین عبدالوہاب سبکی کے باپ فقیہ علامہ عصر تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی المتوفی ۷۵۶ھ کا جب یہاں قیام رہا تو وہ رات کو اس کے ایوان میں آتے، تہجد پڑھتے اور اس آرزو میں اس کے فرش پر جبیں سائی کرتے کہ جہاں امام نووی نے قدم رکھے ہیں وہاں میری جبیں لگ جائے اور میں ان کی برکات سے بہرہ ور ہو سکوں چنانچہ وہ اپنے فرزند تاج الدین سبکی سے اسی عقیدت و حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے حسبِ ذیل اشعار پڑھتے تھے۔

وفی دار الحدیث لطیف معنی　　علی بسط لها اصبو و آوی
دارالحدیث اشرفیہ میں ایک لطیف معنی پنہاں ہیں میں اس کے فرش پر اٹھتا اور لیٹتا رہتا ہوں۔

عسی انی لی امس بحر و جهی　　مکانا مسه قدم النواوی (۷۹)
امید ہے کہ میرے چہرے کی گرمی اس جگہ کو چھو سکے جسے نواوی کے قدم نے چھوا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں فیض بخش مراکز علم کو کیسا بلند مقام حاصل تھا۔

عربی شاعر کہتا ہے۔

کل امری یولی الجمیل محبب　　وکل مکان ینبت العز طیب
ہر وہ شخص جو اچھا کام کرتا ہے محبوب بنتا ہے اور ہر وہ جگہ جو عزت بڑھاتی ہے پسند کی جاتی ہے۔

۳۵۔ عہدِ عباسی میں ذاتی کتب خانے عوامی کتب خانوں کے تمام وظائف، تحقیق، تعلیم،

معلومات، ذوقِ جمال کی تسکین اور تفریح کا سامان بھی بہم پہنچاتے، اس کی سہولتیں مہیا کرتے تھے، عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانے فکری قوتوں کو پروان چڑھانے کے ساتھ تفریحِ طبع کا سامان بھی مہیا کرنے لگے تھے چنانچہ فخرالدین مبارک شاہ بن حسین مرو روزی المتوفی ۶۰۴ھ کے کتب خانہ بغداد میں اہلِ علم کے لیے کتابیں اور جاہلوں کے لیے شطرنج رکھی گئی تھی(۸۰) تاکہ جہلاء کو کتابوں سے قریب لاکر علمی رغبت پیدا کی جاسکے۔

۳۶۔ اس تحریک نے عوام و خواص میں معاشرتی توانائیوں میں بھرپور حصہ لینے کا ذوق و شوق پیدا کیا اور انہیں سرگرمِ عمل بنایا تھا اس لئے ہر جگہ معاشرتی توانائیاں پروان چڑھنے لگی تھیں۔(۸۱)

۳۷۔ مسلم معاشرہ میں خواتین بھی مردوں کی طرح ذوقِ کتاب داری اور فروغِ کتب و کتب خانوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی تھیں(۸۲)

۳۸۔ اس تحریک نے متمدن اقوامِ عالم کے ثقافتی ورثہ کی حفاظت کو تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے ذریعہ ان کی علمی تحقیقات کے ابلاغِ عام کو مسلم دانشوروں اور مفکروں کا نہایت مقدس فریضہ بنا دیا تھا(۸۳)

۳۹۔ بادشاہ و امیر بھی علماء و ائمہ فن کے کتب خانوں کے حاصل کرنے کے آرزو مند و کوشاں رہتے، گو وہ حاصل کرنے میں مشکل ہی سے کامیاب ہوتے تھے چنانچہ خلیفہ المتوکل المتوفی ۲۴۶ھ نے امام احمد بن حنبل کی وفات کے بعد اپنا خاص ایلچی ان کے فرزند صالح کے پاس حصول کتب کے لئے بھیجا تھا لیکن ان کے فرزند نے یہ کہلا بھیجا کہ ان کتابوں کی نقول درکار ہوں تو ہمارے پاس کرائی جائیں۔ یہ کتابیں ہمارے پاس رہنی چاہئیں ہمیں ان کی روایت کی اجازت حاصل ہے ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا(۸۴) بنو حمدان ہر قیمت پر ابن ابی بعرہ کا کتب خانہ حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ اس ڈر سے اپنا کتب خانہ کسی کو دکھاتا نہیں تھا لیکن اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کا قمطر کبیر ایسا غائب ہوا کہ پھر کبھی نظر نہیں آیا(۸۵)

۴۰۔ کتب خانہ جو اجتماعی و انفرادی ہر حیثیت میں بنی نوعِ انسان کا ایک نہایت قیمتی تمدنی و ثقافتی ورثہ ہے عہدِ عباسی میں اس کی حفاظت بنی نوعِ انسان کا نہایت مقدس فرض سمجھا جانے لگا تھا۔ حوادثِ روزگار و آسمانی آفتوں سے اس ورثہ کا بچاؤ ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، گاہ بگاہ نقصان ہو جاتا تھا۔ کتابیں ضائع ہو جاتی تھیں جب کبھی کسی عالم کو

اس صورت سے دو چار ہونا پڑتا، اسے اور دوسرے علماء کو اس سے جو صدمہ ہوتا تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے عوام کو جیسا کچھ دکھ اس سے پہنچتا تھا اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

ابو موسیٰ عبدالرحمٰن بن موسیٰ استیجی ، امام مالک، سفیان بن عینیہ اور اصمعی وغیرہ کے شاگرد تھے۔ فقہ، حدیث، لغت و ادب کے امام و حافظ تھے، موصوف نے اندلس سے مشرق کا سفر کیا۔ کتابیں جمع کیں، لے جاتے وقت وہ بحر تدمیر میں ڈوب گئیں جب استیجہ پہنچے، لوگوں کو اس حادثہ جانکاہ کا علم ہوا تو پورا شہر اس کی تعزیت کے لئے امنڈ آیا، اہلِ استیجہ ان کی بخیر و عافیت واپسی پر مبارک باد پیش کرتے اور ان کی کتابوں کے تلف ہو جانے پر ان کی تعزیت کرتے۔ یہ ان سے فرماتے تھے **ذہب الخرج و بقی الدرج**(۸۶) کتابوں کے بورے چلے گئے دفینہ بہہ گیا جو سینہ میں تھا وہ رہ گیا۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں بنی نوعِ انسان کے علمی و ثقافتی ورثہ سے محبت ہر ایک کے دل میں کیسی رچ بس گئی تھی کہ ہر ایک کو اس ذخیرہ کے تلف ہو جانے کا صدمہ تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک سے علمی و کتابی ضرورتوں کو پورا کرنے کا شوق و ذوق معاشرہ کے ہر فرد میں کتنا فروغ پا چکا تھا، کسی کی کتابیں ضائع ہو جاتیں تو اس کے ضیاع پر لوگ اس کے گھر پہنچتے، اس کے غم میں شریک ہوتے تھے جس سے ثابت ہوتا کہ یہ تحریک شاہ سے گدا تک عام ہو گئی تھی۔

اس تحریک نے اس دور کے مسلم معاشرہ کو اتنا حساس بنایا اور افراد کے تحت الشعور میں کتب و کتب خانوں کی قدر و منزلت اتنی بٹھا دی تھی کہ ابو موسیٰ عبدالرحمٰن کے ذخیرۂ کتب کے ضیاع کو عبدالرحمٰن کی آپ بیتی نہیں بلکہ جگ بیتی سمجھا گیا تھا، دنیا کی کسی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ کسی غیر مسلم معاشرہ میں کبھی کتب خانہ کے فروغ کا اتنا شعور پیدا ہوا ہو جتنا عباسی دور میں پیدا ہو چکا تھا۔

۱۴۲۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بغداد کے عوامی کتب خانوں میں متمدن اقوامِ عالم کے علوم و فنون کے ایسے بیش بہا نوادر جمع کئے گئے تھے کہ ان علوم و فنون کا دلدادہ جب انہیں دیکھ پاتا تو وطن اور اہل و عیال ہی کو نہیں حقیقی کعبہ کو بھی بھول جاتا اور یہاں اپنا مقصود پا کر اسی کا ہو رہتا تھا۔ چنانچہ ابو معشر فلکی جو خراسان میں بلخ کا باشندہ تھا حج کے لئے جاتے ہوئے جب راستے میں بغداد سے گزرا اور علی بن یحییٰ المنجم المتوفی ۲۷۵ھ کا کتب خانہ دیکھا تو اسی کو دل دے بیٹھا اور کعبۃ اللہ کو جانا ہی بھول گیا

تھا(۸۷) بقول شیخ ناسخ بادنی تصرف

مبارک ہو کعبہ تمہیں شیخ جی
یہ بندہ تو بیت الکتب کو چلا

یاقوتِ رومی جب مرو پہنچا اور یہاں کے عوامی کتب خانوں کو اور ان سے استفادہ کی سہولتوں کو دیکھا تو اہل و عیال کو بھول گیا۔ یہاں سے نکلنا ہی نہ چاہا چنانچہ کہتا ہے کہ بلادِ اسلامی پر تاتاریوں کی مسلسل یورش نے مجھے مرو شاہجہان کو خیرباد کہنے پر مجبور کیا ورنہ میں مرو سے زندگی بھر نہ نکلتا، اس کی یاد میں یاقوت کی زبان و قلم سے جو درد انگیز شعر نکلے ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں کتب و کتب خانے ہوتے تھے اہلِ علم اس سرزمین کے گرویدہ رہتے اور وہیں زندگی کے دن پورا کرنے کی آرزو کرتے تھے(۸۸)

۴۲۔ کتب خانوں کی ترقی اور علمی کارناموں کی وجہ سے مشرق و مغرب (یورپ اور ایشیا) کے نامور خلفاء میں باہم موازنہ و مقابلہ کیا جاتا اور ایک کو دوسرے کا نظیر و مثیل قرار دیا جاتا تھا، چنانچہ ابن خلدون نے مشرق میں خلیفہ الناصر بن المستغنی عباسی کو حکم ثانی کا نظیر و مثیل بتایا ہے(۸۹)

۴۳۔ علم و کتاب کی اشاعت، اسلام کی اشاعت سے عبارت تھی، اس لئے اربابِ سیف اور اصحابِ قلم میں مقابلہ رہتا تھا۔ چنانچہ قرطبہ میں اسلام کی خدمت میں "اصحابِ الکتب" (کتب خانے والوں) اور "اصحاب الکتائب" (لشکر والوں) میں مقابلہ رہتا اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتا تھا(۹۰)

۴۴۔ عربوں کو اپنے ثقافتی مرکز اور علمی سرمایہ سے بہت محبت تھی، وہ اپنی اولاد کو ہتھیاروں اور کتابوں کے بازاروں میں جانے کی تاکید کرتے تھے(۹۱) اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں سیف و قلم کے بازار ہی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور انہی کی طرف لوگوں کو جانے کی ترغیب دی جاتی تھی، یہ ترغیب کتب خانوں کی نشر و اشاعت اور شہرت کا باعث رہی ہے(۹۲)

۴۵۔ عالم، جاہل، امیر، غریب، بادشاہ اور فقیر کے کتب خانے کے ذخائر کی کمیت و کیفیت کا تذکرہ کتب تاریخ و تذکرہ میں کیا جانا بھی عوام و خواص میں قیامِ کتب خانہ کی ترغیب کا موجب رہا ہے(۹۳)

۴۶۔ عہدِ عباسی میں عوامی کتب خانوں کا قیام عام ہو گیا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"تمام ممالکِ اسلامیہ میں سینکڑوں ہزاروں کتب خانے قائم ہو گئے، کتب خانوں کی

کثرت کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اسی زمانہ کے قریب مدرسوں اور یونیورسٹیوں کی بنیاد پڑی ر ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ہونا ایک لازمی بات قرار پائی" (۹۴)

۲- اہلِ علم اپنی تخلیقات کو عوامی کتب خانوں میں وقف کرنے پر اس لئے بھی آمادہ ہوتے تھے کہ اس سے ان کی تخلیقات محفوظ ہو جاتی تھیں، انہیں ان کے ضائع نہ ہونے اور آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے رہنے کا اطمینان ہو جاتا تھا (۹۵)

۳- مسلمانوں کو کتب و کتب خانوں سے عقیدے کے سی والہانہ محبت تھی انہوں نے ان کو اس طرح حرزِ جان بنائے رکھا جس طرح انسان عقیدے کو حرزِ جان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس حقیقت کا ذکر ڈاکٹر اولگا پنٹو نے Cult of Books (کتابی تہذیب) کے الفاظ سے کیا ہے (۹۶)

۴- وزراء، امراء اور کتابوں کے شوقین دولت مند کتابوں کے ملنے پر کتاب پیش کرنے والے کو انعام و خلعت سے بھی سرفراز کرتے تھے (۹۷) چنانچہ وزیر کمال الدین امین الدولہ، دمشقی المتوفی ۶۴۸ھ نے ابن ابی اصیبعہ کو "طبقات الاطباء" کے پہنچانے پر انعام و خلعت سے سرفراز کیا تھا (۹۸)

۵- بادشاہوں کی ریس میں وزیر امیر بھی اپنے کتب خانوں میں محققین اور شائقینِ کتب کی سہولت و استفادہ کی خاطر دوسری صدی ہجری سے کتب خانہ میں کتاب کے تین تین نسخے رکھنے لگے تھے تاکہ تحقیق، تصحیح و نقل میں ان مختلف نسخوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکے چنانچہ وزیر ابوالفضل یحیٰ بن خالد برمکی المتوفی ۱۹۰ھ کے خزانۃ الکتب و بیت المدارسہ میں اس امر کا لحاظ رکھا جاتا تھا (۹۹) محمد بن عبدالملک الزیات کے کتب خانہ میں بھی کتابوں کے متعدد اور اہم نسخے رکھے جانے کا اہتمام کیا جاتا تھا (۱۰۰)

۶- اوائلِ عہدِ عباسی سے اہلِ ثروت کتب خانوں میں ذخائر میں اضافہ کی خاطر وراق رکھتے تھے، اہلِ علم کو ان کے کتب خانوں سے استفادہ کی سہولت حاصل ہوتی تھی، بایں ہمہ نادار اہلِ علم اپنا کتب خانہ بنانے اور اپنے ذخائر کتب میں تنوع و کثرت کے لئے خود اہل ثروت کے کتب خانوں سے کتابیں نقل کرتے تھے۔ چنانچہ عامر بن ابراہیم بن واقد مولیٰ ابو موسیٰ اشعری المتوفی ۲۰۱ھ یا ۲۰۲ھ ہیزم فروش، علم و کتب کے شیدائی تھے، موصوف نے یعقوب قمی کے پاس ایک ماہ قیام کیا اور ان کے کتب خانے سے کتابیں نقل کیں پھر نعمان بن عبدالسلام کے کتب خانے میں جا کر ان کی

کتابیں نقل کیں۔ لوگوں نے ان سے پوچھا آپ کتابیں کیوں نقل کرتے ہیں تو جواب دیا میں جن کے ذخیرہ کتب سے کتابیں نقل کرتا ہوں ان کے پاس (کتب خانہ ہے) وراق ہیں میرے پاس وراق نہیں، میں اپنے لئے خود کتابیں نقل کر کے ذخیرہ کرتا اور کتب خانہ بناتا ہوں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ہی اہلِ علم کو ذاتی کتب خانوں سے نقل و استفادہ کی سہولت حاصل تھی(۱۰۱)

۵۲۔ تعلیم، کتابت و قرات اور کتابوں میں انہماک ہی کو ریاست و سیاست اور زہد و پرہیز گاری کی اصل سمجھا جاتا تھا چنانچہ ابو علی صالح بن محمد المتوفی ۲۹۴ھ کا بیان ہے "بغداد میں محدث اور معتزلی دو شاعر تھے، معتزلی میرے پاس سے گزرا اور مجھے لکھتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا، صاجزادے کتنا لکھو گے آنکھیں جاتی رہیں گی، کبڑے ہو جاؤ گے اور وقت سے پہلے چل بسو گے پھر اس نے مجھ سے کتاب لے کر اس پر حسبِ ذیل شعر لکھے۔

ان القرأة والتفـ قه و التشاغل بالعلوم

پڑھنا تفقہ حاصل کرنا اور تحصیل علوم میں لگے رہنا

اصل المذلة والاضا قة و المهانة والهموم

ذلت، فقر و فاقہ، مشقت اور غموں کی جڑ ہے۔

اس کے بعد محدث کا گزر ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا تو فوراً کہا اس دشمن جان نے غلط کہا ہے۔

"بل یرتفع ذکرک، وینشر علمک، ویبقی اسمک مع اسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یوم القیامته" بلکہ یہ انہماک علمی اور لکھنا پڑھنا تو تمہاری شہرت کا تمہارے علم کی نشر و اشاعت کا اور تمہارے نام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ تاقیامت باقی رکھنے کا باعث ہے، پھر اس نے یہ شعر پڑھے

ان التشاغل بالدفا تر و الکتابة والدراسة

بلاشبہ کتابوں میں، نقل و کتابت میں اور تعلیم و علم میں انہماک و سرگرمی۔

اصل التقیة و التز هد و الریاسة والسیاسة(۱۰۲)

زہد و پرہیز گاری اور ریاست و سیاست کی اصل و بنیاد ہے۔

۵۳۔ عہدِ عباسی میں تصنیف و تالیف اور کتابت و وراقت، کتب خانہ سازی و ذخیرہ میں

اضافہ کا سبب رہی ہیں۔ ان کا شمار علوم نافعہ میں کیا گیا، ان کا دائمی نفع ہے، یہ دنیا و آخرت میں اجر و مسرت کا موجب ہیں، اس لئے اس کی طرف توجہ دلائی جاتی اور ترغیب دی جاتی تھی، عرب کا شاعر کہتا ہے۔

ما من کاتب الا ستبقی کتابتہ وان فنیت یداہ

ہر کاتب کی تحریر باقی رہ جائے گی اگرچہ اس کے ہاتھ فنا ہو جائیں گے۔

فلا تکتب بکفک غیر شئی یسرک فی القیامۃ ان تراہ (۱۰۳)

اس لئے تم اپنے ہاتھ سے ایسی یادگار چھوڑو جسے تم قیامت کے دن دیکھ کر خوش ہو۔

۵۴- عہدِ عباسی میں چوتھی صدی ہجری میں علم، مدرسہ، قلم، دوات اور کتابوں کی طرف دلچسپی بڑھائی، عزیزوں اور نوجوانوں کو رغبت دلائی جاتی تاکہ ان کی عملی ترقی برقرار رہے اور کتب و کتب خانوں میں اضافہ ہوتا رہے، چنانچہ بدیع الزماں ہمدانی المتوفی ۳۹۸ھ اپنے بھانجے کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

انت ولدی ما دمت والعلم شانک والمدرسہ مکانک والمحبرۃ حلیفک و الدفتر الیفک فان قصرت لا اخالک (۱۰۴)

تم میرے بیٹے ہو جب تک علم تمہاری شان اور مدرسہ تمہارا مکان ہے دوات قلم تمہارا ساتھی ہے تم اس میں کوتاہی کرو تو پھر تمہارا کوئی مددگار نہ ہو۔

۵۵- تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں علماء و اہلِ ثروت کی حویلیوں اور محل سراؤں نے عارضی علمی اداروں کی صورت اختیار کرلی تھی۔ وہ علوم و کتب کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کرتے تھے، ان میں اہلِ علم اور وراقوں کے شب میں قیام کے واسطے چالیس، پچاس بسترے تیار رکھے جاتے تھے چنانچہ حافظ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی نزیل بغداد (۱۸۲-۲۶۲ھ/۷۹۸-۸۷۵ء) کے یہاں چالیس بستر ے صرف وراقوں کے واسطے رات میں استعمال کے لئے مخصوص تھے (۱۰۵) دوسرے اہلِ علم کے لئے کتنے بستر ے تھے، اس کا ذکر ہی نہیں، مشہور امام لغت ازہری کا بیان ہے۔ موصوف نے اپنی "مسند" کی تبییض و نقل کرانے پر وراقوں کو دس ہزار دینار اپنے پاس سے ادا کئے تھے (۱۰۶) ذرا غور فرمائیں اس دور میں ایک ضخیم کتاب پر کتنا خرچہ آتا تھا۔

نامور مصنف و ادیب ابو عبید محمد بن عمران مرزبانی (۲۹۲-۳۸۱/۹۰۹-۹۹۴ء) نے اپنی حویلی میں پچاس بسترے اہلِ علم کے واسطے رات میں قیام کے لئے رکھے تھے (۱۰۷)

مورخ صفدی نے اس تفصیل میں جائے بغیر موصوف کی حویلی کے متعلق اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا ہے "کان داره مجمع الفضلاء" (۱۰۸) مرزبانی کی حویلی اہلِ علم کی اکیڈمی تھی' اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تذکرہ نگار و مورخین اس قسم کے عارضی علمی اداروں کے لئے جو علوم و کتب کی نشر و اشاعت میں سرگرمِ عمل تھے اور جہاں شب گزاری کے لئے بسترے بھی کثیر تعداد میں رکھے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا الفاظ لکھتے ہیں:

۵۶۔ تیسری صدی ہجری میں جو قضاۃ و علماء پرورش لوح و قلم کرتے' اہلِ علم و مصنفین کی اعانت و حاجت روائی کر کے فروغِ کتب و کتب خانوں کی راہ ہموار کرتے ان کے لئے "مالف" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا چنانچہ قاضی ابو عبداللہ احمد بن ابی داؤد بصری ثم بغدادی معتزلی المتوفی ۲۴۰ھ کا شمار اس قسم کے معارف پروروں میں تھا چنانچہ مشہور عالم لغت ابو بکر بن درید المتوفی ۳۲۱ھ حسن بن خضر سے ناقل ہیں۔

"کان ابن ابی داود مالفا لاهل الادب من ای بلد کانوا و کان قدضم الیه جماعة یعولهم ویمونهم" (۱۰۹)

ابن ابی داؤد ائمہ لغت اور ادیبوں کی محبت و الفت کا مرکز تھا خواہ وہ کسی شہر اور کسی دبستان فکر سے تعلق رکھتا ہو۔ ایسی ایک جماعت اس سے وابستہ تھی' وہ ان کی حاجت روائی اور کفالت کرتا تھا۔

نامور فقیہہ ابو الفرج احمد بغدادی حنفی المعروف ابن المسلمہ (۳۳۷-۴۱۵ھ) کا مکان شرقی بغداد درب سلیم میں واقع تھا ان کے متعلق مورخ خطیب بغدادی کا بیان ہے۔

کان داره مالفا لاهل العلم موصوف کا مکان اہلِ علم کی اکیڈمی تھا(۱۱۰)

کبھی تذکرہ نگار لفظ "مالف" نہیں لکھتے صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کرتے "کان یحضر داره فصحاء الاعراب وعلماء کذا و کذا" اس کے گھر فصیحانِ اعراب اور ایسے ایسے علماء آتے تھے یہ تعبیرادا بھی معارف پروری اور عظیم کتب خانون کی نشاندہی کرتی ہے' چنانچہ ابن الندیم وراق' وزیر متوکل فتح بن خاقان المقتول کے متعلق رقمطراز ہے۔

کان یحضر داره فصحاء الاعراب وعلماء الکوفیین والبصریین (۱۱۱)

اس کے دولت کدہ پر فصحائے اعراب اور کوفی و بصری علماء آتے رہتے تھے۔

یعنی اہلِ علم اس سے وابستہ رہتے اور وہ ان کی نگہداشت کرتا تھا(۱۱۲) کبھی ایسے مربیانِ علم و فن کے دولت کدہ کی نسبت مقیل (آرام گاہ) کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا چنانچہ مورخ قفطی

نے نامور منطقی ابو سلیمان محمد بجستانی المتوفی ۳۸۰ھ (تقریباً) کے متعلق لکھا ہے

كان منزله مقيلا لاهل العلوم القديمة

ابو سلیمان کا مکان شائقین علوم قدیمہ کی آرام گاہ تھا

ایسے ہی قدر دان علم و فن کے لئے مورخین "دارہ مجمع الفضلاء" دارہ مجمع العلماء کے الفاظ استعمال کرتے ہیں(۱۱۴)

۵۷- عہدِ عباسی میں اہلِ علم کتب خانہ اس لئے بھی رکھتے تھے کہ وہ کتب خانے میں انہماک کو صحابہ و تابعین کی صحبت و ہمنشینی سمجھتے تھے چنانچہ شفیق بن ابراہیم بلخی کا بیان ہے:

عبداللہ بن مبارک ہمارے ساتھ نماز پڑھتے مگر ہماری مجلس میں بیٹھتے نہ تھے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: "میرا وقت صحابہؓ و تابعینؒ کی مجلس میں گزرتا ہے" ہم نے ان سے عرض کیا "یہاں صحابہؓ و تابعین کہاں ہیں' فرمایا میں کتابیں دیکھتا ہوں' ان کے آثار و اقوال اور اعمال کا مشاہدہ کرتا رہتا ہوں پھر تمہارے ساتھ بیٹھ کر کیا کروں"(۱۱۵)

۵۸- عہدِ عباسی میں بعض نابینا عالم جن کا تعلق دربارِ مشرق سے نہ تھا دربارِ مغرب سے تھا جب کوئی تالیف کرتے ان کے پیش نظر سو سے زیادہ کتابیں رہتی تھیں۔ چنانچہ حافظ ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی (۵۰۸-۵۸۱ھ / ۱۱۱۴-۱۱۸۰ء) نے "الروض الانف" تالیف کی اس میں ایک سو بیس سے زیادہ کتابوں سے استفادہ کیا تھا۔ موصوف کا بیان ہے:

مامن مستخرج من نيف على مائة و عشرين دلج اقا' سوى ماانتجه صدرى ونقحه فكرى' و نيجته نظرى ولقنته عن مشيختى(۱۱۶)

اس کتاب میں جو پیش کیا گیا وہ ایک سو بیس کتابوں سے لیا گیا ہے۔ میں نے اپنی بصیرت سے جو حاصل کیا اور غور و فکر کی تنقیح کا نتیجہ ، ژرف نگاہی کا ثمرہ ہے اور میں نے اپنے اساتذہ سے جو حاصل کر کے زینت کتاب کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

۵۹- اس تحریک کا یہ اثر و فیض تھا کہ مشرق ہی نہیں مغرب (اندلس) میں بھی بعض نامور عالم کو اس وسیع ذخیرۂ علمی سے جو اس نے اپنے اساتذہ سے جن کی تعداد ہزار سے زیادہ تھی۔ پڑھا اور سنا تھا اور وہ اس کی دسترس میں تھا۔ اس پر اسے آگہی حاصل تھی۔ روایت کرتا اور اپنے شاگردوں کو اس سے استفادہ و افادہ کی اجازت دیتا تھا۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد تیرہ چودہ سو کے مابین ہوتی تھی چنانچہ حافظ ابن

خیراشبیلی (۵۰۲-۵۷۵=۱۱۰۹-۱۱۷۹) کی "فہرسۃ ماروادہ عن شیوخہ من الدواوین المصنفہ فی ضروب العلم و انواع المعارف" میں کم و بیش (۱۴۰۰) کتابوں کا ذکر ہے۔ (۱۱۷)

۶۰۔ اس تحریک کا اثر ہے کہ ابن الندیم کی کتاب الفہرست جو صرف دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری کے نامور محققین و مصنفین کی تالیفات کی ایک مختصر و مجمل اور نامکمل کتابیات ہے۔ اس میں بھی مغرب (اندلس) کے مشہور و معروف مصنفین کی تصانیف سے بہت کم اعتناء کیا گیا ہے۔ تاہم دیارِ مشرق میں وہ مختلف علوم و فنون میں تصانیف کی کثرت و تنوع اور وسعت کی شاہدِ عدل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں کوئی مستشرق دیکھتا اور مسلم معاشرہ میں کتابوں کی نشرواشاعت کو استفادہ و افادہ کا حال پڑھتا ہے۔ اس کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:

The Ink Of The Learned Is As Precious As The Blood The Martyrs.

اہلِ علم کے قلم کی سیاہی ایسی ہی بیش قیمت و مقدس چیز ہے جیسے شہیداء کا خون ہے۔ ۱

اس مقدس جذبہ نے اربابِ فضل و کمال کو تدوینِ علم اور ہر موضوع پر کتابیں لکھنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ کتابیں مرتب کیں اور ہر فن میں مفید ترین کتابیں یادگار چھوڑیں۔

مذکورۂ بالا حدیث کو حافظ مغرب' ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے "جامع بیان العلم و فضلہ" (ج۱/۳۰-۳۱) میں یہ روایت حضرت ابو الدرداءؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے لیکن بیشتر محدثین نے اسے ضعیف ہی نہیں موضوع قرار دیا ہے۔ (۱۱۹)

تدوینِ علم اور کثرتِ تصانیف حقیقت میں حکم "اقرا" اور قیدوا العلم بالکتاب کا فیضان ہے۔

عہدِ عباسی میں علمی و کتابی ضرورت کی تحریک کے فروغ اور اس کے بنیادی عوامل کو جنہیں ہم نے حکم "اقرا" اور " قیدوا العلم بالکتاب کے تمدنی جلوے اور عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات کے "عنوان" سے سطورِ بالا میں پیش کیا ہے۔

یہ ایک ایسا جام جم ہے جس کے اندر عہدِ عباسی کی پوری علمی زندگی صاف صاف نظر آتی ہے۔ کتب خانوں کی تاریخ میں اسلامی دور سے پہلے اس طرح کے عوامل نہ کہیں رومیوں میں نظر آتے ہیں نہ ایرانیوں میں' نہ یہ ہندوستانیوں میں کارفرما دکھائی دیتے ہیں نہ ان کی

روشنی سے یونان و مصر روشن ہوا ہے، نہ نینوا و بابل میں یہ عوامل کبھی سرگرمِ عمل دیکھے گئے ہیں اگر ایسا ہوتا تو گلی گلی کتب خانے (Clay Tablates) گلی گلی (Streets) نظر آتے۔

یہ فخرِ اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ابلاغ کو اتنا عام کیا اور علم کی ایسی اشاعت کی کہ گلی گلی تو کیا گھر گھر کتب خانہ نظر آنے لگا۔ چنانچہ کتب خانہ سازی عہدِ عباسی میں ایک عالمگیر تحریک کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ امیر، غریب، چھوٹا بڑا، عورت مرد ہر ایک اس تحریک سے متاثر ہوا اور اس نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کے پروان چڑھانے میں حصہ لیا۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ تک یہ تحریک بار آور ہوئی، ہر جگہ پھولی پھلی، شاہی محلات میں بسیرا کیا، وزیروں کے ایوانوں میں رہی، امیروں کے محلوں میں پروان چڑھی، فقیروں کی جھونپڑیوں میں پلی بڑھی، عالم، ادیب، فقیہہ، مفسر، شاعر، مفکر، حکیم، صوفی، لغوی، نحوی، مورخ، مہندس، خطاط، وراق، فنکار، صنعت کار، تاجر، مسلمان، عیسائی، یہودی، دیندار، دنیا دار، دھریہ، زندیق، پڑھے لکھے، حتی کہ بعض بے پڑھے لکھے کے ٹھکانے میں اپنا ٹھکانا بنایا۔ نظریاتی طور پر مخالف و برسرِ پیکار گروہوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔ ہر ایک کے دل و دماغ کو اس تحریک نے شعوری و غیر شعوری طور پر متاثر کیا۔ عہدِ عباسی میں ہر شہر، قریہ، بستی، محلہ، گلی، کوچہ معبد، مسجد، تکیہ، سرائے، محل سرا، مہمان خانہ، خانقاہ، سیر گاہ، گلستان، قبرستان، دریا کے کنارے، مدرسے، ادارے، بازار، دکان، ہر چھوٹی بڑی مرکزی جگہ میں اس نے اپنا علمی مظاہرہ کیا اور کتب خانہ قائم کر دکھایا۔ بادشاہ سے فقیر تک ہر ایک کے یہاں اس کا بول بالا رہا، اس لئے مذکورہ بالا ہمہ اقسام کے کتب خانوں کا تذکرہ اس مقالہ میں کیا گیا ہے۔

(ہ) عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کے اسباب

عہدِ اسلامی میں عباسی دور کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس دور کے اوائل میں کتابوں اور کتب خانوں کا رواج ہو چکا تھا چنانچہ کم و بیش ہر نامور عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہوتا تھا۔ ہمارے اس خیال کی تائید حسبِ ذیل امور سے ہوتی ہے۔

ا۔ اس دور کے ائمہ فن ایک دوسرے کی کتابوں کا تنقیدی نگاہ سے مطالعہ کرتے اور ایک دوسرے کی تردید میں کتابیں لکھتے تھے۔ یہ امر ان کے پاس ذاتی کتب خانہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن نافع کا بیان ہے۔

ابن ابی ذئب (۸۰-۱۵۸ھ / ۶۹۹-۷۷۵ء) عبدالعزیز ماجشون (۰۰-۱۶۴ھ / ۰۰-۷۸۰ء)

ابن ابی حازم (۱۰۷-۱۸۴ھ / ۷۲۵-۸۰۰) محمد بن اسحاق (۰۰-۱۵۱ھ / ۰۰-۷۶۸ء) امام مالک بن انس (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۲-۷۹۵ء) پر تنقید کرتے تھے ان میں زیادہ سخت محمد بن اسحاق تھا وہ کہتا تھا میرے پاس ان کی کتابیں لاؤ میں ان کی خامیاں بتاؤں، میں ان کی کتابوں کا سالوتری ہوں(۱۲۰)

امام اوزاعی ” (۸۸-۱۵۷ھ / ۷۰۷-۷۷۴ء) نے امام اعظم ابو حنیفہ ” (۸۰-۱۵۰ھ / ۶۹۹-۷۶۷ء) کی کتاب السیر (جنگی قوانین) کی تردید میں کتاب لکھی تو امام ابو یوسف ” المتوفی ۱۸۲ھ نے ان کی تردید میں الرد علی سیر الاوزاعی لکھی(۱۲۱) پھر امام ابو یوسف ” نے امام اعظم ابو حنیفہ ” اور ابن ابی لیلیٰ ” (۷۴-۱۴۸ھ / ۶۹۳-۷۶۵ء) کے اختلافاتِ فقہی پر ”اختلافِ ابی حنیفہ ” وابن ابی لیلیٰ“ لکھی(۱۲۲) امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ نے امام مالک کی تردید میں ”کتاب الحجہ“ تصنیف کی(۱۲۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک عالم کا ذخیرہ کتب دوسرے عالم کے پیش نظر رہتا تھا۔

(۲) یہ ائمہ فن اور علماء ایک دوسرے سے کتابیں مستعار لیتے تھے چنانچہ امام احمد بن حنبل مورخ ابن سعد کاتب واقدی المتوفی ۲۳۰ھ سے مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ کی تصانیف مستعار لے کر مطالعہ کرتے تھے(۱۲۴) امام شافعی امام محمد سے کتابیں لے کر پڑھتے تھے(۱۲۵) امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے(۱۲۶)

(۳) ائمہ فن اور اکابر علماء اہلِ علم کو دوسرے ائمہ فن کے ذخیرہ علمی کو پیشِ نظر رکھنے، حاصل کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کرنے کی ترغیب دیتے اور تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ امام شافعی امام اعظم کے سرمایہ علمی کے متعلق فرماتے تھے ”الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ فی الفقہ“(۱۲۷) فقہ میں لوگ امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں۔

(۴) رحلہ (Travel for research work) جس کی تاسیس اور ترویج و اشاعت کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے تمام علوم خاص طور پر تین اسلامی علوم تفسیر، حدیث، فقہ وہ علوم تھے اور ہیں جن میں استنباط مسائل و استخراج معانی کا سلسلہ برابر قائم ہے اور اس کا میدان بھی بہت وسیع ہے۔ عہدِ عباسی میں ہر بڑا عالم اپنی زندگی کا قیمتی حصہ اس کے معانی پر غور کرنے سمجھنے اور ان سے مسائل استنباط کرنے میں صرف کرتا تھا، ان کے علمی ذخائر کو حاصل کرنے کے لئے سفر نہایت ضروری تھا، اس لئے عہدِ عباسی میں مفسرین، محدثین، فقہاء، مشرق و مغرب کے دور دراز ممالک کا سفر کرتے تھے پھر دوسرے علوم کی تکمیل و تحصیلِ کتب کے لئے بھی اس طرح سفر

کیا جانے لگا تھا اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس سفر (رحلہ) کی غرض و غایت علوم و فنون میں تحقیق و تدقیق، اساتذۂ فن کے ذخیرۂ کتب و کتب خانوں کی تحصیل اور ان کی نشر و اشاعت تھی۔ یہ رحلہ اس مقصد سے کیا جاتا تھا، چنانچہ ابو سفیان محمد یشکری معمری المتوفی ۱۸۲ء کے متعلق علامہ سمعانی رقمطراز ہیں

انما اشتهر بهذه النسبة لرحلة ابی معمر بن راشد بصنعاء ولتحصيله كتبه وحديثه (۱۲۸) موصوف کو معمر بن راشد صنعانی کی طرف نسبت سے شہرت اس لئے حاصل ہے کہ موصوف نے یہ سفر ان کی کتابیں اور حدیثیں جمع کرنے کے لئے ان کی طرف سفر کیا تھا اور خالد بن نزار ایلی کا بیان ہے۔

رحلت بكتب ابن جريج سنة خمسين ومائة فوجدته قد مات (۱۲۹) میں نے ابن جریج کی طرف ۱۵۰ھ میں سفر کیا جب ان کے پاس پہنچا تو اس وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

رحلہ نے ایشیا، افریقہ اور یورپ (اندلس) کے اسلامی ممالک و بلاد و قصبات میں علوم و فنون کے باہمی ربط و امتزاج پر گہرا اثر چھوڑا، مختلف موضوعات پر ایک خطہ کے اہلِ علم کو دوسرے خطہ کے اہلِ علم کی گوناگوں علمی و تحقیقی سرگرمیوں اور ان کے علمی ذخائر سے باخبر رکھا (۱۳۰)

اس سے اسلامی قلمرو میں علوم و کتب کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہوا، طرق (اسانید) احادیث بڑھ گئیں، نامور اہلِ علم کو ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں مدد ملی، ایک کے دوسرے پر جوہر کھلے، اسلامی قلمرو کے ہر خطہ میں علوم و فنون کی بڑھ چڑھ کر خدمات کرنے کا جذبہ ابھرا، اور ہر طرف علوم و فنون کی گرم بازاری ہوئی (۱۳۱)

رحلہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی قلمرو کے مرکزی قلمرو میں نہیں، بعض چھوٹے شہروں اور قصبوں میں بھی مدارس علم و فقہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی تھی، اس لئے تکمیل علوم و تحصیل کتب کے لئے ان کی طرف سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا جیسا کہ یاقوت کی "معجم البلدان" اور علامہ سمعانی کی "کتاب الانساب" کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

رحلہ کی بدولت تلامذہ کے اساتذہ سے تعلقات استوار تر ہو جاتے تھے پھر وہ مراسلت و مکاتبت کے ذریعہ پیش آمدہ علمی اشکالات بآسانی حل کرتے رہے تھے (۱۳۲)

اسلامی قلمرو کے بلاد و قصبات میں اربابِ کمال و ائمہ فن کی بکثرت سکونت کی وجہ سے ان کی طرف علمی سفر کیا جاتا تھا جس سے ان بلاد کو شرف و شہرت حاصل ہو جاتی تھی۔ چنانچہ عربی شاعر کہتا ہے۔

وما شرف الاوطان الا رجالها   الا فلا فضل ترب علی ترب

بلدان و اوطان کو شرف صرف اہلِ علم سے حاصل ہوتا ہے ورنہ کسی خطہ کو کسی خطہ پر کوئی فضیلت و برتری نہ ہو۔ (۱۳۳)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقدس سفر علوم و فنون میں اختصاص حاصل کرنے اور اساتذہ فن کے فیوض علمی، ان کی کتابوں اور ان کے کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کے لئے کیا جاتا تھا۔

(۵) عہدِ عباسی میں ہر طالب علم اپنے استادوں کی امالی (Lectures) قلمبند کرتا، ان کی کتابیں جمع کرتا، انہیں جی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، اس لئے انہی کتابوں کے نسخے اس کے لئے سند ہوتے تھے اکثر ان پر اس کے شیوخ و اساتذہ کے دستخط ہوتے یا ان سے پڑھنے کی صراحت ہوتی تھی۔

اس قسم کے نسخوں کو "الاصول" کہا جاتا تھا اس دور میں ہر فن کا طالب علم اس نوع کا ذخیرۂ کتب دورِ طالب علمی سے جمع کرنے لگتا تھا جو اس کے پاس تحصیلِ علوم کے زمانے تک بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتا تھا اور آئندہ اہلِ علم کو نقل کرنے، پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے عاریۃً دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مورخ ابن سعد کاتب واقدی کے مذکورہ بالا واقعہ سے ثابت ہے کہ یہ علماء "الاصول" کو اشاعت کے لئے اپنے پاس رکھتے تھے چنانچہ نامور محدث ابو سہیل ہارون بن احمد الاستر آبادی المتوفی ۳۶۴ھ جن کے متعلق حاکم نیشاپوری نے لکھا ہے "کان صحیح الاصول، کثیر الحدیث" (۱۳۴) (موصوف کے پاس کتابوں کے اصل صحیح نسخے تھے، بہت حدیثیں تھیں) مورخ مستغفری نے "تاریخ نسف" میں لکھا ہے کہ یہ روزانہ ظہر کی نماز کے بعد مقصورہ پر املاء کراتے تھے جن میں عامہ اہلِ علم اور امیر زادے شرکت کرتے تھے میں بھی اپنے بھائی، چچا، خدام اور اتالیق ابو علی منصور بن محمد کے ہمراہ ان کی کئی مجلسوں میں شریک ہوا تھا اس وقت میری عمر دس برس کی تھی، میرے سماع احادیث کا آغاز انہی کی مجالسِ املاء سے ہوا تھا، موصوف جامع مسجد اور ابو القاسم عبداللہ کی محل سرا میں جو انہیں اپنے فرزند ابو نصر کی تعلیم کے لئے بخارا میں لایا تھا "احادیث ابی حنیفہ عن ابی الولید الطیالسی و ابراہیم بن بشار و غیرہما" نیز "اخبار مکہ" اور اپنے فوائد پڑھاتے تھے جو کچھ لوگوں نے ان سے سنا اور حاصل کیا تھا وہ "خان بزازین" کے فتنہ صفر سنہ ۳۷۴ھ میں برباد ہوا اور اس کے مسموعات میں سے لوگوں کے پاس بہت تھوڑا رہا تھا (۱۳۵)

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ "عامہ اہلِ علم" استاد سے جو پڑھتے وہ لکھ لیتے تھے

ان کا ذخیرہ علمی کتابوں کی صورت میں ان کے پاس محفوظ ہوتا تھا وہ گاہ بگاہ حوادثِ روزگار سے ضائع ہوتا تھا جیسا کہ ابو سہیل کا املا کرایا ہوا ذخیرہ کتب بلوے میں برباد ہوا تھا۔ ابو موسیٰ ہارون بن محمد ازاذ داری جوینی المتوفی ۳۱۳ھ بلند پایہ ادیب و فقیہ تھے نیشاپور میں پڑھا اور بغداد میں لکھا تھا موصوف کے متعلق حاکم نیشاپوری کا بیان ہے:

"اذا ورد البلد یھش مشایخنا" (۱۳۶) موصوف کا جب نیشاپور میں ورود ہوتا تو ہمارے مشائخ کو ان کی آمد سے خوشی ہوتی تھی۔ موصوف کی آمد سے خوشی کا اصل سبب ان کا علم اور ان کا وہ علمی ذخیرہ تھا جو عامہ اہلِ علم کے علم میں اضافہ کا سبب ہوتا تھا۔

(۶) اساتذہ کا اپنے شاگردوں کو کتابوں کی روایت کی اجازت دینے کا چلن شروع سے تھا، ان اقسامِ اجازت میں سے جن کا رواج فروغِ علم کی وجہ سے عہدِ عباسیہ میں زیادہ تھا۔ چوتھی قسم "مناولہ" بھی ہے اس میں شیخ اپنا اصلی نسخہ یا اس کی نقل شاگرد کو دیتا خواہ مالک بنا دیتا خواہ عاریۃً دیتا تاکہ طالب علم اس کو نقل کر کے اس کا مقابلہ کرے (۱۳۷) اس سے بھی استاد، شاگردوں کے ذخیرہ علمی میں اضافہ کرتا تھا۔ دستور کے مطابق ہر پڑھا لکھا ذخیرہ کتب رکھنے کا پابند ہوتا تھا۔

(۷) عہدِ عباسی میں اپنے نوشتہ کے علاوہ بیان کرنا بھی عالم کی غلطی سمجھی جاتی تھی (۱۳۸) اس لئے بھی ذاتی کتب خانوں کا اس دور میں بکثرت قیام عمل میں آیا اور انہیں غیر معمولی فروغ حاصل رہا۔

(۸) یہ بھی حقیقت ہے کہ عہدِ عباسی میں تاریخ، تذکرہ اور طبقات کی کتابوں میں بلند پایہ شخصیتوں، صاحبِ فن اور مشہور و معروف عالموں کا تذکرہ ہی قلمبند کیا جاتا تھا جن کے علوم کا دریائے فیض علمی و کتابی اور تدریسی خدمات کی صورت میں رواں رہتا تھا چنانچہ ابوالطیب عبدالواحد نحوی المتوفی ۳۵۱ھ مراتب "النحویین" میں رقمطراز ہیں۔

ہم نے کتاب میں جس ترتیب پر علماءِ اہلِ عراق کا ذکر کیا ہے ان پر علمِ اعراب ختم ہوا ہے اور یہ وہ اصحابِ کتب و مرجع علم و فن تھے جن سے علمِ اعراب میں رجوع کیا جاتا اور مشکل مسائل کو حل کیا جاتا تھا اس سلسلہ کے علماء میں ہم نے اگر کسی کو چھوڑا ہے تو اس کی حسبِ ذیل تین وجوہ ہیں۔

۱۔ یا تو وہ امامِ فن نہیں تھا اس کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔
۲۔ یا اس کا کوئی ایسا شاگرد نہیں نکلا جو اس کے نام کو زندہ رکھتا۔

۳۔ یا اس نے کوئی ایسی تالیف نہیں چھوڑی جس کی نشرو اشاعت اہلِ علم ضروری سمجھتے ہوں جیسا کہ ہمارا یزیدیوں کے تذکرہ سے صرفِ نظر کرنا حالانکہ ان کا گھرانہ ایک علمی خانوادہ تھا یہ سب اپنے جد امجد ابو محمد یحییٰ بن مبارک یزیدی کی طرف نسبت رکھتے ہیں اور وہ ابو زید، اصمعی، ابو عبیدہ اور کسائی کے طبقہ کا عالم تھا اس نے علوم کی تحصیل ابو عمرو، عیسیٰ بن عمر، یونس اور ابو خطاب اکبر سے کی تھی، انہوں نے ابو عمرو سے قرات مشہورہ روایت کی ہے جو لوگوں میں متداول ہے مگر اس کا علم رواۃ میں قلیل ہے البتہ اس کی اولاد اور اس کے خانوادہ میں اس کا چرچا زیادہ ہے وہ ثقہ امین اور قدیم و بلند رتبہ عالم تھے (۱۳۹) موصوف نے ایک مقام پر لکھا:

"ان شرۃ العالم بمصنفاته والروایه عنه" (۱۴۰)

عالم کی شہرت ہی اس کی تصانیف اور اس سے روایت کرنے والوں سے ہوتی ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں کسی عالم کی شہرت اس کی تصانیف (علمی ذخیرہ) اور شاگردوں سے ہوتی تھی۔

اس لیے تذکرہ نگار جب کسی عالم کا تذکرہ لکھتے ہیں تو اس کے حالات میں تصریح کرتے ہیں کہ اس نے کن سے پڑھا، کہاں پڑھا، کن فنون میں کمال پیدا کیا، کہاں املا کرایا، کہاں وعظ کہا، کہاں مناظرہ کیا، کیا کیا لکھا، کن اہلِ علم اور اربابِ فن کو اس سے تلمذ کا فخر حاصل رہا، کن مسجدوں، مدرسوں، سرایوں، تکیوں میں پڑھایا، کن خانقاہوں اور مشہدوں میں فروکش رہا، کن اہم مقامات میں وہ سفر کرتے ہوئے ٹھہرا، یہ وہ مقامات تھے جہاں عموماً کتب خانے قائم کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ابو سلمہ نصر شاشی ایلاقی المتوفی بعد ۳۹۰ھ جو ایلاق کے قائدین میں سے تھے شاش میں رہتے تھے ہیثم بن کلیب سے پڑھا تھا، امام بخاریؒ سے بیک واسطہ حدیث روایت کرتے تھے، لوگوں نے ان سے بہت حدیثیں لکھی تھیں (۱۴۱) مورخ ابو سعد ادریسی کا بیان ہے۔

"موصوف حج کے لئے جاتے ہوئے سمرقند آئے اور "بابِ دستان" کے پاس "رباط انامیر" میں اترے تو ہمارے اصحاب نے ان سے لکھا اور میں نے موصوف سے شاش میں سنہ ۳۷۰ھ سے قبل لکھا تھا" (۱۴۲)

عہدِ عباسی میں کم و بیش ہر عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہونا مبالغہ نہیں حقیقت ہے کیونکہ اوائلِ عہدِ عباسی میں ایسے ایسے ائمہ فقہ، ائمہ حدیث، ائمہ لغت، ائمہ نحو و ادب کے پاس ذاتی کتب خانوں کا سراغ ملا ہے جن کے پاس کتب خانوں کا نام سن کر لوگوں کو تعجب ہو گا (۱۴۳)

چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ / ۶۹۹-۷۶۷ء)
امام مالک (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۳-۸۰۳)
امام اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ / ۷۰۷-۷۷۴)
امام ابو یوسف (۱۱۳-۱۸۲ھ / ۷۳۱-۷۹۸ء)
امام محمد (۱۳۱-۱۸۹ھ / ۷۴۸-۸۰۳ء)
امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ / ۷۶۷-۸۲۰ء)
امام احمد (۱۶۴-۲۴۱ھ / ۷۸۰-۸۵۵ء)
امام بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ / ۸۱۰-۸۷۰ء)
امام مسلم (۲۰۴-۲۶۱ھ / ۸۲۰-۸۷۵ء)
امامِ فن جرح و تعدیل ابو زرعہ عبیداللہ رازی (۲۰۰-۲۶۴ھ / ۸۱۵-۸۷۸ء)
امامِ لغت و ادب خلیل بن احمد بصری (۱۰۰-۱۷۰ھ / ۷۱۸-۷۸۲ء)
امامِ نحو ثعلب" (۲۰۰-۲۹۱ھ / ۸۱۶-۹۰۴ء) وغیرہ کے پاس ذاتی کتب خانے موجود تھے۔ یہ ائمہ فن اپنی خدا داد و مجتہدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے سرچشمۂ علوم تھے، ان کی مہارتِ فن، جلالتِ شان اور زبردست حافظہ کے پیش نظر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ابتدائی دور میں یہ اپنے ذاتی کتب خانوں کے ذریعہ علوم و فنون کی تدوین کرتے، انہیں فروغ دیتے، کتب اور کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کو پروان چڑھانے کی سعی پیہم کر رہے تھے۔ ان میں بعض ائمہ فن ایسے بھی تھے مثلاً ثعلب جن کے متعلق ان کے معاصرین نے تصریح کی ہے کہ درس اور ملاقات کے وقت ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی۔ بایں ہمہ ان کے پاس کتب خانہ تھا یعنی ذاتی کتب خانہ کے نہ ہونے کی دلیل کے باوجود ان کے پاس ذاتی کتب خانہ موجود تھا(۱۴۴) ابو بکر محمد بن قاسم انباری نحوی (۲۷۱-۳۲۱ھ / ۸۸۲-۹۴۰ء) جن کے متعلق تذکرہ نگاروں کا بیان ہے:

"کان یملی من حفظه وما کتب عنه الاملاء قط الاعن حفظه "(۱۴۵)

موصوف اپنے حافظہ سے املا کراتے تھے ان سے املا زبانی ہی لکھی گئی ہے۔

یہ مذکورۂ بالا بیان موصوف کے پاس کتب خانہ نہ ہونے کی دلیل ہے حالانکہ ان کے پاس زبردست کتب خانہ تھا(۱۴۶) ان حقائق کی روشنی میں مذکورہ بالا دعوی کہ "عہدِ عباسی میں کم و بیش ہر عالم کے پاس نجی کتب خانہ تھا کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں"۔

امام ثعلب کے مذکورۂ بالا واقعہ سے یہ امر بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ دوسری تیسری صدی ہجری میں درس اور ملاقات کے موقعہ پر کسی عالم کے ہاتھ میں کتاب کا نہ ہونا موجب حیرت و تعجب تھا۔ یہ اس حقیقت کا نہایت بین ثبوت ہے کہ اس دور میں اہلِ علم کا اپنے پاس کتابیں اور کتب خانہ رکھنا معمول بن گیا تھا اور ان کو کتابوں سے ایسا شغف ہو گیا تھا کہ درس کے وقت ہی نہیں ملاقات کے وقت بھی ان کے ہاتھ سے کتاب نہیں چھوٹتی تھی۔ یہ تاریخی شہادتیں دائمی کتب خانوں کے وجود کو ثابت نہیں کرتیں بلکہ ذاتی کتب خانوں کی کثرت کی بھی شاہد عادل ہیں۔

مشہور مورخ محمد بن عمر واقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ / ۷۴۷- ۸۲۳ء) جن کے ذاتی کتب خانہ میں ایک سو بیس بار شتر کتابیں تھیں' مورخین و تذکرہ نگاروں نے صرف واقدی کے کتب خانے کا ذکر بھی ایک خاص واقعہ کی وجہ سے کیا ہے کہ انہیں بغداد کے مغربی حصہ سے مشرقی حصہ میں مکان تبدیل کرنا پڑا تو کتابیں ایک سو بیس اونٹوں پر لے جانی پڑی تھیں ورنہ ان کے معاصرین میں سے ہر ایک کے پاس اس سے بھی زیادہ کتابوں پر مشتمل کتب خانہ موجود تھا چنانچہ مورخ واقدی کا بیان ہے۔

"مامن احد الا و کتبہ اکثر من حفظہ و حفظی اکثر من کتبی "(۱۴۷) میرے معاصرین میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی کتابیں اس کے حفظ سے زیادہ ہوں البتہ میرا حفظ میری کتابوں سے زیادہ ہے۔

مورخ واقدی کے مذکورہ بالا بیان میں "مامن احد" کے الفاظ عام ہیں جو شاہانِ عباسی کے زیرِ نگیں پورے اسلامی قلمرو کے معاصر علماء پر یکساں صادق آتے اور منطبق ہوتے ہیں لیکن کسی وجہ سے اگر اس کا دائرہ خاص علماء اور نامور اربابِ فن تک محدود رکھا جائے تو بھی دوسری تیسری صدی ہجری میں بغداد میں ذاتی بڑے کتب خانوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو تو چنداں مستبعد نہیں۔

مورخین اور تذکرہ نگاروں نے مورخ واقدی کے تمام مشہور معاصرین کا تذکرہ قلمبند کیا ہے لیکن معدودے چند کے سوا کسی کے کتب خانے کا ذکر ان کے یہاں نہیں ملتا جو ہمارے اس دعوے کی نہایت قوی دلیل ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانے مسلم معاشرے کے لوازم زندگی بن چکے تھے اور کم و بیش ہر ایک عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہوتا تھا اس لئے ہر ایک کے تذکرہ میں اس کے کتب خانے کے ذکر کرنے کا چنداں اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اہلِ علم کا ذخیرہ

علمی اتنی وسعت اختیار کر گیا تھا کہ اتفاق سے اگر کسی نامور عالم یا اہلِ فن کے یہاں گھر کے کسی کونے میں رکھا ہوا ذخیرہ کتب دکھائی دیتا تو اہلِ علم کی نظروں میں سماتا نہیں۔ حیرت و تعجب سے پوچھا جاتا کہ کیا جناب کے پاس کل اتنا ہی کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن سفیان زیادی المتوفی ۲۴۹ھ کا بیان ہے۔

”ایک شخص خراسان سے اصمعی ۲۱۶ھ کے پاس آیا جب وہ اصمعی سے مانوس ہو گیا تو اس نے ان سے ایسے موقعہ پر پوچھا جب وہ گھر تشریف فرما تھے کہ جناب کی کتابیں کہاں ہیں۔ اصمعی نے ”زاویہ بیت“ گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا اس نے اسے بہت تھوڑا سمجھا اور کہا بس اتنا ہی ہے، اصمعی نے کہا حقیقت میں یہ (اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے) بہت ہے“(۱۴۸)

اس دور میں اربابِ کمال کی اسلامی قلمرو میں جیسی کثرت تھی اس کا اندازہ صرف بصرہ میں اربابِ فن کی تعداد سے کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ واقدی کے معاصر اور خلیل بن احمد بصری کے نامور شاگرد نضر بن شمیل (۱۲۲۔ ۲۰۳ھ / ۷۴۰۔ ۸۱۹ء) نے اپنی تنگ دستی کی وجہ سے جب بصرہ کو خیر باد کہا اور خراسان کا رخ کیا تو تین ہزار اہلِ علم انہیں رخصت کرنے مربد تک گئے تھے ان کے متعلق ابو عبیدہ کا بیان ہے:

”نضر بن شمیل کو رخصت کرنے والوں میں کوئی جلیل القدر محدث، کوئی نحوی، کوئی لغوی، کوئی عروضی اور کوئی اخباری تھا“(۱۴۹) مربد میں نضر نے ان اربابِ کمال سے کہا تھا کہ مجھے بصرہ میں ایک دو کلیچے بھی پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتے تو میں بصرہ کو چھوڑ کر نہ جاتا۔ نضر بن شمیل کا کتب خانہ تھا اور جو علماء علم و کتب اور کتب خانوں کے فروغ و ترقی میں سرگرمِ عمل تھے انہیں وطن سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا اس لئے نضر بن شمیل نے اہلِ بصرہ سے یہ بات کہی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی نامور عالم کسی شہر میں اقامت پذیر ہوتا اور اس کی مساعیٔ جمیلہ سے اس بستی یا شہر میں علم اور کتابوں کو فروغ و ترقی ہوتی تو اس کا وہاں سے نکلنا اہل شہر کو گوارا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ معمر بن راشد صنعانی المتوفی ۱۵۳ھ جو بصری تھے صنعاء کو چھوڑ کر بصرہ آنا چاہا تو اہل صنعاء نے صنعاء میں ان کی شادی کر دی اور پھر ان کا صنعاء سے نکلنا نہ ہو سکا(۱۵۰)

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ جن اربابِ فن سے شہر، بستی اور کوچہ کو فخر حاصل ہوتا تھا ان کو شہر اور بستی میں رکھنے کی ہر تدبیر کی جاتی تھی انہیں جمالیاتی اور سماجی

بندھنوں میں باندھا جاتا تھا تاکہ رفاقت کی وجہ سے داغِ مفارقت نہ دے سکیں۔

ابو عبیدہ نے نضر بن شمیل کا مذکورہ بالا واقعہ کتاب مثالب اہل بصری میں اہلِ بصرہ کی مذمت بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے جس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ بصرہ جیسا چھوٹا سا شہر تین ہزار ایسے گوناگوں باکمال علماء سے آباد تھا۔ وہ علماء جو نضر بن شمیل کو رخصت کرنے نہیں گئے یا نہیں جا سکے تھے ان کی تعداد کا تو کوئی علم نہیں۔ ظاہر ہے ایسے علم دوست اور علماء کے قدر دانوں کے متعلق واقدی کی مذکورہ بالا شہادت کی موجودگی میں یہ کہنا درست ہے کہ ان تین ہزار علماء و فضلاء کے پاس نجی کتب خانوں کا ہونا ظاہر و باہر ہے۔

علماء اور اربابِ کمال کی اتنی بڑی تعداد جہاں آباد ہوتی تھی ایسے شہر اور ایسی بستی کے لئے بلادِ اسلامی کے جغرافیہ نویس علامہ سمعانی لکھتے ہیں۔

"هذه النسبة الى البصرة وشهرتها اغنتنی عن ذكرها لكن ذكرتها لكی لا يخلو الكتاب عنها" (۱۵۱) یہ بصرہ کی طرف نسبت ہے اور اس کی شہرت نے مجھے اس کے ذکر سے مستغنی کر دیا ہے لیکن میں نے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ کتاب اس کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ "والمنسبون اليها من اهل العلم لا يحصون" (۱۵۲) اور بصرہ کی طرف اہلِ علم کی اتنی بڑی تعداد منسوب ہے کہ شمار نہیں کی جا سکتی۔ اسی علمی ثروت کی وجہ سے بصرہ کو "خزانۃ العرب" کہا جاتا تھا(۱۴۹)

اس قسم کی معلومات مذکورہ تاریخ و طبقات کی کتابوں کے علاوہ انساب و جغرافیۂ بلاد کی کتابوں میں بھی بکثرت ملتی ہیں، ان کی اصل غایت اس عالم کے حدودِ استفادہ و اِفادۂ علمی کو بیان کرنا، اس کے حلقہ اثر کو بتانا، اشاعتِ علم، کتابوں اور کتب خانوں کے فروغ و ترقی میں اس کی مساعیِ جمیلہ کو بیان کرنا، اس کے ذخیرہ کتب سے اس خطہ کے اہلِ علم کے استفادہ و فیض عام کی صراحت کرنا ہوتا تھا اس لئے تذکرہ نگار اس عالم کا جو پہلی مرتبہ کسی امامِ فن کے ذخیرہ سے کسی خاص خطہ ارضی اور کسی خاص اسلامی شہر کو روشناس کراتا تھا اس کا تعارف "اول من ادخل کتب فلاں" (۱۵۴) (موصوف سب سے پہلے فلاں کی کتابیں لے کر پہنچے تھے) کے شاندار الفاظ سے کراتے تھے۔

عہدِ عباسی میں مورخین اور تذکرہ نگاروں کا طبقات(۱۵۵) مکاتبِ فکر(۱۵۶) ادوار(۱۵۷) اقالیم و ممالک(۱۵۸) انساب(۱۵۹) والقاب(۱۶۰) اور کنی(۱۶۱) پر کتابیں لکھنے، کتبِ تاریخ میں ہر سن کے بعد مشاہیر کی وفیات ذکر کرنے کی غرض و غایت ہی مشاہیر عصر، نامور اربابِ فن، اہلِ علم و اہلِ قلم کے فیضان و اثر کو بیان کرنا اور ان کی تحقیقات سے علمی دنیا کو متعارف کراتا ہوتا

رسائل

اردو

(۱) "چٹان"، لاہور، ۲۹ جنوری، ۱۹۷۳ء

(۲) "الحق"، اکوڑہ خٹک، جلد ۹، شمارہ ۱۲ ۱۳۹۴ھ

(۳) "مجلہ جامعہ عباسیہ بہاولپور"، شمارہ ۱، ۱۳۸۵ھ

فارسی

(۴) "ہنر و مردم"، طہران، شمارہ ۵۸، (مرداد ماہ، ۱۳۴۶ف)

" ۱۳۴۸۸۵ف

" ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۵۰ف

" ۱۱۵، ۱۳۱، ۱۳۵۱ف

عربی

(۵) "ابحاث الندوة العالمیة، تاریخ العلوم عند العرب"، المنعقدہ بجامعۃ حلب من (۱۳۰۵ھ) ربیع الثانی، ۱۳۹۶ھ، (۱۳۰۵ھ نیسان اپریل ۱۹۷۶ء حلب معہد التراث العلمی العربی جامعۃ حلب، ۱۹۷۷ء

(۶) "الابحاث"، بیروت، جلد ۸، شمارہ ۲، ۱۹۵۵ء

(۷) "اضواء الشریعہ"، الریاض، شمارہ ۴، ۱۳۹۳ھ

(۸) "الاقلام"، بغداد، شمارہ ۵، ۱۳۸۴ھ

(۹) "دعوة الحق"، ۸، ۲۳ جمادی الثانیہ رجب، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء

(۱۰) "سومر"، بغداد، جلد ۱۱، شمارہ، ۱۹۵۵ء

(۱۱) ”الفکر الاسلامی“، جلد ۷، شمارہ ۲، ۱۳۹۵ھ

(۱۲) ”الکتاب“، القاہرہ، شمارہ ۲، ۱۹۶۸ء

(۱۳) ”اللسان العربی“، الرباط، شمارہ ۶، ۱۹۶۹ء

(۱۴) ”لواء الاسلام“، القاہرہ، جلد ۲ شمارہ ۲، ۱۳۶۸ھ۔۱۹۴۹ء

(۱۵) ”مجلۃ المجمع العلمی العراقی“، ج ۴، شمارہ ۱۰، ۱۳۷۵ھ
” ج ۶، ۸ ۱۳۷۸ھ
” ج ۶، ۱۲ ۱۳۸۴ھ
” ج ۷، ۱۳۶۰ھ
” ۱۳۶۰ھ
” ۱۳۹۳ھ

(۱۶) ”مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ“، دمشق، جلد ۴۸، شمارہ ۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

(۱۷) ”مجلۃ معہد المخطوطات العربیۃ“، ج ۳، شمارہ ۲، ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء

(۱۸) ”مجلۃ الکلیۃ اللغۃ العربیہ“، الریاض، شمارہ ۲، ۱۳۹۲ھ، ۱۹۷۲ء

(۱۹) ”المجلۃ القاہرہ“، شمارہ ۱۴۸، اپریل ۱۹۷۹ء

(۲۰) ”مجلۃ المعہد المخطوطات العربیۃ“، القاہرہ، جلد ۱، شمارہ ۲، ۱۹۵۵ء، جلد ۲، شمارہ ۲، ۱۹۵۷ء

انگریزی

(21) Islamic Culture, The Hyderabad Quarterly Review, Hyderabad,
Vol. 3, 1929.

(22) The Library Quarterly, Chicago, University of Chicago
Gradvaate Library School, Vol. 11, 1932-1953

(23) Library Trends, Urbanan Illions: Illinois University Library
School, Vol. 5, 4, April, 1957.

(24) UNESCO Bulletin for libraries, Paris, UNESCO Publicatio
Centre, Vol. XIX, No. 5 (September, October, 1965)

قلم

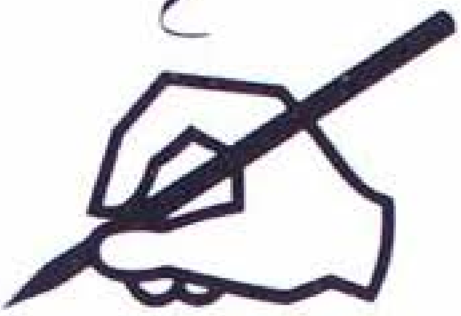

قلم گوید کہ من شاہجہانم
قلم کش را بہ دولت می رسانم

PEN SAYS
I AM THE KING OF THE WORLD
I CARRY THE PEN MAN
TO HONOUR
AND
POWER

THE AUTHOR

Mawlana Muhammad Abdul Halim Chishti belongs to the distinguished class of ulama of the Indo-Pakistan subcontinent, generally known as the Ulama of Deoband. Born in Jaipur in April, 1929, he received his early education in the local Masjid-Madrisah and soon after joined the renowned Islamic education centre, Dar al-Uloom, Deoband, where after completing a six year course of studies, he graduated in 1950. The same year he migrated to Pakistan and besides Master's degrees in Library Science and Islamiat, he received doctrate in Library Science in 1981 from the Karachi University.

His quest for knowledge developed into deep love for books and this led him to libraries, otherwise a place of retreat for scholars. He had had opportunities of serving as librarian in reputed institutions in and outside Pakistan. At present Jamiyah al-Uloomil Islamia, Binnori Town, Karachi (Pakistan) is utilising his services as Mushrif (Director) for post-graduate studies (Specialization) in Hadith and Fiqh.

Mawlana Muhammad Abdul Haleem Chisti is a versatile writer and besides a large number of Theses and Dissertations he has a good many book to his credit. A few of them are:

1. Arab libraries during Al-Jahiliyyah
2. Islamic Libraries
3. Commentary on Mirqat Al-Mafatih.

CHAPTER XI

EPILOGUE

ACHIEVEMENTS AND AFTEREFFECTS

Islam is a comprehensive and complete Code of Life bestowed by the Creater Himself on His VICEGERENT for regulating his activities. Its teachings are based on AL-KITAB (Quran-ul-Hakim) i.e. Wahy. As such Islamic Culture and Civilization represent faithful understanding and application of the Islamic teaching. These teaching ceated an upsurge in its followers to understand Universe and promote and substantiate ILM (Knowledge) through Qalam. As such acquisition of knowledge (ILM) according to one's capacity was taken to be binding of course, with the provision of Farz-i-Ain. فرض عین and فرض کفایہ Farz-i-Kifayah.

This understanding of Islamic teachings led to widespread knowledge (ILM) so much so that every Mosque and Khanqah became a centre of learning. The services that these centres rendered towards the development of Culture and Civilization are written on the pages of history. As such Islamic Culture and civilization are a reflection of Islamic Faith and Beliefs.

The contribution of Islamic Civilization and Culture to World Civilization and culture hardly needs a mention. It would be enough to say that wherever we see 'light', we find that its source is from Al-Kitab and the person who received it.

CHAPTER X

MANAGEMENT

Management of an institution however small it may be is its Life Blood. This chapter deals with management of libraries and has two sections:-

- i In the first section, the discussion centres round financial matters relating to libraries, their budgets buildings and provision of the materials needed, timings of the libraries, rules and regulations for lending books etc.

- ii In the second section,. the responsibilities of the staff of the library have been discussed. The duties of the Treasurer, Caretaker, the precautions to be taken, the furniture needed for library and allied matters such as book binding, protection from white ants find a place in this chapter.

CHAPTER IX

BIBLIOGRAPHIES.

During the Abbasid period, the rising number and variety of Uloom (Sciences) necessitated the compilation of bibliographies. The men of insight took this task in hand. The intention was clear. In brief, they wanted that availability and selection of books for libraries, scholars and institutions should be made easy and that every lover of books should know the latest additions and the trends of thought in the social life of the people.

For this purpose, the men of letters started compiling bibliographies of their own works. This activity reached such a stage that bibliographies came to be known with other names also.

In this chapter, various names of bibliographies, definitions of bibliographies, catagories of bibliographies, famous bibliographers, description of continents and the terminology of bibliography have been discussed.

CHAPTER VIII

CATALOGUING

The next step after gradation of books in a Library is cataloguing. Cataloguing, in fact, is the soul of a library. How conveniently a book can be made available to a reader, whether a layman or scholar, is the topmost object. The efforts made in this direction during the Abbasid period and the basic principles established for guidance in general have been discussed in this chapter.

Names, Laqab لقب Kunniyah کنیہ etc. their kinds, their arrangements in a name and how these should be mentioned in a catalogue, the important portion in a name, alphabetical order, differences in the names of books, main features of the books have also been discussed in this chapter.

اسم Ism کنیہ Kunniyah لقب Laqab etc. in the light of Quran-ul-Hakim.

Naming a thing in instinctive in man. The intention is to distinguish it from the other and understand it on that basis. Human beings have been doing so and would continue to do so. The person so named is called by that name. Sometimes along with his basic name, his Laqab لقب Khitab خطاب or کنیہ Kunniyah become so popular that instead of the basic name, he is called out by his Laqab/ Kunniyah / Khitab. This is evident from the Quran-ul-Hakim. Further in some cases, the dominating characteristic becomes populat and the person concerned is called out by that 'Characteristic' , e.g. Muzammil, Mudassir, Sahibul Hoot, Samiri, Firaun, Abu Lahab, Zulqarnain. The women.

CHAPTER VII

ORGANIZING KNOWLEDGE AND ITS GRADATION

The increasing activity in respect of seeking and spreading knowledge during the Abbasid period necessitated its proper channelization and control. The learned Muslim thinkers took notice of this situation and made concentrated efforts in this direction, These efforts have been discussed in this chapter which is divided in two sections:-

i The first section deals with gradation on the basis of Uloom (Sciences)

ii The second section deals with book classification on the basis of writing.

From this the reader gets an idea of not only the Current Uloom, but also the Uloom of the earlier period.

CHAPTER VI

This chapter has two sections:

i The first section deals with production of paper, kinds of paper, centres of paper industry, understanding about good and bad white paper in the second material for writing, pen inkpot, ink, arrangements for copying caligraphy, arrangements for writing in Madrasahs have been discussed.

تھا(۱۶۲) جس سے سوانح حیات و کتابیات کو بھی تنوع، وسعت اور فروغ حاصل ہوتا رہا۔

یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ خلیفہ بن خیاط اور مورخ ابن سعد کاتب واقدی (۱۸۶- ۲۳ھ) نے "الطبقات الکبیر" کو اسلامی صوبوں پر مرتب کیا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد پہلی دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اسلامی قلمرو کے مختلف صوبوں اور شہروں کی علمی ترقی علماء و اہلِ فن کی علمی و فنی سرگرمیاں بیان کرنا کتب و کتب خانوں کی نشاندہی کرنا تھا۔

انہی حقائق کی وجہ سے علامہ سمعانی اور یاقوت رومی وغیرہ اسلامی قلمرو کے ایک ایک کوچے، بستی، قصبے، شہر، صوبے اور ملک کے متعلق اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ یہ بستی محدثین سے آباد تھی، اس محلے میں ادباء رہتے تھے۔ یہ بڑا مردم خیز خطہ تھا، یہاں سے ہر فن میں اربابِ کمال نکلے ہیں، اس سرزمین سے گزشتہ و موجودہ ہر دور میں علماء و فضلاء نکلتے رہے ہیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس خطہ کو فروغِ علم، فروغِ کتب اور کتب خانوں کی ترویج و اشاعت میں امتیاز حاصل رہا ہے۔ "کتاب الانساب" سمعانی و "معجم البلدان" یاقوت سے بطور نمونہ حرفِ الف کی تقطیع سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ علامہ سمعانی اصفہان کی ایک بستی "آبی" کے متعلق رقمطراز ہیں "خرج منها جماعته من المشاہیر" (۱۶۳) اس بستی سے نامور اہلِ علم کی ایک جماعت نکلی ہے۔

آجری جو بغداد کے غربی گوشہ میں نہر طابق کا ایک محلہ ہے اس کے متعلق یاقوت لکھتے ہیں "اس میں بہت سے علماء رہتے ہیں" (۱۶۴)

اسکاف کے متعلق موصوف کا بیان ہے "نامور علما، ادباء، حکام، محدثین کی بہت بڑی تعداد یہاں سے نکلی ہے" (۱۶۵)

آمد، ایک بہت پرانا چھوٹا مضبوط شہر تھا اس کے متعلق سمعانی فرماتے ہیں یہاں سے ہر فن کے علماء نکلے ہیں(۱۶۶)

آمل طبرستان کے متعلق لکھتے ہیں قدیم و جدید اہلِ علم کی ایک جماعت اس کی طرف منسوب ہے یہاں سے ہر فن کے علماء نکلے ہیں(۱۶۷)

علامہؒ سمعانی نے "کتاب الانساب" میں (۴۵۲۶) مشہور نسبتوں کا ذکر کیا ہے جن میں ابتدائی(۸۴) نسبتوں میں دو سو نامور علماء کا تذکرہ کیا ہے اس حساب سے صرف "کتاب الانساب" میں تقریباً چودہ پندرہ ہزار نامور علماء و فضلاء کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں(۱۶۸)

ایک نسبت میں اگر صرف ایک ہی قابلِ قدر کتب خانہ شمار کیا جائے تو چھٹی صدی ہجری میں اسلامی دنیا میں کم از کم ساڑھے چار ہزار عوامی، شاہی اور ذاتی کتب خانوں کی تعداد

comparing them with the original ones. Such books were thereafter donated to Libraries. The travels of a book from writer to library have also been narrated.

CHAPTER V

INSTITUTIONAL AND LITERARY LIBRARIES

This chapter has two sections:

i In this section Public Libraries have been discussed. By Public Libraries are meant the Libraries maintained in the Mosques, Khanqahs and Auqaf institutions.

ii In the second section Literary Libraries have been discussed. By Literary Libraries are meant the libraries maintained in educational institutions, hospitals, medical schools, and observatories.

The extent and scope of Libraries in the Abbasid period indicates the desire and efforts made during that period for the quest, acquisition and dissemination of knowledge not only for the existing generation but for the generations to come. Opportunities were made available to every category of the seekers of knowledge without distinction of caste and creed, commoners or men of rank.

SHAPING BOOKS
COPYING OF BOOKS

In the previous chapter it has been amply discussed as to how the upsurge for-acquiring knowledge during the Abbasid period became responsible for making collection of books and establishment of libraries as the most favourite hobby in every tier of social life. A good number of people used to spend their whole life in getting books and copying them with due care and then

CHAPTER IV

PERSONAL, PUBLIC, TECHNICAL AND SPECIAL LIBRARIES

The people who responded to ISLAMI'S behest اقراء READ; and ...... ILM in writing with the core of their heart became deeply engaged in the following activities:-

1. قرائت READING / Mannerly
2. کتابت WRITING / Mannerly
3. حفاظت CAREFUL / Maintenance
4. اشاعت SPREADING / Dis-seminating.

and very soon the people in general became accustomed to these habits.

Just as the learned persons brought out compilations in respect of various aspects of 'AL-KITAB' (Al-Quran) and Collections of Sunna and Asar (i.e. Qira'at, Tafsir, Hadis, Fiqh, Kalam, Tasawuf, Nahv, Lughat, History, Ansab, Philosophy, Arithmatic, Medicine etc.) in every branch of ILM (knowledge) individual and special libraries came into existance. These Libraries are taken to be 'PERSONAL' as they belonged to an individual, but the services which they rendered to the people in general, they deserve to be called Institutional or Public.

In this category of libraries, the Libraries of Quran-ul-Hakim Commentators, Jurisprudents, Justices, Sufis, etc. have been discussed.

The above mentioned Libraries ultimately became Public Libraries through sale or Waqf or bequests while a few of these Libraries continued as Family Libraries. As such in Islamic Libraries this category of Libraries carries much importance.

CHAPTER III
LIBRARIES OF ABBASID CALIPHS

This chapter has two sections:

i In the first section an analysis of the education and cultural activities during the Abbasid period has been given and after that Libraries of seventeen caliphs have been discussed.

ii In the second section, the Libraries of those Rulers (also called Khulafae) who had affiliations with the Caliphs of Baghdad have been detailed: the former being 17 in number while the latter's number was 42...... in all the number comes to 59. Forty two (42) Libraries falling in the second category belong to twenty Royal lineages having affiliations with the Çaliphs of Baghdad (Thirds, Fatimids, Ghaznawids, Seljuqs, Ghauries, Zaidiyas of Yemen etc.) and four Royal lineages who with the caliphs of Baghdad (Fatimids of Egypt, Banu Hamadan, Banu Umar and the Omayyid Caliphs of Spain numbering nine.)

In the two sections of this chapter 59 Libraries have been discussed in all. This is enough to indicate the influences which the special interest of Abbasid Caliphs in the establishment of Libraries i.e. spread of knowledge produced throughout the then Islamic world. A detailed analysis of these libraries in the light of the principles concluded by the author of the thesis will definately need a few volumes.

CHAPTER II
WIDE POPULATIRY OF 'KNOWLEDGE' AND EVOLUTION OF LIBRARIES.

This chapter has two sections:

The first section deals with the wide popularity of seeking knowledge and the evolutionary stages of libraries emphasizing the Importance of ILM (Knowledge) and the four elements (basic factors) of Libraries, i.e. Ilm, Writing, Books and Reading.

The Second section deals with the Libraries of the Prophets of Allah, their efforts in the field of libraries as well as the circumstances leading to the establishment of libraries and their effects on the social life of the people.

WIDE POPULARITY OF KNOWLEDGE

ILM (Knowledge) is a special preregative of Man. In all instincts and habits Man appears to be common with animals. It is why man was given preference over Angels. (1)

Although in the matter of eating, drinking, walking and other insticts man is on the same footing as animals, but in the matter of thinking and appreciation of RIGHT and WRONG man has been given a distinctive character. As such QUEST FOR KNOWLEDGE' is INHERENT in man and this is naturally followed by his inherent desire to BROOD OVER IT and after that spread it to people in general.

---

1. XVII / 70 Al-Quran

The second section deals with 'Introduction' in which the aims and objects of the study, selection of the subject matter, previous study and the analysis of the sources along with the method of presentation have been elucidated.

CHAPTER 1
ISLAMIC LIBRARIES

فسانہ گشت و کہن شد حدیث اسکندر
سخن نو آر کہ نو را حلاوتے است دگر

> The story of Alexander has since become a matter of PAST; bring out a fresh one, as the New One has a strange taste (Farrukhi)

This thesis under the heading 'Islamic Libraries' covers the whole Abbasid period from 133 A.H. to 656 .A.H. or 749 A.D. to 1258 A.D. in eleven chapter 5 briefly discussed hereafter.

CHAPTER I 'Preface and Introduction.'

In the first section of the chapter it has been discussed that Libraries being the Fountain Head of intellect grow as an integral part of Culture and Civilization. In the case of Islamic Libraries, the establishment of Libraries, their increasing number and variety have their origin in Allah's Command اقراء and the resultant all embracing movement for learning that encompassed every nook and corner of the Abbasid Caliphate. The author has identified 60 directions in which the social life of the Muslim People had had its impact. Seven guiding principles for the establishment and publicity of Libraries during the Abbasid period as also three principles for location of libraries have been discussed. In addition, thirty guiding principles for identification of a Library itself have been mentioned. The numerical strength of Libraries during the Abbasid period has also been elucidated.

---

1. "فرخی" Court poet MAHMOOD GHAZNAVI. (about 1000 A.D.)

* یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

ISLAMIC LIBRARIES DURING THE ABBASID PERIOD

(133 A.H. ...... 656 A.H. / 749 A.D. ...... 1258 A.D.)

A comprehensive thesis embracing Historical, Critical, Valuable and Novel information..........

ON

All that came about in obedience to ALLAH'S COMMAND اقراء 'READ' ; such as Cultural functions, Establishment of Libraries: general and personal, technical and special, institutional and public as well as purely literary ones side by side with compilation of books, biographies, cataloguing of books and management of Libraries itself.

اقراء باسم ربّك الذى خلق
(Read In the name of thy Lord who createth.)
1/96 - Al-Quran.

---

* The prophet who was an orphan and did not learn Quran-ul-Hakim from any tutor, washed away the Libraries of all nations through his knowledge .... Saadi.

اقراء و ربك الاكرم ۝

الذى علم بالقلم ۝

٩٦ / ٣، ٤

THE CLOT - XCVI

3 Read: And thy Lord is the Most Bounteous

4 Who teacheth by the pen,

……

ISLAMIC LIBRARIES DURING THE ABBASID PERIOD, THE HEY DAY OF ISLAMIC ERA

By:

MAWLANA MUHAMMAD
ABDUL HALEEM CHISHTI
(Dr:)

پہنچتی ہے ورنہ دس بارہ ہزار سے کسی طرح کم نہیں قرار دی جا سکتی، تاہم اس تعداد سے کتب خانوں کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور مسلم معاشرہ میں کتب خانوں سے عام دلچسپی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

یہ بھی دراصل عہدِ عباسی میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کا اثر تھا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کتابی سرگرمی اور کتب خانوں کی ترقی میں عہدِ عباسی کو خصوصیت خاص حاصل ہے لیکن افسوس ہے کہ اس دور کے کتب خانوں کی تاریخ پر علمی و تحقیقی انداز میں اب تک ایسا کام نہیں ہوا جس میں اصل ماخذوں کو زیادہ سے زیادہ کھنگالا گیا ہو۔ فنی نقطۂ نگاہ سے ان کے اسباب و علل کا کھوج لگایا گیا ہو اور ان کے ارتقاء کو عہدِ بعہد بتایا گیا ہو۔

ہماری بہترین کتب

انسان کاملؐ	ڈاکٹر خالد علوی
اصول الحدیث	ڈاکٹر خالد علوی
حفاظت حدیث	ڈاکٹر خالد علوی
خلق عظیمؐ	ڈاکٹر خالد علوی
محسن انسانیتؐ	نعیم صدیقی
سید انسانیتؐ	نعیم صدیقی
طبِ نبویؐ اور جدید سائنس (6 جلد)	ڈاکٹر خالد غزنوی
نبی اکرمؐ بطور ماہر نفسیات	سعید سعدیہ غزنوی
ناموسِ رسولؐ اور قانون توہینِ رسالت	محمد اسماعیل قریشی
القرآن اور علم النفس	عثمان نجاتی
حدیث نبویؐ اور علم النفس	عثمان نجاتی
فلسفہ سائنس اور قرآن	مترجم خدا بخش کلیار
معرکہ مذہب و سائنس	مولانا ظفر علی خان
معراج اور سائنس	آغا اشرف
سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربیؐ	پروفیسر محمد اجمل خان
لبیک	ممتاز مفتی

ISBN 969-503-128-5

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
اردو بازار لاہور

(و) عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی نشاندہی کے اسباب

مورخین و تذکرہ نگاروں نے طبقات و سیر کی کتابوں میں حسبِ ذیل تین اہم اسباب کی وجہ سے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ نہایت غیر معمولی کتب خانوں کو بیان کیا ہے(۱۶۹)

۲۔ کسی خاص واقعہ کے ضمن میں اتفاقاً کتابوں اور کتب خانوں کا ذکر ان کی زبان و قلم پر آگیا جیسا کہ مورخ واقدی کے بغداد میں نقل مکانی کی وجہ سے اس کی کتابوں اور اس کے کتب خانوں کا ذکر تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں آگیا(۱۷۰)

۳۔ کسی عالم، بادشاہ، امیر، وزیر وغیرہ کے کتابوں سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے ضمنی طور پر اس کے کتب خانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے(۱۷۱)

انہی اسبابِ ثلاثہ کی روشنی میں اس موضوع پر لکھنے والوں نے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

(ز) عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی شناخت کے رہنما اصول

عہدِ عباسی کے مورخین و تذکرہ نگاروں نے کتب خانوں کی رہنمائی و نشاندہی جن اشاروں اور فقروں سے کی ہے وہ کتب خانوں کی شناخت کے اساسی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی روشنی میں عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی تعیین کی گئی ہے وہ رہنما اساسی اصول حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کسی خاص نام سے کتب خانہ قائم کرنا یا کسی کے ذخیرہ کتب کے لئے خزانہ کا لفظ لکھا جانا مثلاً

(الف) ۱۔ لہ خزانہ (۱۷۲)
۲۔ خزانۂ کتب (۱۷۳)
۳۔ خزائن الکتب (۱۷۴)
۴۔ (خزانۃ الحکمہ (۱۷۵)
۵۔ خزانۃ العلوم (۱۷۶)
۶۔ بیت الحکمہ (۱۷۷)
۷۔ دارالحکمہ (۱۷۸)
۸۔ صوان الحکمہ (۱۷۹)
۹۔ بیت الکتب (۱۸۰)
۱۰۔ بیوت الکتب (۱۸۱)
۱۱۔ دارالکتب (۱۸۲)
۱۲۔ مکتب (۱۸۳)
۱۳۔ دارالعلوم (۱۸۴)
۱۴۔ دارالمعرفہ (۱۸۵)

۲ کتابیں جمع کرنا جیسے تذکرہ نگاروں کا یہ لکھنا :

۱	کان المبشر بن فاتك اقتنیٰ کتباً کثیرة جداً۔ (۱۸٦)	مبشر بن فاتک نے بہت کتابیں حاصل کی تھیں
۲	جمع مالم یجمعه احد من اقرانه من الکتب الکثیرة(۱۸۷)	ابن الحداد نے اتنی زیادہ کتابیں جمع کی تھیں کہ معاصرین میں سے کسی نے نہیں کی تھیں
۳	جمع من الحدیث مالم یجمعه احد۔ (۱۸۸)	نصر طوسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ جمعہ کیا تھا کہ معاصرین میں کسی نے نہیں کیا تھا
۴	جمع من الکتب ما لم یجمعه غیره۔ (۱۸۹)	صاحب ابن العباد نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ کسی اور نے نہیں کی تھیں
۵	جمع من الکتب مالم یجمعه أحد فی وقته۔ (۱۹۰)	محمد بن العباس نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ اس کے زمانے میں کسی نے جمع نہیں کی تھیں
۶	جمع کتباً عظیمة۔ (۱۹۱)	صاحب ابن العباد نے بڑی کتابیں جمع کی تھیں
۷	جمع کتباً کثیرة جدا ۔(۱۹۲)	البرقانی نے بہت زیادہ کتابیں جمع کی تھیں
۸	جمع الکتب الحسان (۱۹۳)	عبداللہ بن علی نے عمدہ کتابیں جمع کی تھیں
۹	جمع وکتب ما لا یحصر (۱۹٤)	ابن مندہ نے اتنی کتابیں لکھی تھیں کہ شمار نہیں کی جاسکتیں
۱۰	جمع کتبا کثیرة لم یُسبَق الی جمع مثلها(۱۹۵)	ابو سعد مبارک نے بہت زیادہ ایسی کتابیں جمع کی تھیں کہ اس جیسی کتابیں جمع کرنے میں اس سے کوئی آگے نہیں نکلا
۱۱	جمع عدة دواوین کتب...... وکتب بخطه کثیرا (۱۹٦)	ابوالحکیم الخیری نے بہت کتابوں کے مجموعے جمع کیے اور اپنے قلم سے بہت لکھا

۱۲ جمع وصنّفَ......وجمَعَ کتاباً کبیراً اکثر من اربعمائة مجلد (۱۹۷)	محمد الزاغونینے کتابیں جمع کیں، تصنیف کیں اور ایک بڑی کتاب مرتب کی جو چار سو سے زیادہ جلدوں میں تھی
۱۳ جمع فأوعٰی (۱۹۸)	ابن الفرات نے کتابیں جمع کیں اور انہیں حفاظت سے رکھا

اس کا مطلب تھا اس نے سینکڑوں کتابیں جمع کیں چنانچہ مورخ خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے کہ ابن الفرات کے پاس ایک ہزار جزء علی بن محمد مصری واعظ کی حدیثوں کے موجود تھے اور سو جزء میں تفسیر اور سو جزء میں تاریخ لکھی ہوئی تھی

۱۴ کان جمّاعة للکتب (۱۹۹)	ابن ابی بعرة بہت زیادہ کتابیں جمع کرنے والا تھا
۱۵ ابو بکر الصولی من الأدباء الظرفاء والجمّاعین للکتب (۲۰۰)	ابو بکر الصولی ظریف ادیبوں اور بہت زیادہ کتابیں جمع کرنے والوں میں سے تھا

۱۶ کسی عالم کا ملک اور شہر کی دولتمند اور سربرآوردہ شخصیات سے بڑھکر کتب خانہ بنانا مثلاً تذکرہ نگار کا کسی کی نسبت یہ لکھنا:

کان جمّاعًا للکتب، فجمع اکثرها، کما یجمع احد من عظماء البلد (۲۰۱)	ابن بشکوال کتابیں جمع کرنے کافشوقین تھا اس نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں جتنی شہر کی عظیم شخصیتوں میں سے کوئی سربرآوردہ شخصیت جمع کرتی ہے

۳ کتابیں حاصل کرنے کے لئے سعی بلیغ کرنا۔

۱	هو كان جمّاعاً للكتب. (٢٠٢)	مرهف بن اسامه بہت زیادہ کتابیں جمع کرنے والا تھا

چھٹی صدی ہجری میں اس فقرہ کا یہ مطلب تھا کہ اس نے ہزاروں کتابیں جمع کی تھیں اس کا بہت بڑا کتب خانہ تھا چنانچہ مرہف بن اسامہ المتوفی ٦١٧ھ کے متعلق منذری نے یہی الفاظ لکھے ہیں، یاقوت نے موصوف کا جو بیان نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ میں کتابوں کی اتنی بڑی تعداد موجود تھی کہ انہیں بھی اس کا صحیح علم نہ تھا۔ ایک افتاد میں موصوف نے چار ہزار کتابیں فروخت کیں تو بھی پتہ نہ چلا کہ کتب خانہ سے کچھ نکلا ہے (٢٠٣)

۲	حصل عندهٗ من الاصول والاجزاء مالايوصف كثرةً (٢٠٤)	ابواسحاق ابراہیم الحباد نے اصل نسخے اور اجزاء اتنے جمع کئے تھے کہ ان کی تعداد حیطۂ بیان سے باہر ہے
۳	حصل كتباً كثيرة وصنف تفسيراً في سبعمائة مجلد (٢٠٥)	ابو یوسف قزوینی نے بہت کتابیں جمع کی تھیں اور ایک تفسیر تالیف کی تھی جو سات سو مجلدات میں تھی
۴	حصل كتباً نفيسة (٢٠٦)	سعد الخیر نے نفیس کتابیں فراہم کی تھیں
۵	حصل من الكتب الطبيّة وغيرها ما لا يكاد يوجد عند غيره (٢٠٧)	عمران بن صدقہ نے طب وغیرہ کی اتنی کتابیں جمع کی تھیں جو اس کے سوا کسی اور کے پاس ملنی مشکل ہیں

۴ علم اور کتابوں کی طلب میں سفر کرنا اور تکلیفیں اٹھانا

۱	رحل في طلب الحديث و تعب و جمع و نسخ و صنف التصانيف (٢٠٨)	سلیمان بن ابراہیم نے حدیث کی طلب میں سفر کیا، تکلیف برداشت کی، حدیثیں جمع کیں، کتابیں نقل کیں، تصنیف کیں

۲	رحل وتعب و بالغ فی الطلب و جمع مالم یجمعه غیره، واربی علی اقرانه (۲۰۹)	ابن عساکر نے سفر کیا تکلیف اٹھائی، حدیث کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ محنت کی اور اتنی کتابیں اور حدیثیں جمع کیں جو اس دور میں اس کے سوا کسی اور نے نہیں کی تھیں اور وہ اس امر میں اپنے معاصرین سے بڑھ گئے تھے
۳	رحل فی طلب الحدیث و عنی بجمعه و تعب فی کتابته (۲۱۰)	ابن الفرات نے حدیث کی طلب میں سفر کیا، اسے جمع کرنے پر توجہ دی اور اسے قلمبند کرنے میں زحمت اٹھائی

۵ حدیثیں سننا اور اس کے اصل وبنیادی نسخے حاصل کرنا

۱	سمع الحدیث الکثیر و حصل الاصول (۲۱۱)	علی بن ابی سعد نے زیادہ حدیثیں سنیں اور اصل نسخے حاصل کیے
۲	سمع بها لا یوصف کثرةً وحصل اصولا کثیرة (۲۱۲)	ضیاء مقدسی نے (اصفہان میں) حدیثوں کا اتنا زیادہ سماع کیا کہ بیان سے باہر ہے اور بہت زیادہ اصل نسخے حاصل کیے
۳	سمع مالا یوصف کثرةً ونسخ بخطه الصحیح السریع (۲۱۳)	حافظ سلفی نے اتنا زیادہ سماع کیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اور اپنے تیز قلم سے صحیح نقل کیا

۶ کتابوں کا ذخیرہ بڑھانے کیلئے نقل نویسوں کی خدمات حاصل کرنا

۱	کان یصل الی النقلة من ماله وافضاله شئ کثیر جدا (۲۱٤)	کتابیں نقل کرنے اور لکھنے والوں کو ابن المدبر الکاتب کے مال اور اس کی عنایات سے بہت زیادہ فیض پہنچتا تھا

۲	كان يقارب عطاؤه للنقلة والنساخ في كل شهر الفي دينار (٢١٥)	ہر مہینہ عبد الملک زیات کی داد و دہش سے نقل نویس اور خوشنویسوں کو دو ہزار دینار ملتے تھے
۳	كانت النقلة يحصلون من جانبه و يمتازون من فضله (٢١٦)	نقل نویسوں کو علی الفنوم کی طرف سے اجرت ملتی اور اس کے لطف و کرم سے بہرہ مند ہوتے تھے
۴	كان النساخ ابداً يكتبون له (٢١٧)	امین الدولہ کے لئے نقل نویس برابر کتابیں نقل کرتے رہتے تھے ۔
۵	كان في خدمته ثلاثة نساخ يكتبون له ابداً ولهم منه الاجرة (٢١٨)	تین نقل نویس موفق الدین ابن مطران کی خدمت میں ہمیشہ لکھتے رہتے تھے ان کی تنخواہ اور وظیفہ اس کی طرف سے انہیں ملتا رہتا تھا
۶	كان الورّاقون يكتبون له (٢١٩)	علی بن عاصم کے یہاں وراق کتابیں لکھتے
۷	كان له بيت عظيم مملوء كتباً (٢٢٠)	ابو بکر الصولی کا عظیم الشان مکان کتابوں سے بھرا ہوا تھا

۷ کتابوں کا حریص ہونا

۱	كان حريصاً على طلب الكتب (٢٢١)	پادری ثادرس کتابیں حاصل کرنے کا حریص تھا
۲	كان كثيرالعناية بتحصيل الكتب القديمة والعلوم اليونانية(٢٢٢)	عیسی بن یونس کاتب کی زیادہ تر توجہ یونانی علوم اور قدیم کتابوں کے حاصل کرنے کی طرف رہتی تھی

۳	کان حریصاً علی نقل الکتب وتحصیلها (۲۲۳)	عبداللہ بن اسحاق کتابیں نقل کرنے اور انہیں حاصل کرنے کا گرویدہ تھا
۴	کان حریصاً علی نقل کتب الیونانیین الی لغة العرب (۲۲٤)	ابراھیم بن محمد کاتب یونانیوں کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرانے کا بہت آرزومند تھا

۸ کتابیں تصنیف کرنا اور کرانا

کان یعمل الکتب ویُعمل لهٗ (۲۲۵)	ابو حسان الزیادی خود کتابیں تیار کرتا اور اس کے لئے کتابیں تیار کرائی جاتی تھیں

۹ ہمہ وقت کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہنا

۱	ولم یکن یفارق المدرج والنسخ، مادخلت علیه قط الأرأیته ینسخ أو یسوّد أو یبیِّض (۲۲٦)	رازی مخلوطات اور لپٹی ہوئی کتابوں سے جدا نہیں ہوا، میں جب اس کے پاس گیا اسے لکھتے ہوئے دیکھا یا اسے مسودہ میں یا بیضہ میں مصروف پایا
۲	کان الشیخ موفق الدین کثیر الاشتغال لایخلی وقتاً من اوقاته من النظر الی الکتب والتصنیف والکتابة (۲۲۷)	شیخ موفق الدین عبداللطیف علم میں زیادہ منہمک رہتے تھے کوئی وقت بھی کتابوں میں غور و فکر سے، تصنیف و تالیف اور لکھنے پڑھنے سے خالی نہیں رہتا تھا
۳	کان کثیر المطالعة للکتب لایفتر عن ذالك فی اکثر اوقته (۲۲۸)	موفق الدین ابن مطران کثرت سے کتابوں کا مطالعہ کرتا بیشتر اوقات میں سستی اور کاہلی کو راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتا تھا

۱۰ علمی ذخیرہ کا مطالعہ اور کتابوں کی دیکھ بھال کرتے رہنا مثلاً کسی کا یہ لکھنا

۱	مادخلت علیه الآرأیته ینظرفی کتاب (۲۲۹)	میں جب فتح بن خاقان کے یہاں گیا اسے کتاب پر نظر جمائے دیکھا
۲	او یقلب کتباً (۲۳۰)	یا کتابیں الٹ پلٹ کرتے پایا
۳	او ینفضها (۲۳۱)	یا انہیں جھاڑتے اور صاف کرتے دیکھا

۱۱ کتابوں کا ایسا فریفتہ و دلدادہ ہونا کہ انہیں جدا نہ کرنا

۱	کان محبّاً للکتب (۲۳۲)	علی بن رشید کتابوں کا دلدادہ تھا
۲	کان من المحبّین للکتب واقتنائها والمبالغین فی تحصیلها وشرائها (۲۳۳)	ابن حمدون کتابوں کے شیدائیوں میں سے تھا، وہ انتخاب کرنے، حاصل کرنے اور خریداری کرنے میں انتہا کرنے والوں میں سے تھا
۳	اغری بجمع الکتب (۲۳٤)	وہ کتابیں جمع کرنے کا شیفتہ تھا

۱۲ ائمہ فن کی کتابوں کا راوی ہونا اور انکی تالیفات کو کبھی جدا نہ کرنا

۵	روی کتب ابی عبیدة والاصمعی وکان لایفارقها (۲۳۵)	جیسے اثرم، ابو عبیدہ اور اصمعی کی تالیفات کا راوی تھا اور ان کی تصانیف کو اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا

۱۳ . سائنس دان اور حکماء کی کتابوں کا فریفتہ و عاشق ہوتا جیسے

۱	کان مفتوناً بکتب زکریا (۲۳۶)	ابن مسکویہ، زکریا رازی اور جابر بن حیان کی کتابوں کا فریفتہ و عاشق تھا

۱۴ کتابوں سے محبت اور شیفتگی کے باوجود کتابیں عاریۃً دینا

١	كان من اغتباطه بالكتب ومنافسته فيها جواداً باعارتها (٢٣٧)	احمد بن حمدون کتابیں جمع کرنے، انہیں حاصل کرنے کے مقابلے میں دوسروں سے بازی لیجانے میں رشک کا شکار ہونے کے باوجود کتابیں عاریۃً دینے میں بہت سخی تھا
٢	هو سخي بكتبه واصوله (٢٣٨)	دبیثی اپنی کتابیں اور اصل نسخے دینے میں سخی تھے
٣	كان يعيرني (٢٣٩)	ابو اللیث محمد مجھے عاریۃً کتابیں دیتا تھا
۴	كان سهل العارية (٢٤٠)	محمد البرزالی بہت آسانی سے عاریۃً کتابیں دیتا تھا

۱۵ کسی عالم کا کسی سے کتابیں عاریۃً لینا (۲۴۱)

۱۶ کسی کا اپنے ذخیرۂ کتب سے کسی کو نقل کی سہولت دینا (۲۴۲)

۱۷ اپنے شاگردوں کو کتابیں ہبہ کرنا

كان ابن مطران يهب لتلامذته الكتب ويحسن اليهم (٢٤٣)	ابن مطران اپنے شاگردوں کو عاریۃً کتابیں دیتا، ہبہ کرتا اور ان کے ساتھ احسان کرتا

۱۸ سفر میں کتابیں ساتھ رکھنا (۲۴۴)

۱۹ علمی ذخیرہ بنانے اور اس میں اضافہ کرنے کے لئے خود کتابیں نقل کرنا

۱	كان من المكثرين فی الحديث كتابةً وسماعاً (٢٤٥)	عبد العزیز کتانی حدیث کی بکثرت کتابت و سماعت کرنے والوں میں سے تھے
۲	كتب بخطه الكثير وحصل الاصول (٢٤٦)	ابو المعالی نے اپنے قلم سے بہت کچھ لکھا اور اصل نسخے حاصل کیے تھے
۳	كتب وحصل الاصول الكثيرة(٢٤٧)	علی بن احمد طوی نے لکھا اور بہت زیادہ اصل نسخے جمع کئے یہاں تک کہ وہ بہت سے مصنفات، مسانید اور اجزا کے مالک ہو گئے
۴	كتبت وكتب لی عشر رواحل (٢٤٨)	میں (ابو مسلم اللیثی) نے لکھا اور میرے لئے دس بار شتر کتابیں لکھی گئیں تھیں
۵	كتب بخطه مالايحصى كثرةً (٢٤٩)	محمد بن داؤد نے اپنے قلم سے اتنا زیادہ لکھا جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا
۶	كتب بخطه مالايوصف كثرةً (٢٥٠)	ابن الجوزی نے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا
۷	كتب مالايوصف كثرة ومازال ينسخ ويصنف (٢٥١)	عبد الغنی المقدسی نے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان سے باہر ہے، وہ برابر نقل کرتا اور تصنیف کرتا رہا ہے
۸	كتب بخطه المليح الرشيق مالايوصف كثرةً (٢٥٢)	اسماعیل انماطی نے اپنے عمدہ خوبصورت خط سے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا
۹	كتب بخطه الرائق الكتب الكثيرة الكبار والصغار(٢٥٣)	ابن حمدون نے اپنے خوشنما خط میں بہت زیادہ بڑی، چھوٹی کتابیں لکھی ہیں
۱۰	كتب بخطه السريع الرفيع مالايوصف كثرةً (٢٥٤)	ابو نصر الصباغ نے اپنے اونچے تیز خط میں اتنا زیادہ لکھا ہے کہ حیطۂ بیان سے باہر ہے

۱۱	كتب بخطه شيئاً كثيراً (٢٥٥)	ابو موسی مقدسی نے اپنے قلم سے بہت کچھ لکھا ہے
۱۲	(كتب الكتب) ...... ونسخ الكتب الكبار (٢٥٦)	عبدالوہاب انماطی نے کتابیں لکھیں اور بڑی بڑی کتابیں نقل کیں
۱۳	كتب الكتب الطوال (٢٥٧)	ابو سعد ایمالینی نے لمبی لمبی کتابیں لکھیں ہیں
۱۴	كتب بخطه...... واستنسخ وحصل الاصول(٢٥٨)	عزالدین مقدسی نے اپنے قلم سے بہت زیادہ لکھا اور نقل کرایا نیز اصل نسخے حاصل کئے
۱۵	كتب بيده عدة احمال (٢٥٩)	ابن مندہ نے اپنے ہاتھ سے کئی بار شتر کتابیں نقل کی ہیں

۲۰ مرتے دم تک اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھتے رہنا

۱۵	كان يكتب بيده الى أن مات (٢٦٠)	ابو عمرو شیبانی مرتے دم تک اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھتا رہا
۱۶	كان من الكتّابين للحديث والجمّاعين للعلم والرحالين (٢٦١)	ابن لہیعہ علم حاصل و جمع کرنے کی خاطر سب سے زیادہ سفر کرنے والوں میں تھا
۱۷	لو أنه ينشدني كما ينشدكم لملأتُ كتبي من امالي شعره (٢٦٢)	بحتری نے مجھے اس طرح شعر سنائے ہوتے جس طرح وہ تمہیں سناتا تھا تو میں اپنی کتابیں اس کے شعروں سے بھر لیتا
۱۸	نسخ واستكتب وصنف وجمع (٢٦٣)	ابو مسلم لیثی نے کتابیں نقل کیں اور کرائیں تصنیف کیں اور کتابیں جمع کیں
۱۹	نسخ لنفسه ولغيره (٢٦٤)	ابو طاہر السبحی نے اپنے لئے دوسروں کے لئے کتابیں نقل کی تھیں

۲۰	نسخ وحصل الأصول الثمينة (٢٦٥)	ابن الاخضر نے کتابیں نقل کیں اور اصل قیمتی نسخے حاصل کیے
۲۱	نسخ الكثير وحصل الأصول (٢٦٦)	ابن نقطہ نے بہت نقل کیا اور کتابوں کے اصل نسخے حاصل کیے
۲۲	نقل بخطه المليح مالايدخل تحت الحصر (٢٦٧)	ابو الحجاج دمشقی نے اپنے پاکیزہ خط سے اتنا لکھا ہے کہ شمار سے باہر ہے

۲۱ کتابت کے ساتھ کسی کے متعلق کثیر التصانیف لکھنا (۲٦۸)

۲۲ یا کسی کے متعلق سینکڑوں کتابیں اور مجلدات لکھنے کی صراحت کرنا (۲٦۹)

۲۳ موقع ملنے پر استین یا پاپوش سے کتاب نکال کر پڑھتے رہنا

احرج كتاباً من كمه (٢٧٠)	فتح بن خاقان کو جب موقع ملتا وہ آستین
أو خفه (٢٧١)	یا اپنی پاپوش سے کتاب نکال کر پڑھتے

۲۴ مقدار کتب کی صراحت کرنا: مثلاً یہ لکھنا

۱	حمل احمالاً من الكتب (٢٧٢)	عبد السلام قزوینی نے کئی اونٹ کے بوجھ برابر کتابیں جمع کی تھیں
۲	حملت عنه وقر بختي كتباً (٢٧٣)	میں (امام شافعی) نے (امام محمد) سے ایک بختی اونٹ کے بوجھ برابر کتابیں حاصل کی تھیں
۳	حملت عنه حمل بختي (٢٧٤)	ایضاً

۴	كتبت عن محمد بن الحسن وقربعير (٢٧٥)	میں نے محمد بن الحسن سے ایک اونٹ کے بوجھ برابر لکھا ہے
۵	كانت كتبه ستمائتة حملة (٢٧٦)	ابن عقدہ کے پاس (٦٠٠) چھ سو اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں تھیں
٦	كان للواقدى ستمائة قمطر كتب (٢٧٧)	واقدی کے پاس چھ سو (قمطر) بورے کتابیں تھیں

٢٥ بازارِ کتب سے کتابیں خریدنا: مثلاً کسی کے متعلق تذکرہ نگار کا یہ لکھنا

١	ان المصرى كان يشترى من الوراقين الكتب التى لم يكن سمعها (٢٧٨)	محمد مصری بازار کتب سے ایسی کتابیں خریدتا تھا جن کا اسے سماع حاصل نہ تھا

٢٦ بڑی تعداد و مقدار میں کتابوں کی خریداری عوامی کتب خانہ بنانے کے لئے پیش نظر کی جاتی تھی

ابو المعالى سافرا الى غزنة واقامه بها مدة واشترى كتباً كثيرةً ورجع الى مرو فبنىٰ خزانة الكتب فى رباط بناه باسم "اصحاب الحديث و طلابه"من خاصة ماله و وقف كتبه فيه (٢٧٩)	ابو المعالی بزار نے غزنہ کا سفر کیا ایک مدت یہاں رہا بہت زیادہ کتابیں خریدیں اور واپس مرو آکر اپنی رقم سے ایک رباط اصحاب حدیث و طلباء کے نام سے بنوائی، اس میں کتب خانہ وقف کیا

٢٧ اپنے ذخیرہ کتب کی قیمت بتانا: جیسے کہنا

كُتبي بعشرة آلاف درهم (٢٨٠)	میری (ابوبکر الخزاز) کتابیں دس ہزار درہم کی ہیں

دوسری صدی ہجری کے نصف اخر میں اونٹ کے بوجھ برابر کتابوں کی نقل کرانے پر کم وبیش ساٹھ دینار خرچ ہوتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ کا بیان ہے :

أنفقتُ على كتبه ستين دينارا (٢٨١)	میں (امام شافعی) نے امام محمدؒ کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کیے تھے

۲۸ کتابوں کے بہتر اور اصل نسخوں کے ہونے کی نشاندہی کرنا :

كانت له اصول حسنة (٢٨٢)	ابن الطحان کے پاس اچھے اور عمدہ نسخے موجود تھے

۲۹ زندگی میں اپنا ذخیرۂ کتب فروخت کرنا (۲۸۳)

۳۰ پسماندگان کے لئے کتب خانہ چھوڑ جانا

خلف عندها اثنى عشر عدلاً من الكتب (٢٨٤)	ابو عبداللہ صوری المتوفی ۴۴۱ھ نے اپنی بہن کے پاس بارہ شتر کتابیں چھوڑی تھیں
خلف ثمانية عشر صندوقاً مملوءة كتباً اكثرها بخطه وكتابته، هو الحجة في صحة النقل وجودة الضبط (٢٨٥)	ابن الفرات نے کتابوں سے بھرے ہوئے اٹھارہ صندوق پیچھے چھوڑے تھے جن میں سے بیشتر کتابیں اسکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، موصوف صحت نقل اور اچھی طرح کلمہ پر زبر وزیر لگانے میں مستند وحجت تھے

۳۱ مرنے کے بعد کسی کا ذخیرۂ کتب کا بیچا جانا (۲۸۶)

۳۲ کسی کے حق میں اپنے ذخیرۂ علمی کی وصیت کر جانا (۲۸۷)

۳۳ چالیس وراق اور نقل نویسوں کے لئے مکان میں طعام و قیام اور موسم سرما میں لحاف وغیرہ تیار رکھنا صرف مسند ابن شیبہ کی تبیض (فعل) پر دس ہزار دینار خرچ آیا تھا۔ (یہ نسخہ مصر میں دو سو جزء میں دیکھا گیا تھا) (۲۸۸)

۳۲ کسی مولف و مصنف کا اپنی لکھی ہوئی مجلدات کی تعداد کو بیان کرنا: مثلاً

کتبت باصبعی الفی مجلد (٢٨٩) میں (ابن الجوزی) نے اپنے ہاتھ سے دو ہزار مجلدات لکھے ہیں

۳۳ اپنی کتابیں وقف کرنا (۲۹۰)

۳۴ کسی خانوادۂ علمی میں علم و فضل کا نسلاً بعد نسل رہنا اس خانوادہ علمی میں کتب خانہ کی نشاندہی کرتا ہے جیسے خانوادۂ سمعانی (۲۹۱)

۳۵ کسی کے مکان کو علماء اکیڈمی اور مجلس کی حیثیت حاصل ہونا؛ جیسے

کانت داره مجمع العلماء (٢٩٢) ہارون بن محمد کے مکان کو علماء کی اکیڈمی کی حیثیت حاصل تھی

۳۶ ارباب کتب خانہ کے متعلق اپنا مشاہدہ پیش کرنا؛ مثلاً یہ کہنا کہ

ما رأيت فيمن رأيت أكثر كتباً وسماعاً منه (٢٩٣)	میں نے جن اہل علم کو دیکھا ہے ان میں ابو محمد طاہر نیشاپوری سے زیادہ کتابیں کسی کے پاس نہیں دیکھیں اور نہ اس سے زیادہ حدیثوں کو سننے والا کوئی پایا

۳۷ کسی شوقین کی کتاب کا چوری ہو جانا (۲۹۴)

۳۸ کسی کے پاس کسی نامور عالم کی تالیفات کا ہونا، مثلاً

كانت عنده كتب أبي عبيد قاسم بن سلام (٢٩٥)	ابو محمد سیرافی مصری کے پاس ابو عبید قاسم بن سلام کی تالیفات کا ذخیرہ موجود تھا

۳۹ کسی کا ذخیرۂ کتب میں اضافے کی خاطر بڑی تعداد میں سامان کتابت سیاہی وغیرہ خریدنا (۲۹۶)

۴۰ کسی کا ذخیرۂ کتب میں اضافے کی خاطر وراق رکھنا (۲۹۷)

۴۱ یا کسی کا وراق ہونا (۲۹۸)

۴۲ حدیث کی کتابوں کے بہترین نسخے حاصل کرنے میں معاصرین سے بڑھ جانا، مثلاً تذکرہ نگار کا کسی کے متعلق یہ لکھنا:

أربى على أهل زمانه في كثرة السماعات مع تحصيل اصول ما سمع وجودة النسخ (٢٩٩)	ابو العلاء ہمدانی حدیثیں کثرت سے سننے اور شنیدہ اصل اور بہترین نسخوں کے حاصل کرنے میں ہمعصروں سے آگے نکل گئے تھے

۴۳ کسی عالم کا دینی کتابیں زیر زمین دفن کرنا (۳۰۰)

۴۴ یا زیر زمین دفن کرنے کی وصیت کر جانا (۳۰۱)

۴۵ کسی شوقین کے ذخیرۂ کتب کو نذر آتش کرنا (۳۰۲)

۴۶ کسی شوقین کے ذخیرۂ کتب کو نذر آتش کرانا (۳۰۳)

۴۷ کتابوں کا جلنا (۳۰۴)

۴۸ کسی عالم کی کتابوں کا پانی میں ڈوب جانا اور سیلاب کی نذر ہو جانا (۳۰۵)

۴۹ کسی کے خزانۂ کتب یا کتابوں کو دھوڈالنا، مٹادینا (۳۰۶)

۵۰ کسی عالم کا اپنی کتابوں کو غار میں پھینکنا (۳۰۷)

۵۱ کسی عالم کا اپنی کتابوں کو پھاڑ کر ہوا میں اڑانا (۳۰۸)

۵۲ کسی عالم کی کتابوں کا لوٹا جانا (۳۰۹)

۵۳ کسی عالم کی تالیفات کا اس شہر یا اطراف شہر میں یا بلاد اسلامی میں پھیلنا اس کے پاس کتب خانہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے مثلاً، مؤرخین کا کسی کی نسبت یہ لکھنا:

نُشرت هذه الكتب فی سائر البلاد (٣١٠)	(موصوف کی) یہ کتابیں تمام بلاد اسلامی میں پھیل گئی تھیں

۵۴ محدثین کے لئے زبانی نقل روایات میں ان روایتوں کا ان کی کتابوں اور نوشتوں سے جنہیں انہوں نے اپنے کتب خانے میں محفوظ کیا تھا مطابق ہونا ناگزیر امر تھا چنانچہ مؤرخین کا کسی محدث کے تذکرہ میں یہ لکھنا :

أو قیّده فی کتابه و صانه فی خزائنه (٣١١)	اس کا لکھا ہوا اور اپنے خزانۂ کتب میں محفوظ کیا ہوا نسخہ اس کی یادداشت کے مطابق ہوگا

لازماً امر ایک محدث کے پاس کتب خانہ ہونے کا بیّن ثبوت ہے

۵۵ کسی خطۂ زمین کے اہل علم کو پہلی مرتبہ کسی نامور عالم کی تصانیف سے روشناس کرانا مثلاً تذکرہ نگار کا یہ لکھنا :

اول من ادخل کتب الشافعیؒ باسفرائین (٣١٢)	ابو عوانہ سب سے پہلے امام شافعیؒ کی کتابیں اسفرائین لیکر آئے ہیں

۵۶ اپنے ذخیرۂ علمی کو اس کے ہم وزن سونے سے زیادہ عزیز و قیمتی سمجھنا، محبوب رکھنا اور یہ کہنا :

هذه کتبی احبّ الیّ من وزنها ذهباً (٣١٣)	مجھے (محمد بن احمد الانباری) میری کتابیں اس کے ہم وزن سونے سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں

مذکورۂ بالا اعلام و صفاتی نام اوصاف اور فقرے جو بطور نمونہ نقل کئے گئے ہیں یہی

دراصل وہ معنی خیز اشارے کنائے ہیں جنہیں مورخین اور تذکرہ نگاروں نے کتب خانوں کی طرف رہنمائی کے لئے اصول کلیہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

کتب خانوں کی شناخت کے یہ قیمتی موتی اسلامی ادب کے نہایت گہرے اور وسیع سمندر میں بکھرے پڑے تھے، کتب خانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہیں ایک لڑی میں پرویا گیا ہے، یہ (۵۶) چھپن اصول ہیں اور فروعی (۱۰۲) ایک سو دو ہیں اصولی اور فروعی کی مجموعی تعداد ایک سو اٹھاون (۱۵۸) ہے جو ہم نے تاریخ و تذکرے کی کتابوں کے مسلسل مطالعہ و تتبع سے اخذ کئے ہیں۔

یہ کتب خانوں کی شناخت کے وہ مختصر، جامع اساسی و فطری رہنما اصول ہیں جو اسلامی دور کے کتب خانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ دنیائے قدیم وجدید کے تمام چھوٹے بڑے کتب خانوں میں بلا قید زمان و مکان ہر جگہ کار فرما رہے ہیں البتہ فن کتب خانہ کی تاریخ میں ان کا استنباط و استخراج، تعیین و انضباط اس سے پہلے کہیں نہیں کیا گیا، ان اصول کو اس لئے منضبط کیا گیا کہ آئندہ ان رہنما اصولوں کی روشنی میں کتب خانوں کی تعیین اور تشخیص بآسانی کی جاسکے گی۔

کتب خانوں کے مذکورۂ بالا اعلام و صفاتی نام، گونا گوں اوصاف اور ان کے لئے نئے نئے فقروں کا استعمال، اچھوتا نادر اور نیا اسلوب بیان، مسلمانوں کے علم کتابداری، کتب و کتب خانوں سے غیر معمولی شغف، دلچسپی، ان کی وسعت، تنوع و کثرت کا نہایت بین ثبوت اور اسلامی کتب خانوں کی نہایت شاندار تاریخ کا شاہد عدل ہے۔

کسی مؤرخ اور تذکرہ نگار نے جب تک کسی کتب خانے کے لئے خزانے کا لفظ نہیں بولایا مذکورۂ بالا اشاروں میں سے کوئی اشارہ استعمال نہیں کیا، اسے کتب خانہ کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ ”کتب الکثیر“ میں بھی ہم نے اس امر کا خیال رکھا ہے کہ اگر تذکرہ نگاروں نے انکی کتابوں کے وقف کی یا نقل کی سہولت مہیا کرنے کی صراحت نہیں کی اسے کتب خانوں کے زمرہ میں داخل نہیں کیا۔

(ح) عہدِ عباسی میں عوامی شاہی و انفرادی کتب خانوں کے ذخائر کی کیفیت و کمیت

عہدِ عباسی میں کتب خانہ میں کتابوں کی کثرت کی کوئی مقدار متعین اور مقرر نہ تھی، مورخین نے بیس لاکھ کتابیں بھی کتب خانوں میں بیان کی ہیں(۳۱۴) چوتھی صدی ہجری میں عوامی بڑے کتب خانوں کا آغاز دس ہزار کتابوں کے ذخیرہ سے کیا جاتا تھا(۳۱۵) اور بعض اوقات ایک ہزار کتابوں کے ذخیرہ سے بھی کیا گیا تھا(۳۱۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوامی کتب خانہ کے آغاز کے لئے کم سے کم ایک ہزار کتابوں کا ذخیرہ اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار کتابوں کا ذخیرہ کافی سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں واقف کے پاس جتنی کتابیں محفوظ رہتی تھیں، اس سے کتب خانہ کا آغاز کیا جاتا جن کی مقدار کا انحصار واقف کی حیثیت سے زیادہ اس کے مذاق کے مطابق نوعیتِ کتب پر ہوتا تھا(۳۱۷) قاضی فاضل کا کتب خانہ اس کی بہترین مثال ہے جس کا ذخیرۂ کتب ایک لاکھ سے زیادہ کتابوں پر مشتمل تھا(۳۱۸)۔

شاہی کتب خانوں میں کتابوں کا نہایت عظیم الشان ذخیرہ محفوظ رکھا جاتا تھا کیونکہ یہاں سے اہلِ علم کو کتابیں نقل کرنے کی سہولت فراہم کی جاتی تھی جیسا کہ خلیفہ ہارون رشید اور مامون کے بیت الحکمہ میں رواج و معمول تھا(۳۱۹)۔ ان کتب خانوں سے دوسرے عوامی کتب خانوں اور ملک کی سربرآوردہ شخصیتوں میں بھی کتابیں مفت تقسیم کی جاتی تھیں(۳۲۰) جامعہ نظامیہ(۳۲۱) اور جامعہ مستنصریہ وغیرہ کو شاہی کتب خانوں سے کتابیں دی گئی تھیں(۳۲۲) ان وجوہ سے شاہی کتب خانوں کا ذخیرہ کتب لاکھوں کی تعداد میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔

ذاتی کتب خانوں میں کتابوں کی اوسط تعداد ایک بار شتر بھی کافی سمجھی گئی ہے چنانچہ مورخین نے البیرونی اور ابن حزم کے کتب خانہ کے سلسلہ میں اسی تعداد کو کافی سمجھا ہے(۳۲۳) دوسری اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں جب کہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بہت زیادہ ترقی نہیں کر سکا تھا اور کتابوں کا ذخیرہ بھی ذاتی کتب خانوں میں ہزاروں سے تجاوز نہیں کر سکا تھا، اس زمانہ میں بھی ایک بار شتر ذخیرہ کتب خانہ کے لئے کافی سمجھا گیا اور کم و بیش اس معیار کے مطابق امام محمد بن حسن شیبانی شافعی اور دیگر ائمہ فن کے کتب خانوں کا ذکر کیا گیا ہے(۳۲۴) اس سے اسلامی دور کے کتب خانوں کی تاریخ کی ارتقائی منازل کا بخوبی اندازہ کیا جا سکے گا۔ ہم نے ذاتی کتب خانوں کے انتخاب میں اس اصول کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔

ذاتی کتب خانوں کے سلسلہ میں کم سے کم مقدارِ کتب جس پر خزانہ کا لفظ بولا گیا ہے وہ ایک قمطر کبیر (بڑا بورا) ہے چنانچہ ابن الندیم نے ابن ابی بعرہ کے کتب خانہ پر جو ایک بڑے قمطر میں رکھا ہوا تھا، لفظ خزانہ کا اطلاق کیا ہے(۳۲۵)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں نادر ذخیرہ کے ایک بڑے قمطر پر بھی کتب خانہ کا لفظ بولا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں انفرادی کتب خانے اس اعتبار سے کہ ان کا مالک فرد واحد ہوتا اور اسے ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوتا تھا بلاشبہ شخصی اور انفرادی کتب خانے کہے جانے کے مستحق ہیں۔

عہدِ عباسی میں اس قسم کے شخصی و انفرادی کتب خانے اپنی ہیئت میں ذاتی کتب خانوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ ادارے تھے بلکہ ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے، اس لئے کہ یہ جن کے کتب خانے تھے وہ کم و بیش عوامی کتب خانوں کے تمام وظائف ادا کرتے تھے، ان میں تعلیم، تحقیق اور ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان سب ہی کچھ مہیا تھا مثلاً ابو زرعۃ عبیداللہ رازی کا کتب خانہ اس نوع کا تھا(۳۲۶) حسن نوبختی المتوفی (۹۲۲ء/۳۱۰ھ) کا محلسرا جس میں کتب خانہ قائم تھا اس میں بیٹھ کر مطالعہ ہی نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسحاق بن حنین المتوفی ۲۹۲ھ، ثابت بن قرہ المتوفی ۲۸۸ھ اور سعید دمشقی ترجمہ و تالیف کا کام بھی کرتے تھے(۳۲۷)

اس سے انفرادی و شخصی کتب خانوں کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ تذکرہ نگار اس قسم کے انفرادی کتب خانوں کے تذکرہ میں ان کے اس افادی و استنادی پہلو کے پیش نظر بنیادی اور اصل نسخوں کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں تاکہ ان سے باآسانی استفادہ کیا جاسکے اور یہ اس دور کے کتب خانوں کی سب سے بڑی خصوصیات تھیں۔

ابو الوفاء بن سلمہ ہمدانی کے کتب خانہ کا نام محض ابو تمام حبیب بن اوس طائی (۱۹۰-۲۳۱ھ) کے "دیوان الحماسہ" کی وجہ سے آج تک زندہ ہے، ابو تمام نے ایک قصیدہ حاکم خراسان عبداللہ بن طاہر (۱۸۲-۲۳۰ھ) کی مدح میں لکھا اور اسے جا کر سنایا، انعام پایا، عراق آ رہا تھا ہمدان میں ابو الوفاء بن سلمہ نے ایک دن کے لئے ٹھہرایا، برف باری شروع ہوئی، راستہ منقطع ہو گیا، ابو تمام نے ان کے خزانۃ الکتب میں(۳۲۸) ۸۰۴ نامور شعراء کے (۸۸۱) قصائد و مقطعات کو جو (۲۱۳۳) شعروں پر مشتمل ہے پہلی مرتبہ دس اقسامِ شعر میں مرتب کیا اور عرب کی سب سے غالب صفت شجاعت کی نسبت سے اس مجموعہ کا نام "دیوان الحماسہ" رکھا۔ آج

ابو الوفاء بن سلمہ کا تذکرہ بھی کتابوں میں محفوظ نہیں، اس واقعہ سے جس کو ایک ہزار برس سے اوپر گزر چکے ہیں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ شخصی و عوامی ہر قسم کے کتب خانے اپنی خدمات کی وجہ سے تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں زندہ ہیں چنانچہ آج نہ ابن سلمہ ہے اور نہ اس کا کتب خانہ مگر "دیوان الحماسہ" جب تک موجود ہے ابو الوفاء ابن سلمہ کا نام زندہ ہے(۳۲۹) ذاتی و شخصی کتب خانے بھی انہی خدمات کی وجہ سے تاریخ میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

یہ واقعہ ہمارے اس دعوے کی نہایت روشن دلیل ہے کہ عہدِ عباسی میں ہر پڑھے لکھے کے ہاں کتب خانہ ہوتا تھا۔

وہ شائقینِ کتب جن کو کسی خاص فن یا چند مخصوص فنون میں مہارت حاصل ہوتی تھی ان کے ذخائر علوم و کتب بھی انہی فنون کے جامع ہوتے تھے اور اس طرح عہدِ عباسی میں خصوصی اور اختصاصی قسم کے کتب خانے معرضِ وجود میں آتے رہتے تھے۔ جن افراد کے مذاق میں یا جن سربرآوردہ شخصیتوں کی طبائع میں تنوع و جامعیت ہوتی تھی یا ان کے ثقافتی اور معاشرتی مصالح اور محلاتی نشستیں تنوع، کثرت و جامعیت فنون کی متقاضی ہوتی تھیں، ان کے ذخائر فنون اور کتب خانوں میں ہر علم و فن کی کتابیں مہیا کی جاتی تھیں(۳۳۰)

تذکرہ نگاروں نے شخصی اور عوامی کتب خانوں کے ذخائر کتب کی ندرت، اہمیت اور تحقیقی و استنادی حیثیت کو بتانے کے لئے

"الاصول" (۳۳۱)

یا الاصولِ المتقنہ (۳۳۲)

اسی طرح الخطوط المنسوبہ (۳۳۳)

یا بخطوط الائمتہ المعتبرہ (۳۳۴) یا الخطوط القدیمہ (۳۳۵) وغیرہ کے الفاظ بھی کثرت سے لکھے ہیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے کتب خانے میں نامور خوشنویس، ابن مقلہ، ابن البواب، جوہری وغیرہ یا مشہور مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے محفوظ ہیں جس سے بنیادی کتب کی طرف اشارہ ہوتا تھا(۳۳۶)

ایسی کتابیں جو عام دلچسپی کا باعث ہوتی تھیں اس کا ذخیرہ تو کم و بیش ہر ایک کے پاس ہوتا تھا۔ مورخین و تذکرہ نگار ایسے ذخیرۂ کتب کی نشاندہی کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے تھے، اس لئے ہر کتب خانہ کے ذخیرے کو پرکھنے کے لئے انہوں نے دو معیار قائم کئے ہوئے تھے۔

(ا) استنادی کتب کا ذخیرہ (الاصول)

(۲) اساسی اور بنیادی کتب کا ذخیرہ (المخطوط المنسوبہ) ابن الندیم نے اس کے لئے "المخطوط القدیمہ" (۳۳۷) کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے فارسی، اردو میں قدیم اور جدید مخطوط کو بتانے کے لئے قدیم الخط اور جدید الخط کا لفظ بولا جاتا ہے، اس سے مقصد اس کی بنیادی حیثیت کو بتانا ہوتا ہے اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ بنیادی کتب کیا ہے۔

انہی دو قسموں کے ذخیرہ کتب کی معتدبہ تعداد کو دیکھ کر ہر ایک کتب خانہ کی حیثیت کا تعین کیا جاتا تھا۔ جن لوگوں کے پاس استنادی کتب اور اساسی کتابوں کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہوتا تھا اس کا ذکر کر ہی دیا جاتا تھا۔

یہ اصول بھی استقرائی ہے جو ہم نے تاریخ و تذکرہ کی کتابوں کے مسلسل مطالعہ اور تتبع سے پایا ہے۔ مذکورۂ بالا اصول کی روشنی میں عہد عباسی کے کتب خانوں کی حیثیت اور ان کے مقام کا تعین بھی باآسانی کیا جا سکتا ہے۔ اہلِ علم افادی و تحقیقی نقطۂ نظر سے کتابوں کے انتخاب و ذخائرِ کتب کے فراہم کرنے میں ان اہم اور بنیادی پہلوؤں پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے۔

امیر، وزیر اور اہلِ ثروت مسابقت کے جذبہ کے تحت اس قسم کی کتابوں کے حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کوشاں رہتے تھے(۳۳۸)

عہدِ عباسی میں کتابوں اور کتب خانوں کا شوق عوام و خواص سب ہی کو تھا۔ بادشاہ اور وزیر، امیر و غریب سب کتابوں کے جویا ہوتے تھے اگر کسی کے پاس کوئی نادر ذخیرہ ہوتا تو بادشاہ تک اس کے لینے کا خواہش مند ہوتا تھا۔

اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض ایسے لوگ جن کا اہلِ علم میں کوئی مقام نہیں ہوتا وہ بھی نادر ذخیرہ کو جی جان سے زیادہ عزیز رکھتے۔

ابن ابی بعرہ کے پاس ایک قمطر ایسے ہی نوادر پر مشتمل تھا۔ بنو حمدان اس کے حاصل کرنے کی فکر میں تھے اور وہ اس ڈر سے اس ذخیرے کی کسی کو ہوا بھی نہیں دیتا تھا(۳۳۹)

ابن الندیم جیسا کتاب شناس بڑے جتن کے بعد اس نادر ذخیرہ کو دیکھنے میں کامیاب ہوا تھا، یہ ذخیرہ بھی ابن ابی بعرہ کی زندگی تک اس کے پاس رہ سکا اس کی آنکھ بند ہوتے ہی پورا ذخیرہ کتب ایسا غائب ہوا کہ پھر کہیں اس کا سراغ نہ لگ سکا(۳۴۰)

مورخین و تذکرہ نگار علماء کے حالات میں ان کے کتب خانوں کا ذکر کرتے ہیں، محمد بن حسین المعروف بابن ابی بعرہ کوئی عالم نہ تھا، مصنف نہ تھا ابن الندیم نے بھی اس کے نام کے

ہے

ساتھ کسی ایسی صفت کا اضافہ نہیں کیا ہے جس سے اس کے عالم ہونے کا شبہ بھی ہو سکے اس لئے اس کا ذکر مورخین و تذکرہ نگاروں کے یہاں کیوں آتا پھر یہ بخیل بھی تھا کتابیں اہلِ علم کو دکھاتا بھی نہ تھا، کتابیں جب اہلِ علم کے استعمال و مطالعہ میں نہیں آتی اور ان کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں تو ان کا تذکرہ بھی تاریخ کے صفحات میں جگہ نہیں پاتا اس لئے اس کا تذکرہ نگاروں کے یہاں نہیں ملتا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کتب خانہ کی جان، اس کی خدمات اور کتابوں کا استعمال میں آتا ہے جن کتب خانوں کا ارباب تذکرہ نے تذکرہ کیا ہے وہ ان کی خدمات (Services) کی بنا پر کیا ہے جو وہ انجام دیتے رہے تھے، ابن ابی بعرہ کا ذخیرہ بڑے ہی نوادر پر مشتمل تھا لیکن اس کی شہرت علمی حلقوں میں نہیں تھی، اس کی اصل وجہ اس کا اپنے ذخیرہ علم سے اہلِ علم کو محروم رکھنا تھا اگر یہ کتب خانہ اہلِ علم کے استعمال میں آتا تو اس کا ذکر مورخین کے یہاں بھی ملتا، کتب خانہ کی بقاء، ارتقاء اور حیاتِ جاوید کا راز اس کتب خانے کا استعمال ہے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ دورِ عباسی کی تاریخ کے صفحات میں جن انفرادی اور غیر انفرادی کتب خانوں کا ذکر آیا ہے وہ ان کی خدمات کی وجہ سے آیا ہے محض ذخیرۂ کتب کی وجہ سے نہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں کتب خانوں کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا تھا۔

تاریخ و تذکرے کی کتابوں میں جن ناخواندہ اور عامی لوگوں کے کتب خانوں کا ذکر ملتا ہے وہ ان کے کتب خانوں کے وقف کرنے اور استعمال میں آنے کی وجہ سے ملتا ہے، انہوں نے کتب خانوں کے دروازے اہلِ علم کے لئے کھولے ہوئے تھے، اس لئے وہ کتب خانے اور ان کی کتابیں، ان کے بانی (Founders) علمی حلقوں میں معروف ہوتے تھے اور ہر اہلِ علم زیر بار احسان ہو کر ان کا ذکر کرتا تھا(۳۴۱)

ابن ابی بعرہ کے کتب خانے کو صرف ابن الندیم نے دیکھا تھا اور اس سے اس نے فائدہ اٹھایا تھا اس لئے اس کا تذکرہ بھی اس نے "کتاب الفہرست" میں کیا اور اس کا نام تاریخ کے صفحات میں باقی رہ گیا ورنہ علمی دنیا میں ابن ابی بعرہ کا صاحب خزانۃ الکتب کی حیثیت سے نام ہی نہ ملتا۔

اس سے یہ بات بھی عیاں ہو گئی کہ کتب خانہ کی اہمیت اور خوبی کثرتِ کتب پر موقوف نہیں بلکہ مواد کی قدامت، ندرت اور اس کی استنادی حیثیت پر مبنی ہے۔ ابن ابی بعرہ کا ایک

قمطر بڑے بڑے کتب خانوں پر بھاری تھا۔ عہدِ عباسی میں اہلِ علم کی نظر ہمیشہ کتابوں کی علمی حیثیت اور ان کے افادی و استنادی پہلو پر رہتی تھی اس لئے ابن الندیم جیسے بالغ نظر کتاب شناس نے اس کتب خانہ کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہے۔

”له خزانة كتب لم ار لاحد مثلها كثرة“ (۳۴۲) میں نے اس کے جیسا کثرت و ندرت کتب میں کسی کا کتب خانہ نہیں دیکھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاصر تذکرہ نگاروں نے اگر کسی کے کتب خانہ کے متعلق کوئی تبصرہ کیا ہے تو وہ مشاہدہ کے بعد کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے ایسے ہی ذخیرہ کتب کے لئے بعد میں ”الاصول“ اور المخطوط المنسوبہ والمخطوط القدیمہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس لئے کہ الاصول اور المخطوط المنسوبہ ’قدیم‘ نادر اور مستند تینوں صفات کے جامع ہوتے ہیں۔

اسی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے عہدِ عباسی کے تذکرہ نگاروں نے ہر چھوٹے بڑے کتب خانہ کی نشان دہی کی ہے، اس کی تائید مزید یاقوت کے مروِ شاہجہان کے کتب خانوں کے بیان سے بھی کی جا سکتی ہے(۳۴۳)

اس تحقیقی مقالہ کے موضوع ”اسلامی کتب خانے“ پر بحث سے پہلے شاہانِ عباسی کے حدودِ مملکت کی وسعت پر نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ عہدِ عباسی کے اسلامی کتب خانوں کا دائرۂ بحث کتنا وسیع ہے۔

مشرق میں اسلامی قلمرو کے حدود و وسعت کے متعلق مشہور جغرافیہ نویس ابن حوقل المتوفی ۳۸۰ھ کا بیان ہے۔

”ہمارے زمانے میں اسلامی مملکت کا طول فرغانہ کے حدود سے خراسان، الجبال (میڈیا) عراق اور دیار عرب سے ہوتا ہوا ساحل یمن تک پہنچتا ہے۔ یہ تقریباً پانچ ماہ کی مسافت ہے۔ اس کا عرض ملک روم (بزنطینی سلطنت) سے شروع ہو کر شام، عراق، فارس اور کرمان ہوتا ہوا بحیرہ فارس (بحر ہند) کے ساحل پر المنصورہ کے علاقے تک چلا جاتا ہے، جو تقریباً چار ماہ کی مسافت ہے۔ میں نے اسلامی قلمرو کے طول میں سرحد مغرب (شمالی افریقہ) اور اندلس (ہسپانیہ) کو اس لئے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ ایک قبا کی آستین کی طرح ہے“(۳۴۴)

ابن حوقل نے چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلامی قلمرو کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ربعِ مسکون کا زیادہ تر حصہ ان ممالک پر مشتمل تھا جو مسلمان فرمانرواؤں کے زیرِ نگین تھا اور وہاں اسلامی تہذیب کا بول بالا تھا۔ اگرچہ یہ ممالک سیاسی طور پر متحد نہ تھے لیکن ان کے مابین مذہبی اور ثقافتی مشترک بندھن اتنے مضبوط تھے کہ

ان کے باشندے اپنے آپ کو ایک وسیع سلطنت کا شہری سمجھتے تھے جس کا مذہبی مرکز مکہ معظمہ اور ثقافتی و سیاسی (اور علمی) مرکز بغداد تھا(۳۴۵)

مدینۃ السلام و قبتہ الاسلام بغداد ہر فن کے اربابِ کمال کا مرکز تھا' تیسری صدی ہجری میں یہ متمدن دنیا سے عبارت تھا۔ چنانچہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے یونس بن عبدالاعلیٰ المتوفی ۲۶۴ھ سے پوچھا' بغداد گئے ہو' کہا ”نہیں“ فرمایا ”تم نے نہ دنیا دیکھی اور نہ دنیا والوں کو دیکھا“(۳۴۶)

چوتھی صدی ہجری میں اربابِ کمال کی فہم و فراست' علمی بصیرت و ثقافت کا امتحان بغداد اور نامورانِ بغداد کے متعلق سوالات سے کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن العمید المتوفی ۳۶۰ھ نے صاحب ابن عباد المتوفی ۳۸۵ھ کی بغداد سے واپسی پر اس سے بغداد کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا بغداد' بلاد میں ایسا ہے جیسے شاگردوں میں استاد(۳۴۷) اس کے بعد ابن العمید نے جاحظ کی تالیفات کے متعلق پوچھا تھا(۳۴۸)

پانچویں صدی ہجری میں شیخ زاہد ابو اسحاق ابراہیم فیروز آبادی المتوفی ۴۷۶ھ فرماتے تھے۔ جو صحیح العقل' صحیح المذاق بغداد آیا' وہ یہاں سے مر کر نکلا یا مرنے کی تمنا دل میں لے گیا(۳۴۹) مشہور ادیب و فلسفی ابو العلاء معری المتوفی ۴۴۹ھ کہتا تھا: بغداد بہت بڑا شہر ہے یہاں تم ہر آن نئے اربابِ فضل و کمال کو دیکھو گے' جن کو اس سے پہلے دن نہ دیکھا تھا(۳۵۰) علامہ ابن حزم ”فضائل اہل الاندلس“ میں لکھتے ہیں۔

”یہ بغداد جو دنیا کی بستی اور ہر فضیلت کی کان ہے وہ مقام ہے کہ جہاں کے رہنے والے معارف کے پرچم بلند کرتے ہیں اور علوم و دقتِ نظر میں' لطافت اخلاق' فطانت و ذکاوت اور فکرِ رسا و ذہنِ رسا میں سبقت لے گئے ہیں“(۳۵۱) ابو الطیب اللغوی ”مراتب النحویین“ میں رقمطراز ہیں۔

”بغداد مدینہ الملک (شاہ کا شہر) ہے مدینہ العلم' علم کا شہر نہیں' اس میں خلفاء' وزراء اور ان کی رعیت کی قدر دانی و سرپرستی کی بنا پر دوسرے شہروں سے علم منتقل ہو کر یہاں آیا اور پروان چڑھا(۳۵۲)

عراق عرب' جس کا پایہ تخت بغداد تھا' اس کی علمی حیثیت کا تذکرہ اوپر گزر چکا' عراق عرب کے شہروں میں بصرہ و کوفہ وغیرہ کو بعض وجوہ سے شہرت خاص حاصل ہے۔ اس لئے اس اقلیم میں صرف انہی دو شہروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بصرہ ان تمام فضائل و کمالات کا جامع تھا جن سے بغداد معمور تھا(۳۵۳) اسے ”قبتہ

السلام"(۳۵۴) اور چشمِ عراق کہا جاتا تھا(۳۵۵) اسے عربیت، نحو، لغات عرب اور غریب و نوادر میں تقدم حاصل تھا(۳۵۶) خلیل بصری المتوفی ۱۸۰ھ / ۷۸۹ء نے نحو میں سب سے پہلی کتاب یہیں مدون کی تھی، تصوف و کلام کا بھی یہ مرکز تھا، حسن بصری نے اسی سرزمین میں ان علوم کی آبیاری کی تھی۔

بصرہ میں محدثین، مورخین، عروضی اور ائمہ لغت کی کثرت کے متعلق نضر بن شمیل کی بصرہ سے خراسان کی طرف روانگی کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے جو اس امر کی نہایت روشن دلیل ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ میں خصوصی اور فنی کتب خانوں کی کثرت تھی۔

کوفہ، علومِ اسلامی کا صدیوں مرکز رہا ہے۔ اسے دارالفضل و الفضلاء(۳۵۷) (فضیلت و فضلا کا گھر) قبہ اسلام، دار ہجرہ المسلمین(۳۵۶) کہا جاتا تھا۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ اس کو معدن علم و فقہ کہتے تھے(۳۵۹)۔

کوفہ و بصرہ نحو و لغت کا گہوارہ تھے۔ چنانچہ لغت و نحو کی کتابوں میں ان دو مقامات کے علاوہ عام طور پر کسی اور جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا۔

امامِ اعظم نے فنِ حدیث کی تبویب اور فقہِ حنفی کی تدوین کوفہ ہی میں کی تھی (۳۶۰)

قراءِ سبعہ میں سے تین قاری عاصم المتوفی ۱۲۷ھ / ۷۴۵ھ حمزہ المتوفی ۱۵۶ھ / ۷۷۶ء اور کسائی المتوفی ۱۸۹ھ / ۸۰۵ء کوفی تھے، کوفی رسم خط یہیں پروان چڑھا۔ آج بھی اسی نسبت سے مشہور ہے۔

محدثین کا بھی یہ مرکز تھا، یونس بن بکیر المتوفی ۸۱۵ء / ۱۹۹ھ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں سات سو شیوخ حدیث کو دیکھا جن میں سب سے کمتر اعمش المتوفی ۱۴۸ھ تھے(۳۶۱)۔ محمد بن سیرین المتوفی ۷۲۹ء / ۱۱۰ھ کا بیان ہے: میں کوفہ میں آیا تو یہاں چار ہزار طلبہ حدیث دیکھے، ان میں سے چار سو فقیہ ہو چکے تھے(۳۶۲) شاذ کوفی المتوفی ۲۳۴ھ فرماتے تھے: میں بیس سے زیادہ مرتبہ کوفہ میں حدیث لکھنے آیا تھا(۳۶۳) اور ثابت بنانی المتوفی ۱۲۳ھ کہتے تھے: فقہ کوفہ اور عبادت بصرہ مشہور ہے(۳۶۴)۔

مذکورۂ بالا تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ عربی رسمِ خط، قرات، فقہ کلام لغت و نحو اور فضلا و محدثین کا منبع و مخزن تھا۔ یونس بن بکیر المتوفی ۱۹۹ھ کے مذکورہ بالا بیان سے دیگر علوم و فنون کے علاوہ یہاں کم از کم سات سو ذخائر حدیث اور محدثین کے انفرادی کتب خانوں کا بھی اشارتاً ثبوت ملتا ہے۔

خراسان بہت مردم خیز خطہ تھا۔ اس کے متعلق یاقوت کہتا ہے۔

"برامکہ، قحاطبہ، طاھریہ، ساسانیہ اور علی بن ہشام وغیرہ جن کی نظیر اقوامِ عالم میں نہیں، خراسانی تھے۔ علم کے شہسوار، سردار اور نامور اس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام بخاری، مسلم، ابو عیسیٰ ترمذی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، ابو حامد غزالی، امام الحرمین جوینی، حاکم نیشاپوری وغیرہ ائمہ حدیث و فقہ جن کی نظیر نہیں، اسی سرزمین کے رہنے والے تھے۔ الازہری، الجوہری، عبداللہ بن مبارک جیسے ادباء و صوفیہ خراسانی تھے، فارابی صاحب دیوان الادب الہروی، عبدالقاہر جرجانی، ابو القاسم زمخشری جیسے ادباء و شعرا جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا، خراساں سے تعلق رکھتے تھے اور عبدالرحمٰن بن زید عدوی المتوفی ۱۸۲ھ کا بیان ہے:

جب عبادلہ عبداللہ بن عباس رضی، عبداللہ بن زبیر رضی، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی کا انتقال ہوا تو تمام شہروں میں فقہ کا مرجع موالی بن گئے تھے۔ چنانچہ مکہ میں عطاء بن ابی رباح، یمن میں طاؤس، یمامہ میں یحییٰ بن کثیر، بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں نخعی، شام میں مکحول اور خراسان میں عطا خراسانی، صرف مدینہ میں بالاتفاق سعید بن المسیب عرب تھے(۳۶۵)

وزیر فقیہ ابو عبید البکری المتوفی ۴۸۷ھ فرماتے ہیں۔

"خراسان میں اتنے علماء، فضلاء محدثین و مرتاض بزرگ ہوئے ہیں کہ اگر تم ہر شہر کے محدثین جمع کر لو تو ان میں سے آدھے خراسانی ملیں گے۔ حکومت کے بیشتر رجال کار خراسانی تھے(۳۶۶) غرض ہر فن کے علماء خراسان سے اتنی بڑی تعداد میں نکلے ہیں کہ شمار ممکن نہیں ہے۔ غالباً انہی وجوہ سے ابو القاسم عبداللہ بن احمد بلخی نے مفاخر خراسان لکھی تھی(۳۶۷)

مرو، نیشاپور، بلخ اور ہرات خراسان کے چار عظیم الشان شہر تھے، اگر تم انہیں اسلام کے شہر کہو تو بھی درست ہے۔ اس عہد میں یہیں مختلف علوم و فنون کے دربار جمے تھے، بادشاہت، وزارت اپنی عظمت کے ساتھ یہیں جلوہ گر رہی تھی(۳۶۸) یہ علماء کی جنت ہے یہاں آج تک (۷۷۰ھ) علماء موجود ہیں اور عزت، شرف سے ممتاز ہیں۔ ان کی نظیر تمام بلاد میں نہیں ہے(۳۶۹)

خراسان میں جہمیہ اور مقاتلیہ بھی بہت پائے جاتے تھے(۳۷۰) ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کچھ بے جا نہیں کہ خراسان علم و فن کا گہوارہ تھا اور عہدِ عباسی میں یہاں ہر نوعِ اور صنف کے ذخائر اور کتب خانوں کی بہت کثرت تھی، حال ہی میں ایران سے "کتاب خانہ ہائے آستان خراسان از آغاز اسلام تا عصر حاضر شامل کتاب خانہ ہائے عموی و خصوصی آموزشی شخصی" نامی کتاب ادارۂ کل فرہنگ و ہنر خراساں ۱۳۵۰ف شائع ہوئی ہے۔ وہ زیادہ وقیع نہیں تاہم کتب خانوں کی کثرت کی شاہد اور ہمارے مذکورہ بالا خیال کی موئید ہے۔

بلخ' عہدِ عباسی میں دار الفقہ والاجتہاد تھا(۳۷۱) اور اسے خزانہ الفقہ کہا جاتا تھا(۳۷۲) قضا' افتاء اور خطابت جیسے منصب پر احناف ہی ممتاز تھے' یہ پارسیوں کے لئے ایسا ہی مقدس تھا جیسے مسلمانوں کے لئے مکہ' اور نوبہار بلخ تو ان کے لئے مثل کعبہ تھا(۳۷۳) برامکہ اور ملوک آل ساسان بلخی تھے۔ یہاں ہر فن کے علماء کی کثرت رہی ہے(۳۷۴)

مرو' شاہجہان' حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ نے اگرچہ نیشاپور کی تاریخ لکھی ہے لیکن اس کی فضیلت کو بھی تسلیم کیا ہے' مرو سے اتنی نامور شخصیتیں' اکابر' علماء دین اور ارکانِ علم نکلے ہیں کہ کسی اور شہر سے ان کے جیسے پیدا نہیں ہوئے' یہ سلطان سنجر بن ملکشاہ سلجوقی کی قیام گاہ اور سلاجقہ کا پایہ تخت رہا(۳۷۵) یہ علماء کا بہارستان' بادشاہوں اور وزیروں کا عشرت کدہ تھا(۳۷۶)

یاقوت نے یہاں کے بارہ ایسے عوامی کتب خانوں کا جو اہلِ علم کو بلا طلب زرِ ضمانت بیک وقت دو سو مجلدات عاریۃ دیتے تھے' ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا مجھے تاتاریوں کے حملہ نے اسے چھوڑنے پر مجبور کیا(۳۷۷)

مرو' بلخ اور سغد سے نجوم و ریاضی کے ماہر پیدا ہوئے ہیں(۳۷۸) خراساں میں مرو اور عراق میں بغداد شعوبیہ کی تحریک کا مرکز تھا(۳۷۹)

مذکورۂ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر بھی عہدِ عباسی میں علوم و فنون کا مرکز رہا اور یہاں بھی انفرادی' عوامی اور ادارہ جاتی کتب خانوں کی کثیر تعداد تھی۔

نیشاپور' یہ فضائل کا جامع' فضلاء کی کان اور علماء کا مخزن تھا۔ بلادِ اسلامی میں اس کی نظیر نہ تھی۔ اتنے ائمہ فن یہاں سے نکلے ہیں جس کا شمار نہیں(۳۸۰) علماء کی اکیڈمی تھا(۳۸۱) بغداد کے بعد اس کی مثال نہ تھی(۳۸۲) یہ دار السنۃ والعوالی (سنت اور عالی استاد کا گھر) تھا۔ حملہ تاتار تک لوگ اس کی طرف تحصیلِ علم کے لئے آتے تھے(۳۸۳) نیشاپور میں محلہ باغ رازیان اہلِ علم و تجار کا محلہ تھا(۳۸۴) یہاں علامہ رضی الدین نیشاپوری حنفی کے حلقہ درس میں بیک وقت چار سو فضلاء فقیہہ شرکت کرتے تھے (۳۸۵)

اس کی عظمت و علمی حیثیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ حاکم نیشاپوری نے آٹھ جلدوں میں اس شہر کی تاریخ لکھی تھی(۳۸۶)

علامہ تاج الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ شافعیوں کی راجدھانیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مشرق میں اختلافِ اقالیم و وسعتِ بلاد کے باوجود دوسرے شہروں میں جیسے سمرقند'

بخارا، شیراز، جرجان، رے، اصفہان، طوس، ساوہ، ہمدان، دامغان، زنجان، بسطام، تبریز، بیہق، میسمنہ، استرآباد وغیرہ اقالیم ماوراء النہر، خراسان، آذربائیجان، مازندران، خوارزم، غزنہ، غور و کرمان سے بلاد ہند تک اور ماوراء النہر کا علاقہ اطراف چین تک عراق عجم و عراق عرب ان تمام اقلیموں میں ایسے ایسے شہر آباد تھے جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی رہتیں اور دل باغ باغ ہوتے تھے" (۳۸۷)

یہ اسلامی اقالیم و بلاد کی شاندار علمی و ثقافتی ترقی کی طرف نہایت لطیف اشارے ہیں۔

ان بلادِ اسلامی کے باشندوں کے عیوب و نقائص کا ذکر کتبِ تاریخ و جغرافیہ میں کہیں آگیا ہے تو اس سے اہلِ علم ادباء و فقہاء مستثنیٰ ہیں جب کہ مقدسی نے تصریح کی ہے(۳۸۸)

ہرات، یہ بھلائیوں کا جامع، علماء فضلاء اور دولت مندوں سے معمور ہے۔ اسے بھی نظر لگ گئی اور تاتاریوں نے تباہ کر دیا(۳۸۹) یہاں کلام، لغت، حدیث اور اصول کی گرم بازاری رہی ہے۔

یہ ان اقالیم کے بلاد ہی کا نہیں قصبات کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔ مثلاً زوزن جو نیشاپور و ہرات کے درمیان ایک قصبہ تھا۔ اسے فضلاء، ادباء اور اہلِ علم کی کثرت کی وجہ سے بصرہ صغریٰ کہا جاتا تھا(۳۹۰) دیگر اقالیم کے بلاد بھی ایسی شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ فسطاط مصر کو ناسخ بغداد و مفخر اسلام کہا جاتا تھا(۳۱۹) اقلیم فارس میں غندجان ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یاقوت نے اس کے متعلق لکھا ہے:

"لایخرج منہ الاادیب او حامل سلاح" (۳۹۲) یہاں سے ادیب اور ہتھیار بندھ ہی نکلتے ہیں۔

یاقوت کی مذکورہ بالا تصریح کے پیش نظر یہ کہنا کہ یہاں ادب کے خصوصی ذخائر اور کتب خانے تھے، کچھ بیجا نہیں۔ جغرافیہ نویسوں کی ان تصریحات سے کہ فرغانہ میں ہر علم و فن کے علماء اور علوم کی ہر نوع کی کثرت و شہرت رہی ہے(۳۹۳)

یہ بات بھی اشارتاً معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ہر علم و فن کے کتب خانے تھے، جہاں کہیں انہوں نے تخصیص کی ہے مثلاً ان کا یہ لکھنا کہ طبرہ، طبرستان کا بڑا شہر ہے۔ اس کے نواح میں اہلِ علم، اہلِ ادب، اہلِ فقہ کی اتنی کثرت ہے کہ شمار سے باہر ہے(۳۹۴)

اس سے یہ بات بھی اشارتاً نکلتی ہے کہ ان اطراف میں ادب و فقہ کے خصوصی اور ہر علم و فن کے عمومی ذخائر و کتب خانوں کی کثرت تھی۔ یہی حال کم و بیش دوسری اقالیم ماوراء النہر، شام و مصر اور ان کے بلاد و قصبات وغیرہ کا تھا۔ چنانچہ ان بلاد کی تاریخ، ان میں ارباب فن

و اہلِ کمال کی کثرت اور علوم و فنون کی گرم بازاری ذخائر کتب اور کتب خانوں کے وجود کی واضح دلیل ہے۔ نیز افراد کے نام سے ان معاشرتی توانائیوں کا جو اس وقت سرگرمِ عمل تھیں اظہار مقصود ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ عہدِ عباسی میں بعض بلاد کو بعض علوم میں شہرتِ خاص حاصل رہی ہے۔ چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی کا بیان ہے

"اہلِ بلاد مشرق کو علوم میں یہ طرہ امتیاز حاصل رہا ہے خاص طور پر علومِ عقلیہ و منطق میں انہوں نے اپنی پوری توجہ علم بیان کی تحصیل میں صرف کی ہے" (۳۹۵) مورخ ذہبی نے "الامصار ذوات الآثاربہ" میں اس طرف اشارہ کیا ہے (۳۹۶) خوارزم میں اعتزال کا غلبہ رہا ہے یاقوت رومی کا بیان ہے:

"میں جب خوارزم میں قاسم بن حسین خوارزمی سے ملا اور میں نے ان سے پوچھا کہ جناب کا مذہب کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ میں حنفی ہوں خوارزمی نہیں۔ اس فقرے کو بار بار دہرایا اور فرمایا: میں نے بخارا میں علوم کی تحصیل کی ہے۔ میں انہی کی آراء کا پیرو ہوں (اس لئے کہ بخارا میں ماتریدیہ و اشاعرہ کا غلبہ تھا) اس طرح موصوف نے اپنے معتزلی ہونے کی تردید کی تھی" (۳۹۷)

مصر و قاہرہ میں تفسیر، حدیث، نحو و لغت کا زیادہ چلن تھا۔ علامہ سبکی کا بیان ہے:

"علماءِ مصر نے اپنی صلاحیتیں ان علوم میں صرف کی تھیں جو علم بیان کا نتیجہ و ثمرہ ہیں۔ جیسے لغت، نحو، حدیث و تفسیر" (۳۹۸) اس طرح بعض ادوار میں بعض بلاد کو بعض علوم کی نشر و اشاعت میں زیادہ شہرت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ فاطمین مصر کے زمانہ میں قاہرہ میں عقائد و کلام کا بہت چرچا رہا ہر طرف سے علماء یہاں کھنچے چلے آتے تھے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہئے کہ اسلامی قلمرو کے صرف مشہور ترین کتب خانوں کا ذکر اس مقالہ میں کیا گیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند بھی اس حدود میں داخل تھے۔ یہاں بھی عربی تمدن کے آثار ملتے ہیں۔ سندھ کے بازاروں میں عربی بولی جاتی تھی (۳۹۹) اس سرزمین سے نامور علماء و فضلاء پیدا ہوئے لیکن ان کی شہرت بیرون ہند و سندھ، مکہ بغداد وغیرہ میں زیادہ رہی (۴۰۰) اس لئے اس سرزمین میں ان کے کتب خانوں کا ہمیں سراغ نہیں ملا تاہم سندھ و ہند میں محدثین، فقہاء اور قضاۃ کا وجود اس امر کا شاہد ہے کہ یہ سرزمین بھی اس شرف سے محروم نہیں رہی۔ حسن صغانی لاہوری المتوفی ۶۵۰ھ نے "صحاح" جوہری کی یہاں تصحیح کرائی، "مشارق الانوار" وغیرہ کتابیں پڑھائی ہیں، یہ تعلیمی سرگرمیاں انفرادی اور عوامی کتب خانوں کی

روشن دلیل ہیں۔ لیکن ہمیں تاریخ سے ایسا قابلِ ذکر مواد نہیں مل سکا جسے اس مقالہ کی زینت بنایا جا سکتا۔

باب اول

(اجمالی خاکہ)

- ☆ مقصدِ مطالعہ
- ☆ انتخابِ موضوع
- ☆ سابقہ مقالہ اور ماخذوں کا سرسری جائزہ
- ☆ وسعت و طریقِ کار

دوسرا حصہ

تعارف

(ا) مقصد مطالعہ

علم کتاب داری سے متعلق اردو انگریزی، عربی فارسی میں اب تک جو مواد ہمارے سامنے آیا، وہ ہماری روایات کو واضح طور پر پیش کرنے سے اس لئے قاصر رہا ہے کہ اس کے جملہ پہلوؤں کو تحقیقی انداز سے اجاگر کرنے کی پہلے کوشش نہیں کی گئی۔ اس لئے اس عہدِ عباسی کی شاندار کتابی تہذیب کی صحیح اور مکمل تصویر نمایاں نہیں ہو سکی۔ متعدد محققوں، دانشوروں اور مورخوں نے وقتاً فوقتاً ماضی کے اوراق کو الٹ پلٹ کرنے کے بعد جہاں کہیں بہترین نقش و نگار کو دیکھا انہی سے اس دور کی کتابی تہذیب کی تصویر کو آراستہ کرنے میں اپنی تمام تر توانائیاں لگا دیں۔ ان کی یہ محنت بھی لائقِ تحسین ہے لیکن اس سے جو مقصد تھا، وہ پورا نہ ہو سکا اور ہماری تہذیبی سرگرمیوں اور معاشرتی توانائیوں کا ہلکا سا خاکہ بھی سامنے نہ آسکا۔

مجھے افسوس ہے کہ ہمارے سنجیدہ و متین دانشوروں نے بالغ نظری سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، نحو و لغت، فلسفہ و ادب، تاریخ و جغرافیہ وغیرہ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کرنے کی کبھی سعی نہیں کی۔ جہاں سے بھی کوئی مواد انہیں مل سکا، انہوں نے اس کو سب کچھ سمجھ کر حرفِ آخر کے طور پر پیش کر دیا۔ اس طرح علم کتاب داری میں اسلامی عہد کا زریں دور دھند میں پوشیدہ رہا اور جو خلا تھا وہ باقی رہا، پر نہ ہو سکا، اس کو پر کرنے کی ضرورت تھی۔

میں نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا، میں چونکہ مختلف موضوعات پر کام کرتا رہا ہوں، دورانِ مطالعہ جب میرے سامنے اہلِ استیجہ کا واقعہ (جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا گیا ہے) آیا تو مجھے خود یہ محسوس ہوا کہ ہم اتنے وسائل رکھنے کے باوجود آج بھی حقیقت میں علم و ذخائر کتب اور کتابی تہذیب کے سلسلہ میں وہ لگن اور امنگ اپنے اندر نہیں پاتے جو عہدِ عباسی میں عام تھی، اس احساس نے مجھے عہدِ عباسی کی کتابی تہذیب تک پہنچایا، میں نے اس عہد کی دلکش کتابی تہذیب کی تصویر اپنے ذہن میں اتارنی چاہی تو مجھے اس تصویر کے خط و خال میں جگہ جگہ خلا نظر آیا۔ میں نے اس خلا کو پر کرنے کا عزم کیا اور اس یقین کے ساتھ عزم کیا کہ ان شاء

اللہ العزیز مجھے مواد ضرور میسر آئے گا لیکن سخت محنت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت و استطاعت دی اور میں اس دیرینہ خلا کو پر کر کے اپنی سعی و جہد کا ثمرہ اس تحقیقی مقالہ میں پیش کر سکا۔

مجھے اطمینان ہے کہ میں نے علمِ کتاب داری کے ادب میں عرصہ سے جو تسلسل ٹوٹا ہوا نظر آرہا تھا، اس تسلسل کی رسالت مآب ﷺ سے عہدِ عباسی کے آخری تاج دار تک کڑی سے کڑی ملانے، وابستگی و ربط پیہم کو برقرار رکھنے کا اہتمام کرنے کی اپنی جانب سے پوری کوشش کی ہے۔

اس کوشش میں کتابی و تہذیبی سرگرمیوں کے مامنوں اور مسکنوں کو ڈھونڈھ نکالنے غیر مظان سے منتشر مواد کو پہلی مرتبہ علمِ کتاب داری کی روشنی میں مرتب و منظم صورت میں پیش کرنے اور حتی الوسع تحقیق جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی کی ہے۔

ضبط کن تاریخ را پایندہ شو
از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

بالغ نظر مفکرین و ائمہ فن نے مسلمانوں کے علوم و فنون کی بنیادیں کتاب و سنت پر رکھی ہیں۔

ہم نے پہلی مرتبہ قرآن و سنت سے اس علم و فن کی بنیادوں کا سراغ لگایا اور انہی کی روشنی میں اس کے اصول کی آبیاری کی تاکہ اس فن کے شائقین و اہلِ نظر اس میں غور و فکر کریں تو انہیں مزید بنیادیں مل سکتی ہیں اور اس نہج پر علم و فنِ کتاب داری کو اسلامی اصول کی روشنی میں مزید ترقی دی جا سکتی ہے، وما ذلک علی اللہ بعزیز! اس امر میں جس حد تک میں کامیاب ہو سکا اس کا یہ مقالہ آئینہ دار ہے۔

اس آئینہ میں عہدِ عباسی کے ہمہ اقسام کے اسلامی کتب خانوں کی شاندار تاریخ، ان کی تنظیم کتاب سازی کی صنعت، موضوعاتِ علوم کی ترتیب و تنظیم، فہرست (کیٹلاگ) سازی، کتابیات نگاری، خطاطی، علمی مواد کی ترتیب و تشکیل کی تاریخ تحقیق و تنقید کی روشنی میں جلوہ گر نظر آئے گی۔

اس مقصد کے پیشِ نظر اس تحقیقی مقالہ کے متن کو حسبِ ذیل دس ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔

باب اول تمہید و تعارف۔
باب دوم فروغِ علم اور کتب خانوں کا ارتقاء۔

باب سوم عہدِ عباسی کے کتب خانے۔
باب چہارم انفرادی و عمومی اور فنی و خصوصی کتب خانے۔
باب پنجم ادارہ جاتی عوامی اور علمی کتب خانے۔
باب ششم فنِ کتاب، سازی و وراقت۔
باب ہفتم ترتیب علوم اور تنظیم و درجہ بندی۔
باب ہشتم کیٹلاگ سازی۔
باب نہم کتابیات۔
باب دہم انتظامیہ۔
باب یازدہم ثمرات، نتائج تحقیق اور تجاویز پر مشتمل ہے۔

(ب) انتخابِ موضوع

راقم سطور نے جب سنہ ۱۹۷۰ء میں علم کتاب داری میں ایم۔ اے کے آخری سال کے امتحان کی تکمیل کی غرض سے "عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء" کے عنوان سے مقالہ ترتیب دیا، تو دورانِ مطالعہ جو مواد میرے سامنے آیا۔

اس سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کی ترویج و اشاعت کا شاندار و طویل دور، عباسی دور ہے۔ اس عہد کے اسلامی کتب خانوں پر تحقیقی کام وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور یہ ایک ایسا موضوع ہے جو اسلامی ادب و عربی کی کتابوں میں بکھرا ہوا ہے۔ یہ انتشار ہمارے شاندار تہذیبی سرمایہ کو سامنے لانے سے مانع رہا ہے۔

یہی وہ خیال ہے جس نے میرے دل میں یہ امنگ پیدا کی کہ اس بکھرے ہوئے دانوں کو ایک تسبیح میں پرویا جائے اور جو خزف ریزے ہماری شاندار تاریخ کو نمایاں کرنے میں کوئی اہم کردار ادا کرتے ہیں، انہیں تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر پیش کرنا چاہئے، اس طرح ماضی کے کھنڈروں پر مستقبل کی کتابی تہذیب کی تعمیرِ نو بہتر طور پر کی جا سکے گی۔ آئندہ آنے والے لوگوں کو تحقیقات کی نئی بنیادیں ملیں گی اور علمِ کتابداری میں تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہو سکے گا۔

یہی جذبہ "اسلامی کتب خانے عہدِ عباسی میں" (دوسری صدی ہجری ۱۳۲/۷۴۹ء سے ساتویں صدی ہجری ۶۵۵ھ/۶۵۵ء تک) کے انتخاب موضوع کا محرک ہوا ہے۔

گذشتہ اوراق میں جن امور سے بحث کی گئی ہے ان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کتب خانہ ذہنی طاقت کا سرچشمہ، تہذیب و ثقافتی ورثہ کی ایک نہایت بیش قیمت اساس ہے اور اسلام میں کتابی تہذیب، علم و کتاب اور کتب خانوں کا آغازِ اقراء کے اور قیدوا العلم بالکتاب کا فیضان ہے، علوم و فنون کی ترتیب و تدوین، کاغذ سازی، کتاب سازی اور کتب خانہ سازی کی ترقی پذیر تحریک کی ترویج و اشاعت عہدِ عباسی میں خوب ہوئی، اس عہد میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک نے کتب خانوں کو اسلامی معاشرہ میں سب سے زیادہ فروغ دیا۔

اس کے اثرات نے اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب (ایشیا، افریقہ اور یورپ) کے شہرو قصبہ محلہ و کوچہ کو متاثر کیا، اس سے کتب خانوں کی تاریخ میں انقلاب برپا ہوا، فہرست سازی و فہرست نگاری، بجٹ سازی وغیرہ میں ایسے رہنما اور اساسی اصول پیش کئے گئے جن کے ذکر کے

بغیر کتب خانوں کی تاریخ مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ اس مقالہ میں پہلی مرتبہ ان حقائق کو تحقیق کی روشنی میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے' اس سے اس موضوع کی اہمیت و افادیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(ج) سابقہ مطالعہ اور ماخذوں کا سرسری جائزہ

اردو میں عہدِ اسلامی کے کتب خانوں پر علمی انداز میں سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے قلم اٹھایا اور اسلامی کتب خانوں کے عنوان سے ایک پر مغز مقالہ سپرد قلم کیا، جو رسالہ "حسن" حیدر آباد میں سنہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا(۳۸۷) اس مقالہ کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے عہدِ اسلامی میں کتب خانوں کے آغاز کا سلسلہ بنی امیہ سے شروع کیا اور پہلی مرتبہ ہندوستان کے اہلِ قلم کو اسلامی عہد کے کتب خانوں کی طرف متوجہ کیا اس کے بعد سے عہدِ اسلامی کے کتب خانوں کے متعلق تاریخی معلومات کی کمی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ چنانچہ عبدالرزاق کانپوری "کتاب البرامکہ" میں لکھتے ہیں "افسوس ہے جس طرح بیت الحکمت کی مستقل تاریخ نہیں ہے ویسا ہی کتب خانوں کا بھی حال ہے۔ ہم کو اقرار کرنا چاہئے کہ ہمارے بزرگوں نے کوئی مستقل تاریخ کتب خانوں کی ہسٹری پر نہیں لکھی ہے۔(۳۸۸)

مولانا شبلی کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی المتوفی ۱۹۵۰ء نے سنہ ۱۸۹۴ء میں "علمائے سلف" اور "نابینا علماء" نامی کتابیں لکھ کر اسلامی کتب خانوں کے بڑے ممد و معاون پہلوؤں، ذوقِ علمی، تصنیف و تالیف، نقل کتب اور اس راہ میں امراء کی قدر دانی وغیرہ پر خوب روشنی ڈالی۔

پھر مشہور اطالوی خاتون ڈاکٹر اولگا پنٹو نے عہدِ عباسیہ کے اسلامی کتب خانوں پر ایک بصیرت افروز مقالہ اطالوی زبان میں۔

"Biblioleche degli Arabi nell eta degli

abbasidi" عنوان سے لکھا تھا۔

مشہور مستشرق ڈاکٹر کرنکو (Dr. F. Krankowski) نے اس کو انگریزی زبان میں منتقل کر کے اپنے حواشی کے ساتھ اسلامک کلچر (Islamic Culture) حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۲۸ء میں شائع کیا جو مختصر ہونے کے باوجود مفید معلومات کا حامل ہے۔

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی المتوفی ۱۳۷۴ھ نے جن کو مولانا شبلی کے مقالہ نے اس موضوع سے وابستگی پیدا کی تھی موصوفہ پنٹو کے انگریزی میں ترجمہ شدہ مقالہ کو اردو کا جامہ پہنا کر اپنے حواشی سے آراستہ کیا جو سنہ ۱۹۳۲ء میں اسلامی کتب خانے (عہدِ عباسیہ میں) کے نام سے الناظر پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اسلامی کتب خانوں پر اردو میں یہ دوسرا تحقیقی کام تھا جو

مذکورہ بالا نام سے ترجمہ ہو کر شائع ہوا تھا۔ قاضی احمد میاں اختر کا بیان ہے۔

"اسلامی کتب خانوں پر اردو میں سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم و مغفور نے ایک مضمون تحریر فرمایا جو ان کے رسائل میں شامل ہے اگرچہ یہ مضمون اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت محققانہ ہے مگر تفصیل و تکمیل کا محتاج ہے۔ ہمارا ارادہ ایک مدت سے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کا تھا جس کے لئے ہم نے متعدد قدیم و جدید کتابوں کا مطالعہ کر کے کافی مواد جمع کر لیا تھا اس اثناء میں اس موضوع پر ایک مفصل مضمون حیدر آباد کے سہ ماہی انگریزی رسالہ اسلامک کلچر بابت اپریل سنہ ۱۹۲۹ء میں نظر سے گزرا۔ ہمارے خیال میں اسلامی کتب خانوں پر یہ پہلا مضمون ہے جو تحقیق اور جامعیت سے لکھا گیا ہے اور اس لئے ہم نے اس کو اردو میں منتقل کرنا مناسب سمجھا آئندہ ایک مستقل رسالہ میں اس موضوع کے متعلقات معرض تحریر میں لائے جائیں گے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا" (۳۸۹)

اس کے بعد موصوف نے اسلامی کتب خانوں کے مختلف پہلوؤں پر اپنی توجہ مبذول کی اور غیر مسلم ترقی یافتہ متمدن اقوام اور مسلمانوں کے علوم و فنون کی مختصر تاریخ "طبقات الامم" مولفہ قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو دارالمصنفین اعظم گڑھ سے سنہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔

پھر قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے صنعتِ وراقت پر ایک مقالہ لکھا جو آل انڈیا اورینٹل کالج کانفرنس کے اجلاس ہفتم (منعقدہ بڑودہ بتاریخ ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء) میں پڑھا اور ہندوستان کے موقر علمی رسالہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔

اس کے بعد موصوف نے "مسلمانانِ سلف اور جمع و مطالعہ کتب کا شوق" کے عنوان سے ایک دوسرا مقالہ لکھا اور روئدادِ ادارہ معارفِ اسلامیہ (اجلاس دوم منعقدہ لاہور ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء) میں پڑھا جو سنہ ۱۹۳۸ء۔ ۱۹۴۲ء میں چھپا پھر موصوف نے "عہدِ اسلامی میں کتب خانوں کا نظم و نسق" کے عنوان سے ایک مقالہ روئدادِ ادارہ معارفِ اسلامیہ اجلاس سوم منعقدہ دہلی ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء میں پڑھا جو سنہ ۲۹۴۲ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی نے "تاریخِ اسلام" میں عہدِ عباسی کی علمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی

محمد زبیر صاحب اسسٹنٹ لائبریرین، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے "اسلامی کتب خانے" کے نام سے ایک جداگانہ کتاب لکھی۔ اردو میں شائع شدہ مواد کو بغیر

حوالہ و اقتباس نقل کیا- اس سے یہ کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی-

انگریزی میں اس موضوع پر متعدد مقالے شائع ہو چکے ہیں- سب سے پہلے خدابخش مرحوم کا مضمون The Islamic Libraries کے عنوان سے ۱۹۰۲ء میں رسالہ Nineteenth Century میں شائع ہوا تھا وہ چونکہ ایک مختصر خاکہ کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے اس کو درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا، پھر اولگا پنٹو نے لکھا جس کا ذکر اوپر گزر چکا-

عیسائی خاتون میکنسن (Ruth Stellhorn Mackensen) نے ۱۹۳۲ء میں ایک مضمون قرون وسطی میں بغداد کے چار بڑے کتب خانوں

(Four Great Libraries of Medieval Baghdad)

کے عنوان سے Library Quarterly میں لکھا اس کے بعد موصوفہ نے چار قسطوں میں ایک مضمون اس دور میں عربی کتب و کتب خانوں

(Arabic Books and Libraries in the Umaiyad Period)

کے عنوان سے لکھا جو ۱۹۳۵ سے ۱۹۳۷ء کے مابین

American Journal of Samitic Lanaguages

میں شائع ہوا تھا۔ موصوفہ نے ایک مضمون مسلمانوں کے کتب خانوں کا تاریخی پس منظر

(Background of the History of Muslim Libraries)

کے عنوان سے مذکورۂ بالا رسالہ میں لکھا۔ پھر قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے ۱۹۳۵ء میں ایک مقالہ

The Art of Waraqat during the Abbasid Period

کے عنوان سے اسلامک کلچر حیدر آباد دکن میں لکھا۔

۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے Bibliophilism in Medieval Islam کے عنوان سے ایک مقالہ مذکورۂ بالا رسالہ میں لکھا اس کے بعد S.K. Padover نے James Westfall Thompson کی تالیف کردہ کتاب The Medieval Library مطبوعہ یونیورسٹی پریس شکاگو ۱۹۳۹ء میں Muslim Libraries کے عنوان سے ایک مستقل باب کا اضافہ کیا۔ Roy Choudhary Sastr نے Library in Islam کے عنوان سے ایک ایک مضمون جون ۱۹۴۱ء میں Bungal Past and Present میں لکھا جو ۶۱ ویں جلد میں شائع ہوا تھا۔

۱۹۵۵ء میں (ڈاکٹر) عبدالسبوح قاسمی نے ایک مقالہ جس کا عنوان تھا۔

Libraries in the early Islamic World

لائبریری سائنس میں ایم۔ اے کی ڈگری کے لیے

School of Library Science, Western Reserve, University of Ohio, USA.

میں پیش کیا جو ۱۹۵۸ء میں پشاور یونیورسٹی کے جرنل میں شائع ہوا تھا۔ پھر مفیض اللہ کبیر کا ایک مقالہ بعنوان:

"Libraries and academic during the Buwayhid Period 946 A.D. to 1055 A.D."

اسلامک کلچر حیدر آباد دکن سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

اس کے بعد خلیل محمود (حال لائبریرین' احمد بیلو یونیورسٹی' زاریا) نے ایک مقالہ

"The Influence of the Holy Quran on the Development of Libraries"

"کتب خانوں کی ترقی پر قرآن مجید کا اثر" کے عنوان سے Nigera Journal Of Islam میں لکھا جو اس رسالہ کی جلد اول شمارہ نمبر۲ (جنوری۔ جون) میں شائع ہوا اس میں موصوف نے مذکورۂ بالا رسائل سے استفادہ کیا اور ان کی معلومات کو سلیقہ سے پیش کرنے کی کوشش کی تاہم یہ مقالہ نئی تحقیقات پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سید ولایت حسین نے ۱۹۶۰ء میں ایک مختصر مضمون

Organisation and Administration of Muslim Libraries (786-1492)

(مسلم کتب خانوں کی تنظیم اور انتظام) کے عنوان سے رسالہ

Quarterly Journal of Pakistan Library Association

میں لکھا تھا۔ محمد شفیع نے ایک مضمون ۱۹۶۱ء میں

Libraries and Learning in the Islamic World

(کتب خانے اور تعلیم مسلم دنیا میں) Pakistan Library Review کی جلد ۲ شمارہ ۲۰ میں لکھا تھا۔

جرمن زبان میں مشہور مستشرق آدم مز (Adam Mez) المتوفی ۱۹۱۷ء نے Die Renaissance des Islams میں جس کا ترجمہ ابوریدہ محمد عبدالهادی نے الحضارۃ الاسلامیہ فی القرن الرابع الهجری کے نام سے کیا' اسلامی کتب خانوں اور اس کے بنیادی

پہلوؤں پر تحقیقی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح مستشرق الفرد وان کریمر (Alfred Von Kramer 1828-1889) نے مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت، تجارت پر کتاب لکھی تھی جس کا ترجمہ جمیل نے اردو میں کیا ہے اس میں کاغذ کی تجارت پر مفید معلومات پیش کی ہیں۔ یہ کتاب کتابستان الہ آباد سے سنہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی تھی۔

ڈبلیو گوتھ شیک (W. Gottschalk) نے ۱۹۳۰ء میں ایک مختصر مضمون عربوں کے کتب خانوں پر جرمن زبان میں لکھا جس کا عنوان تھا

Die Bibliotheken der Araber in Zeitalter der Abbasiden.

ایک جرمن رسالہ Zentralbl. F. Bibliothekswesen میں شائع ہوا۔

آئی۔ ای۔ غنیم (I.E. Ghanem) نے ڈاکٹریٹ کے لیے دمشق کے کتب خانوں کا انتخاب کیا جس کا عنوان ہے

Zur Bibliolheksgeschichte von Damascus 1154-1516

۱۹۶۹ء میں بون یونیورسٹی میں پیش کیا۔

یہ گویا موصوف کے تحقیقی مقالہ کا بہت مختصر خلاصہ ہے جس میں چھٹی صدی ہجری تک عراق شام اور مصر کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یوسف بن رشید العش (۱۳۲۹ـ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۱۱ـ ۱۹۶۷ء) دارالکتب الظاہریہ دمشق کے ناظم کتب خانہ، کلیہ شرعیہ دمشق میں فرانسیسی زبان کے استاد، پرنسپل اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ شام میں موصوف پہلے عرب عالم ہیں جس نے علم کتب خانہ میں ساربون یونیورسٹی پیرس (University Of Paris Sorbonne) سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ان کے اس مقالہ کا عنوان

Les Bibliotheques Arabes Publious End Mesopotamie, En Syrie Et En Egypte Au Moyenage

مشرق وسطیٰ میں شام، عراق و مصر کے عوامی و نیم عوامی کتب خانے

یہ تحقیقی مقالہ ۱۹۶۷ء میں معہد فرانسی دمشق سے شائع ہوا تھا جو فرانسیسی زبان میں

۷۴۴ صفحات پر مشتمل ہے مقالہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کورکیس عواد کی خزائن الکتب القدیمہ فی العراق ۱۰۰۰ھ اور خیبب دی طرازی کی کتاب خزائن الکتب العربیہ فی الخافقین بھی ان کے پیش نظر نہیں ہیں۔

موصوف کے اس فرانسیسی تحقیقی مقالہ کا عربی میں ترجمہ نزار اباظ اور محمد صباغ نے دور الکتب العربیہ العامہ و شبہ العامہ لبلاد العراق والشام و مصرفی العصرالوسیط کے نام سے کیا ہے جو متوسط تقطیع کے ۱۱۴ پر نہایت آب و تاب سے ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۱ء میں بیروت و دمشق سے دارالفکر المعاصر سے شائع کیا گیا ہے۔

مستشرق جان جاک سیڈیلٹ (J.J.Sedillete 1777-1832) نے فرانسیسی زبان میں عربوں کی تاریخ لکھی جس کا مختصر اور خلاصہ علی پاشا مبارک کی کوششوں سے ۱۳۰۲ھ میں مصر سے شائع ہوا تھا اس میں عہدِ عباسی کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں کے متعلق نہایت مفید معلومات ملتی ہیں۔

اندلس کے کتب خانوں میں سب سے پہلے اسپینی مستشرق جولیان ریبرا

Julian Riberd Y. Tarrago 1859-1937

نے اسپینی زبان میں

Bibliofilos Y Bibliotecas en la espana Musulmana

کے عنوان سے لکھا جو رسالہ Derecha میں شائع ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں سائنسی علوم کی سرکاری اکیڈمی نے اسے علیحدہ شائع کیا۔ پھر مصنف نے اپنی کتاب

Disertaciones Y Opusulas, Madrid, 1928

میں بھی شامل کیا۔ ڈاکٹر جمال محمد محرز نے اس کا عربی میں ترجمہ کر کے مجلہ معہد المخطوطات العربیہ (مئی ۱۹۵۸ء و ۱۹۵۹ء) میں شائع کیا اسے احمد خان نے "اسلامی اندلس میں کتب خانے اور شائقین کتب" کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ انگریزی میں ڈاکٹر سید محمد امام الدین نے ۱۹۵۹ء میں Hispano-Arab Libraries کے عنوان سے دو قسطوں میں ایک مقالہ لکھا جو ۱۹۶۱ء میں

Journal of the Pakistan Historical Society

میں علیحدہ شائع ہوا۔ پھر ۱۹۶۱ء میں آل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے اسے کتابی صورت میں علیحدہ شائع کیا۔

عربی زبان میں اس موضوع سے قدما نے زیادہ اعتناء کیا ہے چنانچہ ابن الندیم کتاب

الفہرست میں مصنفین اور کتابوں کے تذکرہ میں ضمناً کتب خانوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ابن مسکویہ جو مشہور لائبریرین تھا تجارب الامم میں کتب خانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جمال الدین قفطی اور یاقوت رومی دونوں کتابوں کے شوقین تھے۔ کتب خانوں اور خوشنویسوں کا ذکر کرتے ہیں، علامہ ثعالبی و خطیب بغدادی اور ابن الجوزی بھی کتب خانوں کو فراموش نہیں کرتے ہیں۔ مورخ ابن خلکان اور اس کا استاد ابن الاثیر بھی کتب خانوں اور خوش نویسوں کا تذکرہ کر جاتے ہیں۔ ابن اثیر، ابوالفداء، ابن شاکر کتبی، صفدی سبکی اور ذہبی نے بھی کتب خانوں سے اعتناء کیا ہے۔ نعیمی نے الدارس فی المدارس میں کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

جغرافیہ نویسوں میں مقدسی، یاقوت رومی، قزوینی بھی کتب خانوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سمعانی کی کتاب الانساب میں اور ابن الاثیر کی اللباب میں نسبتوں کے تحت کہیں کہیں کتب خانوں کا ذکر مل جاتا ہے۔ ان مورخوں نے ان باتوں کا تذکرہ عموماً غیر مظان میں کیا ہے اس لیے معلومات منتشر بہت ہیں نہایت غور و خوض کے بعد اصل حقیقت تک رسائی ممکن ہے۔

عصرِ حاضر میں اس موضوع پر جرجی زیدان نے "تاریخ التمدن الاسلامی، جلد سوم" میں "المکتبات اور خزائن الکتب" کے عنوان سے ایک مفصل باب لکھا ہے، فرید وجدی نے دائرۃ المعارف القرنِ العشرین میں مادہ کتاب کے تحت مشہور کتب خانوں کا نہایت مختصر ذکر کیا ہے۔ محمد امین مصری نے "ضحی الاسلام" اور "ظہر الاسلام" میں عہدِ عباسی کے مشہور و معروف کتب خانوں کا مستقل ابواب میں ذکر کیا ہے اور محمد کرد علی نے "الاسلام و الحضارۃ العرب" اور "خطط الشام" جلد ششم میں کتب خانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے "من روائع حضارتنا" میں مستقل باب کتب خانوں پر لکھا ہے۔ اسی طرح شیخ طنطاوی جوہری نے "بہجۃ العلوم فی الفلسفۃ العربیہ و موازنتھا بالعلوم العصریہ" میں مختصر طور پر عہدِ اسلامی کے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان کے "تراثنا بین ماضی و حاضر" کے عنوان سے کتب خانوں پر لیکچرز شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر سجریہ ہونکہ نے "فضل العرب علی اوربا" ترجمہ فواد حسین علی میں اور علی احمد الشحات نے "ابو الریحان البیرونی، حیاتہ، مولفاتہ، ابحاثہ العظیمہ" میں بھی کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

فلپ دی طرازی P. De Tarrazi (۱۲۸۲۔ ۱۳۷۵ھ = ۱۸۶۰۔ ۱۹۵۶ء) نے "خزائن الکتب العربیہ فی الخافقین" کے نام سے عالم کے عربی کتب خانوں پر چار جلدوں میں مبسوط کتاب لکھی جو ۱۹۴۷ء میں مطبع جوزف صیقلی بیروت سے شائع ہوئی تھی مگر اب نہیں ملتی۔

موصوف کے رفیق قدیم محمد کرد علی المتوفی ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء نے "مجلہ المجمع العلمی العربی

دمشق جلد ۱۶ شمارہ ۱-۲ میں اس پر تبصرہ کیا اور خوب دادِ تحقیق دی محمد کرد علی کا یہ تبصرہ دس صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب اس حیثیت سے کہ اس میں عربی کے قدیم و جدید کتب خانوں پر خواہ شاہی ہوں یا عوامی و انفرادی، مسلمانوں کے ہوں یا یہودیوں اور عیسائیوں کے سب کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے اس مقصد کے پیش نظر مصنف کو جہاں سے جو مواد ہاتھ لگا اسے کتاب کی زینت بناتا گیا ماخذوں کی چھان بین نہیں کی قدیم کتب خانوں کے سلسلہ میں معاصرین کی معلومات پر اکتفا کیا۔

ان وجوہ سے اسے تحقیقی کارنامہ قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ قدیم اسلامی کتب خانوں کے متعلق ان کے بیانات کو سند کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔

مجھے اس کتاب کی مدت سے جستجو تھی لیکن یہ پاکستان اور نائیجیریا میں دستیاب نہیں ہوئی، محمد کرد علی کا تبصرہ جب نظر سے گزرا تو آتش شوق اور بھی تیز ہو گئی۔ ستمبر ۱۹۸۲ء میں جب تیسری مرتبہ دائیں آنکھ کے آپریشن کی وجہ سے لندن جانا ہوا اور برٹش میوزیم لائبریری اور یعنٹل کلیکشن میں اس کا نسخہ مجھے ملا تو اس کی چاروں جلدیں پڑھ کر سخت مایوسی ہوئی اس لیے کہ اس کے یہاں میرے موضوع کے متعلق نئی معلومات نظر نہیں آتیں۔

محمد کرد علی نے اس کتاب کے بارے میں جو لکھا ہے وہ اس دور میں ان کی معلومات کی حد تک درست قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جس کی نظر اس دور کے کتب خانوں پر ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہ جامع ہے اور نہ تحقیقی، عام معلومات کے لیے ایک اچھی کتاب ہے۔ منتشر مواد کو یکجا کرنا ایک لائقِ تحسین کوشش ہے، مجھے تعجب ہے کہ جن اہلِ علم نے یورپ اور امریکہ میں رہ کر اسلامی کتب خانوں پر کام کیا، یہ کتاب ان کی نظر میں بھی نہیں، ورنہ وہ اپنے تحقیقی مقالوں میں اس سے فائدہ اٹھا کر بہتر معلومات پیش کر سکتے تھے، تاہم جس کی نظر اسلامی کتب خانوں پر وسیع نہیں اس کے لیے یہ کتاب آج بھی معلومات آفریں ہے۔

محمد راغب الطباخ نے دارالکتب فی حلب قدیم و حدیثا (حلب کے قدیم و جدید کتب خانوں) کے عنوان سے ۱۹۳۷ء میں الرعد کے شمارہ نمبر۱۵ میں ایک مضمون لکھا تھا۔

۱۹۶۴ء میں عبدالرزاق کریدری نے سامرا کے کتب خانوں پر ایک مضمون بعنوان "مکتبات سامرا قدیما و حدیثا لکھا جو المکتب (القاہرہ) کی جلد ۶ شمارہ ۱۰ میں شائع ہوا۔ محمد المنونی نے "لمحہ عن تاریخ الخزائن الملکیۃ بالمغرب الاقصیٰ" کے عنوان سے ایک مقالہ دعوۃ الحق (الرباط) شمارہ ۲۲۸، جمادی الثانیہ / رجب ۱۴۰۳ھ - اپریل ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا۔

حبیب زیات نے دمشق کے کتب خانوں پر خزائن الکتب فی دمشق و ضواحیھا لکھی ہے، کورکیس عواد نے بغداد کے کتب خانوں پر علیحدہ کتاب خزائن الکتب القدیمہ فی العراق اقدم العصور حتی سنہ ۱۰۰۰ ہجرہ لکھی ہے۔

ڈاکٹر یوسف العش نے ایک لیکچر "دورِ الکتبات العربیہ فی تاریخ التیارات الفکریہ و المذہبیہ فی الاسلام حتی القرن السادس الہجری فی العراق و الشام و مصر" دیا تھا جو المحاضرات العلمیہ (۱۹۶۱ء۔ ۱۹۶۲ء) دمشق میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ نے "المکتبات فی الاسلام نشاءتھا و تطورھا و مصائرھا شائع کی ہے۔

کورکیس عواد اور ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ نے دورِ اسلامی کے کتب خانوں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور اسلامی ممالک کے مشہور کتب خانوں کی مختصر تاریخ بیان کی ہے ان کتابوں کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی معلومات اور خیالات ایک ہی ہیں کورکیس عواد نے بغداد کے کتب خانوں کو بہت حد تک سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور یہ اس کی لائقِ تحسین کوشش ہے لیکن علوم کی تنظیم (درجہ بندی) فہرست سازی، تنظیم کتب خانہ اور عمارت کتب خانے کی بحثوں سے ان کی کتاب یکسر خالی ہے پھر کتب خانوں کا دائرہ بھی بغداد اور اس کے اطراف تک محدود ہے۔

محمد ماہر حمادہ نے فنِ کتب خانہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مشی گن یونیورسٹی امریکہ سے حاصل کرنے کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھایا اور پہلی مرتبہ علوم کی تنظیم، فہرست سازی، کتابیات اور عماراتِ کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے، لیکن نہایت سرسری، اصولِ فہرست، اصولِ تنظیم (درجہ بندی) اور قواعد و ضوابطِ کتابیات کا تو ذکر ہی کیا ہے اس قسم کی بنیادی اور تحقیقی معلومات سے ان کی کتاب بھی خالی ہے تاہم انہوں نے اپنے پیش رووں کی بہ نسبت پہلی مرتبہ کتب خانوں کی تاریخ کو فنی نقطۂ نگاہ سے لکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان کا دائرہ بحث گنے چنے مشہور کتب خانوں تک محدود ہے انہوں نے مشہور شائع شدہ معلومات کو سلیقہ کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نئی معلومات اور نئی دریافت ان کے یہاں مشکل ہی سے ملے گی، پھر موصوف نے اصل ماخذوں سے زیادہ ثانوی ماخذوں پر اعتماد کیا ہے۔ اصل ماخذوں سے معلومات فراہم کرنے میں محنت کرنی پڑتی ہے، اس کی زحمت ڈاکٹر حمادہ نے نہیں کی۔ موصوف نے مغرب و مشرق کے کتب خانوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے اس لیے بحث کا کوئی گوشہ بھی جامع نہیں اور مباحثِ کتاب تحقیق و ژرف نگاہی کے زیادہ محتاج ہیں اس حقیقت کا احساس مصنف کو بھی ہے۔ لکھا ہے "مجھے اس امر کا دعوی نہیں کہ میں اس موضوع کا حق ادا کر سکا

ہوں۔" (۴۰۸)

فارسی زبان میں رکن الدین ہمایوں فرخ نے "کتاب و کتاب خانہ شاہنشاہی ایران" دو جلدوں میں لکھی ہے۔ جس میں صرف ایران کے کتب خانوں کا تاریخی اعتبار سے چند سطروں میں تعارف کرانے پر اکتفا کیا ہے اسی طرح خراسان کے کتب خانوں پر لکھا گیا ہے اور اس کی حیثیت بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے ان کتابوں میں بھی عہدِ عباسی کے کچھ کتب خانوں کا ذکر مل جاتا ہے لیکن نہایت سرسری۔

اسلامی کتب خانوں کے موضوع پر لکھنے والے حسب ذیل چار قسم کے اہلِ علم ہیں۔

پہلے وہ اربابِ علم ہیں جنہیں عربی زبان اور عربی ماخذوں پر دسترس حاصل ہے۔ ایشیا میں مولانا شبلی نعمانی، قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، یورپ میں مستشرقہ اولگا پنٹو، ڈاکٹر کرنکاو اور مستشرق جولیان ریبیرا کا نام سرفہرست آتا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اصل ماخذوں سے استفادہ کے بعد لکھا، اس لیے وہ بعد میں آنے والوں کا مرجع و ماخذ رہا۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ کی دانش گاہوں میں علم کتب خانہ پر ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے جو مقالات پیش کیے گئے ہیں، ان میں ان کی معلومات سے فائدہ اٹھایا گیا۔

دوسرے وہ اربابِ علم ہیں جن کی مادری زبان عربی ہے لیکن ان کی نظر اسلامی علوم پر گہری نہیں، وہ نادر معلومات پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

تیسرے وہ عالم ہیں جن کی مادری زبان عربی نہیں، عربی مدرسے اور جامعات میں علوم و فنون کی تحصیل کا انہیں موقع ملا لیکن کتابوں پر نظر نہیں۔ ان کی رسائی بھی اصل ماخذوں تک نہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس موضوع سے خاطر خواہ دلچسپی نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حصولِ مواد میں زیادہ جدوجہد نہیں کی ورنہ اگر اس علمی سرمایہ کا، وہ اپنے مقالہ بعنوان کے زمانہ تحقیق سے پہلے شائع ہو چکا تھا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہوتا تو زیادہ بہتر معلومات پیش کرسکتے تھے۔

چوتھے وہ اہلِ علم ہیں جن کو نہ عربی زبان سے کماحقہ مناسبت ہے نہ عربی ماخذوں تک رسائی حاصل ہے ظاہر ہے اس قسم کے مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات کے نہایت زوردار و جاذبِ نظر عنوانات قائم کئے ہیں جیسے مستشرقہ میکنسن R.S. Mackensen نے 1934-35ء میں مسلم کتب خانوں کا تاریخی پس منظر

Background Of History of Muslim Libraries

لکھا۔ اس کے بعد 1935ء اور 1936ء میں عربی کتابیں اور کتب خانے عہد اموی

میں

Arabic Books and Libraries in the Umaiyd Period

نامی مقالات لکھے جن کا ذکر پچھلے اوراق میں آیا ہے۔ یہ اس امر کے غماز ہیں کہ موصوفہ کی نظران موضوعات پر نہ گہری ہے نہ وسیع، ان کی رسائی عربی ماخذوں تک نہیں ہو سکی۔ اس لیے اس نے ان موضوعات پر جو کچھ لکھا وہ سطحی معلومات کا حامل، نہایت تشنہ اور بہت جارحانہ ہے۔

خلیل محمود لائبریرین بیلو یونیورسٹی زاریا نائیجیریا کے مقالہ کا عنوان ہے۔

The Influence Of the Holy Quran on the Development Of Libararies

(کتب خانوں کی ترقی پر قرآن مجید کا اثر) یہ بہت جاذبِ نظر عنوان ہے لیکن مواد کی کمی اور سرمایہ معلومات کی تشنگی، اس مقالہ میں پڑھنے والے کو شدت سے محسوس ہوتی ہے اس قسم کے بعض مقالات پاکستان کے بعض رسائل میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

دورِ حاضر میں ایشیا و افریقہ کے اہلِ علم نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی علمی حیثیت سے دقیع نہیں چنانچہ ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ کی کتاب المکتبات فی الاسلام نشاء تھا و تطورھا مصائرہا، کئی بار شائع ہوئی ہے لیکن وہ نئی یافت و دریافت اور شاندار اقتباسات سے خالی ہے۔ مشکلات فن پر معلوم ہوتا ہے اس کا گزر ہی نہیں ہوا۔

یہاں ان باتوں کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ حقیقت، عقیدت سے بلند تر شے ہے۔ ورنہ جس اہلِ علم نے اس موضوع، عنوان کو اپنی تحقیقات کے لیے منتخب کیا، اپنی معلومات مرتب کرنے سنوارنے اور پیش کرنے میں محنت کی، اس نے کم از کم اس موضوع پر مقالات میں ایک نوع کا اضافہ کیا اس کی کوشش لائقِ تحسین و آفرین ہے۔ یہاں چونکہ مقالات کا علمی و تاریخی حیثیت سے جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے ان حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اس امر میں چشم پوشی کرنا علمی دیانت داری کے خلاف ہے، نیز یہ حقیقت ہے کہ بے لاگ تنقید سے فن کا ارتقاء ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے نئی راہیں کھلتی ہیں، انہیں تحقیقات کے لیے نئے موضوعات ہاتھ آتے ہیں۔ ان حقائق کے پیشِ نظر مذکورۂ بالا امور سے صرفِ نظر کرنا کسی محقق کے لیے کیونکر روا ہو سکتا ہے۔

عہدِ عباسی کے کتب خانوں پر لکھنے والوں میں مولانا شبلی نے اپنے مقالہ میں بیس بائیس کتب خانوں سے زیادہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر شلبی نے شبلی پر چار چھ کتب خانوں کا اضافہ کیا

ہے۔ پشتو نے چالیس پینتالیس کتب خانوں سے زیادہ کو نہیں سمیٹا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سو سالہ عباسی دور میں پوری اسلامی دنیا میں ہر قسم کے مشہور کتب خانوں کی مجموعی تعداد جن کا ذکر تاریخ کے صفحات میں جگہ پا سکا ہے وہ پچاس سے زیادہ نہیں ہے۔ مولانا شبلی جیسے بالغ نظر مورخ نے اپنے مضمون ”اسلامی کتب خانے“ کے آغاز میں اس کے سبب کی حسبِ ذیل الفاظ میں نشاندہی کی ہے:

”اس امر سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ تصنیف و تالیف اور علمی ذخیروں کا مرتب و محفوظ رکھنا مسلمانوں کا قومی شعار تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں جس کثرت سے جابجا کتب خانے اور دارالعلوم پائے جاتے تھے شاید دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، تاہم یہ سخت تعجب ہے کہ کتب خانوں کے حالات میں آج تک کوئی کتاب بلکہ مضمون تک نہیں لکھا گیا۔ جغرافیہ کی کتابوں میں کسی شہر کا حال لکھتے ہیں تو ہر قسم کی عمارتوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن کتب خانوں کا نام نہیں آتا، یہی خیال ہے جس نے مجھ کو اس مضمون کے لکھنے پر آمادہ کیا، اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ عنوان کے لحاظ سے مضمون کو نہایت مفصل اور وسیع ہونا چاہئے تھا لیکن جن واقعات کو قدماء نے نظر انداز کر دیا ہو ان کے متعلق مشکل سے کچھ اجمالی حالات مل سکتے ہیں اور مفصل تو بالکل نہیں ملتے، اس لیے مجبوراً ہمارے ناظرین کو اسی پر قناعت کرنی چاہئے۔“ (۴۰۹)

عصرِ حاضر کے نامور فاضل مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برہان دہلی کو اس زمانہ میں بھی اس امر کا اعتراف ہے وہ فرماتے ہیں۔

”ان کتب خانوں کا تذکرہ اگرچہ تاریخ و ادب کی کتابوں میں جستہ جستہ ملتا ہے لیکن اول تو جو کچھ بھی ہے وہ اس قدر کم ہے کہ اس سے اسلامی کتب خانوں کی تصویر کا مکمل خاکہ تیار نہیں ہوتا پھر وہ اس درجہ منتشر اور غیر مرتب ہے کہ اس کو یکجا کرنے کے لیے بڑی محنت و کاوش درکار ہے۔“ (۴۱۰)

انہی خیالات کا اظہار محمد زبیر صاحب نے بھی حسبِ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

”بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ کتب خانوں کی تاریخ پر جو کتابیں یورپ اور امریکہ وغیرہ سے شائع ہوئی ہیں ان میں بھی اسلامی کتب خانوں کا ذکر بالکل سرسری طور پر کر دیا گیا ہے، مواد کی یہ کمیابی اتنی حوصلہ شکن اور محنت طلب ثابت ہوئی کہ اس موضوع کے ساتھ آج تک پورا انصاف نہ ہو سکا، اس پر متفرق مضامین تو لکھے گئے لیکن کتب خانوں کی مکمل تصویر کسی نے نہیں کھینچی۔“ (۴۱۱)

احمد خان لکھتے ہیں:

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے کتابیں نہ صرف لکھیں بلکہ جمع بھی کیں لیکن کتب خانوں اور کتاب داری کے بارے میں بہت کم لکھا ہے چنانچہ مواد کی قلت اور بعض گوشوں میں معلومات کے فقدان کے سبب اچھے اچھے محققین کا اس موضوع پر قلم اٹھانے میں پتہ پانی ہوتا ہے۔

(۲) اس میدان میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس قدر غیر مرتب اور اسلامی ادب کے وسیع سمندر میں یوں بکھرا پڑا ہے کہ اس کے نشان ہی مدھم پڑ گئے ہیں۔

(۳) دستیاب مواد میں بعض چیزوں کی جو توصیف (Description) دی گئی ہے وہ ایک، تو غیر مظان میں ہے دوسرے اس قدر متضاد ہے کہ پڑھنے والے کی کوئی رہنمائی کرنے کی بجائے اسے مزید حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ اس کی درست اور حقیقی صورت کیا تھی جس کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

ان دقتوں اور دشواریوں کے باوصف علماء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے ان میں سے چند کے سوا باقی سب نے اپنی تحریرات میں رطب و یابس بھر دیا ہے' سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ ایسا انٹ سنٹ اور غیر مستند لکھا ہے جسے پڑھنے کے بعد یہ معلومات دیو مالا نظر آتی ہے' زبیر صاحب کی کتاب غیر مستند معلومات کا ملغوبہ ہے جس میں بغیر کسی ماخذ کے ایسی ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جن کا وجود غیر ممکن سا ہے علاوہ بر ایں بعض مقالات کتب خانوں سے متعلق معلومات دینے کے بجائے ذہن کو عجیب و غریب مخمصے میں ڈال دیتے ہیں(۳۳۱)۔ (۴۰۸)

کورکیس عواد رقم طراز ہے "قدیم ماخذ جن سے کتب خانوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے مفقود ہیں۔ ہماری دسترس میں جو ماخذ ہیں بیشتر کتب خانوں کے ذکر سے خالی ہیں۔(۳۳۲)" (۴۱۲)

ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ کا بیان ہے "بہت سے مسلمانوں اور مستشرقین نے اسلامی کتب خانوں اور ان کی اہمیت پر مختصر مقالات اور مضامین لکھے ہیں' ہمارے علم میں نہیں کہ کسی محقق نے خاص ان اسلامی کتب خانوں کی تاریخ ترقی اور یورپ پر ان کے اثرات پر کتاب لکھی ہو بعض معزز دوستوں نے بتایا کہ ڈاکٹر یوسف العش سابق پرنسپل کلیہ شرعیہ' جامعہ دمشق نے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی لیکن بد قسمتی سے مصنف کو اس کے متعلق آگاہی نہیں ہو سکی ہے بہرحال میں نے مختلف ماخذوں سے منتشر معلومات جمع کرنے اور انہیں ترتیب سے پیش کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ (۴۱۳) اسی لیے اولگا پنٹو اور پروفیسر آربری کے زیرِ نگرانی

تحقیق کرنے والے ڈاکٹر شلبی بھی اس موضوع پر زیادہ نہیں لکھ سکے ہیں کورکیس عواد نے بڑی محنت سے پہلی مرتبہ ۱۵ شاہی، ۲۳ عوامی، ۸۶ انفرادی کتب خانوں اور گیارہ وزیروں کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں سب سے بڑا تذکرہ ہے(۳۳۴)۔ (۴۱۲)

گذشتہ اوراق میں ہم نے عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی نشاندہی کے اسباب کے سلسلہ میں جن تین اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے وہی وہ تین بنیادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے عہدِ عباسی کے مورخین اور تذکرہ نگار کسی کتب خانہ کا ذکر کر جاتے ہیں اس لیے کتب خانوں کے متعلق معلومات اور اشارے غیر مظان میں ضمناً ملتے ہیں اور ہمیں منتشر معلومات کو یکجا کرنے کے لیے ہر قسم کے نہایت وسیع اسلامی ادب کا بہت غور و خوض سے مطالعہ کرنا پڑا اور تجسس و جستجو سے جو گوہرہائے نایاب ہاتھ آئے ہیں انہی سے یہ مرقع آراستہ کیا جا سکا ہے۔

عصرِ حاضر کے اربابِ فکر و نظر کے بیان کے مطابق مسلمان مورخین و تذکرہ نگاروں نے کتب خانوں کا ذکر نہیں کیا اس بناء پر اس دور کے تذکرہ نگاروں کو یہ شکایت ہے کہ اس موضوع کو قدماء اور مورخین نے نظرانداز کر دیا ہے اس لیے کتب خانوں کی صحیح تصویر پیش نہیں کی جا سکتی، درست نہیں۔

فقہاء نے عبارت و کلام کو سمجھنے کے لیے اور کلام سے مسائل کے استخراج کے لیے جو وجوہ دلالت پیشِ نظر رکھنے کی ہدایت کی ہے ان کی روشنی میں یہ کہنا کہ مورخین نے کتب خانوں کی تاریخ پر روشنی ڈالنے سے پہلو تہی کی ہے یا اس موضوع سے متعلق مواد پیش کرنے میں چشم پوشی اور کوتاہی کی ہے صحیح نہیں، اس لیے کہ وہ کتب خانہ کا ذکر کبھی دلالت النص، کبھی عبارت النص، کبھی اشارہ النص اور کبھی اقتضاء النص (۴۱۳) سے کر جاتے ہیں جس سے کتب خانہ کی نشاندہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی نوعیت کیفیت اور کمیت کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ ہو جاتا ہے۔ مسلمان مورخین اور تذکرہ نگار بیشتر فقیہہ تھے اس لیے وہ ایسی مختصر اور معنی خیز عبارت لکھتے ہیں جس سے ان امور کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے اور کتب خانوں کا سراغ مل جاتا ہے۔

عہدِ عباسی میں مورخین و تذکرہ نگار بیشتر علماء و فقہا تھے انہوں نے انہی فقیہانہ اصول کے پیش نظر تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں تہذیبی و ثقافتی پہلوؤں کو نظرانداز نہیں کیا۔ انہوں نے علماء، فقہاء، محدثین، متکلمین، بدوسین، اطباء، حکماء، فلاسفہ آئمہ لغت و نحو، مورخین، مصنفین، خطاط وغیرہ کا تذکرہ کیا، ان کی اہم تصانیف کی نشاندہی کی، ثقافتی اداروں، کتب خانوں، درسگاہوں، علمی مراکز، مدارس دارالقرآن، دارالسنہ، دارالحدیث، مساجد، معابد، رباطات، شفاخانوں کی تاسیس و

تعمیر کی تاریخ ان کی خوبصورتی پائیداری و وسعت کو بیان کیا۔

اہلِ علم و اربابِ فن کی علمی سیرت کو نمایاں کیا، مشہور علماء کے اساتذہ، تلامذہ کو نام بہ نام گنایا، علوم و فنون میں ان کی مہارت و بصیرت اور تفوق و امتیاز کی طرف اشارہ کیا، ان کی تصانیف پر تبصرہ کیا مثلاً لکھا کہ ان کی تالیفات (۱) مفید ہیں (۲) کثیر ہیں (۳) پختہ ہیں (۴) مشہور ہیں۔

گاہ بگاہ ان کی تالیفات کی فہرست پیش کی، کبھی کسی جلیل القدر عالم کے حالات میں کسی نے کوئی کتاب لکھی اس کو بتایا، خلفاء وزراء امراء کی معارف پروری و علوم کی سرپرستی کا تذکرہ کیا۔ اہلِ ثروت و شائقینِ علم و فن نے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت اور کتب خانہ سازی میں جس سرگرمی کا مظاہرہ کیا اس کی طرف رہنمائی کی۔ بعض اوقات کتب خانوں کے شاندار افتتاح کی کیفیت کو زینت کتاب کیا۔ اس میں کام کرنے والوں کے حالات بیان کئے، وقف کردہ کتب خانوں کی حیثیت کو نمایاں کیا کہ یہ ائمہ فن کی لکھی ہوئی تھیں یا مصنفین کے ذاتی نسخے تھے یا یہ کتابیں فلاں عالم کے کتب خانہ کی زینت تھیں وہاں سے یہاں پہنچی تھیں، یا فلاں عالم نے ان کو وقف کیا تھا یا فلاں کتب خانے میں ابن مقلہ، ابن البواب اور دیگر نامور خطاط کی نقل کی ہوئی کتابیں جمع کی گئی تھیں، یا فلاں عالم کتابیں نقل کر کے گزر بسر کرتا تھا، اس کا خط اور نقل ضرب المثل تھی۔

یہ عہدِ عباسی کے کتب خانوں اور ثقافتی اداروں کی تاریخ کے وہ اہم ثقافتی پہلو ہیں جنہیں مورخین نے مذکورۂ بالا طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ان پہلوؤں کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے زبانِ قلم پر وہ باتیں آجاتی ہیں جن کا ذکر شبلی سے لے کر ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ تک کر چکے ہیں۔ مذکورۂ بالا حقائق کے پیش نظر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ تذکرہ کی کم و بیش ہر کتاب میں قدماء نے کتب اور کتب خانوں سے اعتناء کیا ہے۔

عباسی دور خلافت

عباسی دور خلافت کی ابتداء ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء میں ابوالعباس عبداللہ السناح سے ہوئی۔ تیسری صدی ہجری یا نویں صدی عیسوی میں عباسی خلفاء کا اقتدار اپنے عروج پر رہا۔ اس دور کا ایک نقشہ جس سے اس کی وسعتوں کا اندازہ ہو گا۔ صفحہ مقابل پر پیش کیا جاتا ہے۔

عباسی خلافت

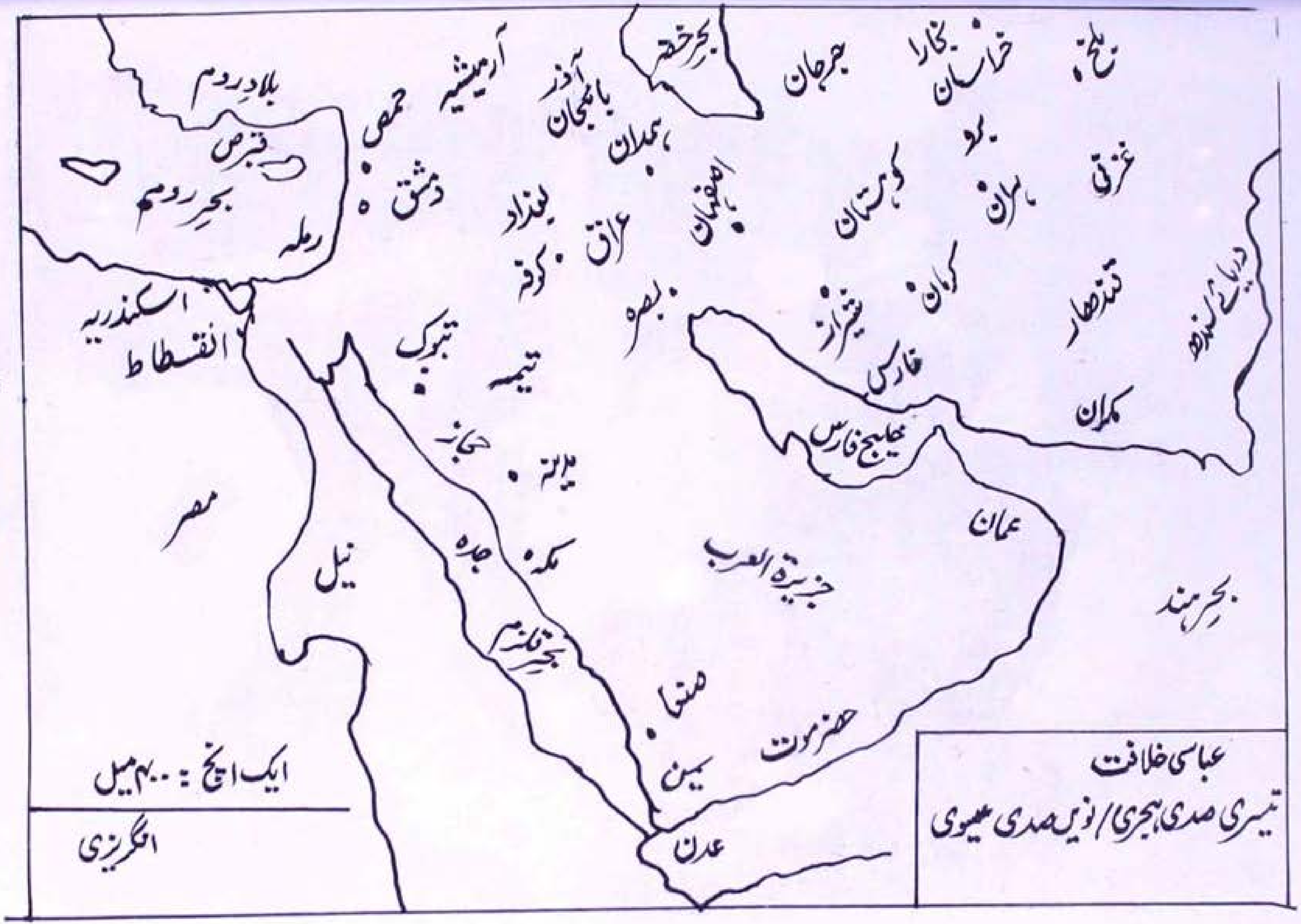
بلادِ روم
قبرص
بحرِ روم
رملہ
اسکندریہ
الفسطاط
مصر
نیل
حمص
دمشق
آرمینیہ
آذربائیجان
ہمدان
بغداد
کوفہ
عراق
اصفہان
بصرہ
بحرِ خزر
جرجان
خراسان
بخارا
بلخ
مرو
غزنی
ہرات
کوہستان
کرمان
شیراز
قندھار
دریائے سندھ
فارس
خلیج فارس
مکران
تبوک
تیما
حجاز
مدینہ
مکہ
جدہ
بحرِ قلزم
جزیرۃ العرب
عمان
بحرِ ہند
صنعا
یمن
حضرموت
عدن
ایک انچ : ۴۰۰ میل
انگریزی
عباسی خلافت
تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی

(د) وسعت اور طریقِ کار

اس تحقیقی مقالہ کا عنوان "اسلامی کتب خانے" ہیں لیکن اس کا دائرہ تحقیق عہدِ عباسی پر محیط ہے جو دوسری صدی ہجری ۱۳۲/۷۵۰ء سے ساتویں صدی ہجری ۶۵۵/۱۲۵۸ء تک وسیع ہے۔ اس لحاظ سے یہ مقالہ شاہانِ عباسی کے پانچ سو سالہ شاندار علمی و تمدنی دور کے کتب خانوں کا مرقع ہے۔

اس مقالہ میں بحث کا مرکز خلفاء بغداد اور ان سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں کے کتب خانے ہیں، لیکن عباسی ممالک کے علاوہ دوسری خود مختار ریاستوں اور مملکتوں کے سلاطین جو خلفاء بغداد سے ہمسریٔ کا دعوی کرتے اور انہیں خلیفہ نہیں مانتے تھے۔ جیسے مشرق میں دیالمہ فارس، فاطمین مصر، شام میں بنی بویہ و بنی عمار مغرب (اندلس) میں اموی خلفاء، ان کے کتب خانوں کا بھی ضمناً تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ کتب خانہ سازی کے سلسلہ میں خلفاء بغداد کی عالمگیر تحریک کے اثرات کا صحیح اندازہ کیا جا سکے اور ان کے دور میں مصر، شام و اندلس وغیرہ کے طویل و عریض علاقہ کے اسلامی کتب خانوں میں جو ترقیاں ہوئی ہیں ان کی تصویر بھی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے اور یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ ان کی علمی و ثقافتی ترقی انہی خلفاء بغداد کی ہمسری و پیروی کا نتیجہ تھی۔

اس تحقیقی مقالہ کے سلسلہ میں ہم نے عہدِ عباسی کی مستند کتب تواریخ و جغرافیہ، طبقات، انسابِ تذکرہ، ادب و محاضرات وغیرہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، پھر شب و روز کے غور و فکر کے بعد شناخت کتب خانہ کے اصول وضع کئے (جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے) ان اصول کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کتابوں، رسالوں، فلموں اور فوٹو اسٹیٹ کاپیوں سے جو کچھ مواد مل سکا، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا اور ان اصول کی روشنی میں عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی تعیین کی گئی۔ اصحابِ کتب خانہ کے متعلق معلومات میں ان کے معاصرین کے بیانات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی اور اس دور کے مستند مورخین کے بیان کردہ واقعات کی روشنی میں ذخائر کی نوعیت، کیفیت و کمیت کو نمایاں کیا گیا، اسلامی کتب خانوں کے متعلق عہدِ عباسی کی تخلیقات میں اگر صاحبِ کتب خانہ کے متعلق معلومات زیادہ نہ مل سکیں تو پھر بعد کے ایسے نامور مورخین کی آراء کو پیش کیا ہے جن کے پیشِ نظر عہدِ عباسی کا علمی سرمایہ رہا ہے اور ان کی علمی بصیرت و مہارت فن پر اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔ چنانچہ ابن خلدون، ابن کثیر، ذہبی،

ابن حجر، سخاوی اور سیوطی وغیرہ کے حوالے اس سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ متاخرین علماء، اربابِ تذکرہ اور عصرِ حاضر کے مستشرقین میں سے کسی نے مفید معلومات پیش کی ہیں تو انہیں بھی حسبِ موقع و محل اس مقالہ کی زینت بنایا ہے تاکہ اسلامی کتب خانوں کی صحیح و مکمل تصویر پیش کی جا سکے۔ چنانچہ شبلی، شلبی، حمادہ، عواد، دانش پزوہ، اولگا پنٹو، سارٹن، ہٹی، جوزف ہیل، آدم مز، وان کریمر وغیرہ کے حوالے اس سلسلہ کی دوسری اہم کڑی ہیں۔

اصحابِ کتب خانہ کے فنون کی تخصیص بھی اپنی طرف سے نہیں کی ہے بلکہ اربابِ تذکرہ نے جس نوعِ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ کیا اور ان کے کمالات کو نمایاں کیا ہے انہی اوصاف کے مطابق وصفِ غالب کے اعتبار سے ان کے زمرہ میں انہیں داخل کیا ہے چنانچہ قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین وغیرہ کی تعیین و تخصیص اسی انداز پر کی گئی ہے۔

اس مقالہ کی تیاری میں چھ سو سے زیادہ کتابوں سے استفادہ کیا گیا اور تین ہزار سے زیادہ حوالے مذکور ہیں، پانچ سو انسٹھ کتابوں میں سے پانچ سو سے زیادہ کتابیں عربی کی ہیں اور سو کتابیں اردو، انگریزی، ترکی اور فارسی کی ہیں۔ رسالے ان کے علاوہ ہیں، عربی کی کتابوں میں زیادہ تر عہدِ عباسی کی تالیفات ہیں جن میں شاذ و نادر ہی اشاریہ ہوتا ہے۔ گیارہویں باب کے اختتام پر ماخذوں کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں مصنف کا سالِ ولادت و سالِ وفات بھی دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے انہیں بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

"تمہید و تعارف" میں شاہانِ عباسی کا دور حکومت بین القوسین نقل کیا گیا ہے لیکن باب سوم، چہارم و پنجم میں کتب خانوں کے تذکرے میں حسبِ دستور خلفاء بغداد، دیگر سلاطین، وزراء، امراء، حکام اور اربابِ کمال کا سنِ ولادت و وفاتِ قوسین میں دیا گیا ہے اور اصحابِ کتب خانہ کو صدی وار حروفِ تہجی کی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک صدی میں تقدم زمانی کے بجائے حروفِ تہجی کی پابندی کی گئی ہے۔ اس لئے فقہاء کے کتب خانوں میں امام مالک کا تذکرہ پہلے کیا گیا اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا ذکر بعد میں آیا ہے۔

اس دور میں صاحبِ کتب خانہ کے ذخائرِ کتب کے تنوع کے اظہار کا واحد ذریعہ اس کے علمی اوصاف اور نسبتوں کا تذکرہ ہے۔ انہی اوصاف کی روشنی میں ان کے ذخائر کی تعیین ہو سکتی ہے اور ذخائر کی نوعیت و کمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس لئے ہر صاحبِ کتب خانہ کے تذکرہ میں اس کے علمی اوصاف کو سب سے پہلے بیان کیا گیا ہے خصوصی و فنی کتب خانوں کو شرعی علوم کی اس ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے جو عہدِ عباسی میں متداول رہی ہے۔

پاکستان جس ملک میں ہم آباد ہیں' اس کی سرکاری و قومی زبان اردو ہے۔ یہاں کی اکثریت اردو بولتی اوز اردو سمجھتی ہے۔ اس زبان کے ادب میں اسلامی کتب خانوں پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے اور نہ ان تمام ذرائع پر جن تک ہماری رسائی ہوئی ہے کسی نے پہنچنے کی کوئی کوشش کی ہے نہ کراچی یونیورسٹی کے علاوہ پاکستان کی کسی یونیورسٹی اور تحقیقی اداروں میں اس موضوع کو تحقیق کے لئے قابلِ توجہ سمجھا گیا' اس بے اعتنائی پر مجھے جتنا افسوس ہے۔ اتنا ہی اپنی خوش قسمتی پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس اہم موضوع پر کام کرنے کی ہدایت و توفیق دی اس لئے اس تحقیقی مقالہ کو اپنی قومی زبان میں ترتیب دیا گیا ہے تاکہ علم کتاب داری کے ادب میں ایک مفید اضافہ ہو سکے اور آئندہ تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ ایک سنگِ میل ثابت ہو۔

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی کثرت' تنوع و شہرت اور شاندار روایات جن کا تذکرہ تمہید کے زیرِ عنوان کیا گیا ہے دراصل فروغِ علم کا ثمرہ تھا' اس لئے آئندہ باب میں فروغِ علم اور کتب خانوں کے ارتقاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں بعض اوقات ایک ہی واقعہ سے مختلف نتائج اخذ کئے گئے ہیں کیونکہ بسا اوقات ایک ہی واقعہ مختلف پہلوؤں کا جامع ہوتا ہے اس سے نتائج بھی گوناں گوں اخذ کئے جاتے ہیں' بادی النظر میں اس پر تکرار کا خیال گزرتا ہے حالانکہ یہ تکرار نہیں افادۂ جدیدہ ہے۔

حوالوں کے سلسلے میں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ جس کا تذکرہ آیا ہے اس کا تذکرہ، رقم نمبر بریکٹ میں دیا گیا ہے۔ بعض جگہ ناظرین کی سہولت کے پیش نظر ایسے تذکروں کے سلسلے میں مزید حوالوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

فہرست ماخذ

(۱) محمد ابن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، الطرق الحکمیہ والسیاسۃ الشرعیہ تحقیق محمد جمیل غازی، القاہرہ مطبعہ المدنی، ۱۳۷۷ھ ص ۴۰۳

(۲) (۲) محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام، القاہرۃ، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۳۵۱ھ، ج ۴ ص ۲۶۳

(۳) بدران ابو العینین بدران، الشریعۃ الاسلامیہ تاریخہا ونظریۃ الملکیہ والعقود، الاسکندریہ، موسسہ منشاۃ الجامعہ (ب ت ص ۴۸-۴۹)

(۴) عبدالرحمٰن ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون (المقدمہ)، الطبعہ سالثالثہ (بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ۱۹۵۶ء)، ج ۱، ص ۷۵۴

(۵) علی عبدالرحمٰن "کنوز العلم فی ام القری"، الکتاب شمارہ ۲ (۱۹۶۸ء) ص ۲۲

(۶) حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، بار چہارم (حیدر آباد دکن، مکتبہ نشاۃ ثانیہ، ۱۳۷۸ھ) ص ۱۹

(۷) علی بن احمد السمہودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، (مصر، مطبعہ السعادہ، ۱۳۷۴ھ) ج ۱، ص ۱۵ (لہ) خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفی (مکہ، المطبعہ المیریۃ، ۱۳۱۶ھ) ص ۶ محمد عبدالحلیم چشتی مطبعہ السعادہ عہد رسالت ﷺ سے دور اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء مقالہ بغرض جزوی تکمیل برائے امتحان ایم اے شعبہ لائبریری سائنس جامعہ کراچی، ۱۹۷۰ء ص ۱

(۸) ابن خلدون، ج ۱، ص ۷۸۴-۷۸۵، چشتی، ص ۲

(۹) ایضاً

(۱۰) علی بن احمد ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام تحقیق احمد محمد شاکر (مصر مطبعہ السعادہ ۱۳۴۷ھ) ج ۵، ص ۱۰۴

(۱۱) شمس الدین محمد بن احمد الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ط:۳ (حیدر آباد الدکن، الہند، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۶ء) ج ۱، ص ۷۰، چشتی، ص ۴۰۳

(۱۲) ایضاً، ج ۱، ص ۱۰۲-۱۰۷

(۱۳) چشتی، ص ۴۳-۴۴، ۴۹، ۸۹، ۱۲۶، ۱۲۹-۱۳۴

(۱۴) احمد بن علی الخطیب البغدادی، تقیید العلم تحقیق یوسف العش (دمشق، المعهد الفرنسی، ۱۹۴۹ء) ص ۱۱۰

(۱۵) ابن حزم، اسماء الصحابہ الرواۃ ومالکل واحد من العدد ص ۲۷۵-۲۷۶ (ولہ) الرسالۃ الثالثہ اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعد ھم علی مراتبہم فی کثرۃ الفتیا ص ۳۱۹
یہ رسائل جوامع السیرۃ وخمس رسائل اخری تحقیق احسان عباس، ناصر الدین الاسد، مصر دار المعارف، ب ت، کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں۔

(۱۶) احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۶ھ، ج ۹ ص ۴۴۹
یوسف المزی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دمشق دار المامون التراث ب، ت ء ج ۳ ص ۱۲۷۱

(۱۷) الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۱، ابن خلدون المقدمہ ص ۴۸۰

(۱۸) ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، مصر، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبہ، ۱۳۷۸ھ ج ۱۰ ص ۳۸۸، محمود العینی، عمدۃ القاری، القاہرۃ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ب ت ج ۲۰ ص ۱۶-۱۷، قاسم بن سلام الہروی، غریب الحدیث حیدر آباد دکن، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۹۶۷ء ج ۴ ص ۱۵۶، محمد طاہر الفتنی مجمع بحار الانوار لکھنؤ نو لکشور، ۱۲۸۳ھ، ج ۳ ص ۲۵۰-۲۵۱

(۱۹) ابن حجر، فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۷-۲۱۸

(۲۰) ایضاً

(۲۱) محمد ابن سعد، الطبقات الکبیر، لیدن مطبعہ بریل ۱۳۲۵ھ، ج ۵ ص ۲۱۶

(۲۲) عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص تحقیق محمد الصباغ بیروت المکتب الاسلامی، ۱۳۹۳ھ، ص ۱۶۷

(۲۳) ابن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید تحقیق احمد امین، احمد الدین، ابراہیم الابیاری، ط ۲، القاہرۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، ۱۳۷۲ھ، ج ۳ ص ۴۱۵-۴۱۶، ابن خلدون ص ۱۰۲۲-۱۰۲۳

(۲۴) "استحبوا ان یؤخذ عنہم حفظا کما اخذوا حفظا" ابن حجر، فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۸ (انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ ان سے علم حفظا حاصل کیا جائے جس طرح انہوں نے حفظا حاصل کیا تھا۔)"

(۲۵) Haralad and Margaret Sprout, Foundations of National Power, 2nd Edn. (New York)

D. Van Nastand Co., 1952). pp 43-50

Ibid p. 111-138 ...... Hans J. Morgenthan, Policits Among Nations the Struggle for Power and Peace, 5ed.

(New York, Alfred A. Knope, Inc, 1964) pp. 112-128

(۲۶) مودودی، ابوالاعلیٰ، علمی تحقیقات کیوں اور کس طرح، کراچی ادارہ معارف اسلامی، ب ت ص ۴-۵۔

(۲۷) معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، بار دوم (اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۴۹ء) ج ۲، ص ۲۔

(۲۸) گستاولی بان، تمدن عرب، مترجمہ سید علی بلگرامی، (آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۸۹۸ء) ص ۳۹۹-۴۰۱، ۴۴۲-۴۴۵۔

Philip K. Hitti, History of the Arabs, 5th ed. rev. (London, Mecmillan • Co., 1953) p. 410.

(۲۹) احمد بن القاسم ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، (بیروت، دارالفکر، ۱۳۷۷ھ) ج ۲، ص ۱۴۳۔

(۳۰) الخطیب، تقیید العلم ص ۱۱۰۔

(۳۱) الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، تحقیق محمد عجاج الخطیب، (بیروت، دارالفکر، ۱۳۹۱ھ) ص ۶۱۱-۶۱۶--- الذہبی، ج ۱، ص ۱۹۱، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، السیوطی، تاریخ الخلفاء، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید (کراچی، نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۹۷ھ) ص ۲۶۱-- یوسف ابن تغری بردی، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر و القاہرۃ، (القاہرہ، مطبعہ دارالکتب المصریہ، ۱۳۴۸ھ) ج ۱ ص ۳۵۱۔

(۳۲) ابن حجر، توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس، مصر، المطبعہ المیریہ، ۱۳۰۱ھ، ص ۷۲۔

(۳۳) یاقوت بن عبداللہ، الرومی، ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب المعروف بمعجم الادباء
او طبقات الادباء، بتصحیح د، س، مرجلیوث، ط:۲ مصر، مطبعۃ ہندیہ، ۱۹۲۳ء) ج ۶، ص
۳۶۸-

(۳۴) محمد بن یحیٰ الصولی، اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ (القاہرہ، طبع ج، ہیورث د ن،
۱۹۳۵ء) ص ۳۹-- کورکیس عواد، خزائن الکتب القدیمہ فی العراق منذ اقدم العصور
حتی سنہ ۱۰۰۰ للہجرۃ، (بغداد، مطبعہ المعارف، ۱۹۴۸ء) ص ۱۱۶-

(۳۵) احمد الشہیر بابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، (مصر، المطبعہ المیمنیہ، ۱۳۱۰ھ)
ج ۱، ص ۶۰-۶۱-

(۳۶) ابو سعد عبدالکریم بن محمد السمعانی، کتاب الانساب، (لیدن، ای، جے، بریل، ۱۹۱۲ء)
ورق ۵۴۴--- عزالدین علی ابن الاثیر، اللباب فی تہذیب الانساب، (بغداد، مکتبۃ
المثنی، ب، ت) ج ۳، ص ۲۶۶-

(۳۷) عبدالغافر بن اسماعیل الفار، السیاق The Histories of Nishapur
تحقیق Richarrd N. Frye Manton • Co. , 1965)
(Hague, ورق ۱۷ ب، و نشر معہ المنتخب من کتاب السیاق لعبد الغافر الفارسی
لابراہیم بن محمد الصیریتینی المتوفی بعد ۶۲۲ھ-

(۳۸) عمرو بن بحر الجاحظ حیاۃ الحیوان تحقیق عبدالسلام محمد ہارون مصر، مطبعہ مصطفیٰ البابی
الحلبی، ۱۳۵۶ھ) ج ۱، ص ۶۰ و ۶۱-

(۳۹) یاقوت، معجم البلدان (بیروت دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۳۷۴ھ) ج ۵، ص ۱۱۴-

(۴۰) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۳۸۵ھ) ج ۱۰، ص
۱۸۴-

(۴۱) ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۴---- لیبان، ص ۳۹۱ و ۳۹۹---- آدم مز (Adam Mez)
Die Renaissance des Islams الحضارۃ الاسلامیہ فی القرن
الرابع الہجری ترجمہ محمد عبدالہادی ابوریدۃ (ط:۲) (القاہرہ، مطبعہ لجنۃ التالیف
والترجمہ والنشر، ۱۳۶۶ھ) ج ۱، ص ۲۴۳-

(۴۲) محمد بن سعید ابن الدبیثی، المختصر المحتاج من تاریخ الحافظ ابی عبداللہ ابن الدبیثی انتقاء
محمد الذہبی، تحقیق مصطفیٰ جواد (بغداد، مطبعہ المعارف، ۱۳۷۱ھ) ج ۱، ص ۱۸۰-

(۴۳) ابن خلکان، ج ۱، ص ۹۴---- لیبان، ص ۳۹۱--- مز، ج ۱، ص ۲۴۳-

(۴۴) الجاحظ، الحیوان۔ ج ۱، ص ۶۱۔۶۲، محمد بن علی ابن طقطقی الفخری فی الاداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ (بیروت، دار صادر، ۱۳۸۰ھ) ص ۶ و ۷۔

(۴۵) الصولی، ص ۳۹۔۴۰۔

(۴۶) احمد بن محمد المقری، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید (بیروت، دارالکتاب العربی ۱۳۶۹ھ) ج ۲، ص ۱۰ و ۱۱۔

(۴۷) علی بن منصور الحلبی المعروف بابن القارح، رسالہ ابن القارح تحقیق عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی ط ۶، (القاہرہ، دارالمعارف ۱۳۹۷ھ) ص ۶۳، بہ رسالہ، رسالہ الغفران لابی العلا المعری کے ساتھ شائع کیا گیا۔ رسالہ الغفران ص ۴۸ و ابوالطیب عبدالواحد بن علی اللغوی مراتب النحویین تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، (القاہرہ مکتبہ نہضتہ مصر ۱۳۷۵ھ) مقدمتہ المحقق ص ۱۵۔

(۴۸) یوسف بن قزا و غلی سبط ابن الجوزی، مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان (حیدر آباد الدکن، مطبعہ مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۰ھ) ص ۲۶۲--- عماد عبدالسلام رؤف العطار، مدارس بغداد فی العصر العباسی، (بغداد، مطبعہ دارالبصری، ۱۳۸۶ھ) ص ۱۶۷۔

(۴۹) یاقوت، ج ۶، ص ۲۲--- محمد راغب الطباخ، اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء، (حلب المطبعہ العلمیہ، ۱۳۴۳ھ) ج ۴، ص ۴۶۷۔

(۵۰) عبدالقادر بن محمد القرشی، الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، کراچی، میر محمد، ب ت، ج ۲، ص ۳۵۔

(۵۱) محمد بن احمد المقدسی، احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم (لیدن، مطبعہ بریل، ۱۹۰۶ء) ص ۴۱۳--- مز، ج ۱، ص ۲۴۹۔

(۵۲) یاقوت، ج ۲، ص ۴۲۰۔

(۵۳)

Encyclopaedia britannica, edn. 1968 Chicago, (Encyclopaedia Britannica Ltd. , 1968) Vol. 14 p. 7.

(۵۴) عبدالملک الثعالبی، فقہ اللغہ و سرالعربیہ، تحقیق مصطفیٰ السقا وغیرہ ط:۲ (مصر، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ) ص ۱۶۹۔

(۵۵) السمعانی، ورق ۲۷۶---- ابن الاثیر، اللباب، ج ۲، ص ۷۱۔

(۵۶) ایضاً، ج ۱، ص ۲۲۳۔

(۵۷) ابن الندیم، الفہرست المطبعہ الرحمانیہ مصر ۱۳۴۸ھ ص ۸۴

(۵۸) ایضاً، ص ۱۶۹۔

(۵۹) علی بن یوسف القفطی، انباہ الرواۃ علی انباۃ النحاۃ، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، (القاہرہ، مطبعہ دارالکتب المصریۃ، ۱۳۲۹ھ) ج ۱، ص ۵۰۔

(۶۱) ایضاً، ابوالعلاء المعری، سقط الزند (بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۳۷۶ھ) ص ۱۷۶-- طہ حسین، تجدید ذکری ابی العلاء، ط ۶، (القاہرہ، دارالمعارف، ۱۹۶۳ء) ص ۱۳۱۔

(۶۲) عواد، ص ۱۳۱۔

(۶۳، ۶۴) المعری، رسائل ابی العلاء المعری، تحقیق مرجیلیتہ (D.S. Margalouth) (آکسفورڈ کلیرنڈن پریس، ۱۸۹۸ء) ص ۳۴ تعریف القدماء بابی العلاء، مرجولیت، القاہرہ دارالکتب المصریہ ۱۳۶۳ھ ص ۹۲، ۵۱۶، ۲۲۳، ۵۱۴، ۵۴۷، ۵۴۵

(۶۵) الخطیب، تاریخ بغداد او مدینہ السلام (مصر، مطبعہ السعادہ، ۱۳۴۹ھ) ج ۶، ص ۳۲۔

(۶۶) ایضاً، ص ۳۳۔

(۶۷) یاقوت، ج ۵، ص ۸۳۔

(۶۸) صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی، الوافی بالوفیات تحقیق احسان عباس (فیسبادن، دارالنشر فرنز شتایز ۱۹۸۱ء) ج ۱۷، ص ۱۵۱۔

(۶۹) الخطیب، ص ۳۲۔

(۷۰) ایضاً، ج ۳، ص ۱۲۳--- عبدالرحمٰن ابن الجوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، (حیدر آباد الدکن، مطبعہ دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۷ھ) ص ۱۷۷ اسماعیل ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ (مصر مطبعۃ السعادہ ۱۳۵۸ھ) ج ۱۱، ص ۳۱۴۔

(۷۱) یاقوت، ج ۳، ص ۱۷۲۔

(۷۲) القرشی ج ۱، ص ۴، عبدالحی فرنگی محلی، مقدمتہ الہدایہ، مطبع مصطفائی، ۱۳۰۱ھ، ص ۲۔

(۷۳) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲--- ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۱۲--- ابن الاثیر، ج ۹، ص ۱۰۱۔

(۷۴) عماد الدین محمد الاصفہانی، خریدۃ القصر و جریدہ العصر، تحقیق محمد بہجہ الاثری (بغداد مطبعۃ المجمع العلمی العراق، ۱۳۷۵ھ) ۱، ق ۱، ص ۳۰، (مقدمہ) و ق ۲، ص ۱۶۷۔

(۷۵) زکریا القزوینی، آثار البلاد واخبار العباد (بیروت دار صادر للطباعہ والنشر، ۱۳۸۰ھ) ص ۳۸۷۔

(۷۶) الخطیب، ج ۶، ص ۳۳۔

(۷۷) یاقوت، ج ۶، ص ۴۹۳۔۴۹۴، ابراہیم بن علی القیروانی، زہر الاداب و ثمرۃ الالباب تحقیق زکی مبارک القاہرۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبری ۱۹۲۹ء ج ۴، ص ۱۳۵۔

(۷۸) عبدالکریم الشہرستانی، نہایۃ الاقدام فی علم الکلام تحقیق الفرد جیوم، بغداد، مکتبہ المثنی ب ت، ص ۴، احمد عبدالحلیم ابن تیمیہ، الحرانی، نقض المنطق تحقیق محمد بن عبدالرزاق حمزہ، سلیمان بن عبدالرحمن الاضنیع القاہرہ مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۷۶ھ ص ۶۱۔۶۲۔

(۷۹) السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، مصر، (المطبعہ الحسینیہ) ج ۵، ص ۱۶۶۔

(۸۰) ابن الاثیر، ج ۱۲، ص ۲۴۳۔

(۸۱) سبط ابن الجوزی، ص ۲۴۲۔۲۴۸، ۲۵۴، ۲۵۶۔

(۸۲) ایضاً، ج ۸، ص ۲، ص ۶۳۷۔

(۸۳) ابن الندیم، ص ۳۴۰۔، ۴۹۳۔۵۰۰۔

(۸۴) الذہبی، ترجمہ الامام احمد من تاریخ الاسلام، تحقیق احمد محمد شاکر (القاہرہ، دار المعارف للطباعۃ والنشر، ۱۳۶۵ھ) ص ۸۲۔

(۸۵) ابن الندیم ص ۶۱۔

(۸۶) عبداللہ بن محمد ابن الفرضی، تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس تحقیق عزت العطار الحسینی (القاہرہ، مکتبہ الخانجی، ۱۳۷۲ھ) ج ۱، ص ۳۰۰۔

(۸۷) یاقوت، ج ۵، ص ۴۶۷۔

(۸۸) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۱۴۔

(۸۹) ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۱۷۔

(۹۰) المقری، ج ۲، ص ۹۔

(۹۱) الجاحظ، "رسالۃ فی مدح الکتب والحث علی جمعہا" تحقیق ابراہیم السامرائی، مجلۃ المجمع العلمی العراقی، ج ۸، (۱۳۸۰ھ) ص ۲۴۰ ابن عبدربہ الاثار ج ۲، ص ۲۱۰۔

(۹۲) المقریزی احمد بن علی، کتاب المواعظ والاعتبار بذکر الخطط، والاثار المعروف بالخطط المقریزیہ (القاہرہ، دار الطباعۃ المصریہ بولاق، ۱۲۷۰ھ) ج ۲، ص ۱۰۲۔

(۹۳) الذہبی ج ۳، ص ۱۰۳۵--- المقری، ج ۲، ص ۱۰ و ۱۱۔

(۹۴) شبلی "اسلامی کتب خانے" مقالات شبلی (اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۳۷۱ھ) (تاریخی

نصہ دوم) ج ۶، ص ۱۶۷۔

(۹۵) Ruth Stellhorn Mackensen, "Four Gread Libraries of Medieval Baghadad," Library Quarterly, Vol. 11, (1932)

(۹۶) Olga Pinto, "The Libraries of the Arabs during the time of Abbasiedes" Pakistan Library Review (March and June, 1959), Vol. 11, No. 1-2, p.45.

(۹۷) ابن الندیم، ص ۷۵-۷۶۔

(۹۸) ابن ابی اصیبعہ، ج ۳، ص ۳۸۶-۳۸۷۔

(۹۹) الجاحظ، کتاب الحیوان، ج ۱، ص ۶۰۔

(۱۰۰) القفطی، ج ۲، ص ۳۵۱--- یاقوت، ج ۶، ص ۸۵ و ۸۶۔

(۱۰۱) ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، ذکر اخبار اصبہان (لیدن، مطبعہ بریل ۱۹۳۴ء)) ج ۲، ص ۳۶۔

(۱۰۲) الخطیب، ج ۹، ص ۳۲۳۔

(۱۰۳) ابن عبدربہ، ج ۲، ص ۲۰۸۔

(۱۰۴) بدیع الزمان احمد بن الحسین الہمدانی، الرسائل، ط ۲، مصر مطبعہ ہندیہ، ۱۳۴۶ھ) ص ۳۲۰۔

(۱۰۵) الخطیب، ج ۱۴، ۲۸۱---- ابن الجوزی، ج ۵، ص ۴۳۔

(۱۰۶) یعقوب بن شیبہ، مسند امیر المومنین عمر بن الخطاب، (بیروت المطبعہ الامیریکانیہ، ۱۳۵۹ھ) ص ۱۲ و ۱۴ او ۱۸۔

(۱۰۷) ایضاً ج ۳، ص ۱۳۶--- الذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال تحقیق علی محمد البجاوی، (مصر، عیسی البابی الحلبی، ۱۳۸۲ھ) ج ۳، ص ۶۷۲)

(۱۰۸) الصفدی، ج ۴، ص ۲۳۶

(۱۰۹) الخطیب ج ۴، ص ۱۵۰، عبدالقادر التمیمی، الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ تحقیق

عبدالفتاح محمد الحلو (القاہرہ، المجلس الاعلیٰ للشون الاسلامیہ، ۱۳۹۵ھ) ج ۱ ص ۳۴۷-

(۱۱۰) الحطیب، ج ۵، ص ٦۷، ابن تغری بردی، ج ۴، ص ۲٦، بذیل وضیات ۴۱۵-

(۱۱۱) ابن الندیم، ص ٦۹

(۱۱۲) ایضاً، ص ۲۱۲

(۱۱۳) القفطی ص ۱۸۵

(۱۱۴) ابن الجوزی، ج ٦، ص ۲۸۸

(۱۱۵) ابو نعیم الاصبہانی، حلیتہ الاولیاء وطبقات الاصفیاء (مصر مطبعہ السعادہ، ۱۳۵۱-۱۳۵۷ھ ج ۸، ص ۱۳٦-۱٦۵)

(۱۱٦) عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی الروض الانف (مصر، مطبعہ الجمالیہ، ۱۳۳۲ھ - ج / ۳

(۱۱۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور دانشگاہ پنجاب (کتاب) فہرست ابن خیر صفحہ ۱۰۹

(۱۱۸) Al-Nadim, The Fihrisl Of Al-Nadim Tr By Bayard Dodge (New York, Columbia University. 1970) Val 1,p2 (C)preface-

(۱۱۹) ابن عبدالبر جامع بیان العلم و فضلہ (مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱/ ۳۰-۳۱، الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد ۳/ ۱۹۳ شیرویہ بن شہردار الدیلمی، الفردوس الاختیار بماثور الخطاب (بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۰٦ھ) ج۵/ ۲۸۵ (رقم الحدیث ۸۸۳۹-۸۸۴۰ ابن الجوزی العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ تحقیق ارشاد الحق الاثری، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۳ھ) ج۱/ ۸۰-۸۱: ابن حجر زہر الفردوس من مسند الفردوس ج ۴/ ۴۱۷

الذہبی میزان الاعتدال فی نقد الرجال تحقیق محمد البجاوی بیروت دار المعروفہ ب، ت، ۳/ ۵۱۷، السیوطی الدر المنتشرہ فی الاحادیث المشتہرہ تحقیق خلیل محی الدین المیسر (بیروت المکتب الاسلامی ۱۴۰۴ھ) صفحہ ۵۹ محمد بن طولون الصالحی الحنفی، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ تحقیق کمال بن بسیونی زغلول، بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۳ھ ج۱/ ۱۲۲ (رقم الحدیث ۸٦۳) محمد، طاہر بن علی الصفتنی تذکرۃ الموضوعات تحقیق عبدالجلیل، صالح بن سلیمان، مصر ادارۃ المنیریہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۲۳

عبدالرحمٰن بن علی الشیبانی الشہیر بابن ابی الربیع الشافعی، تمیز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنہ الناس من الحدیث تحقیق احمد المیسر بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۹

صفحہ ۱۷۹، ۱۷۰، ۱ (رقم الحدیث ۱۳۶۲) محمد بن عبدالباقی الزرقانی۔ مختصر المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرہ تحقیق محمد لطفی الصباغ ط:۳ بیروت: المکتب الاسلامی ۹۱۴ صفحہ ۱۷۳ ارقم الحدیث (۹۶۲) عبدالروف المناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، مصر مطبعۃ مصطفیٰ محمد، ۱۳۵۶ھ.۶/۳۶۷

اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی کشف الخفاء مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث فی السنۃ الناس مصر، مکتب، القدسی، ۱۳۵۱ھ ۱/۲۰۰ محمد بن علی الشوکانی، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ تحقیق عبدالرحمن بن یحییٰ العلمی ایمانی، القاہرہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۸۱ھ صفحہ ۳۸۷ محمد بن السید الدرویش الشہیر بالحوت البیروتی۔ سنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب تحقیق عبدالجلیل صالح بن سلیمان مصر، المکتبۃ التجارۃ الکبری ۱۳۵۵ھ صفحہ ۱۹۹

(۱۲۰) الخطیب ج ۴ ص ۲۲۴۔

(۱۲۱) ابو یوسف یعقوب، الرد علی سیر الاوزاعی، تحقیق ابی الوفاء الافغانی (مصر، لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ (حیدر آباد الدکن، ۱۳۵۷ھ) (المقدمۃ لابی الوفاء)۔

(۱۲۲) ابو یوسف، اختلاف ابی حنیفۃ و ابن ابی لیلیٰ، تحقیق ابی الوفاء الافغانی (مصر، لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ، ۱۳۵۸ھ) ص ۳، (المقدمۃ لابی الوفاء)۔

(۱۲۳) محمد بن الحسن الشیبانی، الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ، تحقیق مہدی حسن الکیلانی (الہند، مطبعۃ المعارف الشرقیۃ، ۱۳۹۵ھ)۔

(۱۲۴) الخطیب، ج ۵، ص ۵۲۲۔

(۱۲۵) ابن کثیر، ج ۱۰، ص ۲۰۲۔ ۲۰۳۔

(۱۲۶) محمد زاہد الکوثری تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب، (القاہرہ مطبعۃ الانوار، ۱۳۶۱ھ) ص ۳۔

(۱۲۷) الذہبی، مناقب الامام ابی حنیفۃ، و صاحبیہ ابی یوسف و محمد بن الحسن تحقیق محمد زاہد الکوثری و ابی الوفاء الافغانی (مصر، لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ ۱۳۶۶ھ) ص ۱۹۔

(۱۲۸) السمعانی، ورق ۵۳۶ ب و ۳۷۶---- ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۳۶، ج ۲، ص ۷۱ الذہبی، العبر فی خبر من غبر، تحقیق صلاح الدین المنجد (الکویت، مطبعۃ حکومۃ الکویت، ۱۹۶۰ء) ص ۲۱۴۔

(۱۲۹) الذہبی، العبر ج ۱، ص ۲۶۷۔

(۱۳۰) احمد بن محمد المقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، لیدن، مطبعۃ ای۔ جے بریل

۱۹۰۶ء ص ۵

(۱۳۱) عبدالعزیز سید الاھل، الامام الاوزاعی فقیہ الشام، (القاہرہ لجنتہ المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ،)۱۳۶۶ ص ۴۲۔ ۴۳۔

(۱۳۲) ایضاً۔

(۱۳۳) عبداللہ کنون، النبوغ المغربی فی الادب العربی ط ۲، (بیروت مکتبہ المدرستہ و دارالکتاب اللبنانی للطباعتہ والنشر، ۱۹۶۱ء) ص ۸۹۔

(۱۳۴) السمعانی، الانساب تحقیق عبدالرحمن الیمانی (حیدر آباد الدکن، الہند، مطبعتہ مجلس دائرہ المعارف العثمانیتہ، ۱۳۵۸۲ھ) ج ۱ ص ۲۰۲۔

(۱۳۵) ایضاً، ج ۱، ص ۲۰۳۔

(۱۳۶) ایضاً، ج ۱، ص ۷۶۔

(۱۳۷) عیاض بن موسیٰ الیحصبی، الالماع الی معرفتہ اصول الروایہ و تقیید السماع تحقیق احمد صقر (القاہرہ، دارالتراث، ۱۳۸۹ھ) ص ۸۸--- الخطیب، الکفایہ فی علوم الروایہ (حیدر آباد الدکن، مطبع جمعیتہ دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۷ھ) ص ۳۳۰---- عثمان بن عبدالرحمن ابن الصلاح، علوم الحدیث تحقیق نور الدین عتر (حلب، مطبع الاصیل، ۱۳۸۶ھ) ص ۱۴۶۔ ۱۴۷ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، فتح المغیث شرح الفیتہ الحدیث للعراقی، تحقیق عبدالرحمن محمد عثمان (القاہرہ، المکتبتہ السلفیہ " ۱۳۸۸ھ) ج ۲، ص ۹۹۔ ۱۱۱، احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر، ط: ۳ (مصر، مطبعتہ محمد علی صبیح و اولادہ، ۱۳۷۰ھ) ص ۱۲۳ و ۱۲۴----- الحسین بن عبداللہ الطیبی، الخلاصتہ فی اصول الحدیث، تحقیق صبحی السامرائی، (بغداد، ریاستہ دیوان الاوقاف، ۱۳۹۱ھ) ص ۱۱۰۔ ۱۱۱---- السیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، تحقیق عبدالوہاب عبداللطیف ط: ۲ (مصر، مطبعتہ السعادۃ ۱۳۸۵ھ) ج ۲، ص ۴۴۔ ۵۱--- محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی، توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید (مصر، مطبع السعادہ، ۱۳۶۶ھ) ج ۱، ص ۳۲۹۔

(۱۳۸) عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ، عیون الاخبار (القاہرہ، مطبع دارالکتب المصریہ ۱۳۴۶ھ) ج ۲، ص ۱۳۰۔

(۱۳۹) ابوالطیب عبدالواحد اللغوی، مراتب النحویین تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، القاہرہ، مکتبہ نہضہ (مصر، ۱۳۷۵ھ) ص ۸۵۔

(۱۳۰) ایضاً، ص ۹۸۔

(۱۳۱) السمعانی، ج ۱، ص ۴۱۳۔

(۱۳۲) ایضاً۔

(۱۳۳) القفطی، ج ۱، ص ۱۳۸۔

(۱۳۴) محمد بن الحسن الزبیدی، طبقات النحویین واللغویین، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم (مصر، محمد سامی امین الخانجی، ۱۳۷۳ھ) ص ۱۶۶--- القفطی، ج ۱، ص ۱۳۸--- یاقوت، ج ۲، ص ۱۴۴-۱۴۵۔

(۱۳۵) السمعانی، ج ۱، ص ۳۵۴۔

(۱۳۶) الخطیب، ج ۳، ص ۱۸۲--- کمال الدین عبدالرحمٰن ابن الانباری، نزہتہ الالباء فی طبقات الادباء، تحقیق ابراہیم السامرائی، (بغداد، مطبعہ المعارف، ۱۹۵۹ء) ص ۱۸۷--- ابوالحسن محمد ابن ابی یعلیٰ، طبقات الحنابلہ، بتصحیح محمد حامد الفقی (القاہرہ، مطبعہ السنہ المحمدیہ، ۱۳۷۱ھ) ج ۲، ص ۷۰۔

(۱۳۷) الخطیب، ج ۳، ص ۶--- یاقوت، ج ۷، ص ۵۷--- محمد بن محمد ابن سید الناس الیعمری الاندلسی، عیون الاثر فی المغازی والشمائل والسیر، القاہرہ، مکتبہ القدسی، ۱۳۵۶ھ ج ۱، ص ۱۸۔

(۱۳۸) ابوالطیب اللغوی، ص ۴۹-۵۰۔

(۱۳۹) الزبیدی، ص ۵۳--- یاقوت، ج ۷، ص ۲۱۹۰---- القفطی، ج ۳، ص ۳۴۹---- ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۶۱--- احمد بن علی الدلجی، الفلاکتہ والمفلوکون (النجف، مطبعہ الاداب، ۱۳۸۵ھ) ص ۸۷۔

(۱۵۰) احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۲۴۵---- زکریا بن محمد الانصاری، فتح الباقی علی الفیتہ العراقی، تحقیق محمد بن الحسین العراقی طبع مع شرح الفیتہ العراقی السماۃ بالتبصرہ والتذکرہ -(فاس، المطبعہ الجدیدہ، ۱۳۵۴ھ) ج ۱، ص ۳۳۔

(۱۵۱) السمعانی، ج ۲، ص ۲۵۳۔

(۱۵۲) یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۴۴۰۔

(۱۵۳) السمعانی، ج ۲، ص ۲۵۳۔

(۱۵۴) الذہبی، ج ۳، ص ۷۸۰---- احمد تیمور پاشا، المذاہب الفقہیہ الاربعہ الحنفی، المالکی، الشافعی، الحنبلی و انتشارھا عند جمہور المسلمین مع دراستہ تحلیلیتہ لمحمد ابی زہرۃ

(القاہرہ، لجنتہ نشر المولفات التیموریہ، ب، ت) ص ۶۵، ۸۲، ۸۳۔

(۱۵۵) محمد بن حبان البستی، کتاب مشاہیر علماء الامصار، تحقیق فلا یشمر، (القاہرہ، مطبعہ لجنتہ التالیف والترجمتہ والنشر، ۱۳۷۹ھ) ص ۱---- ابو اسحاق ابراہیم الشیرازی، طبقات الفقہاء تحقیق احسان عباس (بیروت دارالرائد العربی ۱۹۷۰ء) ص ۳۱۔

(۱۵۶) ابوالطیب ص ۳، الزبیدی مقدمتہ المحقق ص ۳۔

(۱۵۷) الذہبی، العبر، ج ۱، ص ۲----- عبدالحی بن احمد بن العماد، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب (القاہرہ، مکتبتہ القدسی، ۱۳۵۰ھ) ج ۱، ص ۸--- علی المسعودی، مروج الذہب و معادن الجوہر تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، ط:۳ (مصر، مطبعہ السعادہ ۱۳۷۷ھ) ج ۱، ص ۱۷۔

(۱۵۴) الثعالبی، یتیمتہ الدہر فی محاسن اہل العصر، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید (القاہرہ، مطبعہ حجازی، ۱۳۶۶ھ) ج ۱، ص ۴--۹۔

(۱۵۹) السمعانی، ج ۱، ص ۴۔

(۱۶۰) عبدالرزاق بن احمد ابن الفوطی، تلخیص مجمع الاداب فی معجم الالقاب، تحقیق مصطفیٰ جواد (دمشق، المطبعہ الہاشمیتہ، ۱۹۶۳ء)۔

(۱۶۱) الخطیب، ج ۱۴، ص ۳۶۲۔

(۱۶۲) ابن الاثیر، ج ۱، ص ۴---- ابوالقاسم الحسن بن بشر بن یحییٰ الآمدی، المئوتلف و المختلف تحقیق عبدالستار احمد فراج (القاہرہ، عیسیٰ البابی الحلبی ۱۳۸۱ھ) ص ۳---- ابن خلکان، وفیات الاعیان، تحقیق احسان عباس (بیروت، دارالثقافتہ، ۱۹۶۹ء) ج ۵، ص ۳۴۵۔

(۱۶۳) السمعانی، ج ۱، ص ۶۹۔

(۱۶۴) یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۵۱۔

(۱۶۵) ایضاً، ج ۱، ص ۱۸۱۔

(۱۶۶) السمعانی، ج ۱، ص ۸۲۔

(۱۶۷) ایضاً، ج ۱، ص ۸۲۔

(۱۶۸) امتیاز علی عرشی، سمعانی اور ان کی کتاب "الانساب" مقالات عرشی (لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء) ص ۲۳۸۔

(۱۶۹) احمد بن علی القلقشندی، کتاب صبح الاعشیٰ فی صناعتہ الانشاء، (القاہرہ، دارالکتب المصریتہ، ۱۳۳۱ھ) ج ا ص ۴۶۶۔

(۱۷۰) الخطیب، ج ۳، ص ۵---- یاقوت، ج ۷، ص ۵۸۔

(۱۷۱) ابن الندیم، ص ۱۶۹، ۲۰۵، ۳۸۲---- یاقوت، ج ۵، ص ۶۶، ۱۵۹۔

(۱۷۲) ابن الندیم، ص ۶۰۔

(۱۷۳) القزوینی، ص ۳۸۷۔

(۱۷۴) الثعالبی، فقہ اللغتہ، ص ۹---- ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۱۱۳۔

(۱۷۵) ابن الندیم، ص ۳۸۲۔

(۱۷۶) ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب تحقیق عبدالسلام محمد ہارون (مصر، دار المعارف ۱۳۸۲ھ) ص ۱۰۰۔

(۱۷۷) ابن الندیم، ص ۱۵۴---- یاقوت، ج ۵، ص ۶۶۔

(۱۷۸) المقریزی، ج ۲، ص ۳۴۲۔

(۱۷۹) مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، (استانبول، مطبعہ المعارف، ۱۳۶۰ھ) ج ۱، ص ۶۸۳۔

(۱۸۰) علی بن زید البیہقی، کتاب تتمہ صوان الحکمہ تحقیق محمد شفیع (لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۳۵۱ھ) ص ۴۴، ۵۶، ۱۲۸۔

(۱۸۱) ایضاً، ص ۴۳۔

(۱۸۲) ابن تغری بروی، ج ۶ ص ۱۳۲

(۱۸۳) السمعانی، ج ۵ ص ۵۴۔

(۱۸۴) المقریزی، ج ۱، ص ۳۵۸۔

(۱۸۵) ابن خلدون، ج ۴، ص ۷۹۔

---

(١٨٦) ابن ابی اصیبعة، ص ٥٦٠ (المبشر بن فاتك)، بیروت، مکتبة الحیاة، ١٩٩٦م

(١٨٧) الذهبی، ج ٤، ص ١٢٦٥ (١٠٦٧) ابونعیم عبید الله بن الحسن الاصبهانی المتوفی ٥١٧ هـ

(١٨٨) ابن تغری بردی، ج ٤ ص ١٦٦، نصر الطوسی العطار المتوفی ٣٨٤هـ

(١٨٩) ابن الاثیر، ج ٩ ص ١١٠، الصاحب بن عبّاد المتوفی ٣٨٥هـ

(١٩٠) ابن الجوزی ج ٧ ص ١٧٦ (٢٨٣) محمد بن العباس المعروف بابن الفرات المتوفی ٣٨٤ هـ

(١٩١) ایضاً، ج ٧ ص ١٨٠ (٢٨٩) الصاحب بن عباد المتوفی ٣٨٥ هـ

(١٩٢) ابن کثیر، ج١٢ ص٣٦، (البرقانی المتوفی ٤٢٥هـ)

(١٩٣) ابن الجوزی، ج١٠، ص١٢٢ (١٧٨) عبد اللّٰه بن علی المقری المتوفی ٥٤١هـ

(١٩٤) الذهبی، العبر، ج ٣ص٥٩، عبداللّٰه بن منده المتوفی ٣٦٥هـ

(١٩٥) ابن الجوزی، ج ٩ ص ٢١٦ (٣٩٤)ابوسعدمبارك بن علی المخرمی المتوفی ٥١٣هـ

(١٩٦) الصفدی، ج ١٧، ص ٥ (١) ابو الحکیم الحیری عبد اللّٰه بن ابراهیم المتوفی٤٧٦هـ

(١٩٧) الذهبی، ج٤ ص ١٣٣٨ (١٠٩٦) محمد بن الحسین الزاغولی المتوفی ٥٩٩ هـ

(١٩٨) ایضاً، ج٣ ص ١٠١٥ (٩٤٦) محمد بن العباس المعروف بابن الفرات المتوفی ٣٨٤ هـ

(١٩٩) ابن الندیم، ص ٦١ و ٢٥٢، (ابن ابی بعرة و حسن بن موسیٰ نو بختی)

(٢٠٠) ایضاً، ص ٢١٥ (ابو بکر الصولی)

(٢٠١) خلف بن عبد الملك المعروف بابن بشکوال، کتاب الصلة، القاهرة، الدار المصریة للتالیف والترجمة، ١٩٦٦م، ج ١ ص ١٥٣ - اردو دائرۂ معارف اسلامیة، ج ١ ص ٦٣٢

(٢٠٢) یاقوت، ج ٢ ص ١٩٦ (مرهف بن اسامة)

(٢٠٣) ایضاً،

(٢٠٤) الذهبی، ج ٢ ص ١١٩٢ (١٠٢٩) ابراهیم بن سعید الحبال المتوفی ٤٨٢هـ

(٢٠٥) ابن کثیر، ج ١٢ ص ١٥٠، ابو یوسف القزوینی المتوفی ٤٨٨ هـ

(٢٠٦) ابن الجوزی، ج ٩ ص ١٢١، سعد الخیر المغربی المتوفی ٥٤١ هـ

(٢٠٧) ابن ابی اصیبعة، ص ٦٩٦ (عمران بن صدقة ٥٩٠-٦٣٧ هـ)

(٢٠٨) ابن الجوزی، ج ٩ ص ٧٨ (٤١٤٢) سلیمان بن ابراهیم الاصبهانی المتوفی ٤٨٦ هـ

(٢٠٩) الذهبی، ج ٤ ص ١٣٣٠ (١٠٩٤) علی بن الحسن المعروف بابن عساکر

المتوفی ٥٧١ هـ

(٢١٠) ابن الجوزی، ج ٧ ص ١٧٦ (٢٨٣) ابن الفرات المتوفی ٣٨٤ هـ والسمعانی، ج ١ ص ١٤٣ (الاسفرائنی)

(٢١١) ایضاً، ج ١٠، ص ٢٢١ (٣١٠) علی بن ابی سعد الخبازالازجی المتوفی ٥٦٢ هـ

(٢١٢) الذهبی، ج ٤، ص ٤٠٥ (١١٢٩) محمد بن عبد الواحد الضیاء المتوفی ٦٤٣ هـ

(٢١٣) ایضاً، ص ١٢٩٩ (١٠٨٢) ابو طاهر السلفی (٤٧٢-٥٧٢ هـ)

(٢١٤) ابن ابی اصیبعه، ص ٢٨٤، احمد بن محمد المعروف بابن مدبر الکاتب (مکتبة الحیاة)

(٢١٥) ایضاً، ص٢٨٤، عبد الملك الزیات، (مکتبة الحیاة)

(٢١٦) ایضاً، ص ٢٨٣، (علی المعروف بالفیوم) (مکتبة الحیاة)

(٢١٧) ایضاً، ص ٧٢٥، امین الدوله کمال الدین (مکتبة الحیاة)

(٢١٨) ایضاً، ص ٦٥٥، مؤفق الدین ابن مطران، (مکتبة الحیاة)

(٢١٩) الخطیب، ج ١١ ص ٨٤٨ (٦٣٤٨) علی بن عاصم الصدیقی (١٠٨-٢٠١ هـ)

(٢٢٠) ابن الجوزی، ج ٦ ص ٣٥٩ (٥٨٢) ابو بکر محمد بن یحی الصولی المتوفی ٣٣٦ هـ

(٢٢١) ابن ابی اصیبعة، ص ٢٨٣ (ثادرس الاسقف)

(٢٢٢) ایضاً، ص ٢٨٣، (عیسی بن یونس الکاتب الحاسب)

(٢٢٣) ایضاً، ص ٢٨٤ (عبد اللّٰه بن اسحاق)

(٢٢٤) ایضاً ...... (ابراهیم بن محمد بن موسیٰ الکاتب)

(٢٢٥) ایضاً ص ١٦٠ (ابو حسان حسن الزیادی المتوفی ٢٤٣ هـ)
یاقوت ج٢ ص ١٦٥ الزیادی

(٢٢٦) ابن ندیم، ص ٤١٦ (ابو بکر محمد بن زکریا الرازی)

(٢٢٧) ابن ابی اصیبعة، ص ٦٨٣ (موفق الدین عبد اللطیف)

(٢٢٨) ایضاً، ص ٦٨٣ موفق الدین، ص ٦٥٥ (موفق الدین بن المطران)

(٢٢٩) ابن الندیم، ص ١٦٩ (الفتح بن خاقان)

(٢٣٠) ایضاً،

(٢٣١) ایضاً،

(٢٣٢) یاقوت، معجم البلدان، ج ٢ ص ٢٣٧، ٢٣٨ (حربی) ابو الحسن علی بن رشید الحربوی المتوفی ٦٠٥ ھ

(٢٣٣) یاقوت، ج ٣ ص ٢٠٩ (الحسن بن محمد بن حمدون)

(٢٣٤) ابن ابی اصیبعة، ج ٢ ص ١٧٦، و الذهبی، ج ٤ ص ١٣٠٣ (١٠٨٢) السلفی (کان السلفی مغریاً بجمع الکتب)

(٢٣٥) ابن الندیم، ص ٨٣ - اخبار الاثرم

(٢٣٦) یاقوت، ج ٢، ص ٨٩ (مسکویه)

(٢٣٧) یاقوت، ج ٣، ص ٢١٠ حسن بن محمد بن حمدون

(٢٣٨) الذهبی، ج ٤، ص ١٤١٥ (١١٣٤) مؤرخ عراق محمد بن سعید الدبیثی المتوفی ٦٣٧ ھ

(٢٣٩) القرشی، ج ١، ص ٨٦ (١٥٩) ابو اللیث احمد بن عمر، والذهبی ج ٤، ص ١٤٠١ (١١٢٦) ابو الفتح محمد بن عبد الغنی المقدسی المتوفی ٦١٣ ھ

(٢٤٠) الذهبی، ج ٤، ص ١٤٢٤ (١١٣٧) محمد بن یوسف البرزالی المتوفی ٦٣٦ھ

(٢٤١) ابن الندیم ص ١٠٢ (اخبار ابی عمرو الشیبانی)

(٢٤٢) ایضاً، ص ٢٥١ (حسن بن موسی نوبختی)

(٢٤٣) ابن ابی اصیبعة، ص ٦٥٥ (موفق الدین بن المطران)

(٢٤٤) الخطیب، ج ٦، ص ٣٤٠ (٣٣٨٠) صاحب الاغانی، اسحاق بن ابراهیم الموصلی المتوفی ٣٣٥ ھ

(٢٤٥) ابن الجوزی، ج ٨، ص ٢٨٨، (٣٤٠) عبد العزیز بن احمد الکتانی المتوفی ٤٦٦ ھ

(٢٤٦) الصفدی، ج ٨، ص ٢٣٢ (٣٦٧٢) ابو المعالی علی بن احمد البیع المتوفی ٦٠٢ ھ

(٢٤٧) الذهبی، ج ٤، ص ١٣٦١ (١١٠٥) علی بن احمد الطوسی الزیدی (٥٢٩-٥٧٥ ھ)

(٢٤٨) ایضاً، ص١٢٣٦ (١٠٥٠) ابو مسلم عمر بن علی بن احمداللیثی

المتوفی٤٦٦ هـ

(٢٤٩) ابن الندیم، ص ١٨٥ (محمد بن داؤد ابن الجراح)

(٢٥٠) الذهبی، ج ٤، ص ١٣٤٢ (١٠٩٨) – له، العبر، ج٤، ص ٢٩٨، عبد الرحمٰن بن الجوزی المتوفی ٥٩٧ هـ

(٢٥١) الذهبی، ج ٤، ص١٣٧٣ (١١١٢) عبد الغنی المقدسی المتوفی ٦٠٠ هـ

(٢٥٢) ایضاً، ج ٤، ص ١٤٠٤ (١١٢٨) اسماعیل بن عبد اللّٰه المعروف بابن الانماطی المتوفی ٦١٧ هـ

(٢٥٣) یاقوت، ج ٣، ص ٢١١ (حسن بن محمد بن حمدون)

(٢٥٤) الذهبی، ج ٤، ص ١٢٥٢ (١٠٥٣) ابو نصر محمود بن الفضل الصباغ المتوفی ٥١٣ هـ

(٢٥٥) ایضاً، ج ٤، ص ١٤٠٨ (١٠٣١) ابو موسی عبد اللّٰه بن عبد الغنی المقدسی المتوفی ٦٢٩ هـ

(٢٥٦) ایضاً، ج ٤، ص ١٢٨٢، ١٢٨٣ (١٠٧٦) عبد الوهاب الانماطی المتوفی ٥٣٨ هـ

(٢٥٧) ایضاً، العبر، ج ٣، ص ١٠٧، ابو سعد المالینی المتوفی ٤١٢ هـ

(٢٥٨) ایضاً، ج ٤، ص ١٤٠١ (١١٢٦) العز بن الحافظ عبد الغنی القدسی المتوفی ٦١٣ هـ

(٢٥٩) ایضاً، میزان الاعتدال، ج ٣، ص ٤٧٩ (٧٢١٣) محمد بن اسحاق بن منده المتوفی ٣٩٥ هـ

(٢٦٠) ابن الندیم، ص١٠٢، (اخبار ابی عمرو الشیبانی)

(٢٦١) ابن تغری بردی، ج ٢، ص ٧٧، عبد اللّٰه بن لهیعة المتوفی ١٤٧ هـ

(٢٦٢) حسن بن بشر الآمودی، الموازنة بین شعر ابی تمام والبحتری، تحقیق احمد الصقر، مصر، دار المعارف ١٣٨٠هـ، ج ١ ص ٢٢

(٢٦٣) الذهبی، ج٤، ص ١٢٣٥ (١٠٥٠) عمر بن علی ابو مسلم اللیثی المتوفی ٤٦٦ هـ

(٢٦٤) ایضاً، ج ٤، ص ١٣١٢ (١٠٨٨) محمد بن ابی ابکر ابو طاهر السبحی المتوفی ٥٤٨ هـ

(٢٦٥) ایضاً، ص ١٣٨٤ (١١١٥) عبد العزیز بن محمود المعروف بابن الاخضر

(٢٦٦) ایضاً، ص ١٤١٣ (١١٣٢) محمد بن عبد الغنی المعروف بابن نقطة المتوفی ٣٩٠ هـ

(٢٦٧) ایضاً، ص١٤١١ (١١٣٢) ابو الحجاج یوسف بن خلیل الدمشقی المتوفی ٦٤٨ھ

(٢٦٨) الخطیب، ج ٦، ص ٢٨، (٣٠٥٩) اسحاق بن ابراھیم الحربی المتوفی ٢٨٥ھ - القفطی، ج ٢ ص ٦٤ (٢٨٢) ابو حاتم سھل بن محمد السجستانی المتوفی ٢٥٥ھ - ابن الجوزی، ج ٦، ص ٦٤ (٩٨) محمد بن نصر المروزی المتوفی ٢٩٤ ھ - و ج ٦، ص ١٩٩، ابو العباس محمد بن اسحاق السراج المتوفی ٣١١ھ

(٢٦٩) ابن الجوزی، ج ٦، ص ٣٥٧، ٣٥٨ (٥٣٦) احمد بن جعفر المعروف بابن المنادی المتوفی ٣٣٦ھ - و ج ٦، ص ٣٦٤ (٥٤٩) علی بن حمشاد النیسابوری المتوفی ٣٣٨ ھ - الذھبی ج ٤، ص ١٣٤٤ (١٠٩٨) عبد الرحمٰن بن الجوزی

(٢٧٠) ابن الندیم ص ١٦٩، فتح بن خاقان

(٢٧١) ایضاً،

(٢٧٢) ابن حجر، لسان المیزان، ج ٤، ص ١١ (٢٤) عبد السلام بن یوسف القزوینی (٣٩٣ - ٤٨٨ ھ)

(٢٧٣) الخطیب، ج ٢، ص١٧٦، محمد بن الحسن الشیبانی المتوفی ١٨٩ ھ، ابن تغری بردی، ج ٢، ص ١٣١- الصفدی، ج ٢، ص ٣٣٣ (٧٨٢) الذھبی، العبر، ج ١، ص ٣٠٣ - وله مناقب الامام ابی حنیفه وصاحبیه، مصر، دارالکتاب العربی، ص ٥٧

(٢٧٤) ابن عبد البر، الانتقاء، ص ٦٩ (محمد بن ادریس الشافعی)

(٢٧٥) ایضاً، ص ١٧٤ (محمد بن الحسن الشیبانی)

(٢٧٦) الذھبی، ج ٣، ص ٨٤٠ (٨٢٠) ابن عقده، (٢٤٩-٣٣٢)

(٢٧٧) الخطیب، ج٣ص، ٦(٩٣٩) الواقدی المتوفی ٢٠٧ھ

(٢٧٨) ابن الجوزی، ج٦ص ٣٧٠(٩٠٨)محمد بن احمد مصری المتوفی ٣٤٠ھ

(٢٧٩) ایضاً ج١٠ ص١١٣(١٥٩)عبداللہ بن احمدابوالمعالی البزار (٤٦١-٥٣٩ھ)

(٢٨٠) الخطیب، ج٥ص٨٢(٢٤٧٠)ابوبکر احمد بن محمد الخزاز المتوفی ٣٨١ھ
ابن الجوزی ج٧ص ١٦٥(٢٦٠) - الصفدی، ج٨ ص ٨٠ (٣٥٠٦)
ابن الجوزی، ج ٥ ص ٤٣ (٩٤) یعقوب بن شیبہ المتوفی ۲۹۲ھ کی المسند کی نقل پر دس ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔

(٢٨١) الذهبی، مناقب الامام ابی حنیفة وصاحبیه، ص ٥١

(٢٨٢) الصفدی، ج٨ ص١٦ (٣٤١٩) ابن الطحان الستینی الدمشقی المتوفی ٤١٧ هـ

(٢٨٣) یاقوت، ج٢ ص١٩٦ (اسامة بن مرشد)

(٢٨٤) ابن الجوزی، ج ٨ ص ١٤٤ - ابن کثیر، ج٤ ص ٩ محمد بن علی الصوری المتوفی ٤٤١ هـ

(٢٨٥) ابن الجوزی، ج ٧ ص ١٧٧ حافظ محمد بن العباس بن الفرات المتوفی ٣٤٨ هـ

(٢٨٦) القفطی، ج ٢ ص ٦٤ (٢٨٢) ابو حاتم السجستانی المتوفی ٣٥٥ هـ، الخطیب، ج ٦ ص ٣٣ (٣٥٩) ابراهیم بن اسحاق الحربی

(٢٨٧) یاقوت، ج ٥ ص ٨١ (٣٦) علی بن احمد الدریدی - و ج ٢ ص ١٤٤ (احمد بن یحی ثعلب)

(٢٨٨) ابن الجوزی، ج ٥ ص ٤٣ (٩٤) یعقوب بن شیبة المتوفی ٢٩٢ هـ

(٢٨٩) الذهبی، ج ٤ ص ١٣٤٤ (١٠٩٨) عبد الرحمٰن بن الجوزی المتوفی ٥٩٧ هـ

(٢٩٠) ابن الجوزی، ج ٨ ص ٢١٦ ابو الحسن محمد بن هلال الصابی المتوفی ٤٥٢ هـ - و ج ٨ ص ٢٣٩ (حوادث ٤٥٧ هـ) - و ج ٨ ص ٢٦٩ و ج ١٠، ص ٥٢ (ثابت بن منصور المتوفی ٥٢٩ هـ) - و ج ٩ ص ١١٩ یحی بن عیسیٰ بن جزلة المتوفی ٤٩٣ هـ - و ج ١٠ ص ٢٦٧ علی بن عساکر ابو الحسن البطایحی المقری المتوفی ٥٧٢ هـ

(٢٩١) السمعانی، ج ٣ ص ٣٠٢ (السمعانی) - یاقوت، معجم البلدان، ج ٥ ص ١١٤ (مرو) - ابن الجوزی، ج ٥ ص ٨٩، احمد بن سعد الزهری المتوفی ٢٧٣ هـ

(٢٩٢) ابن الجوزی، ج ٦ ص ٣٥٦ (٥٧٥) هارون بن محمد البغدادی المتوفی ٣٣٥ هـ - ابن الاثیر، ج ١٠ ص ١٤١ - ابن الجوزی، ج ٦ ص ٢٨٨ (٤٥٤) محمد بن الفضل بن عبد الله التمیمی المتوفی ٣٢٤ هـ

(٢٩٣) الذهبی، ج ٤ ص ١٢٢٣ (١٠٤٣) طاهر النیسابوری، المتوفی ٤٨٢ هـ

(٢٩٤) الخطیب، ج ٣ ص ١٢٣ (١١٤٠) محمد بن العباس بن احمد المعروف

بابن الفرات المتوفى ٣٨٤هـ - الصفدى، ج ٣ ص ١٩٦ (١١٧١)

(٢٩٥) ابن الجوزى، ج ٦، ص ٢٧٥ (٤٢٦) ابو محمد يعقوب بن صالح السيرافى المتوفى ٣٢٢هـ

(٢٩٦) ابن الجوزى، ج ٧ ص ١٨٣ (٢٩٢) عمر بن احمد المعروف بابن شاهين المتوفى ٣٨٥هـ

(٢٩٧) الخطيب، ج ١١ ص ٤٤٨ (١٣٤٨) على بن عاصم الصديقى

(٢٩٨) ياقوت، ج ٥ ص ٨١ (على بن احمد الدريدى)

(٢٩٩) الذهبى، ج ٤ ص ١٣٢٤ - ١٣٢٥ (١٠٩٣) ابو العلاء حسن بن احمد الهمدانى المتوفى ٥٦٩هـ

(٣٠٠) ياقوت، ج٥ص٣٨٩، عمرو بن العلاء (ابو حيان التوحيدى)

(٣٠١) ايضاً، معجم البلدان ج٤ص٤٩٤، محمد بن العلاء بن كريب الهمدانى الكوفى المتوفى٢٤٣هـ

(٣٠٢) ياقوت، ج٥، ص٣٨٦(١٣٩)على بن محمد التوحيدى

(٣٠٣) الذهبى، ج١ص٥(١) (ابوبكر الصديق)

(٣٠٤) ايضا،ج١، ص٢٣٩(٢٢٤)عبداللهبن لهيعة المتوفى٣٥٥هـ احترقت داره وكتبه- ابن الجوزى، ج ٦ ص ٣٤٦ (٥٦١) ابو قاسم عمر بن الحسين الخرقى المتوفى ٣٣٤هـ، - و ج ٦، ص ٣٨٣ (٦٣٩) محمد بن على المادرانى المتوفى ٣٧٥هـ - ابن الجوزى، ج ٦، ص٣٤٦ (٥٦١) ابوالقاسم عمربن الحسين الخرقى المتوفى ٣٣٤هـ - و ج ٦، ص٣٨٣ (٦٣٩) محمدبن على المادرانى المتوفى٣٧٥هـ، و، ج٨ ص٢١٥ (حوادث٤٥٢هـ) و، ج٨ ،ص٢٦٩ (٣١٢) ابوبكر احمد بن على الخطيب البغدادى المتوفى ٤٦٣هـ - ابن الجوزى ج٧ ص٩٣ (١١٩) احمدبن جعفر القطيفى المتوفى ٣٦٨هـ - وص٢٠٤ (٤٤١) احمدبن محمد البزار المتوفى ٤٠٧هـ - ياقوت ،ج٤ ٥ ص٣٨٩ داودالطائى (ابوحبان التوحيدى)

(٣٠٥) ياقوت، ج٤، ص٢٦٣ (١٤٠) شمربن حمدويه المتوفى٢٥٥هـ، وص٢١٦(١٤٣)ابوالعلاء صاعد بن الحسن البغدادى المتوفى ٣٩٦هـ

(٣٠٦) جميعة دائرة المعارف العثمانية، المباحث العلمية من المقالات السنية، حيدر

آباد الدکن، مطبعة دائرة المعارف العثمانية، ۱۳۵۸ ھ - و ص ۱۸۰-۱۸۱، الامام الثوری و کتابه فی التفسیر للعرشی

(۳۰۷) یاقوت، ج ۵ ص ۳۸۹ یوسف بن اسباط (ابوحبان التوحیدی)

(۳۰۸) ایضاً، (سفیان ثوری)

(۳۰۹) ابن الندیم، ص ۲۹۰ (احمد بن عمرو الشیبانی الخصاف) القرشی، ج ۱ ص ۸۸

(۳۱۰) عبد الواحد المراکشی، المعجب فی تلخیص اخبار المغرب، تحقیق محمد سعید الاربان القاهرة، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامية، ۱۳۸۳ھ، ص ۳۸۵

(۳۱۱) عیاض بن موسی الیحصبی، الالماع الی معرفة اصول الروایة وتقیید السماع، تحقیق احمد الصقر، دارالتراث ۱۳۸۹ ھ، ص ۱۳۵

(۳۱۲) الذهبی، ج ۳ ص ۷۸۰ (۷۷۲) ابو عوانة یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی النیسابوری المتوفی ۳۱٦ ھ

(۳۱۳) ابن الجوزی، ج ۹ ص ۹ محمد بن احمد الانباری الخطیب المتوفی ٤۷٦ھ

(۳۱۴) حسن ابراہیم حسن' تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ فی المغرب و مصر و سوریۃ و بلاد العرب' ط:۳ (القاہرہ مکتبۃ النہضۃ المصریہ' ۱۹۵۸ء) ص ۴۳۱-

(۳۱۵) ابن الجوزی' ج ۷' ص ۱۷۲' ج ۸' ص ۲۳---- ابن کثیر' ج ۱۱' ص ۳۱۲ مصطفیٰ جواد و احمد سوسہ' دلیل خارطہ بغداد المفصل فی خطط بغداد قدیما و حدیثاً (بغداد' مطبعہ المجمع العلمی العراقی' ۱۳۷۸ھ) ص ۱۳۶-

(۳۱۶) ابن الجوزی' ج ۸' ص ۲۱۶-

(۳۱۷) ایضاً' ج ۱۰' ص ۵۲---- ابن رجب' ج ۲' ص ۱۸۶-۱۸۷---- ابن العماد' ج ۴' ص ۹۳---- العلیمی' ج ۲' ص ۲۴۳-

(۳۱۸) المقریزی' ج ۲' ص ۲۶۷---- ابن العماد' ج ۴' ص ۳۲۵-

(۳۱۹) ابن الندیم' ص ۱۵۴-

(۳۲۰) الصولی‘ ص ۴۰---- سبط ابن الجوزی‘ ج ۸‘ ق ۲‘ ص ۷۳۹---- عواد‘ ص ۱۱۶۔

(۳۲۱) سبط ابن الجوزی‘ ج ۸‘ ق ۱‘ ص ۳۲۱ـ۳۲۲-- ابن کثیر‘ ج ۱۳‘ ص ۶---- ابن الاثیر‘ ج ۱۲‘ ص ۱۰۴---- ابن تغری بردی‘ ج ۶‘ ص ۱۳۲---- عواد‘ ص ۱۸۹---- مصطفیٰ جواد‘ ص ۱۸۵۔

(۳۲۲) ابن الفوطی‘ الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی الماۃ السابعہ (بغداد‘ المکتبۃ العربیۃ‘ ۱۳۵۱ھ) ص ۵۴--- عواد‘ ص ۱۳۲۔

(۳۲۳) البیہقی‘ ص ۶۲ـ ۶۳------ علی بن بسام الشنترینی‘ الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ (القاہرہ‘ مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر‘ ۱۳۵۸ھ) ج ۱‘ ق‘ ص ۱۴۲۔

(۳۲۴) الخطیب‘ ج ۴‘ ص ۱۷۸---- ابن عبدالبر‘ ص ۶۹---- عمر بن علی الجعدی‘ طبقات فقہاء الیمن‘ تحقیق فواد سید (القاہرہ‘ مطبعہ السنۃ المحمدیۃ‘ ۱۹۵۷ء) ۱۳۸---- یاقوت‘ ج ۶‘ ص ۳۷۳--- الذہبی‘ ج ۱‘ ص ۶۲----- ابن حجر‘ توالی التاسیس (مصر‘ المطبعۃ المیریہ ۱۳۰۱ھ) ص ۵۴---- عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی‘ آداب الشافعی و مناقبہ تحقیق عبدالغنی عبدالخالق (القاہرہ‘ عزت العطار‘ الحسینی ۱۳۷۲ھ) ص ۵۲۔

(۳۲۵) ابن الندیم‘ ص ۶۱۔

(۳۲۶) الخطیب‘ ج ۱۰‘ ص ۳۳۰ـ۳۳۱---- ابن حجر‘ ج ۷‘ ص ۳۳۔

(۳۲۷) ابن الندیم‘ ص ۲۵۱------ حسن بن موسیٰ النوبختی‘ فرق الشیعہ تحقیق ہ‘ ریتر (استنبول‘ مطبعۃ الدولۃ‘ ۱۹۳۱ء) (مقدمہ ہبۃ الدین الحسینی) ص ۲۰۔

(۳۲۸) حاجی خلیفہ ج ۱‘ ص ۶۹۱‘ العیدی ص ۱۲ـ ۱۳۔

(۳۲۹) حاجی خلیفہ ج ۱ ص‘ ۶۹۱---- ناصر الدین کرمانی‘ نسائم الاسحار من لطائم الاخبار در تاریخ وزراء‘ تحقیق جلال الدین حسینی ارموی‘ (طہران‘ چاپخانہ‘ دانشگاہ ۱۹۵۹ء) ص ۷۹۔

(۳۳۰) ابن الندیم‘ ص ۲۰۵--- یاقوت‘ ج ۶‘ ص ۱۱۶ـ ۱۱۷---- ابن کثیر‘ ج ۱۲‘ ص ۱۳۴۔

(۳۳۱) الصفدی‘ ج ۸‘ ص ۲۳۲------ المنذری‘ ج ۳‘ ص ۱۶۹---- الذہبی‘ ج ۴‘ ص ۱۳۸۶‘ ۱۳۴۷ (لہ) العبر‘ ج ۵‘ ص ۲۷۳---- ابن رجب‘ ج ۲‘ ص ۴۰---- موسیٰ بن محمد الیونینی‘ ذیل مرآۃ الزمان‘ (حیدر آباد الدکن‘ مطبعہ مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ‘ ۱۳۷۵ھ) ج ۲ ص ۳۲۶---- یاقوت‘ معجم البلدان‘ ج ۱ ص ۵۳۴۔

(۳۳۲) یاقوت، ج ۳، ص ۲۱۰۔

(۳۲۳) ایضاً۔

(۳۳۴) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۶۳۷--- یاقوت، ج ۳، ص ۱۵۰--- ابو شامہ، ص ۷۹۔

(۳۳۵) یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۵۳۴۔

(۳۳۶) ابن الندیم، ص ۶۱۔

(۳۳۷) ابن الندیم، ص ۶۱۔

(۳۳۸) ایضاً۔

(۳۳۹) ایضاً۔

(۳۴۰) ایضاً۔

(۳۴۱) الثعالبی، فقہ للغتہ، ص ۹۔

(۳۴۲) ابن الندیم، ص ۶۱۔

(۳۴۳) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۱۴۔

(۳۴۴) محمد بن حوقل، کتاب صورۃ الارض (بیروت، دار المکتبۃ الحیاۃ، ب ت) ص ۲۵-۲۶۔

(۳۴۵) تھامس ارنلڈ والفرید گیام، میراث اسلام، ترجمہ عبدالمجید سالک (لاہور مجلد ترقی ادب ۱۹۶۰ء) ص ۱۰۷۔

(۳۴۶) الخطیب، ج ۱، ص ۴۵--- یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۴۶۱۔

(۳۴۷) ابو حیان علی بن محمد التوحیدی، مناقب الوزیرین اخلاق الصاحب بن عباد و ابن العمید تحقیق ابراہیم الکیلانی، (دمشق، وا الفکر، ۱۹۶۱ء) ص ۲۹۲۔

(۳۴۸) یاقوت، معجم البلدان ج ۱، ص ۴۶۱۔

(۳۴۹) ایضاً، ص ۴۶۲۔

(۳۵۰) الخطیب، ج ۱، ص ۴۹-۵۰۔

(۳۵۱) ابن حزم و ابن سعید، والشقندی، فضائل الاندلس و اھلھا تحقیق صلاح الدین المنجد (بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۳۴۷ھ) ص ۱۰۔

(۳۵۲) ابو الطیب اللغوی، ص ۱۰۱۔

(۳۵۳) ایضاً ابن حزم فضائل الاندلس ص ۱۰۔

(۳۵۴) السمعانی، ج ۱ ص ۶۳۔

(۳۵۵) الثعالبی، لطائف المعارف، تحقیق ابراہیم الابیاری، حسن کامل الصیرفی (مصر، عیسی البابی، الحلبی، ۱۳۷۹ھ) ص ۱۶۷۔

(۳۵۶) محمد بن سلام الجمعی، طبقات الشعراء (لیڈن، مطبعہ بریل، ۱۹۱۳ء) ص ۵۔

(۳۵۷) النووی، صحیح مسلم بشرح النووی، (القاہرہ، مطبعہ حجازی، ۱۳۲۹ھ) ج ۴، ص ۱۷۴----- محمد عبدالرشید نعمانی، امام ابن ماجہ اور علم حدیث (کراچی، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۳۷۶ھ) ص ۴۳۔

(۳۵۸) محمد مرتضیٰ الزبیدی البلگرامی، تاج العروس من جواہر القاموس (مصر، المطبعہ الخیریہ، ۱۳۰۷ھ) ج ۶، ص ۲۴۰۔

(۳۵۹) الموفق بن احمد المکی، مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ و اکرم و مناقب الامام الاعظم للکردری، (حیدر آباد الدکن، مجلس دائرہ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۱ھ) ج ۱، ص ۱۵۶--- نعمانی، ص ۴۳۔

(۳۶۰) نعمانی، ص ۴۳-۴۴۔

(۳۶۱) الخطیب، ج ۱۲، ص ۳۴۹۔

(۳۶۲) الرامہرمزی، الحدث الفاصل، ص ۵۶۰۔

(۳۶۳) ایضاً، ص ۲۱۵۔

(۳۶۴) یوسف بن احمد یغموی، نور القبس المختصر من المقتبس فی اخبار النحاۃ والادباء و الشعراء والعلماء للمرزبانی، تحقیق ردلف زلھامیم

(جرمنی Frabz.Steiner Verlag Gmbh wiesbaden, 1964

(۳۶۵) یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۳۵۳-۳۵۴۔

(۳۶۶) ابو عبید عبداللہ البکری، معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع تحقیق مصطفیٰ السقا (القاہرہ، مطبعۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۳۶۴ھ) ج ۱، ص ۴۹۰۔

(۳۶۷) حاجی خلیفہ ج ۲۔ ص ۱۷۵۸

(۳۶۸) السبکی، ج ۱، ص ۳۲۵-۳۲۶۔

(۳۶۹) مزی، ج ۱، ص ۲۴۲۔

(۳۷۰) السمعانی، (مطبہ دائرہ المعارف النعمانیہ) ج ۵، ص ۷۱۔

(۳۷۱) عبداللہ واعظ بلخی، فضائل بلخ ترجمہ فارسی عبداللہ بن محمد بلخی، تحشیہ عبدالحی حبیبی، (تہران، چاپخانہ داور پناہ، ۱۳۵۰ھ) ص ۲۹ و ۴۴----- المقدسی، ص ۳۴۔

(۳۷۲) المقدسی ص ۳۴۔

(۳۷۳) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۳۰۷۔

(۳۷۴) محمد بن طاہر المعروف بابن القیسرانی، الانساب المتفقہ (لیدن، ای، جے، بریل، ۱۹۶۸ء) ص ۱۹۔

(۳۷۵) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔

(۳۷۶) السبکی، ج ۱، ص ۳۲۵۔

(۳۷۷) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۱۴۔

(۳۷۸) القفطی، ص ۱۲۸۔

(۳۷۹) اسماعیل محمد ہاشم، المقومات الثقافیہ للمجتمع العربی، (بیروت دارالنہضتہ العربیہ، ۱۹۶۵ء) ص ۸۴۔ ۸۵۔

(۳۸۰) یاقوت، ج ۵، ص ۳۳۱۔ ۳۳۳۔

(۳۸۱) القزوینی، ص ۴۷۳۔

(۳۸۲) السبکی، ج ۱۱، ص ۳۲۴۔

(۳۸۳) السخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ تحقیق فرانز روزنتھال Franz Rosnethal (بغداد، مطبعہ العانی، ۱۹۶۳ھ) ص ۲۹۸۔

(۳۸۴) الحاکم ابو عبداللہ محمد النیشاپوری، تاریخ نیشاپور تلخیص احمد بن محمد المعروف الخلیفتہ النیسابوری (تہران، کتابخانہ ابن سینا، ۱۳۳۷ھ) ص ۱۲۴۔

(۳۸۵) القزوینی، ص ۴۷۴۔

(۳۸۶) السمعانی، ورق ۵۷۶۔

(۳۸۷) السبکی، ج ۱، ص ۳۲۸۔

(۳۸۸) المقدسی، ص ۳۵۔

(۳۸۹) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۳۹۷۔

(۳۹۰) ایضاً، ج ۳، ص ۱۵۸۔

(۳۹۱) المقدسی، ص ۱۹۷----- مز، ج ۱، ص ۱۱۔

(۳۹۲) یاقوت، ج ۳، ص ۲۳۔

(۳۹۳) السمعانی، ورق ۴۲۴۔

(۳۹۴) یاقوت، معجم البلدان، ج ۴، ص ۱۳۔

(۳۹۵) السبکی، عروس الافراح فی شرح تلخیص المفتاح (مصر، مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی، بعد ۱۳۱۰ھ) ج ۱، ص ۵، یہ شروح التلخیص کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

(۳۹۶) السخاوی، الاعلان، (مطبعۃ بغداد) ص ۳۰۰۔

(۳۹۷) یاقوت، ج ۶، ص ۱۵۴۔

(۳۹۸) السبکی، عروس الافراح، ص ۱-۵

(۳۹۹) المقدسی، ص ۲۷۹---- ابن اسحاق ابراہیم الاصطخری المعروف بالکرخی، المسالک والممالک، تحقیق محمد جابر عبدالعالی الحسینی (القاہرہ، وزراء الثقافۃ والارشاد القومی، ۱۳۸۱ھ) ص ۱۰۵-- السمعانی، ورق ۳۱۴۔

(۴۰۰) السمعانی، ج ۳ ص ۳۲۰ (السندی)

(۴۰۱) عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، (کانپور، نامی پریس، ۱۸۹۷ء) ص ۱۳۳۔

(۴۰۲) ایضاً۔

(۴۰۳) اولگاپنٹو، اسلامی کتب خانے (عہد عباسیہ میں) ترجمہ احمد میاں اختر جوناگڑھی (لکھنؤ، الناظر پریس، ۱۹۲۲ء) ص ۱۔

(۴۰۴) محمد ماہر حمادہ المکتبات فی الاسلام نشاء تھا و تطورھا و مصائرھا (بیروت موسسۃ الرسالہ، ۱۹۷۰ء) ص ۶۔

(۴۰۵) موصوف بیروت کے نامور محقق مجمع العلمی دمشق کے ممبر دارالکتب لبنانیہ ----- کے بانی تھے، اخر عمر میں بنیائی جاتی رہی، کمر بھی جھک گئی تھی، ارشاد الاعاریب الی تنسیخ ------ الکتب فی المکاتب جیسی کتابیں موصوف سے یادگار ہیں۔ (خیرالدین الزرکلی، الاعلام قاموس تراجم لاشہر الرجال النساء من العرب والمستعربین والمستشرقین) بیروت دارالعلم

(۴۰۶) شبلی نعمانی، ص ۱۵۲۔

(۴۰۷) محمد زبیر، اسلامی کتب خانے (دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۱ء) ص ۱۱۔

(۴۰۸) ایضاً۔

(۴۰۹) احمد خاں، ”مسلمانوں کے ذوق کتاب داری پر چند تحریرات کا ایک تقابلی جائزہ“ (الحق، ج ۹، شمارہ ۱۲، رمضان ۱۳۹۴ھ) ص ۷-۳۔

(۴۱۰) عواد، ص ۱۸۹–۱۹۰۔

(۴۱۱) حمادہ، ص ۵۔

(۴۱۲) عواد، ص ۱۰۳–۱۲۹، ۱۳۰–۱۷۲، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۸، ۱۸۹۔

(۴۱۳) محمد عبدالرحمن عبید المحلاوی، تسہیل الوصول الی علم الاصول (مصر، مصطفٰی البابی، ۱۳۴۱ھ) ص ۱۰۱–۱۰۶۔

بـاب دوم

فروغِ علم اور کتب خانوں کا اِرتقاء

بابِ اول میں جس کا عنوان تمہید و تعارف تھا‘ اس میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی تھی کہ کتب خانے دورِ تمدن کی پیداوار اور ذہنی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ عہدِ عباسی میں ان کی ترقی‘ کثرتِ و تنوع‘ اقراء کے نور کا فیضان و شاہانِ عباسی کی عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات کا ثمرہ ہیں۔ متذکرہ باب میں کتب خانوں کی اشاعت‘ ان کی نشاندہی کے اسباب‘ شناخت کے اصول‘ مقصدِ مطالعہ‘ انتخابِ موضوع‘ سابقہ مطالعہ‘ ماخذوں کا سرسری جائزہ لیا گیا اور وسعت و طریق کار پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

باب دوم جس کا عنوان فروغِ علم اور کتب خانوں کا ارتقاء ہے‘ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ "فروغِ علم" علم کی اہمیت‘ کُتب خانے کے عناصرِ اربعہ‘ علم‘ کتابت‘ کتاب اور قرأت پر‘ دوسرا حصہ کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیاں‘ ان کے کتب خانے اور قیامِ کتب خانہ کے عوامل و محرکات پر مشتمل ہے۔

باب دوم

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ فروغِ علم اور کتب خانوں کا ارتقاء

☆ کتب خانہ کے عناصرِ اربعہ

☆ علم

☆ کتابت

☆ کتاب

☆ قرأت

(۱) فروغِ علم

علم انسان کے ساتھ خاص ہے بقیہ تمام عادات و اطوار جیسے شجاعت، قوت و شفقت وغیرہ انسان اور تمام حیوانات میں مشترک ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو فرشتوں پر فضیلت دی ہے(۱) گو انسان لوازمِ حیوانیت کھانے پینے، چلنے پھرنے وغیرہ میں حیوانوں کا شریک ہے۔ حیوان سے وہ صرف فکر اور ادراکِ کلیات میں ممتاز ہے۔ ادراکِ کلیات کی قوت فطرت انسانی میں ودیعت کی گئی ہے اس لئے وہ طبعی طور پر علم حاصل کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے، پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے کا خواہش مند رہتا ہے۔ جملہ علوم و فنون اسی غور و فکر کے نتائج و ثمرات ہیں۔ ان کو بقا و دوام کتابت سے حاصل ہوا ہے اس لئے علم و کتابت کو لوازمِ تمدن میں شمار کیا گیا ہے۔

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے، دوسروں تک اپنے ضمیر کی آواز پہنچانے اور دوسروں کی بات کو سمجھنے کے لئے الہامِ الٰہی نے اسے آواز کے استعمال کی طرف رہنمائی کی۔ حروف کے جوڑنے، علیحدہ کرنے، بعض حروف کو بعض حروف سے مخارج و صفات میں ممتاز کرنے کی صلاحیت بخشی تاکہ ان سے کلمات کی ایسی ترکیب حاصل ہو سکے جو ضمیر میں پیدا شدہ معانی کی طرف رہنمائی کر سکیں، گفتگو کا اصل مقصد آسانی سے حاصل ہو سکے، زندگی بامقصد گزر سکے، جب ان حروف کے مرکبات اور جملے مختلف انواع و اقسام پر مرتب ہوئے تو ان سے مختلف زبانیں، مختلف علوم و فنون وجود میں آئے، تمدن میں تنوع و وسعت پیدا ہوئی اور علم و کتابت کو لوازمِ تمدن میں سے سمجھا جانے لگا۔

اقوامِ عالم میں جو لوگ بلند حوصلہ تھے، انہوں نے ان علوم و معارف، نتائج و ثمرات، ایجادات و انکشافات کی اشاعت کا دائرہ جنہیں انہوں نے بہت محنت سے حاصل کیا تھا، حاضرین تک محدود نہیں رکھا بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی ان میں شریک کیا تاکہ عالم کے لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں اور علوم و معارف میں ان افکار کی وجہ سے ترقی کا راستہ کھلے۔ چنانچہ انہوں نے کتابت کے قواعد و ضوابط وضع کئے، جن کے نقوش ہر زمانہ میں متحقق رہے۔ انہی نقوش و کلمات کی ترتیب و ترکیب سے قارئین و ناظرین کے اذہان الفاظ و حروف سے معانی کی طرف منتقل ہوئے اور اسی وضع و ترتیب سے تمام علوم و کتب کا نشو و نما ہوا(۲) اس لئے علم و کتابت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

(ب) علم کی اہمیت

اسلام نے علم کو بہت ہی اونچا مقام عطا کیا ہے۔ جو اس صفت سے آراستہ ہوتا ہے اسے بھی معاشرہ میں ہمیشہ اونچا ہی مقام دیا جاتا ہے۔ قرآن نے کہا ہے:

"یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات واللہ بما تعملون خبیر" (المجادلہ – ۱۱)

"اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا کیا ہوا ہے درجے بلند کرے گا' اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔"

اس لئے قرآن میں رسالت مآب ﷺ کو جن کی ذات ستودہ صفات سرچشمۂ علوم و فنون تھی علم و تحقیق ہی میں فراوانی کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا تھا "قل رب زدنی علما" (۱۱۴– طٰہٰ) "آپ کہا کیجئے' الٰہا! میرے علم و تحقیق میں فراوانی و اضافہ فرما۔"

امام بخاری نے انہی دو آیتوں سے علم کی فضیلت کو ثابت کیا ہے (۵) اور امام موصوف نے "صحیح البخاری" میں کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کا عنوان باندھ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسلام میں ایمان کے بعد علم ہی کا درجہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی ایمان اور اس کے مشتقات کے بعد سب سے زیادہ تقریباً سات سو مقامات میں علم اور اس کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے (۶) اس سے علم کی عظمت' اہمیت' افادیت و فضیلت ہی عیاں نہیں ہوتی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ایمان کے بعد تحصیلِ علم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور اسلام نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ بنی نوعِ انسان کے دنیوی سفر کا آغاز علم کی روشنی سے ہوا ہے قرآن کہتا ہے

"علم ادم الاسماء کلھا (البقرہ–۳۱) "اللہ نے آدم کو نام سکھا دیے کل کے کل۔"

اسلام نے علم کو انسان کی اولین ضرورت قرار دیا اور جو چیزیں اولاد کو تحصیلِ علم سے باز رکھیں ان سے والدین کو روکا ہے (۷) اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے علم کو انسان کی بنیادی ضرورت سمجھا ہے (۸) اور طلبِ علم ہر فرد کا بنیادی حق قرار دیا ہے اسے حاصل کرنا اس پر لازم کر دیا ہے اسی حق نے اسے کائنات میں امتیاز و شرف بخشا ہے اور اس کا یہ ثقافتی وجود اسے دنیا میں دوسری مخلوقات سے بہتر و برتر قرار دیتا' ایک انسان کو دوسرے انسان سے برتری و تفوق کا سبب ہے چنانچہ قرآن نے کہا ہے "وفوق کل ذی علم علیم" (سورۃ یوسف ۱۲ آیت ۷۶) "ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک عالم ہے۔"

یہ ایک جماعت کو دوسری جماعت سے اور ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرتا ہے قرآن نے کہا ہے۔

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون' انما یتذکر اولو الالباب ○ الزمر۔ آیت ۹)

"آپ کہیئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر بھی ہوتے ہیں؟ نصیحت تو بس وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔"

کتب و کتب خانہ ثقافتی وجود کو برقرار رکھنے اور ممتاز کرنے کا اہم ذریعہ ہے قرآن کہتا ہے۔

کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور

(۱- ابراہیم)

"یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں۔""

انہی وجوہ سے وسائلِ تعلیم کا مہیا کرنا اسلامی حکومت کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے' اسلام معیشت کے لئے مادی ضروریات کے فراہم کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ تہذیب و ثقافت کے وسائل مہیا کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کا بھی ضامن ہے' چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اطراف و بلاد میں عوام و اہلِ علم کی تعلیم و رہنمائی اور تربیتِ علمی کے لئے علماء بھیجتے تھے۔

علامہ ابنِ حزم اندلسی "کتاب الاحکام" میں نصابِ تعلیم کی تجدید فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں :

"حاکمِ وقت پر بقدر نصاب وسائل تعلیم کی فراوانی لازم ہے۔ مرد' عورت' آزاد' غلام' لونڈی میں کسی بھی فرد کو اس حق سے گریز کا موقعہ نہیں دیا جا سکتا۔ خلیفۂ وقت پر فرض ہے کہ لوگوں کو تحصیلِ علم کا پابند کرے اور ایسی جماعتیں متعین کرے جو انہیں پڑھائیں اور تعلیم دیتی رہیں"(۹)

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کو اپنے علمی حدودِ اربعہ کا پتہ چلتا اور علمی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے تو اس میں طلبِ علم کا جذبہ بڑھتا ہے۔ وہ علمی سرچشموں سے سیرابی کی پوری کوشش کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسی جذبہ طلبِ علم نے امتِ مسلمہ سے پاپیادہ براعظموں کو طے کرایا اور انہیں ذخائرِ علوم و کتب کا دلدادہ بنایا۔

اسلام فراوانیٔ علم کے جذبہ کو انسان میں زندہ و متحرک رکھنے کے لئے اسے ”ربِ زِدنی عِلما“ میرے رب ”میرے علم میں اضافہ فرما“ کی درخواست کرتے رہنے کی تاکید کرتا ہے تاکہ جہل کی تاریکیاں چھٹتی رہیں، ابلاغِ علم کی کارفرمائیاں جاری رہیں، ذخائر علوم و کتب کا سلسلہ پروان چڑھتا رہے۔ اس لئے مسلمانوں میں کہاوت مشہور ہے، ”اطلبوا العلم من المھد الی اللحد“ آغازِ آفرینش سے دم واپسیں تک تحصیل و تحقیقِ علم میں لگے رہو۔

(ج) کتب خانہ کے عناصر اربعہ

(۱) علم

(۱) مفہومِ علم:

علم کا مادہ عین، لام، میم ہے۔ اس مادہ میں جاننے پہچاننے کے معنی پنہاں ہیں۔ چنانچہ علامت، شناخت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ عَلَم (نشان راہ) سے راستہ جانا جاتا ہے۔ اعلام (پہاڑوں) کو دور ہی سے پہچان لیا جاتا ہے۔ عَلَم (جھنڈا) کے پاس لشکر جمع رہتا ہے۔ اس کے بارے میں دور ہی سے معلوم ہو جاتا ہے(۳) مخلوق سے خالق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کائنات کو عَالَم کہتے ہیں، عَالِم، عَلِیم اور عَلاَّمَہ بہت زیادہ جاننے والا بھی اپنے عِلم سے جانا پہچانا جاتا ہے اور اسے عَالِم و عَلامہ کہا جاتا ہے۔ انسان کا ذہن آئینہ کی طرح ہے، جو چیز اس کے سامنے آتی ہے، اس کا نقش اس میں آجاتا ہے۔ آئینہ میں صرف محسوسات کی صورت نمائی ہوتی ہے اور ذہن کے آئینہ میں معقول و محسوس دونوں کی تصویر اتر آتی ہے(۴) یہی وہ بات ہے جسے فلاسفہ حقیقتِ عِلمیہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، گویا ہر وہ چیز جو ذہنِ انسانی میں آتی ہے وہ اس کے لئے جانی پہچانی ہو جاتی ہے۔ عِلم حقائقِ اشیاء کے ادراک کا نام ہے۔ شے کی حقیقت، تجربہ و مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے تجربہ و مشاہدہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہئے کہ قرآن میں علم سے محض دینی علوم ہی مراد نہیں ہیں بلکہ وہ علم سے اس کے نہایت وسیع معنی کی طرف انسان کی رہنمائی کرتا ہے جو فرد و معاشرے کی دنیوی و اخروی کامرانی و ترقی کا ضامن ہے۔ اس لئے کہ علم سے قرآن کا مقصد عقلِ انسانی کی تربیت کرنا، انسان کو تحصیلِ علم پر آمادہ کرنا، آفاق و انفس میں فکر و نظر سے کام لینے اور تجربات و مشاہدات سے حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس سے اس کا علم و ایمان بڑھتا اور پختہ سے پختہ تر ہوتا ہے نیز آفاق و انفس میں غور و فکر سے انواعِ علوم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ذخائر کتب میں ترقی و فراوانی ہوتی ہے چنانچہ علم کے اس وسیع تر معنی پر آیتِ شریفہ شاہد ہے۔

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء ج فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا ط ومن الجبال جدد ابیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود○ ومن الناس والدوآب والانعام مختلف الوانہ کذالک

ط انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور (الفاطر۔۲۸)

”کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا‘ پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں اور کئی بہت گہرے سیاہ‘ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں‘ اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں بیشک اللہ زبردست ہے‘ بڑا مغفرت والا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حیاتِ انسانی سے متعلق جملہ انواعِ علم اس کا شعبہ ہیں اور وہ ان سب پر حاوی ہے۔

(۲) فضیلتِ علم:

حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں ”کتاب العلم“ کا عنوان باندھا گیا ہے جو اسلام میں اس کی فضیلت و اہمیت کی نہایت روشن دلیل ہے‘ تاہم موقع و محل کی مناسبت سے یہاں معدودے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی تحصیل ‘کتابت‘ حفاظت‘ ابلاغ اور توسیع و اشاعت کی ذمہ داری امت کے ہر فرد پر انفرادی طور پر عائد کی گئی ہے۔ چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا‘ ”جو علم کی خاطر سفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کرتا ہے“ (۱۰) ایک حدیث میں وارد ہے ”علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں“ (۱۱) ”انبیاء درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ وراثت میں علم عطا فرماتے ہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ وراثتِ علمی کو حاصل کرنا میراثِ انبیاء کو حاصل کرنا ہے۔

(۳) تحصیلِ علم:

آپ ﷺ نے (حسبِ استطاعت) علم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان (مرد‘ عورت) پر فرض کیا ہے (۱۲) ایک حدیث میں فرمایا‘ ”علم سیکھنے سکھانے کا نام ہے“ (۱۳) ایک مرتبہ فرمایا ”قابلِ رشک دو ہی شخص ہیں‘ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اسے راہِ حق میں خرچ کیا‘ دوسرے وہ جسے علم و حکمت دی اور اس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اور لوگوں کو سکھایا“ (۱۴) نیز فرمایا ”حکمت و دانائی کی بات مومن کی متاعِ گم گشتہ ہے جہاں وہ اس کو پائے وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے“ (۱۵) اس لئے علم اور متاعِ گم گشتہ کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرو۔ کتابوں نے حکمت و دانائی‘ حقائق و معارف‘ انکشافات‘ تجربات و مشاہدات کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ ان کی تحصیل و ترسیل کا کام کتب خانہ انجام دیتا ہے اس حقیقت کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے مذکورہ

بالا ارشاد کا مصداق خزانۃ الکتب کو کہا جا سکتا ہے۔

(۴) کتابتِ علم:

تعلیمِ کتاب و حکمت کو رسالت مآب ﷺ کے فرائضِ منصبی میں قرار دیا گیا۔ آیت شریفہ ہے "یعلمھم الکتاب والحکمہ" (آلِ عمران۔ ۱۶۴، سورۃ الجمعہ۔ ۲) "وہ نبی انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔" رسالت مآب ﷺ نے کتابتِ علم کا حکم دیا قرآن مجید املا کرایا، احادیث و خطبات قلم بند کرائے اور جو آپ نے فرمایا بعض صحابہؓ نے اسے قلم بند کیا(۱۶) امام ابو جعفر احمد طحاوی (۲۲۹۔۳۲۱ھ) نے تصریح کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قرض کے معاملہ میں شک و شبہ کے پیشِ نظر لکھنے کی ہدایت کی اور اس کا حکم دیا ہے تو شریعت کا علم قرض سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کے حفظ میں شک و شبہ کا احتمال ہے لہٰذا اس میں کتابت کی اجازت زیادہ مستحسن اور پسندیدہ ہے آئمہ میں امام ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد کا یہی مذہب ہے (۱۷)

(۵) ابلاغِ علم

نبی ﷺ نے ابلاغِ علم کو ہر ایک پر لازم کیا اور فرمایا "بلغوا عنی ولو آیہ" (۱۸) "میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ ابلاغ کا دائرہ نہایت وسیع ہے اس میں حفظ و تلقین، یاد رکھنا اور دوسروں کو علمی مواد فراہم کرنا نیز نقلِ کتاب اور کتاب وغیرہ تمام وسائل کی فراہمی داخل ہے۔ پھر حافظہ کمزور ہو جانے اور علم و علمی فضا باقی نہ رہنے کے باعث شرعی نقطۂ نظر سے تصنیف و تالیف اور نقل و کتابت کو فرض و واجب کی حیثیت حاصل ہو گئی ایک مقام پر فرمایا حاضر غیر حاضر کو بات پہنچائے ممکن ہے وہ اس بات کو اس سے زیادہ یاد رکھے (۲۰) ایک موقع پر فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری بات سنی اس کی حفاظت کی اور پھر اس شخص تک پہنچائی جس نے وہ بات نہیں سنی تھی بہت سے حاملِ فقہ (سمجھدار) اپنے سے زیادہ سمجھدار تک بات پہنچانے والے ہیں" (۲۱) ایک اور حدیث میں حکم دیا: "علمِ دین کی باتوں کو یاد رکھو، ان کی حفاظت کرو اور اپنے پیچھے والوں کو جا کر بتاؤ" (۲۲) چنانچہ ائمۂ حق نے علم کا آخری درجہ اس کی نشر و اشاعت اور ابلاغ قرار دیا ہے۔ (۲۳)

(۶) کتمانِ علم کی سزا

"جس نے علم کو چھپایا اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی" (۲۴) کیونکہ علم جہاں پوشیدہ ہوا، وہ علم راز بن کر مٹ جاتا ہے (۲۵) علم کا اٹھ جانا اور جہل کا پھیل جانا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے (۲۶)

حضور کے انہی ترغیبی و تاکیدی ارشادات نے امت مسلمہ میں بعض موضوع (جعلی) حدیثوں کو ایسی شہرت دی کہ علماء کو ان کے موضوع ہونے کی صراحت کرنی پڑی منجملہ ان کے ایک یہ حدیث بھی ہے "اطلبوا العلم ولو کان بالصین" (۲۷) "علم حاصل کرو اگرچہ چین جانا پڑے۔"

تحصیلِ علم، کتابتِ علم اور توسیع، اشاعتِ علم کے متعلق رسالت مآب ﷺ کے تاکیدی ارشادات نے حصولِ علم اور اس کی نشر و اشاعت کو مسلمانوں کی سیرت کی اہم و ممتاز خصوصیت قرار دی (۲۸) اور امتِ مسلمہ کو ترتیب و تدوین کتب پر آمادہ کیا پھر ذخائر کی کثرت نے مسلمانوں کو کتب خانوں کے قیام و اہتمام کا خوگر بنایا چنانچہ مُسلمانوں نے اپنی آبادی کے ہر حصہ میں مسجدوں، مدرسوں میں کتب خانوں کے قیام کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے علم و آگہی کی بنیاد قائم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا، اقراء باسم ربک الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقراء وربک الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم ○ " (العلق ۔ ۱ ۔ ۵) "آپ پڑھیئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی ہے (جس نے) انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دیدی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔"

اقراء کی تکرار سے یہ۔ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بار بار پڑھنے سے علم میں پختگی آتی ہے، انسان میں فن کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اقراء وہ منبع و مخرج ہے جہاں سے تحصیل و ترسیل دونوں کے سرچشمے بیک وقت پھوٹتے ہیں اور اس کو کتب خانہ کی اصطلاح میں Retrieval اور Dissemination and Communication کہا جاتا ہے جو اشیاء بتانے سے معلوم ہوتی ہیں ان کے جاننے کو خبر کہتے ہیں کتب خانہ کی اصطلاح میں اس کے لئے جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ Information ہے۔

حکم اقراء و قرأت کا نور اپنی ذات کے اندر جو پوشیدہ خزانے رکھتا ہے وہ خبر (Information) تحصیل (Retrieval) اور ابلاغ و ترسیل (Dissemination and Communication) پر مشتمل ہے ان ارکانِ ثلاثہ کے قیام و اہتمام کے لئے جس جگہ کی ضرورت ہوتی ہے اور جو مکان اس ضرورت کو پورا کرتا ہے وہ لائبریری سائنس کی اصطلاح میں کتب خانہ کہلاتا ہے۔ کتب خانہ بنی نوعِ انسان کے علم کے

ترقی پذیر ثقافتی ورثہ کا ہر زمانہ میں جامع رہا ہے اور یہ علم کے مواد کی کثرت و وسعت کی بناء پر ہر دور میں بڑھتا اور ترقی کرتا رہا ہے۔

علم نمو، علو، بسط و اختصار، جامعیت و استناد، عزت و رفعت، عظمت و شہرت کی صفات سے آراستہ رہا ہے، اس لئے کتب خانہ بھی ہمیشہ انہی صفاتِ عالیہ کا مظہر بنتا رہا ہے۔ علم جس نے بنی نوعِ انسان کو مادی ترقی میں آسمانوں پر پہنچایا، روحانی ترقی میں فرشتوں سے افضل بنایا اس کی تحصیل و ابلاغ اور ترسیل کا مقام کتب خانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو "فضلِ عظیم" قرار دیا ہے اور تمام بنی نوعِ انسان کو اس صفت سے آراستہ ہونے کی صلاحیت بخشی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ، نے جب آنحضرت ﷺ کو اس صفت سے نوازا تو فرمایا "وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمہ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما" (النساء۔ ۱۱۳) "اور اللہ نے تم ﷺ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔"

اس آیتِ شریفہ میں خطاب رسالت مآب ﷺ سے ہے لیکن مراد تمام بنی نوعِ انسان ہیں، اس لئے کہ علم فرد ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے بھی "فضلِ عظیم" ہے۔ یہ فضلِ عظیم اپنے کون و مکان کے لئے جو جگہ رکھتا ہے اس معاشرتی مرکز (Social Centre) کا ہی دوسرا نام کتب خانہ ہے۔

(۲) کتابت

کتاب اور کتابت کے ذریعہ علوم و فنون کی تدوین عمل میں آئی۔ حفاظت' توسیع و اشاعت ہوئی' علمی و تحقیقی انکشافات اور ثقافتی ورثہ کو فروغ ہوا' کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔ اس لئے کتب خانوں کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے اس کے معنی و حقیقت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

کتب اور کتابت کے مادہ کاف' تا' با کے اصل معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ نظم و ترتیب سے ملانے' جمع کرنے کے ہیں(۲۹) اسی سے کتاب کا لفظ نکلا ہے' کتیبہ چھوٹا لشکر بھی ایک جگہ اکٹھا ہوتا ہے' کتبہ تسبیح کے دانوں کی لڑی جس میں ایک نمونہ کے دانے پروتے ہیں(۳۰) الکتاب (قرآن) بھی انبیاء' تاریخ' اقوام' اوامر و نواہی' امثال و شرائع احکامِ الٰہی اور کتب سماوی کی جامع ہے(۳۱) اس لئے اس نام سے موسوم ہے۔

کتابت میں حروف و الفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ. تحریر کے ذریعہ جوڑا اور جمع کیا جاتا ہے۔ کتابت میں بھی موضوع سے متعلق عبارت کو تحریر کے ذریعہ سمیٹا اور جمع کیا جاتا ہے مگر بعض اوقات بطور استعارہ کلام کی جگہ کتاب کا اور کتاب کی جگہ کلام کا لفظ بھی بولا جاتا ہے چنانچہ آیتِ شریفہ "الم ذالک الکتاب" (یہ کتاب ہے) میں کلامِ الٰہی کے لئے جو ابھی قیدِ تحریر میں نہیں لایا گیا تھا کتاب کا لفظ بولا گیا ہے اور آیتِ شریفہ "انی عبداللہ اتانی الکتاب" (۳۲) (میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے) میں کلام اللہ کو کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کتاب اصل میں مصدر ہے جس کے معنی لکھنا ہیں پھر نوشتہ کو کتاب کا نام دیا گیا' ثابت کرنا' مقدر کرنا' اندازہ کرنا' لازم کرنا' ایجاد کرنا' فنا کرنا' فرض کرنا' سب کچھ کتابت کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے کتابت ان معانی میں استعمال کیا جانے لگا' پھر عزمِ کتابت پر بھی کتابت کا لفظ بولا جانے لگا تھا اس لئے کہ پہلے عزم و ارادہ کیا جاتا ہے۔ پھر زبان سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے لکھا جاتا ہے' ارادہ مبدا اور کتابت منتہی ہے(۳۳) مکاتب اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنی آزادی کی شرائط طے کرکے قید تحریر میں لے آتا ہے(۳۴)

انہی مذکورۂ بالا مناسبتوں کی وجہ سے لفظ کتب لکھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ ابو عبید نے اس کا مصدر کتب اور سیبویہ نے کتاب بھی نقل کیا ہے۔ لکھنے والا منشی و خوشنویس 'کاتب' اس کی جمع کتاب اور کتبہ آتی ہے لکھنے کی صنعت کو کتابت کہتے ہیں۔ کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ مکتب' کتابت سکھانے والا اور مکتب وہ جگہ جہاں کتابت سکھائی جاتی ہے(۳۵) اردو میں بھی مکتب نوشت و

خواند کی جگہ کو کہتے ہیں۔

"مکتب" اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کے پاس کتابیں ہوں اور وہ اس سے نقل کرائے بالفاظ دیگر اس کا مصداق خوشنویس ہے جو استادوں کی وصلیوں سے شاگردوں کو خوشنویسی سکھاتا ہے(۳۶)

"کتاب" کے معنی حروف ہجا کے ساتھ الفاظ کی تصویر کشی کرنے کے ہیں بعد میں اس معنی میں بڑی وسعت پیدا ہوئی عرفِ عام میں مخصوص عبارت کی تدوین پر اور مصنفین کی اصطلاح میں مخصوص مسائل کے مجموعہ پر کتاب کا اطلاق کیا جانے لگا(۳۷) اللہ تعالیٰ نے کتاب کو وہ مرتبہ و مقام دیا کہ اپنے کلام سے اس کو آراستہ کیا اور جن اقوام کی طرف آسمانی کتابیں اتاری گئیں انہیں اہلِ کتاب، کتاب والوں کے مقدس الفاظ سے یاد کیا ہے۔ عہدِ عباسی میں مادہ کتب کا گوناگوں استعمال، کتابت و کتب کی کثرت ان کے بہت زیادہ استعمال اور عوام و خواص کی ان سے دلچسپی کا نہایت بین ثبوت ہے۔

کتابوں کی جمع و ترتیب کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہو چکا تھا کتب خانہ کو الخزانہ، خزانہ الکتب و خزائن الکتب کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا۔ خزانہ و خازن، خزن سے بنا ہے۔ خا، زا، نون کے مادہ میں حفاظت کرنے کے معنی مضمر ہیں(۳۸) خازن محافظ و نگران کو کہتے ہیں، خزانہ میں ہر چیز نظم و ترتیب اور حفاظت کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔ بوقت ضرورت نکالی اور استعمال کے لئے دی جاتی ہے۔ خازن، بھی کتابیں جمع کرتا، نظم و ترتیب سے رکھتا، حفاظت کرتا اور استعمال کے لئے لوگوں کو دیتا ہے اس کی جمع خزنہ آتی ہے۔ "خزانہ" کے لغوی و عرفی مفہوم میں جمع و تحفظ اور ترتیب و افادہ داخل ہیں قرآن میں فرمایا گیا ہے "**وان من شئی الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم**" (الحجر۔۲۱) "اور جو چیز بھی ہے ہمارے پاس، اس کے (خزانے کے) خزانے ہیں، اور ہم اسے ایک مقدار معین سے اتارتے رہتے ہیں۔"

اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوا کہ اشیاء کا ذخیرہ ہمیشہ زیادہ رکھا جاتا ہے گو فائدہ ان سے ایک مقدار کے مطابق اٹھایا جاتا ہے۔ کتب خانوں پر اس اصول کا پورا پورا اطلاق ہوتا ہے اس میں کتابوں کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ کیا جاتا ہے لیکن اس سے استفادہ کا دائرہ غیر محدود نہیں ہوتا۔

قرآن نے آیتِ شریفہ "**یعلمہم الکتاب والحکمہ**" (آل عمران۔۱۶۴) (وہ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے) میں کتاب کے ساتھ حکمت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ حکمت علم و دانش اور تجربہ و مشاہدہ سے حق بات معلوم کرنے کا نام ہے لہٰذا حکمت کے معنی اشیاء کی معرفت حاصل کرنے اور انہیں نہایت عمدہ طریقہ سے ایجاد کرنے کے ہیں۔ انسانی حکمت

موجودات کی معرفت اور اچھے کام انجام دینے سے عبارت ہے۔ جیسا کہ آیت شریفہ "ولقد اتینا لقمان الحکمہ" (لقمان۔۱۲) "اور بیشک ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی۔"

بنی نوعِ انسان کو حقائق اشیاء تک رسائی مطلوب ہے اس لئے اربابِ فکر و نظر نے کتب خانہ کا نام "خزانۃ الحکمہ" رکھا کہ یہ علمی ورثہ بھی انسان کو حقائق کے سمجھنے، مزید حقائق کو معلوم کرنے اور علمی دریافت و انکشاف میں مددگار ہوتا ہے۔ اوائلِ عہدِ عباسی میں جب یونانی علوم عربی زبان میں منتقل کئے گئے اور دین و دانش کا ذخیرہ یکجا کیا گیا تو خزانتہ الحکمہ کا لفظ بہت عام ہو گیا۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے کتب خانوں کے نام علم، علوم، معرفت، کتاب، کتب، خزانہ، خزائن اور حکمت کے معنی خیز لفظوں سے ترکیب اضافی کے ساتھ ترتیب دیئے۔ چنانچہ وہ کبھی دارالعلم، کبھی خزانۃ الکتب، کبھی دارالکتب، کبھی خزانۃ الحکمۃ، دارالحکمۃ، بیت الحکمہ، صوان الحکمہ، کبھی دارالمعرفہ اور کبھی مکتب کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

پانچویں صدی ہجری میں کتب خانہ کے لئے دارالکتب کا لفظ استعمال کیا گیا اور بعد میں مکتب کا لفظ بھی کتب خانوں پر بولا جانے لگا تھا۔ ان الفاظ کو قبولِ عام حاصل ہوا لیکن عصرِ حاضر میں مکتبہ بمعنی کتب خانہ، مطالعہ کرنے کے کمرہ اور کتابوں کی دکان مولدہ (موجودہ دور کی پیداوار) ہے(۳۹) ترکیبِ اضافی کے ساتھ امین المکتبہ کا لفظ لائبریرین کے لئے بولا جاتا ہے، ناموں کا یہ تنوع کتب خانوں سے مسلمانوں کے غیر معمولی شغف کا مظہر ہے۔

علم و معرفت، کتاب و کتب اور حکمت کے ساتھ لفظ "دار" جو دور بمعنی گردش کرنے کا اسم ہے۔ یہ وہ مکان ہے جہاں گھومنے پھرنے کے بعد انسان آرام کرتا ہے۔ دارالکتب وہ جگہ جہاں کتابیں رکھی جائیں اور انہیں استعمال کے لئے رواں دواں رکھا جائے۔ یہ نام عہدِ عباسی میں کتابوں کے بکثرت استعمال کا اور ذخائر کتب کے گردش میں رہنے کا شاہد ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دارالکتب، دارالحکمہ، دارالعلم، دارالمعرفہ وغیرہ وہ مکان ہیں جہاں تحصیل (Retrieval) اور ابلاغ و ترسیل Communication Dissemination کا ذمہ دارانہ کام کیا جاتا اور اس کی سہولت دی جاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے اس میں ابلاغ کے مفہوم کی رعایت رکھی ہے۔ یہ بات کسی اور نام میں نہیں پائی جاتی ہے۔

(۳) کتاب

اساسِ کتب خانہ کے دو عنصر علم و کتابت کا ذکر گزشتہ اوراق میں گزر گیا اس کا تیسرا عنصر کتاب ہے۔ اس کے لغوی و اصطلاحی معنی کی وضاحت کتابت کے ضمن میں گزر گئی۔ یہاں کتاب کے متعلق مسلمان فرمانرواؤں اور دانشوروں کے خیالات کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مسلم معاشرہ میں کتابوں کی عظمت' اہمیت اور افادیت کا اندازہ کیا جاسکے گا۔

خلیفہ مامون کا نام مؤسسین کتب خانہ اور کتب خانوں کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس نے کتاب کی عظمت' اہمیت' فضیلت اور افادیت کو جس انداز سے بیان کیا ہے' اس سے مامون کے کتاب سے انفرادی شغف و شیفتگی کا ثبوت ہی نہیں ملتا بلکہ ہر مسلمان حکمران کے دل و دماغ میں کتاب کی جو عظمت' اہمیت اور افادیت تھی اس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ''نفسِ انسانی کو کتاب سے بڑھ کر کوئی چیز فضیلت دینے والی نہیں اور نہ اس سے زیادہ کوئی چیز انسان کے سینہ کو کھولنے والی ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی شئے باعثِ فخر ہے نہ اس سے زیادہ دل و دماغ کو روشن کرنے والی کوئی اور شئے ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز زبان کو کھولنے والی ہے نہ اس سے مضبوط ترین کوئی ڈھال ہے نہ اس سے زیادہ موافقت کرنے والی کوئی چیز ہے نہ اس سے کمتر مخالفت کرنے والی کوئی شئے ہے وہ بلیغ ترین اشارہ ہے اور سب سے زیادہ مواد کو واضح کرنے والی چیز کتاب ہے۔
>
> اس کا فائدہ بہت ہے یہ زیادہ گرانبار نہیں اس میں فساد کچھ نہیں اس کا انجام قابلِ تعریف ہے' کتاب ایسی بیان سرا اور داستان گو ہے جو کبھی ملول نہیں ہوتی اور ایسی ساتھی ہے جو کبھی نادار و مفلس نہیں ہوتی اور ایسی ہم نشین شے ہے جو تم سے کبھی گریز نہیں کرتی۔ یہ گزرے ہوئے دانشوروں کی دانش کی' حکمتوں کی اور گزشتہ اقوام کے کارناموں کی ترجمان ہے' یہ ان چیزوں کو زندہ کرتی اور حیات تازہ بخشتی ہے جنہیں نصیبہ مٹا دیتا ہے' زمانہ پوشیدہ کر دیتا ہے جن باتوں کو غباوت ڈھانپتی ہے یہ ان کو ظاہر کرتی ہے ثقہ جب ان سے قطع تعلق کرتا ہے یہ اس سے تعلق نہیں توڑتی ہے' بادشاہ بھی اس کے ساتھ خیانت کرتے ہیں تو بھی یہ اس سے رشتہ قائم رکھتی ہے' ہر کلمہ اس کی تعریف میں بہت

سے معانی کا جامع ہے کیا اس سے بھی زیادہ کوئی عجیب تر بات ہو گی جو تم دیکھتے ہو کہ عرب بھی کتاب کے اثر کو قبول کرتے ہیں اور کتاب نے ان کی زندگی میں بہت ہی بڑا انقلاب پیدا کیا ہے"(۴۰)

مذکورۂ بالا اقتباس سے خلیفہ مامون کے دل و دماغ میں کتاب کی جو عظمت و اہمیت تھی اس کا اظہار ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں تقریباً ہر مسلم فرمانروا کتاب کے بارے میں ایسے ہی نظریات و خیالات رکھتا تھا۔ اس لئے کہ علم دوستی' معارف پروری' فرمائشوں سے کتابوں کی تدوین اور ان پر انعام و اکرام' اپنی مملکت و محلات میں کتب خانوں کا قیام اور ان کی حوصلہ افزائی ہر حکمران کا معمول رہا ہے۔ مشہور مقولہ زبان زد خاص و عام رہا ہے" **الناس علی دین ملوکھم** " (لوگ اپنے فرمانرواؤں کے طریقہ پر چلتے ہیں) کی روشنی میں یہ کہنا کہ اسلامی قلمرو کا ہر پڑھا لکھا شہری انہی خیالات و نظریات کا حامل تھا' حقیقت سے بعید نہیں قرار دیا جا سکتا نیز اس دور کو کتابی تہذیب کا دور کہنا بھی اسی امر کا غماز ہے۔

عہدِ عباسی کے نامور ادیب عمرو بن بحر جاحظ (۱۱۳-۲۰۰ھ : ۷۸۰-۸۶۹ء) نے کتاب کے انہی اوصاف کو بیان کر کے ایک نکتہ چین کتاب کا منہ بند کیا تھا جس کی جستہ جستہ تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ اس سے ہمارے مذکورۂ بالا دعوے کی مزید تائید ہوتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں کتاب کے متعلق نظریات و خیالات میں تنوع و وسعت آ گئی تھی اور اس پر حرف گیری برداشت سے باہر تھی۔ جاحظ کہتا ہے:

"کتاب بہت اچھی ہم نشین و رفیق' بہترین افسوں و سیر گاہ' تنہائی کے وقت میں بہت اچھی مونس و غمخوار' پردیس میں معرفت کا بہت اچھا وسیلہ' بہت اچھی ہمدم و شریک ہے۔ کتاب علم سے بھرا ہوا خزانہ اور دانشمندی سے بھرا ہوا ظرف ہے۔

ایسا کون سا غم خوار و مونس ہے جو تمہارے سونے کے ساتھ سوتا اور جو تمہاری چاہت کے ساتھ بولتا ہو' زمین سے زیادہ مامون و محفوظ اور راز کو رازداروں سے بھی زیادہ پوشیدہ رکھنے والا امینوں سے بھی زیادہ امانت کی حفاظت کرنے والا ہو (وہ کتاب ہے) اس کا نیا پن پرانا نہیں ہوتا اور اس کے جزوں اور قوتوں سے انتشار و جدائی نہیں ہوتی اس کا سراپا شاعر عرب کے مندرجہ ذیل شعر کے مطابق ہے۔{

اتالی ھواھاقبل ان اعرف انھوی   فصادف قلباً فارغاً فتمکنا

"اس محبوبہ کی محبت میرے دل میں تمیز محبت سے پہلے آئی گرل کو خالی دیکھا تو اس میں

جاگزیں ہو گئی۔ ”

کتاب سے زیادہ نیک سلوک پڑوسی نہیں‘ اس سے زیادہ منصف ساتھی نہیں‘ اس سے بڑھ کر فرمانبردار رفیق نہیں‘ اس سے زیادہ منکسر مزاج استاد نہیں‘ اس سے زیادہ کام کا ساتھی نہیں۔ میرے علم میں ایسا کوئی درخت نہیں جو کتاب سے زیادہ طویل العمر‘ اس سے زیادہ کار آمد‘ اس سے زیادہ پاکیزہ پھل دینے والا‘ اس سے پہلے ثمر دینے والا‘ اس سے جلد پکنے والا اور ہر موسم میں اس سے زیادہ پایا جانے والا ہو۔

مجھے علم نہیں کہ کوئی نومولود اپنی آغازِ عمر میں‘ قرب ولادت‘ حضور ذہن اور امکان وجود میں عجیب تدابیر کا‘ نادر علوم کا‘ صحیح عقول کے آثار کا‘ لطیف و قابلِ تعریف اذہان‘ کا گزشتہ اقوام کی داستان کا‘ اجڑے ہوئے شہروں کی تاریخ کا اور دائر و سائر امثال کا‘ تباہ شدہ اقوام کا جامع ہو جتنی کتاب جامع ہے۔

کتاب اپنے سبک بار اور چھوٹی جسامت کے باوجود جس وقت اس کو تم چپ کرنا چاہو چپ ہو جاتی ہے اور جب تم بلوانا چاہو تو بولتی ہے‘ کون تمہارا ایسا ملاقاتی بن سکتا ہے جس کی ملاقات تم چاہو تو ایک دن چھوڑ ایک دن کرو اور چاہو تو پانچویں دن کرو‘ اگر تم چاہو تو تمہارے سایہ کی طرح تم سے جدا نہ ہو اور تمہارے ساتھ تمہارے جز اور عضو کی طرح رہے“ (۴۱)

کتاب وہ ہے کہ اگر تم اس پر نظر ڈالو گے تو خوب نفع پہنچائے گی‘ تمہاری طبیعت میں تیزی‘ تمہاری زبان میں روانی پیدا کرے گی‘ تمہارے بیان کو بہتر بنائے گی‘ تمہارے الفاظ کو شوکت بخشے گی‘ تمہارے جی کو خوش کرے گی‘ تمہارے سینہ کو علم سے آباد رکھے گی‘ تمہیں عوام کی تعظیم اور بادشاہوں کی دوستی سے سرفراز کرے گی‘ نادان کا بوجھ برداشت کئے بغیر‘ طلب کی مشقت اٹھائے بغیر اور کسی اجرت پر پڑھانے والے کے دروازے پر ٹھہرے بغیر‘ تم جس سے اخلاق کے اعتبار سے افضل اور نسب کے لحاظ سے برتر ہو‘ ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کئے بغیر‘ حاسدوں کی صحبت سے بچتے ہوئے اور دولت مندوں کی ہم نشینی سے محفوظ رہتے ہوئے کتاب سے ایک مہینے میں وہ حاصل کرو گے جسے لوگوں کی زبان سے ایک زمانہ تک حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ کتاب ہی ایسی چیز ہے کہ رات میں بھی وہ تمہاری اطاعت و فرمانبرداری ایسی کرے گی جیسی اس نے دن میں کی ہے۔ پردیس میں بھی وہ تمہاری ایسی مطیع رہے گی جیسی وہ دیس میں مطیع رہی ہے‘ وہ نیند سے بیمار نہیں ہوتی اور بیداری کی سستی اسے لاحق نہیں ہوتی ہے‘ کتاب ایسی معلم ہے کہ اگر تمہیں اس کی طرف احتیاج ہو تو وہ تمہارے ساتھ بد عہدی نہیں کرے گی اور اگر تم اس سے پوچھنا چھوڑ دو تو وہ تم سے فائدہ کی راہ منقطع نہیں کرتی اگر تم اس سے کنارہ کشی اختیار کرو تو وہ تمہاری اطاعت

سے منہ نہیں موڑے گی اور اگر تمہارے دشمنوں کا زور چلے تو وہ تمہارے خلاف نہیں ہو گی، جب تک تمہارا اس کے ساتھ ادنیٰ سا بھی تعلق قائم رہے گا۔ تنہائی کی وحشت میں بھی تمہیں برے ساتھی سے ملنے پر مجبور نہیں کرے گی۔

ابو عبیدہ معمر بن المثنی (۱۱۰-۲۰۹ھ : ۷۲۸ - ۸۲۴ء) کا بیان ہے کہ مہلب بن ابی صفرہ (۷- ۸۳ھ / ۶۲۸ - ۷۰۲ء) نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ بیٹو! بازار میں وراق اور زرہ سازی کے پاس ٹھہرا کرو، ایک استاد جس کے پاس قبیلہ غطفان کے مناقب پڑھے گئے اس نے کہا خوبیاں ختم ہو گئیں مگر کتابوں سے وہ ختم نہیں ہوئی ہیں۔ کسی عرب کا قول ہے میں نے چالیس برس اس طرح بسر کئے کہ میں نہ کبھی رات میں سویا نہ میں نے کبھی دوپہر کو آرام کیا نہ کبھی ٹیک لگائی مگر کتاب میرے سینے پر گود میں رہی (۴۲)

علی بن الجہم المتوفی ۲۴۹ھ / ۸۶۳ء کا بیان ہے کہ جب کبھی مجھے سونے کے وقت کے علاوہ نیند آئی، حاجت سے زیادہ نیند بہت ہی بری ہے تو میں نے حکمت کی کتابوں میں سے کسی کتاب کو پڑھنے کے لئے اٹھایا پھر دورانِ مطالعہ فوائدِ علمی سے طبیعت میں مسرت کی لہریں دوڑ گئیں اور کام کی باتوں کے مل جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔ استفادہ کی مسرت قلب و دماغ پر چھا گئی (۴۳)

محمد بن الجہم برکی کا قول ہے کہ جب میں کسی کتاب کو اچھا سمجھتا ہوں اور اس سے فائدہ کی امید ہوتی ہے تو پھر تم میری اس وقت کی کیفیت دیکھو کہ میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دیکھتا رہتا ہوں کہ اب اس کے کتنے ورق باقی رہ گئے ہیں، اس خیال سے کہ کتاب کب ختم ہو رہی ہے اور فائدہ کا سلسلہ اب کب منقطع ہوتا ہے اگر کتاب بڑی اور ضخیم ہو اور ورق بھی زیادہ ہوں تو پھر زندگی کا پورا لطف آنے لگتا ہے اور انسان کو اس وقت بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے (۴۴)

ابن الجہم برکی نے کہا ہے کہ انسان اسی وقت پہچانا جاتا ہے جب اس کی کتاب اس کے سماع سے زیادہ ہو تاکہ وہ سماع و کتاب دونوں کا جامع ہو سکے اور وہ اس وقت تک جامع نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی ضروریات کی چیزوں سے اس پر خرچ نہیں کرے گا۔ ابن الجہم کا قول ہے کہ کتابوں پر دریا دلی سے خرچ کرنا شرفِ انسانی کی اور نفسِ انسانی کی خرابیٔ آفات سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے (۴۵)

ابو عمرو بن العلاء بصری (۷۰- ۱۵۴ھ : ۶۹۰-۷۷۱ء) کا بیان ہے کہ میں جب کبھی کسی آدمی کے پاس سے گزرا یا کسی کے دروازے سے میرا گزر ہوا اور میں نے اسے کتاب پڑھتا ہوا اور اس کے ہم نشین کو خالی بیٹھا ہوا دیکھا تو یقین کر لیا کہ وہ خالی بیٹھنے والے سے زیادہ بہتر و زیادہ عقلمند ہے، وہ شخص جس کا خرچ اپنی کتابوں پر نوجوان لڑکیوں کے عاشقوں سے بڑھ کر نہ ہو وہ علم میں پسندیدہ

مرتبہ تک نہیں پہنچتا ہے۔ تمہارا علم بمنزلہ روح اور مال بمنزلہ بدن ہے لہٰذا علم کو روح کی جگہ پر مال کو بدن کی جگہ پر رکھو(۴۶)

محمد ابن الجہم برکی کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عرب مال و دولت کا سب سے بہتر مصرف کتابوں پر خرچ کرنا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابن دراج المتوفی ۴۲۱ھ کے پاس ابو الشمقمق مروان بن محمد المتوفی ۲۰۰ھ کا دیوان کوفی چمڑے پر لکھا ہوا مجلّد رکھا ہوا تھا کسی نے اس سے پوچھا کہ آپ نے ابو الشمقمق کے دیوان پر کیوں روپیہ لگایا؟ اس نے جواب دیا کہ علم تم کو اتنا دے گا جتنا تم اس کو دو گے پھر کہا اگر میں اسے اپنی آنکھ کے ڈھیلے پر رکھ سکتا یا صفحات قلب پر رقم کر سکتا تو ضرور کرتا، تم نے کتابیں جمع کر لیں تو تم نے ادب اور جائیداد غیر منقولہ جمع کر لی(۴۷) عرب کا شاعر کہتا ہے۔

تحرض علی تجوید کتبک انها   مناهل وراد الحجي والفوائد(۴۸)

"تمہیں تمہاری کتابیں آراستہ رکھنے کی ترغیب و تاکید اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ سیرابیٔ علم کی گھاٹ ہیں اور فوائد و دانشمندی کے راستے ہیں۔"

(۴) قرأت

اساسِ کتب خانہ کا چوتھا اہم عنصر قرأت و تلاوت یعنی پڑھنا ہے جس کے لئے کتابوں کا وجود ناگزیر ہے۔ اسلام نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ اسلام کا آغاز ہی پڑھنے لکھنے کے حکم سے ہوا ہے۔ پہلی وحی جو اتری اس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا اور فرمایا گیا تھا "اقراء باسم ربک الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقراء وربک الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم ○" (العلق ۔ ۱ ۔ ۵) "(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا' پڑھو تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے قرأت و کتابت پر کتنا زور دیا ہے پہلی وحی میں حکم نماز روزے کا نہیں دیا گیا' حکم پڑھنے لکھنے کا دیا گیا اور بتایا گیا کہ علم بالقلم (۱) کتابت (۲) حفاظت (۳) نقل (۴) ابلاغ۔ توسیع و اشاعت کا کامیاب ترین ذریعہ ہیں (۴۹) اسلامی قلمرو کے وسیع حدود میں کتب' بازارِ کتب اور ہر نوعِ کے کتب خانوں کی کثرت' قلم سے علوم کی نشر و اشاعت کا ثمرہ ہے۔

قرآن کا نام "قرآن" پڑھی جانے والی کتاب رکھا گیا ہے' سورہ فاتحہ کے بعد سب سے پہلی سورت کا دوسرا ہی لفظ "الکتاب" ہے۔ قرآن کی ایک مستقل سورت کا نام "القلم" ہے اس کا آغاز حسب ذیل الفاظ سے ہوا ہے۔

ن' والقلم ومایسطرون (القلم ۔ ۱ ۔ ۲) "ن' قلم کی اور جو (اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم"

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اور دیگر اکابر مفسرین سے "ن" کی تفسیر لفظ دوات سے منقول ہے (۵۰) سورہ طور میں فرمایا گیا ہے "والطور وکتاب مسطور فی رق منشور" (الطور ۔ ۱ ۔ ۲) (کوہ) "طور کی قسم اور کتاب کی جو لکھی ہوئی کشادہ اوراق میں ہے۔"

علمی مواد کو اپنے خارجی وجود کے لئے حسبِ ذیل تین چیزیں درکار ہوتی ہیں۔

(۱) قلم جو لکھے۔
(۲) سیاہی جس سے لکھا جائے۔
(۳) وہ چیز جس پر لکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورۂ بالا آیات میں انہی چیزوں کی قسم کھائی ہے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم کھانے سے مقصد اس کی عظمت و اہمیت کی طرف بنی نوعِ انسان کی توجہ مبذول کراتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام و رسل علیہم السلام کی بعثت، تنزیلِ کتب کا مقصد، ان کی تلاوت و قرأت اور ان کی ترویج و اشاعت رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی جان، اس کا استعمال اور تلاوت و قرأت ہے۔ مذکورۂ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اساسِ کتب خانہ کے عناصرِ اربعہ علم، کتابت، کتاب و قرأت ہیں اگر کسی کتب خانہ میں کتابیں جمع کر دی جائیں اور وہ استعمال میں نہ آئیں۔ اس میں پڑھنے لکھنے کی اجازت نہ ہو تو وہ مکان کتب خانہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ کتاب کی دکان اور کتب خانہ میں یہی بنیادی فرق ہے، اس لئے کتابوں کا استعمال میں آنا اور ان کا پڑھا جانا کتب خانہ کی بقا و ترقی کا ضامن رہا ہے، اس لئے اس اہم عنصر کی تکمیل پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

باب دوم

دوسرا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ فروغِ کتب اور کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیاں

☆ انوارِ نبوت کی تابانی کا ثمرہ

☆ شرقِ اوسط کے انبیاء و کتب سے قرآن کا اعتناء

☆ کتب و کتب خانہ "بیان" کا مرہونِ منت

☆ گلی کتب خانہ

☆ انبیاء علیہم السلام کے کتب خانے

☆ قیامِ کتب خانہ کے عوامل

(دوسرا حصہ)

کتب خانوں کا ارتقاء

(۱) فروغِ کتب اور کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیاں

انبیاء علیہم السلام پر اتاری ہوئی صحف و کتب کے نور کی روشنی نے بنی نوعِ انسان میں روشن خیالی پیدا کی۔ فلسفۂ زندگی کے لئے ہر نوع کے ادبی سرمایہ اور کتابی مواد کو جنم دیا اس کا ریکارڈ کرنے، رکھنے اور استعمال کرنے کا دلدادہ بنایا، انہی کتب کے نور سے عبادت گاہیں منور رہتی تھیں۔ یہی کتابیں ابتدائی کتب خانے کی تشکیل کا باعث ہوئی تھیں۔ اس لئے ان کتبِ مقدسہ کی حیثیت کتبِ خانہ ساز کتب کی تھی ان وجوہ سے کتب سماوی سب سے زیادہ اعتناء و توجہ کی مستحق تھیں لیکن تاریخِ کتب خانہ میں الہامی کتب کا نہایت شاندار وسیع و اہم باب تاریخ نگاروں کی نظر سے اوجھل رہا۔ حالانکہ ان کے ذخائر سے کتب خانوں کی تاریخ کا سراغ لگتا ہے، انہی کتب و صحف کے ذخائر نے بنی نوعِ انسان کو پائیدار، دیرپا اور کم جگہ گھیرنے والا مواد استعمال کرنے پر مجبور کیا اگر یہ کہا جائے کہ کتب خانوں کو گلی گلی قائم کرانے کی تحریک کا آغاز اس سے ہوا تھا تو بے جا نہ ہو گا۔

کتبِ سماوی نے علمی نشوونما اور تحریکِ احیاءِ علوم کو جنم دیا لیکن فلاسفہ نے حسی بنیاد پر اس میں تصرف کرنا شروع کیا اس آمیزش سے جو ذخیرۂ کتب پھلنا پھولنا شروع ہوا وہ مقدس مقامات کے علاوہ گھروں، شاہی محلوں، درسگاہوں میں عام ہونے لگا تھا۔ اس ذخیرۂ کتب کی کھوج لگانے میں مورخین نے خوب دادِ تحقیق دی جو تصویر کا صرف ایک رخ ہے جیسا کہ جانسن (E.D. Johnson) کی کتاب Communication اور Alfred Hessel کی کتاب A History of Libraries کے مطالعہ سے ظاہر ہے اور فلاسفۂ یونان کا کتب و صحفِ سماوی سے استفادہ کا اعتراف (۵۱) اس امر کا ثبوت ہے کہ ان کے کتب خانے انہی آسمانی کتابوں کی محرف تعلیمات کے زیرِ اثر پروان چڑھے تھے (۵۲) چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ "نقض المنطق" میں رقمطراز ہیں:

"حکماء یونان کے حالات جن اہلِ علم نے قلم بند کئے ہیں انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان اساطینِ اولین (قدماء) جیسے فیثاغورث، سقراط، افلاطون نے سرزمینِ شام کا سفر کیا اور لقمان حکیم سے اکتسابِ فیض کیا، ان کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے تلامذہ سے تعلیم

پائی، ارسطو اس طرف نہیں آیا اور اس کے پاس آثارِ انبیاء، کا ایسا علم نہیں تھا جیسا کہ اس کے اسلاف کے پاس موجود تھا لیکن اسے صابئیہ کی صحیح تعلیمات کا کچھ علم تھا جو اس قیاسی تعلیم کی ایجاد و اختراع کا موجب ہوا اور اس سے ایسا قانون وجود میں آیا جس پر وہ اور اس کے پیروکار چلتے رہے، وہ طبائع اجسام اور کبھی صورۃ المنطق میں صحیح کلام کرنے لگا۔" (۵۳) پھر ان مورخین کا کتب خانہ ساز کتب و صحف کو نظرانداز کرنا حقائق سے صرفِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔

کتب خانوں کے تاریخ نگاروں نے عبادت گاہوں (Temples) اور خانقاہوں (Monasteries) میں تورات و انجیل کے پیدا کردہ مذہبی ادب کے ذخائر کی مختصر طور پر نشاندہی کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کا مقصد اس باب میں بنی اسرائیل کی مساعی کو نمایاں کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کتب خانوں سے اعتناء نہ کرنا خاص طور پر بنی اسماعیل کی کاوشوں سے جن کے کتب خانے کتب خانوں کی تاریخ میں بنی اسرائیل کے کتب خانوں سے زیادہ قدیم اور دائرہ اثر کے اعتبار سے زیادہ وسیع تھے صرفِ نظر کرنا علمی دیانت داری اور اصولِ تاریخ نگاری دونوں کے خلاف ہے۔ "ارسالِ رسل" اور "تنزیلِ کتب" سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ تہذیب و تمدن کے تاریخ نگاروں کا یہ خیال کہ انسان جاہل پیدا ہوا تھا، اسے علم سے کوئی سروکار نہ تھا رفتہ رفتہ وہ علم سے آشنا ہوا ہے (۵۴) صحیح نہیں، اس مفروضہ پر پہلی ضرب الہامی صحف و کتب سے پڑتی ہے کیونکہ عہد نامہ عتیق سے صدیوں پہلے صحف و کتب سماوی لوگوں کے ذہنوں کو جلا بخشتے، ترقی کی راہیں بجھاتے اور انبیاء علیہم السلام انہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے ابلاغ عام کا فریضہ ادا کرتے تھے۔

محدثین و مورخین اسلام کا "باب بدء الخلق"، "باب بدء الوحی" اور "کتاب الانبیاء" کے عنوانات پر مستقل کتابیں لکھنا اور کتب حدیث و تاریخ میں مذکورہ بالا عنوانات کا باندھنا محض تاریخِ کائنات پر روشنی ڈالنے ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ ان عنوانات کا مقصد بنی نوعِ انسان کا علم و کتاب، معلم و ہادی اور صحف و کتب سے ابتدائی و قدیمی تعلق اور اس کے تدریجی ارتقاء کو بھی بیان کرنا تھا۔

کتب خانہ کی اساس کتابوں پر قائم ہے، کتاب، علم کے وجود خارجی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو وجود بخشا، اس وقت سے علم کا رشتہ ان سے جوڑ دیا گیا تھا اور دنیا کی تمام اشیاء کا علم انہیں پہلے ہی لمحہ دے دیا گیا تھا۔ قرآن کہتا ہے "علم ادم الاسماء کلھا" (البقرہ۔ ۳۱) (اللہ تعالیٰ نے بتا دیئے آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام سارے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی زمین پر پیدا کی گئی ہیں ان سب کے نام، حقائق و خواص کے ساتھ انہیں بتا دیئے

گئے تھے(۵۵) اس آیتِ شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لغات کا علم توقیفی ہے، حق تعالیٰ شانہ نے بنی نوع انسان کو اس سے واقف کرایا ہے(۵۶)

کتب و صحف کا ہیولیٰ، ہیئت، نوعیت، کمیت و کیفیت تمدن کے تدریجی ارتقاء کے لحاظ سے ہر دور میں مختلف رہی ہے، کبھی کتاب دیواروں پر لکیروں کی صورت میں نمایاں ہوئی، کبھی انہیں پتھروں اور کچی پکی اینٹوں کی صورت میں نمائش کا موقع ملا، کبھی کسی اور دھات کی صورت میں منظر عام پر آنے لگی، کبھی یہ ہڈی اور پتے پر نمودار ہوئی اور کبھی اوراق بردی پپائرس پر جلوہ فگن ہوئی، کبھی اس نے چمڑے کا روپ دھارا، کبھی کاغذی پیرہن اختیار کیا اور اب پلاسٹک کی صورت میں ظاہر ہونے کے لئے بے چین ہے، جب کہیں اور جہاں کہیں یہ دو چار مل بیٹھیں اور ہر وارد و صادر کو فیض بخشیاں کرنے لگیں، انہوں نے کتب خانے کا نام پایا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی سیرت و کردار، ذکر و فکر اور بحث و نظر کو صحیح خطوط پر ڈھالنے، ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور معاشرے کے تمام شعبہ ہائے زندگی کو علم و کتاب کی روشنی سے آراستہ کرنے، خلافتِ ارضی کے فرائض انجام دینے کے لئے حضرت آدم سے رسالت مآب ﷺ تک "ارسالِ رسل" اور "تنزیلِ کتب" کا سلسلہ قائم رکھا(۵۷) جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انہی کتب و صحفِ سماوی کی تعلیمات کی روشنی میں ہر قوم اپنے نظامِ فکر و عمل کے علمی سرمایہ اور ثقافتی ورثہ کی حفاظت و استعمال کی خاطر کتب خانوں کی ہر دور میں تعمیر کرتی رہی تھی۔ چنانچہ ہر قوم اور بستی میں پیغمبر، معلم، ہادی و مصلح آکر علم و کتاب کا درس دیتا اور کتاب سمجھاتا رہا تھا۔ قرآن کہتا ہے!

"ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا" (النحل - ۳۶) "ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔ سورۃ الفاطر میں فرمایا گیا ہے وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۰ وان یکذبوک فقد کذب الذین من قبلھم جاءتھم رسلھم بالبینت وبالزبر وبالکتاب المنیر (۲۴ - ۲۵ - الفاطر) "اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے والوں نے بھی تو جھٹلایا تھا، ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر کھلے ہوئے نشان اور صحیفے اور روشن کتابیں لیکر آئے تھے۔"

یہ امر اس حقیقت کا نہایت بین ثبوت ہے کہ عہدِ قدیم سے ہر شہر اور بستی میں کتاب اور کتب خانہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ انبیاءؑ کے سلسلۂ ابلاغ کو مزید فروغ دینے اور فیضانِ کتب کو عام کرنے کے لئے نبی کے تربیت و تعلیم یافتہ طبقہ پر اس کا ابلاغ فرض کیا گیا اور اس میں رواداری کو روا نہیں رکھا گیا، قرآن کہتا ہے "واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا

الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ" (آل عمران ۔۷-۱۸) "اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب اللہ نے اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو پوری طرح ظاہر کر دینا عام لوگوں پر اور اسے چھپانا مت۔"

امام ابن جریر طبری اور فخر الدین رازی نے آیتِ شریفہ "اولم تاتہم بینہ ما فی الصحف الاولی" (طٰہٰ ۔ ۱۳۴) "اور کیا ان کے پاس اس کا ظہور نہیں پہنچا جو کچھ اگلے صحیفوں میں ہے۔"

آیتِ شریفہ "شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا" (الشوریٰ ۔ ۱۳) "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا حکم نوح علیہ السلام کو کیا تھا' کی نظیر ہے" اور تصریح کی ہے کہ آیتِ شریفہ "انہ لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم وموسیٰ" (الاعلیٰ ۔ ۱۸-۱۹) بیشک یہ (مضمون) اگلے صحیفوں میں ہی ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں' اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ آیتِ شریفہ صحفِ ابراہیم و موسیٰ الخ عطف بیان ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے مراد صحفِ جمیع انبیاء علیہم السلام ہیں جن میں سے صحفِ ابراہیم اور موسیٰ بھی ہیں (۵۸)

"جمیع انبیاء" کا مطلب یہ ہے کہ جن بہت سے انبیاء کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا ہے ان پر بھی کتابیں اور صحیفے اتارے گئے ہیں چنانچہ ابو ذر غفاری ؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں' آپ نے فرمایا "ایک سو چار" (۵۹) اس میں سے تیس انبیاء پر اتاری ہوئی کتابوں کا مطالعہ وہب بن منبہ المتوفیٰ ۱۱۴ھ نے کیا تھا (۶۰)

مختلف زمانوں' زبانوں اور قوموں میں کتنی کتابیں اتری ہیں ان کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے تاہم پہلی صدی ہجری تک آسمانی کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا چنانچہ قدیم زبانوں کے بالغ نظر عالم و ماہر (۶۱) وہب بن منبہ کا بیان مورخ ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ "میں نے بانوے (۹۲) کتبِ سماوی پڑھی ہیں" (۶۲) جن میں سے ۷۲ بہتر کتابیں' یہودیوں کے عبادت خانوں میں محفوظ ہیں اور بیس کتابیں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں لیکن بہت ہی کم لوگوں کو ان کا علم ہے (۶۳) اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صدی ہجری تک یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں کے کتب خانوں کا ذخیرہ مذکورۂ بالا کتابوں پر ہی مشتمل تھا۔

"ارسالِ رسل" اور "تنزیلِ کتب" کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری ؓ کا بیان ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا "ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے گئے ہیں جن میں تین سو تیرہ صاحب کتاب و شریعت تھے" (۶۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱۲۴۰۰۰) پیغمبروں نے علم و

کتاب اور فروغِ کتب کے لئے کوشش کی اور کتب و کتب خانہ سازی کے ترقی پذیر سلسلہ کی تحریک کا احیاء کیا' آسمانی کتابوں میں آخری کتاب قرآن ہے۔ یہ سرزمینِ عرب میں اتارا گیا تھا اس لئے اس میں انہی "انبیاء و رسل" اور "صحف و کتب" کا ذکر کیا گیا ہے جن سے عرب' یہود اور نصاریٰ واقف تھے جن اقوام و ملل سے عرب اور اہلِ کتاب زیادہ واقف نہ تھے ان کا ذکر نہیں کیا گیا' غالباً انہی وجوہ سے مجدد الف ثانی نے "در المعرفت" میں تصریح کی ہے کہ "ہندوستان کی سرزمین بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے خالی نہیں رہی ہے۔ وجود و صفاتِ باری تعالیٰ کا علم انوارِ نبوت کا فیضان ہے جو اس ظلمت کدۂ کفر میں بھی روشن ہے اور دنیا کی سرزمین پر ایسا خطہ کم ہے جو اس سعادت سے محروم رہا ہو' فرق یہ ہے کہ ان انبیاء کی بعثت عام نہ تھی وہ مخصوص بستی اور شہر کی طرف بھیجے گئے تھے"(٦٥)

(ا) انوارِ نبوت کی تابانی کا ثمرہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک خطۂ زمین پر الٰہیات، اخلاقیات، قانون، معاشرت، ادب و تاریخ وغیرہ کا ذخیرہ انوارِ نبوت کی تابانی کا ثمرہ ہے اور دین و دانش کا سرچشمہ ہونے کا فخر انہی کتب الٰہیہ کو حاصل ہے ان کے علمی سرمایہ میں بگاڑ، نظریات و عقائد میں اختلاف اور آسمانی ہدایات سے انحراف، تمام تر خارجی اثرات کا نتیجہ ہیں تمام موجودہ فساد اور بگاڑ کے باوجود ازلی صداقت و راستی کے آثار مدہم ہی سہی مگر نظر آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اور کتاب و کتب خانہ کا رشتہ دنیا میں "ارسالِ رسل" اور "تنزیلِ کتب" سے وابستہ ہے اس رشتہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ بعثتِ انبیاء و کتب کی تاریخ قدیم ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتب و کتب خانہ انسانی ثقافت و تمدن کا اولین مظہر ہے۔

(ب) شرقِ اوسط کے انبیاء و کتب سے قرآن کا اعتناء

شرقِ اوسط (ایشیا و افریقہ) کی طرف بھیجے گئے "انبیاء" و "کتب" کا ذکر قرآن میں اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ مصر، شام، اردن، جزیرہ، عرب و ایران وغیرہ کو انسانی ثقافت و تمدن کے ارتقاء اور علم و فن کی ترقی میں اعلیٰ مقام حاصل رہا ہے اس سرزمین پر ادیانِ سماوی کا ظہور ہوا یہیں تعمیرِ افکار کے قدیم ترین ذرائع کا سراغ لگا اور حروفِ ابجد کی معرفت حاصل ہوئی ہے(٦٦) اور اسی خطہ سے یہ علم جگہ جگہ پہنچا(٦٧)

قرآن نے جن اقوام کا ذکر کیا ہے انہیں اپنی زبان، ادب و ثقافت کی وجہ سے جن کے مظاہر کتب خانے ہیں اقوامِ عالم کی رہنمائی کا فخر حاصل رہا ہے مگر دنیا کو ان کی قدیم تاریخ اور ان کے شاندار تمدن و ثقافت کا چنداں علم نہ تھا۔ چنانچہ موجودہ دور کے اثری انکشافات نے ان حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے ان حقائق کی طرف لطیف اشارے کئے ہیں جو اس باب میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی اور خود عرب اور عربی نسل کی ابتدائی سرگزشتیں بھی پردہ میں مستور تھیں۔ لیکن اٹھارویں صدی..... انیسویں صدی..... اور اب بیسویں صدی کے اثری انکشافات روز بروز ایک خاص رخ پر جا رہے ہیں۔ ان سب سے عرب، عراق، فلسطین، شام اور مصر کی قدیم قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں انہوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو بالکل ایک نئی شکل دے دی ہے۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کے صرف اتنے ہی معنی نہیں ہیں جتنے آج تک سمجھے گئے ہیں، بلکہ یہ قوموں اور نسلوں کی ایک نہایت قدیم اور وسیع داستان ہے اور دنیا کے ابتدائی تمدنوں میں عظیم الشان حصہ لے چکے ہیں۔"

ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عربی زبان اور اس کی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایک خاص نسل تسلیم کرلیا جائے تو یہ دراصل بہت سے گروہوں اور قبیلوں کا ایک مجموعہ تھا اور عرب، فلسطین، شام، مصر اور عراق کے خطوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لئے، ان ملکوں کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تک ایک دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں مثلاً اشوری، سریانی، فینیقی، مصری، آرامی وغیرہم فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترک تھے۔ حتیٰ کہ انہی گروہوں نے مصر کے تختِ عظمت وجبروت پر عرصہ تک شہنشاہی کی اور اپنی زبان، وقت کی تمام متمدن قوموں کو مستعار دے دی۔ چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر کے پہلے **غلیفی** نقوش میں عربی الفاظ آج تک پڑھے جاسکتے ہیں اور یہ بات تو ایک تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی ہے کہ یونانیوں نے فنِ کتابت کا پہلا سبق انہی اقوام سے حاصل کیا تھا۔ پس اگر قرآن نے صرف انہی خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، کوئی دوسری قوم اس دائرہ میں داخل نہیں ہوسکی ہے تو بہت ممکن ہے اس کی علت اس سے کہیں زیادہ گہری ہو جس قدر اس وقت تک ہم سمجھتے رہے ہیں؛ اس سلسلے میں تین باتیں نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہیں۔

اولاً جن اقوام کا ذکر کیا گیا ہے ان کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ بعض سرزمینِ حجاز کے قرب وجوار میں گزری تھیں اور بعض سے اہلِ کتاب واقف تھے بلکہ اس سے بھی کوئی زیادہ گہری بات ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقہ کی ہیں حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مصری بھی اس میں داخل ہیں۔

ثانیاً" ان انکشافات کی روشنی میں ایک اور مسئلہ بھی بالکل صاف ہوجاتا ہے۔ قرآن نے جہاں کہیں ترتیبِ ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے وہاں قومِ نوح کے بعد قومِ عاد، اور عاد کے بعد قومِ ثمود نمایاں ہوئی ہیں اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے۔ چونکہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا اس لئے یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے؟ لیکن اب بالکل واضح ہوگئی اور ان توجیہوں کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی ہیں۔

ثالثاً" اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ یہ تذکرہ حضرت نوح علیہ

السلام سے ہی کیوں شروع کیا ہے؟ اس کے متعدد وجوہ سامنے آئے تھے، لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایک نیا پہلو واضح کر دیا ہے یعنی حضرت نوح کی دعوت غالباً" اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی اور چونکہ پہلی دعوت تھی اس لئے ناگزیر تھا کہ اس کی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔

رابعاً" تورات کی بناء پر سامی نسلوں اور زبانوں کی جو تقسیم کی گئی تھی اور جو اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے علماءِ انساب و السنہ کے نزدیک بنیادی تقسیم رہی ہے، اب متزلزل ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ از سر نو نئی تقسیمیں کرنی پڑیں گی، ولتعلمن نبأہ بعد حین (۳۸:۸۸)(۶۸)

(ج) کتب و کتب خانہ "بیان" کا مرہونِ منت

بنی نوعِ انسان کی علمی، ثقافتی و تمدنی زندگی جس کے مظاہر کتب و کتب خانہ ہیں یہ "بیان" کا مرہونِ منت ہے، اس کے ذریعہ اس کے جذبات، احساسات، تجربات، مشاہدات، ایجادات و تحقیقات کو ہر زمانے میں ہر جگہ پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم ہوئے ہیں، اس بیانِ اختیار میں اظہارِ مافی الضمیر کے ارتقائی مدارج تین ہیں۔

(۱) اشارہ یہ اپنے معنی و مفہوم میں بڑی وسعت رکھتا ہے اس میں نشانات (Signs) اور تصویری خط (Pictorial Writing) اپنے تمام ارتقائی مدارجِ صوری اور معنوی ارتقاء کے ساتھ داخل ہے یعنی صوری ارتقاء

(۱) تصویری خط (Pictorial Writing)
(۲) جدولی خط (Linear Writing)
(۳) آثاری خط (Monumental Writing)
(۴) لپیٹ اور رواں خط (Cursive Writing)

معنوی ارتقاء و حقیقی تعبیرات (Primary Signs) مجازی تعبیرات (Associative Signs) اس میں داخل ہیں(۶۹)

(۲) نطق (Power of Speech) جب زبان کی تشکیل، حروفِ تہجی کی تکمیل ہو گئی، زبان بولی جانے لگی اور تصاویر کی جگہ حروف و الفاظ نے لینا شروع کر دی اس کو Speech نطق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) خط (Writing) تحریر کے فن کی تشکیل و تکمیل کا دور ہے، ان تینوں ادوار کے

ارتقائی مدارج اور ان کے اساسی ادوار کی طرف عصرِ حاضر کے فنِ تحریر کے تاریخ نگاروں سے ہزار برس پہلے مسلمان مفکرین میں سے جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ اور راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے آیتِ شریفہ "الرحمن ہ علم القران ہ خلق الانسان علمہ البیان" (الرحمٰن ۱۔۳) "رحمٰن نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا"" کی تشریحِ لفظ "بیان" کی توضیح میں کی تھی(۷۰) جس سے بیان کے مذکورۂ بالا اساسی ادوار کے ارتقاءِ مدارج کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

خطِ پیکان

قرآن مجید بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے اترا ہے، وہ بنی نوعِ انسان کے جملہ علوم و فنون اور صنائع کو روشنی مہیا کرتا ہے(۷۱) اس نے جہاں اور چیزوں کی ابتداء و ترقی کے متعلق اشارے کئے ہیں وہاں نہایت قدیم اور ابتدائی ترقی پذیر خط میخی (Coniform of Wriging) کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آیتِ شریفہ میں ارشاد ہے "بایدی سفرہ" (العبس۔۱۵) "وہ جو اپنے ہاتھ سے (پھاڑ کر نمایاں کرکے) لکھنے والے ہیں۔"

سفر کے مادہ میں انکشاف و جلا کے معنی مضمر ہیں، سفرہ، سافر بمعنی کاتب کی جمع ہے(۷۲) کتاب کو سفر اور کتب کو اسفار کہتے ہیں، کتب و رسل بھی حقائق کو کھولتے، جہالت کی تاریکیوں کو چھانٹتے اور علم کی روشنی سے دل و دماغ کو روشن کرتے ہیں، خطِ پیکان وہی خط ہے جو کبھی کچی اینٹوں پر نوکدار چیز سے پھاڑ کر نہایت روشن خط میں لکھا جاتا تھا، یہ اینٹیں پکنے پکانے سے پختہ تر ہو جاتی تھیں اور خط میخی سے ان پر نقوش ایسے جم جاتے تھے کہ تختیاں اور اینٹیں ٹوٹ جاتی تھیں مگر نقوش صدیوں باقی رہتے تھے(۷۳) اس لحاظ سے مذکورۂ بالا آیت میں خط میخی کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے۔

(د) گلی کتب خانہ

آیتِ شریفہ' یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب کمابدأنا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فعلین (الانبیاء۔ ۱۰۴) (جس دن ہم لپیٹ لیویں آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ' جیسا سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار پھر اس کو دوہرائیں گے' وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر' ہم کو پورا کرنا ہے)' میں قدیم ترین گلی کتب خانہ کی ابتدائی تاریخ کی طرف اشارہ نکلتا ہے لیکن اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہمیں لفظ "سجل" "سجیل" و "سجین" کی لغوی حقیقت پر غور کرنا ضروری ہے۔

سجل' سجل اور سجین کے معنی:

ائمہ لغت نے سجل اور سجیل کے معنی "حجر و طین" پتھر اور گارے کا آمیزہ کئے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ یہ فارسی لفظ سنگ و گِل کا معرب ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اسی قول کو اختیار کیا ہے(۷۴) سجین کو قرآن نے "کتاب مرقوم" لکھی ہوئی کتاب کہا ہے۔ ابو عبیدہ لفظ سجین کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "نون اور لام کا مخرج قریب قریب ہے اس لئے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے اس کلمہ میں نون کو لام سے بدلا گیا ہے" (امام بخاری نے بھی اسی قول کو صحیح بخاری میں نقل کیا ہے)(۷۵) مفسرین میں ترجمان قرآن حضرت ابن عباسؓ' مجاہد اور ابن اسحاق کا بھی یہی قول ہے' دو لفظوں کو ملانے کی وجہ سے "واؤ" گرا دیا گیا اور سنگ کا "گاف" عربی میں "جیم" سے بدلا گیا تو سج بن گیا۔ گِل کا "گاف" جیم اور ی میں تبدیل کیا گیا تو "جیل" بن گیا دو جیم ایک کلمہ میں جمع ہو گئے اس لئے ایک کا دوسرے میں ادغام کیا گیا تو سجیل بن گیا' اس لئے ضحاک نے اس کا ترجمہ اینٹ سے کیا ہے۔ ابن زید نے تصریح کی ہے کہ یہ وہ گارہ ہے جسے پکا کر اینٹ بنائی جاتی ہے(۷۶) لکھنے کے بعد اینٹ کو پکا کر پختہ کیا جاتا تھا۔ اس کو انگریزی میں Terracotta کہا جاتا ہے۔ "سجل" کے معنی وہ پتھر جس پر لکھتے تھے(۷۷) پھر ہر نوشتہ کو سجل کہنے لگے جیساکہ آیت شریف کطي السجل للکتب (الانبیاء۔ ۱۰۴) "ہم آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے سجل میں تحریر لپیٹ دی جاتی ہے"' میں وارد ہے یہ ایسا ہے جیسے کسی نوشتہ کو حفاظت کی خاطر لپیٹ کر رکھنا' ان وجوہ سے عرب ہر سخت چیز کو سجیل کے لفظ سے تعبیر کرنے لگے تھے' پتھر کی سل اور اینٹ دونوں بڑی ہوتی ہیں' عہدِ قدیم میں ان پر لکھا جاتا تھا اس لئے ہر بڑی کتاب کو سجل کہتے تھے۔

اس سے گلی تختیوں اور کچی اینٹوں کے قدیم ترین کتب خانہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ظہور آثار قدیمہ کی کھدائی سے ہو رہا ہے چنانچہ بابل و نینوا میں سینکڑوں کی تعداد میں اشور بانی پال (۲۵۰۰۔۔۳۰۰۰ ق م) کے کتب خانہ کی بولتی ہوئی تصویریں آج برٹش میوزیم اور دیگر یورپی اور امریکی ممالک کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔

عہدِ قدیم میں مصر و روم میں پپائرس پر اور سرزمین عراق بابل و نینوا میں اینٹوں پر لکھا جاتا تھا۔ مفسرین نے مذکورۂ بالا آیت میں سجل کی تفسیر طومار (Rolls) سے کرکے اس کے مرادی معنی کی وضاحت کی ہے اور سجل کی نوشتہ اینٹ اور پتھر سے تفسیر کرکے گلی کتب خانوں کی طرف رہنمائی کی ہے۔ ائمہ لغت و تفسیر کی روشنی میں دونوں ان کا مصداق بن سکتے ہیں اور اسی نقطہ نگاہ سے یہ تشریح کی گئی ہے۔

مذکورۂ بالا مباحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام پر اتاری گئی کتابوں اور صحیفوں کی حیثیت کتب خانہ ساز کتابوں کی تھی۔ عہدِ قدیم میں انہی کتب و صحف سے کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا تھا۔ قرآن نے جن صحف و کتب کا ذکر کیا ان سے جن انبیاء کے کتب خانوں کی نشاندہی ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے کتب خانے

(ا) حضرت ابراہیمؑ کا کتب خانہ

خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲۱۶۰-۱۹۸۵ء ق م)(۷۸) انبیاء اولوالعزم میں آپ کا شمار ہے۔ کعبتہ اللہ آپ نے تعمیر کیا تھا۔ آپ پر نازل کردہ صحیفوں کا ذکر سورۃ النجم آیت ۳۷ و ۳۶ اور سورہ الاعلیٰ آیت ۱۸ و ۱۹ میں کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم کے صحیفوں کے تذکرہ سے یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابیں بھی خالی ہیں۔ "صحفِ ابراہیم" کی نشاندہی صرف قرآن نے کی ہے(۷۹) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے کتب و کتب خانوں کے آثار سے دوسرے کتبِ مقدسہ کی بہ نسبت زیادہ اعتناء کیا ہے تاکہ لوگ برباد شدہ کتب و صحف کی قدر و منزلت اور منفعت و مصلحت کو سمجھیں(۸۰) حضرت ابراہیمؑ کے کتب خانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کتب خانے موجود تھے۔

(ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کتب خانہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام (۱۵۲۰-۱۴۰۰ق م)(۸۱) کا شمار بھی انبیاء اولوالعزم میں ہوتا ہے: بنی اسرائیل کے مشہور جلیل القدر صاحبِ شریعت و صاحب کتاب نبی تھے ان پر تورات اور صحیفے اتارے گئے تھے۔ قرآن میں تورات کا بیس (۲۰) مقامات پر(۸۲) اور صحف کا دو مقام پر تذکرہ کیا گیا ہے(۸۳) تورات الواح کی صورت میں اتاری گئی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیءموعظۃً وتفصیلا لکل شئی فخذھا بقوۃ وامر قومک یاخذوا با حسنھا" (الاعراف۔ ۱۴۵) "اور ہم نے ان کو تختیوں پر ہر چیز لکھ دی تھی نصیحت و تفصیل ہر چیز سے متعلق، انہیں قوت سے پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے اچھے اچھے احکام کو لازم کرلیں۔"

اس آیتِ شریفہ کے اسلوبِ بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے تحریری سرمایہ کتاب کو بنی نوعِ انسان کے لئے نعمت و فضل قرار دیا اس لئے اس کا ذکر بطور امتنان کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کتب و کتب خانہ بنی نوعِ انسان کے لئے فضیلت و شرف کا موجب ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن نے الواح کو کتاب اور "صحفِ" کے الفاظ سے موسوم کیا ہے۔

تورات کے متعلق اکثر ائمہ لغت کا یہی قول ہے کہ یہ عجمی نام ہے لیکن جو ائمہ لغت اس کو

عربی کہتے ہیں وہ "وری الزند" (چقماق سے آگ روشن ہو گی) سے مشتق مانتے ہیں تورات میں وہ روشنی و نور تھا جس کے ذریعہ انسان ضلالت سے نکل کر ہدایت پر آجاتا تھا جس طرح انسان اندھیرے سے اجالے میں نکل آتا ہے اس لئے یہ کتاب تورات کے نام سے موسوم ہوئی، اس کی تائید آیتِ شریفہ "ولقد اتینا موسی وہارون ضیاء وذکراً للمتقین" (الانبیاء۔ ۴۸) "اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ کرنے والی روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کو" (۸۴)

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ کتاب دراصل وہی ہے جو جس فن میں مرتب کی گئی ہو اس میں رہنمائی ہو، روشنی کا کام دے اور جو ان اوصاف سے آراستہ نہ ہو کتاب کہلانے کی بھی مستحق نہیں۔

دو یتیموں کا کتب خانہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی مفسرین نے کتب خانہ کی نشاندہی کی ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ میں قرآن کہتا ہے "اما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنزلھما وکان ابوھما صالحا" (الکھف۔ ۸۲) "لیکن وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور اس کے نیچے خزانہ گڑا تھا ان کا، اور ان کا باپ تھا نیک۔"

اس آیتِ شریفہ میں کنز کی تفسیر حضرت ابنِ عباسؓ، سعید بن جبیر اور مجاہد سے خزانۂ علم اور کتب خانہ منقول ہے (۸۵) نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مال اور علم دونوں کا خزانہ دیوار کے نیچے مدفون ہو (۸۶) یہ وہ علمی شہپارے تھے جو نیکوکار باپ نے ننھی منی اولاد کے لئے مرنے سے پہلے دیوار کے نیچے دفن کر دیئے تھے تاکہ بچے بڑے ہو کر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

(ج) حضرت داؤد علیہ السلام کا کتب خانہ

حضرت داؤد علیہ السلام (۱۰۳۴۔ ۹۶۴ق م) (۸۷) بنی اسرائیل کے مشہور جلیل القدر نبی و رسول اور بادشاہ تھے۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کو قرآن نے خلیفہ کہا ہے، ان کی تلاوت اور خوش الحانی ضرب المثل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ملک و سلطنت اور علم و حکمت سب ہی عطا کی (البقرہ۔ ۱۵۰) اور اس نے ان پر زبور نازل کی تھی جس کا قرآن میں تین مقامات پر ذکر آیا ہے (۸)

زبور، زبر سے ماخوذ ہے جس کے معنی لکھنا ہیں زبور فعول کے وزن پر مکتوب اور نوشتہ کے معنی میں ہے۔ امام راغب اصفہانی نے تشریح کی ہے کہ ہر وہ کتاب جس کی کتابت گاڑھی ہو اس کو زبور کہا جاتا ہے۔ حضرت داوُدؑ کی کتاب صرف عقلی حکمتوں پر مشتمل تھی(۸۹) موجودہ زبور بھی ایک سو پچاس حصوں پر مشتمل ہے۔

(د) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کتب خانہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۱-۳۳ھ) بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے۔ ان پر انجیل اتاری گئی تھی۔ فرمایا گیا ہے "نزل علیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیہ و انزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس وانزل الفرقان" (آل عمران-۳) "اس (اللہ) نے یہ کتاب (قرآن) آپ پر نازل کی حق کے ساتھ، ان کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں اور اس نے اتارا تھا توریت اور انجیل کو اس سے پیشتر لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اس نے فرقان اتارا۔"

کتبِ سماوی عموماً مذہب، الٰہیات، ادعیہ، اخلاق، رسوم و رواج، قانون، آدابِ معاشرت، ادب، تاریخ و سیر، قصص، نجوم و فلکیات، صنعتیں اور حرفتیں غرض سب ہی علوم سے کم و بیش اعتناء کرتی ہیں گو بحث کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، صحفِ سماوی نے بنی نوعِ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کی، ذہنوں کو جلا بخشی، میدانِ فکر و نظر میں اسے نئے نئے اسلوبِ بیان سکھائے، ہر موضوع پر جولانیٔ فکر کی نئی نئی بنیادیں فراہم کیں، اچھوتے موضوعات کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی، فکر و نظر کو دادِ تحقیق کے لئے نت نئے میدان فراہم کئے جن کی بنیاد پر سینکڑوں موضوعات نے جنم لیا اور ہر موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، انہی وجوہ سے کتابوں کے ثقافتی انقلاب میں ان کا غیر معمولی حصہ رہا ہے، انہوں نے کتابی ثقافت کی دنیا میں ایسا دیرپا اور ٹھوس انقلاب برپا کیا اور ایسی مستحکم بنیادیں مہیا کی ہیں جن کے نقوش رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔

بنی نوعِ انسان کے ہر نوع کے ادبی سرمایہ کو ان کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے اور چڑھانے کے لئے ایسے راستے کھولے ہیں جو ہمیشہ وا رہیں گے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ کتابوں میں اضافہ کا ترقی پذیر سلسلہ ہر دور میں بڑھتا رہا اور کتب خانوں کے ذخائر کی تعداد اب لاکھوں میں محدود نہیں رہی بلکہ کروڑوں سے بھی آگے نکل رہی ہے۔

آسمانی کتابوں نے کتابی ثقافت کی دنیا میں جو انقلاب برپا کیا ہے اس امر کا اندازہ مشہور لائبریرین اور وقت کے نامور محقق رابرٹ بی ڈاؤنس (Robert B. Downs) کے اس

طرزِ عمل سے کیا جا سکتا ہے جو اس نے اپنی مشہور کتاب "Books that Changed the world" میں انجیل مقدس کے لئے اختیار کیا ہے اس نے اس سلسلہ کی کتابوں میں سب سے پہلے انجیل مقدس کا تذکرہ کیا ہے اور آغازِ بحث سے پہلے ہی اس کی نسبت یہ معنی خیز فقرہ "The book of the books" (یہ کتابوں کی کتاب) لکھا ہے جو ذہن انسانی پر اس مقدس کتاب کی عظمت، شہرت و اہمیت اور انقلابی اثرات کی نہایت واضح دلیل ہے پھر وہ لکھتا ہے۔ "یہ بارہ علوم (۱) تاریخ (۲) قومی و روایتی قصے (۳) سوانح (۴) علم الانساب (۵) اخلاق (۶) قانون (۷) کہاوت میں پنہاں دانائی (۸) نصائح (۹) پیش گوئی (۱۰) غنائی شاعری (۱۱) حمد کے گیت اور (۱۲) علم الٰہیات پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد ڈاوٗنس (Downs) مزید تنبیہہ کرتا اور لکھتا ہے!

It is not simply a book but a collection of books (90)

یہ سادہ کتاب نہیں ہے بلکہ کتابوں کا ایک مجموعہ ہے۔

موصوف کے مذکورۂ بالا زوردار جملے ہمارے مذکورۂ بالا دعوے "کتبِ سماوی کتب خانہ ساز کتب ہیں" کا نہایت بین ثبوت اور تشریح ہے۔

آیتِ شریفہ " ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من ایتنا عجبا" (الکہف۔ ۹) کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری کوئی بڑی نشانیوں میں سے تھے' میں رقیم' رقم سے ماخوذ ہے اور "کتاب مرقوم" لکھی ہوئی کتاب کو کہتے ہیں اس سے ارقم بنا ہے جس کے معنی دھاری دار چادر کے ہیں۔ چتکبرے سانپ کو ارقم اور رقمتہ الوادی پانی کے بہنے کی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہ بھی خط کی صورت میں اپنی راہ بنالیتی ہے(۹۱)

الرقیم تانبے یا پیتل کی تختی پر اصحاب کہف کے نام' نسب و مذہب کے متعلق معلومات حاصل کر کے خزانۂ شاہی میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ مفسر ابنِ عطیہ المتوفی ۵۴۲ھ کا بیان ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خطہ میں اصحاب کہف آکر ٹھہرے تھے اس خطہ میں آباد قوم تاریخی واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتی تھی جو اس مملکت کی علمی اور ثقافتی عظمت کی نشاندہی کرتی ہے اور یہ نہایت مفید کارنامہ تھا(۹۲) یہ واقعہ ایشیاءِ کوچک کے مغربی ساحل افیس (Ephesus) میں ۲۴۹۔۲۵۱ء کے مابین پیش آیا تھا(۹۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے نزول سے پہلے شاہی محل میں تحریری ذخیرہ رکھا جاتا تھا اور کتب خانہ قائم کیا جاتا تھا۔

(۵) معلم کتاب و حکمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتب خانہ

آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر آخری کتاب "قرآن" تیئس سال کی طویل مدت میں جستہ جستہ نازل کی گئی جسے آپ نے کاتبانِ وحی سے کھجور کی ٹہنیوں (۹۴) چوڑی صاف ہموار شانہ کی ہڈیوں (۹۵) کپڑے اور چمڑے کے ٹکڑوں، پتلے سفید پتھروں (۹۶) بکری اور اونٹ کی پسلیوں (۹۷) پر صحت کے ساتھ قلم بند کرا کر رکھا (۹۸) اس لئے محمد عجاج الخطیب نے یہ لکھا ہے:

"اسلام کے اندریں کتب خانوں میں سب سے پہلا کتب خانہ رسول کا گھر تھا، اس میں کاتبانِ وحی جو کچھ وحی قرآنی نقل کرتے، یہیں جمع کر کے رکھتے تھے" (۹۹) پھر حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اسے قرطاس پر نقل کرا کر محفوظ کرایا (۱۰۰) اور حضرت عثمانؓ نے عہدِ عثمانی میں اس کی نقلیں کرا کر اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں کی جامع مسجدوں میں قراء کے ہمراہ عوام کے استفادہ کے لئے رکھوائی تھیں (۱۰۱)

"الکتاب" قرآن وحی اور علم کی وہ اساسی کتاب ہے جس کی وجہ سے علوم و فنون کے سرچشمے پھوٹے، عربی زبان کو ترقی ہوئی، کتابوں کی ترویج و اشاعت کے ترقی پذیر سلسلہ کو بقاء و دوام حاصل ہوا، درسگاہوں اور کتب خانوں کے قفل کھلے، عوام و خواص کی ان سے دلچسپی بڑھی، انہیں علم کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا، کتب خانوں کی توسیع و ترقی کے لئے لوگ دامے قدمے کوشاں ہوئے، مسلمانوں کا کوئی گھر 'الکتاب اور حدیث رسول سے خالی نہ رہا، ہر مسجد بجائے خود ایک مدرسہ و کتب خانہ بن گئی، ہر مسلمان اپنے حق میں متعلم و کتاب دار اور دوسرے کے حق میں معلم و کتاب رساں بن گیا انہی وجوہ سے کتب خانہ ساز کتب و صحفِ سماوی کی تاریخ میں الکتاب کو یہ امتیاز خاص حاصل ہے کہ اس سے پیدا شدہ علوم و فنون کی کتابت، قرأت، حفاظت اور توسیع و اشاعت سب سے زیادہ ہوئی اور کتب خانوں کی تاسیس و تشکیل، توسیع و ترقی میں عہدِ عباسی علمی دنیا میں اپنی نظیر آپ بن سکا۔

(۳)

قیامِ کتب خانہ کے عوامل و محرکات

علم و کتاب فطرت کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، عقل و شعور کی صحیح خطوط پر رہنمائی کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کا نہایت موثر ذریعہ ہے۔ اس سے انسان معراج کمال پاتا ہے۔ اسلام نے ہر ایک مسلمان پر علم و ابلاغِ علم کو فرض کر کے کتابوں کے پڑھنے، پھیلانے اور جمع کرنے کا پابند کیا تو کوئی گھر تھوڑے بہت ذخیرہ کتب سے خالی نہیں رہا، اس نے راز داری اور کسی طبقہ کی اجارہ داری کو جو انسانی مشترکہ ورثہ کے افادہ و استفادہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور علم و کتاب کی اصل روح کے منافی ہے، کبھی برداشت نہیں کیا۔ اس لئے کتب خانوں کا وسیع تر سلسلہ اسلامی قلمرو میں برابر فروغ پاتا رہا۔

کتب خانہ بنی نوعِ انسان کے متاع مشترک کا مظہر ہے۔ مسلم معاشرہ میں کتب خانوں کے قیام کے جو مثبت و منفی فکری، ذہنی، اخلاقی، سماجی اور ثقافتی عوامل و محرکات اقراء کے نور کے پھیلانے اور کتب خانوں کی تشکیل و ترقی میں معاون رہے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) تحصیلِ علم ہر انسان کا بنیادی حق

اسلام نے تحصیلِ علم ہر انسان کا بنیادی حق قرار دیا اور ہر انسان کی علمی و روحانی ترقی و امداد کے لئے علمی ذخائر سے استفادہ و افادہ اہم اور ضروری سمجھا چنانچہ کتابیں پڑھے لکھے جمع کریں یا بے پڑھے لکھے، بشرطیکہ تجارت کی نیت نہ ہو، انہیں حوائج اصلیہ Basic Necessities میں شمار کیا اور زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے (۱۰۲) یہ امر بھی کتب خانوں کے قیام میں محرک رہا ہے۔

(۲) علم عبادت و فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" (۱۰۳) اس سے ان کے پیرو یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ اکتسابِ علم خدا کی مکمل عبادت ہے۔ نیز اہلِ علم میں علمی تعاون ایک مقدس فریضہ سمجھا گیا ان میں علمی تعاون برقرار رہا اور علوم و کتب کی اشاعت و ذخائر کتب میں اضافہ برابر فروغ پاتا رہا۔ علم' اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس نے انسان کو اس سے آراستہ کیا اور جن باتوں کو یہ جانتا نہ تھا ان کو جاننا فضیلت قرار دیا۔ آیتِ شریفہ میں فرمایا ہے "وانزل اللّٰہ علیک الکتب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما" (النساء۔ ۱۱۳) "اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔"

اس فضلِ عظیم کے حصول کا ذریعہ کتب و کتب خانہ ہے اس لئے بھی مسلمانوں نے اس کی تشکیل و تکمیل میں بہت زیادہ سرگرمی دکھائی۔

(۳) علم میراثِ انبیاء

ارسالِ رسل و تنزیلِ کتب کا مقصد وحید تعلیم کتاب اور حکمت تھا جو انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے اس میراث سے بہرہ ور علماء کو انبیاء کا جانشین قرار دیا' جانشینی کی سعادت حاصل کرنے کے جذبہ نے امتِ مسلمہ کو علم کا جویا اور جمع کتب کا شیدا بنا دیا تھا۔

(۴) گھر میں کتاب رکھنا نبی کو مہمان رکھنا تھا

مسلم معاشرہ میں اس سعادت سے بھلا کونسا مسلمان اپنے آپ کو محروم رکھتا اور ایسی خیر کی دعوت میں کون شرکت سے پہلو تہی کرتا۔ ہر ایک نے کتب خانہ سازی میں بقدرِ استطاعت حصہ لیا۔ چنانچہ ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے جب جامع ترمذی کی تکمیل کی تو فرمایا "جس گھر میں یہ کتاب ہے اس گھر میں رسول بول رہا ہے" (۱۰۴) جس کے پاس کتاب ہے اس کے گھر میں شریعت کا سرمایہ محفوظ ہے۔ ابو داؤد سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ نے اپنی کتاب السنن کی تدوین کی تو فرمایا کہ "پوری کتاب کا ذکر ہی کیا اس کی چار حدیثیں ہی بنی نوعِ انسان کے کردار کو بنانے اور اسے احکامِ الٰہی پر کاربند کرنے کے لئے کافی ہیں" (۱۰۵)

ان باتوں نے مسلمانوں کے دل و دماغ میں علمی ذخیرے کی عظمت و محبت بٹھائی' کتب خانوں کے قیام کو جی جان سے زیادہ عزیز بنایا۔ چنانچہ دینی علم کا ذخیرہ گھر میں رکھنا مسلم معاشرے کا

نہایت مقدس فریضہ بن گیا تھا۔ مردوں اور عورتوں سب ہی نے کتب خانہ سازی میں بھرپور حصہ لیا۔

(۵) علمی امانت کی پاسداری وادائیگی

علم ایک امانت اور عالم امین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو علم اور فہم وبصیرت اس کو عطا کی ہے اسے کتابی صورت میں محفوظ کرنا' رکھنا اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا لازم ہے۔ اس پاسداری وادائیگی کے لئے کتب خانہ ناگزیر ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا اور خلقِ خدا کو فائدہ نہ پہنچانا خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ امانت علمی ومالی میں خیانت روا نہیں رکھتا۔ قرآن کہتا ہے۔

یایھا الذین امنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا امنتکم وانتم تعلمون (الانفال۔ ۲۷)

"اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس میں امانتوں میں جان کر۔"

(۶) تحفظِ کتب

قرآن سے قبل کی صحف وکتبِ سماوی تحریف وبربادی کا اس لئے بھی تختۂ مشق بنی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ وبقاء کی کوئی ذمہ داری نہیں لی تھی بلکہ علماء اور حاملین کتاب کو ان کا پاسبان بنایا تھا۔ قرآن کہتا ہے۔ **"انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادو والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء"** (المائدہ۔ ۴۴) "ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی' سارے نبی' جو مسلم تھے' اس کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی طرح ربانی اور احبار بھی کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ تحفظِ کتب کی تحریک نے احکامِ الٰہی کے تحت جنم لیا تھا۔

امام فخرالدین رازی نے تصریح کی ہے کہ حفظ وتحفظ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ کتاب کو یاد رکھنا اور نہ بھلانا۔

۲۔ کتاب کی حفاظت کرنا اور اس کو ضائع نہ ہونے دینا۔

اللہ تعالیٰ نے علماء واحبار سے ان دونوں باتوں کا عہد لیا تھا کہ وہ اس کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گے' پڑھائیں گے (سینوں سے سفینوں) میں منتقل کریں گے اور کرائیں گے اس کے

احکام کی پابندی کریں گے اس کی بتائی ہوئی باتوں کو نہ چھوڑیں گے(۱۰۶) اس سے معلوم ہوا کہ تحفظ کتاب اور اس کا ابلاغ دونوں پسندیدہ اور مطلوب امر ہیں(۱۰۷)

اس آیتِ شریفہ میں اس حقیقت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اقوام و ملل کی ذلت و پسماندگی کا سبب کتابوں کا تحفظ نہ کرنا اور ان سے قریب نہ ہونا بھی ہے۔ اس تنبیہہ سے صحابہؓ کو تحقیق و تجسس کا ایک اور میدان ہاتھ آیا اور انہوں نے حفظِ کتاب پر زور دیا۔ عربوں نے شروع میں حفظِ کتاب کے ضمن میں موادِ علمی کو قیدِ تحریر میں لانے پر زور نہیں دیا لیکن مواد جب زیادہ ہو گیا تو انہوں نے بھی سینوں سے سفینوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا۔

(۷) فروغِ علم و کتاب

علم کی برکت اس کو فروغ دینا‘ فروغِ علم کے مواقع کو سعادت سمجھنا اور اس کو علم کی اوّلین برکات میں شمار کرنا بھی کتب خانوں کے قیام و فروغ کا محرک رہا۔ چنانچہ امام وکیع المتوفی ۱۹۷ھ فرماتے تھے ”علمِ حدیث کی برکت دوسروں کو کتابیں دینے کا موقعہ ملنا ہے“(۱۰۸) اور ابو وہب محمد بن مزاحم المتوفی ۲۰۷ھ کہتے تھے ”علم کی سب سے پہلی برکت دوسروں کو کتابیں دینے کی سعادت حاصل کرنا ہے“(۱۰۹) مذکورۂ بالا اقوال میں رسائی کے پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے جس کی جگہ کتب خانہ ہے۔

(۸) ابلاغِ علم

اسلام علم‘ حق و صداقت کو پھیلانے پر بہت زور دیتا ہے اور اس کو بڑے ہی اجر و ثواب کا کام بتاتا ہے‘ رسالت مآب کا فرمان ہے: ”جس نے میری بات سنی اسے یاد رکھا اور جس طرح سنا اسی طرح اس کو پہنچایا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو روشن رکھے“(۱۱۰) اس دعا کا مصداق بننے اور آپ کے ارشاد **بلغوا عنی ولو آیہ**(۱۱۱) ”میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو‘ پر عمل کرنے کے جذبہ نے مسلمانوں کو علوم و فنون کی ترتیب و تدوین اور نقل و جمع کتب پر آمادہ کیا۔ اہلِ علم کی کتابی ضروریات کو پورا کرنا بہت بڑی نیکی سمجھا گیا اس لئے اس کا دائرہ کار شخصی کتب خانوں تک محدود نہیں بلکہ شاہی‘ خانقاہی‘ تعلیمی اور عوامی کتب خانوں تک پھیل گیا تھا۔ اسی جذبہ نے بستی بستی میں علمی ضروریات کی تکمیل کے لئے کتب خانے قائم کرنے پر مسلم قوم کو کمربستہ کیا۔“

(۹) فراوانیِ علم

علم بنی نوعِ انسان کی ظاہری و باطنی ترقی کا زینہ ہے' اس کی کوئی غایت و نہایت نہیں ہے اس لئے اس میں اضافہ اور زیادتی ہر آن مطلوب و محبوب ہے۔ رسالت مآب کی ذات سرچشمۂ علوم و حکم تھی اور آپ کو علوم و معارف کا نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ بایں ہمہ آپ کو اگر کسی چیز کے بیش از بیش طلب کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ طلب علم کا حکم تھا۔ چنانچہ ہدایت کی گئی تھی "قل رب زدنی علما" "اور کہئے اے رب مجھے زیادہ سے زیادہ علوم و معارف عطا فرما۔" چنانچہ آپ دعا کرتے تھے الہم انی اسالک علما نافعا (۱۱۲) "اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم مانگتا ہوں۔" یہ حکم اگرچہ افضل رسل کو دیا گیا تھا لیکن اس حکم میں امتِ مسلمہ کا ہر فرد بدرجۂ اولیٰ داخل ہے۔ ترقی علم کے جذبہ کو برقرار رکھنے کا کامیاب ذریعہ کتب و کتب خانہ ہے۔ اضافۂ علم کی اصل غایت حصولِ علم کی جدوجہد میں کسی درجہ پر بھی قناعت نہ کرنا ہے اس راہ میں اکتفاء و استغنا جہالت کا پیش خیمہ ہے چنانچہ مشہور مفسر سعید بن جبیر تابعی فرماتے تھے "آدمی جب تک سیکھتا رہتا ہے وہ برابر عالم رہتا ہے اور جب وہ علم کو چھوڑ بیٹھتا اور جو اس کے پاس ہوتا ہے اس کو کافی سمجھ بیٹھتا ہے وہ جاہل رہ جاتا ہے" (۱۱۳)

(۱۰) وقف

لغت میں وقف کے معنی روکنے کے ہیں (۱۱۴) شرع میں اس سے مراد یہ ہے: کسی شئے کا مالک بننے سے اپنے آپ کو روکنا اور منافع کا صدقہ کرنا ہے یعنی مالک کا کسی چیز کو نہ اپنی ملک میں رکھنا اور نہ کسی کی ملک میں دینا (۱۱۵) اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں اصل شئے باقی رہتی ہے جن کے لئے وہ وقف کی جاتی ہے ان کو اس کے منافع سے بہرہ مند ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کا بیچنا' وقف کرنا یا کسی کو اس کا وارث بنانا جائز نہیں ہے۔ اس کا مقصد خیر خواہی' رضا جوئی اور اجر و ثواب ہے' شریعت نے انسان کو اپنی حیات میں سب کچھ وقف کرنے کا حق دیا ہے لیکن زندگی کے آخری لمحات میں ایک تہائی مال تک وقف کرنا بلا کراہت درست رکھا ہے (۱۱۶) وقف ہی وہ تحریک ہے جس نے علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اوقاف کا نہایت عظیم الشان سلسلہ قائم کیا اس کی وجہ سے جگہ جگہ کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا اور آتا رہے گا۔

(۱۱) صدقۂ جاریہ

انسان کی اصل حیات روح کی حیات سے عبارت ہے۔ مرنے کے بعد عذاب و ثواب روح کو ہوتا ہے اس کو بقاء و دوام حاصل ہے۔ اس لئے اسے دائمی اجر و ثواب کی بھی ضرورت ہے۔ روح کی تازگی و تابندگی کے لئے بندگی کی جاتی ہے، عبدیت کے اظہار میں فرد کا افراد اور سماج کے لئے ایثار و قربانی کرنا، کھیتوں کو پانی دینا، مویشیوں کو سیراب کرنے کے لئے نہریں جاری کرانا، پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لئے کنویں کھدوانا، یادِ الٰہی کے لئے مسجدیں بنوانا، مسافروں کی جسمانی راحت، ذہنی کلفت کو دور کرنے کے لئے بیابانوں میں سرائیں بنوانا، معاشرہ سے جہالت دور کرنے کے لئے مدرسہ تعمیر کرانا، علمی کم مائیگی اور علمی تشنگی کو دور کرنے کے لئے کتب خانے قائم کرنا، کتابیں وقف کرنا، فکری قوتوں کو پروان چڑھانے کے لئے کتابیں دینا ایک ایسا عمل ہے جس سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے اسی کا نام صدقۂ جاریہ ہے(۱۱۷) اسلام نے علم کو صدقۂ جاریہ قرار دیا جہل کی راہیں مسدود کیں، احسان اور لطف و کرم کی تعلیم نے اس کی جڑیں دور تک پھیلا کر علم و کتب کی نشر و اشاعت کو استواری بخشی اور اس کی راہ میں حائل اقتصادی مشکلات کو بھی حل کر دیا۔

(۱۲) وصیت

"و ص ی" کے مادہ میں ملنے، پیوست ہونے کے معنی ہیں وصیت میں بھی ایک بات کو دوسری بات سے ملایا جاتا ہے اس لئے اس کو وصیت کہا جاتا ہے(۱۱۸) مردے کے سابقہ ذخیرۂ ثواب میں اجر کے نئے ترقی پذیر سلسلہ کو پیوستہ کرتی ہے(۱۱۹) شرعی اصطلاح میں وصیت کرنے کے بعد کسی کو کسی چیز کا یا کسی منفعت کا بطریقِ احسان مالک بنانا ہے(۱۲۰) ایمان لانے کے بعد انسان سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں اس کی تلافی کرنے اور اس کے اجر و ثواب کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے شریعت نے وصیت کی اجازت دی ہے(۱۲۱) زندگی کے آخری لمحات میں جب آل اولاد اور بھائی بندوں کی محبت انسان کا دامن پکڑتی اور عالمِ قدس کی کشش اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اس وقت جو اپنا رشتہ خدا سے استوار رکھنا چاہتا ہے وہ اپنی کتابوں اور کتب خانہ کی کسی فرد یا کسی مسجد یا کسی مدرسے یا کسی ادارے کے لئے وصیت کر جاتا ہے۔

(۱۳) عاریت

شریعت میں اس سے مراد کسی شے کے منافع کا کسی دوسرے کو مفت مالک بنانا ہے جیسے گھوڑا سواری کے لئے یا کتاب پڑھنے کے لئے دینا(۱۲۲) فائدہ مند چیز کے دینے کی اسلام تعلیم دیتا

ہے ایسی چیزوں کے دینے سے پہلو تہی کرنا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ قرآن کہتا ہے "**ویمنعون الماعون**" "اور وہ برتنے کی چیزیں **عاریۃً** نہیں دیتے ہیں۔ ماعون 'اعانۃ' کا اسم مفعول ہے اس کا مطلب "قوت" سے "سامان" سے "اسبابِ میسرہ" سے مدد کرنا ہے (۱۲۳) ابو عبیدہ، زجاج، مبرد ہر مفید و مستعار چیز کو "ماعون" کہتے ہیں یہی ابنِ جریر طبری کا مختار ہے (۱۲۴) فیروز آبادی کے نزدیک یہ اضداد سے ہے یعنی ہر وہ شئے جو حاجت مند کو دی جائے اور جس سے اس کو روکا جائے ماعون ہے (۱۲۶) قطرب ماعون کو بروزن فاعول معن سے ماخوذ مانتے ہیں جس کے معنی "شئے قلیل" کے ہیں جو چیز مانگی جاتی ہے وہ بھی کثیر کے مقابلہ میں قلیل ہوتی ہے، اس لئے اسے ماعون کہتے ہیں (۱۲۷) ائمہ لغت کی مذکورۂ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماعون کی تفسیر میں مفسرین سے جو مختلف اقوال، عاریت اور گھر کا سامان وغیرہ منقول ہیں (۱۲۸) وہ سب مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ آلات و سامانِ حاجت کے وقت دینا واجب ہے ان کو نہ دینے والا اور ان سے روکنے والا ملامت کا مستحق ہے۔ ویسے بھی ان چیزوں کے دینے سے گریز کرنا مسلمانوں کے اخلاق سے بعید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں" (۱۲۹)

اس سے ثابت ہوا کہ علمی ضروریات کی تکمیل بھی مکارمِ اخلاق میں داخل ہے، کافروں اور منافقوں کے شعار اور آیتِ شریفہ کی وعید سے بچنے کے لئے مسلمانوں نے کتابی تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسلامی قلمرو میں جگہ جگہ کتب خانے قائم کئے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ **عاریت** دینا بہت پسندیدہ بات ہے، حاجت مند مجبور و مضطر ہوتا ہے، وہ ضرورت کے تحت مانگتا اور لیتا ہے اس کے برعکس صدقہ و خیرات محتاج اور جو محتاج نہیں ہوتا وہ بھی لے لیتا ہے۔ عاریت اور قرض حاجت مند ہی لیتا ہے اس لئے عاریت کا اجر و ثواب بھی صدقہ و خیرات سے کئی گنا زیادہ ہے پھر اس میں دینے والا اللہ تعالیٰ کی نیابت کا شرف اور اخلاقِ ربانی کی صفت سے آراستہ ہونے کی سعادت بھی حاصل کرتا ہے چنانچہ آیتِ شریفہ "**امن یجیب المضطر اذا دعاہ**" (النحل - ۶۳) "کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے۔" اس امر کی شاہد ہے۔ فقہاء نے اس اصول کی تصریح کی ہے کہ کار آمد اور مفید چیزوں کو بلا معاوضہ عام کرنا ضروری ہے (۱۳۰)

فقیہہ ابنِ رجب "کتاب القواعد" میں رقمطراز ہیں "وہ چیزیں جن سے فائدہ اٹھانے کی حاجت رہتی ہے انہیں بکثرت پھیلانا یا وہ منافع جن کی طرف احتیاج ہوتی ہے انہیں بلا معاوضہ مفت پھیلانا اور خرچ کرنا چاہئے۔ اس قسم کے مسائل سے مصحف کا مسئلہ بھی ہے کہ جس کو قرآن پڑھنے کی حاجت ہو اس کو قرآن پڑھنے کے لئے عاریتاً دینا اور اگر اس مصحف کے سوا کوئی مصحف نہ ملتا

ہو تو قاضی کو اس مصحف کو بڑی جامع میں رکھنا واجب ہے' ابنِ عقیل نے تصریح کی ہے کہ حنفی فقہاء نے ائمۂ فقہ کے اس قول کی کہ "مصحف چرانے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا" یہی علت بیان کی ہے کہ اس میں غور و فکر کرنے' احکامِ شرع کے استنباط و استخراج کرنے کا حق (اہلِ علم کو) حاصل ہے اور یہ ایسی علت ہے جو سارقِ مصحف و سارقِ کُتبِ سنن میں مشترک ہے کیونکہ وُہ بھی اسی قسم کے احکام کی جامع ہیں اور حاکموں' **قاضیوں اور مفتیوں** کو اس کی حاجت رہتی ہے جن لوگوں کے پاس ایسی کتابیں نہیں ہیں انہیں اِن کتابوں کو عاریتاً" دینا ضروری اور واجب ہے" (۱۳۱)

(۱۴) ہبہ

لغت میں ہبہ کے معنی دینا اور عطا کرنا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں بلا معاوضہ کسی چیز کا کسی کو مالک بنانا ہے (۱۳۲) اس سے دینے والے کا مقصد خیر خواہی ہوتا ہے خواہ دنیوی ہو جیسے محبت و نیک نامی خواہ اُخروی ہو جیسے خلوص نیت سے اجر آخرت کی امید (۱۳۳)

(۱۵) ہدیہ

تحفہ دینا' آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے کہ "ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے آپس میں محبت و الفت بڑھتی ہے" (۱۳۴) اس میں مالی' علمی اور کتابی ہدیئے سب ہی داخل ہیں۔

(۱۶) جود و سخا

اسلام نے جود و سخا کو مکارمِ اخلاق میں نہایت اعلیٰ درجہ دیا ہے جواد اور سخی ہونا بڑے حوصلہ کی بات ہے اسلام اپنے پیروکاروں کو اس امر کی تعلیم دیتا اور مالی' علمی و کتابی سخاوت کو پسند کرتا ہے۔

جود کے معنی جو چیز جس کے مناسب ہے اسے عطا کرنا ہے اس اعتبار سے جود اپنی ذات میں بہت وسعت و عموم رکھتا ہے۔ علوم و معارف اور ہدایت و دولت سب کچھ اس میں داخل ہے' جواد بکثرت جود و سخاوت کرنے والے کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جود ایک ملکہ و استعداد ہے اور سخاوت اس کا اثر ہے (۱۳۵) امام ابو منصور ماتریدی نے کہا ہے کہ "مومن پر اپنی اولاد کو ایمان و توحید اور سخاوت و احسان کی تعلیم دینا واجب ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماتریدی کے نزدیک سخاوت کی تعلیم بھی فرض عین ہے (۱۳۶)

(۱۷) ایثار

اس کے معنی دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دینا ہے(۱۳۷)

یہ بات قوتِ یقین، محبت و صبر سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان کو جن چیزوں سے محبت ہوتی ہے اور جن کی اسے حاجت رہتی ہے ان میں دوسروں کی احتیاج کو مقدم رکھنا، ترجیح دینا بہت اعلیٰ ظرفی کی بات ہے۔ چنانچہ دوسروں کو کتابیں دینا، اپنے یہاں نقل کی سہولت فراہم کرنا، نقل کرا کر پہنچانا، یہ سب ایثار و قربانی کا کرشمہ تھا جن کی وجہ سے کتب خانے اسلامی قلمرو میں ہر جگہ فروغ پاتے رہے اور کتابوں کی داد وستد کا نظام معاشرہ میں قائم تھا۔ چنانچہ ابوالعتاہیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کتاب مانگی، ابو العتاہیہ نے کہا میرا جی کتاب دینے کو نہیں چاہتا اس نے کہا "اما علمت ان المکارم موصولہ بالمکارہ" کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جن چیزوں کے دینے کو جی نہیں چاہتا انہیں دینا بلند اخلاق کی بات ہے، اس نے فوراً کتاب دے دی(۱۳۸) قرآن نے کہا: ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون" (الحشر۔ ۹) "اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔"

وہ لوگ جو خود سختیاں برداشت کر کے دوسروں کو آرام و راحت کا سامان کرتے ہیں اور دوسروں کی علمی ضرورتوں کی تکمیل کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں انہیں دنیا و آخرت میں سرخروئی نصیب ہوتی ہے۔

(۱۸) احسان

یہ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) دوسروں پر انعام و اکرام کرنا اور (۲) اپنے کام میں حسن پیدا کرنا۔ یہ بات حسنِ علم و حسنِ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا قول ہے "الناس ابناء ما یحسنون" لوگ احسان مندی کے غلام ہوتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے "ان احسنتم احسنتم لانفسکم" (بنی اسرائیل۔ ۷) اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا۔ احسان ایک خوبی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اسے سراہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" (النحل ۔ ۹۰) "اللہ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ احسان کا مرتبہ عدل سے بھی بلند ہے کیونکہ دوسرے کا حق پورا دینا اور اپنا حق پورا لینا عدل ہے۔ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا اور اپنے حق سے کم لینا احسان

ہے(۱۳۹) انسان پر عدل فرض ہے لیکن احسان کرنا پسندیدہ امر ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے "احسنوا ان اللہ یحب المحسنین" (البقرہ۔ ۱۹۵) "نیک کام کرو بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" "احسن کما احسن اللہ الیک" (القصص۔ ۷۷) "تو احسان کر جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے۔"

احسان کی منجملہ اور صورتوں کے ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس طرح دوسروں سے کتابیں حاصل کی جائیں اسی طرح دوسروں کو بھی اپنی کتابیں مہیا کرے اور بلا امتیاز قوم و ملت ہر ایک پر کتب خانے کا دروازہ کھلا رکھے، جن کتابی مشکلات سے خود دوچار ہوا ہے ان مشکلات سے دوسروں کو بچانے کا جذبہ کتب خانوں کے قیام و اہتمام کا محرک رہا ہے۔

(۱۹) تعاون

اسلام نے اس کا حکم دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (المائدہ۔ ۲) جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ہاتھ بٹانا واجب ہے(۱۴۰) رسالت مآب کا ارشاد ہے "الدال علی الخیر کفاعلہ" نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے، مفسر ابن عطیہ نے تصریح کی ہے کہ لفظ بِر، واجب و مستحب دونوں کو شامل ہے اور تقویٰ واجب کی رعایت کو کہتے ہیں۔

ماوردی نے کہا ہے "تعاون کا "بر" اور تقویٰ کے ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ تقوی میں اللہ کی خوشنودی اور "بِر" میں لوگوں کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، یہی سعادت و نعمت کی تکمیل ہے" (۱۴۱)

ابن خویز منداد نے "احکام القرآن" میں لکھا ہے کہ "تعاون کئی طرح ہوتا ہے چنانچہ عالم پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم سے لوگوں کی مدد کرے، مالدار پر ضروری ہے کہ وہ اپنے مال سے تعاون کرے اور مسلمانوں پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت لازم ہے" (۱۴۲) شخصی، شاہی اور علمی کتب خانوں سے استفادہ کے لئے دوسروں کو موقعے فراہم کرنے کا اصل محرک یہ تعاون کا جذب تھا جو ہمیشہ بڑھتا رہا اور کتب خانوں کی خدمات میں اضافہ ہوتا رہا۔

(۲۰) مثالی انسان بننا

جو آدمی دوسروں کی مدد کرتا، انہیں فائدہ پہنچاتا اسلام اس کو معاشرہ میں سب سے بہتر انسان قرار دیتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "خیر الناس انفعہم للناس" (۱۴۳) "بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے" دنیا میں سب سے زیادہ مفید کام وہی ہے جس کا اجر و ثواب منقطع نہیں ہوتا اور وہ اقراء کے نور کو پھیلانا، کتابیں لکھنا، پڑھانا، دینا، کتب خانے قائم کرنا ہے تاکہ کتاب زندگی سنور سکے اور سیرت و کردار کی مثالی تعمیر ہو سکے۔

(۲۱) انفاق

خدا کی راہ میں خرچ کرنا امت اور معاشرے کی مصلحتِ عامہ سے عبارت ہے(۱۴۴) نیکو کاروں کا شیوہ و مومنین کی صفت ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ومما رزقنا هم ينفقون" (البقرہ۔ ۳) جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت شریفہ میں لفظ "ما" عام ہے اس میں ہر چیز داخل ہے(۱۴۵) چنانچہ جلیل القدر مفسر حسن بصری سے آیہِ شریف کی تفسیر انفاقِ علم منقول ہے(۱۴۶) یہ ایسا عمل ہے جس کا نفع لوٹ کر اسی کو ملتا ہے۔ "وما تنفقوا من خير فلانفسكم" (البقرہ۔ ۲۷۲) اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لئے بھلا ہے۔ اسی لئے ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی کمائی اور حاصل کی ہوئی چیزوں میں سے پاکیزہ اور اچھی چیزیں نکالو(۱۴۷) اور سب سے بہتر و محبوب چیز خرچ کرو(۱۴۸) خبیث و ناپاک چیزوں سے احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے روکا گیا ہے(۱۴۹)

انفاق کا اجر دوگنا، چوگنا بلکہ سات سو گنا تک بتایا گیا ہے یہ کبھی عددی اور کبھی معنوی ہوتا ہے کہ حزن و خوف نہیں رہتا(۱۵۰) تمام رفاہی و فلاحی کام و کارنامے مسجدیں، سرائیں، مدرسے اور کتب خانے اسی انفاق کی وجہ سے قائم ہوئے اور پروان چڑھے ہیں۔ کتابوں پر رقم خرچ کرنا، سماج سے علمی افلاس کا خاتمہ کرنا، شرفِ انسانی کا موجب سمجھا جاتا تھا، اس لئے عرب کتابوں پر روپیہ خرچ کرنے اور ان کا ذخیرہ کرنے کو بہت پسند کرتے اور اسے شرفِ انسانی کی علامت سمجھتے تھے(۱۵۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ نجد میں لیلیٰ کو ڈھونڈنے والے مجنوں ہی نہ تھے بلکہ حقائقِ اشیاء کو جاننے پہچاننے اور ذہنِ انسانی کی فکری کاوشوں اور علمی تحقیقات سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہونے کے لئے کتابوں کے پرستار بھی کم نہ تھے۔ سماج نے عربوں کو یہ امر ذہن نشین کرایا تھا کہ مال نفسانی لذت سے زیادہ علمی اور روحانی لذت کی تسکین پر خرچ کرنا چاہئے، اس لئے وہ اپنی

دولت کا بیشتر حصہ حصول کتب پر خرچ کرتے تھے۔

(۲۲) بخل

لغت میں **بخل** اپنے جمع کئے ہوئے ذخیروں کو خرچ کے مقامات پر خرچ نہ کرنا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) انسان اپنی چیزوں کو خرچ نہ کرے (۲) دوسروں کو بھی خرچ کرنے سے روکے یہ دونوں باتیں بری ہیں۔ البتہ دوسری قسم پہلی سے بھی بدتر ہے۔ قرآن نے دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "**ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ**" (محمد۔ ۳۸) "اور جو بخل کرتا ہے وہ در حقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔" دوسرے مقام پر فرمایا "**الذین یبخلون الناس بالبخل ویکتمون ما اٰتھم اللہ من فضلہ واعتدنا للکفرین عذابا مہینا**" ((۱۵۲) (النساء۔ ۳۷) "جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل سکھاتے ہیں اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے عذاب ذلت کا۔"

یعنی جو لوگ اپنے مال اور علمِ خداداد کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کسی کو نفع نہیں پہنچاتے ہیں اور قولاً اور عملاً علمی ضرورتوں کو پورا کرنے سے روکتے ہیں وہ بھی اس وعید کے مصداق ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ایک مومن میں یہ دو خصلت جمع نہیں ہوتی ہیں بخل اور کج خلقی" (۱۵۳)

علم و کتاب بنی نوعِ انسان کی متاعِ مشترک ہے' اس سے نہ خود بہرہ مند ہونا اور نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دینا کتاب کے بنیادی مقصد "استعمال" اور "خواندگی" (۱۵۴) کے خلاف ہے۔ اسلام فردِ واحد کو اپنی ملکیت میں اس قسم کے ناروا تصرف کا اختیار نہیں دیتا کیونکہ اس سے علم کی نشر و اشاعت کے راستے بند ہوتے ہیں' اسلام میں حوائجِ ضروریہ سے زائد چیزوں کو بلا وجہ اپنے پاس رکھنا اور دوسروں کو بہرہ ور نہ ہونے دینا حقِ واجب سے محروم کرنا اور ۳ ادائیگی حقِ واجب میں مانع بن جانا **بخل** ہے (۱۵۵) اس سے وہ اپنے پیروکاروں کو سختی سے روکتا ہے۔

(۲۳) اکتناز و تکاثر

مال و دولت اور ضروری سامان کی اس طرح ذخیرہ اندوزی جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے روا نہیں' اسی طرح سے کتابوں کی ذخیرہ اندوزی کرنا کہ کسی کو اس کی ہوا نہ لگنے دینا نہ خود اس سے بہرہ مند ہونا اور نہ حاجت مندوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دینا کتاب کے بنیادی مقصد سے انحراف کرنا ہے ابو حیان توحیدی المتوفی ۴۰۰ھ نے اس قسم کے کتب خانہ سازوں کی سخت

مذمت کی ہے۔ وہ کہتا ہے "کتابوں کا جمع کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے سونا چاندی جمع کرنے والا' اس کا مشتاق بدترین قسم کا لالچی ہوتا ہے اس کا عاشق ایسا ہے جو کثرت پر اتراتا ہے" (۱۵۶) اور اس لئے ابن الجوزی نے کہا "جس کے پاس کتابوں کا ذخیرہ ہو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ حاجت مندوں کو کتابیں عاریتاً دینے میں بخل نہ کرے' اسے طلبہ و اساتذہ کی مشکلات کو حل کرنا چاہئے' طلب گاروں کو فائدہ نہ پہنچانا علم اور کتاب کے معاملہ میں ان سے پہلو تہی کرنا ان کو علم سے محروم کرنا ہے' ان باتوں سے بچنا چاہئے یہ مصائب کا پیش خیمہ ہوتی ہیں" (۱۵۷)

(۲۴) کتمانِ علم

اسلام نے کتاب کو حق و شہادت قرار دیا ہے۔ علم نافع کو چھپانا' کتاب میں جو نظریات و تحقیقات ہیں ان سے دوسروں کو محروم کرنا کتمانِ حق اور کتمانِ علم ہے اس کی اسلام کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کہتا ہے "**واذ اخذ الله میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ**" (المائدہ۔ ۱۸۷) "اور ان اہلِ کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ' جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا۔ انہیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔"

اس لئے حدیث میں کتمانِ علم و کتاب کی سزا قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں ڈالے جانا وارد ہے اس لئے کہ اس سے علم کی راہ کھوٹی ہوتی اور جہل فروغ پاتا ہے۔

ان کے علاوہ بعض عوامل جو اثر و عامل دونوں حیثیتیں رکھتے ہیں جیسے۔

(۲۵) عزت و شہرت
(۲۶) سجاوٹ اور زینت مکین و مکان
(۲۷) تعلیمی و تحقیقی ضروریات کی تکمیل
(۲۸) رشتۂ ازدواج کے لئے وجہ انتخاب
(۲۹) کیف و سرور اور سیر و تفریح کا مرکز
(۳۰) سیادت و قیادت کا بھرم
(۳۱) غذا و دوا دینے والا طبیب
(۳۲) اہلِ مشرق و مغرب میں وجہ تفاخر
(۳۳) ایک عالم کے پاس کتابوں کا ذخیرہ ہونا

مسلم معاشرہ میں ایک عالم کے پاس کراسوں (کتابوں) کا ذخیرہ مجد و افتخار کا ذریعہ تھا چنانچہ

اسلامی قلمرو میں یہ کہاوت مشہور تھی۔

التاجر مجده فی کیسه
والعالم مجده فی کرا ریسه

سوداگر کا مجد و افتخار اس کے روپوں کی تھیلی میں ہے اور عالم کا مجد و فخر اس کے ذخیرۂ کتب میں ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مسلم معاشرہ میں عالم کا کتب خانہ اس کے مجد و فخر کا باعث تھا اور کتب خانہ سازی کے منجملہ عوامل میں ایک یہ عامل (محرک) بھی معاشرہ میں تیزی سے کارفرما تھا۔ یہ وہ محرکات ہیں جن کا تذکرہ عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات میں کیا گیا ہے اس لئے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

کتب خانوں کے تاریخی پس منظر کے پیش نظر علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مذکورۂ بالا عوامل میں بعض عوامل ہر مذہب و ملت میں مشترک و عام ہیں۔ البتہ گذشتہ ادوار میں ان پر عمل نہیں کیا گیا اس لئے کتب خانہ سازی کی تحریک اقوام عالم میں پروان نہیں چڑھ سکی تھی۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں قیام کتب خانہ کے جتنے عوامل و محرکات پائے جاتے ہیں وہ کسی مذہب و ملت میں نہیں پائے جاتے یہ عوامل نہایت سادہ، جامع، قیدِ زمان و مکان سے بالاتر اور نہایت دور رس نتائج کے حامل اور آفاقی ہیں۔

تاریخ کتب خانہ میں اس سے قبل ان عمومی و خصوصی عوامل کی نہ کہیں نشاندہی کی ایسی کوشش کی گئی ہے اور نہ جذبۂ انسانی کو ابھارنے میں معاون اجزا کا کہیں احاطہ کیا گیا ہے۔ ہم نے پہلی مرتبہ کوشش کی ہے کہ ایسے تمام ممکنہ اجزا کو یکجا نمایاں کیا جائے جو علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سبب بنتے رہے تھے اور آج بھی بنے ہوئے ہیں۔

اس باب میں جن امور سے بحث کی گئی ہے ان سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ کتب خانہ انسانی تمدن و ثقافت کا اولین مظہر ہے اور یہ بنی نوعِ انسان کی ذہنی کاوشوں اور علمی تحقیقات و تخلیقات کا پاسبان ہے۔ جس قوم میں ان کا چلن رہا ہے یہ اس کی ذہنی رفعت اور علمی ترقی کا آئینہ دار رہا ہے جس قوم میں کتابوں کی کثرت اور کتب خانوں کی وسعت رہی ہے وہی قوم اقوامِ عالم میں حکمران رہی، گو اس کی حکومت کسی مخصوص خطۂ زمین پر محدود زمانہ تک رہی لیکن وہ اپنے علمی ورثہ کی وجہ سے برابر حکمرانی کرتی رہی ہے یہی وہ پائیدار اور ناقابلِ فراموش نقوش ہیں جن سے اس قوم کو اقوام عالم میں ممتاز مقام حاصل ہوتا ہے، مسلمانوں کے دورِ میں عباسی دور ہی ایک ایسا دور ہے جس میں کتب و کتب خانوں کا سب سے زیادہ چلن رہا ہے اور مسلمانوں نے اس دور میں جو

تخلیقات کی ہیں انہی کے سہارے یورپ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوا ہے۔ اس لحاظ سے عباسی دور بہت شاندار اور سنہری دور ہے اس کا تذکرہ باب سوم میں کیا جا رہا ہے۔

فہرست ماخذ

(۱) الزرنوجی ص ۵۔ نصیر الدین الطوسی تاب آداب المتعلمین، مجلہ معہد المخطوطات العربیہ القاہرہ نومبر ۱۳۷۷ھ۔ ۱۹۵۷ء مجلد ۳، ج ۲، ص ۲۷۳۔

(۲) حاجی خلیفہ، ج ۱، ص ۲۴ و ۲۵۔

(۳) کرامت حسین کنتوری، فقہ اللسان، (لکھنؤ، نو لکشور، ۱۹۱۵ء) ج ۲، ص ۶۱۔

(۴) محمد سلیمان اشرف، المبین، (علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی ۱۳۴۸ھ) ص ۱۳۴۔

(۵) محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، بحواشی احمد علی السہارنپوری (لکھنؤ، المطبع المصطفائی، ۱۳۰۷ھ) ج ۱، ص ۱۴۔

(۶) محمد فواد عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن (القاہرہ، دارالکتب المصریہ ۱۳۶۴ھ) ص ۴۶۹، ۴۸۱۔

(۷) ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق محمد سید گیلانی (مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۱ھ) ص ۳۹۳ (مادہ ملق)۔

(۸) فخر الدین محمد بن عمر الرازی، التفسیر الکبیر (مصر، المطبعۃ البہیہ المصریہ ب، ت) ج ۲، ص ۴۸۱۔

(۹) ابن حزم الاحکام، ج ۵، ص ۶۹۰۔۶۹۱۔

(۱۰) البخاری، ج ۱، ص ۱۴------ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد تصحیح محمود حسن الدیوبندی (دہلی، المطبع المجتبائی، ۱۳۱۸ھ) ج ۲، ص ۱۵۷------ الحسن بن مسعود الفراء البغوی، شرح السنہ تحقیق شعیب الارناوط و محمد زبیر الشاویش (دمشق المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ ج ۱، ص ۲۷۶---- المنذری) مختصر سنن ابی داؤد للمنذری و معالم السنن لابی سلیمان الخطابی و تہذیب ابن القیم الجوزیہ تحقیق محمد حامد الفقی (القاہرہ، مکتبۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۶۸ھ) ج ۵، ص ۲۴۳۔

(۱۱) البخاری، ج ۱، ص ۱۴---- ابو داؤد السجستانی، ج ۲، ص ۱۵۷۔

(۱۲) محمد بن یزید بن ماجہ، سنن المصطفیٰ، بحاشیۃ السندی، (مصر، المطبعۃ التازیہ، ۱۳۴۹ھ) ج ۱ ص ۹۸۔

(۱۳) البخاری، ج ۱، ص ۷۔

(۱۴) البخاری، ج ۱، ص ۱۷، ------ البغوی، ج ۱، ص ۲۹۸، ۲۹۹۔

(۱۵) ابن ماجہ، ج ۲، ص ۵۳۲ --- عبدالرؤف المناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر (مصر، مطبعۃ مصطفیٰ محمد ۱۳۵۶ھ) ج ۵، ص ۶۵ ------ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری، جامع الاصول فی احادیث الرسول، تحقیق عبدالقادر الارناووط (حلب، مکتبۃ الحلوانی، ۱۳۹۱ھ) ج ۸، ص ۹۔

(۱۶) ابن ماجہ، ج ۱، ص ۲۲ ------ ابو داؤد السجستانی، ج ۲، ص ۱۵۷، ۱۵۸ ------ البغوی، ج ۱، ص ۲۹۳-۲۹۷ --- ابن الاثیر، جامع الاصول، ج ۸، ص ۵ و ۲۴-۳۳۔

(۱۷) احمد بن محمد الطحاوی، شرح معانی الآثار تحقیق محمد زہری النجار، (القاہرہ المطبعۃ الانوار المحمدیہ ۱۹۶۸ء) ج ۲، ص ۳۱۶۔

(۱۸) البخاری، ج ۱، ص ۴۹۱۔

(۱۹) ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی کتاب الاعتصام، القاہرہ مطبعہ المنار، ۱۳۳۱ھ، ج ۱، ص ۲۴۴۔

(۲۰) ایضاً، ج ۱، ص ۱۶۔

(۲۱) محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی، سنن الترمذی، تحقیق ابراہیم عطوہ عویض (مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۵ھ) ج ۵، ص ۳۴ ------ ابو داؤد، ج ۲، ص ۱۵۹ ------ المنذ..ری، مختصر سنن ابی داؤد، ج ۵، ص ۱۵۳۔

(۲۲) البخاری، ج ۱، ص ۱۹۔

(۲۳) مجلۃ کلیۃ اللغۃ العربیۃ، الریاض، شمارہ ۲، (۱۳۹۲-۱۹۷۲) ص ۳۰۹ و ابن عبدربہ، ج ۲، ص ۲۱۵۔

(۲۴) ایضاً، ج ۱، ص ۹ ------ ابن الاثیر، جامع الاصول، ج ۸، ص ۱۲ ------ البغوی، ج ۱، ص ۳۰۱۔

(۲۵) ایضاً، ج ۱، ص ۲۰۔

(۲۶) ایضاً، ج ۱، ص ۱۸ ------ ابن الاثیر، جامع الاصول، ج ۸، ص ۳۳-۳۷۔

(۲۷) الخطیب، ج ۹، ص ۳۶۴ ------ ابن الجوزی، کتاب الموضوعات، تحقیق عبدالرحمٰن محمد عثمان، (مصر، محمد عبدالمحسن ”۱۳۸۶ھ) ج، ص ۲۱۵ ------ السخاوی، المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرہ علی الالسنہ تحقیق عبداللہ محمد الصدیق (مصر، مکتبہ الخانجی، ۱۳۷۵ھ) ص ۶۴-۱۳۵ ------ السیوطی اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (مصر، المکتبہ الحسینیہ المصریہ، ۱۳۵۲ھ) ج ۱، ص ۱۹۳ ------ محمد طاہر الفتنی، تذکرہ الموضوعات، القاہرہ، ادارہ المنیریہ ص ۱۷ ------ علی بن محمد عراق الکنانی، تنزیہ الشریعۃ

ج۱‘ ص۲۵۸------ اسماعیل بن محمد العجلونی‘ کشف الخفاط : ۲ (بیروت‘ داراحیاء التراث العربی‘ ۱۳۵۱ھ) ج۱‘ ص۱۲۸‘ نمبر۳۹۷------ محمد ناصر الدین الالبانی‘ سلسلہ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ واثرھا السی ء فی الامہ‘ ط:۲ الثانیۃ (دمشق‘ المکتب الاسلامی‘ ۱۳۸۴ھ) ص ۲۴‘ نمبر۲۱۶۔

(۲۸) ابنِ حزم‘ رسالۃ التلخیص بوجوہ التخلیص‘ ص۱۵۷ رسالہ الرد علی ابن النغزیلہ الیھودی و رسائلِ آخری تحقیق احسان عباس‘ (القاہرہ مکتبہ دارالعرو‘ ۱۳۸۰ھ) کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(۲۹) احمد بن فارس‘ مقائیس اللغہ‘ تحقیق عبدالسلام محمد ہارون (مصر‘ عیسی البابی‘ الحلبی‘ ۱۳۷۰ھ) ج۵‘ ص۱۵۸ (مادہ کتب)------ ابو ہلال حسن العسکری‘ کتاب التلخیص فی معرفۃ اسماء الاشیاء‘ تحقیق عزت حسن (دمشق‘ مجمع اللغۃ العربیۃ‘ ۱۳۹۰ھ) ج۲‘ ص۲۰۷۔

(۳۰) ایضاً۔

(۳۱) مجد الدین محمد الفیروز آبادی‘ بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز تحقیق محمد علی النجار (القاہرہ‘ المجلس الاعلی‘ لشئون الاسلامیہ‘ ۱۳۸۹ھ) ج۴‘ ص۲۶۳۔

(۳۲) الراغب‘ ص۴۲۳۔ ۴۳۵ (مادہ کتب)------ عبدالرؤف المصری‘ معجم القرآن‘ (القاہرہ‘ مطبعۃ حجازی‘ ۱۳۶۷ھ) ص۱۱۵۔۱۱۷---- الفیروز آبادی‘ ج۴‘ ص ۳۲۹۔۳۳۴ (مادہ کتب)۔

(۳۳) ایضاً۔

(۳۴) ابنِ فارس‘ ج۵‘ ص۱۵۸۔

(۳۵) علی بن اسماعیل ابن سیدہ‘ کتاب المخصص‘ (مصر‘ المطبعۃ الکبری الامیریہ‘ بولاق‘ ۱۳۱۹ھ) ج۱۳‘ ص۴‘ (: الکتاب والالاتہ)۔

(۳۶) محمود بن عمر الزمخشری‘ اساس البلاغہ‘ تحقیق عبدالرحیم محمود (القاہرہ دارالکتب‘ المصریہ‘ ۱۹۵۳ء) ص۲۸۶------ محمد بن مکرم بن منظور الافریقی‘ لسان العرب (مصر‘ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق‘ ۱۳۰۰ھ) ج۲‘ ص ۹۲ (مادہ کتب)۔

(۳۷) حاجی خلیفہ‘ ج۲‘ ص ۱۳۸۳------ ابوالبقاء الکفوی‘ کتاب الکلیات (مصر‘ دارالطباعۃ القاہرہ‘ ۱۲۵۳ھ) ص۳۰۶۔

(۳۸) ابنِ فارس‘ ج۲‘ ص۱۷۸۔

(۳۹) عبدالرحمٰن الکاشغری‘ المفید معجم اللغۃ العربیہ المصریہ‘ (ڈھاکہ‘ المکتب الامدادیہ‘

۱۳۸۰ھ) ج ۱، ص ۶۶۸۔

(۴۰) الخطیب، تقیید العلم، ص ۱۲۴۔

(۴۱) الجاحظ، رسالۃ فی مدح الکتب، ص ۳۳۵-۳۳۸۔

(۴۲) ایضاً ص ۲۳۹-۲۴۰ (لہ) کتاب الحیوان، ج ۱، ص ۳۸ (لہ) موجز المحاسن والاضداد، القاہرہ دار المعارف ب ت، ص ۷-۱۲---- ابراہیم بن محمد البیہقی، المحاسن والمساوی، (لیسک، مطبعۃ علیوم و روغولین، ۱۳۸۰ھ) ص ۲-۶---- الخطیب، تقیید العلم، ص ۱۲۱-۱۲۲---- الراغب، محاضرات الادباء و محاورات الشعراء والبلغاء، (بیروت دار مکتب الحیاۃ، ۱۹۶۱ء) ج ۱، ص ۵۵۔

(۴۳) الجاحظ، رسالۃ فی مدح الکتب، ص ۲۴۰۔

(۴۴) ایضاً، ص ۲۴۰-۲۴۱۔

(۴۵) ایضاً، ص ۲۴۱۔

(۴۶) ایضاً۔

(۴۷) الراغب، محاضرات الادباء، ج ۱، ص ۱۱۷۔

(۴۸) ایضاً ص ۱۱۸۔

(۴۹) محمد عجاج الخطیب، لمحات فی المکتب والبحث والمصادر، ط:۲ (بیروت، دار القلم، ۱۳۹۱ھ) ص ۳۔

(۵۰) ابو جعفر محمد ابن جریر الطبری، جامع البیان عن ای القرآن، ط:۲ (مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ) ج ۲۹، ص ۱۵---- شہاب الدین محمود الآلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ط:۲، (مصر ادارۃ الطباعت الخیریہ، ب، ت، ج ۲۹، ص ۲۳۔

(۵۱) رسائل اخوان الصفاء، (بیروت، دار صادر، ۱۳۷۷ھ) ج ۴، ص ۴۲۔

(۵۲) محمد الغزالی، المنقذ من الضلال، (لاہور، ہیئت الاوقاف، ۱۹۷۱ء) ص ۱۶، ۲۷، ۲۹، ۹۰۔

(۵۳) ابنِ تیمیہ، نقض المنطق، ص ۱۱۲-۱۱۳۔

(۵۴) کرین برنٹن وغیرہ، تاریخ تہذیب، ترجمہ و تحشیہ غلام رسول مہر، (لاہور، غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۵ء) ج ۱، ص ۳۳۔

(۵۵) ابنِ قتیبہ، تاویل مشکل القرآن تحقیق احمد صقر، ط : ۲ (القاہرہ دار التراث، ۱۹۷۳ء) ص ۴۵۔

(۵۶) الراغب، محاضرات الادباء، ج ۱، ص ۹۶----- الرازی، التفسیر الکبیر، ج ۱۹، ص ۸۶۔

(۵۷) سعد الدین التفتازانی، شرح المقاصد (آستانہ، محرم آفندی، ۱۳۰۵ھ) ج۲، ص۱۸۰۔

(۵۸) الطبری، ج۳، ص۱۵۹---- الرازی، ج۲۰، ص۱۵۰۔

(۵۹) السیوطی، ج۶، ص ۳۴۱---- ابوالسعود بن محمد العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم (مصر، دار الطباعۃ المصریۃ ۱۲۷۵ھ) ج۲، ص۶۶۵---- نظام الدین الحسن بن محمد النیشابوری، غرائب القرآن و رغائب الفرقان، تحقیق ابراہیم عطوہ عوض (مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۹۱ھ) ج۳۰، ص۷۹---- الآلوسی، روح المعانی، ج۳۰، ص۱۱۱۔

(۶۰) ابن سعد ج۵، ص۳۹۶۔

(۶۱) جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بیروت، دار العلم للملایین ۱۹۶۸ء) ج۳، ص۸۴۔

(۶۲) بدر الدین العینی، ج۲، ص۱۶۸۔

(۶۳) ابن سعد، ج۵، ص۳۹۶۔

(۶۴) محمد بن احمد الانصاری القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، (القاہرہ، دار الکتب المصریہ، ۱۳۵۴ھ) ج۶ ص۱۹۔

(۶۵) احمد سرہندی، دار المعرفت، (کراچی، مطبع ایجوکیشنل، ۱۹۷۳ء) ج۲، ص۷۲-۷۳---- مظہر جانجاناں، کلمات طیبات، (دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۸۹۱ء) ص۲۶-۲۷۔

(۶۶) نعمت اسماعیل علام، فنون الشرق الاوسط القدیم قبل ظہور الاسلام، (مصر، دار المعارف ۱۹۶۹ء) ص۷۔

(۶۷) ایضاً ۲۰۔

(۶۸) ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، (لاہور، مکتبہ مصطفائی، ب ت) ج۲، ص۲۱۸۔

(۶۹) محمد اسحاق صدیقی، فن تحریر کی تاریخ (علی گڑھ (ہند) انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۲ء) ص۶-۷۔

(۷۰) الجاحظ، کتاب الحیوان، ج۱، ص۴۵۶------ الراغب، ص۶۹۔

(۷۱) السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ط: ۲ (القاہرہ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۰ھ) ج۲، ص۱۲۵-۱۲۶۔

(۷۲) احمد ابن فارس، ج۳، ص۸۳-۸۴------ الراغب، ص۲۳۳۔

(۷۳) نمونہ خط کے لئے ملاحظہ ہو، طہ باقر، مقدمہ تاریخ الحضارات القدیمہ تاریخ العراق القدیم، ط: ۲ (القاہرہ، شرکۃ التجاریۃ، الطباعۃ المحدودۃ، ۱۳۷۵ھ) ج۱، ص۷۰، ۳۱۶۔

(۷۴) محمد بن یوسف الکرمانی، البخاری بشرح الکرمانی (القاہرہ، المطبعۃ البہیۃ المصریۃ ۱۳۵۶ھ) ج۱۸، ص۲۱۰------ العینی، ج۱۸، ص۲۹۱------ ابن حجر، فتح الباری، ج۹، ص۴۲۲------ ج۱۰، ص۳۶۰------ ابنِ قتیبہ، ص۸۱، الرازی، ج۲۲، ص۲۲۸---- الفیروز آبادی، ج۳، ص۱۹۳---- الطبری، ج۳۰، ص۱۹۲- ۱۹۳---- یحیٰ بن زیاد الفراء، معانی القرآن تحقیق محمد علی النجار (القاہرہ، الہیئۃ المصریہ للتالیف والترجمۃ، ب ت) ج۲، ص۲۱۲------ ابنِ کثیر، ج۳، تفسیر القرآن العظیم (لاہور، سہیل اکیڈیمی، ۱۳۹۳ھ) ج۳، ص۵۵۱------ الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل (مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۵ھ) ج۴، ص۲۸۶------ ابن مطرف الکنانی، القرطین (مص، مطبعہ الخانجی، ۱۳۵۵ھ) ج۱، ص۲۱۲- ۲۱۳---- ابنِ منظور، لسان العرب، ج۱۳، ص۳۴۸ (مادہ سجل)---- المصری، معجم القرآن، ص۲۶۵-۲۶۶------ حسین بن احمد بن خالویہ، کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الکریم (القاہرہ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۳۶۰ھ) ص۱۹۴۔

(۷۵) البخاری، ج۲، ص۲۷۸۔

(۷۶) القرطبی، ج۹، ص۸۱- ۸۳، ج۲۰، ص۱۹۸-۱۹۹۔

(۷۷) الراغب ص۲۲۴-۲۵۵ (مادہ سجل)

(۷۸) عبدالماجد دریا بادی، تفسیرِ ماجدی، (کراچی، تاج کمپنی لمیٹڈ، ب، ت) ص۴۸، حاشیہ ۴۴۳------ محمد جمیل احمد، انبیائے قرآن، (لاہور، غلام علی اینڈ سنز، ب ت) ج۱، ص۱۶۴-۱۶۷۔

(۷۹) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، طبع پنجم (لاہور، ترجمان القرآن، ۱۹۱۴ء) ج۵، ص۲۱۴۔

(۸۰) الجاحظ، کتاب الحیوان، ج۱، ص۹۷-۹۸۔

(۸۱) عبدالماجد دریابادی، ص۲۲، حاشیہ ۱۷۰------ محمد جمیل احمد، ج۲، ص۹۶-۹۷۔

(۸۲) محمد فواد عبدالباقی ص۱۵۸۔

(۸۳) ایضاً، ص۴۰۳۔

(۸۴) شیخ زادہ، حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر القاضی البیضاوی (آستانہ) المطبعۃ العثمانیۃ، ۱۲۸۲ھ) ج۱، ص۶۰۱۔

(۸۵) الطبری، جامع البیان، ج۱۶، ص۵------ ابن کثیر، ج۳، ص۹۸-۹۹------ السیوطی،

ج۴، ص۲۳۲۔۔۔۔ الراغب، ص۴۴۲ (مادہ کنز)۔۔۔۔۔۔ الخطیب تقیید العلم،
ص۴۴۲۔۔۔۔۔۔القرطبی، ج۱۱،ص۳۸۔

(۸۶) ابن الجوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر (بیروت، المکتب الاسلامی للطباعہ والنشر، ۱۳۸۵ھ)
ج۵،ص۱۸۲۔

(۸۷) عبدالماجد دریابادی، ص۱۰۱، حاشیہ ۹۵۸۔۔۔۔۔ محمد جمیل احمد، ج۳،ص۳۸۔

(۸۸) فواد،ص۳۲۹۔

(۸۹) الراغب،ص۲۱۱۔

(۹۰) Down, Robert B. Books That Changed The World.
2nd ed. Chicago Amercian Library Assocation
1978, p 27.

(۹۱) القرطبی، ج۱۰،ص۳۵۷۔

(۹۲) ایضاً۔

(۹۳) ابوالاعلیٰ مودودی، ج۳،ص۱۲۔

(۹۴) ابنِ حجر، ج۱۰،ص۳۸۸۔۔۔۔۔۔العینی، ج۲۰،ص۱۶۔۱۷۔

(۹۵) ابو عبید قاسم بن سلام الہروی، غریب الحدیث (حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرہ المعارف
العثمانیہ، ۱۳۸۷ھ) ج۴،ص۱۵۶۔

(۹۶) ابنِ حجر، ج۱۰،ص۳۸۸۔۔۔۔۔۔الفتنی، مجمع بحار الانوار فی غریب التنزیل ولطائف الاخبار،
(لکھنؤ نو لکشور، ۱۲۸۳ھ) ج۳، ص ۲۵۰۔۲۵۱، مصطفیٰ صادق، تاریخ آداب العرب،
ط:۴، (بیروت دار الکتاب العربی، ۱۳۵۴ھ۔) ص

(۹۷) الرافعی، ج۲ص۱۷۔

(۹۸) البخاری، ج۱، ص۳۹۷ و ج۲، ص۵۰۴۔۔۔۔۔۔ ابو عبید الہروی، ج ۴، ص ۱۰۴۔۔۔۔۔۔ علی
بن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بتحریر الحافظین العراقی وابن حجر (القاہرہ، مکتبہ
القدسی، ۱۳۵۲ھ) ج۱،ص۱۵۲۔

(۹۹) عجاج، ج۲۶۔

(۱۰۰) البخاری، ج۲، ص۷۴۵۔۷۴۸۔۔۔۔۔۔ العینی، ج۱۰، ص۱۶۔۔۔۔۔۔ عبداللہ بن ابی داوَد
السجستانی، کتاب المصاحف (مصر، المطبعۃ الرحمانیہ، ۱۹۲۶ء) ص۵۔۱۱۔۔۔۔ ابنِ حجر، فتح
الباری، ج۱۰،ص۳۸۸۔۲۹۰۔۔۔۔ السیوطی، الاتقان، ج۱،ص۱۷۷۔۱۸۸۔

(۱۰۱) البخاری، ج۲، ص۷۳۶ --- ابن ابی داوٗد، ص۱۸-۲۵ ------ الذہبی، تاریخ الاسلام طبقات المشاہیر والاعلام (القاہرہ، مکتبۃ القدسی، ۱۳۶۸ھ) ج۲، ص۱۴۴-۱۴۵ ---- العینی ج۲۰، ص۱۷-۱۸ --- عبدالعظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، ط: ۳ (القاہرہ، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۲ھ) ج۱، ص۳۹۶-۳۹۷۔

(۱۰۲) الشلبی، حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی، (مصر، المطبعۃ الامیریہ، ۱۳۱۳ھ) ج۱، ص۳۵۳۔

(۱۰۳) ابنِ ماجہ، سنن ابن ماجہ، تحقیق محمد فواد عبدالباقی (القاہرہ، مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۲ھ) ج۱، ص۸۱ (حدیث نمبر۲۲۴)۔

(۱۰۴) ابن کثیر، ج۱۱، ص۶۷۔

(۱۰۵) ایضاً، ص۵۵۔

(۱۰۶) الرازی، ج۱۱، ص۴ ----- الآلوسی، ج۶، ص۱۴۴۔

(۱۰۷) عبداللہ النسفی، مدارک التنزیل و حقائق التاویل (القاہرہ، المطبعۃ الامیریہ، ۱۹۴۳ء) ج۱، ص۴۱۲۔

(۱۰۸) السمعانی، ادب الاملاء والاستملاء تحقیق مکس ویسویلر (لیدن، مطبعۃ بریل ۱۹۵۲ء) ص۱۷۵۔

(۱۰۹) ایضاً، ۵۹۔

(۱۱۰) ابوداوٗد، ج۲، ص۱۵۹ ------ احمد ابن حنبل، المسند، (مصر، المطبعۃ المیمنیۃ ۱۳۱۳ھ) ج۱، ص۴۳۷، ج۳، ص۲۲۵، ج۴، ص۸۰-۸۲ ج۵، ص۱۸۲۔

(۱۱۱) البخاری، ج۱، ص۳۹۱۔

(۱۱۲) احمد، ج۶، ص۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۱، ۳۲۲۔

(۱۱۳) الخطیب، الفقیہ والمتفقہ تحقیق اسماعیل الانصاری، (بیروت، داراحیاء السنۃ النبویۃ ۱۳۹۵ھ) ج۲، ص۱۶۰۔

(۱۱۴) ابنِ فارس، ج۶، ص۱۳۵ --- ناصر ابنِ عبدالسید المطرزی، المغرب فی ترتیب المغرب (حیدر آباد الدکن، مطبعہ دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۳۲۸ھ) ج۲ ص۲۵۸ ------ السید الشریف علی الجرجانی، کتاب التعریفات، (بیروت، مکتبۃ لبنان ۱۹۶۹ء) ص۲۷۴۔

(۱۱۵) علی بن ابی بکر المرغینانی، الہدایۃ بحواشی محمد عبدالحی (لکھنؤ، المطبع المصطفائی، ۱۲۹۳ھ) ج۱، ص۶۱۷-۶۱۸۔

(۱۱۶) علاء الدین الکاشانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (مصر، مطبعۃ الجمالیہ، ۱۳۲۸ھ)

ج۸، ص۳۳۰۔

(۱۱۷) علی القاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، (بمبئی، اصح المطابع، ب، ت) ج۱، ص۲۵۰۔

(۱۱۸) ابنِ فارس، ج۶، ص۱۱۶---- احمد بن محمد الطحطاوی، حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار، (مصر، دار الطباعۃ ۱۲۵۴ھ) ج۴، ص۱۴۔

(۱۱۹) ابنِ منظور، ج۱۵، ص۳۹۵۔

(۱۲۰) عثمان بن علی الزیلعی، تبیین الحقائق فی شرح کنز الدقائق (مصر، المطبعۃ الامیریہ الکبری ۱۳۱۵ھ) ج۶، ص۱۸۱-۱۸۲---- خرم علی بلہوری، غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در المختار (لکھنؤ، نو لکشور، ۱۳۰۲ھ) ج۴، ص۳۹۷---- العینی، شرح الکنز (مصر، المطبعۃ الامیریہ بولاق، ۱۲۸۵ھ) ج۲، ص۳۳۶۔

(۱۲۱) الطحطاوی، ج۴، ص۳۱۴۔

(۱۲۲) بلہوری ج۴، ص۴۸۳۔

(۱۲۳) محمد بن عبد اللہ ابن العربی، احکام القرآن، تحقیق علی محمد البجاوی، ط: ۲ (القاہرہ، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۸ھ) ج۴، ص۱۹۷۲ء۔

(۱۲۴) القرطبی، ج۲۰، ص۲۱۴۔

(۱۲۵) الطبری ج۳۰، ص۲۰۳-۲۰۶---- ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی، البحر المحیط، (مصر، مطبعۃ السعادہ، ۱۳۲۸ھ) ج۸، ص۵۱۶۔

(۱۲۶) الفیروز آبادی، ج۵، ص۵۱۴۔

(۱۲۷) ابن العربی، ج۴، ص۱۹۷۳۔

(۱۲۸) السیوطی، الدر المنثور، ج۶، ص۳۹۹-۴۰۱۔

(۱۲۹) احمد علی الجصاص، احکام القرآن، (آستانہ) مطبعۃ الاوقاف، ۱۳۲۵ھ) ج۳، ص۴۷۵۔

(۱۳۰) ابنِ رجب، القواعد (مصر، مکتبۃ الخانجی، ۱۳۵۲ھ) ص۲۲۴۔

(۱۳۱) ایضاً، ص۲۲۵-۲۲۶۔

(۱۳۲) الطحطاوی، ج۳، ص۳۹۲------ الجرجانی، ص۲۷۷------ بلہوری، ج۴، ص۴۹۰۔

(۱۳۳) ایضاً۔

(۱۳۴) البخاری، الادب المفرد (القاہرہ، لسان الدین الخطیب، ۱۳۷۹ھ) ص۲۰۸، المناوی، ج۳، ص۲۷۱۔

(۱۳۵) شبیر احمد عثمانی، فضل الباری (شرح اردو) صحیح البخاری (کراچی، ادارہ علوم شرعیہ،

۱۳۹۳ھ) ج۱، ص۲۰۱۔

(۱۳۶) الطحاوی، ج۳، ص۳۹۲------بلھوری ج۴، ص۴۹۰۔

(۱۳۷) القرطبی، ج۱۸، ص۲۶------ابن العربی، ج۴، ص۱۷۶۷۔

(۱۳۸) بدرالدین ابراہیم ابن جماعۃ الکنانی، تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم (حیدر آباد الدکن، ادارۃ جمعیۃ دائرہ المعارف النظامیہ، ۱۳۰۳ھ) ص۱۶۸۔

(۱۳۹) الراغب، ص۱۱۹۔

(۱۴۰) الجصاص، ج۲، ص۳۷۱۔

(۱۴۱) محمد بن علی الشوکانی، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایہ والدرایہ من علم التفسیر (مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۰ھ) ج۲، ص۶۔

(۱۴۲) القرطبی، ج۶، ص۴۶۔

(۱۴۳) المناوی، ج۳، ص۴۸۱۔

(۱۴۴) محمد البہی، "الانفاق فی سبیل اللہ تعامل مع اللہ" الفکر الاسلامی، ج۷، شمارہ ۳، (۱۳۹۵ھ) ص۱۱۔

(۱۴۵) الطبری، ج۱، ص۸۱۔

(۱۴۶) ابنِ تیمیہ، نقض المنطق ص۳۶۔

(۱۴۷) القرآن، البقرہ۔ ۲--- الایہ ۲۶۷۔

(۱۴۸) ایضاً، آل عمران-- ۳، الایہ ۹۲۔

(۱۴۹) ایضاً، البقرہ۔ ۲، الایہ، ۲۶۲--۲۶۷۔

(۱۵۰) محمد البہی، ص۱۵۔

(۱۵۱) الجاحظ، رسالۃ فی مدح الکتب، ص۳۴۱۔

(۱۵۲) الراغب، ص۳۸۔

(۱۵۳) البخاری، الادب المفرد، ص۱۰۶۔۱۰۷۔

(۱۵۴) The Encyclopaedia Britannica, Vol. 13, p. 1031

(۱۵۵) ابنِ الجوزی، الطب الروحانی، (دمشق، مطبعۃ الترقی، ۱۳۴۸ھ) ص۱۴۔

(۱۵۶) یاقوت، ج۵، ص۳۹۰۔

(۱۵۷) محمد ابنِ مفلح الحنبلی، کتاب الآداب الشرعیہ والمصالح المرعیہ (القاہرہ مطبعۃ المنار، ۱۳۴۹ھ) ج۳، ص۱۷۸۔

باب سوم

عہدِ عباسی میں خلفاء کے کتب خانے

باب دوم میں کتب خانہ کے عناصرِ اربعہ علم، کتابت، کتاب، قرأت و فروغ کتب خانوں کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیوں اور ان کے کتب خانوں نیز قیام کتب خانہ کے عوامل و محرکات سے بحث کی گئی تھی۔ باب سوم جس کا عنوان "عہدِ عباسی (۱۳۲-۶۵۶ھ / ۷۵۰-۱۲۵۸ء) میں خلفاء کے کتب خانے ہیں" اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ خلفاء عباسیہ کے کتب خانوں پر اور دوسرا حصہ خلفاء بغداد سے الحاق رکھنے والوں اور ان سے ہمسری کرنے والے خلفاء کے کتب خانوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں پہلے عہد عباسی کی تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، پھر سترہ (۱۷) خلفاء بغداد کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

دوسرا حصہ خلفاء بغداد سے الحاق رکھنے والے بیس (۲۰) شاہی سلسلوں، طاہریہ، صفاریہ، سامانیہ، طولونیہ، حسنویہ، دیالمہ، بنو کاکویہ، شاہان بنو مزید، خوارزم، غزنہ، سلاجقہ، غور، **نیمروز سجستان**، آل نہاوند زیدیہ یمن، شاہ ماردین حسام الدین، حاکم جزرہ محمد، ایوبیہ، اغالبہ کے مشہور و معروف تینتیس (۳۳) کتب خانوں کا اور خلفاءِ عباسیہ سے ہمسری کرنے والے چار (۴) شاہی سلسلوں، **فاطمیین** مصر، بنو حمدان، بنو عمار اور اموی خلفاء اندلس کے نو (۹) کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس طرح باب سوم میں عہد عباسی کے مشہور خلفاء کے کل انسٹھ (۵۹) کتب خانوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے کتب خانوں کے قیام و اہتمام میں شاہانِ عباسی کی سرگرمیوں اور ان کے کتب خانوں کے اثرات اسلامی قلمرو کے ہر حصے میں روشن نظر آئیں گے۔ نیز کتب خانہ سازی کی تحریک کا عالمی پیمانے پر ارتقاء نظروں سے اوجھل نہ ہو سکے گا۔ کتب خانوں کی شناخت کے جو اصول ہم نے وضع کئے ہیں، ان کی روشنی میں عہدِ عباسی کے جملہ اصناف کے کتب خانوں کا اگر احاطہ کیا جائے تو اس کے لئے کئی مقالے بھی کافی نہیں ہو سکتے، ہم نے بطورِ مثال ہر مشہور صنف میں سے گلے از گلزار مشہور ترین کتب خانوں کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔

باب سوم

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ عہدِ عباسی میں تعلیمی و ثقافتی سرگرمیاں

(۱) خلفاءِ بغداد منصور
(۲) مہدی
(۳) ہارون
(۴) مامون
(۵) متوکل
(۶) مہتدی بِاللہ
(۷) معتضد بِاللہ
(۸) مکتفی بِاللہ
(۹) مقتدر بِاللہ
(۱۰) راضی بِاللہ
(۱۱) قائم بامرِ اللہ
(۱۲) مقتدی بامرِ اللہ
(۱۳) مستنجد بِاللہ
(۱۴) مستضی بِاللہ
(۱۵) ناصرلدین اللہ
(۱۶) مستنصر بِاللہ
(۱۷) معتصم باللہ کے کتب خانے

(۱) عہدِ عباسی میں تعلیمی و ثقافتی سرگرمیاں

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی تاریخ سے قبل اس دور کی تعلیمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالنا اس لئے ضروری ہے کہ تعلیم اور کتب خانے لازم و ملزوم ہیں۔ تعلیم کے فروغ سے کتب خانوں میں کثرت و تنوع آتی ہے اور وہ فروغ پاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ تعلیم کا یہ اثر تھا کہ عہدِ اموی میں تعلیم اور علم و کتاب سے کوئی گھر خالی نہ تھا(۱)۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب اصطلاحی مدارس کا رواج نہیں ہوا تھا یہ نظام اتنا مستحکم، ہمہ گیر اور نتائج کے اعتبار سے اتنا دوررس تھا کہ اسلامی قلمرو میں ہر شہر و بستی میں ضرورت کے مطابق تعلیم کا سلسلہ بحسن و خوبی جاری تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں بیدار دل، روشن دماغ، خوش کردار اربابِ کمال و ماہرینِ فن کی جماعت تیار ہو کر نکلتی اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح پورا کرتی رہی تھی۔ ہر فن میں ہزاروں اربابِ کمال کی عہد بعہد موجودگی پر تذکرہ، طبقات، انساب و بلاد کی تاریخ شاہدِ عدل ہے۔

عہدِ عباسی میں تعلیم کا بہت چرچا تھا۔ ایک ایک جامع میں پچاس پچاس اربابِ کمال کے حلقہ ہائے درس جدا جدا قائم تھے۔ امام شافعی کا جب بغداد میں ورود ہوا تو جامع بغداد میں پچاس درس کے حلقے قائم تھے(۲)۔ محمد بن عبداللہ المعافری المعروف بابن العربی (۴۶۸ـ۵۴۳ھ) جب بیت المقدس میں آئے تو دیکھا کہ وہاں درس کے اٹھائیس حلقے آباد تھے جہاں تشنگانِ علوم اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ دو مدرسے ایک شافعیہ کا دوسرا حنفیہ کا تھا(۳)۔ ایک استاد کے ایک جامع میں مختلف حلقے ہوتے تھے۔ وہ مختلف اوقات میں مختلف موضوعات پڑھاتا تھا۔ چنانچہ ابو الفرج عبدالوہاب تمیمی (۳۵۳ـ۴۲۵ھ) کا جامع منصور میں وعظ و فتوے کا حلقہ ہوتا(۴) فقیہ ابو بکر احمد بن سلیمان المعروف بالنجار کا جمعہ کو جامع منصور میں پہلا فقہ حنبلی کا، دوسرا املاءِ حدیث کا حلقہ ہوتا تھا(۵) بعض اربابِ فن کے اختصاصی حلقے ہوتے تھے۔ ابو عبداللہ خلنجی کا جامع بغداد میں صرف تصوف، اور مکائدِ نفس و ریاضیات ہی موضوعِ درس رہتا تھا(۶)

یہ تدریسی حلقے ائمۂ فن و اربابِ کمال کی عزت، عظمت، شہرت و قبولیت کا موجب تھے۔ اس لئے علماء مرکزی درس گاہ میں پڑھانے کے لائق بننے کی آرزو اور دعا کرتے، نذر مانتے تھے، چنانچہ حافظ ابو مسلم کجی المتوفیٰ ۲۹۲ھ نے نذر مانی تھی کہ جب وہ حدیث بیان کرنے کے لائق ہو جائیں گے تو دس ہزار درہم صدقہ کریں گے(۷) مورخ خطیب بغدادی نے زمزم پی کر دعا کی تھی

بار الہا! مجھے جامع منصور میں درس دینا نصیب فرما(۸)

ان وجوہ سے اساتذہ ایک ہی جگہ پچاس پچاس' ساٹھ ساٹھ برس طلبہ کو پڑھاتے اور علم و کتب کی اشاعت کرتے رہتے تھے' عوام و خواص میں ان کی قبولیت و ہردلعزیزی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ان اہلِ علم کا جب کسی مرکزی شہر میں ورود ہوتا تو نہایت شاندار طریقے پر ان کا استقبال کیا جاتا تھا۔ جب ابو بکر جعفر فریابی بغداد پہنچے تو لوگوں نے ان کا طبل بجا کر استقبال کیا تھا(۹)۔

اسلامی قلمرو میں مساجد کے تعلیمی حلقے تعلیم و تربیت علم و کتب کی اشاعت کا مرکز تھے' جب کوئی زائر مسافر و سیاح شہر کی کسی مسجد میں آنکلتا تو اسے کوئی نہ کوئی استاد و ماہر مسجد میں درس دیتا ہوا ملتا تھا(۱۰) جامع سوس میں فقہاء' قراء اور ادباء کے بہت سے حلقے آباد تھے(۱۱) بجستان کے تعلیمی حلقوں کا تذکرہ ابنِ حوقل نے بھی کیا ہے(۱۲)

اس سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ یہ تعلیمی و تدریسی حلقے علوم و کتب کی نشر و اشاعت اور ذخیرۂ کتب میں روز افزوں اضافہ کا محرک رہے ہیں۔ عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی تاریخ و ذخیرہ سازی میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ ان ارباب فن کے تعلیمی حلقے بہت وسیع ہوتے تھے۔ تذکرہ نگاران کی وسعت و عظمت اور اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل علامات سے کرتے تھے:

(۱) اربابِ کمال کی(۱۳)
(۲) مستملیوں (املا کرانے والوں) کی(۱۴)
(۳) نگرانوں کی(۱۵)
(۴) یا ان کے دروازے پر کھڑی ہوئی سواریوں کی(۱۶)
(۵) یا ان کے ہاتھوں میں دواتیں ہوتی تھیں ان کی(۱۷)
(۶) یا جو لوگ امتیازی لباس (نشانِ فضیلت) زیب تن کر کے آتے(۱۸)
(۷) یا جو ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے ان کی تعداد سے کرتے تھے۔ (۱۹)

علم کی بقا سلسلۂ تعلیم سے وابستہ ہے۔ اسلام نے تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ تعلیم میں کوتاہی و غفلت سے علم اٹھتا' جہل فروغ پاتا ہے۔ زمامِ کار جب جاہلوں اور نااہلوں کے ہاتھ میں آتی ہے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا ہے اور یہ قیامت کی نشانی ہے(۲۰) اس لئے اسلام نے سب سے زیادہ زور تحصیل علم' تحقیق و ابلاغ پر دیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ علم کا تعلق لوازمِ حیات و مقاصدِ حیات دونوں سے ہے۔ اس لئے اس نے اولین ذمہ داری فرد پر اور آخری ذمہ داری معاشرہ پر عائد کی ہے۔ اس کے تحفظ و ابلاغ اور ترویج و اشاعت

کا فرد و معاشرہ دونوں کو پابند کیا(۲۱) اور تعلیم کا سلسلہ مفت رکھا، اسلام کی پہلی درسگاہ کے طلبہ اصحابِ صفہ اس کی بہترین مثال ہیں، وہ علمی و کتابی ضروریات کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہے، اہلِ ثروت ان کی معاونت کرتے رہے اور تعلیم و تربیت مفت ہوتی رہی۔

حکمِ اقرأ نے مسلمانوں کو علوم و معارف اور تحقیق و جستجو کا ایسا جویا و شیدا بنایا کہ انہوں نے اپنے اس ترقی پذیر جذبہ کی تشکیل و تکمیل کے لئے تحفظ و تدوینِ علوم اور ابلاغِ علم و کتاب کے تمام ذرائع اختیار کئے چنانچہ عہدِ عباسی میں تحصیل و تحقیقِ علم اور حصولِ کتب کے مقدس فریضہ کی تکمیل کے لئے جو سفر کیا جاتا وہ رِحلۃ اور جس علمی شخصیت کی طرف کیا جاتا اسے رُحلۃ کہا جاتا تھا(۲۲)

مسلم معاشرے میں یہ بات مشہور تھی کہ علم ایک شہر ہے اور اس میں داخل ہونے کے دو دروازے ہیں۔

(۱) روایت و حفظ(۲۳)

(۲) درایت و فہم۔ جو استاد ان دونوں صفتوں سے ممتاز ہوتا مقبولِ انام رہتا تھا۔

عہدِ عباسی میں تعلیم حاصل کرنے کے پانچ طریقے رائج تھے:

(۱) روایت و حفظ
(۲) درایت و فہم
(۳) سماع، سننا
(۴) املاء۔ لکھوانا
(۵) قرأت و عرض۔

اس لئے کہا جاتا تھا حضور المجالس بلا نسخہ ذل(۲۴) "درس کے حلقوں میں کتاب کے بغیر آنا ذلت کی بات ہے۔"

مذکورۂ بالا طریقہ ہائے تعلیم سے عہدِ عباسی میں کتابوں کو بہت فروغ حاصل ہوا اور کتب خانوں کے ذخائر میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

شاہانِ عباسی میں پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح (۱۳۲-۱۳۶ھ / ۷۵۰-۷۵۴ء) آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس کی اولاد میں سے تھا، اس نسبت سے ان کو عباسی کہا جاتا ہے۔ ان میں کل سینتیس (۳۷) خلیفہ گزرے ہیں۔ ان کی خلافت (اندلس کے سوا کہ وہاں اموی خلفاء حکمران تھے) بحرِ اوقیانوس سے وادیٔ سندھ تک کم و بیش پانچ ہزار میل کے طویل و عریض رقبے پر محیط تھی۔ انہوں نے ۵۲۴ سال حکمرانی کی، ان کے اس طویل زمانۂ خلافت کو چار ادوار میں تقسیم کیا

جا سکتا ہے۔ پہلا دور ابو العباس السفاح ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء سے شروع ہو کر دسویں (۱۰) خلیفہ متوکل علی اللہ (۲۳۲-۲۴۷ھ / ۸۴۷-۸۶۱ء) پر ختم ہوتا ہے۔ یہ ان کے عروج کا دور تھا۔

دوسرے دور کا آغاز گیارہویں خلیفہ مستنصر باللہ (۲۴۷-۲۴۸ھ / ۸۶۱-۸۶۲ء) سے ہوا اور بائیسویں (۲۲) خلیفہ مستکفی باللہ (۳۳۳-۳۳۴ھ / ۹۴۴-۹۴۵ء) تک منتہی رہا۔ یہ زوال و انتشار کا دور ہے۔ تیسرا دور مطیع باللہ کے عہد (۳۳۴-۵۴۷ھ / ۹۴۵-۱۱۵۲ء) پر ختم ہوتا ہے جس میں ان کا اقتدار سمٹ کر نواحِ بغداد تک رہ گیا تھا۔

چوتھا دور مستنجد باللہ کے زمانے (۵۵۵-۶۵۶ھ / ۱۱۶۰-۱۲۵۷ء) سے مستعصم تک منتہی ہے۔ اس میں انہیں خود مختاری حاصل رہی ہے۔ اس کے بعد ہلاکو نے ان کے جامۂ خلافت کو تار تار کر دیا۔

عباسی خلفاء کا پہلا دور بہت شاندار، پر امن، معاشی خوشحالی، علمی و ادبی ثروت، سیاسی استحکام اور تمدنی و ثقافتی ترقی کا دور تھا۔ علمی و ادبی ترقی کے اعتبار سے ان کا ابتدائی ڈھائی سو سالہ دور ہی سنہری دور ہے جس کے تحقیقی کارناموں کو آئندہ کے لئے اساسی ماخذ کی حیثیت اور اس دور عروج کی تصنیفات کو ادبِ عالیہ کا مقام حاصل ہے۔ ان کے پورے دور میں اسلامی قلمرو میں عربی کو سرکاری و علمی زبان کی حیثیت حاصل رہی، کم و بیش ہر بڑے چھوٹے شہر و قصبے میں تعلیم کے لئے مدرسے، مطالعہ کے لئے کتب خانے، بعض مرکزی شہروں میں مشاہدات کے لئے رصد گاہیں اور علاج و تجربات کے لئے شفا خانے قائم کئے گئے تھے۔ صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ حاصل تھا۔

اسلامی قلمرو کے شہروں کی شہرت و عظمت اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ فلاں فلاں بادشاہ کے دار الخلافہ تھے بلکہ ان کی عظمت و شہرت کی بنیاد ہی یہ تھی کہ ان شہروں میں علم و فن پروان چڑھتا رہا تھا۔ ان میں اہلِ علم کی علمی و کتابی ضروریات کی تکمیل کے لئے بڑے بڑے کتب خانے قائم تھے اور وہ تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھے۔

(ب) خلفاء بغداد کے کتب خانے

اسلامی کتب خانوں کی اساس حکم "اقرأ" اور "قیدوا العلم بالکتاب" پر قائم ہے اور اس کی تمام تر ترقی اسی کا فیضان ہے جیسا کہ گزر چکا۔

غارِ حرا میں اقرأ کے حکم نے عربوں کو اولاً الکتاب کی اور ثانیاً کتاب السنہ والآثار کی مندرجہ ذیل چار باتوں

(۱) قرأت

(۲) کتابت

(۳) حفاظت

(۴) اشاعت

کا پابند کر کے علم و عرفان کا والہ و شیدا بنایا، پھر ان کی دعوت پر جس قوم و ملت نے اقرأ کی روشنی سے دلوں کو روشن کیا وہ بھی مذکورۂ بالا باتوں کی خوگر ہو گئی، اس طرح نور "اقرأ" اور "قیدوا العلم بالکتاب" سے عالم میں علمی دور کا آغاز ہوا اور تحریک علوم و کتب کے احیاء و تحفظ کا ایسا ترقی پذیر سلسلہ شروع ہوا کہ جب تک اس عالم میں "اقرأ" کا جلوہ قائم ہے اس کی تحریک احیاء و تحفظ علوم و کتب کا دریائے فیض رواں رہے گا۔

اقرأ کی اس تحریک سے کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔ پھر شاہانِ عباسی نے خزانۃ الحکمہ، بیت الحکمہ، خزانۃ الکتب قائم کر کے بنی نوع انسان کے تمدنی و ثقافتی مشترکہ ورثہ کی حفاظت کے جذبہ کو مزید توانائی بخشی اور ان کے عہد میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ خلفاءِ عباسیہ کے عہد میں جو کوششیں بار آور ہوئی ہیں ان کا تذکرہ اس مختصر مقالہ میں کیا گیا، اور ان کے کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

بغداد شاہانِ عباسی کا دار الخلافہ ہونے کی بناء پر مختلف ثقافتوں کا سنگم بن گیا تھا۔ یہ عربی و عجمی تمدن کا دو آتشہ تھا۔ عباسی خلفاء نے اقوامِ عالم کے علمی، تمدنی، تاریخی و ثقافتی برباد شدہ ورثہ، سربمہر کتب خانوں اور کامل و ناقص کتابوں کو دور دور کے علمی گہواروں سے سراغ رساں وفود کے ذریعہ ڈھونڈ نکالا اور عالمی علمی سرمایہ کو اپنی اصل شکل میں بیت الحکمہ بغداد میں محفوظ ہی نہیں کرایا بلکہ ارباب فن سے نقدی کے بھاؤ ان کا عربی میں ترجمہ کرا کر اس فیض کو عام کیا۔

شاہانِ عباسی نے اقوامِ عالم کے ضائع شدہ تمدنی و ثقافتی ورثہ کے حصول، پاسبانی اور فیض

رسائی کے لئے "بیت الحکمہ" قائم کیا اور غیر زبانوں کو سیکھنے کے لئے سب سے پہلے اسلام میں ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا تھا جس میں چھ ہزار طلبہ مفت پڑھتے تھے اور پندرہ ہزار دینار خرچ تھا(۲۵) جبکہ پوری علمی دنیا ایک تماشائی کی طرح بنی نوع انسان کے قدیم ثقافتی ورثہ کے اس مظلوم گوشہ کی طرف جو صدیوں سے متمدن اقوام کے بادشاہوں' مذہبی رہنماؤں کے ظلم و ستم کا شکار چلا آرہا تھا' اور جسے نسلی' قومی' مذہبی و گروہی تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے کبھی جلایا جاتا کبھی نام نہاد تحفظ کے بہانے سربمہر کر کے دیمک کے رحم و کرم پر چھوڑا جاتا اور کبھی سفینوں سے دفینوں میں منتقل کیا جاتا تھا' دیکھتی رہی تھی اور اس کے تحفظ کی تدابیر اختیار کرنے میں زبانِ حال سے اپنی بے بسی کا اظہار کر چکی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کے صدیوں پرانے ذہنی کاوشوں کے قیمتی نتائج و ثمرات کا یہ بیش بہا اثاثہ بس شاہانِ عباسی کے نظرِ کرم کا محتاج و منتظر تھا۔ چنانچہ وہ وقت آگیا کہ عباسی خلفاء نے گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے اس علمی سرمایہ کو سینے سے لگایا اور غیر زبانوں کو سیکھنے کے لئے سب سے پہلے اسلام میں ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا تاکہ ان زبانوں کا علمی سرمایہ ترجمہ کے ذریعہ جلد عام ہو سکے۔ اس علمی ذخیرے کو ترجمے اور نت نئ تحقیقات کے ذریعہ آئندہ نسلوں تک پہنچایا' انہی خلفاء اور مسلمان حکماء و فلاسفہ ہی کی مساعیٔ جمیلہ اور تحقیقات تھیں جو موجودہ ترقی کی اساس بنی ہیں۔

شاہانِ عباسی کا یہ وہ ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آئندہ نسلیں ہمیشہ ان کے احسان سے گراں بار رہیں گی اور رہتی دنیا تک ان کا نام روشن رہے گا۔

عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کی تشہیر کا آغاز شاہی کتب خانہ "بیت الحکمہ" سے ہوا جس نے وزراء' امراء' روساء اور دولت مندوں کے دلوں میں اپنے علوم و معارف ہی کے جذبہ کو نہیں' اقوام عالم کے علوم کی تحصیل اور پاسبانی کے جذبہ کو ابھارا اور اسلامی کتب خانوں کا دائرہ کار علوم اسلامی کے علاوہ علوم اوائل و علومِ قدیمہ تک پھیلایا جو کتب خانوں کے ذخیروں میں ہمہ گیر اور غیر معمولی اضافہ و وسعت کا سبب ہوا۔

شاہانِ عباسیہ مطلق العنان فرمانروا تھے۔ اس لئے شاہی کتب خانوں کا انتساب انہی کی طرف کیا جاتا تھا حالانکہ وہ قومی سرمایہ سے بنائے جاتے تھے۔ شاہی کتب خانے اپنے وظائف کے اعتبار سے قومی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے۔ خزانۃ الحکمہ میں نقلِ کتب' ترجمہ و تحقیق اور استفادہ کی سہولت مہیا کی گئی تھی' البتہ کتابوں کو کتب خانہ کے حدود سے باہر لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ پہلا کتب خانہ تھا جس کا کیٹلاگ کتابی صورت میں مرتب کیا گیا تھا۔ ان حقائق کی

روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قومی کتب خانوں کی تاسیس بھی عباسی خلفاء کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

خلیفہ مامون نے قصرِ شاہی میں خزانہ المامون کے نام سے اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کر کے "بیت الحکمہ" کی قومی حیثیت کو اور بھی ممتاز کر دیا تھا۔ خزانۃ الحکمہ کی شہرت، عظمت، وسعت، تنوع و ذخائرِ کتب کی کثرت کی وجہ سے دور دور پہنچ گئی تھی۔

شاہانِ عباسی کا ذوقِ کتب خانہ سازی نسلاً بعد نسل قائم رہا۔ شاہی کتب خانے ورثے میں ایک دوسرے کو منتقل ہوتے رہے۔ اس لئے ہر جانے والے کا نام خارج ہوتا اور ہر آنے والے بادشاہ کا نام اس میں درج ہوتا رہا۔ ان کتب خانوں کی علمی شہرت اور عوام میں قبولیت ہر دور میں کم و بیش برابر قائم رہی۔ ہر خلیفہ نے اس ذخیرۂ کتب میں اضافہ کیا اور اس میں ہر علمی و مشہور کتاب کی غیر موجودگی کو باعث ننگ و عار سمجھا جاتا رہا۔ جیسا کہ خلیفہ راضی باللہ کے کتب خانہ میں صولی کے بیان سے عیاں ہے۔

عباسی خلفاء و مسلمان حکمران علوم و فنون کے مربی تھے۔ وہ تصانیف پر انعام دے کر علماء و اربابِ کمال کی ہمت افزائی کرتے، کتب خانوں کے ذخائر بڑھاتے۔ ہر دور میں ان کے نام جو کتابیں معنون کی جاتی تھیں ان سے کتب خانوں کا سراغ ملتا ہے۔ اس لئے ان واقعات کو بھی نقل کیا گیا۔

شاہانِ عباسی نے اوائلِ عہد عباسی میں کتب و کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کی غرض سے مثالی کتب خانے "خزانۃ الحکمہ" "بیت الحکمہ" قائم کئے اور اپنے اختتامی دور میں علم کی اشاعت، کتب خانوں کے فروغ کے لئے مثالی جامعات قائم کیں۔ اس بناء پر مورخ ابن خلدون نے آخری عباسی خلفاء میں سے ناصرلدین اللہ بن مستضئی باللہ کو مشرق میں مغربی خلیفہ الحکم الثانی کا نظیر و مثیل قرار دیا (۲۶) ان کی بنائی ہوئی دانشگاہیں یورپ کی جامعات کے لئے نمونہ عمل بنیں اور موجودہ دور کی یونیورسٹیوں کے قیام و نظام میں ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا گیا۔ چنانچہ ان کے اوائلِ عہد کے کتب خانے اور اواخرِ عہد کی جامعات، کتب خانوں کے نظام، مدارس کے طریقہ درس اور طرزِ تعمیر پر بہت زیادہ اثر انداز رہی ہیں۔ یہ وہ عظیم الشان و قابلِ فخر کارنامے ہیں جن کی وجہ سے کتب خانوں کی تاریخ میں ان کا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

(۱) خلیفہ منصور کا کتب خانہ

المنصور ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی عباسی (۹۵-۱۵۸ھ / ۷۱۴-۷۷۵ء) فقیہ، محدث، حافظِ حدیث و ادیب تھا(۲۷) اسے فلسفہ، نجوم و ہیئت سے بھی دلچسپی تھی علماء و حکماء کی قدر کرتا تھا(۲۸) شاہانِ عرب میں یہ پہلا بادشاہ تھا جس کے عہد میں عربوں نے یونان و فارس کے علوم کی طرف خصوصی توجہ کی اور دوسری زبانوں کے علمی و فنی کتابوں کے ترجمہ کی تحریک شروع کی(۲۹) خلفاءِ عباسیہ میں یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے امام مالک سے حدیث کی مشہور کتاب الموطاء(۳۰) اور مورخ محمد ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ سے شہزادہ مہدی کے لئے سیرت النبی لکھوائی۔ وہ پہلی مرتبہ بہت لمبی کتاب لکھ لائے۔ منصور نے اس کو ان سے مختصر کرایا، وہی مختصر آج سیرت ابنِ اسحاق کے نام سے مشہور ہے۔ مطول تاریخ امیرالمومنین کے خزانہ الکتب میں داخل کی گئی(۳۱)

ابو الہیثم کا بیان ہے کہ محمد بن اسحاق نے یہ سیرت قراطیس پر لکھی تھی(۳۲) اس خزانہ الکتب میں مشاہیر کے خطوط بھی نقل کرا کر رکھے جاتے تھے چنانچہ کاتب منصور ابو عبداللہ کا بیان ہے "منصور کے پاس امام اوزاعی کے بہت مکاتیب آتے تھے، ہمیں ان کی کثرت پر تعجب تھا اور ان کی نقل سے عاجز تھے، وہ پہلے کتابوں میں اتارے جاتے، پھر منصور کو پیش کئے جاتے تھے"(۳۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطوط کا تعلق اس کے دورِ خلافت (۱۳۶-۱۵۸ھ) سے ہے۔ یہ خطوط اور کتابیں سب قصرِ شاہی کے خزانۂ الکتب میں رکھی جاتی تھیں۔

(۲) خلیفہ مہدی کا کتب خانہ

المہدی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المنصور بن محمد العباسی (۱۲۷-۱۶۹ھ / ۷۴۴-۷۸۵ء) بہت سخی(۳۴) دیندار اور علم کا قدر دان تھا۔ اس نے بغداد میں "جامع رصافہ" جو مشہور درسگاہ بھی رہی ہے، تعمیر کرائی تھی، اس کو شاہی کتب خانہ ورثے میں ملا تھا۔ عباسی خلفاء میں(۳۵) یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے الحاد و زندقہ کے تدارک اور عالموں کو ان کی تردید میں کتابیں لکھنے کا حکم دیا تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء میں رقمراز ہیں۔

"ھو اول من امر بتصنیف کتب الجدل فی الرد علی الزنادقہ و الملحدین

(یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے بے دینوں اور زندیقوں کی تردید میں متکلمانہ مناظرانہ (کتابیں لکھنے کا فرمان جاری کیا تھا)، جس سے علمِ کلام کو سرکار کی سرپرستی میں ترقی کرنے کا موقعہ ملا اور

مناظرانہ ادب میں وسعت و تنوع پیدا ہوا(۳۶)

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”تم دیکھو گے جب اسلام و ایمان پھیلا اور اس کی شوکت بڑھی تو سنت و اہل سنت کو فروغ حاصل ہوا، ان کا زور زیادہ ہوا، اور جب کفر و نفاق پھیلا تو اس کے بقدر بدعت کی اشاعت ہوئی۔ المہدی و ہارون رشید جیسے خلفاء کا دورِ حکومت اس کی مثال ہے۔ یہ وہ خلفاء تھے جن کے دورِ حکومت میں اسلام اور مسلمانوں کی تعظیم کی جاتی تھی، یہ دشمنانِ اسلام یعنی کفار و منافقین سے جنگ کرتے تھے۔ خلیفہ مہدی نے بیشمار منافقین و زنادقہ کا قلع قمع کیا، المہدی خلفاءِ عباسیہ میں سب سے بہتر خلیفہ تھا۔ وہ سب سے زیادہ ایماندار، منصف مزاج اور سب سے بڑھ کر سخی تھا۔ وہ منافقین و زنادقہ کی بیخ کنی کرتا رہتا تھا“(۳۷) اس کے دور میں اسلامی ادب کو برگ و بار لانے کا پورا موقع ملا تھا۔

مفضل ضبی المتوفی ۱۶۸ھ نے جاہلی شعراء کے ۱۲۸ قصائد کا منتخب ”المفضلیات“ کے نام سے مہدی کے لئے مرتب کیا تھا(۳۸)

(۳) خلیفہ ہارون رشید کا کتب خانہ

الرشید، ابو جعفر ہارون بن محمد بن المنصور عباسی (۱۴۹-۱۹۳ھ/ ۷۶۶-۸۰۹ء) بڑا فاضل ادیب و شاعر تھا(۳۹) اسے فقہ، ادب و حدیث سے بہت مناسبت تھی(۴۰) ایک سال حج کرتا، ایک سال جہاد کرتا، سو علماء و فقہاء کو اپنے ہمراہ حج کے لئے لے جاتا(۴۱) علم دوست، علماء، ادباء و شعراء کا قدر دان تھا(۴۲) اس کے دربار میں جتنے عالم، شاعر، فقیہ، قاضی، کاتب، ندیم اور گویے جمع ہوئے کسی خلیفہ کے دربار میں نہیں ہوئے۔ اسکے وزیر برامکہ، اس کے قاضی ابو یوسف تھے۔ درباری شاعر جریر، مروان بن حفصہ تھا(۴۳) یہ خود، اخبار و آثار اور اشعار کا راوی تھا(۴۴)

ہارون رشید نے علمی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس کی طبیعت میں علم کی طلب و جستجو تھی۔ وہ ائمہ فن کی مجالس میں حاضر ہوتا اور اپنے دربار میں بھی علمی مجلسیں منعقد کرتا تھا۔ فلاسفہ، حکماء، اطباء، ادباء، فقہاء اور قضاۃ کا ہم نشیں تھا۔ تحقیقات کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے واقف تھا اس لئے تحقیق کرنے والوں کے لئے تحقیق و علمی مواد کے حصول کی خاطر نہایت وسیع پیمانہ پر قصرِ شاہی میں ”خزانہ الحکمہ“ کی بنیاد رکھی اور اس کو ترقی یافتہ اقوام کے علمی ذخیروں سے مالا مال کرنے کی سعیِ بلیغ کی۔ ”خزانۃ الحکمہ“ کتب خانہ و دار الترجمہ پر مشتمل تھا(۴۵) ابو سہل فضل

بن نوبخت فارسی المتوفی بعد ۱۹۳ھ کو "خزانۃ الحکمہ" کا خازن بنایا تھا۔ یہ فارسی زبان سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ بھی کرتا تھا(۴۶)

"خزانۃ الحکمہ" کے ذخائر میں اضافہ کے لئے نساخ و وراق مقرر تھے جو مصنفین کی کتابیں نقل کر کے خزانۃ الحکمہ میں پہنچاتے تھے چنانچہ ابو الحسن علی بن المغیرہ الاثرم المتوفی ۲۳۲ھ جو اصمعی و ابو عبیدہ کا شاگرد و نساخ تھا، خلیفہ ہارون الرشید کے لئے ابو عبیدہ کی کتابیں نقل کرتا تھا(۴۷) اس میں علان شعوبی المتوفی ۲۱۸ھ برامکہ کے واسطے کتابیں نقل کرتا تھا(۴۸) ہارون رشید کو انقرہ و عموریہ اور دوسرے رومی شہروں کی فتح میں جو کتابیں ملی تھیں ان کے ترجمہ پر مشہور طبیب یوحنا بن ماسویہ المتوفیٰ ۲۴۳ھ کو مامور کیا تھا(۴۹) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خزانۃ الحکمہ، انقرہ کی فتح ۱۸۱ھ / ۷۹۷ء (۵۰) سے پہلے قائم ہو چکا تھا اور عہدِ ہارونی میں رومیوں کا شہر عموریہ (۷۹۳ء / ۱۷۲ھ میں فتح ہوا تھا(۵۱) اس لئے کچھ عجب نہیں کہ اس سے قبل "خزانۃ الحکمہ" کا قیام عمل میں آچکا ہو اور ممکن ہے کہ ان ذخائر کے حصول کے فوراً بعد ایک قومی کتب خانے کے قیام کا خیال پیدا ہوا ہو۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ خلیفہ ہارون رشید نے "خزانۃ الحکمہ" قائم کیا تھا اور اس نے غیر زبانوں کی علمی و فنی کتابوں کو جمع کرنے اور ان کا عربی زبان میں ترجمہ کرانے کی علمی تحریک کو جس کا آغاز منصور نے کیا تھا ترقی دینے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی، بلکہ بہت ممکن ہے کہ رومیوں پر اس کے سالانہ جنگی حملوں کا جنہیں "صوائف" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک مقصد نفیس یونانی مخطوطات کو بغداد منتقل کرنا ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال موسم گرما میں بلادِ روم پر اس کے فوجی حملوں کا مقصد رومیوں کی قوت و شوکت کو پامال کرنا ہی نہ تھا بلکہ مختلف علوم و فنون، طب، فلکیات، ریاضیات و فلسفہ میں مزید مخطوطات حاصل کرنا بھی تھا۔ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ یونانیوں کے ایشیاءِ کوچک میں ثقافتی مرکز عموریہ و انقرہ وغیرہ پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا جاتا۔ ان شہروں کو قدیم و نادر مخطوطات کی کثرت میں شہرت خاص حاصل تھی۔ یہاں کے رہنے والوں کو اپنی نادانی کی بناء پر اس کے سوا کہ وہ ان کے بزرگوں کا چھوڑا ہوا اثاثہ ہے۔ ان کی قدر و قیمت کا صحیح علم نہ تھا اس لئے ہارون رشید کی شرائط صلح میں یہ بات بھی ذکر کی گئی تھی کہ وہ ان میں سے جن کتابوں کو چاہے گا لے لے گا اور رومی اس سے تعرض نہیں کریں گے(۵۲)

اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہارون رشید کی یہ فوجی مہمیں توسیع پسندانہ سرگرمیاں نہیں تھیں بلکہ اس کی یہ مہمات بنی نوع انسان کے برباد شدہ علمی و ثقافتی ورثہ کے تحفظ، کتابوں اور کتب خانوں کے حصول، علوم کی نشر و اشاعت، آئندہ نسلوں کی کتابی ضروریات کو پورا

کرنے اور ان کی علمی، اخلاقی، تمدنی اور ثقافتی ترقی کی خاطر تھیں۔

ہارون رشید نے یوحنا کو جسے مسلمانوں نے فتحِ ممالک کے وقت قیدی بنایا تھا، ان طبی کتابوں کے عربی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا، جو اسے انقرہ، عموریہ اور روم کے دوسرے شہروں میں ملی تھیں، پھر خلیفہ نے اس کو ترجمہ کا نگران و امین بنایا اور اس کے ماتحت ماہر کاتبوں کو مقرر کیا جو لکھنے اور نقل کرتے تھے(۵۳)

یوحنا ایک قیدی کی حیثیت سے بغداد میں آیا تھا لیکن علم کی قدر و منزلت نے اس کو قید سے رہائی دلائی اور خلیفہ ہارون رشید نے اسے "خزانۃ الحکمہ" جیسے بین الاقوامی علمی و تحقیقی ادارہ میں نہایت عظیم الشان منصب "تراجم کتب" پر فائز کیا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہاشمی خاندان میں یہ دوسری اور خلفاء عباسیہ میں پہلی مثال ہے۔ ہارون رشید کی معارف پروری اور علم و فن کی قدردانی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ قومی کتب خانے کے ذخیرہ کو ترجموں سے مالا مال کرنے کے لئے مندرجہ ذیل ترجمہ نگاروں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

حجاج بن یوسف بن مطر، اس نے کتاب اقلیدس (اصول الہندسہ) کا ترجمہ عربی میں کیا تھا جو نقلِ ہارونی کے نام سے موسوم ہے(۵۴) نوبخت منجم، یحیٰ بن البطریق، جورجیس بن بختیشوع، عبداللہ بن المقفع، سلام ابرش، باسیل مطران اور سہل بن نوبخت(۵۵)

(۴) خلیفہ مامون کا کتب خانہ

المامون، ابو العباس عبداللہ بن ہارون بن محمد عباسی (۱۷۰-۲۱۸ھ / ۷۸۶-۸۳۳ء) امام، محدث، نجومی، لغوی اور فلسفی تھا(۵۶) شاہانِ عباسی میں فقہ اور کلام کا سب سے بڑا عالم(۵۷) اور تین کتابوں کا مصنف تھا(۵۸) اس کو متعدد علوم فقہ، طب، شعر، فرائض، کلام، نحو، لغت، حدیث، علمِ نجوم اور تاریخ(۵۹) میں درک حاصل تھا۔ علومِ اوائل سے خاص اعتناء تھا۔ اس نے فلسفہ میں مہارت پیدا کی۔ یہی مہارت اسے خلقِ قرآن کی طرف لے گئی(۶۰) مسئلہ خلقِ قرآن کا آغاز سنہ ۲۱۲ھ میں ہوا لیکن اس پر اصرار ۲۱۸ھ میں شروع ہوا اور اس سال جب یہ روم کی طرف لشکر لے کر نکلا بیمار پڑا اور مر گیا۔ اس عقیدہ سے اس نے رجوع نہیں کیا(۶۱) مورخ ذبیح اللہ صفا کا خیال ہے کہ مامون چونکہ ایک ایرانی خاتون مراجل کے بطن سے تھا اور اس کی تربیت برامکہ کے زیرِ نگرانی ہوئی تھی اس لئے وہ آزادئ فکر کا زیادہ قائل، فلسفہ، علومِ قدیمہ اور حکماء کا دلدادہ تھا(۶۲)

ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں!

دولتِ عباسیہ کا جب دائرہ وسیع تر ہوا۔ اہلِ مشرق اور وہ عجمی گروہ جن کی نسبت نبی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا الفتنۃ من ھنا' فتنہ یہاں نمودار ہو گا اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے' چنانچہ بدعات بکثرت پھیل گئیں۔ اسی دور میں مجوسیوں' فارسیوں' صائبیوں' رومیوں اور مشرکوں کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

خلیفہ ابو العباس المامون کے دورِ حکمرانی میں خرمیہ جیسے منافقین کو سر اٹھانے کا موقع ملا' بلادِ روم سے قدماءِ یونان کی کتابیں لائی گئی تھیں ان کا عربی میں ترجمہ کیا گیا' ان کی وجہ سے صائبیوں کے افکار و عقائد کی نشر و اشاعت ہوئی ہندوستان جیسے مشرک فرمانرواؤں سے مراسلت قائم ہوئی' اس کے اور ان کے درمیان دوستی کے رشتے ناطے استوار ہوئے اور مسلمانوں میں کفر و نفاق نمودار ہوا' مشرکین و اہلِ کتاب کو جو قوت و طاقت حاصل ہوئی وہ اسی کا اثر تھا' گمراہ فرقے جہمیہ و روافض کو غلبہ حاصل ہوا اور صابئین و فلاسفہ کو تقربِ شاہی ملا' یہ اس فہم و فراست کا اثر تھا جو خلیفہ مامون اپنی عقل و انصاف پسندی سے سمجھ بیٹھا تھا حالانکہ یہ جہل و ظلم تھا' اس کی وجہ سے جہمیہ کا فتنہ ابھرا تا آنکہ امتِ مسلمہ نفی صفاتِ باری تعالیٰ و تکذیب کلام اللہ اور رؤیت باری کے مسائل سے دوچار ہوئی اور امام احمد وغیرہ امتحان و آزمائش سے گذرے جس کی داستان طولانی ہے(۶۳)

ابنِ تیمیہ کے مذکورۂ بالا تبصرہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مامون کے دور میں غیر اسلامی ادب نے کس طرح اسلامی ادب میں بار پایا اور کن اصناف کو فروغ حاصل ہوا۔

مامون کا معاصر الخوارزمی کہتا ہے "یہ معارف پرور' علوم و فنون کا سرپرست' علم و اہلِ علم کا قدر دان تھا' ان سے قریب رہتا' انہیں اپنے قریب رکھتا اور انعام و اکرام سے سرفراز کرتا تھا" (۶۴) اذکیاءِ عالم میں اس کا شمار تھا (۶۵) اس نے محدثین کی ریس میں حدیثیں بھی املا کرائیں اور خلیفہ منصور کے علمی و فنی کتابوں کے ترجمے کا کام تکمیل کو پہنچایا' علمی کتابوں اور کتب خانوں کو معلوم کرایا' حصولِ کتب کے لئے فوجی مہموں کے علاوہ تحفے تحائف کی روش بھی اختیار کی' مساویانہ و دوستانہ برتاؤ کو اپنایا۔ گویا مامون نے حصول کتب و کتب خانوں کے لئے طاقت کے بجائے احسان و اکرام کا راستہ اختیار کیا۔ شاہانِ روم سے تعلقات پیدا کئے' ان کو قیمتی تحفے بھیجے اور ان سے فلاسفۂ یونان' ارسطو' بقراط' جالینوس' بطلیموس وغیرہ کی کتابیں منگوائیں' عوام و خواص کے فائدے کے لئے ماہرینِ فن سے ان کا ترجمہ کرایا' پھر ان کے پڑھنے پڑھانے کی لوگوں کو ترغیب دی' اس سے فلسفہ کی خوب گرم بازاری ہوئی۔

مامون فلاسفہ کا ہم جلیس تھا' ان کے مناظروں سے لطف اندوز ہوتا' انہیں عنایات خسروانہ سے سرفراز کرتا تھا۔ علماء' فقہاء' محدثین' متکلمین' اہلسنت' مورخین' ماہرینِ انساب و نامور شعراء

کے ساتھ مامون کا یہی برتاؤ تھا۔ علماء کی ایک جماعت نے علومِ فلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ آئندہ نسلوں کے لئے علمِ طب اور میڈیکل سائنس کی تحصیل کو آسان کیا، انہوں نے ادب کے اصول اور طریقے وضع کئے تاآنکہ عباسی سلطنت دورِ عروج میں سلطنت روما کی ہمسری کرنے لگی تھی۔

ہارون کی طرح مامون کا بھی رومیوں پر جنگی حملوں سے مقصد علمی فتوحات حاصل کرنا تھا۔ اس نے قسطنطنیہ، صقلیہ و قبرص میں کتابیں جمع کرنے کے لئے حجاج بن مطر، ابنِ بطریق اور سلم خازن بیت الحکمۃ پر مشتمل وفود بھیجے تھے (۶۷) بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے، شاہِ صقلیہ کو مامون کا جب مکتوب ملا، اس نے اپنے مذہبی رہنماؤں اور مملکت کے سربراہوں سے مشورہ کیا، ان کے بڑے مذہبی پیشوا نے کہا، بخدا، آپ یہ کتابیں ان کو بھیجیں، یہ علوم جس قوم میں پہنچے اس قوم کو ان علوم نے تباہ کیا۔ بادشاہ نے اس کے مشورہ کے مطابق عمل کیا” (۶۸)

پاپائیت کی اساس میں استحکام نہیں پایا جاتا تھا۔ فکری جولانیوں کی اس میں کوئی گنجائش نہ تھی، فلسفہ کو اس نے وبالِ جان سمجھا ہوا تھا اور اسلام کے بارے میں اس کا کم و بیش یہی تصور تھا کہ یونانی فلسفہ سے اس میں اختلال پیدا ہو جائے گا۔ یونانی فلسفہ نے کم علموں کے ذہنوں کو کسی حد تک متاثر ضرور کیا لیکن مسلمانوں کے ایمان و ایقان کی جڑیں کھوکھلی نہ کر سکا۔

ایک مرتبہ مامون نے حنین بن اسحاق کو جو بیت الحکمہ میں علومِ قدیمہ کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور تھا بلادِ روم میں کتابیں حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا (۶۹) اس نے جن کتابوں کو قابلِ اعتناء سمجھا، منتخب کیا۔ جب وہ کتابیں بغداد پہنچیں، مامون نے ان کے ترجمہ کا حکم دیا۔ یہ ایک ہزار بار شتر کتابیں ایک عبادت خانہ میں محفوظ تھیں، اس کا دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا، کچھ اچھی حالت میں اور کچھ بوسیدہ تھیں، کچھ کو دیمک چاٹ گئی تھی (۷۰) بلاد روم سے پانچ بار شتر کتابیں لائی گئی تھیں، ان میں جو پوری آگئیں وہ آج تک پوری ہیں اور جو ناقص رہ گئیں وہ آج تک ناقص ہیں (۷۱)

اسی طرح مامون نے مشہور مصنف، مترجم، امین (۷۲) دارالترجمہ یوحنا بن بطریق کو بلادِ روم کی طرف بھیجا تھا۔ اس کا بیان ہے “وہ ہیکلِ عبد شمس میں پہنچا، اس نے پادری کو لطائفِ حیل سے رام کیا، پھر اس نے یوحنا بن طریق کو ہیکل میں رکھی ہوئی کتابیں دکھائیں، ان میں وہ کتابیں بھی تھیں جن کی امیرالمومنین نے نشاندہی کی تھی، میں نے مطلوب کو پا لینے کے بعد امیرالمومنین کو خبر کی” (۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ کتابوں کے ترجمہ پر مختلف علوم اور زبانوں کے ماہر مختلف شعبوں کے نگران مقرر کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ابنِ نباتہ نے تصریح کی ہے کہ سہل بن ہارون کو خزانۃ الحکمت سے فلسفہ کی ان کتابوں پر جو جزیرہ قبرص سے منتقل کی گئی تھیں (۷۴) کاتب مقرر کیا تھا،

شاہانِ عباسیہ کی فلاسفۂ یونان کے علوم و فنون سے دلچسپی اور اس کی نشر و اشاعت میں غیر معمولی سرگرمی کے باوجود فلاسفہ یونان کے علمی سرمایہ کے ٹھیکیدار ان خلفاء کے ساتھ نہایت سرد مہری اور حقارت آمیز طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے تھے۔

ڈریپر لکھتا ہے: "جب علم پرست مامونؔ نے قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ تھیوفلی (Thiophile) کو ایک خط لکھا کہ لیون (Leon) نامی عالم کو بغداد آنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ مجھے ریاضیات کی تعلیم دے، میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے مجبور نہ ہوتا تو خود حاضر ہوتا، اس فرمائشی خط کے ساتھ مامون نے ایک سو قنطار سونا بھی بھیجا اور دائمی صلح کا وعدہ بھی کیا لیکن بادشاہ نے مامون کی اس استدعا کو رد کر دیا اور جواب دیا کہ وہ علوم جن سے رومیوں کا نام آسمانِ شہرت پر چمکا ایک وحشی (عرب) کو نہیں سکھائے جا سکتے)(٧٥)

اسی رومی بادشاہ پر فلسفۂ پاپائیت (Theocracy) کا غلبہ تھا، نسلی تعصب سے اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ علم و حکمت کے شیدائی کو نہ سمجھ سکا، وہ متاعِ مشترک کو اپنی جاگیر سمجھ بیٹھا تھا۔ بایں ہمہ سرد مہری فلاسفۂ یونان کی کتب و کتب خانوں کے حصول اور ان کے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت سے خلیفہ مامون کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں اور اس کی داد و دہش اور قدر دانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ چنانچہ ابنِ ابی اصیبعہ کا بیان ہے۔

"میں نے حنین کے کاتب ازرق کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں جمع کی ہیں، ان کے حروف بڑے بڑے ہیں" قلم موٹا ہے، سطریں پھیلی ہوئی ہیں، ان کے اوراق کی موٹائی اتنی ہے جتنی اس دور (ساتویں صدی ہجری) کے بنے ہوئے تین یا چار ورق کی ہوتی ہے اور اس کی تقطیع ایک تہائی بغدادی کاغذ کے بقدر ہے۔ حنین کا اس سے مقصد کتاب کے وزن و حجم کو بڑھا کر زیادہ سے زیادہ درہم حاصل کرنا تھا۔ اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ وہ کاغذ اپنی موٹائی کی وجہ سے مدت مدید (ساتویں صدی ہجری) تک محفوظ رہ سکا" (٧٦)

مامون کی مساعیٔ جمیلہ سے حکومت کی زیرِ سرپرستی فلسفہ، نجوم، ریاضیات، طب، ادب اور سیاست کے موضوع پر علمی و فنی کتابوں کا یونانی (٧٧) پہلوی (٧٨)، ہندی (٧٩)، نبطی، عبرانی، لاطینی اور قبطی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا گیا (٨٠) اور مختلف علوم و فنون میں مسلمانوں کی تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوا۔

خزانۃ المامون

مامون نے قصرِ شاہی میں دو کتب خانے بنائے تھے ایک ذاتی جس کا نام "خزانۃ

المامون"(۸۱) کتب خانہ مامون تھا، ابن الندیم نے اسے دیکھا تھا۔ وہ "الفہرست" میں جہاں "خزانۃ المامون" کا لفظ لکھتا ہے اس سے مامون کا یہی ذاتی کتب خانہ اور "خزانہ الحکمہ" اور "بیت "خزانۃ الحکمہ" سے (سرکاری کتب خانہ) مراد ہوتا ہے۔

مامون نے خزانۃ المامون میں اپنے مذاق کی کتابیں اور دوسری ثقافتی چیزیں بھی جمع کی تھیں، ابن الندیم کا بیان ہے۔

"اس نے خزانۃ المامون میں چمڑے پر عبدالمطلب بن ہاشم کا ایک نوشتہ(۸۳)، خط حمیری(۸۴) اور سوڈانی خط کا نمونہ بھی دیکھا تھا(۸۵) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مامون علم کا سچا شیدائی تھا، اس کی طلب و جستجو نے علم کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ تحقیق کے لئے علم و حکمت کے شہ پاروں کو جہاں بھی پاتا حاصل کرتا اور اپنے نجی کتب خانے کو اس سے زینت دیتا تھا۔ خزانۃ المامون کی نگرانی اور نظم و ترتیب کا کام خازن بیت الحکمہ سہل بن ہارون کے سپرد تھا(۸۶) اس اعتبار سے خزانۃ المامون کو قومی کتب خانے "بیت الحکمہ" کی شاخ (Branch Library) بھی کہا جا سکتا ہے۔

بیت الحکمہ کا سال تاسیس

مستشرقین میں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار D. Sourdel نے "خزانۃ الحکمہ" کا بانی ہارون رشید کو اور "بیت الحکمہ" کا بانی خلیفہ مامون کو تسلیم کیا ہے، لیکن ان کے سال تاسیس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا(۸۷) نکلسن نے ہارون رشید کے خزانہ الحکمہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ مامون کے بیت الحکمۃ کا ذکر کیا ہے اور سالِ تاسیس کی نشاندہی نہیں کی ہے(۸۸) ہٹی نے بیت الحکمۃ کو مامون کا کارنامہ قرار دیا اور بیت الحکمہ کا سال تاسیس ۸۳۰ء یعنی ۲۱۵ھ بتایا ہے۔ وہ رصد گاہ باب شماسیہ کے سال تاسیس کو بیت الحکمہ کا سال تاسیس سمجھا ہے(۸۹) اسی لئے بیت الحکمہ کا سالِ تاسیس ۲۱۵ھ / ۸۳۰ء نقل کیا ہے(۹۰) لیکن حسبِ ذیل تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ کہنا کہ بیت الحکمۃ اس سے پہلے قائم ہو چکا تھا، کچھ بے جا نہیں۔

(۱) امام لغت فراء (۷۶۱-۸۲۲ء / ۱۴۴-۲۰۷ھ) نے کتاب الحدود کئی برس قصرِ شاہی میں املا کرائی تھی(۹۱)

(۲) مامون کے خسروزیر حسن بن سہل المتوفی ۲۳۶ھ نے اپنے دورِ وزارت (۲۰۲-۲۰۵ھ) میں عمر بن بکیر تلمیذ فراء سے آیاتِ قرآنی کے متعلق سوالات کئے، وہ ان کے جوابات

سے قاصر رہا تو اس نے فراء سے اس مشکل کو حل کرنے کی درخواست کی، فراء نے کتاب "معانی القرآن" املا کرائی (۹۲)

(۳) مامون نے ان کتابوں کو نقل کرا کر خزائن بیت الحکمۃ میں رکھنے کی ہدایت کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ "بیت الحکمہ" کا آغاز یقیناً اس سے قبل ہو چکا تھا۔

(۴) مامون کا درباری منجم موسیٰ بن شاکر تقریباً (۲۰۰ھ / ۸۱۵ء) (۹۳) میں چھوٹے چھوٹے فرزند چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا تو مامون نے اس کے فرزندوں کو یحییٰ بن ابی منصور مہندس کے سپرد کیا۔ یہ محمد احمد اور حسن کی بیت الحکمۃ میں تربیت کرتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت الحکمۃ ۸۱۵ء / ۲۰۰ھ میں فنی تربیت گاہ کے فرائض بھی انجام دیتا تھا (۹۴) غالباً اس لئے ہٹی نے اس کو اسلام میں اعلیٰ فنی تعلیم کا ادارہ قرار دیا ہے (۹۵)

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلیفہ مامون نے سریر آرائے تختِ خلافت ہونے کے بعد یعنی ۸۱۳ء / ۱۹۸ھ میں بیت الحکمۃ قائم کیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔

خزانۃ الحکمہ کی وجہ تسمیہ

"خزانۃ الحکمۃ" اور "بیت الحکمۃ" بمعنی کتب خانہ ہیں۔ اس سے مقصد ذخیرۂ کتب کی نوعیت کی وضاحت تھی کہ اس میں طب، فلکیات، ریاضیات، طبعیات اور منطق و معاشرتی علوم سب ہی داخل تھے (۹۲)

بیت الحکمہ:

"بیت الحکمہ" ایک بین الاقوامی علمی و تحقیقی ادارہ تھا جس میں ہر مذہب، ہر ملک و ملت کے نامور محقق و ماہر السنہ اور گوناگوں علوم و فنون کے ارباب کمال باہم مل جل کر علمی و تحقیقی کام کرتے تھے۔ یہ علمی ادارہ ہر قسم کے نسلی، مذہبی و گروہی تعصب سے پاک تھا۔ یہاں ہر محقق و دانشور کی پذیرائی ہوتی تھی، اس بین الاقوامی تحقیقی ادارہ کی شہرت اس کے علمی و تحقیقی کاموں کی بہ نسبت ان ذخائر کتب و خدمات کی وجہ سے تھی جو اس کتب خانہ میں مہیا کی گئی تھیں۔

"بیت الحکمہ" اپنی تنظیم اور حسن کارکردگی کی وجہ سے اس لائق تھا کہ سب کچھ فراموش کر کے اسی کو یاد رکھا جاتا اور ایسا ہی ہوا۔ دنیا میں آج اس کا نام اپنی درخشاں خدمات اور علمی و تحقیقی مواد کی وجہ سے زندہ و تابندہ ہے۔

بیت الحکمہ کے شعبے

(۱) اسٹیک (Steck) کتب کا ذخیرہ گاہ تھا۔ (۹۷)

(۲) دار المطالعہ تھا جہاں بیٹھ کر کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔

(۳) دار الترجمہ، بیت الحکمہ میں دار الترجمہ کے شعبوں کو لسانی اعتبار سے تقسیم کیا گیا تھا ہر شعبہ کا نگران جدا تھا یونانی زبان کا، پہلوی اور سنسکرت زبان کے دار الترجمہ کا سربراہ جدا جدا تھا۔

(۴) دار النقل و دار النسخ کا بھی سربراہ جدا تھا، علان شعوبی یہاں بیٹھ کر کتابیں نقل کرتا تھا (۹۸)

(۵) دار التجلید، جہاں کتابوں کی جلد باندھی جاتی تھی (۹۹)

(۶) دار المناظرہ، یہ اس دور کی سماعت گاہ (Auditorium) تھا۔ ہر منگل اور جمعہ کو اس سماعت گاہ میں محدثین، فقہاء اور ادباء و متکلمین جمع ہوتے، مجلس مناظرہ منعقد ہوتی تھی (۱۰۰) اور خلیفہ خود پس پردہ بیٹھا مناظرہ دیکھتا اور سنتا تھا (۱۰۱)

(۷) دار التحقیق و دار التصنیف۔ اس میں علمی اور تحقیقی کام کرایا جاتا تھا، یہ قصرِ شاہی کے اندر قائم کیا گیا تھا۔ یہاں ارباب کمال و اہل فن کو بلا کر ٹھہرایا جاتا، انہیں رہنے کے لئے کمرہ دیا جاتا تھا۔ خدمت کے لئے خادم مامور کئے جاتے تھے تاکہ جس چیز کی انہیں ضرورت پیش آئے بروقت پہنچائی جائے اور ان کے دماغی سکون میں خلل نہ واقع ہو، اذان کے اوقات کے سوا انہیں اٹھایا نہ جائے، دولت مندوں اور شعبوں کے نگران کو استفادہ کی ہدایت کی جاتی تھی، کاتب و ورّاق مقرر کئے جاتے تاکہ جو وہ لکھوائیں اسے قلم بند کریں اور ان کی تصانیف کو بیت الحکمہ میں رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ فراء المتوفیؒ ۲۰۷ھ کو بغداد میں بلایا تو یہ ساری سہولتیں انہیں مہیا کی گئی تھیں۔ موصوف نے کئی برس یہاں رہ کر "کتاب الحدود" لکھوائی تھی، مامون نے فراء کی تمام کتابوں کو خزائنِ کتب میں رکھنے کا فرمان بھی جاری کیا تھا (۱۰۲)

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دار التحقیق کے ساتھ دار الاقامہ بھی بنایا گیا تھا۔ "خزانۂ الحکمہ" دراصل خزائن الحکمۃ تھا، اس کے جتنے شعبے تھے ان میں سے ہر شعبہ موضوع کے اعتبار سے ایک جداگانہ شعبہ تھا، اس لئے مامون نے فراء کی کتابوں کے لئے "خزائن" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ چنانچہ خطیب بغدادی کا بیان ہے۔

"امر المامون بکتبہ فی الخزائن" (۱۰۳) مامون نے فراء کی کتابوں کے لئے حکم

دیا تھا کہ انہیں خزائن میں رکھیں یعنی جو کتاب جس موضوع کی ہے اس کو اسی کے خزانۂ کتب میں پہنچائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خزانۃ الحکمہ موضوع کے اعتبار سے مرتب تھا اور اس میں کتابیں تنظیم علوم Classified order کے اعتبار سے رکھی ہوئی تھیں۔

اسی طرح "بیت الحکمہ" بھی بیوت الحکم تھا اور ہر شعبے اور بڑے موضوع کا خازن علیحدہ تھا' چنانچہ حسن بن مرار ضبی المعروف بصنوبری کے متعلق ان کے پوتے ابو بکر احمد بن محمد صنوبری کا بیان ہے: "کان جدی صاحب بیت حکمۃ من بیوت حکم المامون فجرت لہ بین یدیہ مناظرہ یستحسن کلامہ وحدۃ مزاجہ وقال لہ انک صنوبری الشکل یرید بذلک الذکاء وحدۃ المزاج "(۱۰۴) میرے دادا خلیفہ مامون کے بیوتِ حکم کے خازنِ بیت حکمت تھے ایک مرتبہ مامون کے سامنے ان کا مناظرہ ہوا۔ خلیفہ کو ان کا کلام اور ذکاوت بہت پسند آئی اور اس نے کہا تم صنوبری صورت ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم بڑے ذہین اور تیز مزاج ہو۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ابن الندیم نے بیت الحکمہ اور خزانۃ الحکمہ کے چند مشہور بڑے بڑے خازنوں (Senior Librarians) کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ بیت الحکمۃ میں متعدد خازن تھے جیسے حسن بن مرار ضبی' ابو سہل فضل بن نوبخت' علان' شعوبی' سہل بن ہارون ایرانی نژاد تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جو اہلِ علم خزانۃ الحکمہ سے وابستہ ہوئے وہ ایرانی تھے(۱۰۵)

(۸) بیت الحکمہ کے قریب باب الشماسیہ سے متصل ایک رصد گاہ بھی قائم کی گئی تھی جس کی علمی ضروریات بھی بیت الحکمہ پوری کرتا تھا' اس کا سربراہ اور آلات کی درستگی کے لئے سند بن علی(۱۰۶) اور یحیٰ بن ابو منصور (المتوفی ۸۳۱ء یا ۸۳۰ء) کو مقرر کیا گیا تھا ان کے رفقاءِ کار میں عباس بن سعید جوہری(۱۰۷)' عمر بن فرخان طبری' عمر مرو روذی(۱۰۸) تھے۔ اسلام میں خلیفہ مامون نے سب سے پہلی رصد گاہ قائم کی تھی(۱۰۹) اس نے دوسری رصد گاہ سفح قاسیون دمشق میں بنائی تھی(۱۱۰)

شناختِ کتب کی علامت کا آغاز

بیت الحکمہ میں جو کتاب داخل کی جاتی تھی اس پر خلیفہ مامون کی نشانی "علامۃ المامون" کی مہر لگائی جاتی تھی(۱۱۱) ایسی بہت سی کتابیں جن پر مامون کی مہر ثبت تھی ابنِ ابی

اصیبعہ کے پاس محفوظ تھیں(۱۱۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتابوں پر علامت (Stamping) اور شناختِ کتاب کی علامت لگانے کا آغاز مامون کے دور سے ہوا تھا جس کا مقصد امتیاز و گرفت اور شناختِ کتب تھا اس کا چلن آج بھی ہے اور اس ترقی یافتہ دور میں ہر بڑے اور چھوٹے کتب خانوں میں انہی وجوہ سے کتابوں پر مہر اور خاص علامت لگائی جاتی ہے۔

بیت الحکمہ کا کیٹلاگ

بیت الحکمہ کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتابوں کے ناموں پر مرتب تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مامون نے جاویدان خرد کی طلب میں فہرست بیت الحکمہ کو دیکھا تو اس میں اس کتاب کا نام نہیں ملا، اس نے بازپرس کی کہ اس کتاب کا نام فہرست میں اندراج سے کیسے رہ گیا(۱۱۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ بھی بیت الحکمہ کا کیٹلاگ استعمال کرتا، بیت الحکمہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا اور آگاہ رہتا تھا۔

موضوعاتِ ذخائر

بیت الحکمہ میں یونانی، پہلوی، ہندی، لاطینی اور نبطی زبانوں(۱۱۴) سے حسبِ ذیل موضوعات پر کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔

(۱) فلسفہ و ادب(۱۱۵) یونانی
(۲) طب اور اقسام طب(۱۱۶)
(۳) ریاضیات، فلکیات(۱۱۷) نجوم، ہندسہ، موسیقی
(۴) ٹیکنالوجی
(۵) آداب و اخبار، قصص و حکایات اور تاریخ(۱۱۸) (فارسی)
(۶) طب، نجوم، ریاضیات، حساب، کہانیاں، تاریخ(۱۱۹) (ہندی)

یحیٰ بن بطریق لاطینی زبان جانتا تھا اس لئے اس نے لاطینی زبان سے ترجمہ کیا ہوگا(۱۲۰) ان موضوعات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ”بیت الحکمہ“ کا ذخیرۂ کتب موضوعات و مضامین کے اعتبار سے مرتب تھا۔

بیت الحکمہ کی علمی خدمات

لفظی ترجمہ سے بامحاورہ ترجمہ کا آغاز بیت الحکمہ سے ہوا۔ مشہور مترجم حنین بن اسحاق کو دو اہم ذمہ داریاں سپرد کی گئی تھیں۔

(۱) حکماءِ یونان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنا۔

(۲) عربی میں ترجمہ شدہ کتابوں کی اصلاح کرنا(۱۲۱)۔ حنین کی وجہ سے یونانی کتابوں کا ترجمہ یونانی سے براہِ راست عربی میں ہونے لگا تھا‘ ورنہ اس سے قبل یونانی سے سریانی میں اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں کتابوں کا ترجمہ رواں کیا جاتا تھا‘ غیر زبان کے الفاظ کے بالمقابل عربی زبان کے الفاظ رکھے جاتے تھے‘ حنین کے زمانہ سے رواں و بامحاورہ ترجمہ شروع ہوا اور اس نے ترجمہ میں مطالب و معانی کو عربی الفاظ کا جامہ پہنایا۔ اس طرح الفاظ کے ترجمہ میں تقدیم و تاخیر شروع ہوئی اور تراجم میں روانی آئی (۱۲۲)

فنی اصطلاحات سازی کا آغاز

اس دارالترجمہ میں سرکاری طور پر عجمی زبانوں کی علمی و فنی اصطلاحات کے عربی زبان میں بدل ڈھونڈے گئے چنانچہ یونانی زبان کی زیادہ تر فنی اصطلاحات یورپ میں عربی مصطلحات کے ذریعہ منتقل ہوئی تھیں۔

اختراعات و ایجادات

بیت الحکمہ میں بیٹھ کر خوارزمی نے علمِ جبر و مقابلہ ایجاد کیا‘ یہیں بنو شاکر نے مامون کے لئے محیطِ ارض کی پیائش کی اور طول میں ان کا اندازہ صحیح نکلا(۱۲۳) بیت الحکمہ میں حکماء نے مامون کے لئے دنیا کا مصور نقشہ تیار کیا تھا چنانچہ مورخ مسعودی کا بیان ہے۔

"الصورۃ المامونیۃ" "وہ نقشہ تھا جسے متعدد حکماء نے تیار کیا تھا جس میں عالم آسمان‘ ستارے‘ خشکی‘ تری‘ آباد و غیر آباد‘ علاقے‘ اقوام کے مسکن‘ شہر وغیرہ کو بالتصویر دکھایا گیا تھا اور یہ بطلیموس‘ مارینوس وغیرہ کے جغرافیائی نقشوں سے بہتر نقشہ تھا(۱۲۴) معلوم ہوتا ہے یہیں زیج مامونی تیار کی گئی تھی(۱۲۵)

(۵) المتوکل کا کتب خانہ

متوکل علی اللہ ابو الفضل جعفر بن محمد بن ہارون عباسی (۲۰۶ـ۲۴۷ھ /۸۲۱ـ۸۶۱ء) یہ علم اور اہل علم کا قدردان، اور سنت کا دلدادہ، سخی اور شاندار عمارتیں بنوانے کا شوقین تھا۔ اس نے بغداد میں سامرا کے قریب متوکلیہ نامی شہر آباد کیا تھا(۱۲۶) متوکل کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سریر آرائے تختِ خلافت ہوتے ہی سنہ ۲۳۲ھ میں رویتِ باری اور خلقِ قرآن میں سرکاری طور پر معتزلہ کی ہمنوائی یکسر ممنوع قرار دی۔ اس لئے قاضی بصرہ ابراہیم بن محمد تمیمی فرماتے تھے۔

"تین خلفاء نے کارنامے دکھائے۔ ابو بکر صدیقؓ نے ارتداد کے فتنہ کا انسداد کیا، عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنی امیہ کے مظالم کا خاتمہ کیا اور متوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا(۱۲۷)

علامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں!

"خلیفہ متوکل کے دورِ حکمرانی میں اسلام کا بول بالا ہوا تاآنکہ ذمیوں پر عمری شرائط کی پابندی عائد کی گئی اور اہلِ سنت والجماعۃ کو عزت و شوکت حاصل ہوئی جہمیہ و روافض جیسے فرقوں کی بیخ کنی کی گئی۔ اسی طرح معتضد و مہدی اور قادر باللہ وغیرہ کے دور میں ہوا جو سیرت و کردار کے اعتبار سے لائقِ تعریف خلیفہ تھے۔ ان کا طریقہ کار بہت اچھا تھا، ان کے دور میں اسلام و سنت کا بول بالا رہا"(۱۲۸)

مذکورۂ بالا خلفاء کے دور میں ہر نوع کے اسلامی ادب کو پھلنے پھولنے کا زیادہ موقعہ ملا ہر نوع کے ذخائر کتب میں اضافہ ہوا۔

اسے بھی کتابوں کا شوق تھا ائمہ فن کے کتب خانے نگاہ میں رکھتا اور انہیں حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ چنانچہ امام احمد کا جب وصال ہوا تو اس نے ابن طاہر کو امام ممدوح کے مکان پر بھیجا کہ اہلِ خانہ کی تعزیت کرو اور ان کی کتابیں لدوانے کے متعلق گفتگو کرو، خلیفہ کی طرف سے اس کتب خانہ کو حاصل کرنے کی کوشش جاری رہی لیکن وہ اس کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا(۱۲۹)

خلیفہ راضی باللہ کے کتب خانہ میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ اس کے پیشرو خلفاء کے پاس کتب خانے تھے۔ یہ امر بھی خلیفہ متوکل کے کتب خانہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ پھر اہلِ علم و فنکار اس کے لئے کتابیں لکھتے تھے۔ چنانچہ حسن بن موسیٰ نصیبی نے اس کے لئے کتاب الاغانی حروفِ تہجی کی ترتیب پر تالیف کی تھی اور اس میں غنا کے متعلق ایسی چیزیں بیان کی تھیں جو نہ

اسحاق موصلی نے لکھی تھیں اور نہ عمرو بن بانہ نے کہیں ذکر کی تھیں، اس میں اس نے دورِ جاہلیت و دورِ اسلامی کے مغنی مردوں اور عورتوں کے نام بھی بیان کئے تھے (۱۳۰) اسی طرح ابن رضی حزام نے کتاب فی البیطرہ متوکل کے نام معنون کی تھی (۱۳۱)

(۶) المہتدی باللہ کا کتب خانہ

المہتدی باللہ ابو عبداللہ محمد بن ہارون بن محمد عباسی (۲۲۲-۲۵۶ھ / ۸۳۷-۸۷۰ء) فاضل، ادیب، شاعر (۱۳۲) علماء و فقہاء کا قدر دان (۱۳۳) اور دین کے معاملہ میں خلفاء راشدین ؓ کی روش پر قائم تھا۔ اس کے زمانے تک خلفاءِ عباسیہ کے خزائنِ کتب کا سلسلہ برابر قائم تھا۔ مورخ مسعودی کا بیان ہے۔

”ایک دن خلیفہ مہتدی کے سامنے خزائنِ کتب سے کتابیں پیش کی گئیں تو ان میں ایک کتاب کی پشت پر وہ اشعار موجود تھے جو معتز باللہ نے کہے اور اپنے قلم سے اس پر لکھے تھے (۱۳۴)

(۷) المعتضد باللہ کا کتب خانہ

المعتضد باللہ ابو العباس احمد بن طلحہ (۱۳۵) بن جعفر عباسی (۲۴۲-۲۸۹ھ / ۸۵۷-۹۰۲ء) ادیب و شاعر (۱۳۶) اور علم دوست خلیفہ تھا۔ ارباب کمال کی صحبت کو پسند کرتا۔ رفاہ عام کے کاموں سے دلچسپی رکھتا تھا۔ علماء، محدثین اور اربابِ فضل و کمال کی صحبت میں رہتا، شہر آباد کرتا اور رعیت کے ساتھ نرمی کرتا تھا (۱۳۷) ایک دن یہ اپنے باغ فردوس میں ثابت بن قرہ کے ساتھ ٹہل رہا تھا، اس کا ہاتھ ثابت کے ہاتھ پر لگا تو کہنے لگا۔ ”العلماء یعلون ولا یعلون“ علماء کا حق برتری کا ہے، ان پر کوئی برتری نہیں جتا سکتا (۱۳۸) اس سے اس کے قلب و نظر میں علم و کتب کی عظمت و احترام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا بھی خزانۃ الکتب تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے۔

”ابو جعفر محمد بن یحییٰ عسکری نے ”جامع المنطق“ کتاب لکھی، اس میں جدولیں قائم کیں۔ معتضد کے ندیم نے اس کی خلیفہ سے تعریف کی، خلیفہ نے وزیر قاسم بن عبیداللہ کو حکم دیا کہ کسی ماہرِ فن سے اس کی تشریح کرائیں، مبرد کے مشورہ سے یہ کام ابو اسحاق ابراہیم زجاج کے سپرد ہوا، زجاج نے کہا میں کتاب کے نسخے اور جدولوں کو پیش نظر رکھے بغیر ہی یہ کام انجام دوں گا، تاہم اس کو دوسرا نسخہ تیار کرا کر دے دیا گیا، اس نے ثعلب و سکری سے لغت کی کتابیں مستعار لے کر کتاب کے ایک حصہ کی شرح لکھی اور ابو الحسن صغیر سے نقل کرا کر اور جلد بندھوا کر وزیر کو

دی۔ اس نے جب معتضد کو دکھائی تو وہ بہت خوش ہوا۔ تین سو دینار انعام دیا اور پوری کتاب کی شرح کی فرمائش کی۔(۱۳۹)

زجاج کی شرح کا علم صرف معتضد کے کتب خانہ سے ہو سکا تھا' اس کی سلطنت کی تباہی کے بعد یہ شرح سلطان کے باقی ماندہ سامان میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں دستیاب ہوئی تھی۔ یہ باریک و نرم طلحی کاغذ پر لکھی ہوئی تھی(۱۴۰)

اس شرح کی وجہ سے زجاج کی اتنی قدر و منزلت بڑھ گئی تھی کہ تین سرکاری شعبوں ندماء' فقہاء اور علماء کے زمرے میں اس کا شمار ہونے لگا۔ ہر شعبہ سے سو دینار وظیفہ جاری ہو گیا اور تین سو دینار ماہانہ ملنے لگا تھا(۱۴۱) محمد بن شاذان جوہری نے "کتاب الجوہر واصنافہ" خلیفہ معتضد کے لئے لکھی تھی(۱۴۲) یہ وظیفہ کتب خانے کے ذخیرہ کو بڑھانے میں ممد و معاون ثابت ہوتا تھا۔

عہدِ عباسی میں کم علموں کے عقائد و خیالات پر یونانی فلسفہ کا برا اثر پڑا تھا' اس لئے معتضد نے سنہ ۲۷۹ھ میں کتب فروشوں پر فلسفہ کی کتابوں کی فروخت و اشاعت پر پابندی لگائی اور منادی عام کرائی تھی کہ کلام فلسفہ اور جدل کی کتابیں نہ بیچی جائیں(۱۴۳)

اہلِ علم اس کے نام کتابیں معنون کرتے تھے۔ طبیب احمد بن طیب سرخسی المتوفی ۲۸۶ھ نے' جو معتضد کا استاد' ندیم اور بغداد کے محکمہ احتساب کا سربراہ تھا' کتاب اللہو والملاہی ونزہتہ المفکر والساہی' کتاب البطیخ' کتاب فی ادب النفس' اس کے نام معنون کی تھیں(۱۴۴)۔ ثابت بن قرہ نے "جوابات عن مسائل سالہ المعتضد" مرتب کی تھی(۱۴۵) یحیٰ بن علی المنجم المتوفی ۳۰۰ھ نے موصوف کے لئے ایک رسالہ موسیقی پر لکھا تھا۔ یہ چار صفحات پر مشتمل ہے اور برٹش میوزیم میں محفوظ ہے(۱۴۶)

(۸) خلیفہ المکتفی باللہ کا کتب خانہ

المکتفی باللہ ابو محمد علی بن احمد عباسی(۱۴۷) (۲۶۳۔۲۹۵ھ/ ۸۷۶۔۹۰۸ء) عالم' ادیب' شاعر(۱۴۸) اور صاحب خزانۃ الکتب تھا۔ صولی کا بیان ہے!

"مکتفی باللہ نے انہیں سونے سے لکھے ہوئے اشعار جو مدارج (لپٹی ہوئی کتابوں) کی صورت میں تھے نکال کر دکھائے تھے(۱۴۹) ملکۂ فرنگ نے دیارِ مغرب سے ایک مرتبہ مکتفی کے نام ایک مکتوب فرنگی رسم الخط میں سفید ریشم پر لکھ کر خادم علبا کے ہاتھ بھیجا جس میں مکتفی باللہ سے دوستی و شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا(۱۵۰)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی کتب خانہ میں خطوط اور خارجہ پالیسی سے متعلق دستاویزات رکھی جاتی تھیں۔

(۹) خلیفہ المقتدر باللہ کا کتب خانہ

المقتدر باللہ ابو الفضل جعفر بن احمد بن طلحہ عباسی (۲۸۲۔۳۲۰ھ / ۸۹۵۔۹۳۲ء) کا خزانۃ الکتب تھا۔ ایک شخص اس خزانۃ الکتب سے ایک مصحف مصر میں لایا۔ اس پر خون کے دھبے تھے۔ وہ کہتا تھا کہ حضرتِ عثمانؓ شہادت کے وقت اس میں تلاوت فرما رہے تھے۔ قاضی مصر نے اس کو جامع مصر میں رکھوا دیا اور تمام ماجرا ایک لکڑی پر کندہ کرا کر پاس کھڑی کی، امام مسجد ایک دن اس مصحف میں پڑھتا اور ایک دن مصحف اسماءؓ میں پڑھتا تھا(۱۵۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں نادر ذخیرہ کی حفاظت کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں چنانچہ اس مصحف کی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے ایک تختی پر اس کی پوری کیفیت کندہ کی گئی تھی۔ اس واقعہ سے ہمیں نوادر کی حفاظت کے سامان کا علم ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مصحف سے وابستگی قائم رکھنے کے لئے عام لوگوں کے سامنے ایک دن اس مصحف کی بھی تلاوت کی جاتی تھی۔

(۱۰) خلیفہ الرّاضی باللہ کا کتب خانہ

الراضی باللہ ابو العباس محمد بن جعفر بن احمد عباسی (۲۹۷۔۳۲۹ھ / ۹۱۰۔۹۴۰ء) یہ صاحب دیوان شاعر و ادیب تھا(۱۵۳) تاریخ سے دلچسپی رکھتا، اہل علم و ارباب کمال کا قدر دان(۱۵۳) اور کتابوں کا شوقین تھا۔ اس کے خزانۃ الکتب کی بنیاد طالب علمی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ اس کے اتالیق صولی کا بیان ہے۔

"راضی باللہ اور اس کے بھائی ہارون کو جب نصر حاجب نے میرے سپرد کیا تو میں نے اس کو ذہین و ہوشمند پایا لیکن علوم سے عاری۔ میں نے محسوس کیا کہ راضی زیادہ تیز اور ادب کا زیادہ دلدادہ ہے۔ میں نے ان میں علم کی رغبت پیدا کی۔ انہیں فقہ، شعر، لغت و تاریخ کی منتخب و عمدہ کتابیں خرید کر دیں تو دیکھا کہ ان میں مسابقت و منافست کا جذبہ کار فرما ہے اور ہر ایک نے اپنی کتابوں کے لئے علیحدہ کتب خانہ بنایا ہے۔ پھر میں نے ان کو پڑھانا شروع کیا" (۱۵۴)

یہ خزانۃ الکتب دورِ خلافت میں زیادہ وسعت اختیار کر گیا تھا اور عوام و خواص میں اس کی

شہرت ہو گئی تھی۔ اس کے دورِ خلافت کا ایک اہم واقعہ نقل کرتے ہوئے صولی کہتا ہے:

"ایک شعر کی روایت میں اختلاف نظر آیا تو مجھ سے راضی نے کہا شاید ورّاق سے غلطی ہوئی ہے، میں نے عرض کیا نہیں طبری نے نیشا کتاب میں دیکھا اور نہیں سمجھ سکا۔ اس نے خیال سے اس کو نیشا کسی آدمی کا نام سمجھا حالانکہ یہ شعر، نہشل بن جزی، نہشلی کا ہے اس کا دیوان خزانۂ الکتب میں موجود ہے۔ اس نے اسے منگوایا، وہ کتب خانہ میں نہیں ملا، میں نے عرض کیا یہ بڑے تعجب کی بات ہے، عوام میں چرچا ہے کہ ہمارے بادشاہ نے جلالت علمی و علو نعمت کے باوجود خزانۂ کتب بنایا ہے جیسا کہ پیشرو خلیفہ بناتے چلے آئے ہیں، اس میں ایک مشہور شاعر کے کلام کو طلب کیا وہ بھی نہیں ملا"۔(۱۵۵)

خلفاءِ عباسیہ کی معارف پروری و دولت کی فراوانی کی وجہ سے انہیں حصول کتب کی بڑی سہولتیں حاصل تھیں اس لئے ان کے کتب خانے حقیقت میں نوادر کتب کے جامع سمجھے جاتے تھے اور عوام و خواص میں ان کی بہت شہرت ہوتی تھی جیسا کہ مورخِ صولی کے مذکورہ بالا بیان سے عیاں ہے۔ صولی کا کہنا ہے:

"خلیفہ نے میری باتیں سننے کے بعد کہا اب کیا تدبیر کی جائے، ہم تو اور کاموں میں مشغول ہیں، میں نے عرض کیا آپ کے خدّام کی کتابیں حاضر ہیں، کتب خانہ میں دواوین کی ابتداء مضر سے کی جائے۔ پھر ربیعہ اور اس کے بعد یمن کے شعراء کے دواوین رکھے جائیں، جو دواوین خزانۂ الکتب میں نہ ہوں اس کے لئے خدام کی کتابیں جو خدام کی مسموعات سے ہیں حاضر ہیں، اس کا کوئی معاوضہ بھی مطلوب نہیں۔ آپ کے خزانۃ الکتب میں ورّاق ہیں انہیں مشاہرہ ملتا ہے، نقل کر لیں، کتب خانہ میں جلد ساز ہیں وہ ان کی جلدیں باندھیں، یہ سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا، میں نے عرض کیا یہ کسی پیش بندی کے لئے نہیں، ایسی حالت میں مجھے خود اپنی کتابوں پر افسوس ہے، مگر میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ جس کام کو ہمارے آقا کریں وہ کمال کو نہ پہنچے، کہنے لگا جب ہم دوسرے کاموں میں مصروف ہیں تو کیا کریں، میں نے عرض کیا سرکار! اس خزانۂ الکتب کو اپنے دونوں ولی عہد ابو جعفر اور ابو الفضل کے نام کر دیں اور جن کتابوں کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔ اس پر خلیفہ راضی باللہ راضی ہو گیا، کتابیں نکالنے کا حکم دیا، ہمیں بٹھا لیا، ہم انہیں چھانٹنے لگے اور خلیفہ کے سامنے ان کے فرزندوں میں تقسیم کرنے لگے، جو پسندِ خاطر ہوئیں وہ رکھ لیں باقی ہمیں بخش دیں، جن میں بیشتر کتابیں ایسی تھیں جو سونے کے مول بیچی جا سکتی تھیں"(۱۵۶)

اس سے معلوم ہوا کہ کتب خانہ میں کتابیں باعتبارِ موضوع ترتیب سے رکھی جاتی تھیں، کتابیں بیش قیمت رکھی جاتی تھیں، ورّاقوں اور جلد سازوں کا عملہ رکھا جاتا تھا۔

راضی باللہ کے کتب خانہ میں صرف کتابیں ہی نہ تھیں بلکہ تحائف، خطوط اور تحریریں بھی محفوظ کی جاتی تھیں۔ ۹۳۷ء/۳۲۶ھ میں شاہِ روم کا خط راضی باللہ کے نام آیا۔ یہ رومی زبان میں تھا متن سونے سے، ترجمہ چاندی سے لکھا گیا تھا۔ اس میں یہ بھی وضاحت کی گئی تھی کہ ہم نے بارگاہِ خلافت میں سونے چاندی کے مٹکے، پیالے، جواہرات، چاندی کی ٹہنیاں، پردے اور ریشمی سونے کے کاموں کے کپڑے رومال اور بہت سی عمدہ عمدہ چیزیں بھیجی ہیں۔ قبول فرمائیں اور قیدیوں کو رہا کریں۔ خلیفہ نے جواب دیا "ہم نے یہ تحفے قبول کئے اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا حکم دیا" (۱۵۷)

(۱۱) خلیفہ قائم بِامر اللہ کا کتب خانہ

قائم بِامر اللہ ابو جعفر عبداللہ بن احمد بن اسحاق عباسی (۳۹۱۔۴۶۷ھ/ ۱۰۰۱۔۱۰۷۵ء) خدا ترس، بیدار مغز، انصاف پسند، انشا پرداز، ادیب و شاعر تھا (۱۵۸) اسے بھی اپنے اسلاف سے ورثے میں خزانۃ الکتب ملا تھا اس میں کتابوں کے علاوہ شاہِ روم و قسطنطین کا وہ تاریخی خط بھی تھا جس کا متن ایک چادر پر یونانی زبان میں بین السطور عربی ترجمہ کے ساتھ ۴۴۳ھ میں خلیفہ کو بغداد بھیجا گیا تھا (۱۵۹) اور وہ کتابیں جو خلیفہ کے نام معنون کی گئی محفوظ تھیں (۱۶۰)

(۱۲) خلیفہ المُقتدی بِامر اللہ کا کتب خانہ

المُقتدی بِامر اللہ ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبداللہ عباسی (۴۴۸۔۴۸۷ھ/ ۱۰۵۶۔۱۰۹۴ء) ادیب، شاعر، علم اور اہل علم کا قدر دان تھا (۱۶۱) خلفاءِ عباسیہ کی طرح مقتدی کا بھی خزانہ الکتب تھا جس کا نام خزائن الحکمہ المولویہ المقتدیۃ تھا۔ مشہور شاہی طبیب ابو علی یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ بغدادی المتوفی ۴۹۳ھ نے "تقویم الابدان فی تدبیر الانسان" اس کے نام معنون کی تھی۔ وہ اس کے آغاز میں لکھتا ہے " خادم ابن جزلہ خزائن حکمۃ مولویہ المقتدیہ، اللہ تعالیٰ اسے دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ علم طب کی بقدر ضرورت جو بہت بڑے اطباء کی لکھی ہوئی کتابوں اور تدبیرِ امراض و معرفتِ اسباب و اغراض سے مستغنی کرے۔ خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے اس غرض کے لئے یہ کتاب لکھی ہے" (۱۶۲)۔ اس طرح ابنِ جزلہ نے موادِ طبیہ کے موضوع پر "منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان" مقتدی کے لئے لکھی تھی (۱۶۳) اور اس کی فرمائش پر ابو الحسن سعید بن ہبۃ اللہ المتوفی ۴۹۵ھ نے "المغنی فی الطب" لکھی تھی (۱۶۴)

(۱۳) خلیفہ المستنجد باللہ کا کتب خانہ

المستنجد باللہ ابو المظفر یوسف بن محمد ابن مستظہر عباسی (۵۱۰-۵۶۶ھ / ۱۱۱۶-۱۱۷۰ء) منصف و رعایا پرور خلیفہ تھا۔ اس نے بہت سے ٹیکس معاف کئے تھے۔ یہ اچھی باتوں کا حکم دیتا اور بری باتوں سے روکتا تھا(۱۶۵) اس کا خزانۃ الکتب اس کے وزیر ابنِ ہبیرہ المتوفی ۵۶۰ھ نے کتاب الافصاح کا نسخہ نقل کرا کر اس کے کتب خانہ میں داخل کیا تھا(۱۶۶) جو مستنجد کے خزانۃ الکتب کا بین ثبوت ہے۔

(۱۴) خلیفہ المستضی باللہ کا کتب خانہ

المستضی باللہ ابو محمد حسن بن یوسف المقتفی عباسی (۵۳۶-۵۷۵ھ / ۱۱۴۲-۱۱۸۰ء)، درگزر کرنے والا خلیفہ تھا۔ اس کا خزانہ الکتب تھا۔ اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد خیرات و صدقات کے علاوہ اپنے خزانۃ الکتب سے مصاحف کا تحفہ نامور اہلِ علم کو بھیجا تھا۔ اس میں ایک نہایت خوشخط و مطلا مصحف ابن الجوزی کو بھی پہنچایا تھا(۱۶۷) مدارس میں مال و دولت بھی بانٹا تھا(۱۶۸) یہ علماء کو مجالسِ وعظ منعقد کرنے کی ترغیب دیتا اور خود بھی لوگوں سے نظر بچا کر ان کا وعظ سنتا تھا(۱۶۹) جو اس کی علم دوستی کی دلیل ہے۔

(۱۵) خلیفہ النّاصرلدین اللہ کا کتب خانہ

النّاصرلدین اللہ ابو العباس احمد بن حسن بن یوسف عباسی (۵۵۳-۶۲۲ھ / ۱۱۵۸-۱۲۲۵ء) اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ بڑا مدبر، ہوشمند و جاہ و جلال کا فرمانروا، عالم، مصنف، اہلِ علم کا قدر دان و معارف پرور تھا(۱۷۰) علماء کو کتابیں اور مصحف تحفہ میں بھیجتا، ان کے وظیفے جاری کرتا تھا(۱۷۱) اسے شاندار عمارتیں بنوانے اور ان میں کتب خانے قائم کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے پینتالیس (۴۵) برس حکومت کی۔ اس مدت میں عمارتیں، رباطات، مہمان خانے، مسجدیں بنوائیں، ان میں دارالمطالعے کھولے، رفاہی کے کام کئے، رباطِ اخلاطیہ، تکیہ اخلاطیہ، رباطِ حریم طاہری، مشہدِ عبداللہ، تکیہ عون و معین بنوائے، اپنی ماں کا تکیہ بنوایا، اس سے متصل مدرسہ تعمیر کرایا، والدہ کے محل کو سرائے میں تبدیل کرایا، شاہی بازار کی مسجد بنوائی، رباط مرزبانیہ کو آباد کیا، ہر

محلہ میں حاجیوں کے واسطے مہمان خانے بنوائے، ان پر بے دریغ روپیہ صرف کیا، ان مقامات میں کتب خانے اور دارالمطالعے کھولے (۱۷۴) مورخ ابن الدبیثی کا بیان ہے:

"موصوف نے مسجدیں، رباطات اور مدرسے آباد کئے۔ "کتاب رُوح العارفین" لکھی، اس میں اپنے شیوخ کی سند سے حدیثیں جمع کی تھیں۔ محدثین کو اس کی اجازت دیتا تھا۔ یہ کتاب بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں پڑھائی جاتی تھی" (۱۷۵)

اس سے ظاہر ہے کہ بغداد میں دبیثی کے زمانہ میں سو سے زیادہ مسجدوں میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا اور ان میں کتب خانے بھی موجود تھے، اس لئے مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جوامع و مساجد میں کتب خانے قائم کئے جاتے تھے (۱۷۶) مورخ ابن الطقطقی نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے مہمان خانے، مسجدیں، رباطات، مدرسے زیادہ بنوائے تھے (۱۷۷)

مشرق میں خلفاء میں علم دوستی، معارف پروری، کتب خانوں کے قیام اور علم کی نشر و اشاعت میں خلیفہ ناصرلِدین اللہ خلیفہ الحکم الثانی کی نظیر تھا۔ مورخ ابن خلدون لکھتا ہے:

"الحکم الثانی کے زمانہ میں اندلس میں اتنے کتب خانے جمع ہو گئے تھے جو نہ اس سے پہلے کسی کے عہد میں اور نہ اس کے بعد کسی کے دور میں جمع ہوئے سوائے الناصر عباسی ابن المستضئ کے" (۱۷۸)

خلیفہ الناصر عباسی کا عظیم الشان کتب خانہ تھا، اس میں مختلف علوم و فنون کی اس کثرت سے کتابیں جمع کی گئی تھیں کہ اس کتب خانہ سے مختلف کتب خانوں میں ہزاروں کی تعداد میں کتابیں وقف کی گئی تھیں، صرف مدرسہ نظامیہ بغداد میں دس ہزار مجلدات بھیجی گئی تھیں۔ سبط ابن الجوزی کا بیان ہے: "سنہ ۵۸۹ھ میں خلیفہ نے مدرسہ نظامیہ کے دارالکتب کی تجدید کی اور اس میں دس ہزار مجلدات بھیجیں جن میں نامور خطّاط کی لکھی ہوئی کتابیں تھیں" (۱۷۹)

خلیفہ نے شاہی کتب خانہ سے انتخاب کا اہم کام نامور مہندس و عالم محاسب برہان الدین ابو الرشید مبشر بن احمد رازی المتوفی ۵۸۹ھ کے سپرد کیا تھا اور انہی کے زیر نگرانی خزانہ دارالمسناۃ، خزانہ رباط خاتونی، اور کتب خانہ جامعہ نظامیہ میں کتابیں انتخاب کرا کر بھیجی گئی تھیں (۱۸۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتابوں کے انتخاب و خریداری کے لئے مخصوص طور پر نگران بھی مقرر کئے جاتے تھے۔ بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کے کتب خانوں میں ایک ایک کتاب کے کئی کئی نسخے تحقیق کے لئے ہی نہیں تقسیم کی غرض سے بھی رکھے جاتے تھے جیسا کہ یحییٰ بن خالد برمکی اور عبدالملک زیات کے کتب خانے میں اس کا تفصیل سے ذکر آئے گا۔

(۱۶) خلیفہ اَلْمُسْتَنْصِرُ باللہ کا کتب خانہ

اَلْمُسْتَنْصَر باللہ ابو جعفر منصور بن محمد بن احمد عباسی (۵۸۸-۶۴۰ھ / ۱۱۹۲-۱۲۴۲ء) بڑا فاضل، سخی، معارف پرور، علم و اہلِ علم کا قدردان اور بزرگوں کا عقیدت مند تھا۔ داد و دہش بہت کرتا تھا، رفاہِ عام کے کاموں میں خوب دلچسپی لیتا تھا۔ اسے تعلیم اور کتب خانوں سے خاص شغف تھا، اس نے جامعہ مستنصریہ قائم کیا تھا۔ سبط ابن الجوزی کا بیان ہے: "مذہب کے معاملہ میں متعصب نہیں تھا، دنیا میں جامعہ مستنصریہ کی نظیر نہ تھی اور نہ عراق میں پہلے کبھی اس جیسا مدرسہ بنایا گیا تھا، اس نے مسجدیں اور مزار بنوائے، راستوں پر سرائیں آباد کی تھیں۔ یہ بزرگوں کی زیارت کرتا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا، ان کے حالات معلوم کرتا رہتا"(۱۸۱)

مورخ ابن الفوطی لکھتا ہے "اس کا ظاہر و باطن بہت اچھا تھا، رعایا کے ساتھ انصاف کرتا اور علماء کا احترام کرتا تھا"(۱۸۲)

مورخ ابن **الطقطقی** رقمطراز ہے "اس کی عمدہ یادگاریں ہیں، ان میں سب سے بڑی یادگار **المُسْتَنْصَرِیہ** ہے اور انہی میں خان حربی، اس کا پل، نواحِ واسط میں نہر سابس کی رباط، خاتونی رباط، مسجدیں، رباطات اور مہمان خانے وغیرہ ہیں"(۱۸۳)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

"اس نے اہلِ علم اور اہلِ دین کو اپنے قریب رکھا، مدرسے، سرائیں، شفا خانے بنوائے، دین کا بول بالا کیا، سنن کی اشاعت کی"(۱۸۴)

مستنصر باللہ کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا، اس کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ جامعہ مستنصریہ کی تکمیل کے بعد اس میں دینی، سائنسی، تاریخی و ادبی علوم کی نہایت نفیس ایک سو ساٹھ (۱۶۰) بار شتر کتابیں خزانہ شاہی سے منتقل کی گئی تھیں۔ اس کے وزیر نصیرالدین ابوالازہر احمد بن ناقد المتوفی ۶۴۳ھ نے خازنِ کتب و شیخ رباط حریم عبدالعزیز بن دلف اور خزانہ شاہی کے خازن ضیاء الدین احمد کو مدرسہ میں آکر کتابوں کو رجسٹر میں داخل کرنے اور فہرست سے مقابلہ کرنے پر مامور کیا تھا، انہوں نے فہرست سے مقابلہ بھی کیا اور انہیں اچھی ترتیب پر فنوار مرتب کیا تاکہ آسانی سے نکالا جاسکے اور نکالنے والے کو کوئی دقت پیش نہ آئے(۱۸۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دانشگاہوں کے کتب خانوں میں کتابیں موضوعی ترتیب سے

رکھی جاتی تھیں۔ جامعہ مستنصریہ کا کتب خانہ کتابوں کی کثرت اور نسخوں کی ندرت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس میں بہت سے خزائن کتب وقف کئے گئے تھے اور اس میں وقف کردہ نسخوں کے حسن و خوبی کی مثال کبھی کانوں نے سنی بھی نہ تھی(۱۸۶)

(۱۷) خلیفہ مُستَعصِم بِاللہ کا کتب خانہ

مستعصم بِاللہ ابو احمد عبداللہ بن منصور بن محمد عباسی (۶۰۹-۶۵۶ھ / ۱۲۱۲-۱۲۵۸ء) یہ آخری عباسی تاجدارِ علم اور اہلِ علم کا قدردان تھا' اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے سال بھر بعد ۶۴۱ھ میں اپنے محل سرا کے پاس منظرۃ الریحانیین میں باغ کے پیچھے ایک عظیم الشان کتب خانہ بنوایا تھا۔ اس کی دیواروں پر ملک الشعراء صفی الدین عبدالمومن کے حسبِ ذیل اشعار کندہ کرائے تھے۔

انشاء خلیفة العلوم خزانه
سارت بسیره فضله اخبارها

خلیفہ نے علوم کا خزانہ بنایا خلیفہ کی فضیلت مآب سیرت کی وجہ سے اس کی داستان دور تک پھیل گئی ہے۔

تجلو عروسا من غرائب حسنها
درالفضائل والعلم نثارها

فضائل کے موتی اور علوم کی لڑیاں دلہن کے حسن کو نکھار رہے ہیں۔

اهدی مناقبه لها مستعصم
باللہ من لا لا ئه انوارها(۱۸۷)

اللہ سے اس خلیفہ کے لئے حفظ و امان کا طالب ہوں علوم و فضائل کے موتی اور انوار کو اس کے حضور میں بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ افتتاحِ کتب خانہ کے موقعہ پر شاعر اشعار کہتے تھے اور انہیں کتب خانوں کی دیواروں پر کندہ کرایا جاتا تھا۔ اس کتب خانہ میں نہایت نفیس کتابیں منتقل کی گئیں اور اس کی چابیاں اس کے خازن صفی الدین کے سپرد کی گئی تھیں(۱۸۸) خلیفہ نے وسطِ بغداد میں عطر فروشوں کے بازار سے متصل' قصرِ شاہی کے قریب بہت بڑے باغ کے پیچھے آمنے سامنے بابِ بدر کے پاس دو کتب خانے بنائے تھے۔ صفی الدین کا بیان ہے "یہ منظرہ' مستظہر باللہِ کے

محلسرا سے متصل بنوایا تھا۔ اس کے پیچھے بڑا وسیع باغ تھا اور اس میں آمنے سامنے دو کتب خانے تھے جنہیں خلیفہ شہید مستعصم باللہ نے المنظرہ کے پیچھے تعمیر کرایا تھا(۱۸۹)

ان میں سب سے پہلے کتب خانے پر مندرجہ ذیل اشعار کندہ تھے۔

انشاء عمارتها خليفةٌ عصره
ولا زالت الاملاک من انصاره

خلیفۂ وقت نے اس عمارتِ کتب خانہ کو تعمیر کرایا ہے، تمام املاک اس کی مددگار اور اس کے زیرِ تصرف ہیں۔

مستعصم باللّٰه من اوصافه
جمع العلوم بليله ونهاره

مستعصم باللہ (اللہ کی رسی کو تھامے رکھنا اور اسی سے التجا کرنا، اس کے اوصاف میں سے ہے اس نے علوم و فنون کو شب و روز جمع کیا ہے۔

فاصولها من بيته وفروعها
تقرا عليه وكتبه في داره

اصول و فروع اسی کے گھر سے نکلے ہیں، وہ اس پر پڑھے جاتے ہیں اور اس کی کتابیں اس کے گھر میں ہیں۔

اور دوسرے کتب خانہ پر حسبِ ذیل شعر لکھے ہوئے تھے۔

خليفةُ الله قد اكملت بنيتها
فليس في وقتها شئی يدانيها

خلیفۃ اللہ نے اس عمارت کی بنیاد کی تکمیل کی ہے چنانچہ اس وقت کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کرتی۔

اودعتها من عقول الناس ما سمحت
به النفوس و ابدت من معانيها

اہلِ علم و دانش نے جو علوم و فنون کتابوں میں یادگار چھوڑے ہیں اور جو معانی بیان کئے ہیں ان کو اس کتب خانہ میں ودیعت رکھا گیا ہے۔

حتى كان شيوخ العلم قاطبةٌ
جاءوا اليک وقد انكبتهم فيها(۱۹۰)

تاآنکہ تمام شیوخِ علم تیرے پاس آئے اور تم نے کتب خانہ قائم کر کے ان کے علوم و

معارف کو محفوظ کر دیا۔

ان کتب خانوں میں ایک "خزانہ الکتب القدیمہ" اور دوسرا "خزانۃ الکتب الجدیدہ" کے نام سے موسوم تھا۔ ان کے خازن بھی دو تھے' قدیم کتب خانہ کے خازن صدر الدین علی بن نیار اور کتب خانۂ جدید کے خازن صفی الدین عبدالمومن ارموی موسیقار تھے(۱۹۱) خلیفہ مستعصم باللہ قدیم خزانۃ الکتب میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا اور جن لوگوں کی درخواست پر صدر الدین سفارش کرتے تھے اپنی مہر ثبت کرتا تھا(۱۹۲)

باب سوم

دوسرا حصّہ (اجمالی خاکہ)

☆ خلفاءِ بغداد سے الحاق رکھنے والے شاہان:۔

(۱) ظاہریہ

(۲) صفاریہ

(۳) سامانیہ

(۴) طولونیہ

(۵) حسنویہ

(۶) دیلمی

(۷) بنو کاکویہ

(۸) بنو مزید

(۹) خوارزم

(۱۰) غزنویہ

(۱۱) سلجوق

(۱۲) نیمروز

(۱۳) آلِ نہاوند

(۱۴) زیدیہ یمن

(۱۵) ماردین

(۱۶) جزرہ

(۱۷) ایوبیہ

(۱۸) اغالبہ کے کتب خانے

☆ خلفاءِ بغداد سے ہمسری کرنے والے خلفاء:۔

(۱) فاطمینِ مصر

(۲) بنو حمدان حلب

(۳) بنو عمار شام

(۴) اموی خلفاءِ اندلس کے کتب خانے

(دوسرا حصّہ)

(ا) خلفاءِ بغداد سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں کے کتب خانے

(ا) طاہریہ (۲۰۵-۲۵۹ھ / ۸۲۰-۸۶۲ء) کا کتب خانہ

خانوادہ طاہریہ عہدِ عباسی میں سب سے پہلا نیم خود مختار حکمران خانوادہ تھا جو ۲۰۵ سے ۲۵۹ھ تک خراسان پر حکمرانی کرتا رہا اور علم و فضل کا چرچا اس خاندان میں چوتھی صدی ہجری تک رہا۔

ابو العباس عبداللہ بن طاہر بن الحسین **الخزاعی** (۷۹۸-۸۴۴ء / ۱۸۲-۲۲۰ھ) عالم، بہت سخی، علم دوست(۱۹۳) ادیب، شاعر، موسیقی کا ماہر(۱۹۴) نہایت ہوشمند و بہادر تھا(۱۹۵) اس کے ادیبانہ و دانش مندانہ اقوال **ثعالبی** نے ثمار القلوب میں نقل کیے ہیں(۱۹۶) فراء نے کتاب البہی اس کے نام معنون کی تھی(۱۹۷) یہ اشاعتِ علم پر بہت زور دیتا اور کہتا تھا "**ینبغی ان یبذل العلم لاھلہ وغیر اھلہ فان العلم امنع لنفسہ من ان یصیر الی غیر اھلہ**"(۱۹۸) لائق تربیت یہ ہے کہ علم، اہل و نااہل ہر ایک کو بتایا جائے کیونکہ علم بالطبع اس سے مانع ہے کہ وہ غیر اہل کو ملے۔

شعراء اور علماء کو خوب داد و دہش کرتا تھا(۱۹۹) اس خانوادہ میں طاہر بن عبداللہ المتوفی ۲۴۸ھ جو محدث بھی تھا خراسان میں ان کے کتب خانے کا نام "خزانۃ الحکمہ" تھا، ابن الاعرابی اور ابو عمرو شیبانی کے تلمیذ و راوی ابو سعید احمد بغدادی ضریر (نابینا)(۲۰۰) اور **ابو العمیثل** عبداللہ بن خلید المتوفی ۲۴۰ھ نامور لغوی، شاعر و مصنف(۲۰۱) اس کتب خانے کے ناظم و خازن تھے(۲۰۲) محمد بن طاہر المتوفی ۲۶۲ھ بھی عالم و فاضل اور طلحہ بن طاہر آلِ طاہر کا حکیم و فلسفی مشہور تھا، انھوں نے کتب خانہ کے ذخیرے کے بڑھانے میں بے دریغ دولت خرچ کی تھی۔

رَے میں اس خاندان کا ایک خزائنِ کتب تھا جہاں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی گئی تھیں اور وہ "خزائنِ طاہریہ" کے نام سے مشہور تھا۔ خلیل بن احمد کی کتاب العینؔ کا نسخہ اس کتب خانہ میں محفوظ تھا۔ یہاں سے وہ نسخہ عراق میں آیا تھا(۲۰۳) نیشاپور کے مشہور محلہ رمیان میں بھی آلِ طاہر بن الحسین کے محلات تھے(۲۰۴) اور شاذیاخ (۲۰۵) میں بھی، اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہاں بھی اس کا کتب خانہ ہو۔

آلِ طاہریہ پر جب زوال آیا اور خزائنِ طاہریہ ورثاء میں تقسیم ہوا تو معلوم ہوا کہ اس خزائن کتب میں مشہور مصنفین کی بعض ایسی کتابیں بھی تھیں جو انہوں نے قدر دانی کی وجہ سے انہیں بھیجی تھیں اور ان کے نسخے بھی اپنے پاس نہیں رکھے تھے، اس لئے وہ کتابیں ان کے تلامذہ کی روایت سے بھی نہیں پھیل سکی تھیں۔ ابو عبید قاسم بن سلام جن کی تصانیف ان کے تلامذہ کے ذریعہ مشرق و مغرب (ایشیا و یورپ) میں پہنچ گئی تھیں۔ حریم طاہری بغداد میں جو آلِ طاہر کا مسکن تھا ان کی تصانیف فروخت کے لئے رکھی گئیں تو ابو عبید کی بعض تصانیف خطیب کی نظر سے گزریں جن کا کسی کو علم بھی نہ تھا(۲۰۶) اس سے خزائنِ طاہریہ کی ندرت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) شاہانِ لیثیہ صفاریہ (۲۵۴-۳۹۳ھ / ۸۶۸-۱۰۰۲ء) کے کتب خانے

اس خانوادۂ شاہی کو معارف پروری اور کتب خانہ سازی میں شہرت حاصل ہے۔

(۱) یعقوب صفار

ابو یوسف یعقوب بن لیث صفار (ٹھٹھرا) (۰۰-۸۷۹ء / ۰۰-۲۶۵ھ) بڑا بہادر اور خراسان و فارس کا فرمانروا تھا۔ یہ علم و اہلِ علم کا قدر دان اور کتابوں کا شوقین تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا عمدہ کتب خانہ تھا۔ اس نے ابو حاتم سجستانی المتوفی ۲۵۰ھ کا کتب خانہ چودہ ہزار دینار میں خریدا تھا(۲۰۷) یہ اہلِ علم کو سفر میں بھی ساتھ رکھتا تھا(۲۰۸) اس کے جانشینوں میں ابو جعفر احمد بن محمد المتوفی ۳۵۲ھ اور خلف بن احمد بڑا عالم اور علم و فن کا مربی تھا(۲۰۹)

(ب) خلف سجزی

ابو احمد خلف بن احمد بن **محمد صفار سجزی** (۹۳۷-۱۰۰۹ء/۳۲۶-۳۹۹ھ) عالم‘ سخی‘ علماء و اہلِ فن کا قدردان تھا(۲۱۰) اس نے اپنی فرمانروائی کے زمانہ میں ایک ہزار رباطات اور پانچ سو مسجدیں بنوائی تھیں(۲۱۱) نہایت بلند پایہ محدث تھا۔

حاکم نیشاپوری نے جو ان کا تلمیذ تھا‘ تاریخ نیشاپور میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ جلالتِ علم و اہلِ علم کی قدردانی میں یکتائے زمانہ فرمانروا تھا۔ اہلِ علم میں سے جو کوئی اس کے پاس آتا اس کے ساتھ احسان کرتا تھا۔ ۳۴۳ھ میں موصوف کا ورود نیشاپور میں ہوا تو دارِ ابی منصور میں قیام فرمایا‘ سماع حدیث کی خاطر علماء صبح و شام ان کے پاس آتے رہے‘ بغداد پہنچے تو امام دار قطنی نے ان سے فوائد کی تخریج کی(۲۱۲)

ابو سعید حسن بن احمد بن زیاد رازی کا بیان ہے کہ بادشاہوں اور حکمرانوں میں اس سے بڑھ کر اہلِ علم کے حقوق و آداب کا ملحوظ رکھنے والا کوئی نیشاپور میں نہیں آیا(۲۱۳)

موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایک عظیم منصوبہ کے تحت **سجستان** میں بڑے بڑے علماء کو بلا کر انہیں قرآن مجید کی نہایت جامع و مبسوط تفسیر لکھنے پر مامور کیا اور ہدایت کی کہ نحو و لغت‘ فقہ و حدیث‘ ادب و قرأت کا کوئی نکتہ فراموش نہ کریں۔ اس عظیم منصوبہ کی تکمیل پر بیس ہزار دینار صرف کئے۔ یہ عظیم الشان تفسیر سو جلدوں میں مکمل ہوئی تھی(۲۱۴) سب سے بڑی تفسیروں میں اس کا شمار ہے(۲۱۵) اس کا نسخہ ۵۴۵ھ تک مدرسہ صابونی نیشاپور میں موجود تھا(۲۱۶) ابو الشرف ناصح بن ظفر جرباذ قانی المتوفی ۶۰۴ھ نے اصفہان میں کتب خانہ آلِ خجند میں اس کا مکمل نسخہ دیکھا تھا(۲۱۷) ہندوستان میں بحالتِ قید اس فرمانروا کا انتقال ہوا تھا(۲۱۸) موصوف کے پاس موروثی کتب خانہ تھا۔

(۳) شاہانِ سامانیہ (۲۰۴-۳۹۰ھ / ۸۷۴-۹۹۹ء) کا کتب خانہ

یہ خانوادہ شاہی علماء و فضلاء کی قدر دانی، علوم و فنون کی سرپرستی و کتب خانوں کی ترقی میں بہت ممتاز ہے۔ ان کے دورِ حکمرانی میں خراسان و ماوراء النہر کا علاقہ مرکز علم و خیر کی کان بنا ہوا تھا، فقہاء کو شاہوں کا رتبہ حاصل تھا(۲۱۹) اس خانوادۂ شاہی کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ صوان الحکمہ قصرِ شاہی میں محفوظ تھا جس کا ذکر کتب تاریخ میں چھٹی صدی ہجری تک ملتا ہے۔

رضی الدین ابو القاسم نوح بن منصور بن نوح بن نصر سامانی (۹۶۴-۹۹۷ء / ۳۵۳-۳۸۷ھ) کے دور میں اس خانوادۂ شاہی کے موروثی کتب خانہ کی عظمت و وسعت کا راز کھلا جو بخارا میں قصرِ شاہی میں صوان الحکمہ کے نام سے موسوم تھا(۲۲۰)

ابنِ سینا کا بیان ہے:

"نوح بن منصور ایک مرتبہ بیمار ہو گیا اور مجھے علاج کے لئے بلایا گیا۔ میں نے علاج کیا، وہ اچھا ہو گیا، میں نے ان کے کتب خانہ میں مطالعہ کی اجازت چاہی، اجازت مل گئی، جب داخل ہوا تو دیکھا کہ بہت سے کمرے ہیں اور ہر کمرے میں کتابیں صندوقوں میں تہ بتہ اوپر تلے رکھی ہوئی ہیں۔ ایک کمرے میں ادب کی کتابیں ہیں، ایک میں فقہ کی رکھی ہوئی ہیں۔ اس طرح ہر کمرے میں ہر ایک موضوع کی کتابیں علیحدہ رکھی ہوئی تھیں، میں نے قدماء کی کتابوں کی فہرست کا مطالعہ کیا اور ان میں ایسی ایسی کتابوں کے نام دیکھے جن کا اہلِ علم نے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ یہ ایسی کتابیں تھیں جنہیں میں نے نہ پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی مجھے ان کا دیکھنا نصیب ہو سکا۔ میں نے ان کتابوں کو پڑھا اور ان کے فوائد سے بہرہ مند ہوا" (۲۲۱) بعد میں ابنِ سینا کو اس کتب خانہ کا خازن بنایا گیا(۲۲۲) پھر اس میں آگ لگ گئی، اس کا الزام بھی اس کو دیا جاتا ہے لیکن یہ درست نہیں(۲۲۳)

ابنِ سینا کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ شاہانِ سامانیہ کا موروثی کتب خانہ صوان الحکمہ موضوعی ترتیب پر مرتب تھا اور اس کا کیٹلاگ کتابی صورت میں موجود تھا نیز اس سے اس کی کثرت و ندرت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے مگر اس کی مجموعی تعداد کا سراغ نہیں لگتا۔

اس حکمران خاندان کی علم دوستی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نوح بن منصور نے صاحب بن عباد کو منصب وزارت کے لئے خفیہ خط بھیجا جس کے جواب میں اس نے لکھا کہ میرا

کتب خانہ چار سو بار شتر کتابوں پر مشتمل ہے، اس کا لے جانا آسان نہیں اس لئے میں معذرت چاہتا ہوں(۲۲۴) نوح بن منصور سامانی نے ۳۵۰ھ میں قاضی ابو سعید سیرافی نحوی، سے ایک خط میں دریافت کیا تھا کہ ایسی کتاب بتائیں جس میں نحو و ادب کے چار سو سے زیادہ مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہو(۲۲۵)

حاکم ماوراء النہر نوح بن منصور المتوفی ۳۴۳ھ بلند پایہ و بالغ نظر عالم تھا۔ وزیر بلعمی، مرزبان بن محمد ابنِ خزابہ، ابو جعفر شاہ بجستان جیسے نامور فضلاء اپنے مکاتیب میں اس کو امام المسلمین، شیخ الاسلام، الشیخ الجلیل، الشیخ الفرد کے القاب سے یاد کرتے اور قرآن و حدیث، شعر و لغت کے سینکڑوں مسائل موصوف سے پوچھتے تھے(۲۲۶)

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خانوادہ اسماعیلی نہ تھا نیز یہ سوالات نوح بن منصور کے علمی ذوق اور اس کے خزانۃ الکتب کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان بالغ نظر ادباء، علماء، فرمانرواؤں کی وجہ سے ان کے قلمرو خراسان و ماوراء النہر میں علم کا خوب چرچا تھا یہاں فقہاء کو بادشاہوں کا مرتبہ حاصل تھا(۲۲۷)

اس ترقی یافتہ دور میں سائنس دانوں کو بھی بادشاہ کا مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ شاہانِ سامانیہ کی اپنے قلمرو میں علمی تحریک سے بیشمار علماء کو تفسیر، فقہ، حدیث، کلام، تصوف، ادب اور لغت میں اختصاص کا درجہ حاصل کرنے کے لئے ان بلاد کا سفر کرنا پڑا، ان علوم کی توجیہ میں شہرت اور فقہ و کلام میں سیادت انہی خراسانی علماء کو حاصل رہی(۲۲۸)

(۴) شاہانِ طولونیہ (۲۵۴-۲۹۲ھ / ۸۶۸-۹۰۴ء) کا کتب خانہ

ابو العباس احمد بن طولون (۸۳۵-۸۸۴ء/ ۲۲۰-۲۷۰ھ) حاکم مصر و شام، حافظِ قرآن، بہادر و سخی تھا(۲۲۹) اس نے قاہرہ میں مسجد تعمیر کرائی جو جامع ابنِ طولون کے نام سے مشہور ہے، اس سے متصل شفا خانہ بنایا اور اس میں خزانۃ الکتب قائم کیا جس میں تمام علوم و فنون کی ایک لاکھ سے زیادہ مجلدات جمع کی تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں شفا خانے کے ساتھ کتب خانے بنانے کا سہرا مسلمان فرمانروا ابنِ طولون کے سر ہے۔ عہدِ عباسی میں جس طرح جسمانی صحت کی بقاء و ترقی کے لئے شفا خانہ بنایا جاتا تھا اسی طرح علمی و دماغی ترقی اور روحانی صحت کو پروان چڑھانے کے لئے کتب خانے کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا(۲۳۰)

(۵) شاہانِ حسنویہ (۳۴۸-۴۰۶ھ / ۹۵۹-۱۰۱۵ء) کے کتب خانے

حسنویہ بن حسین کردی (۰۰-۹۷۱ء / ۰۰-۳۶۹ھ) پچاس برس (۵۰) تک بلاد دینور، ہمدان، نہاوند کا حکمران رہا(۲۳۱) نیک سیرت، مخیر(۲۳۲) معارف پرور، اہل علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا۔ اس کا ذاتی کتب خانہ چوتھی صدی ہجری کا قابلِ اعتناء و لائقِ دید کتب خانوں میں سے ایک تھا(۲۳۳) حکیم و شاعر ابو عبداللہ ضمیری نے محمد بن زکریا رازی کی طب کی کتاب المنصوری کا دانش نامہ کے نام سے ۳۵۸ھ میں منظوم ترجمہ کر کے حسنویہ کے نام معنون کیا تھا(۲۳۴)

اس کا فرزند ناصر الدین والدولہ ابو النجم بدر بن حسنویہ بن الحسین کردی (۱۰۱۴ء / المقتول ۴۰۵ھ) بڑا دیندار، منصف، مخیر و مدبر فرمانروا تھا۔ ۳۶۹ھ میں عضد الدولہ نے ان کو کردستان کا حاکم بنایا، اس نے دو ہزار سے زیادہ مسجدیں، رباطات وغیرہ تعمیر کرائی تھیں(۲۳۵) ایک لاکھ دینار رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کئے تھے(۲۳۶) اس کے باپ کا مشہور کتب خانہ اس کی جانشینی کے بعد اس کے تصرف میں رہنا ظاہر و باہر ہے۔

(۶) شاہانِ دیلمی (۳۲۰-۴۴۷ھ / ۹۳۲-۱۰۵۵ء) کے کتب خانے

یہ شیعی فرمانروا کا خانوادہ بھی کتب خانہ سازی میں ممتاز رہا ہے لیکن ان کے زیرِ سایہ کس قسم کا ادب پروان چڑھا اس کا اندازہ علامہ ابنِ تیمیہؒ کے مندرجہ ذیل تبصرہ سے کیا جا سکتا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

"شاہانِ بنی بویہ کے دور میں معاملہ برعکس رہا، ان کے دور میں مذاہب مذمومہ کی بہت سی اصناف پنپیں، زنادقہ، قرامطہ کی کثرت رہی، فلاسفہ، معتزلہ و روافض کو غلبہ حاصل رہا، ان کے عقائد و نظریات کو فروغ ہوا، مسلمان اور اہلِ سنت کمزور و کسمپرسی کے عالم میں رہے، یہاں تک کہ نصاریٰ نے اسلام کی سرحدوں پر تسلط جمایا۔ سرزمینِ مصر اور مغرب و مشرق وغیرہ میں قرامطہ پھیل گئے اور بہت سے واقعات رونما ہوئے(۲۳۷)

اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ان کے زیرِ سایہ جو ادب پروان چڑھا وہ کس نوع کا ادب تھا اور اس سے کس صنفِ ادب کا اضافہ ہوا۔

(۱) حبشی بن معزالدولہ احمد بن بویہ بویہی کا کتب خانہ

(۱) حبشی بن معزالدین احمد بن بویہ بویہی (۰۰-۹۷۹ء/ ۰۰-۳۶۹ھ) کا بصرہ میں بہت عمدہ کتب خانہ تھا۔ جب عزالدولہ بختیار بن معزالدولہ کے فرزند ابو الفضل عباس بن حسین شیرازی المتوفی ۳۶۲ھ نے ۹۶۷ء/ ۳۵۷ھ میں اس کو رامہرمز میں قید کیا اور بصرہ میں اس کے مال و متاع کے ساتھ اس کا کتب خانہ جس میں پندرہ ہزار مجلد کتابیں تھیں' اجزاء' شیرازہ بند' مصاحف و غیر مجلد کتابوں کا شمار نہیں(۲۳۸) اس کے بھائی کے قبضہ و تصرف میں آگیا تھا۔

(۲) عزالدولہ ابو المنصور بختیار بن معزالدولہ احمد بویہی (۳۳۱-۳۶۸ھ / ۹۴۲-۹۷۸ء) ادب کا دلدادہ تھا' اس کے بھائی حبشی کا کتب خانہ اس کے تصرف میں آیا تھا۔ اس نے اپنے فرزند مرزبان کو بصرہ کا حاکم بنایا تھا' اس لئے ممکن ہے کہ یہ کتب خانہ بھی مرزبان کی تحویل میں رہا ہو(۲۳۹)

(۳) عضدالدولہ ابو شجاع فنا خسرو ابن الحسن ابن بویہ دیلمی (۳۲۴-۳۷۲ھ /۹۳۶- ۹۸۳ء) کا کتب خانہ: عالم' ادیب و شاعر' نجومی اور علوم اوائل کا دلدادہ تھا۔ خلیفہ بغداد کے بعد خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا تھا(۲۴۰) رفاہِ عام کے کاموں میں بہت دلچسپی رکھتا' شفا خانے اور پل بناتا تھا' اہلِ علم کا قدردان(۲۴۱) اور کتابوں کا شوقین تھا(۲۴۲) اس نے شیراز میں تین سو ساٹھ کمروں کا نہایت عالیشان محل تعمیر کرایا۔ اس میں کتب خانہ رکھا تھا۔ اس کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتاب تھی' عملہ تھا اور کتابیں بہت نظم و ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ مقدسی نے اس کتب خانہ کو دیکھا تھا(۲۴۳)

(۴) مجد الدولہ ابو طالب رستم بن فخر الدولہ بن بویہ (۳۸۷-۴۲۰ھ) کا کتب خانہ۔ عیش و عشرت و فلسفہ کی کتابوں کے مطالعہ اور ان کی نقل وغیرہ کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ رَے میں اس کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں سو(۱۰۰) بار شتر کتابیں سلطان محمود غزنوی ۴۲۰ھ میں غزنہ لے گیا تھا(۲۴۴)

(۷) بنو کاکویہ (۳۹۸-۴۸۸ھ / ۱۰۰۷-۱۰۹۵ء) کا کتب خانہ

علاء الدولہ محمد بن کاکویہ (۰۰-۴۲۷ھ / ۰۰-۱۰۳۴ء) علم دوست اور اربابِ کمال کا قدردان تھا۔ اس کا اصفہان میں نہایت شاندار کتب خانہ تھا۔ ابنِ سینا کا جو اس کے دربار سے وابستہ تھا‘ بیان ہے کہ ابو سہل نے ۴۲۵ھ میں جب اصفہان پر قبضہ کیا تو اس کے مال و متاع کے ساتھ اس کا خزانۃ الکتب بھی غزنہ لے گیا اور مسعود بن محمود غزنوی کے خزانۃ الکتب میں داخل کیا جسے بعد میں حسین بن حسین غوری کے لشکر نے تباہ کیا تھا(۲۴۵)

(۸) بنو مزید‘ فرمانروایانِ تکریت و حلہ کا کتب خانہ

ان میں سیف الدولہ کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ سیف الدولہ ابو الحسن صدقہ بن منصور بن دبیس اسدی (۴۴۲-۵۰۱ھ / ۱۰۵۰-۱۱۰۸ء) عرب اور شرفاء کی تاریخ تھا(۲۴۶) شیعی خانوادہ کا چشم و چراغ اور شعر و ادب کا دلدادہ تھا(۲۴۷) لکھنا بہت اچھا نہ جانتا تھا لیکن مشکل کتابوں کو پڑھتا تھا‘ کتابوں کا شوقین تھا‘ اس نے اپنے خزانۃ الکتب میں نہایت نفیس کتابیں جمع کی تھیں(۲۴۸) مصنفین و نامور خوشنویسوں کے ہزاروں مجلدات اس میں محفوظ تھے(۲۴۹)

(۹) شاہانِ خوارزم (۳۴۰-۶۱۷ھ / ۹۵۱-۱۲۲۰ء) کے کتب خانے

خوارزم یا خیوہ دریائے آمو کی زیریں گزرگاہ پر واقع ہے‘ وسط ایشیاء کے تہذیبی ارتقاء میں یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے(۲۵۰) شاہانِ خوارزم کو معارف پروری اور کتب خانوں کی ترویج و ترقی میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ عہدِ اسلامی میں پانچویں صدی ہجری میں خوارزم کا دارالخلافہ گوکانج علمی مرکز تھا۔

(۱) مامون بن محمد بن احمد خوارزم (۰۰-۳۸۷ھ / ۰۰-۹۹۷ء) خوارزم‘ جرجان کا حاکم(۲۵۱) اور علم و فن کا مربی تھا۔ اس کا خزانۃ الکتب شاہی محل سرا میں تھا‘ اس کے درباری طبیب حکیم ابو سہل جرجانی مسیحی نے اس کے خزانۃ الکتب کی زینت کے لئے ایک کتاب فنِ تعمیر میں لکھی تھی(۲۵۲) ثعالبی نے نیشاپور میں کتاب الکنایات والتعریض اسی خلیفہ کے لئے لکھی تھی(۲۵۳)

(۲) اتنز بن خوارزم (۵۲۱-۵۵۱ھ / ۱۱۲۷-۱۱۵۶ء) کا بھی خزانۃ الکتب تھا‘

زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ نے "مقدمتہ الادب" اس کے خزانۃ الکتب کے لئے لکھی تھی، اس میں اس کی علم دوستی کا ذکر کیا ہے(۲۵۴)

(۳) ابو الفتح خوارزم شاہ ایل ارسلان بن اتعز بن محمد (۰۰-۵۶۸ھ/ ۰۰-۱۱۷۲ ۵۵۱ھ/ ۱۱۵۶ء میں تخت پر بیٹھا(۲۵۵) بہت علم دوست، معارف پرور بادشاہ تھا، اس کے پاس بھی کتب خانہ تھا۔ رشید الدین وطواط نے اس کے لئے "فصل الخطاب من کلام امیرالمومنین عمر بن الخطاب" لکھی تھی جسے شاہی کتب خانہ کی زینت بنایا گیا تھا(۲۵۶)

(۴) ابو القاسم محمود بن ایل ارسلان بن اتعز خوارزم شاہ (۰۰-۵۸۹ھ/ ۰۰-۱۱۹۳ء) ۱۱۷۲ء/ ۵۶۸ھ میں تخت نشین ہوا(۲۵۷) معارف پروری اور علم دوستی میں باپ کا سچا جانشین تھا۔ اس کا ذاتی کتب خانہ تھا۔ وطواط نے اس کے کتب خانے کے لئے متعدد کتابیں لکھی تھیں(۳۵۸)

(۵) ابو المظفر تکش بن ایل ارسلان بن اتسز خوارزم شاہ (۵۶۸-۵۹۶ھ/ ۱۱۷۲-۱۱۹۹ء) علم و فن کا دلدادہ و اہلِ علم کا قدردان تھا۔ اس نے اہلِ کمال و ادباء کو اپنے گرد جمع کیا تھا۔ نامور فضلاء نے اس کے نام کتابیں معنون کی تھیں۔ فخر الدین رازی نے تقسیم علوم میں کتاب الستینی اس کے نام معنون کی تھی(۲۵۹) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا بھی خزانۃ الکتب تھا۔

(۱۰) شاہانِ غزنویہ (۳۵۱-۵۸۲ھ / ۹۶۲-۱۱۸۶ء) کے کتب خانے

(۱) محمود بن سبکتگین کا کتب خانہ

(۱) یمین الدولہ ابو القاسم محمود بن سبکتگین غزنوی (۳۶۱-۴۲۱ھ / ۹۷۱-۱۰۳۰ء) علوم و فنون کا دلدادہ و معارف پرور تھا۔ غزنہ اس کے زمانہ میں علوم و معارف کا مرکز بنا ہوا تھا(۲۶۰) مورخ عبدالغافر فار ۲، کا بیان ہے:

"محمود کی مجلس علماء کا آستانہ' ائمہ و قضاۃ کا ٹھکانہ تھا ہر شخص کے مرتبہ کو جانتا اور اس کے مطابق اس سے گفتگو کرتا تھا ہر فن کے نامور علماء و ائمۂ فن کو دارالخلافہ غزنہ میں بلاتا اور ان کے محلات قصرِ شاہی کے متصل بنواتا' ان کی قدر و منزلت کے مطابق انہیں بلند مناصب پر ممتاز کرتا بڑے بڑے انعام سے سرفراز کرتا تھا(۲۶۱) اس نے غزنی میں بہت بڑا مدرسہ اور اس کے متصل کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں نادر و قیمتی کتابیں جمع کی تھیں(۲۶۲) اس کے مصارف کے لئے گاؤں اور اراضی وقف کی تھیں(۲۶۳) علماء' طلبہ اور اساتذہ کے وظائف شاہی خزانے سے جاری کئے تھے(۲۶۴) اس کے زمانہ میں علمی و ادبی تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا(۲۶۵)

امام ابنِ تیمیہ اس کے دورِ حکومت کے متعلق رقمطراز ہیں:

"سلطان محمود بن سبکتگین کی مملکت اپنے ہمعصروں میں سب سے بہتر مملکت تھی اسلام و اہلِ سنت کو اس کی مملکت میں شوکت و غلبہ حاصل تھا اس نے مشرکینِ ہند سے جنگیں لڑیں' انصاف کا ایسا بول بالا کیا کہ اس سے پہلے نہ تھا' اس کے دورِ حکمرانی میں سنّت کو غلبہ تھا اور بدعات مخفی تھیں"(۲۶۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اس کی فرمانروائی کے زمانے میں ذخائرِ کتب میں خالص اسلامی ادب کو زیادہ فروغ حاصل رہا اس نے دوسرے علوم کی بڑی سرپرستی کی ہے۔

محمود غزنوی خطیب و ممتاز حنفی فقہاء میں سے تھا اس نے حنفی فقہ کے ساٹھ ہزار مسائل پر مشتمل کتاب التفرید لکھی تھی بلادِ غزنہ' غور اور ہند و سندھ میں اس کا بہت چلن تھا(۲۶۷) یہ علماء اور اربابِ کمال کا ایسا قدردان تھا کہ جب اس کو معلوم ہوا کہ سلطان مامون کا دربار دانش مند اور فلسفی ابن سینا' البیرونی' ابو نصر عراق اور ابو سہل مسیحی سے آراستہ ہے تو اس نے مامون کو خط لکھا کہ یہ اربابِ فن یہاں بھی تشریف لائیں ہم بھی ان کے علوم سے مستفید ہوں۔ بادشاہ نے ان کو سلطان کا خط پڑھ کر سنایا' ابنِ سینا نے انکار کیا' البیرونی' ابو سہل اور ابو نصر عراق نے اس پیشکش کو قبول

کیا(۲۶۸) ۔

البیرونی کی سلطان محمود کے دربار سے وابستگی علمی دنیا پر ایسا احسان ہے جو کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی، ہندوستان کے مخصوص علوم ریاضی، فلسفہ و الہیات کو اصل زبان سے منتقل کرنا، متعارف کرانا مشاہدے اور تبصرے سے ان کی صحت و غلطی کو بتانا اس کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے جو بھی دنیا میں ہندوستان کے مخصوص علوم پر لکھنا چاہے اس کے لئے البیرونی کی تصانیف سے استفادہ ناگزیر ہے۔ البیرونی دولتِ غزنویہ کا ایسا ہی درخشاں موتی ہے جیسا دولتِ سامانیہ کا ابنِ سینا ہے(۲۶۹) فردوسی سے شاہنامہ کی تدوین بھی اس کا کارنامہ ہے۔ خراسان و ملتان سے باطنی تحریک کو ختم کرنے کا فخر اسی کو حاصل ہے(۲۷۰) سلطان محمود کتابوں کا شوقین تھا اس کے خزانۃ الکتب میں سوبار شتر کتابیں صرف رستم بن فخرالدولہ بویہی کے کتب خانہ سے داخل کی گئی تھیں(۲۷۱)

(۲) مسعود بن محمود کا کتب خانہ

(۲) مسعود بن محمود بن سبکتگین غزنوی (۰۰۔المقتول ۴۳۲ھ / ۰۰۔۱۰۴۰ء) نجوم، حقائق علوم کا دلدادہ علماء کا قدردان، نہایت علم پرور(۲۷۲) اور اپنے باپ کا سچا جانشین تھا، علماء و اربابِ کمال کے ساتھ بیٹھتا اٹھتا اور داد و دہش کرتا تھا انہوں نے اس کے نام کتابیں معنون کی تھیں، اس کی بہت سی یادگاریں مشہور ہیں، اس کا خط بھی بہت عمدہ تھا(۲۷۳) البیرونی نے "القانون المسعودی" اس کے نام معنون کی اس نے ہاتھی کے وزن کے برابر سے چاندی دی بایں ہمہ قدردانی اس نے بے نیازی کے ساتھ واپس خزانہ شاہی میں داخل کرا دی اور تصنیف و تالیف میں منہمک ہو گیا(۲۷۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اہلِ کمال علم کی دولت کے آگے زر و جواہر کو خزف ریزوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے اس قدردان کے لئے البیرونی نے کتاب لوازم الحرکتین لکھی تھی(۲۷۵)

(۱۱) شاہانِ کبیر سلجوقی (۴۲۹-۵۵۲ھ / ۱۰۳۷-۱۱۵۷) کے کتب خانے

اس خانوادۂ شاہی میں معزالدین شاہ کو علوم و معارف اور کتب خانوں سے خاص شغف تھا معزالدین ابو الحارث بن ملکشاہ بن ارسلان(۲۷۶) سلجوقی المعروف سنجر (۴۷۹-۵۵۲ھ /۱۰۸۶-۱۱۵۷ء) جہانبانی و حکمرانی میں اپنے اسلاف کا سچا جانشین تھا۔ ۵۱۲ھ میں فرمانروا ہوا عراق و شام‘ جزیرہ آذربیجان‘ ایران‘ حرمین‘ خراسان‘ ماوراء النہر و غزنہ تک خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا اور اسے سلطان کے لقب سے پکارا جاتا تھا‘ پاک دامن‘ متقی تھا(۲۷۷)

اس کے زمانہ میں خراسان علم و فن کا مرکز بنا ہوا تھا اس کے قلمرو میں بڑے شہر‘ مدارس و کتب خانوں سے آباد تھے‘ یہ مدارس و کتب خانے غزون (ترکوں کی ایک قوم) کے حملوں میں تباہ ہوئے تھے(۲۷۸)

سلطان سنجر شاہی کتب خانہ میں کتابوں کا مطالعہ کرتا اور علماء‘ حکماء اس میں کتابیں لکھتے تھے۔ ظہیرالدین بیہقی المتوفی ۵۶۵ھ نے حکیم ابو الفتح کوشک کی تالیفات اس کتب خانہ میں دیکھی تھیں(۲۷۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ علم کو اس کتب خانہ سے استفادہ کی اجازت تھی۔

شاہانِ غور میں سلطان غیاث الدین معارف پروری و کتب خانہ سازی میں شہرت کا حامل تھا۔ غیاث الدین ابو الفتح محمد بن سام بن الحسین مسعودی (۰۰-۵۹۹ھ سنہ ۵۵۸ھ / ۰۰-۱۲۰۲ء) میں سریر آرائے تختِ خلافت ہوا بہت علم دوست نامور خطاط ادیب و اہلِ علم کا قدردان تھا۔

اس نے شافعیہ کی تعلیم کے لئے بہت بڑا مدرسہ بنوایا تھا(۲۸۰) خراسان میں شافعیہ کے مدرسے (اور کتب خانے) قائم کئے مسجدیں اور راستوں پر خانقاہیں تعمیر کرائی تھیں(۲۸۱) جب کسی شہر میں پہنچتا فقہاء اہلِ شہر پر احسان کرتا‘ انہیں خلعتیں پہناتا تھا‘ سال بھر کے لئے اپنے خزانہ سے ان کا وظیفہ جاری کرتا فقیروں میں مال بٹواتا تھا خود مصاحف لکھ کر مدرسوں میں وقف کرتا تھا(۲۸۲) اس کا دربار علماء سے بھرا رہتا تھا(۲۸۳) پہلے حنفی تھا پھر شیخ محمد بن محمود مرد روذی شافعی المتوفی ۵۹۹ھ کی ترغیب سے شافعی مذہب اختیار کیا اور اس مذہب کی نشرو اشاعت میں سرگرمِ عمل رہا(۲۸۴)

(۱۲) شاہانِ نیمروز بجستان (۴۶۰-۶۲۲ھ / ۱۰۶۷-۱۲۲۵ء) کا کتب خانہ

شاہانِ مرغیناں مدت تک خراسان میں فرمانروائی کرتے رہے ان میں سلطان عزالدین عمر، سلطان تاج الدین عثمان اور ان کا بھانجا سلطان رکن الدین علوم و فنون کے مربی تھے۔ تاج الدین ابو الفتح حرب بن محمد (تقریباً ۵۱۲-۶۱۲ھ / ۱۱۱۸-۱۲۱۹ء) نے سیستان میں مدرسے، دار العلوم اور کتب خانے بنائے تھے اور یمین الدین بہرام شاہ حرب بھی علماء، فضلاء کا قدر دان تھا اس نے سیستان میں مدرسہ سرحوض بنوایا تھا اس میں سیستان کا مشہور و معروف کتب خانہ تھا(۲۸۵)

(۱۳) شاہانِ آلِ نہاوند جبال (۴۶۶-۶۰۲ھ / ۱۰۷۳-۱۲۰۵ء) کا کتب خانہ

اس خانوادۂ شاہی میں رستم بن علی کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ رستم بن علی بن شہریار (۰۰-۵۶۰ھ / ۰۰-۱۱۶۴ء) یہ مازندان کا بادشاہ اور علم و علماء کا قدر دان تھا اس نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو مدرسہ شاہ غازی رستم کے نام سے مشہور تھا اس میں ایک دار الکتب بنوایا اور اس میں کتابوں کا عمدہ ذخیرہ جمع کیا تھا۔ تاریخ طبرستان کا مصنف اسفندیار اس میں بارہا استفادہ کی خاطر گیا تھا(۲۸۶)

(۱۴) شاہانِ زیدیہ یمن کا کتب خانہ

ان میں سلطان منصور کو شہرت حاصل ہوئی۔ الامام منصور عبداللہ بن حمزہ بن سلیمان زیدی یمنی (۵۶۱-۶۱۴ھ / ۱۱۶۶-۱۲۱۷ء) یہ ۵۹۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ ادیب، شاعر، مصنف و زیدیہ کے ائمہ مجتہدین میں سے تھا اس کا کتب خانہ قلعہ ظفار ذی بین میں زیدیہ کی کتابوں کا جامع تھا، اس نے نامور فقیہ و متکلم قاضی جعفر بن احمد بن عبدالسلام المتوفی ۵۷۳ھ کو زیدی مسلک کی نشر و اشاعت کے لئے عراق اور محمد بن منصور ترادی کو بلادِ جبل و دیلم کی طرف بھیجا تھا۔ اول الذکر یہ عراق سے معتزلہ کی کتابوں کا اور موخر الذکر فقہ و اصولِ فقہ کا بہت ذخیرہ لایا اور شاہی کتب خانہ میں محفوظ کرایا تھا یہ کتب خانہ اب جامع کبیر صنعاء کے کتب خانہ میں ضم کر دیا گیا ہے اس کی فہرست قاضی محمد حجری نے سنہ ۱۳۴۳ء میں شائع کی تھی(۲۸۷)

(۱۵) شاہ ماردین کا کتب خانہ

حسام الدین تیمور تاش ابنِ ایلغازی ابن ارتق (۰۰- شہید ۵۴۷ھ / ۰۰- ۱۱۵۲ء) اکتیس برس تک ماردین کا فرمانروا رہا۔ بڑا بہادر، فاضل، فلسفی، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا۔ علمی بحثوں میں حصہ لیتا تھا(۲۸۸) اس نے ماردین میں ایک مشہد (زیارت گاہ شہداء) بنوایا تھا(۲۸۹) اس میں حکمت و فلسفہ کی کتابیں وقف کی تھیں بعد میں اسی مشہد کے کتب خانہ میں فخرالدین ماردینی نے اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا(۲۹۰) اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مشہد میں بھی کتب خانے قائم کئے جاتے تھے۔

(۱۶) شاہِ جزرہ کا کتب خانہ

محی الدین محمد بن محمد بن سعید جزری دمشقی (۰۰-۶۵۱ھ) جزرہ کا حاکم اور "الصاحب" کے لقب سے مشہور تھا۔ بڑا فاضل ادیب، مصنف، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا اس کا دربار علماء و ادباء سے بھرا رہتا تھا۔ مصنفین اپنی تصانیف اس کے نام معنون کرتے اور کتابیں تحفے میں پیش کرتے تھے(۲۹۱) ابنِ سعید مغربی نے "کتاب المغرب فی محاسن اہل المغرب" اور "کتاب المشرق فی اخبار المشرق" اس کے نام معنون کی تھیں، اس کا عظیم الشان کتب خانہ "خزائن صاحبیہ" کے نام سے مشہور تھا۔ اس سے اہلِ علم استفادہ کرتے تھے چنانچہ نورالدین علی بن موسیٰ ابنِ سعید غرناطی المتوفی ۶۸۵ھ نے "فصل الخطاب فی مدارک الحواس الخمس لِاولی الالباب" میں اعتراف کیا ہے کہ اس نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں "خزائن صاحبیہ" سے فائدہ اٹھایا تھا(۲۹۲)

نورالدین بن سعید جب مغرب سے مشرق میں آئے اور سمندر میں ان کا مال و متاع اور کتب خانہ ضائع ہوا تو الصاحب کے پاس مدت تک اس کا قیام رہا تھا۔

محی الدین کا باپ شمس الدین محمد بھی فاضل تھا اس کی اولاد بھی فاضل و شاعر تھی(۲۹۳)

(۱۷) سلاطینِ ایوبیہ (۵۶۴-۶۴۸ھ / ۱۱۶۸-۱۲۵۰ء) کے کتب خانے

آخری دورِ عباسی میں سلاطینِ ایوبیہ کو علوم و معارف کی سرپرستی اور کتب خانوں کی ترویج و ترقی میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ الملک المحسن ابوالعباس احمد بن یوسف بن ایوب (۵۷۷-۶۳۴ھ / ۱۱۸۱-۱۲۳۶ء) محدثین کی قدر کرتا تھا(۲۹۴) اربل میں خود بھی کتابیں نقل کیں ورّاقوں سے بھی کرائیں اس کے کتب خانہ میں زیادہ تر حوالے کی کتابیں تھیں جو حلب میں اپنے بھائی کے مدرسہ میں وقف کی تھیں(۲۹۵)

(۱) الملک الظاہر ابو منصور غازی کا کتب خانہ

(۱) الملک الظاہر ابو منصور غازی بن صلاح الدین یوسف بن ایوب ایوبی (۵۶۸-۶۱۳ھ / ۱۱۷۳-۱۲۱۶ء) حلب کا فرمانروا' بڑا ہوشمند فقیہ محدث(۲۹۶) اور علماء و فضلاء کا قدردان تھا ان پر خوب داد و دہش کرتا تھا(۲۹۷) موصوف نے ۶۰۸ھ میں یاقوت رومی سے صور الاقالیم کا نہایت خوشخط و مصور نسخہ خریدا تھا(۲۹۸) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کتابوں کا شوق تھا اور اس کے پاس بھی عمدہ کتب خانہ تھا۔

(۲) الملک المنصور ناصر الدین ابو المعالی کا کتب خانہ

(۲) الملک المنصور' ناصر الدین ابو المعالی محمد بن عمر بن شہنشاہ ایوبی (۵۷۷-۶۱۷ھ / ۱۱۸۱-۱۲۲۰ء) تیئیس (۲۳) برس تک حماۃ کا فرمانروا رہا۔ مورخ' ادیب' شاعر(۲۹۹) اور مصنف تھا(۳۰۰) دو سو سے زیادہ فقہاء' ادباء' حکماء' فلاسفہ' نجومی' منجم و منشی اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ کتابوں کا بہت شوق تھا نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا تھا(۳۰۱)

(۳) الملک المعظم شرف الدین عیسیٰ کا کتب خانہ

(۳) الملک المعظم شرف الدین عیسیٰ بن محمد ایّوب دمشقی حنفی (۵۷۶-۶۲۴ھ / ۱۱۸۰-۱۲۲۷ء) سلطان صلاح الدین کے بعد دمشق کا فرمانروا ہوا۔ عالم فقیہ' نجومی' لغوی' ادیب' شاعر(۳۰۳) مصنف' علم و اہلِ علم کا قدردان اور بہت بہادر تھا۔ بہت داد و دہش کرتا تھا(۳۰۴) کئی مدرسے بنوائے تھے(۳۰۵) کتابوں کا بہت دلدادہ تھا' امام ابو حنیفہ کے فقہی مذہب کو دس (۱۰) جلدوں میں "کتاب التذکرہ" میں مرتب کرایا تھا(۳۰۶) سفر و حضر میں اسے ساتھ

رکھتا، اس نے اعلان کرایا تھا کہ جو فقہ میں جامع کبیر کرمانی یا امام محمد (کشف الظنون میں امام محمد ہے) کو اور نحو میں زمخشری کی المفصل کو یاد کرے گا اسے سو دینار (۳۰۷) اور ابو علی فارسی کی کتاب الایضاح کو یاد کرے گا اسے دو سو دینار دیئے جائیں گے (۳۰۸)

اس نے مسند احمد کو ابوابِ فقہ پر مرتب کرانے اور جمہرہ ابن درید، صحاح جوہری اور تہذیب ارموی سے ایک جامع لغت تیار کرانے کے لئے ماہرین فن کی ایک جماعت کو مامور کیا تھا اور فتح بن علی بنداری المتوفی ۶۴۳ھ سے شاہنامہ فردوسی کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا (۳۰۹) دمشق میں اس کا ذاتی کتب خانہ نوادر کتب پر مشتمل تھا۔ یاقوت نے ابو سعد عمیدی کی کتاب "تنقیح البلاغہ" دس جلدوں میں اس کے کتب خانہ میں دیکھی تھی (۳۱۰)

(۴) الملک الناصر داؤد بن عیسیٰ کا کتب خانہ

(۴) الملک الناصر داؤد بن عیسیٰ بن محمد حنفی (۶۰۳-۶۵۶ھ / ۱۲۰۶-۱۲۵۸ء) الملک المعظم کا بیٹا اور کرک کا فرمانروا تھا علومِ اوائل و علمِ کلام کا شناسا (۳۱۱) ادیب و شاعر، سخی، مناظر (۳۱۲) علم و اہلِ علم کا قدردان تھا۔ سلاطینِ ایوبیہ میں یہ ایسا فاضل بادشاہ تھا جس نے جامعہ مستنصریہ میں فقہاء سے مناظرہ کیا اور ان پر غالب رہا تھا (۳۱۳) کتابیں جمع کرنے کا ذوق باپ سے ورثہ میں پایا تھا اس نے نہایت شاندار کتب خانہ بنایا تھا جو اس کی وفات کے بعد ضائع ہو گیا (۳۱۴)

(۵) الملک النّاصر صلاح الدّین یوسف کا کتب خانہ

(۵) الملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ملک العزیز محمد بن الظاہر غازی ایوبی حلبی (۶۲۷-۶۵۹ھ / ۱۲۳۰-۱۲۶۱ء) (۳۱۵) سات برس کی عمر ۶۳۴ھ میں خلیفہ بنایا گیا یہ بنو ایوب میں آخری خلیفہ تھا جسے ہلاکو نے قتل کیا تھا۔ ادیب و شاعر، علم و اہلِ علم کا قدردان، کریم و بردبار تھا (۳۱۶) اس کی مجلس ندماء و ادباء کی مجلس تھی (۳۱۷) اس نے سفح قاسیون دمشق میں دار الحدیث بنایا تھا (۳۱۸) اس کا عظیم الشان خزانہ کتب تھا صدر الدین علی ابن الفرج بصری المتوفی سنہ ۶۵۶ھ نے کتاب الحماستہ البصری اس کے خزانۃ الکتب کے لئے لکھی تھی، اس کی ترتیب و تدوین میں اس کے خزانۃ الکتب سے استفادہ کیا تھا چنانچہ موصوف کا بیان ہے:

"شعری مجموعے ذہن کو جلا بخشتے ہیں اور یہ نوع بنوع معانی کے ترجمان کی طرح ہیں ہمارے آقا شاہ ناصر الدین صلاح الدین دنیا و دین، ناصر اسلام ابو المظفر یوسف بن شاہ عزیز بن شاہ ظاہر ایوبی (اللہ کرے ہمیشہ ان کا حکم ہر پست و بالا زمین میں نافذ رہے ان شعری مجموعوں کے شیدا ہیں جو عرب کا دیوان کہلاتا ہے، اس لئے میں نے ان کے خزانۃ الکتب کے لئے اشعار کتب کا

ایک مجموعہ تیار کرنے کا ارادہ کیا جو عمدہ اشعار و بہترین و قائع و اخبار پر مشتمل ہو' طویل نہ ہو' ابواب کتاب کو جامع ہو چنانچہ جو بھی شعری مجموعے مجھے ان کے خزانۃ الکتب میں دستیاب ہوئے جیسے علماء کی امالی' ادباء کے حماسے' نامور قدماء و متاخرین شعراء کے دواوین اور فضلاء کے مختارات جیسے "کتاب الاشباہ والنظائر" جو خالدین (ابو عثمان سعید خالدی المتوفی ۳۹۱ھ و ابو بکر محمد خالدی المتوفی ۳۸۰ھ) کی تصنیف ہے بہترین اشعار کی جامع ہے گو اس میں شعروں کے کہنے والوں کی طرف ان اشعار کی نسبت مذکور نہیں نیز کتاب میں عنوانات بھی نہیں ہیں جن کی وجہ سے انہیں یاد کرنا اور سمجھنا دونوں مشکل ہے' میں نے جو مجموعہ تیار کیا ہے وہ بدائع پر مشتمل ہے اور ترتیب کے اعتبار سے بہتر ہے(۳۱۹)

یہ نو سو اکسٹھ شعراء کے اور دو ہزار اکسٹھ قصائد و مقطعات کا جامع ہے(۳۲۰) ابنِ سعید اندلسی جب کمال الدین ابن العدیم کے پاس حلب پہنچا اس نے اسے سلطان موصوف سے ملایا' اس نے اس کے بلاد کے حالات معلوم کئے' آمد کا مقصد پوچھا تو اس نے انکشاف کیا کہ میں کتاب المشرق ملی المشرق لکھ رہا ہوں جیسے بلاد مغرب میں مغرب فی حلی المغرب لکھی تو سلطان نے کہا۔

تعینک بما عندنا من الخزائن توصلک الی ما لیس عندنا
کخزائن الموصل وبغداد(۳۲۱)

"ہمارے خزائنِ کتب میں جو کتابیں موجود ہیں ہم ان سے آپ کی مدد کو تیار ہیں اور جو ہمارے پاس نہیں ہیں ہم آپ کو ان کتب خانوں تک پہنچائیں گے۔ جہاں وہ مل سکتی ہیں جیسے موصل وبغداد کے کتب خانے۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہی کتب خانے علماء و محققین کی خدمت کے لئے کھلے رہتے تھے اور جو کتابیں ان خزائنِ کتب میں نہ تھیں وہ اگر دوسرے کتب خانوں میں موجود ہوتیں تو انہیں وہاں پہنچایا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں علماء و محققین کو کتابوں کی فراہمی میں کتنی سہولت دی جاتی تھی۔

وزیر جمال الدین قفطی نے اپنے عظیم الشان کتب خانہ کی وصیت اس خلیفہ کے حق میں کی تھی(۳۲۲) اس سے اس کی عظمت' قدر و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۸) شاہانِ اغالبہ (۱۸۴-۲۹۶ھ / ۷۹۸-۹۰۹ء) کا کتب خانہ

شاہانِ اغالبہ کا قیام ابتدا ہی سے عباسیہ میں تھا پھر ابراہیم اول (۱۸۴ھ) نے رقادہ میں حکمرانی کی یہیں ابراہیم اصغر منتقل ہوا اُس کو علوم ریاضی و حکمت و فلسفہ سے بہت لگاؤ تھا اس نے ۸۷۸ء / ۲۶۴ھ میں رقادہ میں **بیت الحکمہ** کی بنیاد رکھی۔ ماہر طبیبوں‘ مہندسوں کو جمع کیا۔ افریقہ میں اغالبہ خلفاءِ عباسیہ کی باج گزار تھے انہوں نے دو شہر آباد کئے۔ عباسیوں کی قیادت و خوشنودی کے لئے ایک کا نام العباسیہ رکھا اور دوسرے کا رقادہ‘ العباسیہ کو اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ قیروان ان ایام میں مرکز تھا۔ اہلِ افریقہ یہاں آکر لغت و ادب‘ فلسفہ و شرعی علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ یونانی‘ فارسی‘ سریانی و ہندی کتابوں کے ترجمے یہاں آچکے تھے۔ آراءِ اہلِ عراق‘ آراءِ اہلِ مدینہ‘ آراءِ اوزاعی و شافعی اور آراءِ معتزلہ سے بحث کی جاتی تھی (۳۲۳)

بیت الحکمہ

رقادہ کے شاہی محل کے ہال میں مقام فتح میں واقع تھا اُس کے ایک کمرے میں لکڑی کی الماریوں میں چمڑے یا قرطاس پر لکھی ہوئی کتابیں رکھی تھیں۔ کتابوں کے پڑھنے‘ مطالعہ و نقل و مقابلہ کرنے کی خاص اوقات میں عام اجازت بھی تھی‘ چنانچہ نادر کتابوں کے شوقین صحیح ترین نسخوں کے مطالعہ کے لئے قیروان سے رقادہ میں آتے اور مہینوں یہاں نقل و مقابلہ میں مصروف رہتے تھے (۳۲۴)

موضوعات

ان الماریوں میں دینی علوم کے علاوہ یونانی‘ سریانی‘ فارسی‘ سنسکرت کی‘ حساب ہندسہ‘ فلکیات‘ نجوم‘ طب‘ نباتیات‘ منطق و فلسفہ کی کتابیں جن کا عہدِ اموی اور اوائل عہدِ عباسی میں شام‘ عراق‘ حیرہ وغیرہ میں ترجمہ کیا گیا تھا‘ رکھی ہوئی تھیں۔ "**بیت الحکمہ**" میں بیٹھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے غالیچے بچھے ہوئے تھے۔ بعض کمروں میں **آلاتِ فلکیہ** اصطرلاب‘ مقنطرات‘ جیوب‘ طول بلد‘ عرض بلد کی پیمائش کے آلات بھی رکھے ہوئے تھے۔

رقادہ میں یونانی علوم سے اعتناء کیا جاتا تھا مساجد میں ان علوم سے اعتناء نہ تھا اس لئے طبقات کی کتابوں میں ان علماء کا تذکرہ نہیں ملتا جن علماء نے ان علوم کی نشر و اشاعت میں سرگرمی دکھائی تھی۔

بیت الحکمہ کے ذخیرے میں اضافے

خلیفہ ابراہیم ثانی ہر سال اور بعض اوقات سال میں دو تین مرتبہ اپنا سفیر بغداد بھیجتا یہ سفیر امورِ خلافت کی انجام دہی کے علاوہ کتابیں بھی مہیا کرتا تھا جن کی نظیر دیارِ مغرب میں نہیں ملتی' اس کے لئے سفیر کو بڑی رقم دی جاتی تھی وہ اس رقم سے حکمت و فلکیات وغیرہ کی کتابیں مہیا کرتا اور نامور علماء کو ساتھ لاتا تھا۔

۲۹۶ھ میں جب فاطمی خلفاء کا افریقہ پر تسلط ہوا تو انہوں نے اس ذخیرہ کو نقل کرا کر اور تحفہ تحائف سے کتابیں وصول کر کے اپنے ذخیروں میں اضافہ کیا ۹۷۳ء / ۳۶۲ھ میں یہ ذخیرہ قاہرہ منتقل کیا گیا۔ یہاں بھی لائبریرین کو صاحب بیت الحکمہ کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا۔ ابراہیم ثانی کے دور میں اس اہم خدمت پر ابراہیم شیبانی بغدادی المعروف بالریاضی مامور تھا۔ بیت الحکمۃ میں دارالترجمہ بھی قائم تھا(۳۲۵)

خلفاءِ بغداد سے ہمسری کرنے والے خلفاء کے کتب خانے

(ا) فاطمینِ مصر (۲۹۷-۵۶۷ھ / ۹۰۹-۱۱۷۱ء) کے کتب خانے

شاہانِ فاطمین مصر کا عہد بھی نہایت شاندار عہد تھا انہوں نے نہایت عظیم الشان تمدنی و ثقافتی کارنامے انجام دیئے، قاہرہ آباد کیا، جامع ازہر بنایا جو آگے چل کر اسلامی علوم و معارف کا سرچشمہ بنا۔ دارالکتب و دارالحکمہ قائم کئے۔ دور دور سے کتابیں جمع کیں، نقل نویس و نگران مقرر کئے اہلِ علم، طلبہ، اساتذہ و محققین کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور اس باب میں خلفاءِ عباسیہ کے نقشِ قدم پر چلے، اس لئے اسلام کے تین عظیم الشان کتب خانوں میں سے **فاطمینِ مصر** کا کتب خانہ بھی شمار کیا گیا۔

المعزلدین اللہ ابو تمیم معد کا کتب خانہ

(ا) المعز لدین اللہ ابو تمیم معد بن المنصور اسماعیل ابن القائم الفاطمی العبیدی (۳۴۱-۳۶۵ھ / ۹۵۲-۹۷۵ء) کے سپہ سالار نے سنہ ۳۵۸ھ میں مصر فتح کر کے قاہرہ آباد کیا اور دو سال میں جامع ازہر تیار کی۔ فقہاء کے لئے کمرے بنائے گئے۔ ۳۷۸ھ میں اس میں تعلیم کا آغاز ہوا اور وہ جامعہ بن گئی۔ حاکم بامراللہ نے اس کے مصارف کے لئے وقف کئے گئے کتب خانہ کو ترقی دی (۳۲۶) آج بھی جامع اُزہر کے کتب خانہ میں تیس ہزار مخطوطات ہیں جن میں علامہ ابن الشحنہ، ابنِ حجر، سیوطی وغیرہ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے محفوظ ہیں اس کی فہرست چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

کتب خانہ مارستان

ابن الطویر کا بیان ہے کہ "مجالس المارستان" میں تمام علوم کی کتابیں دو لاکھ مجلدات سے زیادہ تھیں، ان میں مذاہب اربعہ کی فقہ، نحو، لغت، حدیث، تاریخ، سیرِ ملوک، روحانیات، کیمیا غرض ہر صنفِ علم کی کتابوں کے کئی کئی نسخے محفوظ تھے۔ ناقص کتابیں اور مسودات دروازے سے متصل ہی اوپر الماریوں میں اور ابنِ مقلہ و ابن البواب کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے بکسوں میں

رکھے ہوئے تھے (۳۲۷) اس سے معلوم ہوا کہ موضوعات کی مذکورۂ بالا ترتیب پر کتب خانہ مرتب تھا۔

(۲) العزیز باللہ ابو منصور نزار کا کتب خانہ

(۲) العزیز باللہ ابو منصور نزار بن معد بن المنصوری عبیدی فاطمی (۳۴۴-۳۸۶ھ/ ۹۵۵-۹۹۶ء) ۹۷۵ء/ ۳۶۵ھ میں فرمانروا ہوا یہ بڑا فاضل و ادیب تھا اس نے جو شاہی کتب خانہ قائم کیا تھا وہ چالیس خزائنِ کتب پر مشتمل تھا اور ان میں سے ایک خزانۃ الکتب اٹھارہ ہزار کتابوں کا جامع تھا مقریزی لکھتا ہے۔

"قال فی کتاب الذخائر عدۃ الخزائن التی برسم الکتب فی سائر العلوم بالقصر اربعون خزانہ، **خزانۃ من جملتھا ثمانیۃ عشر** الف کتاب من العلوم القدیمہ" (۳۲۸)

صاحبِ کتاب الذخائر کا بیان ہے کہ قصرِ شاہی میں سرکاری کتب خانوں کی تعداد چالیس تھی جو تمام علوم و فنون کی کتابوں کے جامع تھے منجملہ ان کے ایک کتب خانہ میں صرف علومِ قدیمہ کی اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔

خزانۃ من جملتھا الخ ایسا قرینہ ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں خزانہ سے علوم کا نہایت وسیع ذخیرۂ کتب اور وہ شعبۂ علم مراد ہے جو اپنے ماتحت تمام انواع، اصناف و اقسام کا جامع ہوتا ہے۔ چنانچہ علومِ اوائل اس دور میں جملہ انواعِ فلسفہ، منطق، ریاضیات، نجوم، فلکیات وغیرہ سے عبارت تھا۔

اولگا پنٹو نے مذکورۂ بالا عبارت کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ قصرِ شاہی کا کتب خانہ چالیس کمروں پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر احمد شلبی نے بھی یہی بات پنٹو کے حوالہ سے نقل کی ہے حالانکہ اس عبارت سے مقصد کمروں کی تعداد بیان کرنا نہیں بلکہ کتب خانے کے بڑے اور اہم شعبوں کی نشاندہی کرنا ہے، کمرے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور کم بھی، ڈاکٹر شلبی کا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر کمرے میں اٹھارہ ہزار کتابوں کے رکھنے کی گنجائش تھی، درست نہیں (۳۲۹)

صاحب کتاب الذخائر کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ قصرِ شاہی کا کتب خانہ موضوعی ترتیب پر مرتب تھا اور اس کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا۔

اس کتب خانہ میں نامور کاتبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا ایک سے ایک اعلیٰ نسخہ رکھا جاتا تھا اسی خصوصیت و ندرت کی وجہ سے ایک ایک کتاب کے پینتیس پینتیس اور سینتیس (۳۷) نسخے کتب خانہ میں محفوظ تھے چنانچہ ایک مرتبہ العزیز باللہ فاطمی کے سامنے خلیل کی کتاب العین کا

ذکر آیا خزائنِ کتب سے اس کے چالیس سے کچھ ہی کم نسخے نکال کر پیش کئے گئے ان میں ایک نسخہ خلیل کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا(۳۳۰) اس طرح اس کے سامنے تاریخ طبری کا وہ نسخہ جو سو دینار میں خریدا گیا تھا پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے خزان (خازنانِ کتب خانہ) سے اس کتاب کے دوسرے نسخے طلب کئے انہوں نے بیس (۲۰) نسخے دکھائے جن میں ایک نسخہ طبری کا لکھا ہوا تھا(۳۳۱)

لفظ خزان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعبہ کا خازن علیحدہ تھا' فاطمی خلفاء کے شاہی کتب خانہ کے اس نظم و نسق کو دیکھ کر یہ کہنا درست ہے کہ فاطمی خلفاء نے اس امر میں عباسی خلفاء کے نظم کی اتباع کی تھی۔

الحاکم بِامراللہ ابو علی منصور کا کتب خانہ

(۳) الحاکم بامراللہ ابو علی منصور بن نزار ابن سعد عبیدی فاطمی (۳۸۶-۴۱۱ھ / ۹۹۶-۱۰۲۰ء) نے جامع ازہر کے بالکل سامنے قصر شاہی کے جنوبی سمت میں دار الحکمہ قائم کیا تھا۔ یہ اس دور میں ایک مدرسہ اور اکادمی تھا جس میں فقہاء' اطباء' ریاضی دان و ہیئت دان تحقیق میں مصروف رہتے تھے اس میں جو کتب خانہ بنا وہ دار العلم کے نام سے موسوم تھا۔ شاہی خزانۃ الکتب سے جو چھ لاکھ کتابوں پر مشتمل تھا اس میں کتابیں منتقل کی گئی تھیں۔ اہلِ علم کو داخلہ کی عام اجازت تھی اور ان کے لئے ضرورت کی ہر چیز اس میں مہیا کی گئی تھی' قلم' دوات و کاغذ وغیرہ یہاں مفت ملتا تھا(۳۳۲) مورخ ابن خلدون نے دار العلم کو دار المعرفہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔

ذخیرۂ کتب

قصرِ شاہی کے ذخیرۂ کتب کی تعداد میں اختلاف ہے مورخ ابن ابی طی المتوفیٰ ۶۳۰ھ نے دو لاکھ (۲۰۰‘۰۰۰) ابن الطویر نے چھ لاکھ (۶۰۰‘۰۰۰) اور عماد الدین اصفہانی المتوفی ۵۹۷ھ نے بیس لاکھ (۲۰۰۰‘۰۰۰) بیان کی ہے

فاطمیین مصر کے ذخیرہ کتب کے تدریجی ارتقاء و اضافہ کے پیش نظر ابنِ ابی طی کے قول کو ابتدائی ذخیرہ' **ابن الطویر** کے قول کو درمیانی زمانے کے ذخیرہ اور عماد اصفہانی کے قول کو زوالِ فاطمیہ سے قبل کے ذخیرۂ کتب پر محمول کریں تو ان مختلف اقوال میں اختلاف باقی نہیں رہتا ورنہ **ابن الطویر** کا قول تاریخی حقائق کے پیش نظر زیادہ صحیح قرار پاتا ہے کیونکہ وزیر ابوالقاسم الملک الافضل احمد المقتول ۵۱۵ھ کا پانچ لاکھ کتابوں پر مشتمل کتب خانہ قصر شاہی میں منتقل کیا گیا تھا ان حقائق کی روشنی میں **فاطمیین** مصر کا کتب خانہ چھ لاکھ کتابوں سے کسی طرح کم نہیں قرار دیا جا سکتا(۳۳۳) بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک وزیر کا کتب خانہ پانچ لاکھ کتابوں کا جامع ہو سکتا ہے تو

شاہی کتب خانہ میں بیس لاکھ کتابوں کا جمع ہو جانا مکرر نسخوں کے ساتھ چنداں **مستبعد** نہیں۔

مذکورۂ بالا تاریخی شواہد کی روشنی میں ابو المحاسن کا کل ذخیرۂ کتب دس ہزار مجلدات بیان کرنا تو بداہتہً غلط ہے اور ابنِ واصل المتوفی ۶۹۷ھ کا ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں بتانا (۳۳۴) بھی قرینِ صحت نہیں کیونکہ سلطان صلاح الدین نے اس کتب خانہ کی ایک لاکھ کتابیں قاضی فاضل کو بخش دی تھیں (۳۳۵) اور ابنِ صورہ دلال نے بقیہ ذخیرہ کتب دس برس کے طویل عرصہ میں بیچا تھا (۳۳۶) بیس ہزار کتابوں کی فروخت میں دس برس نہیں لگتے ہیں، وہ مختصر مدت میں بک جاتی ہیں، اس لئے یہ دونوں قول قابلِ قبول نہیں۔

یہ ذخیرۂ کتب، صحت، حسنِ خط، جلد کی خوبی و زینت میں اپنی نظیر آپ تھا۔ مستنصر کے دورِ زوال میں قرض خواہ ماہر خطاطوں کے دو ہزار چار سو قرآن مجید، طغرے اور اجزاء جن پر سونا منڈھا ہوا تھا باقی واجبات کی ادائیگی میں اٹھا کر لے گئے تھے یہ وہ نسخے تھے جو کتب خانہ سے باہر رکھے ہوئے تھے۔ محلات کے اندر کے نسخوں تک کسی کی رسائی نہ تھی وہاں ابنِ مقلہ، ابن البواب وغیرہ کے قلموں سے صندوق پر تھے (۳۳۷)

مورخ مسیحی المتوفی ۴۲۰ھ کا بیان ہے کہ میں نے ۴۱۶ھ میں وزیر ابو الفرج محمد بن جعفر مغربی کو پچیس اونٹوں پر کتابیں لے جاتے ہوئے دیکھا سبب پوچھا تو بتایا گیا کہ وزیر موصوف اور خطیر بن موفق خزائنِ قصر سے اپنے قرض کے عوض کتابیں لئے جا رہے ہیں۔ وزیر ابو الفرج کا قرض پانچ ہزار دینار تھا کتابوں کے واقف کار نے بتایا کہ یہ کتابیں ایک لاکھ دینار سے زیادہ کی مالیت کی تھیں، لیکن ناصر الدولہ بن حمدون نے جب شکست کھائی تو اس کا محل سرا بھی لٹ گیا (۳۳۸) اور دار العلم قاہرہ کی کتابیں عماد الدولہ ابو الفضل بن المعز اسکندریہ لے گیا اس کے قتل کے بعد بہت سی کتابیں مغرب (اندلس) منتقل کر دی گئیں (۳۳۹)

(۲) بنو حمدان حلب (۳۳۳-۳۹۹ھ/ ۹۴۴-۱۰۰۸ء) کا کتب خانہ

اس شیعی شاہی خانوادے میں معارف پروری کی وجہ سے جو شہرت سیف الدولہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نہ ہو سکی۔

سیف الدولہ علی بن عبداللہ بن حمدان **تغلبی** (۳۰۲-۳۵۶ھ/ ۹۱۵-۹۶۷ء) بڑا فاضل، ادیب، علم و اہلِ علم کا قدردان، بہادر و معارف پرور تھا خلفاء عباسیہ کے بعد اس کے دربار میں علماء، فضلاء، حکماء، شعراء کا جیسا اجتماع ہوا کسی اور کے دربار میں نہیں ہوا(۳۴۰) فارابی، **متنبی**، ابن خالویہ جیسی نادرۂ روزگار ہستیاں اس کے دربار سے وابستہ رہی تھیں(۳۴۱) اس کا نہایت عالیشان کتب خانہ قصرِ شاہی میں ایک خوشنما مقام پر جسے **الحلبہ** کہا جاتا تھا واقع تھا(۳۴۲) اس کے خازن اور منتظم کتب خانہ ابو عثمان سعید بن ہاشم خالدی المتوفی ۳۷۱ھ اس کا بھائی محمد بن ہاشم المتوفی ۳۸۰ھ رنگلس کا نامور شاعر احمد بن محمد الحسن **ضبی حلبی** النطاکی المعروف **بصنوبری** المتوفی ۳۳۴ تھے۔ سیف الدولہ نے جامع حلب میں بھی دس ہزار مجلدات پر مشتمل **خزانۃ** الکتب وقف کیا تھا جسے سیف الدولہ کے بستر مرگ کے موقعہ پر جب **نسطور** نے حلب پر فوج کشی کی اور مساجد کے کتب خانوں کو تباہ کیا تو ان کے قصر کو بھی لوٹا اس وقت اس کے کتب خانے کو بھی نقصان پہنچا(۳۴۳) پھر ابو الحسن ثابت بن اسلم **حلبی** اسماعیلی نے سنہ ۳۶۰ھ میں اسے نذرِ آتش کر دیا (۳۴۴) ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی کا نسخہ بھیجا تو اس نے ایک ہزار دینار پہنچائے اور اس خطیر رقم پر معذرت بھی کی تھی(۳۴۵)

(۳) بنو عمار فرمانروایانِ طرابلس شام کے کتب خانے

(پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی)

(۱) امیر الدولہ ابو طالب عبد اللہ کا کتب خانہ

امیر الدولہ ابو طالب عبد اللہ بن محمد بن عثمان المعروف بالقاضی (۰۰ـ ۴۶۴ھ / ۰۰ـ ۱۰۷۱ء) طرابلس شام کا مختیر فرمانروا تھا اسے مستنصر فاطمی کے زمانہ میں تقریباً ۴۴۰ھ میں قاضی بنایا گیا (۳۴۶) اس نے ایک کتب خانہ وقف کیا تھا نوفل طرابلسی لکھتا ہے ''طرابلس قدیم کے مقام جہاں اب ایمنیا آباد ہے ایک کتب خانہ تھا جسے قاضی ابو طالب نے جمع کیا اور اس میں تین لاکھ کتابیں عربی' فارسی' یونانی زبانوں میں موجود تھیں (۳۴۷)

(۲) جلالتہ الملک ابوالحسن علی کا کتب خانہ

جلالتہ الملک ابوالحسن علی بن محمد بن احمد بن عمار قاضی ابو طالب کا بھتیجا اور اس کا سچا جانشین تھا اس نے بھی ۴۷۲ھ میں ایک کتب خانہ دار العلم کے نام سے وقف کیا تھا اس میں ابو العلاء معرّی کی تصانیف میں سے کتاب الصاہل و الشاحج' کتاب السجع السلطانی' کتاب الفصول و الغایات' کتاب السادن' کتاب اقلید الغایات' اور رسالہ الاغریض وقف کی تھیں (۳۴۸)

آخری فرمانروا فخر الملک ابو علی بن عمار تھا جو ریمند بن صنجیل سے برسرِپیکار رہا لیکن ریمند پیر کے دن ۱۱ ذی الحجہ ۵۰۳ھ میں طرابلس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اس نے مال و متاع اور وقف کے تمام کتب خانوں کو لوٹ کر تباہ کر دیا (۳۴۹)

بنو عمار کے دار العلم کی عظمت' وسعت و کثرت کا اندازہ مورخ ابن الفرات کے نقل کردہ بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ شیخ یحیٰ بن ابی علی حمید نجار غسانی حلبی کا بیان ہے۔

''کثرتِ کتب میں دار العلم طرابلس کی نظیر نہ تھی مجھے طرابلس کے ایک بزرگ نے بتایا تھا کہ میں فخر الملک ابنِ عمار والی طرابلس کے ساتھ شیزر میں تھا جب اسے فرنگیوں کے قبضہ کی اطلاع ملی تو اس پر غشی طاری ہو گئی افاقہ ہوا تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے مجھ سے کہا' بخدا مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا کہ اس دار العلم کی تباہی کا ہوا' اس میں دینیات' قرآن' حدیث و ادب سے متعلق تیس لاکھ کتابیں تھیں جن میں سے صرف پچاس ہزار نسخے قرآن مجید کے اور بیس ہزار جلدیں تفاسیر کی تھیں۔ میرے والد مجھ سے کہتے تھے کہ یہ دار العلم دنیا کے عجائبات

میں سے تھا بنو عمار کی سب سے زیادہ توجہ اس کی تعمیر و ترقی پر مرکوز تھی۔ ایک سو اسی (۱۸۰) کاتب اس میں کام کرتے تھے چیدہ چیدہ کتابوں کی بہم رسانی کے لئے ہر شہر میں بنی عمار کی طرف سے ایجنٹ مقرر تھے جو کتابیں خرید کر پہنچاتے تھے(۳۵۰)

مذکورۂ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان کتب خانہ موضوعات و مضامین کے لحاظ سے مرتب تھا، بیان تعدادِ کتب سے ظاہر ہے کہ اس کا کیٹلاگ کتابی صورت میں موجود تھا ذخیرۂ کتب میں اضافہ کی خاطر اسی (۸۰) کاتب اجرت پر کام کرتے تھے جن میں تمیں کاتبوں کا ذخیرہ سب سے زیادہ تھا۔

فرنگی جب طرابلس میں داخل ہوئے تو ایک راہب اس کتب خانہ میں کتابوں کی کثرت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا وہ اتفاق سے مصاحف والے کمرہ میں داخل ہوا جو نسخہ اٹھا کر دیکھا وہ قرآن مجید ہی کا نسخہ تھا اس نے نذرِ آتش کیا اس کی تھوڑی بہت کتابیں مسلمان اپنے ساتھ لے گئے وہی کتابیں بلادِ اسلامی میں پہنچ سکی تھیں(۳۵۱) بنو عمار کے عہد میں اس دار العلم سے استفادہ کی خاطر ہر طرف سے فضلاء طرابلس آتے تھے۔

(۴) اموی خلفاءِ اندلس (۱۳۸-۴۲۲ھ / ۷۵۵-۱۰۳۱ء) کے کتب خانے

اموی خلفاءِ اندلس عباسی خلفا سے ہمسری کا دعویٰ کرتے تھے لیکن کتب خانوں کے قیام و اہتمام میں وہ ان ہی کے نقش قدم پر چلتے تھے اس امر میں جس اموی خلیفہ نے سب سے زیادہ ان کی پیروی اور ریس کی وہ خلیفہ الحکم الثانی تھا۔ جس طرح مشرق میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کے فروغ کا سہرا ہارون و مامون کے سر ہے اسی طرح سرزمین اندلس میں اس تحریک کا علم بردار الحکم الثانی ہے، صاعد اندلسی کا بیان ہے:

"تیسری صدی ہجری کے وسط سے بعض اہلِ اندلس میں تحصیلِ علم کی تحریک پیدا ہوئی اور چوتھی صدی ہجری کے وسط تک بتدریج ترقی کرتی رہی" (۳۵۲) الحکَم الثانی کی مساعی جمیلہ سے اندلس کی سرزمین کتب خانوں سے ہمیشہ سرسبز و شاداب رہی، اس تحریک کے اثرات کا اندازہ کرنے کے لئے شاہانِ قرطبہ کا سرسری سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم اموی قرطبی (۸۲۲-۸۸۶ء / ۲۰۷-۲۷۳ھ) سنہ ۲۳۸ میں تخت نشین ہوا، عالم، ادیب و شاعر (۳۵۳) اور ایسا فصیح و بلیغ تھا کہ بادشاہوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا (۳۵۴) مجاہد، سخی، علوم کا دلدادہ و محدثین کا قدر دان تھا (۳۵۵) اس کے شاہی محل میں خزانۃ الکتب تھا۔ حافظ ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلد المتوفی ۲۷۶ھ نے مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ کا وہ نسخہ جو دیارِ مشرق سے اندلس لائے تھے روایت کرنا شروع کیا یہ بعض مالکیہ پر بہت گراں گزرا بات خلیفہ تک پہنچی، خلیفہ نے بقی اور ان کے معترضین کو دربار میں بلایا فریقین کی گفتگو سننے کے بعد کتاب کو اول سے آخر تک غائر نظر سے دیکھا اور خازنِ کتب سے کہا:

"ھذا کتاب لا تستغنی خزانتنا عنہ" (۳۵۶) "یہ وہ کتاب ہے جس سے ہمارا کتب خانہ خالی نہیں رہنا چاہئے۔" اسے نقل کراؤ اور بقی سے کہا "آپ اپنے علم کی نشر و اشاعت کریں، حدیث کا جو ذخیرہ آپ کے پاس موجود ہے اسے بیان کریں، درسگاہ میں بیٹھ جائیں تاکہ آپ سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۳۵۷) اور معترضین کو ان سے تعرض کرنے سے منع کر دیا۔

اس سے خلیفہ کی علوم میں بصیرت و ذخیرۂ علوم کی اشاعت کی اہمیت، ہمت افزائی، اہل علم کی قدر و منزلت، کتابوں سے محبت اور انہیں اپنے کتب خانہ میں جمع کرنے سے دلچسپی کا اندازہ کیا جا

سکتا ہے۔ نیز خلیفہ کے مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خزانۃ الکتب میں اہم بنیادی، مشہور و متداول کتابیں مہیا کی جاتی تھیں اور ذخیرۂ کتب پر اس کی نظر رہتی تھی، اس لئے اس نے کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ اس کتاب سے ہمارا کتب خانہ خالی نہیں رہنا چاہئے۔

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نئی کتابوں کی نقل کرا کرا نہیں کتب خانہ میں رکھا جاتا تھا اور ذخیرہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے لئے خازن بھی مقرر تھا "خزانتنا" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خزانۃ الکتب ان کے اسلاف کی یادگار تھا جو نسلاً بعد نسلٍ ان تک پہنچا تھا۔ اموی خلفاء میں حکم ثانی سے ایک صدی قبل اسی کتب خانے کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔ اس ذخیرۂ کتب کا حکم ثانی کو وراثتاً ملنا کچھ مستبعد نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اوائل ہی سے اموی خلفاء کے شاہی کتب خانے کثرت و ندرت اور جامعیت میں اہمیت کے حامل ہوتے جا رہے تھے۔

(۲) عبداللہ بن عبدالرحمٰن کا کتب خانہ

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن محمد مروانی (۹۵۱ء/ المقتول ۳۳۹ھ) عالم، فاضل، فقیہ، مورخ، ادیب، شاعر، مصنف، کتابوں کے جمع کرنے کا شوقین، اہلِ علم کی مجلس کا دلدادہ، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا (۳۵۸) اس کا خزانۃ الکتب علیحدہ تھا۔ یہ اور مستنصر دونوں بھائی کتب خانہ سازی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے (۳۵۹) لیکن یہ قبل از وقت خلیفہ بننے کی خواہش میں عیدالاضحیٰ کے دن باپ کے ہاتھوں ذبح ہوا پھر اس کا ذخیرۂ کتب اس کے بھائی الحکم الثانی کو مل گیا (۳۶۰)

(۳) المستنصر باللہ ابو العاصی کا کتب خانہ

المستنصر باللہ ابو العاصی الحکم بن عبدالرحمٰن بن محمد اموی اندلسی (۹۱۴-۹۷۶ء/ ۳۰۲-۳۶۶ھ) فقہ (۳۶۱) انساب کا ماہر، شاعر حدیث و دیگر علوم کا دلدادہ علم و علماء کا قدردان و معارف پرور تھا (۳۶۲) دور دور سے علماء کو بلاتا ان کی مجالس میں جاتا ان سے حدیثیں سنتا اور روایت کرتا تھا۔ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا ایسا شوقین تھا کہ اس نے اپنے خزانۃ العلوم کی بیشتر کتابوں کا مطالعہ کیا تھا (۳۶۳) اور تمام اصنافِ علوم و فنون پر اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ پہلے کسی بادشاہ نے نہیں کی تھیں (۳۶۴) اس نے عوام میں علم کی طلب کا جذبہ بیدار کیا اور اپنی داد و دہش کو ایشیا تک عام کیا تھا (۳۶۵)؛

ابو الفرج اصفہانی کو کتاب "الاغانی" کی تکمیل سے قبل ایک ہزار دینار بھیجے اس لیئے اس نے کتاب مذکور کا نہایت عمدہ نسخہ عراق میں نقل و اشاعت سے قبل ہی حکم کو بھیج دیا تھا اس نے بنی امیہ کے نسب، مناقب، مشاہیر کے تذکرہ پر کتاب لکھی اور قصیدہ میں بنی امیہ کے مناقب اور قریش میں ان کے مقام کو نظم کر کے حکم کو پہنچایا اور مزید انعام پایا(۳۶۶)

ابو علی قالی نے کتاب الامالی جس کا شمار ادب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے اس کے نام معنون کی اس سے اندلس میں لغت و ادب کا خوب چرچا ہوا(۳۶۷)

نامور ادیب و فقیہ ابو عبداللہ محمد خشنی قیروانی المتوفی ۳۶۱ھ نے حکم کے لئے ایک ہزار دیوان مرتب کیئے۔ اندلس کے اہلِ علم پر بھی کتاب لکھی جس سے ابن الفرضی نے بھی استفادہ کیا تھا(۳۶۸)

مستنصر "بیت المقابلہ والنسخ" میں جاتا اور علماء سے کتابوں کے متعلق گفتگو کرتا تھا۔ حکم نے محمد بن ابی الحسین کو ابو علی قالی کے ساتھ خلیل کی "کتاب العین" کی تصحیح کے لئے مقرر کیا مقابلہ کے لئے جو نسخے تھے ان میں قاضی منذر بن سعید کا وہ نسخہ بھی تھا جو موصوف نے خود نقل کیا اور ابنِ ولاد سے مصر میں روایت کیا تھا۔ مستنصر نے ان نسخوں کے متعلق دریافت کیا تو بتایا گیا کہ قاضی موصوف کا نسخہ سب سے زیادہ غلط ہے جب اس کے اغلاط کی نشاندہی کی گئی تو اسے بڑا تعجب ہوا(۳۶۹)

حمیدی نے حکم کے کتب خانے میں ابنِ عبد ربہ کی کتاب العقد الفرید کے بیس سے زیادہ جز دیکھے تھے ان پر مستنصر نے ابنِ عبد ربہ کی تاریخِ ولادت و وفات بھی لکھ دی تھی(۳۷۰)

حکم مغربی علماء سے مشرقی علماء کے مقابلہ پر کتابیں مرتب کراتا تھا۔ سنہ ۳۵۲ھ میں مستنصر نے رومیوں سے جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا اور بلند پایہ ادیب ابو محمد المعروف بابن الصفار المتوفی ۳۵۲ھ کو بھی جہاد میں شرکت کا حکم دیا۔ ابن الصفار نے ضعف کی وجہ سے معذرت کی، مستنصر نے کہا کہ اگر مشرقی و مغربی اموی خلفاء کے متعلق ایسی ہی کتاب لکھیں جیسی کہ صولی نے خلفاءِ بنی عباس کے متعلق لکھی ہے تو انہیں غزوہ میں شرکت سے معافی مل سکتی ہے۔

موصوف کے اس وعدہ پر کہ وہ یہ خدمت انجام دیں گے انہیں جہاد میں شرکت پر مجبور نہیں کیا گیا اور کہا گیا اگر وہ چاہیں تو یہ کتاب اپنے گھر بیٹھ کر اور چاہیں نہر کے کنارے دار الخلافہ میں لکھیں، انہوں نے محل میں بیٹھ کر لکھنے کو پسند کیا اور ایک مجلد تیار کر کے طلیطلہ میں حکم کو بھیجی۔ حکم اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا(۳۷۱)

حکم مشرق سے علمی مفاخرت و مسابقت کو پسند کرتا تھا چنانچہ فنِ جرح و تعدیل کے امام

ابو القاسم خالد قرطبی المتوفی ۳۵۲ھ کے متعلق کہتا تھا!

"اذا فاخرنا اهل المشرق بیحی بن معین فاخرنا هم بخالد بن سعید۔" (۳۷۲) "اہلِ مشرق اگر یحییٰ بن معین پر فخر کرتے ہیں تو ہم کو خالد بن سعید پر فخر ہے۔ خالد نے اندلس کے اہلِ علم پر ایک کتاب لکھ کر حکم کو پیش کی تھی (۳۷۳)

اس کے دلالِ کتب مشرق و مغرب میں گھومتے اور کتابیں ڈھونڈ کر حکم کو پہنچاتے تھے، بلادِ اسلامیہ میں اس کے وراق کتابیں نقل کر کے بھیجتے رہتے تھے بغداد میں محمد بن طرخان اسی کام پر مامور تھا (۳۷۴) کتب خانہ میں جن کتابوں کا مطالعہ کرتا ان کے شروع یا آخر میں حسبِ ذیل باتیں اپنے قلم سے لکھتا تھا:

(۱) مولف کا نام

(۲) مولف کا سال پیدائش و سالِ وفات،

(۳) کتاب کا اجمالی تعارف

(۴) کتاب کا راوی اور اس کا سلسلۂ روایت

حکم علوم و فنون سے خصوصی اعتناء و کثرتِ مطالعہ کی بناء پر بسا اوقات ایسی معلومات لکھ جاتا تھا جو کہیں اور نہیں ملتی تھیں اس کی پیش کردہ معلومات اہلِ فن میں معتبر و حجت سمجھی جاتی ہیں۔ مورخینِ اندلس ان کو بطور سند اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں (۳۷۵) اس کی علمی مجالس میں علماء، شعراء اور اطباء سب ہی حاضر ہوتے اور اس کی علمی معلومات سے مستفید ہوتے تھے چنانچہ حنین کی موت کا واقعہ ابنِ جلجل نے طبقات الاطباء والحکماء میں اس کے حوالہ سے نقل کیا ہے (۳۷۶)

اس نے اندلس کو علوم و فنون کی کتابوں سے بھر دیا تھا اس کا کتب خانہ گوناگوں علوم و فنون کی چار لاکھ کتابوں پر مشتمل تھا (۳۷۷) قصرِ شاہی کے کتب خانہ کے ملازم خاص تلید کا بیان ہے۔

"اس کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھیں اور ہر جلد پچاس ورق پر مشتمل تھی ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام درج تھے (۳۷۸) ان کتابوں پر اتنا روپیہ خرچ کیا تھا کہ خزانۂ شاہی میں ان کے رکھنے کے لئے جگہ نہیں رہی تھی چنانچہ ان کتابوں کو دوسری جگہ منتقل کرنے میں چھ مہینے لگے تھے۔" (۳۷۹)

یہ کتب خانہ اہلِ علم کی خدمت کرتا رہا تاآنکہ منصور بن ابی عامر کے غلام حاجب واضح نے حصار بربر کے موقعہ پر اس کی کتابیں فروخت کرائیں اور انہیں کتب خانہ سے خارج کر دیا باقی بربر کے قرطبہ میں داخلہ کے وقت لٹ گئیں اور کتب خانہ برباد ہو گیا (۳۸۰)

حکم ثانی نے (۳۵۱-۳۵۵ھ) کے مابین جامع قرطبہ بنوائی، اس کے مغربی گوشہ میں دارالصدقہ کھولا، صدقات تقسیم کئے، ضعفاء و مساکین کی تعلیم کے لئے جامع قرطبہ کے نواح میں تنخواہ دار معلم مقرر کئے، قرطبہ کے ہر ربض (فصیل شہر سے متصل آبادی) میں سنتالیس (۴۷) درسگاہیں قائم کی تھیں جن میں سے تین (۳) جامع قرطبہ کے حوالی (اطراف) میں تھیں(۳۸۱)

حکم ثانی کی معارف پروری کی وجہ سے دولتِ مروانیہ میں قرطبہ "قبۃ الاسلام" کے لقب سے ممتاز ہوا۔ نامور علماء و ارباب کمال کا مرکز بنا، روایتِ شعر کے لئے اس کی طرف سفر کیا جاتا۔ یہاں سے علوم کے چشمے پھوٹے، نظم و نثر کے شہسوار نکلے، عمدہ سے عمدہ کتابیں لکھی گئیں اور بہتر سے بہتر تصنیف کی گئی تھیں۔ ہمیشہ بحث و طلب کا بازار گرم اور علوم و فنون کا چرچا رہا، اس لئے اس کو تاریخ میں نہایت ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ اہلِ قرطبہ نے مغرب میں سب سے زیادہ علم اور کتابوں سے اعتناء کیا ہے(۳۸۲)

اس باب میں پہلے عباسی خلفاء کے کتب خانوں کا اور کتب خانوں کی ترقی میں ان کی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا پھر ان سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں، ہمسری کرنے والے خلفاء کے کتب خانوں اور ان کی کتابی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی۔ اس سے عباسی خلفاء کی کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کے اثرات، علمی بیداری، معارف پروری، کتابی ذخیروں میں ترقی، علم و اہلِ علم کی قدردانی، محققین و مصنفین کی حوصلہ افزائی و سرپرستی، کتب و کتب خانوں سے شیفتگی کی لہر اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب (اشیا، افریقہ اور یورپ) کے فرمانرواؤں میں دوڑی اور ان کی مملکتیں مرکزِ علم و فن بنیں اس کا اندازہ باسانی کیا جا سکتا ہے۔

اس تحریک سے وزراء، عمال، حکام و عوام میں جو علمی بیداری، کتابوں سے محبت و کتب خانہ سازی سے دلچسپی ہوئی اور انہوں نے اپنے محل سرا اور گھر میں حسبِ حیثیت و استطاعت چھوٹا بڑا کتب خانہ قائم کر کے افادہ و "استفادہ" کتب کو عام کیا اس کا تذکرہ باب چہارم میں کیا جاتا ہے۔

فہرستِ ماخذ

(۱) ابنِ حزم، الاحکام، ج ۵، ص ۱۰۴۔

(۲) الخطیب، ج ۲، ص ۶۸۔۶۹۔

(۳) الشاطبی، کتاب الاعتصام، (القاہرہ، مطبعہ المنار، ۱۳۳۱ھ) ج ۱ ص ۱۹۴۔

(۴) الخطیب، ج ۱۱، ص ۳۲۔

(۵) ج ۴، ص ۱۶۰۔

(۶) ایضاً، ج ۱۴، ص ۴۵۔

(۷) ایضاً، ج ۶، ص ۱۲۲۔

(۸) الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۳۹۔

(۹) الخطیب، ج ۷، ص ۲۰۲۔

(۱۰) المقدسی، ص ۴۱۵۔

(۱۱) ایضاً، ص ۱۷۹، ۱۸۳، ۲۰۸، ۴۳۹۔

(۱۲) ابنِ حوقل، ص ۳۱۷۔

(۱۳) السمعانی، ج ۲، ص ۴۵۱ ------ الذہبی، ص ۳۵۲۔ ۳۵۳۔

(۱۴) الخطیب، ج ۷، ص ۲۰۴۔

(۱۵) ایضاً، الذہبی، معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، تحقیق محمد سید جاد الحق (القاہرہ، دار الکتب الحدیثہ، ۱۳۶۹ھ) ج ۱، ص ۲۱۷۔

(۱۶) یاقوت، ج ۶، ص ۲۸۲۔

(۱۷) الخطیب، ج ۶، ص ۱۲۲۔

(۱۸) السبکی، ج ۲، ص ۲۸۵۔

(۱۹) ابنِ مفلح المقدسی، ج ۲، ص ۲۰۹۔

(۲۰) البخاری، ج ۱، ص ۱۴ و ۱۹ ------ رشید احمد الگنگوہی، لامع الدراری علی جامع البخاری، تحقیق محمد زکریا الکاندھلوی (سہارنفور، الہند، المکتبۃ الیحیویہ ۱۳۷۹ھ) ج ۱، ص ۴۲۔

(۲۱) الجصاص، ج ۳، ص ۱۱۶۔۱۱۷۔

(۲۲) ابنِ منظور، ج ۱۳، ص ۲۹۶ (مادہ رحل)۔

(۲۳) ابنِ خلکان، ج ۱، ص ۵۸۸------ المقری، ''ازھار الریاض فی اخبار عیاض'' تحقیق (القا وغیرہ القاہرہ، ۱۹۳۹ء) ج ۳ ص ۲۱۳۔

(۲۴) ابنِ کثیر، ج ۹، ص ۳۴۵۔

(۲۵) سیدیو (Sedfiilot) خلاصۂ تاریخ العرب، (مصر، مطبعہ محمد آفندی مصطفیٰ ۱۳۰۹ھ) ص ۱۱۳۔ ۱۱۴۔

(۲۶) ابنِ خلدون، ج ۴، ص ۳۱۷۔

(۲۷) علاء الدین مغلطای بن قلیج، سیرہِ مغلطای (مصر، مطبعہ السعادۃ، ۱۳۲۶ھ) ص ۱۰۲------ ابنِ کثیر، ج ۱۰، ص ۱۲۶۔

(۲۸) القفطی، ص ۱۶۰۔

(۲۹) صاعد، طبقات الامم (مصر، مطبعہ التقدم، ب، ت) ص ۶۴------ ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۳۷ و ۳۶۹------ القفطی، ص ۲۲۰ و ۲۷۰------ السیوطی ''تاریخ الخلفاء''، ص ۲۶۹۔

(۳۰) عیاض، ''ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک'' تحقیق احمد بکیر محمد بیروت، دار مکتبہ الحیاۃ، ۱۳۸۴ھ) ج ۱، ص ۱۹۱ و ۱۹۲------ ابنِ عبد البر، جامع بیان العلم و فضلہ (مصر، المطبعہ الخیریہ، ۱۳۲۵ھ) ج ۱، ص ۱۳۲------ السیوطی، تیزیین الممالک بمناقب الامام مالک (مصر، المطبعہ الخیریہ، ۱۳۲۵ھ) ص ۴۶۔

(۳۱) الخطیب، ج ۱، ص ۲۲۱۔

(۳۲) ایضاً، عواد، ص ۱۰۳ و ۱۰۵۔

(۳۳) الذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۶، ص ۲۳۰۔

(۳۴) مغلطای، ص ۱۰۳۔

(۳۵) عبد اللہ ابن المعتز، طبقات الشعراء فی مدح الخلفاء والوزراء، (لیدن، ای، جے، بریل، ۱۹۳۹ء) ص ۹۳۔

(۳۶) السیوطی، ص ۲۷۱۔ ۲۷۳۔

(۳۷) ابنِ تیمیہ، نقض المنطق، ص ۱۸۔۱۹۔

(۳۸) ابن الندیم، ص ۱۰۲------ مفضل الضبی، المفضلیات تحقیق و شرح احمد محمد شاکر عبد السلام ہارون، ط: ۳ (مصر، دار المعارف، ۱۹۶۴ء) ص ۱۱، مقدمتہ الشارحان۔

(۳۹) محمد بن شاکر الکتبی، فوات الوفیات، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید (مصر، مطبعہ السعادۃ، ۱۹۵۱ء) ج ۲، ص ۶۱۷۔

(۴۰) الذہبی، العبر، ج۱، ص ۳۱۳۔

(۴۱) الخطیب، ج ۱۴، ص ۶۔

(۴۲) ایضاً، ص ۷------ ابن الاثیر، ج ۶، ص ۲۱۷------ ابنِ کثیر، ج ۱۰، ص ۲۱۴۔

(۴۳) الخطیب، ج ۱۴، ص ۱۱۔

(۴۴) ابن الطقطقی، ص ۱۹۶۔

(۴۵) القفطی، ص ۳۰، و ۳۱------ حاجی خلیفہ ج۱، ص ۳۴ و ۳۵۔

(۴۶) ابن الندیم، ص ۳۸۲------ القفطی، ۲۵۵------ ذبیح اللہ صفا، تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی تا اواسط قرن پنجم، چاپ دوم (تہران، چاپخانہ، دانشگاہ، ۱۳۳۶ف) ص ۵۹۔

(۴۷) الانباری، نزہتہ الباء، ص ۱۲۲۔

(۴۸) ابن الندیم، ص ۱۵۴------ یاقوت، ج ۵، ص ۶۶، صفا، ص ۴۸۔

(۴۹) القفطی، ص ۳۸۰------ ابن ابی اصیبعہ ج ۲، ص ۱۲۴۔

(۵۰) الذہبی، العبر، ج۱ ص ۲۷۸ (لہ) دول الاسلام، ط: ۳، (حیدر آباد الدکن، مطبعہ جمعیتہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۶۴ھ) ج۱، ص ۸۴)۔

(۵۱) الذہبی، العبر، ج۱، ص ۲۷۸------ ایضاً، ص ۸۳۔

(۵۲) حمادہ، ص ۵۶ و ۵۷۔

(۵۳) سلیمان بن حسان ابن جلجل، طبقات الاطباء والحکماء تحقیق فواد سید (القاہرہ، مطبعہ المعہد العلمی الفرنسی للآثار الشرقیہ، ۱۹۵۵ء) ص ۶۵------ القفطی، ص ۳۸۰------ ابن ابی اصیبعہ ج ۲، ص ۱۲۴۔

(۵۴) ابن الندیم، ص ۳۷۱۔

(۵۵) صفا، ج۱، ص ۴۲۔

(۵۶) مغلطای، ص ۱۰۵۔

(۵۷) ابن الندیم، ص ۱۶۸ التمیمی ج۱ ص ۳۴۷،

(۵۸) ایضاً۔

(۵۹) ابنِ کثیر، ج ۱۰، ص ۲۷۵۔

(۶۰) الکتبی، ج۱، ص ۵۰۱۔

(۶۱) السبکی، ج۱، ص ۲۰۷، (المطبعہ الحسینیہ،) ابنِ تغری بردی، ج ۲، ص ۲۲۵ التمیمی ج۱، ص ۳۴۸۔

(۶۲) صفا، ج ۱، ص ۴۲۔

(۶۳) ابنِ تیمیہ نقض المنطق ص ۱۸۔۱۹۔

(۶۴) الخوارزمی، کتاب الجبر والمقابلہ، تحقیق علی مصطفیٰ مشرفہ و محمد سری احمد، ط: ۲، (القاہرہ، دار الکتاب العربی للطباعہ والنشر، ۱۹۶۸ء) ص ۱۵ و ۱۶۔

(۶۵) الذہبی، العبر، ج ۱، ص ۳۷۵۔

(۶۶) صاعد، ص ۶۴ و ۶۵۔

(۶۷) ابن الندیم، ص ۳۳۹ ------ ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۴۳۔

(۶۸) احمد فرید الرفاعی، عصر المامون، ط: ۴ (القاہرہ، مطبعہ دار الکتب المصریہ، ۱۳۴۶ھ) ج ۱، ص ۳۷۵ و ۳۷۶ ------ حمادہ، ص ۶۱۔

(۶۹) ابن الندیم، ص ۳۳۹ و ۴۰۹ ------ القفطی، ص ۱۷۳۔

(۷۰) ایضاً۔

(۷۱) القفطی، ص ۳۰۔

(۷۲) ابن الندیم، ص ۳۹۳۔

(۷۳) ابنِ جلجل، ص ۶۷۔

(۷۴) احمد امین، ضحی الاسلام، ط: ۵ (القاہرہ، مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، ۱۳۷۱ھ) ج ۲، ص ۶۵۔

(۷۵) دریپر، یورپ کا ارتقاء ذہنی، بحوالہ طبقات الامم، اردو ترجمہ قاضی احمد میاں اختر، (اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۳۴۶ھ) ص ۸۳ و ۸۴ ------ رومی بادشاہ Leo کے نام خط کا تذکرہ نکلسن (R.A.Nicholson) نے

A Literary Hisotry of the Arabs, 2 ed. rev; London: Cambridge Univeristy Press, 1958, p. 359.

میں اور ہٹی نے A History of the Arabs, p.310 میں کیا اور کہا ہے کہ یہ خط طلب کتب کے لئے لکھا تھا ممکن ہے اس خط کا ایک حصہ کتابوں کی طلب پر بھی مشتمل ہو۔ خلاصہ تاریخ العرب از سیدیو، ص ۱۱۰۔

(۷۶) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۴۴ و ۱۶۰ ------ صفا، ج ۲، ص ۶۵ و ۶۶۔

(۷۷) الرفاعی، ج ۱، ص ۳۸۱۔۳۸۷۔

(۷۸) ایضاً، ص ۳۸۷۔۳۸۸۔

(۷۹) ایضاً، ص۳۸۸۔ ۳۹۲۔

(۸۰) ایضاً، ص۳۹۲۔

(۸۱) ایضاً، ص۳۹۳۔

(۸۲) ابن الندیم، ص۷، ۸، ۲۹، ۳۲۔

(۸۳) ایضاً، ص۷، ۸۔

(۸۴) ایضاً۔

(۸۵) ایضاً، ص۲۹۔

(۸۶) محمد کرد علی، امراء البیان (القاہرہ، مطبع لجنہ التالیف والترجمہ والنشر، ۱۳۵۵ھ) ص۱۵۲------الرفاعی ج۱، ص۳۷۵------ حمادہ، ص۶۶۔

(۸۷) The Encyclopaedia of Islam, 2ed, (Lieden, E.J. Brill, 1960,) Vol, I, p. 1141.-- Hitti, p. 310

(۸۸) Nicholson, p. 358-359.

(۸۹) القفطی، ص۳۵۷۔

(۹۰) ہٹی، ص۴۱۰۔

(۹۱) الخطیب، ج۱۴، ص۱۵۰۔

(۹۲) ابن الندیم، ص۹۹۔

(۹۳) خیرالدین الزرکلی، الاعلام قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، ط: ۳ (بیروت، الزرکلی، ۱۹۷۰ء) ج ۸، ص۲۷۳------ عمر رضا الکحالہ، معجم المولفین، تراجم مصنفی الکتب العربیہ (دمشق مطبع الترقی ۱۳۸۰ھ) ج۱۳، ص۴۰۔

(۹۴) نکلسن، ۳۵۹۔

(۹۵) ہٹی، ص۴۱۰۔

(۹۶) حمادہ، ص۶۹۔

(۹۷) ایضاً، ص۵۳۔

(۹۸) ابن الندیم، ص۱۵۴۔

(۹۹) ایضاً، ص۱۴۔

(۱۰۰) المسعودی، ج۴، ص۱۹۔ عبدالعزیز بن یحیٰ الکنانی کتاب الحیدہ تحقیق جمیل حلیبا (دمشق،

۱۳۸۴ھ ص۱۴۹) الکنانی ص۱۴۹۔

(۱۰۱) مصطفیٰ جواد، دلیل خارطہ بغداد المفصل، ص۱۳۰۔

(۱۰۲) الخطیب، ج ۱۴، ص۱۴۹، ۱۵۰----- یاقوت، ج ۷، ص۲۷۷۔

(۱۰۳) الخطیب، ج ۱۴، ص۱۵۰----- ابن کثیر، ج ۱۰، ص۲۶۱۔

(۱۰۴) بن عساکر، التاریخ الکبیر ج / ص۴۵۶۔

(۱۰۵) صفا، ج۱، ص۸۔

(۱۰۶) ابن الندیم، ص ۳۸۳، ۳۸۴----- القفطی، ص۲۰۶، ۲۰۷، ۳۵۷----- مصطفیٰ جواد، دلیل خارطہ بغداد، ص۱۳۱----- حمادہ، ص ۵۳----- ہٹی، ص ۳۷۳، ۳۷۵۔

(۱۰۷) القفطی، ص۲۱۹، ۲۴۰، ۲۴۱۔

(۱۰۸) ایضاً، ص۲۴۲۔

(۱۰۹) ایضاً، ص۲۱۹۔

(۱۱۰) ایضاً، ص۳۵۰۔

(۱۱۱) ابن ابی اصیبعہ، ج۲، ص ۱۴۴۔

(۱۱۲) ایضاً۔

(۱۱۳) محمد کرد علی، رسائل البلغاء، ط: ۴ (القاہرہ مطبعہ لجنتہ التالیف والترجمہ والنشر، ۱۳۷۰ھ) ص۴۷۹-۴۸۰----- حمادہ، ص۱۵۴۔

(۱۱۴) الرفاعی، ج۱، ص۳۸۱۔

(۱۱۵) ایضاً، ص۳۸۱- ۳۸۳۔

(۱۱۶) ایضاً، ص۳۸۳-۳۸۵۔

(۱۱۷) ایضاً، ص۳۸۵-۳۸۷۔

(۱۱۸) ایضاً، ص۳۸۷-۳۸۸۔

(۱۱۹) ایضاً، ص۳۸۸-۳۹۲۔

(۱۲۰) ایضاً، ص ۳۹۳۔

(۱۲۱) ابن ابی اصیبعہ، ج۲، ص ۱۴۳----- ابن الندیم، ص ۳۴۴۔

(۱۲۲) ابن ابی اصیبعہ (مصر، المطبعہ الوھبیہ، ۱۲۹۹ھ) ج۱ص، ۲۰۷۔

(۱۲۳) حمادہ، ص۶۵۔

(۱۲۴) المسعودی، التنبیہ والاشراف تصحیح عبداللہ اسماعیل الصاوی، (مصر، دارالصاوی، للطبع والنشر

والتالیف، ۱۳۵۷ھ) ص ۳۰۔

(۱۲۵) ابن کثیر، ج ۱۰، ص ۲۷۵۔

(۱۲۶) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۵۳۔

(۱۲۷) الخطیب، ج ۷، ص ۱۷۰------ السیوطی، ص ۳۴۶۔

(۱۲۸) ابن تیمیہ، نقض المنطق ص ۲۰۔

(۱۲۹) الذہبی، ترجمۃ الامام احمد، ص ۸۲۔

(۱۳۰) ابن الندیم، ص ۳۰۸۔

(۱۳۱) ایضاً، ص ۴۳۷۔

(۱۳۲) محمد بن عمران المرزبانی، معجم الشعراء، تحقیق عبدالستار احمد فراج (مصر عیسیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۹ھ) ص ۴۰۱۔

(۱۳۳) المسعودی، ج ۴، ص ۱۸۹۔

(۱۳۴) ایضاً، ص ۱۹۲، ۱۹۳------ عواد، ص ۱۰۲۔

(۱۳۵) خطیب نے تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۴۰۳ میں طلحہ کے بجائے محمد نقل کیا ہے۔

(۱۳۶) الکتبی، ج ۱، ص ۸۴------ ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۹۲------ السیوطی، ص ۳۷۲۔

(۱۳۷) مغلطای، ص ۱۰۹۔

(۱۳۸) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۹۴۔

(۱۳۹) ابن الندیم، ص ۹۰------ یاقوت، ج ۱، ۵۸------ القفطی، ج ۱، ص ۱۶۴۔

(۱۴۰) ایضاً۔

(۱۴۱) ایضاً۔

(۱۴۲) ایضاً ص ۱۴۱۔

(۱۴۳) ابن کثیر، ج ۸، ص ۸۴، ابن الاثیر، ج ۷، ص ۴۵۳------ ابن الجوزی، ج ۵، ص ۱۲۲------ السیوطی، ص ۳۷۰۔

(۱۴۴) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۹۲۔

(۱۴۵) ایضاً، ص ۱۹۴۔

(۱۴۶) Riew (c) Supplement to the Catalogaue of the Arabic manuscript in the British Museum (London, British Museum 1894) No,. 823, p. 561

عواد، ص ۱۱۴۔

(۱۴۷) الکتبی نے (فوات الوفیات، ج ۲، ص ۸۷) میں محمد کے بجائے طلحہ نقل کیا جو درست نہیں ہے۔

(۱۴۸) المرزبانی، ص ۱۵۲------الکتبی، ج ۲، ص ۸۸۔

(۱۴۹) علی بن محمد الشابشتی، الدیارات، تحقیق کورکیس عواد، ط: ۲، ہ (بغداد، مطبعہ المعارف، ۱۹۵۱ء) ص ۱۰۰------عواد، ص ۱۱۴۔

(۱۵۰) ابن الندیم، ص ۳۰۔

(۱۵۱) المقریزی، ج ۲، ص ۲۵۵۔

(۱۵۲) الخطیب، ج ۲، ص ۱۴۳------المرزبانی، ص ۴۳۰------مغلطای ص ۱۱۱، الکتبی، ج ۲، ص ۳۷۵۔

(۱۵۳) المسعودی، ج ۴، ص ۳۳۶------الذہبی، العبر، ج ۲، ص ۲۱۹، ۳۷۵------الصفدی، ج ۲، ص ۲۹۷------ابن الاثیر، ج ۸، ص ۳۶۷۔

(۱۵۴) الصولی، ص ۲۴، ۲۵۔

(۱۵۵) ایضاً، عواد، ص ۱۱۶۔

(۱۵۶) الصولی، ص ۴۰------عواد، ص ۱۱۶۔

(۱۵۷) ابن الجوزی ج ۶، ص ۲۹۳------ابن الاثیر، ج ۸، ۲۶۴------ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۱۸۸------ابن تغری بردی، ج ۳، ص ۲۶۲، ۲۶۳------عواد، ص ۱۱۷۔

(۱۵۸) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۹۵------ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۱۰------ابن الکتبی، ج ۱، ص ۴۳۲۔

(۱۵۹) عواد، ص ۱۱۷، ۱۱۸۔

(۱۶۰) ایضاً۔

(۱۶۱) الکتبی، ج ۱، ص ۴۸۹۔

(۱۶۲) عواد، ص ۱۱۵۔۔

(۱۶۳) ایضاً، ص ۱۱۹۔

(۱۶۴) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۲۶۰------عواد، ص ۱۱۹۔

(۱۶۵) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۲۶۳۔

(۱۶۶) ابن رجب، ج ۱، ص ۲۵۲------العلیمی، ج ۲، ص ۲۸۷۔

(۱۶۷) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲، ص ۷۳۹۔

(۱۶۸) الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۲۲۳۔ ۲۲۴۔

(۱۶۹) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۳۰۴۔

(۱۷۰) ابن الطقطقی، ص ۳۲۲------ المقریزی، کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک، تحقیق محمد مصطفیٰ زیادہ (القاہرہ، مطبعہ دار الکتب المصریہ، ۱۹۳۴ء) ج، ق ۱، ص ۲۱۷۔ ۲۱۸۔

(۱۷۱) السیوطی، ص ۴۵۱۔

(۱۷۲) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲ ص ۱۳۷۔

(۱۷۳) ایضاً۔

(۱۷۴) الصفدی، ج ۲، ص ۹۶۔

(۱۷۵) الدمشقی، ج ۱، ص ۱۸۰۔

(۱۷۶) ابنِ خلکان، ج ۱، ص ۴۴۔

(۱۷۷) ابنِ الطقطقی، ص ۳۲۲۔

(۱۷۸) ابنِ خلدون، ج ۴، ص ۳۱۷۔

(۱۷۹) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۱، ص ۴۲۱۔ ۴۲۲------ ابنِ کثیر، ج ۱۳، ص ۶------ ابنِ الاثیر، ج ۱۲، ص ۱۰۴------ ابن تغری بردی، ج ۶، ص ۱۳۲------ عواد، ص ۱۸۹------ مصطفیٰ جواد، دلیل خارطہ بغداد، ص ۱۸۵۔

(۱۸۰) القفطی، ص ۲۶۹------ مصطفیٰ جواد، ۱۸۷۔

(۱۸۱) سبط ابنِ الجوزی، ج ۸، ق ۲ ص ۷۳۹۔

(۱۸۲) ابن الفوطی، ص ۱۵۶۔

(۱۸۳) ابنِ الطقطقی، ص ۳۳۰۔

(۱۸۴) السیوطی، ص ۴۶۰، ۴۶۱------ ابن تغری بردی، ج ۶، ص ۳۴۵۔

(۱۸۵) ابن الفوطی، ص ۵۴------ عواد، ص ۱۲۲۔

(۱۸۶) ابنِ کثیر، ج ۱۳، ص ۱۴۰۔

(۱۸۷) ابنِ الفوطی، ص ۱۸۴------ عواد، ص ۱۲۵۔

(۱۸۸) ابنِ الطقطقی، ص ۳۳۳، ۳۳۴۔

(۱۸۹) عبدالمومن بن عبدالحق، مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع، تحقیق علی محمد البجاوی، (القاہرہ، عیسی البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ) ج ۳، ص ۱۳۲۲------ عواد،

ص۱۲۲-۱۲۵۔

(۱۹۰) الملک الاشرف الغسانی، العسجد المسبوک والجوہر المحکوک فی طبقات الخلفاء والملوک تحقیق شاکر محمود عبدالمنعم (بغداد دارالبیان، ۱۳۹۵ھ) ص۵۱۶۔

(۱۹۱) ابنِ الفوطی، ص ۱۶۳۔

(۱۹۲) ابنِ الطقطقی، ص ۳۳۴۔

(۱۹۳) الخطیب، ج۸، ص۸۶۹------ابن الاثیر، ج۷، ص۱۵۔

(۱۹۴) ابنِ خلکان، ج۱، ص۲۶۱۔

(۱۹۵) الذہبی، العبر، ج۱، ص۴۰۶۔

(۱۹۶) الثعا..لبی، ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم (القاہرہ، مطبعہ المدنی، ۱۳۸۴ھ) ص ۳۸۴، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱۔

(۱۹۷) ابن الندیم، ص ۱۰۰۔

(۱۹۸) ابنِ الاثیر، ج۷، ص ۱۴۔

(۱۹۹) الخطیب، ج۹، ص ۳۵۳۔

(۲۰۰) القفطی ج۱، ص۷۶، یاقوت ج۱، ص۱۱۸-۱۲۳، الصفدی، نکت الھمیان ص ۹۶-۹۹، السیوطی۔ بغیۃ الوعاۃ، ج۱ ص۳۰۵، (لہ) المزہر ج ۲، ص۴۱۱۔

(۲۰۱) ابنِ المعتز، طبقات الشعراء، تحقیق عبدالستار احمد فراج، ط : ۲، (القاہرہ، دارالمعارف ۱۹۶۸)۔ ص۱۲۸۷ ابن الندیم ص ۷۲-۷۳۔

(۲۰۲) الحسن بن بشر الامدی، الموازنہ بین شعرابی تمام والبحتری تحقیق احمد صقر، (مصر ۱۳۸۰ھ)، دارالمعارف ج۱ ص۲۰۔

(۲۰۳) ابن الندیم، ص ۶۴۔

(۲۰۴) یاقوت، معجم البلدان، ج۵، ص۲۳۹

(۲۰۵) ایضاً، ج۳، ص۵۰۳

(۲۰۶) الخطیب، ج۱۲، ص۴۰۴

(۲۰۷) القفطی، ج۲، ص۶۴

(۲۰۸) ایضاً، ص۷۷، ۷۸۔ محمد بن احمد الازہری، تہذیب اللغۃ، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون (القاہرۃ، دارالقومیۃ العربیۃ للطباعۃ، ۱۳۸۴ھ) ج۱، ص۲۵

(۲۰۹) ضفا، ص۳۵

(۲۱۰) ابن الاثیر، ج ۸، ص ۵۶۳، ج ۹، ص ۱۷۳، الذھبی، العبر، ج ۳، ص ۷۰

(۲۱۱) لطف اللہ ہنرفر، فرہنگ دوستی و ہنرپروری در آئینِ پادشاہانِ ایران، ہنر و مردم (شہریور و مہرماہ، ۱۳۵۰ف) شمارہ ۱۰۷ و ۱۰۸، ص ۶-۷

(۲۱۲) السمعانی، ورق ۲۹۱

(۲۱۳) ایضاً، یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۱۹۲

(۲۱۴) محمد بن عبد الجبار العتبی، آئینہ چینی ترجمہ تاریخ یمینی وکیل احمد سکندر پوری (لکھنؤ، مطبع مصطفائی، ۱۳۰۵ھ) ص ۹۲۔ ابن خلدون ج ۴، ص ۷۸۳۔ صفا، ص ۲۳۴

(۲۱۵) ان الاثیر، ج ۹، ص ۱۷۳

(۲۱۶) العتبی، ص ۹۲۔ ابن خلدون، ج ۴، ص ۷۸۳۔ صفا، ص ۱۷۷

(۲۱۷) خلیلی، سلطنت غزنویان (کابل، مطبع عمومی، ۱۳۳۳ف)

(۲۱۸) یاقوت، معجم البلدان، ج ۳، ص ۱۹۲

(۲۱۹) المقدسی، ۲۹۴

(۲۲۰) حاجی خلیفہ، ج ۱، ص ۶۸۳

(۲۲۱) ابنِ ابی اصیبعہ، ج ۳، ص ۴، ۶۔ ابن سینا، سرگذشت ابن سینا بقلم خود و شاگردش ابو عبید عبدالواحد جوزجانی باترجمہ فارسی، بمقدمہ سعید نفیسی (تہران، انجمن دوستدارانِ کتاب، ۱۳۳۱ف) ص ۴ و ۵

(۲۲۲) ابن کثیر، ۱۲، ص ۴۲۔ نکلسن، ص ۲۶۵، ۲۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۶۴ع) ج ۱، ص ۵۶۰

(۲۲۳) حاجی خلیفہ، ج ۱، ص ۶۸۳

(۲۲۴) یاقوت، ج ۲، ص ۳۱۵

(۲۲۵) ایضاً ج ۳، ص ۹۹

(۲۲۶) ایضاً ج ۳، ص ۱۰۰

(۲۲۷) المقدسی، ص ۲۹۴

(۲۲۸) احمد امین، ظہر الاسلام، ط: ۳ (القاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، ۱۳۶۴ھ) ج ۱، ص ۲۶۱

(۲۲۹) الذھبی، العبر، ج ۲، ص ۴۲-۴۳

(۲۳۰) احمد عیسی بک، تاریخ البیمارستانات فی الاسلام (دمشق، جمعیۃ التمدن الاسلامی ۱۳۵۷ھ) ص ۳۹ و ۷۱، حسن قاسم "الجامعۃ الطولونیۃ اول کلیۃ الطب فی مصر" لواء الاسلام ج ۲

ص ۱۰ جمادی الاخرہ ۱۳۶۸ ص ۶-۱۶

(۲۳۱) ابن خلدون، ج ۴، ص ۱۰۹۷

(۲۳۲) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۲۹۶

(۲۳۳) رکن الدین همایوں فرخ، "تاریخچہ" کتاب و کتابخانہ در ایران، ہنر و مردم، (مرداد ماہ، ۱۳۴۶ ف) شمارہ ۵۸، ص ۱۷

(۲۳۴) ایضاً

(۲۳۵) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۲۷۲-ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۵۴

(۲۳۶) ایضاً

(۲۳۷) ابن تیمیہ، نقص المنطق، ص ۲۰

(۲۳۸) احمد بن محمد مسکویہ، تجارب الامم، (مصر، شرکتہ التمد..ن الصناعیہ، ۱۳۳۳ھ) ج ۲، ص ۳۴۶-ابن الاثیر، ج ۶، ص ۳۱۴ و ج ۸، ص ۵۸۳، ۵۸۴- مز، ص ۲۴۶

(۲۳۹) ابن مسکویہ، ج ۲، ص ۲۴۷-ابن الاثیر، ج ۸، ص ۵۸۴- عواد، ص ۲۲۳

(۲۴۰) ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۱۶، السیوطی، بغیتہ الوعاۃ فی طبقات اللغویین و النحاۃ تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم (مصر، عیسی البابی الحلبی، ۱۳۸۴ھ) ج ۲، ص ۲۴۷

(۲۴۱) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۰۰-الذہبی، العبر، ج ۲، ص ۳۶۱-السیوطی، بغیتہ الوعاۃ، ج ۲، ص ۲۴۷-۲۴۸

(۲۴۲) الثعالبی، ج ۲، ص ۲۱۶

(۲۴۳) المقدسی، ص ۴۴۹

(۲۴۴) ابن الاثیر، ج ۹، ص ۳۷۲

(۲۴۵) ایضاً، ص ۴۳۶

(۲۴۶) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۱، ص ۲۶

(۲۴۷) ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۷۷، ۱۷۸

(۲۴۸) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۰-ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۴۴۸

(۲۴۹) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۴۴۸-ابن خلدون، ج ۴، ص ۲۰۹

(۲۵۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۹، کراسہ ۱، ص ۲۲

(۲۵۱) زامباور، معجم الانساب و الاسرۃ الحاکمتہ فی التاریخ الاسلامی، ترجمہ زکی محمد حسن و حسن احمد محمود (القاہرۃ، مطبعہ جامعہ فواد الاول، ۱۹۵۱ء ج ۲، ص ۳۱۶، ابن الاثیر، ج ۹، ص ۱۳۲

(۲۵۲) البیہقی، ص۸۸

(۲۵۳) حاجی خلیفہ، ج۲، ص۱۴۵۳

(۲۵۴) فاضل صالح سامرائی، دراسات النحویہ و اللغویہ (بغداد، دارالنذیر للطباعۃ و النشر و التوزیع، ۱۹۷۰ء) ص۹

(۲۵۵) محمد بن خاوند شاہ معروف اخوند میر، روضہ الصفانی سیرۃ الانبیاء و الملوک و الخلفاء (لکھنؤ، نو لکشور، ۱۹۱۴ء) ج۴، ص۱۲۸۔ زامباور، ج۲، ص۳۱۷

(۲۵۶) وطواط رشید الدین، رشید وطواط یا کتاب حدائق السحر فی دقائق، السحر، تحقیق سعید نفیسی (تہران، کتابخانہ بارانی، ۱۳۳۹ف) ص۳۲، مقدمہ نفیسی

(۲۵۷) ابن الاثیر، ج۱۱، ص۷۷۳۔ زامباور، ج۲، ص۳۱۷۔ اخوند میر، ج۴، ص۱۲۸۔۱۲۹

(۲۵۸) وطواط، ص۳۱ (مقدمہ نفیسی)

(۲۵۹) الرازی، جامع العلوم و حدائق الانوار الملقب بہ ستینی یعنی ساٹھ علوم والی مترجم اردو عبدالرحیم (لاہور، کاشی رام پریس، ب، ت) ص۱۔ لطف اللہ ہنر و مردم، ۱۳۵۰ف) شمارہ ۱۰، ۱۰۸، ص۱۱، ۱۲ فرہنگ دوستی و ہنرپروری در آئین پادشاہان ایران، ہنر و مردم (مہرماہ، ۱۳۵ف) شمارہ، ۱۰، ۱۰۸، ص۱۱۔۱۲

(۲۶۰) ابن الاثیر، ج۹، ص۴۰۱۔ السبکی، ج۵، ص۳۲۰۔ عبدالحی الحسنی اللکھنوی، نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع النواظر (حیدر آباد الدکن، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۲۳۶۶ھ) ج۱، ص۹۵۔ الذہبی، العبر، ج۳، ص۱۴۵

(۲۶۱) الفارسی، منتخب السباق، ورق ۱۲۱

(۲۶۲) تاریخ العتبی مع شرحہ الفتح الوہبی علی تاریخ ابی نصر العتبی لاحمد المنینی (مصر، المطبعۃ الوہبیۃ، ۱۲۸۶ھ) ج۲، ص۲۹۹

(۲۶۳) محمد قاسم ہندو شاہ، تاریخ فرشتہ، (لکھنؤ، نو لکشور، ۱۳۸۱ھ) ص۳۰

(۲۶۴) احمد امین، ظہر الاسلام، ج۱، ص۲۸۰

(۲۶۵) ایضاً، ص۲۸۲

(۲۶۶) ابن تیمیہ، نقض المنطق صفحہ ۲۔۲۱

(۲۶۷) مسعود بن شیبہ السند. .ی، کتاب التعلیم تحقیق محمد عبدالرشید النعمانی (حیدر آباد السند، باکستان الغربی، لجنۃ احیاء الارب السندی، ۱۳۸۴ھ) ص۲۸۳۔ القرشی، ج۲، ص۱۵۷

(۲۶۸) Brown, Literary History of Persia, Vol.2, p.92

احمد امین، ظہرالاسلام، ج۱، ص۲۸۶

(۲۶۹) ایضاً

(۲۷۰) عبدالقاہر بن طاہر البغدادی، الفرق بین الفرق و بیان الفرقۃ الناجیۃ منہم تحقیق محمد زاہد الکوثری (القاہرۃ، عزت العطار الحسینی، ۱۳۶۷ھ)، ص ۱۷۳، ۱۷۴۔ السمعانی، ج۳، ص۱۰، ۱۱۔ السبکی، ج۵، ص۳۱۹۔ ۳۲۰

(۲۷۱) جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیہ تحقیق شوقی ضیف (القاہرۃ، دار الهلال، ۱۹۷۵ء) ج۲، ص۳۱۶

(۲۷۲) یاقوت، ج۶، ص۳۱۰

(۲۷۳) ابن الاثیر، ج۹، ص۴۸۷

(۲۷۴) یاقوت، ج۶، ص۳۰۸

(۲۷۵) عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام (اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۹۵۳ء) ج۱، ص۳۶۴، ۳۶۵

(۲۷۶) اس کا عربی میں سلسلہ نسب احمد بن الحسن بن محمد بن داود بن میکال بن سلجوق ہے (الذھبی، العبر، ج۴، ص۱۴۷)

(۲۷۷) ابن خلکان، ج۱، ص۲۱۷۔ الذھبی، ج۴، ص۱۴۷

(۲۷۸) ابن الاثیر، ج۱۱، ص۱۸۲

(۲۷۹) البیہقی، ص۱۰۰

(۲۸۰) ابن کثیر، ج۱۳، ص۳۴

(۲۸۱) ابن الاثیر، ج۱۲، ص۱۸۱

(۲۸۲) ایضاً، ص۱۸۲۔ القزوینی، ص۴۳۰

(۲۸۳) الصفدی، ج۳، ص۸۳

(۲۸۴) المنذ..ری، ج۲، ص۴۱۲

(۲۸۵) منہاج الدین عثمان جوزجانی، طبقات ناصری تحقیق عبدالحی حبیبی، بار دوم (کابل، یوهنی مطبع کابل، ۱۳۴۲ھ) ج۱، ص۲۸۰۔ رکن الدین ہمایوں فرخ، تار..یخچہ کتاب و کتابخانہ در ایران، ہنر مردم (مرداد ماہ، ۱۳۴۶ف) شمارہ ۵۸، ص۱۸

(۲۸۶) بہاء الدین محمد بن حسن بن اسفندیار، تاریخ طبرستان (تہران، کتابخانہ خاور، ب، ت) ج۱، ص۴۔ ہمایوں فرخ، تاریخچہ کتاب کتابخانہ در ایران، ہنرو سردم (مرداد ماہ، ۱۳۴۶ف) شمارہ ۵۸، ص۱۸

(۲۸۷) فواد سید، ’’مخطوطات الیمن‘‘ مجلۃ المعہد المخطوطات العربیہ (ج ۱، شمارہ ۲، ۱۹۵۵ء) ص ۱۹۵ـ۱۹٦

(۲۸۸) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۳۲۸

(۲۸۹) حمزہ ابن القلانسی، ذیل تاریخ دمشق (بیروت، مطبع الاباء الیسوعیین، ۱۹۰۸ء) ص ۳۲۹ـ ابن تغری بردی، ج ۵، ص ۵۴٦ـ سبط ابن الجوزی، ج ۱، ص ۲۱۸ـ۲۱۹

(۲۹۰) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۳۲۸

(۲۹۱) الصفدی، ج ۱، ص ۲۷۱

(۲۹۲) ایضاً، ج ۱، ص ۲۸۸

(۲۹۳) ایضاً، ج ۱، ص ۱۷۳

(۲۹۴) محمد مرتضیٰ الزبیدی، ترویح القلوب فی ذکر الملوک بنی ایوب تحقیق صلاح الدین المنجد (دمشق، مطبع الترقی، ۱۹۷۰ء) ص ۹۹

(۲۹۵) الصفدی، ج ۸، ص ۲۸۳

(۲۹٦) المنذری، ج ۴، ص ۲۲۴ـ۲۵۵

(۲۹۷) ابن الاثیر، ج ۱۲، ص ۳۱۲ـ سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۵۷۹ـ ابو شامہ، ذیل الروضتین، ص ۹۴، ۹۵ـ ابن الفوطی، ج ۴، ق ۲، ص ۱۱۹۹

(۲۹۸) یاقوت، ج ٦، ص ۱۴۷، ۱۴۸

(۲۹۹) الکتبی، ج ۲، ص ۴۹۹ـ المقریزی، السلوک، ج ۱، ق ۱، ص ۲۰۵

(۳۰۰) الکتبی، ج ۲، ص ۴۹۹ـ زین الدین عمر ابن مظفر الوردی المصری، تتمۃ المختصر فی اخبار البشر المعروف بتاریخ ابن الوردی (مصر، المطبع الوہبیہ ۱۲۸۵ھ) ج ۲، ص ۱۳۹ـ الصفدی، ج ۴، ص ۱۸٦ـ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۹۳

(۳۰۱) الکتبی، ص ۲۹۹ـ ابو الفداء، ج ۳، ص ۱۲۵

(۳۰۲) ابن تغری بردی، ج ٦، ص ۲٦۷

(۳۰۳) ابن العماد، ج ۵، ص ۱۱۵ـ المقریزی، السلوک، ج ۱، ق ۱، ص ۲۲۴

(۳۰۴) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲، ص ٦۴۷ـ ابن الاثیر، ج ۱۳، ص ۱۲۱

(۳۰۵) ایضاً، ص ٦۴۹، ٦۵۰

(۳۰٦) ایضاً، ص ٦۴۷

(۳۰۷) حاجی خلیفہ ج ۱، ص ۵٦۸ ابن العماد، ج ۵، ص ۱۱۵ـ عبد القادر النعیمی، الدارس فی تاریخ

المدارس تحقیق جعفر الحسنی (دمشق، مطبعۃ الترقی، ۱۳۶۷ھ) ج ۱، ص ۵۷۹

(۳۰۸) سبط ابن الجوزی، ص ۶۴۷۔ النعیمی، ج ۱، ص ۵۸۰

(۳۰۹) فتح بن علی البنداری، الشاہنامہ للفردوسی جمعھا البنداری تحقیق عبدالوہاب عزام (القاہرۃ، مطبعۃ دار الکتب المصریۃ، ۱۹۳۲ء) ص ۳

(۳۱۰) یاقوت، ج ۶، ص ۳۲۸

(۳۱۱) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۹۸

(۳۱۲) الذہبی، العبر، ج ۵، ص ۲۲۹، ۲۳۰۔ ابن تغری بردی، ج ۷، ص ۶۱، ۷۲۔ القلقشندی، ج ۴، ص ۱۷۵

(۳۱۳) الیونینی، ج ۱، ص ۱۳۶

(۳۱۴) ایضاً، ص ۱۴۵۔ الکتبی، ج ۱، ص ۳۱۲

(۳۱۵) الصفدی، امراء دمشق تحقیق صلاح الدین المنجد (دمشق، مطبعۃ الترقی، ۱۹۵۵ء) ص ۱۰۲

(۳۱۶) ابن تغری بردی، ج ۷، ص ۲۰۳، ۲۰۵۔ ابن الفوطی، الحوادث الجامعہ ص ۲۳۸۔ الصباغ، ج ۴، ص ۴۲۵۔ الکتبی، ج ۲، ص ۱۹۱

(۳۱۷) الذہبی، العبر، ج ۵، ص ۲۵۶

(۳۱۸) النعیمی، الدارس، ج ۱، ص ۱۱۵

(۳۱۹) علی بن ابی الفرج البصری کتاب الحماسۃ البصری تحقیق عادل سلیمان، القاہرہ المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ، ۱۹۷۸ء) ص ۴۰۳

(۳۲۰) محمد بن عبدالرحمٰن العبیدی (التذکرۃ السعد ..یہ فی الاشعار العربیہ۔ تحقیق عبداللہ الجبوری، (بغداد المکتبۃ الاھلیۃ، ۱۹۷۲ء، ۱۳۹۱ھ) مقدمۃ المحقق) ص ۱۳

(۳۲۱) المقری، نفح الطیب ج ۸ ص ۱۳۱، العبادی ص ۱۱

(۳۲۲) الکتبی، ج ۲، ص ۱۹۲

(۳۲۳) حسن حسنی عبدالوہاب، بیت الحکمۃ التونسیہ، الاقلام، شعبان، ۱۳۸۴ھ) ج ۱، شمارہ ۵، ص ۷

(۳۲۴) ایضاً ص ۷، ۸

(۳۲۵) ایضاً ص ۷، ۱۴

(۳۲۶) المقریزی، ج ۲، ص ۲۷۳، ۲۷۵۔ ابن تغری بردی، ج ۴، ص ۳۲۔ حسن ابراہیم حسن، مجلۃ المعہد المخطوطات العربیہ (القاہرہ، جامعۃ الدول العربیہ، ۱۹۵۵ء) ج ۱، ص ۵۶-۶۱

(۳۲۷) المقریزی، ج۱، ص۴۰۹

(۳۲۸) المقریزی، ج۱، ص۴۰۸

(۳۲۹) Olga Pinto, "The Libraries of the Arabs during the time of the Abbassides", Pakistan Library Review, Vol. II, No. 1-2 (March and June, 1959) P.61

Ammad Shalaby, History of Muslim Education (Beruit, Daral-Kashshaf, 1954, P. 78.

(۳۳۰) المقریزی، ج۱، ص۴۰۸ (لہ) اتعاظ الحنفاء باخبار الائمۃ الفاطمین الخلفاء تحقیق جمال الدین الشیال (القاہرۃ، مطابع شرکہ الاعلانات الشرقیہ، ۱۳۸۷ھ) ج۱، ص۲۷۸

(۳۳۱) ایضاً ج۱، ص۴۰۸

(۳۳۲) ایضاً ج۱، ص۴۵۸-۴۶۰- حسن ابراہیم حسن، ص۱۶۶، ۳۳۱، ۳۵۵، ۴۲۸- زیدان، ج۳، ص۲۳۲-ابن خلدون، ج۴، ص۷۹- دائرۃ المعارف الاسلامیہ (تہران، انتشارات جہان- بوزر جمہری، ب، ت) ج۷، ص۲۶۶-۲۷۰

(۳۳۳) حسن ابراہیم، ص۴۳۰، ۴۳۱

(۳۳۴) ایضاً ص۴۳۰

(۳۳۵) المقریزی، ج۲، ص۴۰۹

(۳۳۶) ایضاً- ابو شامہ، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین النوریہ والصلاحیہ تحقیق محمد حلمی محمد احمد (القاہرہ، مطبعہ لجنہ والترجمہ والنشر، ۱۹۵۶ء) ج۱، ق۱، ص۱۶۸

(۳۳۷) المقریزی، ج۱، ص۴۰۹- حسن ابراہیم، ص۴۲۸، ۴۲۹

(۳۳۸) ایضاً (لہ) اتعاظ الحنفاء ج۲، ص۲۶۴

(۳۳۹) المقریزی، ج۱، ص۴۰۹

(۳۴۰) الثعالبی، ج۱، ص۱۵، ۱۶-ابن خلکان، ج۱، ص۳۶۴-الذہبی، العبر، ج۲، ص۳۰۶-الطباخ، ج۱، ص۲۷۵-۲۷۶

(۳۴۱) الطباخ، ص۲۹۱

(۳۴۲) زکی المحاسنی، المتنبی، القاہرہ، دارالمعارف، ۱۹۸۰ء ص ۱۳

(۳۴۳) سامی کیلانی، سیف الدولہ و عصر الحمدانیین، (القاہرہ، دار المعارف ۱۹۵۹) صفحہ ۱۱۴

(۳۴۴) الطباخ ۲۸۰

(۳۴۵) ایضاً ۲۷۲

(۳۴۶) محمد کرد علی، خطط الشام (دمشق، مطبعہ المفید، ۱۳۴۷ھ) ج ۶، ص ۱۹۷۔ ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۳۶۵۔۳۶۶۔ سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲، ص ۱، ۲

(۳۴۷) محمد ہارون، آئینہ عرب، ترجمہ کتاب صناجۃ الطرب نوفل طرابلسی (لاہور، خادم التعلیم سٹیم پریس، ۱۹۰۴ء) ص ۴۳۔ محمد امین الخانجی، منجم العمران فی المستدرک علی معجم البلدان (مصر، مطبعہ السعا. .دۃ، ۱۳۲۵ھ) ج ۲، ص ۲۹۲، ۲۹۳

(۳۴۸) الطباخ، اعلام النبلاء ج ۴، ص ۱۳۸، تعریف القدناء بائی العلا، (القاہرۃ وار الکتب المصریہ، ۱۳۶۳ھ، ص ۵۵۷

(۳۴۹) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۴۷۶۔ ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۱۷۱

(۳۵۰) پشتو، ص ۳۱، ۳۲

(۳۵۱) ایضاً

(۳۵۲) صاعد، طبقات الامم، ص ۸۶

(۳۵۳) محمد بن عبداللہ المعروف بابن الابار، الحلۃ السیراء تحقیق حسین مونس (القاہرہ، مطبعہ لجنہ التالیف والترجمہ واالنشر، ۱۹۶ء) ج ۱، ص ۱۱۹

(۳۵۴) الذہبی، العبر، ج ۲، ص ۵۲

(۳۵۵) محمد ابن فتوح الحمیدی، جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس تحقیق محمد بن تاویت الطنجی (القاہرہ، مکتب نشر الثقافۃ الاسلامیہ، ۱۳۷۲ھ) ص ۱۱، ۱۲۔ محمد ابن عذاری، البیان المغرب فی احبار المغرب (بیروت، مکتبہ صادر، ۱۹۵۰ء) ج ۱، ص ۵۲۔ الصفدی، ج ۳، ص ۲۲۵

(۳۵۶) الحمیدی، ص ۱۱، ۱۲۔ ابن عذاری، ج ۱، ص ۵۲۔ الصفدی، ج ۳، ص ۲۲۵

(۳۵۷) ایضاً

(۳۵۸) ابن الابار، ج ۱، ص ۲۰۶۔ ابن عذاری، ج ۲، ص ۳۲۴۔ السبکی، ج ۳، ص ۳۰۹

(۳۵۹) ابن الابار، ج ۱، ص ۲۰۶

(۳۶۰) ایضاً ص ۲۰۱

(۳۶۱) ابن الاثیر، ج ۸، ص ۲۷۷

(۳۶۲) ابن الابار، ج ۲ ص ۲۰۱۔ المقری، ج ۱، ص ۳۶۱۔ ابن الاثیر ج ۸، ص ۶۷۷

(۳۶۳) ایضاً ص ۲۰۲

(۳۶۴) ایضاً ج ۱ ص ۲۰۱۔ المقری، ج ۱ ص ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۱۶

(۳۶۵) ابن الابار، ج ۱، ص ۲۰۱۔ ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۱۷

(۳۶۶) ابن الابار، ج ۱، ص ۲۰۱۔ ۲۰۲

(۳۶۷) ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ المقری، ج ۱، ص ۳۶۲

(۳۶۸) ابن الفرضی، ج ۲، ص ۱۱۵

(۳۶۹) الحمیدی، ص ۴۷۔ ۴۸

(۳۷۰) ایضاً ص ۹۴۔ (۱۰۱ (مطبعہ دار المصریۃ للتالیف والترجمہ ۱۹۶۶ء)

(۳۷۱) ایضاً ص ۲۳۵۔ ۲۳۶ (دار المصریۃ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳)

(۳۷۲) ابن الفرضی، ج ۱، ص ۱۵۵ ج ۱ ص ۱۳۰

(۳۷۳) ایضاً، ج ۱ ص ۱۳۱

(۳۷۴) ابن الابار، ج ۱، ص ۲۰۲۔ ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۱۷۔ المقری، ج ۱، ص ۳۶۲

(۳۷۵) ایضاً۔ المقری، ج ۱، ص ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ الحمیدی، ص ۹۴

(۳۷۶) ابن جلجل، ص ۶۹۔ ۷۰

(۳۷۷) ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص ۱۰۰

(۳۷۸) ایضاً، ابن الابار، ج ۱، ص ۲۰۳۔ ابن خلدون ج ۴، ص ۳۱۶۔ المقری، ج ۱، ص ۳۶۲

(۳۷۹) المقری، ج ۱، ص ۳۷۱

(۳۸۰) ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۱۷۔ المقری، ج ۱، ص ۳۶۲

(۳۸۱) ابن عذاری، ج ۲، ص ۳۵۸۔ ۳۵۹

(۳۸۲) المقری، نفح الطیب تحقیق احسان عباس بیروت، دار صادر، ۱۳۸۸ھ ج ۱ ص ۳۸۶، القفطی ج ۳ ص ۱۰۹
الحمیدی ص ۱۱۳۔ ۱۱۶ الضبی، بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اہل الاندلس ص ۱۸۔ ۲۱
دار الکاتب العربی، ۱۹۶۷ء
المقری، ازہار الریاض ج ۲ ص ۲۸۶۔ ۲۹۴ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۴۴
الذ.. ھبی، سیر اعلام النبلاء ص ۲۳۔ ۲۳۱
ابن کثیر، ۲۸۵/۱۱
الذہبی، سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۳۰۔ ۱۳۱

باب چہارم

انفرادی و عمومی اور فنی و خصوصی کتب خانے

اسلام کی دعوت پر جس قوم وملت نے اقرأ اور "قیدوا العلم بالکتاب" کے نورِ معرفت کو دل میں جگہ دی وہ امورِ اربعہ:

(۱) قرأت

(۲) کتابت

(۳) حفاظت

(۴) اشاعت

کی خوگر ہو گئی۔

الکتاب، اور کتاب السنۃ والاثار کے جن مختلف علمی گوشوں، قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، نحو و لغت، ادب، تاریخ، انساب، فلسفہ، ہندسہ و طب پر ائمۂ فن نے علوم و آثار کو مدون و مرتب کیا اس طرح ہر نوع علم میں انفرادی و خصوصی کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔ یہ کتب خانے اس اعتبار سے کہ فرد واحد کی ملکیت میں تھے شخصی و انفرادی کتب خانے کہے جاتے ہیں لیکن اپنی خدمات و ذخائر اور علمی ثروت کے لحاظ سے ادارہ جاتی و عوامی کتب خانے کہے جانے کے مستحق ہیں اس نوع کے کتب خانوں میں یہاں قراء، مفسرین، فقہاء، قضاۃ، صوفیہ، ادباء، نحویین، ائمہ لغت، محدثین، انساب نگار، اطباء، فلاسفہ و حکماء کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ انفرادی، عمومی، خصوصی و فنی کتب خانے خرید و فروخت، وقف، ہبہ اور وصیت کے ذریعہ عمومی کتب خانوں کی زینت بنتے یا علمی خانوادوں میں متوارث چلے آتے تھے، اس لیے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں ان انفرادی کتب خانوں کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔

باب چہارم

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

- ☆ اِنفرادی و عمومی کتب خانے
- ☆ وزیروں کے کتب خانے
- ☆ عمال کے کتب خانے
- ☆ حکام کے کتب خانے
- ☆ دربانوں کے کتب خانے
- ☆ موچی، رنگریز، عطاروں سے شہرت رکھنے والوں کے کتب خانے
- ☆ وراقوں کے کتب خانے
- ☆ خوشنویسوں کے کتب خانے
- ☆ خازنوں کے کتب خانے
- ☆ فنکاروں کے کتب خانے
- ☆ تاجروں کے کتب خانے
- ☆ دولت مندوں کے کتب خانے
- ☆ غرباء کے کتب خانے

(دوسرا حصہ)

اِنفرادی و عمومی کتب خانے

عصرِ حاضر میں کتب خانہ کی بحث میں اِنفرادی کتب خانوں کو اہمیت حاصل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ خدمات سے خالی ہوتے ہیں لیکن عہدِ عباسی کے اِنفرادی کتب خانے اس سے یکسر مختلف تھے' اس دور میں ان کتب خانوں کے ذخائر کے مطالعہ سے ذہنوں میں نئے نئے موضوع و عنوان ابھرتے تھے' تحقیقات کے لیے تحریک پیدا ہوتی تھی اور نت نئی کتابیں معرضِ وجود میں آتی تھیں' اس لیے اس دور میں یہ اِنفرادی کتب خانوں کے ذخیرے' ذخیروں میں اضافہ کا سرچشمہ تھے' تہذیبی و تمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے عوام کے ذہنوں کو مصفا و مجلا کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ عہدِ عباسی کے یہ انفرادی کتب خانے ہی کتابی تہذیب کے ارتقاء میں ممد و معاون تھے اور وہ بجاطور پر اپنی خدمات کے اعتبار سے ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے۔ غالباً انہی وجوہ سے تاریخ نگاروں نے اسلامی کتب خانوں کے وسیع و شاندار باب میں انفرادی و خصوصی کتب خانوں کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔

عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کا جو اثر اسلامی قلمرو کے مسلم فرمانرواؤں پر ہوا اور عہد عباسی میں شاہی کتب خانوں کی جس تیزی سے توسیع و اشاعت ہوئی' علوم و معارف کی سرپرستی کا جو جذبہ بادشاہوں میں ابھرا' اِس کے اثرات کا تذکرہ باب سوم میں گزر چکا۔ اس عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی نے وزراء' عمال' حکام' وراق' خوشنویس' خازن' فنکار' دولتمند' غرباء' ائمہ فن قراء' تجار' مفسرین' محدثین' فقہاء' متکلمین' صوفیہ' ائمہ نحو و لغت' ادباء' شعراء' مورخین' ماہرین انساب' فلاسفہ' سائنس دان' مہندسین و اطباء کو متاثر کیا' انہیں علوم و کتب اور کتب خانوں کا فریفتہ بنایا اس سے اِنفرادی و عمومی اور فنی و خصوصی ذخائر کا اس تیزی سے ارتقاء ہوا کہ گھر گھر کتب خانے قائم ہو گئے' اس کا تحقیقی جائزہ اس باب میں پیش کرنے کی غرض سے اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ اِنفرادی و عمومی کتب خانوں پر اور دوسرا حصہ فنی اور خصوصی کتب خانوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ۱۱۲ اصناف کے ۵۲ اور دوسرے حصے میں ۱۶ اصناف کے ۲۰۱ فنی و خصوصی کتب خانوں کا تذکرہ و نشاندہی کی گئی ہے۔ اس طرح باب چہارم کل ۲۵۳ اِنفرادی و عمومی اور فنی و خصوصی کتب خانوں کا جامع ہے۔

اس بناء پر انفرادی و عمومی اور خصوصی و فنی کتب خانوں کا ذکر ہمیں تاریخ و تذکرہ کی

کتابوں میں ملتا ہے، انفرادی کتب خانوں کے ذخائر سے بڑے بڑے کتب خانے ترتیب پاتے تھے، بعض اِنفرادی کتب خانے اپنے ذخائر کی کثرت و ندرت میں وزیروں کے کتب خانوں سے بھی سبقت لے گئے تھے چنانچہ حافظ ابن عقدہ المتوفی ۳۳۲ھ کا کتب خانہ وزیر ابن عباد کے کتب خانہ سے جو چار سو بار شتر کتابوں پر مشتمل تھا دو سو بار شتر زیادہ کتابوں کا جامع تھا۔ انہی وجوہ سے وزراء، امراء، ملوک انہیں حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

عہد عباسی میں کتب خانہ سازی مسلم قوم کا شعار بن جانا اور کتب خانوں کا لوازم زندگی سے ہونا انفرادی کتب خانوں کی کثرت ہی پر موقوف ہے ان کی طلب و رسد سے سوق الکتب آباد تھے جگہ جگہ پڑھنے لکھنے کا چرچا تھا، کتابوں کے ملنے کی سہولت تھی ان سے وقف کے کتب خانوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اس بناء پر انفرادی و عمومی اور خصوصی و فنی کتب خانوں کا ذکر جداگانہ باب میں کیا گیا ہے۔

(ا) وزیروں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں وزیر بھی عالم اور علم و فن کے قدر دان تھے۔ وہ بادشاہوں کی روش پر چلتے، کتب خانہ سازی میں ان کی ریس کرتے، تحقیق کی غرض سے کتابوں کے بہتر سے بہتر اور کئی کئی نسخے کتب خانوں میں رکھتے، اہل علم کی سرپرستی کرتے، ان سے کتابیں لکھواتے، مصنفین ان کے نام کتابیں معنون کرتے، انعام پاتے، وراق کتب خانوں میں ان کے لیے کتابیں نقل کرتے اور ترجمہ نگار فنی کتابوں کا ترجمہ کر کے ان کے ذخائر علم و کتب میں اضافہ کرتے تھے۔ یہ اہل علم کی مجالس سے لطف اندوز ہوتے اور عام لوگوں کی طرح کتب خانے خریدنے جاتے تھے، علم و کتب کی نشر و اشاعت اور کتب خانوں کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، اپنے کتب خانوں میں خازن و عملہ رکھتے، کتابوں کا کیٹلاگ مرتب کراتے نامور اہلِ علم سے کتابوں کی تصحیح کراتے، بعض وزیر عوامی کتب خانے قائم کرتے، مدرسے اور کتب خانے بنواتے تھے۔

(ا) یحییٰ برمکی کا کتب خانہ

(ا) ابوالفضل یحییٰ بن خالد بن برمک بلخی ثم بغدادی (۱۲۰-۱۹۰ھ/۷۳۸-۸۰۵ء) ہارون رشید کا مربّی و وزیر تھا۔ مامون اس کے متعلق کہتا تھا "بلاغت، کتابت، سخاوت، شجاعت میں یحییٰ بن خالد اور اس کے فرزند کی طرح کوئی نہ تھا"۔(ا) یحییٰ سائنس دان (۲) علم و اہلِ علم کا قدر دان تھا۔ (۳) علماء، ادباء و فقہاء اس کے نام کتابیں معنون کرتے تھے۔ (۴) یہ کتابوں کا بہت دلدادہ تھا اسکے خزانۃ الکتب میں ہر کتاب کے تین تین نسخے رکھے جاتے تھے۔ جاحظ کا بیان ہے "مجھ سے موسیٰ بن یحییٰ نے بیان کیا کہ یحییٰ کے خزانۃ الکتب اور بیت مدارسہ (دار المطالعہ اور بحث و نظر کے کمرے) میں ہر کتاب کے تین تین نسخے رکھے جاتے تھے" (۵)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے وزیروں کے کتب خانوں میں کتابوں کے کم از کم تین تین نسخے رکھے جاتے تھے تاکہ بیک وقت دو دو تین تین آدمی مطالعہ کر سکیں اور تحقیقی ضروریات کی بخوبی تکمیل ہو سکے۔ اس نے سب سے پہلے بغداد میں کاغذ بنانے کا کارخانہ قائم کیا تھا۔

(۶) اس کا مشہور مقولہ ہے!

"تین چیزیں عقلمندوں کی عقلمندی کو بتاتی ہیں، ہدیہ، کتاب اور سفیر"۔(۷)

(۲) فتح بن خاقان کا کتب خانہ

ابو محمد فتح بن خاقان بن احمد ترکی (المقتول ۲۴۷ھ / ۰۰-۸۶۱ء) خلیفہ متوکل جعفر کا وزیر (۸)، ادیب، شاعر، مصنف، علم و اہل علم کا قدردان تھا۔ اس کا محلسرا، ادباء، شعراء اور کوفی و بصری علماء کا مرکز تھا۔ کتابوں کا فریفتہ اور ان کے مطالعہ کا شوقین تھا۔ ہمہ وقت اپنی آستین میں کتاب رکھتا جب، وقت ملتا مطالعہ میں منہمک ہو جاتا تھا حتیٰ کہ بیت الخلاء میں بھی کتاب کا مطالعہ نہیں چھوڑتا تھا۔ اس کے ذاتی کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں مہیا کی گئی تھیں۔ (۹)

اس کے کتب خانہ کو بالغ نظر فاضل شاعر و منجم ابوالحسن علی بن یحییٰ المتوفی ۲۷۵ھ نے بنایا تھا اور وہی اس کا خازن تھا۔ اس نے اس میں وہ تمام کتابیں مہیا کی تھیں جو اس کے خزانۃ الحکمۃ میں موجود تھیں۔ (۱۰)

(۳) قاسم بن عبیداللہ حارثی کا کتب خانہ

ولی الدولہ ابوالحسین قاسم بن عبیداللہ بن سلیمان حارثی (۲۵۸-۲۹۱ھ / ۸۷۲-۹۰۴ء) وزیر ابن وزیر تھا، پہلے معتضد باللہ پھر مکتفی باللہ عباسی کا وزیر رہا۔ ادیب و شاعر تھا۔ (۱۱) اس کے دورِ وزارت جمادی الاخریٰ ۲۹۱ھ میں جب امام ثعلب کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے اتالیق زجاج المتوفی ۳۱۱ھ کے توسط سے ان کا کتب خانہ جو ایک ہزار دینار کی مالیت کا تھا تین سو دینار میں خریدا تھا۔ (۱۲) لیکن اسی سال ذیقعدہ میں اس کا بھی انتقال ہو گیا اور اس کا کتب خانہ بھی بکنا شروع ہوا۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ صولی بھی اسے خریدنے گئے تھے۔ (۱۳)

(۴) محمد بن عبدالمالک الزیات کا کتب خانہ

ابو جعفر محمد بن عبدالمالک بن ابان دسکری بغدادی المعروف بابن الزیات (تیل فروش کا بیٹا) (۱۷۳-۲۳۳ھ / ۷۸۹-۸۴۷ء) سنہ ۲۲۵ھ سے خلفائے عباسیہ میں معتصم، واثق، اور متوکل کا وزیر، بڑے پایہ کا ادیب، شاعر، مصنف (۱۴) نحوی، لغوی تھا (۱۵) کتابوں کا دلدادہ انتخاب کتب کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتا تھا اپنے کتب خانہ میں کتاب کا بہتر سے بہتر نسخہ رکھتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے فصد کھلوائی جب صحت ہوئی تو جاحظ بھی مبارک باد دینے گیا اور سیبویہ کی "الکتاب" پیش کی، ابن الزیات نے کہا تمہارا خیال تھا کہ ہمارا خزانۃ الکتب سیبویہ کی الکتاب سے خالی ہو گا، اس نے عرض کیا "نہیں" لیکن یہ نسخہ فراء کے ہاتھ کا لکھا ہوا کسائی کا مقابلہ کیا ہوا ابو عمرو جاحظ کا آراستہ کیا ہوا اور فراء کے وارثوں سے خریدا ہوا نسخہ ہے، ابن الزیات نے کہا تم سب

سے پسندیدہ تحفہ لے کر آئے اور شکریہ کے ساتھ اسے قبول کیا(۱۶) ابن الزیات نقل نویسوں‘ ترجمہ نگاروں پر ہر مہینہ دو ہزار دینار خرچ کرتا تھا۔ (۱۷) حسن بن وھب جیسا نامور ادیب اس کے لیے کتابیں نقل کرتا تھا۔ (۱۸)

(۵) یحییٰ بن اکثم مروزی کا کتب خانہ

ابو محمد یحییٰ بن اکثم بن محمد تمیمی مروزی (۱۵۹۔ ۲۴۲ھ / ۷۷۵۔ ۸۵۶ء) فقیہ‘ ادیب‘ نامور عالم بغداد کے قاضی القضاۃ اور خلیفہ مامون کے وزیر تھے۔ (۱۹) کتابوں کے شوقین اور مصنف تھے۔ (۲۰) فقہ میں بہت کتابیں لکھی تھیں‘ یحییٰ بن معین کا انتقال ہوا تو ان کے کتب خانہ کے خریداروں میں یہ بھی تھے لیکن زہیر بن حرب المتوفی ۲۳۴ھ نے انہیں کتب خانہ لینے کی مہلت ہی نہ دی۔ پہلے ہی خرید لیا۔ (۲۱) موصوف مصر کے وراقوں سے بھی کتابیں خریدتے تھے۔ (۲۲)

(۶) اسماعیل بن عباد طالقانی المعروف بصاحب ابن عباد کا کتب خانہ

کافی الکفاۃ ابوالقاسم اسماعیل بن عباد بن العباس طالقانی المعروف بصاحب ابن عباد (۳۲۶۔ ۳۸۵ھ / ۹۳۸۔ ۹۹۵ء) ابن العمید کے ساتھ ہمہ وقت کی ہمنشینی سے اس کا لقب الصاحب پڑ گیا تھا۔ یہ وزیر ابن الوزیر (۲۳)‘ بلند پایہ ادیب‘ شاعر‘ انشاء پرداز لغوی‘ مصنف (۲۴) محدث (۲۵)‘ متکلم (۲۶) موید الدولہ دیلمی اور اس کے بھائی فخرالدولہ دیلمی کا وزیر تھا۔ معارف پرور‘ علم و علماء کا قدردان تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے بعد سب سے زیادہ شعراء کا اجتماع اس کے محلسرا میں رہا ہے (۲۷) کتابوں کا بہت دلدادہ تھا۔ رے میں اس کا نہایت شاندار کتب خانہ تھا اس میں کتابوں کی اتنی کثرت تھی کہ ان کی باربرداری کے لیے چار سو سے زیادہ اونٹ درکار تھے۔ (۲۸) اہلِ علم کو ہر سال بغداد میں پانچ ہزار دینار بھیجتا اور انہی کے ساتھ زیادہ تر اٹھتا بیٹھتا اور ان سے کہتا تھا ”**نحن بالنہار سلطان وباللیل اخوان**“ (۲۹) ہم دن میں حاکم اور رات کو بھائی ہیں۔

اس کے خزائنِ کتب میں دو لاکھ چھ ہزار مجلدات تھے۔ موصوف کا بیان ہے:۔

”**لقد اشتملت خزانتی علی ماتی الف وستۃ الاف مجلد ماھو سمیری ولاغانی منھا سواہ۔**“ (۳۰)

”میرے خزائن کتب میں دو لاکھ چھ ہزار مجلدات ہیں لیکن‘ رات میں میری ہم سخن اور دل لبھانے والی الاغانی کے سوا کوئی کتاب نہیں ہے۔“

صاحب بن عباد کے کتب خانہ میں مصاحف کی اتنی کثیر تعداد تھی کہ بادشاہوں کے

خزانۃ الکتب کے سوا کسی کے کتب خانہ میں مصاحف کی اتنی بڑی تعداد موجود نہ تھی چنانچہ کسی نے نہایت عمدہ لکھا ہوا مصحف اسے ہدیۃ۔ بھیجا' ابن عباد شکریہ کے خط میں اس کو لکھتا ہے:

"میں اس خط کی تعریف کرتا ہوں جس سے آنکھیں روشن ہو گئیں وہ تعریف سے بالاتر اور صحت اقسام کو جامع ہے اس نے قلم کی نخوت، کو بڑھایا ہے اب میں اس کی ترک تعریف کو بیان تعریف سمجھتا ہوں میں قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ بادشاہوں کو چھوڑ کر میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے اتنے مصحف جمع کیے ہوں جتنے میں نے کیے ہیں اور جتنی جدت میں نے ان کے لکھوانے میں کی ہے کسی نے کی ہو' بلاشبہ یہ مصحف ان تمام مصحفوں سے فائق ہے' اس کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے سر کو ماتھے پر فضیلت ہے بلکہ اتنی جتنی کہ حج کو عمرہ پر ہے۔"

لقد اهدیته علقا نفیسا وما
یهدی النفیس سوی النفیس(۳۲)

" واللہ! آپ نے ہدیہ میں نہایت ہی نفیس چیز دی ہے اور نفیس آدمی ہی نفیس چیز تحفہ میں دیتا ہے۔"

یہ نہایت نادر و منتخب روزگار کتابیں اپنے کتب خانہ میں رکھتا تھا' ایک مرتبہ قاضی قزوین عمیری نے اس کو کچھ کتابیں تحفہ میں بھیجیں اور ساتھ ہی یہ شعر بھی لکھ بھیجے:

العمیری عبد کافی الکفاة
ومن اعتد فی وجوه القضاة

"عمیری جو کافی الکفاۃ کا غلام ہے اور جس کا نامور قاضیوں میں شمار ہے۔"

خدم المجلس الرفیع بکتب
مفعمات من حسنها مترعات

"اس نے مجلس عالی میں چند کتابیں پیش کی ہیں جو حسن و خوبی کی مسرت سے لبریز ہیں۔"

صاحب ابن عباد نے ان میں سے ایک کتاب رکھ لی اور اس رقعہ کے نیچے یہ اشعار لکھ کر بقیہ کتابیں واپس کر دیں۔

قد قبلنا من الجمیع کتابا
ورددنا لوقتها الباقیات

"ہم نے ان تمام کتابوں سے ایک کتاب رکھ لی اور باقی فی الفور واپس کر دی ہیں۔"

لست استغنم الکثیر فطبعی قول
خذ لیس مذهبی قول هات (۳۳)

"میں بہت زیادہ کو غنیمت نہیں سمجھتا میری طبیعت خذ ما صفا عمدہ چیز لو میرا مذہب قول بیار نہیں ہے۔"

مذکورۂ بالا اشعار سے ابن عباد کے **خزانۃ الکتب** کے معیار اور اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیسی اہم نادر و معیاری کتابیں اس نے کتب خانہ میں جمع کی تھیں۔

ابن عباد کے کتب خانہ میں جو کتابیں داخل کی جاتی تھیں ان کی تصحیح و مقابلہ بھی ائمہ فن کی زیرِ نگرانی کرایا جاتا تھا۔ چنانچہ ابو العلاء حسین بن محمد بن مہرویہ نے اپنی کتاب "الاجناس الجواہر" میں لکھا ہے کہ "میں بغداد میں ابو علی فارسی نحوی المتوفی ۳۷۷ھ کی خدمت میں جاتا رہتا تھا خلیفہ وقت نے کافی الکفاۃ کے کتب خانہ کے لیے کتاب "التذکرہ" کی تصحیح کی خاطر ہفتہ میں دو دن میرے بھی ان کے ساتھ مقرر کیے تھے ہم چند ورق پڑھتے تو ادبی بحثیں چھڑ جاتی تھیں" (۳۴)

مشہور امامِ لغت ابن فارس المتوفی ۳۶۵ھ نے اس کے **خزانۃ الکتب** کے لیے فقہ اللغۃ العربیہ ..کے موضوع پر کتاب لکھی اور اس کے نام معنون کی اسی نسبت سے اسے "الصاحبی" کہا جاتا ہے۔ (۳۵)

موصوف کے کتب خانے کا کیٹلاگ بھی دس جلدوں میں کتابی صورت میں موجود تھا جو رے میں ابو الحسن بیہقی کی نظر سے گذرا تھا۔ یہ صرف سو بار شتر کتابوں کا کیٹلاگ تھا۔ (۳۶)

یہ کتب خانہ (۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء) تک محفوظ رہا سلطان محمود غزنوی نے جب رے پر قبضہ کیا اور اسے بتایا گیا کہ یہ روافض کی کتابوں پر مشتمل ہے تو اس نے اس سے علم کلام کی کتابیں نکلوا کر بقیہ کتابیں غزنی بھیج دی تھیں۔ (۳۷)

صاحب ابنِ عباد کا کتب خانہ بظاہر خانگی کتب خانے کی حیثیت رکھتا تھا لیکن علماء و فضلاء کو اس کتب خانے سے استفادہ اور سفر میں کتابیں انتخاب کر کے لے جانے کی سہولت بھی حاصل تھی۔ چنانچہ ابو دلف مسعر بن مہلہل خزرجی ینبوعی المتوفی ۳۹۰ھ نامور شاعر و سیاح صاحب ابنِ عباد کے کتب خانے سے سفر میں کتابیں انتخاب کر کے لے جاتا تھا۔ (۳۸)

سنہ ۳۸۵ھ میں جب صاحب کا انتقال ہوا تو اس کے خازن کتب ابو محمد نے جو فخر الدولہ کا جاسوس تھا۔ مرنے کی اطلاع کی اس نے اس کے مال و متاع پر قبضہ کیا اس طرح اس کا کتب خانہ شاہی کتب خانے میں چلا گیا۔ (۳۹)

(۷) محمد بن الحسین قمی المعروف بکاتب ابن العمید کا کتب خانہ

ابو الفضل محمد بن الحسین بن محمد قمی المعروف بکاتب ابن العمید (۰۰-۳۶۰ھ / ۰۰-۹۷۱ء) بلند پایہ ادیب، انشاء پرداز، شاعر، فلسفی، ہیئت دان، مہندس و مصنف (۴۰) وزیر ابن الوزیر تھا، علم و اہل علم کا قدر دان اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔

سنہ ۳۵۵ھ میں جب ڈاکوؤں نے اس کے **محلسرا** کو لوٹا اور اس کو خبر کی گئی تو اس نے سب سے پہلی بات یہی پوچھی تھی کہ کتب خانے کا کیا ہوا اسے بتایا گیا کہ وہ بچ گیا ہے تو اس نے کہا تھا کہ ہر چیز مل سکتی ہے لیکن کتابیں اگر لٹ جاتیں تو ان کا بدل ممکن نہ تھا۔

ابن مسکویہ اس کے **خزانۃ** الکتب میں خازن ہونے کی وجہ سے الخازن کے لقب سے مشہور تھا۔

(۸) یعقوب بن یوسف بغدادی ثم مصری المعروف بابن کلس کا کتب خانہ

ابو الفرج یعقوب بن یوسف بن ابراھیم بغدادی ثم مصری المعروف بابن کلس (۳۱۸-۳۸۰ھ / ۹۳۰-۹۹۰ء) وزیر، انشاء پرداز، متکلم اور **باطنیوں** کا نامور عالم تھا۔ (۴۱) ابن کلس کتابوں کا شیدائی تھا۔ **محلسرا** میں اسکا کتب خانہ تھا اس میں بہت سے وراق کام کرتے تھے، کچھ قرآن لکھتے، کچھ حدیث، کچھ فقہ، اور کچھ ادب و طب کی کتابیں نقل کرتے تھے۔ ایک جماعت مقابلہ کرتی رہتی تھی، کچھ قرآن پر نقطے اور اعراب لگاتے تھے۔ (۴۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کتب خانہ موضوعات علوم کی ترتیب پر مرتب تھا۔

(۹) ابو القاسم احمد جمالی کا کتب خانہ

الملک الافضل ابو القاسم احمد بن بدر جمالی (۴۵۸-۵۱۵ھ / ۱۰۶۵-۱۱۲۱ء) کو خلیفہ مستنصر فاطمی نے ۴۸۸ھ میں مصر کا وزیر (امیر عساکر) بنایا۔ یہ وزیر بن وزیر نہایت دولت مند (۴۳) کتابوں کا شوقین اور صاحب سیف و قلم وزیر تھا۔

اس کے ذاتی کتب خانہ میں پانچ لاکھ مجلدات موجود تھیں (۴۴) کتابوں کے سلسلہ میں موصوف کا جذبہ یہ تھا کہ مصر میں بیرون ملک سے کتابیں در آمد ہوں لیکن مصر کے ذخائرِ کتب سرزمین مصر سے باہر نہ جائیں چنانچہ شاہی طبیب افرائیم اسرائیلی کے طبی کتب خانہ سے جب دس ہزار (۱۰،۰۰۰) مجلدات ایک عراقی تاجر نے خریدیں اور اس کی خبر وزیر موصوف کو ہوئی تو وہ کتب

خانہ خود خرید لیا۔ عراقی تاجر کے پاس نہ جانے دیا۔

مذکورۂ بالا واقعہ اسی جذبہ کا مظہروبین ثبوت ہے نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں محفوظ تھیں۔ وزیر موصوف کے کتب خانہ میں جو نئی کتاب آتی اس پر ان کے القاب لکھے جاتے تھے۔ (۴۵)

یہ عقائد میں فاطمیوں کے ہمنوا نہیں تھے اس لیے انہیں قتل کرایا گیا۔ (۴۶) ان کا سارا مال و متاع بار بردار جانوروں پر لاد کر شاہی خزانہ میں جمع کرایا گیا۔ (۴۷) اس میں ان کا کتب خانہ بھی چلا گیا تھا۔ فاطمی عقائد کی آگ میں ایک محسن کتب خانہ الملک الافضل اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر گیا۔

(۱۰) احمد بن عبدالرحیم بلیسانی مصری المعروف القاضی اشرف کا کتب خانہ

ابوالعباس احمد بن عبدالرحیم بن علی بیسانی مصری المعروف بالقاضی الاشرف (۵۷۳۔ ۶۴۳ھ / ۱۱۷۷۔ ۱۲۴۵ء) قاضی فاضل کا فرزند، محدث (۴۸)، ادیب، شاعر اور الملک العادل ابوبکر ایوبی کا وزیر تھا۔ (۴۹) کتابوں کے جمع کرنے کا بہت دلدادہ تھا۔ (۵۰) ابن سعید اندلسی نے موصوف کے متعلق لکھا ہے:

"یہ علم و فضل سے آراستہ تھا، اس کا وجود **مغتنماتِ** روزگار سے تھا خوب علم حاصل کیا اور بہت لکھا تھا اس کے پاس باپ کے خزائنِ کتب سے بہت کچھ نادر ذخیرہ علمی موجود تھا، اس نے بھی مختلف بلاد سے جمع کیا تھا باایں ہمہ فضائل، علمی باتوں کے بیان کرنے اور کتابوں کے دینے میں سب سے زیادہ بخیل تھا۔" (۵۱)

اس کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا جس کی وسعت اور کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ جمادی الاولیٰ ۶۲۶ھ میں موصوف کے محل کا محاصرہ کیا گیا اور ان کے تمام خزائن کتب کو **قلعۃ** الجبل (قاہرہ) میں منتقل کیا گیا تو اس کتب خانہ کی جملہ کتب ۶۸ ہزار مجلدات پر مشتمل تھیں ۳ جمادی الاُخریٰ کو ان کے محل سے الماریوں کی لکڑیوں کے تختے منتقل کیے گئے تو وہ انچاس (۴۹) اونٹوں پر بھجوائے گئے تھے اور کتابیں ۵۹ اونٹوں پر تین پھیروں میں منتقل کی گئی تھیں۔ (۵۲)

(۱۱) کمال الدین بن ابی سعید دمشقی کا کتب خانہ

کمال الدین امین الدولہ بن غزال بن ابی سعید دمشقی (۰۰-۶۴۸ھ / ۰۰-۱۲۵۰) بلند پایہ طبیب، عالم و مصنف تھا۔ سنہ ۶۲۸ھ تک سلطان **بعلبک**، بہرام شاہ بن فرخ شاہ کا وزیر، پھر سنہ ۶۴۳ھ تک سلطان ابوالفداء اسماعیل بن ابی بکر کا وزیر رہا(۵۳) موصوف کو کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا جملہ علوم و فنون کی عمدہ کتابیں فراہم کی تھیں، نقل نویس ان کے پاس کتابیں نقل کرتے رہتے تھے۔

ابنِ ابی **اصیبعہ** کی کتاب ''عیون الانباء'' کا پتہ چلا تو ان کے باپ سدید الدین سے کہا: ''میرے کتب خانہ میں بیس ہزار کتابیں ہیں لیکن اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے میں یہ کتاب نقل کرانا چاہتا ہوں۔ ابنِ ابی **اصیبعہ** نے فاضل خطاط سے کتاب نقل کرا کر پہنچائی تو ابن ابی **اصیبعہ** کو انعام و خلعت سے سرفراز کیا'' (۵۴)

(۱۲) جمال الدین بن ابراہیم شیبانی قفطی کا کتب خانہ

الوزیر الاکرم جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف بن ابراہیم شیبانی قفطی (۵۶۸-۶۴۶ھ / ۱۱۷۲-۱۲۴۸ء) موصوف قاضی بن قاضی، وزیر اور ایک علمی خانوادے کے گوہر شب چراغ تھے۔ (۵۵) موصوف کا محل علماء، شعراء، ادباء وغیرہ کا آستانہ تھا۔ (۵۶)

یاقوت رومی کا بیان ہے: ''علی بن یوسف قفطی کتابوں کے جمع کرنے کا شوقین اور کتابوں کا بے حد حریص تھا، میں نے کتابوں کے مشغلہ کتب فروشی کے باوجود اس سے زیادہ کتابوں کا اہتمام کرنے اور حاصل کرنے کا حریص کوئی نہیں دیکھا۔ موصوف نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ معاصرین میں سے کسی کے پاس نہیں تھیں'' (۵۷)

یاقوت نے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' کا نسخہ قفطی کو تحفہ میں پیش کیا تھا اور اس کے حوالہ سے بہت سی باتیں ''معجم الادباء'' میں نقل بھی کی ہیں (۵۸) اس کے کتب خانے میں ہر علم و فن پر تقریباً پچاس ہزار دینار کی مالیت کا ذخیرۂ کتب موجود تھا۔ جس کی وصیت الملک **الظاہر** کے لیے کی تھی۔ (۵۹) اس کے انتقال کے بعد یہ کتب خانہ شاہی کتب خانے میں داخل کیا گیا تھا۔

موصوف کو کتابوں سے جیسی کچھ **دلبستگی** اور محبت تھی اس کا اندازہ حسبِ ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

''علامہ سمعانی کی کتاب ''الانساب'' کا خود سمعانی کا نسخہ انہیں ملا مگر وہ قدرے ناقص تھا جب موصوف کو یہ معلوم ہوا کہ ٹوپی فروش نے اس کے ورق میں کسی کو ٹوپی لپیٹ کر دی تھی تو

بہت رنج ہوا اس رنج ہی رنج میں بستر پکڑ لیا، لوگ ان کی عیادت کو آنے لگے تھے۔ (۶۰)

(۱۴۳) ابو طالب محمد بن علی العلقمی بغدادی کا کتب خانہ

موید الدین ابو طالب محمد بن احمد بن علی العلقمی بغدادی (۵۹۳- المقتول ۶۵۶ھ / ۱۱۹۷-۱۲۵۸ء) بڑا فاضل ادیب و آخری خلیفہ مستعصم کا وزیر تھا۔ علم و اہل علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا۔ (۶۱) اس نے اپنے محل میں سنہ ۶۴۴ھ میں ایک خزانۃ الکتب قائم کیا تھا جس میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں جمع کی تھیں۔ شعراء نے اس کی تعریف میں شعر لکھے اور عمدہ عمدہ قصیدے کہے تھے (۶۲)۔ اس کے فرزند شرف الدین علی کا بیان ہے "ابا جان کا خزانۃ الکتب دس ہزار (۱۰۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا"۔ (۶۳)

اس کتب خانہ سے اہلِ علم کو استفادہ اور نقل کی سہولت حاصل تھی، مرزبانی کی کتاب "الموشح" کے آخر میں ناقل نے تصریح کی ہے کہ "میں نے یہ نسخہ وزیر محمد علقمی کے نسخہ سے نقل کیا ہے جس پر اس کے دستخط و تحریر موجود تھی اور وہ نسخہ محمد بن علی المعروف بالنقاش کا لکھا ہوا تھا" (۶۴) اہلِ علم اس کے نام کتابیں معنون کرتے تھے۔ چنانچہ ابن الحدید المتوفی ۶۵۶ھ نے "شرح نہج البلاغہ" اس کے نام معنون کی تھی۔

(ب) عمال کے کتب خانے

عمال (گورنر) بھی بادشاہوں اور وزیروں کی طرح کتب خانے بناتے تھے ان کے کتب خانے ہر علم و فن کی کتابوں کے جامع ہوتے تھے۔ سرکاری منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد بعض عمال کی توجہ کا تمامتر مرکز ان کا کتب خانہ ہی ہوتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ سازی عہدِ عباسی میں سماجی زندگی کا اٹوٹ حصہ بن گئی تھی۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عامل کے کتب خانہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(ا) اسحاق بن علی ہاشمی عباسی کا کتب خانہ

اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی عباسی (۰۰-۱۹۴ھ / ۰۰-۸۰۹ء) مدینہ، سندھ، مکران، حمص، بصرہ، آرمینیہ کا عامل رہا۔ (۶۵) موصوف علم و اہل علم کے قدردان اور کتابوں کے شوقین تھے علومِ اوائل، یونانی و ہندی علوم سے زیادہ شغف تھا ان زبانوں سے ترجمہ نگاروں کی ایک جماعت ان کے لیے کتابوں کا ترجمہ کرتی تھی۔ بغداد میں ان کا خزانۃ الکتب جداگانہ مکان میں تھا۔ آخر عمر میں یہیں بیٹھ کر مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اپنے محل سرا کو جس میں موصوف کا کتب خانہ تھا چشم مرید کہتے تھے۔ (۶۶) جاحظ کی ان کے یہاں آمد و رفت تھی وہ ان کے دونوں زمانوں کا چشم دید حال لکھتا ہے:

"میں اسحاق بن سلیمان کے پاس ان کی گورنری کے زمانہ میں پہنچا تو دیکھا کہ فرش بچھا ہوا ہے لوگ دو رویہ بیٹھے ہوئے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں (بے حس و حرکت خاموش) اور اس کا فرش و فروش بھی دیکھا، سلیمان کی پوشاک بھی دیکھی تھی، جب معزول ہو گیا اس وقت بھی اس کے پاس پہنچا، دیکھا تو وہ اپنے کتب خانہ میں بیٹھا تھا آس پاس جامہ دان (کتابوں سے پر) چمڑے کے نوشتے، جزدان، کتابیں مسطر، دواتیں رکھی ہوئی تھیں، میں نے اس کو آج کے دن سے زیادہ پروقار، بلند تر، بارعب و باعظمت کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے کہ اس نے ہیبت کے ساتھ محبت کو اور عظمت کے ساتھ حلاوت اور سیادت کے ساتھ حکمت کو جمع کیا تھا"۔ (۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں کتب خانہ رکھنا لکھنے پڑھنے اور کتابوں میں منہمک رہنا اہلِ علم کی نظر میں کتنا پسندیدہ فعل سمجھا جاتا تھا وہ گورنری کے ٹھاٹ باٹ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اس کے لیے منکہ ہندی سنسکرت (۶۸) سے اور داریشوع سریانی سے کتابوں کا ترجمہ کرتے اور شرح لکھتے تھے۔ (۶۹)

اس قسم کے ذخائر کتب مندرجہ ذیل عمال بھی رکھتے تھے:

(۲) ابو عبداللہ ہارون بن مقتدر باللہ جعفر عباسی المتوفی بعد ۳۲۰ھ (۷۰)

(۳) علاء الدین عطاء ملک بن محمد بن محمد جوینی المتوفی (۶۷۱ھ / ۱۲۷۷ء) (۷۱)

(ج) حکام کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں بیشتر سرکاری عہدے دار کتابوں کے شوقین تھے وہ کتب خانے رکھتے اور اپنی بساط کے مطابق کتب خانہ بناتے، علوم و فنون اور کتابوں کی نشر و اشاعت کرتے تھے ان میں سے بعض کے کتب خانے بہت عظیم الشان کتب خانے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں کم و بیش ہر صاحبِ سیف و قلم کتب خانہ رکھتا تھا۔

(۱) تاج الدین بن حسین بغدادی کا کتب خانہ

تاج الدین ابو سعد حسن بن محمد بن حسین بغدادی (۵۴۷-۶۰۸ھ / ۱۱۵۳-۱۲۱۱ء) سیف الدولہ کے خاندان کا آخری عالم، ادیب، کاتب، مصنف تھا۔ بغداد میں شفاخانہ عضدی کا ناظم اور ٹکسال کا نگران تھا۔ کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا بڑی قیمت دے کر بھی لے لیتا تھا۔ بنیادی، نامور کاتبوں اور مصنفوں کے لکھے ہوئے نسخے جمع کئے تھے جو بہت سے اہلِ علم کے پاس نہیں تھے۔ (۷۲) استادوں سے پڑھی ہوئی چھوٹی بڑی کتابیں خود باریک قلم سے لکھی تھیں ان کا مقابلہ و تصحیح کی تھی۔ (۷۳)

موصوف کے معاصر یاقوت رومی کا بیان ہے:

"ان پر ایک وقت ایسا آیا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی کتابیں نکال کر بیچتے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہوتے تھے ان کی اس وقت ایسی حالت ہوتی تھی جیسے کوئی اپنے عزیز کو جدا کرتا ہو یا اپنے پیارے دوست کی جدائی پر دل بھر آتا ہو، میں نے ان سے عرض کیا آپ پر کشائش کا زمانہ آئے گا، زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ آپ اس سے بہتر کتابیں جمع کر لیں گے فرمایا، صاحبزادے سنو:

"یہ میری پچاس سالہ زندگی کا حاصل ہے مانا کہ مال آجائے گا اور زندگی بھی بڑھ جائے گی کتابیں مل جائیں گی لیکن افسوس! اس کے بعد بھی ان سے جدائی ہوگی اور پھر ملنا نہ ہوگا۔ ان کا انتقال ہو گیا اور آرزو پوری نہ ہو سکی" (۷۴)

ابنِ حمدون کتابوں کا فریفتہ تھا مگر دوسروں کو کتابیں مستعار دینے میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے "مجھے موصوف کو فوراً کتاب مستعار دینے پر تعجب ہوتا تھا انہوں نے ایک دن مجھ سے فرمایا میں نے کبھی کتاب مستعار دینے میں بخل نہیں کیا اور نہ میں نے اس پر کبھی زرِ

ضمانت طلب کیا مجھے معلوم نہیں کہ کبھی مستعار دینے میں میری کوئی کتاب کھوئی ہو" (۷۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں مستعار دینے میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور عموماً زرِ ضمانت طلب کیا جاتا تھا اس لیے یاقوت کو ان کی فیاضی اور کتابوں کی بازیابی پر تعجب و حیرت تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بلا معاوضہ مستعار کتابیں دینے کا بھی چلن تھا اس پر نہ شخصی ضمانت لی جاتی تھی اور نہ زر ضمانت ہی طلب کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یورپ میں یہ بات سنہ ۱۸۵۰ء تک بھی رائج نہیں ہو سکی تھی۔

(۲) ابوالحسن علی بن رشید حربوی حنبلی کا کتب خانہ

ابوالحسن علی بن رشید بن احمد حربوی حنبلی (۵۴۵–۶۰۵ھ / ۱۱۴۸–۱۲۰۸ء) دجلہ کے آخری کنارے حربی میں قیام پذیر تھا۔ خلیفہ ناصرلدین اللہ کے زمانہ میں مختلف سرکاری عہدوں پر ممتاز رہا۔ محدث (۷۶)، فقیہ، ادیب و شاعر اور اچھا خوشنویس تھا۔ ابنِ مقلہ کی روش پر لکھتا تھا (۷۷) کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت لکھا تھا اور بہت کتابیں جمع کی تھیں (۷۸) اس نوع کے ذخائرِ کتب مندرجہ ذیل حکام کے پاس تھے:

(۳) ابو احمد حسن بن احمد بن امیرک نیشاپوری المتوفی (۵۱۰ھ / ۱۱۱۶ء) (۷۹)

(۴) سپہ سالار افواج خوارزم شاہ ابو علی حسین بن عبداللہ اور ان کے فرزند سپہ سالار

(۵) ابو شجاع محمد بن حسین رکھتے تھے۔ رشید الدین وطواط المتوفی ۵۷۲ھ نے ابو علی کے خزانۂ کتب کے لیے "مفاتیح الحکم و مصابیح الظلم" اور ابو شجاع کے خزانۂ کتب کے لیے "جواہر القلائد و زواہر الفرائد' لکھی تھیں۔ (۸۰)

(د) دربانوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں حاجب (دربان) بھی علم و کتب سے بہرہ ور تھے اور وہ بھی اپنے پاس کتب خانہ رکھتے تھے۔

(ا) ابوالحسن عبدالعزیز کا کتب خانہ

ابوالحسین عبدالعزیز بن ابراہیم بن نعمان (۰۰-۳۵۱ھ/ ۰۰-۹۶۲ء) کا باپ کاتب و دربان تھا۔ ابوالحسین ادیب، مصنف دفتری امور و کتابت کے فن میں طاق، معزالدولہ کے دورِ حکمرانی میں دیوان سواد (عراق) کا سربراہ اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت بڑا اور عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔

ابن الندیم کا بیان ہے:

"اس کے کتب خانہ سے زیادہ بہتر کتب خانہ نہیں دیکھا گیا کیونکہ یہ اصل کتابوں اور ان کے یکتا و یگانہ دواوین پر جو مصنفین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے تھے، مشتمل تھا" (۸۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کتب خانوں میں اس کتب خانہ کو اہمیت و شہرت حاصل ہوتی تھی جس میں مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے محفوظ ہوتے تھے۔

(۲) محمد بن نصر حاجب (۰۰-۳۱۲ھ/ ۰۰-۹۲۵ء) صولی کا بیان ہے کہ موصوف نہایت عالی ہمت، بہت سے محاسن کے جامع اور علم کے دلدادہ تھے۔ حدیثیں لکھی تھیں دو ہزار دینار سے زیادہ کا کتب خانہ چھوڑا تھا۔ (۸۲)

(۵) موچی‘ رنگریز اور عطاروں سے شہرت رکھنے والوں کے کتب خانے

(۱) ابو مخلد عطاء بن مسلم حلبی المعروف بالخفاف کا کتب خانہ

ابو مخلد عطاء بن مسلم حلبی المعروف بالخفاف (چرمی جوتے ساز) اعمش المتوفی سنہ (۶۱-۱۴۸ھ / ۶۷۱-۷۶۵ء) اور سفیان ثوری المتوفی سنہ (۹۷-۱۶۱ھ / ۷۱۶-۷۷۸ء) کے شاگرد تھے۔ موصوف کے پاس کتب خانہ تھا جو انہوں نے زیرِ زمین دفن کرایا تھا۔ (۸۳)

(۲) ابو نصر محمود بن فضل بن محمود اصفہانی ثم بغدادی کا کتب خانہ

ابو نصر محمود بن فضل بن محمود اصفہانی ثم بغدادی صباغ رنگریز (۰۰-۵۱۲ھ / ۰۰-۱۱۱۸ء) حافظ حدیث و محدث تھے زود نویس و خوشنویس تھے بڑی لمبی لمبی کتابیں نقل کی تھیں (۸۴)۔

(۳) ابو عبداللہ محمد بن مخلد دوری بغدادی کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن مخلد بن حفص دوری بغدادی عطار (۲۳۳-۳۳۱ھ / ۸۴۷-۹۴۲ء) حافظ حدیث مسند بغداد‘ مورخ و مصنف تھے (۸۵) ان کا کتب خانہ ان کی مسموعات و مصنفات پر مشتمل تھا جس میں زیادہ تر حدیث‘ فقہ‘ رجال کی کتابیں تھیں۔ (۸۶)

(۴) ابوالفضل نصر بن محمد بن احمد طوسی عطار کا کتب خانہ

ابوالفضل نصر بن محمد بن احمد طوسی عطار (۳۱۱-۳۸۴ھ / ۹۲۳-۹۹۴ء) محدث خراسان حافظ حدیث‘ مصنف رفیق شبلی‘ بلند پایہ صوفی تھے۔ موصوف نے حدیث کی کتابوں کا اتنا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ ان کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھا۔ (۸۷)

(و) وراقوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں وراق و خوشنویس کتابیں نقل ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان میں سے بعض اپنے پاس کتب خانے بھی رکھتے تھے اور کتابوں کے سلسلہ میں اہلِ علم کی رہنمائی بھی کرتے تھے۔

(ا) ابو اسحٰق ابراہیم بن سعید نعمانی کا کتب خانہ

ابو اسحاق ابراہیم بن سعید بن عبداللہ نعمانی مولی تجیبی کتبی وراق مصری المعروف بحبال (۳۹۱۔۴۸۲ھ / ۱۰۰۱۔۱۰۸۹ء) حافظ حدیث، محدث و مصنف تھے، کتابوں کی تجارت کرتے اور خود بھی کتابیں جمع کرتے تھے اس لیے ان کے پاس حدیث کی کتابوں کے اصل نسخے اور اجزاء اتنے زیادہ جمع ہو گئے تھے کہ بیان نہیں کئے جا سکتے۔ حبال اپنے نسخے اور کتابیں اپنی موجودگی میں طلبہ کو نقل کے لیے دیتے جب تک بیٹھتے نقل کرنے دیتے اور جب اٹھتے نسخے واپس لے لیتے تھے ان کے پاس ایک کتاب کے کئی کئی نسخے تھے اور اتنی کتابیں تھیں کہ معاصرین کے پاس نہ تھیں۔ (۸۸)

(۲) ابوبکر محمد بن احمد المعروف بابن الخاضبہ کا کتب خانہ

ابوبکر محمد بن احمد بن عبدالباقی وقاق بغدادی المعروف بابن الخاضبہ (۰۰۔۴۸۹ھ / ۰۰۔۱۰۹۵ء) حافظ حدیث، امام فن، مفید بغداد (۸۹) قاری، ادیب، عمدہ خطاط و وراق تھے۔ نقل نویسی پر ان کی گزر بسر تھی، صحیح پڑھتے، صحیح لکھتے تھے۔ (۹۰)

ان کا ذاتی کتب خانہ تھا جو کوئی ان کے کتب خانے سے کتاب عاریتاً" مانگتا اسے کتاب دیتے تھے اور اگر اپنے کتب خانہ میں نہ ہوتی جہاں سے مل سکتی اس کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ (۹۱)

(۳) ابوبکر محمد بن الحسین بابن الخفاف الوراق کا کتب خانہ

ابوبکر محمد بن الحسین بن ابراہیم المعروف بابن خفاف الوراق (۰۰۔۴۱۸ھ / ۰۰۔۱۰۲۷ء) محدث، وضاع و کذاب تھا کتابوں کا بڑا ذخیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ بازار باب الطاق جل گیا تو اس کے ایک ہزار اسی من اجزاء نذر آتش ہو گئے تھے۔ (۹۲)

محدثین کی اصطلاح میں ایک من دس جز کا ہوتا ہے۔ (۹۳)

(ز) خوشنویسوں کے کتب خانے

(۱) ابو بشر شعیب بن ابی حمزہ حمصی کا کتب خانہ

ابو بشر شعیب بن ابی حمزہ بن دینار مولی اموی حمصی (۹۲-۱۶۲ھ / ۸۱۰-۷۷۸ء) حافظ حدیث، خوشنویس، خلیفہ ہشام بن عبد الملک المتوفی ۱۲۵ھ کے کاتب اور صاحب الزہری (تلمیذ زھری) تھے۔ ان کے پاس حدیث کی کتابوں کا ذخیرہ تھا تمام کتابیں خوشخط زیر و زبر کے ساتھ لکھی ہوئی تھیں۔ امام احمد نے ان کی کتابوں کو دیکھا تھا۔ (۹۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذاتی کتب خانوں کے دروازے بھی اہلِ علم کے استفادہ کے لیے کھلے رہتے تھے۔

(۲) ابو الیسر ابراھیم بن احمد شیبانی کا کتب خانہ

ابو الیسر ابراھیم بن احمد شیبانی بغدادی المعروف بالریاضی (۲۲۳-۲۹۸ھ / ۸۳۸-۹۱۱ء) نحوی، لغوی، ادیب و شاعر، مصنف و خطاط (۹۵) اور ہر فن سے بہرہ ور تھا۔ اکثر کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کی تھیں، بہت اچھا وراق تھا بڑھاپے میں سیبویہ کی "الکتاب" ایک قلم سے نقل کی تھی۔ موصوف کے ذخیرۂ کتب خانہ میں ہر فن کی کتابیں تھیں الریاضی نے افریقہ و یورپ (اندلس) میں محدثین کے مسائل اور شعراء کا کلام و تذکرہ پہنچایا تھا۔ (۹۶)

(۳) ابو علی حسن بن عبد اللہ مصری کا کتب خانہ

ابو علی حسن بن علی بن عبد اللہ المعروف بابن ابی جرادہ مصری (۰۰-۵۵۱ھ / ۰۰-۱۱۵۶ء) شاعر، ادیب، کاتب و خوشنویس تھا، ابن مقلہ کی طرز پر نسخ اور ابن البواب کی روش پر رقاع لکھتا تھا۔ اس کا کتب خانہ ان کے باپ نے بڑا کر دیا تھا۔ (۹۷) اس قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل خوشنویسوں کے پاس تھے۔

(۴) ابو نصر حسن بن محمد بن ابراھیم تورتانی اصبہانی (۴۶۶-۵۲۷ھ / ۱۰۷۳-۱۱۳۲ء) (۹۸)

(۵) ابو البرکات عبد القاہر بن علی بن عبد اللہ المعروف بابن جرادہ المتوفی (۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء) (۹۹)

(ح) خازنوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کے خازن جن کی زندگی کتب خانوں میں گزرتی تھی کتابوں سے انہیں سیری نہیں ہوتی تھی اپنے ذوقِ علمی کی تسکین کی خاطر ان میں سے بعض بہت عظیم کتب خانہ رکھتے تھے اور اسے اہلِ علم کے استفادہ کے لیے وقف کر دیا کرتے تھے۔

(۱) عبدالسلام بن الحسین لغوی کا کتب خانہ

ابو احمد عبدالسلام بن الحسین بن محمد بصری لغوی (۳۲۹-۴۰۵ھ / ۹۴۰-۱۰۱۴ء) بلند پایہ نحوی، لغوی، ادیب، دارالعلم سابور کا خازن و سخی تھا۔ اس کے پاس بھی کتابوں کا ذخیرۂ کتب تھا۔ جب کوئی سائل آتا اور درہم یا دینار کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنے ذاتی اور نجی ذخیرہ کتب سے کتاب نکال کر دے دیتا تھا۔ سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا تھا۔ (۱۰۰)

(۲) ابوالفضل سعد بن احمد شعبی کا کتب خانہ

ابوالفضل اسعد بن احمد بن ابی روح شعبی (۰۰- قبل ۵۲۰ھ / ۰۰-۱۱۲۶ء) فقیہ، خطیب، مدرس، مصنف، شام کا قاضی اور دارالعلم طرابلس کا لائبریرین تھا۔ یہ خود بھی کتابیں جمع کرنے کا شوقین تھا۔ حیفا میں ایک دارالکتب بنایا تھا جس میں چار ہزار سے زیادہ مجلدات جمع کی تھیں۔ (۱۰۱)

اس نوع کا کتب خانہ محدث ابو عبداللہ محمد بن علی بن محمد انصاری جبانی اندلسی نزیل حلب (۴۹۲-۵۷۳ھ / ۱۰۹۹-۱۱۶۸ء) ناظم کتب خانہ مدرسہ نوریہ کے پاس تھا جو موصوف نے "اصحابِ حدیث" پر وقف کیا تھا (۱۰۲)

(ط) فنکاروں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں فنکاروں کو بھی اہلِ علم کی طرح کتابوں اور کتب خانوں سے گہری دلچسپی تھی چنانچہ بعض فنکاروں کا کتب خانہ اپنی کثرت و ندرت میں نامور علماء کے کتب خانوں سے کم نہ ہوتا تھا۔ مشہور مغنی اسحاق موصلی کا کتب خانہ اس نوع کا تھا ہم نے بطور مثال اس کتب خانے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔

(۱) ابو محمد اسحاق بن ابراہیم موصلی کا کتب خانہ

ابو محمد اسحاق بن ابراہیم بن میمون موصلی (۱۵۵-۲۳۵ھ / ۷۷۲-۸۵۰ء) کو شعر، ادب، لغت، حدیث، کلام و فقہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ خلیفہ ہارون، مامون، معتصم اور واثق کا ندیم مشہور مغنی و کثیر التصانیف مصنف تھا۔ (۱۰۳) اس کے ذاتی کتب خانہ میں صرف لغت میں اس کے سماع کئے ہوئے اور اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ایک ہزار جزء تھے، دار الخلافہ بغداد میں لغت میں اس زمانے میں صرف دو ہی کتب خانے قابلِ ذکر تھے ایک اسحاق موصلی کا اور دوسرا ابن الاعرابی کا، لیکن ابن الاعرابی کا ذخیرۂ کتب اس سے کم تھا۔ (۱۰۴)

اس کے کتب خانے میں کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ جب یہ ہارون رشید کے ساتھ رقہ گیا تو اس نے سفر میں مطالعہ کے لیے جو کتابیں انتخاب کی تھیں وہ سولہ اور بقول بعض اٹھارہ صندوقوں میں اٹھارہ اونٹوں پر لے جائی گئی تھیں۔ (۱۰۵)

(۲) ابو بکر محمد بن یحییٰ بشطرنجی کا کتب خانہ

ابو بکر محمد بن یحییٰ بن عبداللہ صولی المعروف بشطرنجی (۰۰-۳۳۵ھ / ۰۰-۹۴۶ء) ادب، تاریخ و طبقات میں یگانہ روزگار اور شطرنج کے کھیل میں لاثانی تھا اس کا یہ کھیل ضرب المثل تھا۔ چنانچہ آج بھی کہا جاتا ہے "فلان یلعب الشطرنج مثل الصولی" فلاں صولی کی طرح شطرنج کھیلتا ہے۔ یہ خلیفہ راضی باللہ کا اتالیق مکتفی باللہ و مقتدر باللہ کا ندیم تھا۔ (۱۰۶) شاعر، مصنف اور کتابوں کا بہت دلدادہ تھا۔ (۱۰۷) اس کے شاگرد محمد مرزبانی المتوفی ۳۸۴ھ کا بیان ہے۔

"صولی کتابوں کی درجہ بندی اور انہیں موضوع کے اعتبار سے اپنی اپنی جگہ پر رکھنے میں ماہر تھا" (۱۰۸) ابو بکر بن شاذان کا بیان ہے:

"میں نے صولی کا کتابوں سے بھرا ہوا بہت بڑا مکان دیکھا ہے اس میں کتابیں قطار اندر قطار

رکھی ہوئی تھیں، کتابوں کی جلدیں مختلف رنگوں کی تھیں کتابوں کی ایک قطار اور نوع دوسری قطار اور نوع سے رنگ میں جدا تھی، ایک صنف سرخ رنگ کی جلدوں کی تھی دوسری سبز رنگ کی تھی، تیسری زرد رنگ کی تھی علیٰ ھذاالقیاس یہ سب کتابیں ان کی اساتذہ سے سنی ہوئی اور پڑھی ہوئی تھیں“ (۱۰۹) ابو سعد عقیلی نے صولی کے کتب خانے کی نسبت سے حسبِ ذیل شعر کہے تھے:

انما الصولی شیخ
اعلم الناس خزانه
”بلاشبہ شیخ صولی اپنے کتب خانے کے زیادہ جاننے والے تھے۔“
ان تسئل عن مشکلات
طالبا منه ابانه
”اگر تم مشکل امور کے متعلق پوچھو اور صولی سے ان کا حل چاہو۔“
قال ! یا غلمان ھا توا
رزمه العلم فلانه (۱۱۰)
”تو وہ خدام سے فرمائیں گے فلاں علم کی فلاں پوٹ اٹھالاؤ۔“

صولی رنگ کو نوٹیشن (Notation) کی جگہ استعمال کرتا تھا اور کلاسی فیکیشن (Classification) کے مطابق کتابوں کی ترتیب میں جلدوں کے رنگوں کے ذریعہ امتیاز کرتا تھا، بصرہ میں اس کا انتقال ہوا۔ صولی کتب خانہ ساز تھا اس نے راضی باللہ کا کتب خانہ بنوایا تھا۔ صولی کا کتب خانہ (۳۲۹ھ / ۹۴۰ء) میں دیلمیوں کے ہاتھوں برباد ہوا تھا۔ (۱۱۱)

صولی کا اتنا عظیم الشان کتب خانہ تھا کہ اس نے اپنے کتب خانے سے خلیفہ راضی باللہ کے کتب خانہ شاھی کے لیے کتابیں دی تھیں۔ (۱۱۲) اس تباہی و بربادی کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ صولی نے پھر کتب خانہ بنایا تھا۔ ابن الندیم نے اسے دیکھا تھا۔ (۱۱۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اہلِ علم استفادہ کرتے تھے۔

(ی) تاجروں کے کتب خانے

تاجر عہدِ عباسی میں نہ صرف تجارت میں مصروف رہتے بلکہ وہ پڑھنے لکھنے کے لیے بھی وقت نکالتے اور اپنے علم و آگہی میں اضافہ کی خاطر کتب خانے بناتے تھے ان کے کتب خانوں کا ذخیرہ صرف اقتصادیات، معاشیات ہی پر مبنی نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام علومِ متداولہ پر ان کا ذخیرہ مشتمل ہوتا تھا بعض ان میں ایسے تاجر بھی پائے جاتے تھے جو خاص موضوعات پر امام مانے جاتے ہیں یہ تجار اپنے ذخیرۂ کتب کو منجمد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ اگر سفر و سیاحت کے لیے نکلتے تھے تو کتب خانہ بھی جو کئی بار شتر کتابوں پر مشتمل ہوتا تھا ساتھ لے کے چلتے تھے۔ یہ عہدِ عباسی میں تاجروں کے کتب و کتب خانوں سے شغف و شیفتگی کی نہایت بین دلیل ہے۔

(۱) ابوبکر احمد بن محمد بن فضل جراح خزاز کا کتب خانہ

ابوبکر احمد بن محمد بن فضل جراح خزاز بغدادی (۰۰-۳۸۱ھ / ۰۰-۹۹۱ء) بڑا فاضل، راست گو، محدث، ادیب، شہسوار و تاجر تھا اس کے پاس دس ہزار درہم کی قیمت کا کتب خانہ تھا۔ موصوف کا بیان ہے "میری کتابیں، میری باندیاں، میرے ہتھیار اور میرے جانور ہر ایک دس ہزار درہم کے ہیں"۔ (۱۱۴)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں عجیب جولانی تھی اس نے دس ہزار کے عدد کو اپنا مخصوص ہدف بنا رکھا تھا ہر عزیز و محبوب چیز کی مالیت کو دس ہزار درہم تک پہنچایا ہوا تھا۔

(۲) ابو منصور عبدالمحسن بن محمد شیحی بغدادی کا کتب خانہ

ابو منصور عبدالمحسن بن محمد شیحی بغدادی المعروف بابن شہدانکہ (۴۲۱-۴۸۹ھ / ۱۰۳۰-۱۰۹۵ء) محدث، تاجر و جہان گشت تھے کتابوں کے بہت شوقین تھے بہت کتابیں جمع کیں اور نقل کی تھیں۔ (۱۱۵) حدیث سے خاص انس تھا۔ (۱۱۶) حدیث کی کتابوں کے اصل نسخے جمع کئے تھے۔ (۱۱۷)

(۳) ابواللیث نصر بن حسن بن قاسم شاشی کا کتب خانہ

ابوالفتح، ابواللیث نصر بن حسن بن قاسم تنکتی شاشی نیشاپوری (۴۰۶-۴۸۶ھ / ۱۰۱۵-۱۰۹۳ء) مشہور محدّث و تاجر تھے شہر شہر جاتے مال بیچتے اور حدیث پڑھاتے

تھے موصوف نے مشرق و مغرب (ایشیا‘ افریقہ‘ یورپ‘ اندلس) تک علم حدیث پہنچایا۔ مورخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت و علم میں برکت دی انہوں نے جب نیشاپور کو وطن بنایا تو ان کے پاس کئی بار شتر حدیث کے اجزاء اور خطیب کی نادر کتابیں تھیں“ (۱۱۸)

(۴) ابوالحسن سعد الخیر بلنسی اندلسی کا کتب خانہ

ابوالحسن سعد الخیر بن محمد انصاری بلنسی اندلسی ثم بغدادی المتوفی (۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء) محدث‘ مصنف و تاجر تھے چین تک سفر کیا تھا(۱۱۹) بغداد میں موصوف کا ذاتی کتب خانہ نفیس کتابوں پر مشتمل تھا۔ (۱۲۰)

(۵) تقی الدین ابو محمد عبدالعزیز بزاز کا کتب خانہ

تقی الدِین ابو محمد عبدالعزیز بن محمود بن المبارک جنابذی بغدادی حنبلی بزاز المعروف بابن الاخضر (۵۴۴-۶۱۱ھ/۱۱۳۰-۱۲۱۵ء) محدث بن محدث‘ حافظ حدیث‘ محدث عراق‘ فقیہ و مصنف تھے (۱۲۱) بغداد میں درب قیار میں رہتے تھے۔ زقاق ریحانیین میں خان حسبہ میں پڑھاتے تھے۔ (۱۲۲) جامع بغداد میں بھی ان کا حلقہ درس قائم تھا۔ خان خلیفہ میں کپڑے کی دکان تھی۔ ان کے شاگرد منذری کا بیان ہے ”موصوف نے اپنے قلم سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے لکھا‘ حدیث کی کتابوں کے اصلی نسخے خریدنے میں قیمت بھی خوب دی تھی“ (۱۲۳) یہ تاجر تھے دکان پر بیٹھتے تھے اس لیے اپنے مطالعہ واستفادہ کے لیے دکان پر کتابیں رکھتے تھے۔

(ک) دولتمندوں کے کتب خانے

عہد عباسی میں امیر غریب علم و کتب کا دلدادہ تھا اور بعض غریب قابلِ فخر نوادر پر مشتمل کتب خانہ رکھتے تھے جس پر بادشاہوں کا جی للچاتا تھا۔

(ا) ابواسحاق ابراہیم حربی بغدادی کا کتب خانہ

ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بن بشیر بغدادی حربی (۱۹۸–۲۸۵ھ / ۸۱۵–۸۹۸ء) لغت، حدیث، فقہ، ادب، تاریخ کے امام، حافظ حدیث و کثیر التصانیف مصنف تھے۔ (۱۲۴) ان کی جاگیر تھی بائیس مکان اور باغ تھے جو ایک ایک کر کے بیچے اور تمام رقم علمِ حدیث کی تحصیل میں خرچ کی۔ (۱۲۵)

حربی بہت ہی عسرت کی زندگی بسر کرتے اور کتابیں جمع کرتے تھے ان کا کتب خانہ جداگانہ کمرے میں مکان کے دروازے سے متصل تھا جو بغداد میں شارع باب الدینار میں واقع تھا۔ یہ کتب خانہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے صرف ایک گوشہ میں لغت و غریب الحدیث کے بارہ ہزار جزء ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے رکھے تھے۔ موصوف نے اس امر کا اظہار بھی مرتے وقت کیا تھا۔ یہ قصہ بھی بہت دلچسپ ہے۔

"امام حربی جب بہت زیادہ بیمار پڑے تو خلیفہ معتضد نے دس ہزار درہم کی تھیلی بھیجی انہوں نے واپس کر دی حالانکہ گھر میں کچھ نہ تھا ان کی بیٹی نے چچا سے عرض کیا ہم پر بہت کڑے دن آ گئے ہیں، مہینوں بیت جاتے ہیں گھر میں کھانے کو سوکھے ٹکڑوں اور نمک کے سوا کچھ نہیں ہوتا بسا اوقات نمک بھی نہیں ہوتا ہے کل معتضد نے ایک تھیلی بھیجی تھی وہ بھی ابا جان نے واپس کر دی۔ فلاں فلاں نے بھیجا وہ بھی قبول نہیں کیا اب بیمار پڑے ہیں، حربی یہ باتیں سن رہے تھے، بیٹی کی طرف منہ کر کے مسکرائے کہا تم فقر سے ڈرتی ہو وہ بولی "جی ہاں" فرمایا ذرا گھر کے اس حصہ کو دیکھو اس نے دیکھا کتابیں ہی کتابیں تھیں، فرمایا یہاں بارہ ہزار جزء لغت اور غریب الحدیث کے میرے لکھے ہوئے رکھے ہیں جس کے پاس بارہ ہزار درہم ہوں وہ کہیں فقیر ہوتا ہے"۔ (۱۲۶)

یہ بیت الکتب کے صرف ایک گوشے کا حال تھا، لوگ ان کی تنگدستی کو اور ان کے کتب خانہ کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے ایک موقعہ پر کسی شخص سے نہ رہا گیا اور اس نے ابراہیم حربی سے پوچھ ہی لیا کہ آپ نے اتنی کتابیں کیسے جمع کیں غصہ سے فرمایا "بلحمی و دمی" خون پسینہ ایک کر کے جمع کی ہیں۔ (۱۲۷) امام حربی کا کتب خانہ ان کے گھر کی دہلیز کے پاس ایک جداگانہ مکان میں تھا یہاں

بیٹھ کر مطالعہ کرتے اور لکھتے پڑھتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ ان پر کئی دن فاقہ سے گزر گئے بیوی نے آکر کہا میں اور آپ تو صبر سے بیٹھے رہیں گے لیکن ان دو بچیوں کو کہاں تک بھوکا ماریں' اپنی کتابوں میں سے کچھ دیجئے انہیں بیچیں یا گروی رکھیں انہوں نے ذرا بخل سے کام لیا اور کہا تم ان کے لیے کہیں سے قرض لے لو مجھے ایک دن کی اور مہلت دو' موصوف کا بیان ہے:

"رات کا وقت تھا میں بیت الکتب میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا کہ کسی نے دستک دی' میں نے پوچھا کون؟ اس نے کہا' آپ کا پڑوسی! میں نے کہا اندر آیئے وہ بولا چراغ بجھا دیجئے میں نے چراغ بہت ہی مدھم کیا وہ آیا اور ایک رومال میں پانچ سو درھم اور کھانے کا سامان رکھ کر چلا گیا میں نے بیوی کو بلا کر کہا بچوں کو جگاؤ اور کھانا کھلاؤ" (۱۲۸)

فقر و فاقہ' پیٹ کی آگ سب کچھ اپنے ہی پر نہیں بیوی پر نہیں بچیوں پر بھی گوارا کی' لیکن کتابوں کی جدائی کو کسی قیمت پر گوارا نہیں کیا کیونکہ انہی کتابوں نے ان کی کتاب زندگی کو سنوارا تھا۔ فکری تربیت کی تھی' ان کے ذہن کو جلا بخشی تھی کہ ان کے مذاق و مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں ایسے رفیق اور ساتھی کو کون جدا کر سکتا ہے؟

اس قسم کے ذخائر کتب مندرجہ ذیل دولتمند بھی رکھتے تھے۔

(۲) ابولوفاء بن سلمہ ہمدانی کا کتب خانہ

ابو الوفاء بن سلمہ ہمدانی (۰۰-۰۰) ہمدان کے رئیسوں میں تھا اس کا ہمدان میں بہت نادر کتابوں کا جامع کتب خانہ تھا۔ ابو تمام (۱۸۸-۲۲۱ھ / ۸۰۴-۸۴۶ء) نے اس کے خزانۃ الکتب میں بیٹھ کر "دیوان الحماسہ" مرتب کیا تھا اس کتب خانہ میں غالباً ابو تمام کو ابو العطاء سندی 'پاکستانی' کا دیوان ملا تھا جس کے اشعار سے اس نے دیوان الحماسہ کو زینت بخشی تھی۔ (۱۲۹)

(۳) ابو جعفر محمد بن یعقوب خرجی کا کتب خانہ

ابو جعفر محمد بن یعقوب ابن الفرج خرجی (۲۷۱ھ / ۸۸۴ء) محدث فقیہ و صوفی جن کے متعلق بنان بن احمد مصری کا بیان ہے: "میں ان سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ ایسے مکان میں بیٹھے ہیں جو کتابوں سے بھرا ہوا ہے"۔ (۱۳۰)

(۴) ابو جعفر ہارون بن محمد ضبی کا کتب خانہ

ابو جعفر ہارون بن محمد بن ہارون ضبسی المتوفی (۳۳۵ھ/ ۹۶۵ء) لغت، شعر، نحو، معانی قرآن و کلام میں ممتاز تھا موصوف نے اپنے کتب خانہ میں نامور خطاط و مصنفین کی لکھی ہوئی کتابیں جمع کی تھیں ان کا محل سراہر فن کے اربابِ کمال کا ٹھکانا تھا۔ (۱۳۱)

(۵) ابوالحسین محمد بن محمد حسنی علوی بغدادی کا کتب خانہ

ابوالحسین محمد بن محمد بن زید حسنی علوی بغدادی نزیل سمرقند (۴۶۹-۵۶۰ھ/ ۱۰۷۶-۱۱۶۴ء) محدث، مصنف و مخیر تھے بہت کتابیں جمع کی تھیں اپنے تلامذہ کو کتابیں نقل کرنے کو دیتے تھے۔ (۱۳۲)

(ل) غرباء کے کتب خانے

(ا) محمد بن حسین شیعی کا کتب خانہ

محمد بن حسین المعروف بابن ابی بعرہ شیعی (۰۰-۰۰) ابن الندیم صاحب "الفہرست" المتوفی (۴۳۸ھ / ۱۰۴۷ء) کا معاصر و دوست اور کتابوں کا فریفتہ تھا اس نے بہت ہی عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے: "ابن ابی **بعرہ** کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوقین تھا میں نے اس کے جیسا کثیر نوادر کا جامع کتب خانہ کسی کا نہیں دیکھا" (۱۳۳)

ابن الندیم کو اس ذخیرہ تک بڑی مشکل سے رسائی ہوئی تھی، وہ بنو حمدان کے ڈر سے کہ یہ ذخیرہ وہ چھین نہ لیں کسی کو اس کی ہوا نہ دیتا تھا چنانچہ ابن الندیم کا بیان ہے:

"میں ابن ابی **بعرہ** سے کئی دفعہ ملا وہ پھر مجھ سے مانوس ہوا اگرچہ وہ میل جول سے متنفر تھا اور کتابوں کے معاملہ میں بے حد بخیل واقع ہوا تھا اس کی وجہ بھی بنو حمدان کا خوف ہی تھا، تاہم اس نے مجھ پر کرم کیا ایک بہت بڑا بورا دکھایا جس کا وزن تین سو رطل (پونے چار من) تھا اور وہ حسب ذیل نوادر پر مشتمل تھا۔

"گاؤخر کے چمڑے پر اقرار نامے، مصری کاغذ، چینی اور تہامی اوراق، اونٹ کی کھال، خراسانی کاغذ اور ان پر ائمہ لغت کے نوشتے، شعراء عرب کے قصائد، کچھ مسائل نحو، قصے کہانیاں، اسماء و نسب نامے وغیرہ، علوم عرب اور دیگر علوم کے بہت سے نوشتے تھے، یہ ذخیرہ کوفہ کے ایک شخص کا تھا جس کا نام میرے ذہن سے اتر گیا ہے وہ شخص قدیم نوشتے جمع کرنے کا شوقین تھا جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی دوستی، اتحادِ مسلک و عقیدہ کی وجہ سے محمد حسین کے حوالہ کیا۔ محمد حسین کے اس ذخیرے کو میں نے دیکھا اور خوب کھنگالا ہے، اس میں عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آئی تھیں۔ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے ان چیزوں میں کہنگی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، زمانہ کی دست برد سے اس کے نشانات مٹنے اور نقوش و اثرات محو ہونے لگے تھے ان کے ہر جز اور کاغذ پر ترتیب کے ساتھ علماء کے دستخط اور مہریں ثبت تھیں۔ یہ بھی مذکور تھا کہ یہ کس کی تحریر ہے اور ہر مہر کے نیچے دوسرے کی مہر موجود تھی علماء کی شہادتیں ثبت تھیں۔

میں نے اس ڈھیر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصاحب و رفیق خالد بن ابی الھیاج کا لکھا ہوا ایک **مصحف** بھی دیکھا تھا جو ابو عبداللہ بن ہانی رحمتہ اللہ کی طرف منتقل ہوگیا تھا، میں نے اس میں امام حسن و حسین کے مکتوبات بھی دیکھے، حضرت علی اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے لکھے

ہوئے عہد نامے بھی دیکھے تھے، اس میں ابو عمرو بن العلاء، ابو عمرو شیبانی، اصمعی، ابن الاعرابی، سیبویہ، فراء، کسائی جیسے علماء نحو و ائمہ لغت اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، اوزاعی وغیرہ ائمہ حدیث کے نوشتے اور ایسے کاغذات بھی میری نظر سے گزرے جو اس امر کے شاہد ہیں کہ علم نحو ابو الاسود سے منقول ہے، جن کاغذات میں یہ بات درج تھی وہ چار ورق تھے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ چینی کاغذ پر تھے جن کا عنوان تھا کہ ان میں فاعل و مفعول سے متعلق ابو الاسود کی بحث درج ہے۔ یہ تحریر یحییٰ بن **یعمر** کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اور اس کے نیچے ابنِ علان نحوی کی اور اس کے نیچے **انضر** بن شمیل کی تحریر تھی۔ اس کی وفات کے بعد کتابوں کا یہ بورا اور اس کا ذخیرہ ایسا گم ہوا کہ سخت جدوجہد کے باوجود ایک **مصحف** کے سوا کچھ نہ مل سکا اور نہ ہم نے اس کے متعلق کچھ سنا اور نہ اس کی کوئی چیز کبھی دیکھنے میں آئی"۔ (۱۳۴)

مذکورۂ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ بنو حمدان بادشاہ اور وزیر سب ہی کتابوں کے جویا و دلدادہ تھے۔ نادر ذخیرہ پر ان کی نگاہ رہتی تھی وہ اسے حاصل کرنے کی فکر میں رہتے تھے، عوام بھی کتابوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، کسی قیمت پر کتابوں کو جدا کرنے پر راضی نہ ہوتے تھے، کتابوں کی قدر ان کی نظر میں دیناروں سے کہیں زیادہ تھی اس لیے ابنِ ابی **بعرہ** اس انمول ذخیرے کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتا تھا، لیکن اس اہتمام و احتیاط کے باوجود ابن الندیم کی آنکھوں نے وہ وقت بھی دیکھ لیا جب کتابوں کا یہ انمول بورا ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا سراغ بھی نہیں مل سکا۔ مولانا شبلی نے اس کتب خانہ کے تذکرہ کے موقعہ پر لکھا ہے:

"اس خزانۂ علمی کے حالات بہت کم معلوم ہیں جس کی وجہ مورخین کی بے پروائی کے سوا یہ بھی ہے کہ خود محمد حسین بانی کتب خانہ نے اس کو گمنامی کے پردہ میں رکھنا چاہا تھا وہ کسی سے اس کا ذکر تک نہیں کرتا تھا در حقیقت جو نایاب علمی یادگاریں اس کے کتب خانہ میں محفوظ تھیں اس کے لحاظ سے یہ احتیاط اور بخل بے جا بھی نہیں تھا"۔ (۱۳۵)

مورخین علماء کے حالات میں ان کے کتب خانے کا ذکر کرتے ہیں، محمد بن حسین کوئی عالم نہ تھا مصنف نہ تھا یہی وجہ ہے کہ ابن الندیم نے بھی اس کے نام کے ساتھ کوئی ایسی کسی صفت کا ذکر نہیں کیا جس سے اس کے عالم ہونے کا شبہ بھی ہو سکے، اس لیے اس کا ذکر ہی مورخین و تذکرہ نگاروں کے یہاں کیوں آتا، پھر بخیل بھی تھا کتابیں اہلِ علم کو دکھاتا نہیں تھا، کتابیں اہل علم کے استعمال و مطالعہ میں نہیں آتی، ان کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں ان کا ذکر تاریخ کے صفحات میں جگہ نہیں پاتا ہے اس لیے اس اہم ذخیرے کی شہرت علمی حلقوں میں نہیں ہو سکی تھی اگر یہ کتب خانہ اہلِ علم کے استعمال میں آتا تو اس کا ذکر مورخین کے یہاں بھی آتا کتب خانہ کی جان اس کا

استعمال ہے۔

تاریخ میں جن ناخواندہ، اور علمی لوگوں کے کتب خانہ کا ذکر ہمیں ملتا ہے وہ ان کے کتب خانوں کے وقف کرنے اور استعمال میں آنے کی وجہ سے آتا ہے، انہوں نے کتب خانے کے دروازے اہلِ علم کے لیے کھولے ہوئے تھے اس لیے وہ کتابیں، کتب خانے اور ان کے بانی علمی حلقوں میں مانوس اور مشہور ہوئے تھے اور ہر اہل علم زیربار احسان ہو کر ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتا تھا، صرف ابن الندیم نے اس کو دیکھا اس سے فائدہ اٹھایا تو اس کا تذکرہ بھی اپنی کتاب "الفہرست" میں کر گیا اور آج تاریخ کے صفحات میں اس کے خزانۃ العلم کا نام باقی رہ گیا۔

(۲) ابوالحسن علی بن ابوبکر ہروی موصلی کا کتب خانہ

ابوالحسن علی بن ابوبکر بن علی ہروی موصلی (۰۰-۶۱۱ھ / ۰۰-۱۲۱۵ء) خطیب، سیاح، مصنف اور سیاحت میں ضرب المثل تھا۔ موصوف کے پاس بھی کتب خانہ تھا۔(۱۳۶) اس کی بیشتر کتابیں فرنگیوں نے چھین لی اور سمندر میں ڈبو دی تھیں۔(۱۳۷)

(۳) ابوبکر معین الدین ابنِ نقطہ کا کتب خانہ

(۳) ابوبکر معین الدین محمد بن عبدالغنی بن ابی بکر بغدادی حنبلی المعروف بابن نقطہ (۶۲۹-۶۲۹ھ / ۱۱۸۳-۱۲۳۱ء) فقیر باپ کے بیٹے، تھے، علوم میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ ابنِ نقطہ نے حدیث و رجال کے حوالے کی کتابیں جمع کی تھیں۔(۱۳۸)

باب چہارم

دوسرا حصہ

- ☆ فنی و خصوصی کتب خانے
- ☆ قراء کے کتب خانے
- ☆ مفسرین کے کتب خانے
- ☆ محدثین کے کتب خانے
- ☆ محدثہ خواتین کے کتب خانے
- ☆ فقہاء کے کتب خانے
- ☆ قضاۃ کے کتب خانے
- ☆ متکلمین کے کتب خانے
- ☆ صوفیہ کے کتب خانے
- ☆ نحویوں کے کتب خانے
- ☆ ائمۂ لغت کے کتب خانے
- ☆ ادیبوں کے کتب خانے
- ☆ شاعروں کے کتب خانے
- ☆ مورخین کے کتب خانے
- ☆ ماہرین انساب کے کتب خانے
- ☆ فلاسفہ کے کتب خانے
- ☆ مہندسوں کے کتب خانے
- ☆ اطباء کے کتب خانے

(دوسرا حصہ)

فنی و خصوصی کتب خانے

فنی اور خصوصی کتب خانوں کی ترتیب میں موضوع کی مناسبت سے اسلامی علوم کے ماہرین قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، صوفیہ، ائمہ نحو، ائمہ لغت، ادباء، شعراء، مورخین، ماہرین انساب کے کتب خانوں کا پہلے اور علوم قدیمہ کے اربابِ کمال فلاسفہ، سائنس دان، مہندسین اور اطباء کے کتب خانوں کا تذکرہ بعد میں کیا گیا ہے۔

(ا) قراء کے کتب خانے

قراء کا ذخیرۂ کتب علوم قرأت کے علاوہ علومِ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت و تاریخ وغیرہ کے موضوعات پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ قاری کے اپنے پسندیدہ موضوعات کی کتابوں پر بھی، قراء علوم کی نشر و اشاعت، تصنیف و تالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے چنانچہ ان میں سے بعض رات میں کھڑے ہو کر کتابیں لکھتے، سفر میں کتابوں کا پشتارہ اپنے ساتھ رکھتے تھے گویا حضری کتب خانہ کے علاوہ سفری و گشتی (Mobile) کتب خانہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔

ذخیرۂ کتب میں اضافہ کی خاطر سفر و حضر میں کتابیں خریدتے تھے ان کے ذخیروں کی ندرت و کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ذخیرے کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں مرتب ہوتا تھا۔

(ا) ابو عمرو بن العلاء تمیمی مازنی بصری کا کتب خانہ

ابو عمرو بن العلاء بن عمار تمیمی مازنی بصری (۷۰-۱۵۴ھ / ۶۹۰-۷۷۱ء) ان کا شمار نحو و لغت، شعر و ادب، ایام عرب قرأت کے ائمہ اور دبستان بصرہ کے پیشواؤں اور مصنفین میں ہوتا ہے۔ (۱۳۹) موصوف نے اتنا لکھا تھا کہ ان کے نوشتوں اور کتابوں سے مکان چھت تک اٹا ہوا تھا پھر انہوں نے زہد اختیار کیا اور سب کتابوں کو جلا دیا تھا۔ (۱۴۰)

(۲) ابو بکر محمد بن الحسن النقاش کا کتب خانہ

ابو بکر محمد بن الحسن بن محمد مولیٰ ابی دجانہ سماک انصاری موصلی بغدادی المعروف بالنقاش (۲۶۶-۳۵۱ھ / ۸۸۰-۹۶۲ء) فنِ قرأت میں دبستانِ بغداد کے ائمہ میں سے تھے۔ تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم میں بھی موصوف کو بہت درک حاصل تھا پڑھاتے اور کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ موصوف کا کتب خانہ ایک کمرہ میں تھا یہ "بیت ملان کتب" (۱۴۱) کتابوں سے اٹا ہوا تھا، انہوں نے ایک تفسیر بارہ ہزار ورق میں لکھی تھی (۱۴۲) یعنی "کتاب الاغانی" سے دگنی تھی۔

(۳) ابو العلاء حسن بن احمد ہمدانی عطار حنبلی کا کتب خانہ

ابو العلاء حسن بن احمد بن الحسن ہمدانی عطار حنبلی (۴۸۸-۵۶۹ھ / ۱۱۰۴-۱۱۷۳ء) حافظِ حدیث، محدث، قاری، نحوی، لغوی، ادیب، مورخ و مصنف تھے، فنِ تجوید و قرأت میں مشرق میں ان کا وہی مقام تھا جو مغرب میں علامہ دانی کو حاصل تھا۔

موصوف جو کتاب لکھتے اس پر نقطے اور زیر و زبر لگاتے تھے۔(۱۴۳) ابو العلاء دن میں قرآن و حدیث پڑھاتے، مطالعہ کرتے اور لکھتے تھے، رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، پہلی تہائی رات میں لکھتے بغداد میں چراغ اونچی جگہ لٹکایا جاتا تھا اس لیے موصوف کھڑے ہو کر لکھتے تھے۔(۱۴۴) ان کا ذاتی کتب خانہ تھا۔(۱۴۵)

(۴) تاج الدین ابو الیمن زید بن الحسن کندی بغدادی ثم دمشقی حنفی کا کتب خانہ

تاج الدین ابو الیمن زید بن الحسن بن زید کندی بغدادی ثم دمشقی حنفی (۵۲۰-۶۱۳ھ / ۱۱۲۶-۱۲۱۶ء) مسند شام حافظِ حدیث، نحوی، ادیب، شاعر، لغوی، قاری، محدث و بلند پایہ مصنف (۱۴۶) عمدہ خطاط، قرأت و روایات نحو و لغت میں حرفِ آخر و علو اسناد میں اپنی نظیر آپ تھے۔(۱۴۷) کتابوں کا شوق تھا موصوف نے بنیادی اور اصولی نسخے جمع کئے تھے۔(۱۴۸)

ان کا کتب خانہ ان کی حویلی میں درب العجم (دمشق) میں واقع تھا۔(۱۴۹) کندی نے یہ کتب خانہ اپنے آزاد کردہ غلام ادیب نجیب الدین یاقوت المعروف بعبد اللہ المتوفی ۶۲۴ھ اس کی اولاد اور علماء پر وقف کیا تھا۔ یاقوت نے اس کتب خانہ کو مقصورہ ابن سنان حنفیہ (جامع دمشق) میں جو مشہد زین العابدین سے متصل تھا منتقل کر دیا وہاں سے کتابیں چوری ہوئی اور فروخت کر دی گئی تھیں۔(۱۵۰)

مورخ ابو شامہ مقدسی نے اس کتب خانے کا کیٹلاگ دیکھا تھا وہ لکھتا ہے: "اس کتب خانہ

میں کل سات سو اکسٹھ (۷۶۱) مجلدات تھیں جن میں:

(۱) علوم قرآن میں ۱۴۰
(۲) علوم حدیث میں ۱۹
(۳) علوم فقہ میں ۳۹
(۴) علوم لغت میں ۱۴۳
(۵) علوم شعر و ادب میں ۱۲۲
(۶) علوم نحو و صرف میں ۱۷۵

علوم اوائل اور طب وغیرہ میں ۱۲۳ مجلدات تھیں۔ (۱۵۱)

مذکورۂ بالا بیان سے Division, Main Classes اور ترتیب کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیٹلاگ کلاسی فائڈ آرڈر میں تھا اور ثابت ہوتا ہے کہ ذاتی کتب خانوں میں بھی کتابیں موضوعی ترتیب سے رکھی جاتی تھیں۔

(ب) مفسرین کے کتب خانے

قرآن کی تفسیر کے لیے ایک مفسر کو جن علوم کی احتیاج ہوتی ہے ان کی تعداد پندرہ ہے۔ (۱۵۲) جس کے معنی یہ ہیں کہ ان علوم کا ذخیرہ کم و بیش ہر مفسر کے پاس رہتا تھا' ان مفسروں میں بعض ایسے مفسر بھی گزرے ہیں جن کی تفاسیر کے مطالعہ سے مفسر کو استغنا نہیں لہٰذا ایسے مفسرین کی تفسیریں کم و بیش ہر مفسر کے کتب خانے کی زینت ہوتی تھیں۔

مفسرینِ علوم قرآن سے خصوصی **شغف** کی بناء پر تفاسیر سے **متعلق** علوم کا خصوصاً اور اسلامی و ادبی علوم کا عموماً اچھا ذخیرہ رکھتے تھے' نمونے کے طور پر ہم نے صرف تین مفسروں کا ذکر کیا ہے:۔

(۱) ابوبکر محمد بن القاسم انباری کا کتب خانہ

ابوبکر محمد بن القاسم بن محمد انباری (۲۷۱-۳۲۸ھ / ۸۸۴-۹۴۰ء) حدیث' تفسیر' لغت' قرأت' ادب' نحو کے امام و مصنف' خلیفہ راضی باللہ کے شہزادوں کے اتالیق اور حاضر جوابی میں ضرب المثل تھے۔ (۱۵۳) موصوف کو پندرہ صندوق کتابیں اور ایک سو بیس قرآن کی تفسیر زبانی یاد تھیں۔ (۱۵۴) ایک مرتبہ یہ بیمار ہو گئے دوست و شاگرد مزاج پرسی کو آنے لگے ان کے والد کو بہت بے چین دیکھا تسلی دینے لگے تو قاسم نے کہا مجھے ایسے فرزند کی بیماری سے بے قراری کیوں نہ ہو جو وہ تمام کتابیں یاد رکھتا ہو جنہیں تم اپنی آنکھوں سے "حیری" میں دیکھ رہے ہو۔ "حیری" یہ وہ مکان تھا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ (۱۵۵)

(۲) ابو یوسف عبدالسلام بن محمد المعروف بابنِ بندار کا کتب خانہ

ابو یوسف عبدالسلام بن محمد بن یوسف قزوینی **معتزلی** **المعروف** بابنِ بندار (۳۹۲-۴۸۸ھ / ۱۰۰۲-۱۰۹۵ء) نامور مفسر' **فقیہ**' متکلم' استاد و مصنف تھے کتابوں کے دلدادہ تھے اصفہان' ہمدان' رے و طرابلس وغیرہ سے بہت کتابیں جمع کی تھیں۔ مصر وغیرہ سے گراں قیمت میں بھی کتابیں خریدی تھیں اس لیے آخر میں شادی کی تھی۔

ابنِ بندار جب مصر سے بغداد میں داخل ہوئے تو مختلف علوم و فنون کی کتابیں دس اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں ان میں زیادہ تر کتابیں مشہور خطاط و نامور مصنفین کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں ان میں ساٹھ صرف تفسیریں تھیں اور ان کے علاوہ فقہ' ادب' تفسیر' کلام وغیرہ کی چالیس

ہزار مجلد کتابیں تھیں جو ان کے انتقال کے بعد کئی برس میں فروخت ہوئی تھیں اس ذخیرے میں ان کی اپنی تصانیف، سینکڑوں کی تعداد میں تھیں صرف قرآن کی تفسیر ہی موصوف نے تین سو مجلدات سے زیادہ میں لکھی تھی۔ (۱۵۶) بعض تذکرہ نگار چار سو (۱۵۷) اور بعض سات سو (۱۵۸) مجلدات بتاتے ہیں۔ یہ اسلام میں سب سے بڑی تفسیر ہے جسے ابن بندار نے مشہد ابی حنیفہ میں وقف کیا تھا (۱۵۹)

ابن بندار قزوینی نے تفاسیر قرآن کی جو تعداد بتائی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ کی موضوعی فہرست (کیٹلاگ) کتابی صورت میں موجود تھی۔ تذکرہ نگاروں کا کتب خانہ کی جملہ مجلدات کو بیان کرنا اس کے کتب خانہ کی فہرست کا شاہدِ عدل ہے۔ ابن بندار قزوینی اپنے کتب خانے سے اہلِ علم و مربی علم و فن کو کتابیں بھی نذر کرتے تھے۔ (۱۶۰)

ابن بندار کے کتب خانے کی جملہ مجلدات کی تعداد میں مورخین کے دو قول ہیں۔ عبدالقادر قرشی نے چالیس ہزار مجلدات بیان کی ہیں اور صفدی نے چار ہزار مجلدات بتائی ہیں، جرجی عواد نے موخرالذکر قول کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ دس اونٹوں پر چالیس ہزار کتابیں نہیں آسکتیں۔ (۱۶۱) لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ ابنِ بندار کے ورود بغداد کے موقعہ پر ان کے پاس چار ہزار مجلدات ہوں پھر کتابوں میں اضافہ ہوتے ہوتے آخر میں چالیس ہزار مجلدات ہو گئی ہوں یا کئی مرحلوں میں ان کی کتابیں بغداد منتقل ہوئی ہوں۔ صفدی نے ورودِ بغداد کی تعداد پر اکتفاء کیا ہو اس صورت میں مورخین کے اقوال میں اختلاف باقی نہیں رہتا ہے۔

(۳) ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی کا کتب خانہ

ابوالحسن علی بن احمد بن محمد واحدی نیشاپوری شافعی (۳۹۸-۴۶۸ھ / ۱۰۰۷-۱۰۷۶ء) بلند پایہ مفسر، فقیہ، محدث، لغوی، نحوی، ادیب، شاعر و یکتائے زمانہ استاد تھے۔ (۱۶۲) واحدی تاجر کے بیٹے تھے مگر علم کی راہ میں ساری دولت لٹا دی تھی۔ (۱۶۳) موصوف کے تلمیذ مورخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

"واحدی نے بچپن اور جوانی تحصیل علوم میں بسر کی اور کتابوں کے اصل نسخے جمع کئے۔ (۱۶۴) پھر واحدی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں منہمک ہو گئے، نصابی نقطۂ نگاہ سے تصانیف کیں انہیں حسنِ قبول حاصل ہوا ان کی کتابوں کی حسنِ ترتیب و تدوین پر سب کا اتفاق ہے۔ اساتذہ اپنے اسباق میں ان کا حوالہ دیتے تھے۔ (۱۶۵) امام غزالی نے انہی کی کتابوں کو دیکھ کر اپنی کتابوں کے نام "الوجیز" "الوسیط" "البسیط" رکھے تھے وہ ان کی تفسیر کے

بہت ہی مداح و قائل تھے۔ (۱۶۶)

(ج) محدثین کے کتب خانے

محدثین کا ابتداء ہی سے **خزانۃ الکتب** کے فروغ، وسعت و کثرت میں غیر معمولی حصہ رہا ہے جس کی بڑی وجہ بقول حافظ حدیث مروان بن محمد المتوفی ۲۱۰ھ یہ تھی کہ کسی مُحدّث کو راست گوئی، حفظ اور صحتِ کتب کے بغیر چارہ نہ تھا اگر وہ (۱) صفتِ صدق (راست گوئی) (۲) صحتِ کتب سے آراستہ ہوتا تو اس کی **تضعیف** ممکن نہ تھی، اگر اس کی یادداشت قوی نہ ہوتی تو وہ اپنی صحیح کتابوں کو دیکھ کر حدیثیں بیان کر سکتا تھا۔ (۱۶۷) اس بناء پر محدثین میں ہر ایک محدث ذاتی کتب خانہ رکھتا تھا۔ (۱۶۸) مذکورہ بالا صفات سے آراستہ رہنا محدثین کے قیام کتب خانہ کا محرک تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتابوں کو جمع کرنا، ان کی حفاظت اور توسیع و اشاعت کرنا، محدثین کے فرائض میں سے تھا۔ محدثین اپنے اصل نسخوں کو محض تصرف کے خطرہ کی وجہ سے اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے اپنی موجودگی میں ان کی نقل کراتے اگر وہ کسی کو دیتے تو نہایت قابلِ اعتماد شاگرد اور عالم کو دیتے تھے جس کے متعلق انہیں ادنیٰ سے تصرف و ضیاع کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ (۱۶۹)

ابوالعباس احمد بن محمد بن خلیل مفرج اموی معروف **بعشاب** جو بلند پایہ محدث و طبیب اور جڑی بوٹیوں کے ماہر تھے، فرماتے تھے، حدیث و نباتات کی صنعت میں قدر مشترک موجود ہے ان کا مواد، رحلہ (تحصیل و تحقیق اور علم کی خاطر سفر) کتابت، تصحیح اصول و مشکلات **لفظیہ** کی تحقیق نیز حفظِ ادیان و ابدان ہے۔ (۱۷)

محدثین کی شنیدہ و تحریر کردہ روایات میں مطابقت شرط ہے۔ یہ امر بھی ان کے کتب خانہ رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کا محرک تھا۔ (۱۷۱)

بعض محدثین کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث (طلب حدیث دو جداگانہ امر ہیں، طلبِ حدیث ایک اصطلاح ہے جو ماہیت حدیث کی تحصیل پر چند زائد امور سے عبارت ہے وہ امورِ علم کی ترقی کا باعث ہیں محدث کو ان میں زیادہ تر حسبِ ذیل امور سے شغف رہتا ہے:

(۱) حدیث کی کتابوں کے عمدہ نسخے حاصل کرنا۔
(۲) عالی سند رکھنا۔
(۳) زیادہ شیوخ سے سند لینا۔
(۴) مسند، محدث و حاکم وغیرہ کے لقب سے خوش ہونا۔

(۵) درازی عمر کا آرزو مند رہنا۔

(۶) بعض باتوں میں یکتا ہونا۔ (۱۷۲)

اس سے معلوم ہوا کہ شروع ہی سے کتب حدیث کے عمدہ نسخے حاصل کرنا ایک محدث کے لیے لازمی امر تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ محدثین حدیثیں تین مقاصد کے تحت قلمبند کرتے تھے۔

(۱) تعمیر سیرت و عمل

(۲) اضافۂ علم

(۳) ضعیف راویوں کی شناخت اور ان سے اجتناب

یہ تمام امور محدثین کے کتب خانہ سازی کے محرکات سے تھے اس لیے محدثین کے منتخب کتب خانوں کی تعداد بھی دوسرے ائمۂ فن کے کتب خانوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

بعد کے دور میں محدثین کے ذخائر کتب کے متعلق کہا جانے لگا تھا۔ "زوابل اسفار لایدرون ما معہم" "یہ کتابوں کے بورے ہیں ان حدیث دانوں کو معلوم نہیں کہ ان کے ذخائرِ کتب میں کیا ہے" (۱۷۳)

(۱) ابو عبداللہ سفیان بن سعید مسروق ثوری کوفی کا کتب خانہ

ابو عبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی (۹۷–۱۶۱ھ / ۷۱۶–۷۷۸ء) اپنے زمانے میں فنِ حدیث، تفسیر، فقہ، زہد و ورع کے امام، محدث، حافظ حدیث، مجتہد و مصنف تھے۔ تفسیر، حدیث، زہد و خلافیات کے موضوع پر کتابیں لکھی تھیں۔ (۱۷۴) ان کا خزانۃ الکتب کوفہ میں نو قمطر کتابوں پر مشتمل تھا۔ (۱۷۵) موصوف کے ذخیرہ علمی میں امام ابو حنیفہ کی تصانیف بھی تھیں جو انہوں نے اپنے کتب خانہ کے لیے نقل کی تھیں، ثوری نے عمار بن سیف کو اپنی کتابیں جلا دینے کی وصیت کی تھی اس کے مطابق انہوں نے ان کو جلا دیا تھا، محمد بن حسین المعروف بابن بعرہ کے خزانۃ الکتب میں ثوری کے بعض نوشتے محفوظ تھے۔ (۱۷۶)

(۲) ابو جعفر احمد بن مہدی اصفہانی کا کتب خانہ

ابو جعفر احمد بن مہدی بن رستم اصفہانی (۰۰-۲۷۲ھ / ۰۰-۸۸۵ء) یہ نامور محدث تھے، موصوف نے اپنے کتب خانہ میں کتابوں کے صحیح صحیح نسخے جمع کئے تھے اور ان پر موصوف نے تین لاکھ درہم خرچ کئے تھے۔ (۱۷۷)

(۳) ابو اسامہ حماد بن اسامہ مولی بنی ہاشم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو اسامہ حماد بن اسامہ بن زید مولیٰ بنی ہاشم کوفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۱-۲۰۱ھ / ۷۳۹-۸۱۷ء) حافظ حدیث، مورخ اور زاہد تھے ان کی کتابیں نہایت صحیح تھیں۔ (۱۷۸) موصوف اہل علم کو کتابیں عاریۃً دیتے تھے۔ وکیع نے ان کو منع کیا تھا کہ کتابیں عاریۃً دینے سے کتابیں ضائع ہو جاتی ہیں مگر یہ اس سے باز نہیں آئے۔ آخر عمر میں ان پر زہد کا غلبہ ہو گیا تو انہوں نے تمام کتابیں زیرِ زمین دفن کر دی تھیں۔ (۱۷۹)

(۴) ابو محمد روح بن عبادہ قیسی بصری کا کتب خانہ

ابو محمد روح بن عبادہ بن العلاء بن حسان قیسی بصری (۰۰-۲۰۵ھ / ۰۰-۸۲۰ء) محدث حافظِ حدیث و مصنف تھے، حدیث، تفسیر و فقہ وغیرہ کی احادیث اور کتابوں کا نہایت عمدہ ذخیرہ جمع کیا تھا اور ان موضوع پر کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔

علی بن المدینی نے ان کے کتب خانے میں ایک لاکھ سے زیادہ لکھی ہوئی حدیثیں دیکھی تھیں، ان میں سے دس ہزار حدیثیں انہوں نے نقل بھی کی تھیں۔ (۱۸۰) ان کے ذخیرہ کتب میں مسائلِ زہری بھی تھے یہ اپنے کتب خانہ سے لوگوں کو کتابیں عاریتاً دیتے تھے۔ عثمان بن عمر نے ان سے کتاب ہشام عاریتاً لی تھی۔ (۱۸۱)

(۵) ابو خیثمہ زہیر بن حرب شداد نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو خیثمہ زہیر بن حرب بن شداد نسائی (۱۶۰-۲۳۴ھ / ۷۷۷-۸۴۸ء) بلند پایہ محدثِ بغداد، حافظ حدیث و مصنف تھے۔ (۱۸۲) کتابوں کے شوقین تھے، ان کے پاس احادیث اور اپنی تصانیف کا ذخیرہ تھا۔ موصوف نے یحییٰ بن معین کے مرنے کے بعد ان کا کتب خانہ دو سو دینار میں خرید اتھا۔ (۱۸۳)

(۶) ابو زرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم رازی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

(۶) ابو زرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید رازی (۲۰۰-۲۶۴ھ / ۸۱۵-۸۷۸ء) موالی میں سے تھے، فن حدیث و رجال کے امام، بلند پایہ محدث، حافظِ حدیث تھے۔ بہت لکھا تھا۔ ایک لاکھ حدیثیں ابراھیم فراء اور ایک لاکھ ابن ابی شیبہ سے نقل کی تھیں۔ (۱۸۴)

موصوف کا کتب خانہ "بیت الکتب" کے نام سے موسوم تھا چنانچہ ایک مرتبہ محمد بن مسلم بن وارہ المتوفی ۲۷۰ھ اور فضل بن العباس الصائغ المتوفی ۲۷۰ھ میں حدیث کا مذاکرہ شروع ہوا ابن وارہ نے ایک حدیث پڑھی اور الصائغ نے انہیں ٹوکا کہ حدیث یوں نہیں بحث شروع ہو گئی، فضل صائغ بولے فیصلہ ابو زرعہ پر ہے یہ ابو زرعہ کے پاس آئے، ابنِ وارہ نے ابو زرعہ کو قصہ سنایا اور پوچھا آپ کیا فرماتے ہیں ہم میں سے کون غلطی پر ہے ابو زرعہ خاموش رہے، ابو زرعہ اور تغافل کرنے لگے ابن وارہ کا اصرار بڑھا اور کہنے لگے اگر میں غلطی پر ہوں یا وہ بتا دیجئے، فرمایا ابوالقاسم کو بلاؤ اس سے فرمایا ذرا "بیت الکتب" میں جاؤ اور قمطر اول سے سولہ تک گننے کے بعد سترھواں قمطر اٹھالاؤ، وہ اٹھالایا ابو زرعہ نے ورق پلٹا اور حدیث نکال کر ابن وارہ کو دے دی انہوں نے پڑھی اور کہا بلاشبہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ (۱۸۵)

اس لیے ابو زرعہ فرماتے تھے: "میرے گھر میں پچاس برس سے حدیثیں لکھی ہوئی رکھی ہیں جب سے انہیں لکھا ہے مطالعہ نہیں کر سکا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ کون سی حدیث کس کتاب کے کس ورق، کس صفحے اور کس سطر میں موجود ہے۔" (۱۸۶)

عہدِ عباسی کے یہ انفرادی کتب خانے تھے لیکن اپنی ہیئت کے اعتبار سے ذاتی کتب خانوں کی حیثیت رکھتے تھے یہ ادارے تھے بلکہ ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق ہیں کیونکہ یہ جن کے کتب خانے تھے وہ عوامی کتب خانوں کے تمام وظائف و لوازمات (Functions) تعلیم، تحقیق و ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان مہیا کرتے تھے۔

(۷) ابوالحسن علی بن عبداللہ جعفر مولی سعدی بصری ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر مولیٰ سعدی بصری المعروف بابن المدینی (۱۶۱- ۲۳۴ھ /۷۷۸-۸۴۸ء) بھی موالی کی اولاد سے تھے۔ حافظِ حدیث، محدث ابن محدث، فقیہ، اصولی، مورخ، انساب و رجال کے ماہر، لغوی اور دوسرے علوم میں مناسبت رکھتے تھے، فنِ حدیث کے امام و بلند پایہ مصنف تھے۔ (۱۸۷) امام احمد بن حنبل جلالتِ علمی کی بناء پر انہیں نام کے بجائے کنیت سے یاد کرتے تھے۔ (۱۸۸)

موصوف کتابیں قمطر میں رکھتے تھے، ایک مسند قرطاس پر لکھی اور گھر میں اسے ایک بڑے قمطر میں رکھ کر سفر پر روانہ ہو گئے جب آ کر قمطر کے ہاتھ لگایا تو بہت وزنی معلوم ہوا کھول کر دیکھا تو دیمک چاٹ چکی تھی بہت صدمہ ہوا اور ساری مسرت جاتی رہی۔ (۱۸۹) اس سے ان کے کتابوں سے شغف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا کتب خانہ گھر ہی میں تھا۔

ان کے ذخیرۂ کتب میں امام شافعی کے "کتاب الرسالہ" کے علاوہ ان کی دو سو (۲۰۰) تصانیف بھی تھیں جن میں سے حدیث و رجال کی بعض کتابوں کے نام حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" میں تقریباً ایک صفحے میں گنائے ہیں اور لکھا ہے "ہم نے اس مقام پر ان کی تصانیف کی فہرست پر اکتفاء کیا ہے جو ان کے تبحر علمی، فن میں برتری و کمالِ علمی کی دلیل ہے"۔ (۱۹۰)

ابن الندیم نے "الفہرست" میں ان کی صرف چھ کتابوں کے نام نقل کئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نامور مصنفین کی تصانیف کا کس قدر کم ذخیرہ کتاب "الفہرست" میں آ سکا ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ابن الندیم کی کتاب الفہرست سے زیادہ اعتناء نہیں کیا نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین، فقہاء وغیرہ کی تصانیف کی کتابیات تیار کی جاتی تھی اور اس کی اشاعت ان کے تلامذہ اور راویانِ کتب کے ذریعہ ہوتی تھی۔

(۸) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل مولیٰ جعفی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم مولیٰ جعفی بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ / ۸۱۰-۸۷۰ء) حافظ حدیث، حجت، فقہ میں ماہر، حدیث میں مجتہد اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ (۱۹۱) ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے حدیث لکھی تھیں، اٹھارہ برس کی عمر سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔ (۱۹۲) اور چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے صحیح بخاری لکھی تھی۔ (۱۹۳)

موصوف کے کتب خانہ میں چھ لاکھ حدیثوں کے علاوہ عبداللہ بن المبارک، وکیع اور موصوف کی اپنی تصانیف کا بھی ذخیرہ محفوظ تھا۔ (۱۹۴) اس دور میں ان کا یہ ذخیرۂ تالیفات بھی ایسا

عظیم الشان ذخیرہ تھا جس سے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں صرف نظر نہیں کی جا سکتی۔

"صحیح بخاری" میں موصوف نے صرف استنباط مسائل کی خاطر اسلامی علوم کی درجہ بندی اور عنوانات کی ترتیب و "تبویب" بہت انوکھے طریقہ پر کی ہے اسلامی علوم کی درجہ بندی کی تاریخ میں بخاریؒ کی تبویب بڑی اہمیت وافادیت کی حامل ہے، بخاریؒ نے یہ اہم کام روضۂ نبوی اور منبر کے مابین دوگانہ ادا کر کے انجام دیا تھا۔ (۱۹۵) اس دور میں حدیث میں اتنے زیادہ ابواب اور نوع بنوع تبویب کی یہ پہلی کوشش تھی۔

امام بخاری نے "التاریخ الکبیر" میں صحابہؓ سے اپنے دور تک راویوں کے حالات قلمبند کئے ہیں یہ علمی و فنی اعتبار سے بڑی اہم و مستند کتاب ہے حروف تہجی پر مرتب ہے موصوف نے اسے روضۂ نبوی کے پاس بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھا تھا۔ (۱۹۶) اور "التاریخ الصغیر" اسماء الرجال میں ایک مختصر کتاب (Hand-Book) ہے اس میں راویوں کے حالات بترتیب سنین ذکر کئے ہیں یہ دونوں کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، "کتاب الکنیٰ" میں ایک ہزار راویانِ حدیث کی کنیتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ (۱۹۷)

موصوف علمی مصروفیت کی وجہ سے اپنے لکھنے کے لیے کاغذ اور سیاہی بھی کسی کو روپیہ دے کر منگاتے تھے ان چیزوں کو خود خریدنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی تھی۔ (۱۹۸)

(۹) ابو عبداللہ محمد بن ایوب بجلی رازی ابن الضریس کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن ایوب بن یحییٰ بجلی رازی، المعروف بابن الضریس (۲۰۰-۲۹۴ھ/۸۱۶-۹۰۶ء) محدث ابن محدث، حافظ حدیث، مسند و مصنف تھے، کتابوں کے شوقین تھے بہت کتابیں نقل کی، کرائی تھیں اور کتابوں کی نقل حاصل کرنے پر زرِ خطیر صرف کیا تھا۔ موصوف کا بیان ہے: "میں جب آخری مرتبہ بصرہ آیا تو میں نے وراقوں کو دس ہزار درھم اجرت ادا کی تھی" (۱۹۹)

موصوف کے مذکورۂ بالا بیان سے ان کے کتب خانے کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بصرہ اہلِ علم کا مرکز تھا یہاں نقل نویس بہت زیادہ تھے اور سوق الوارقین کتابوں سے بھرا ہوا تھا اس لیے اہلِ علم یہاں بار بار آتے اور کتابیں نقل کراتے تھے۔

(۱۰) ابو عبداللہ محمد بن سنجر جرجانی ثم قطائی مصری کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن سنجر جرجانی ثم قطائی مصری (۰۰-۲۵۸ھ/۰۰-۸۷۱ء) محدث، حافظِ حدیث و مصنف تھے۔ (۲۰۰) حدیثیں لکھی (۲۰۱) اور اجرت پر کتابیں نقل کرائی تھیں، موصوف نے ایک علمی سفر کے موقعہ پر نو ہزار دینار صرف کتابوں کے نقل کی اجرت ادا کی تھی۔

قطائی کا بیان ہے: ”میں نے علمی سفر کیا، اسحاق کوسج میرے ہمراہ تھے نو ہزار دینار پاس تھے، اسحاق میرے لیے ہر شہر میں اجرت پر کتابیں نقل کرتے اور شادی کرتے، میں ان کا مہر ادا کرتا تھا“۔ (۲۰۲)

موصوف کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ مشرق میں اسلامی قلمرو کے ہر شہر میں سوق الکتب اور کتب خانے موجود تھے۔ شائقینِ کتب کتابوں کے حاصل کرنے کے لیے سفر کرتے تو سفر میں وراق بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

(۱۱) ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ مولیٰ ذہلی نیشاپوری کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ مولیٰ ذہلی نیشاپوری (۱۷۲-۲۵۸ھ/۷۸۸-۸۷۲ء) موالی کی اولاد سے تھے۔ محدثِ خراسان، حافظ حدیث، علومِ حدیث کے امام و مصنف تھے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار درھم تعلیم پر خرچ کئے تھے۔ (۲۰۳) بہت مرویات جمع کی تھیں بہت لکھا اور کتابیں مدوّن کی تھیں۔ (۲۰۴)

ان کے پاس بڑا کتب خانہ تھا جس میں ان کی مسموعات و مصنفات رکھی ہوئی تھیں، اس کتب خانہ میں زہری کی مرویات کا خاص ذخیرہ تھا۔ موصوف نے انہیں دو جلدوں میں جمع کیا تھا۔ (۲۰۵) اور اس اختصاص کی وجہ سے زہری کی نسبت سے بھی مشہور تھے۔ (۲۰۶) امام احمد بن حنبل زہری کی مرویات کے لیے محدثین کو ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ (۲۰۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں خصوصی کتب خانہ کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ موصوف کے کتب خانے کے متعلق ان کے فرزند ابو زکریا یحییٰ کا بیان ہے:

”میں ابا جان کے پاس سخت گرمی میں دوپہر کو آرام کے وقت پہنچا تو دیکھا کہ اپنے کتب خانے میں بیٹھے ہوئے تصنیف میں منہمک ہیں، چراغ جل رہا ہے میں نے عرض کیا ابا جان: یہ نماز کا وقت ہے اور دن میں اس چراغ کا دھواں! کاش اس کو آپ دور رکھتے، فرمایا! جان پدر! میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ و تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مصروف تھا“۔ (۲۰۸) مورخ ذہبی کا خیال ہے کہ حدیثِ زہری کی تدوین کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا

تھا۔(۲۰۹)

مورخین نے موصوف کے متعلق "کتب الکثیر" و "دون الکتب" بہت لکھا اور کتابیں تصنیف کیں کے الفاظ لکھے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اس سے مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کے پاس کتابیں اتنی ہوں کہ گھر بھرا ہو۔

مذکورۂ بالا واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم کی اشاعت، کتابوں کی تدوین اور نشر و اشاعت میں محدثین نے آرام و آسائش کیا، جان کی بھی پروا نہیں کی تھی۔

(۱۲) ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری (۲۰۴-۲۶۱ھ / ۸۲۰-۸۷۵ء) مشہور محدث، حافظِ حدیث، فن حدیث و رجال کے امام تھے۔ تذکرہ نگار، ان کا ذکر "الامام الحافظ حجۃ الاسلام" کے الفاظ سے کرتے ہیں ان کے پاس حدیث و رجال کا اچھا کتب خانہ تھا۔ احمد بن سلمہ کا بیان ہے:

"ایک موقعہ پہ مذاکرہ کی مجلس منعقد ہوئی ایک حدیث کا ذکر چھڑا موصوف نے اس پر بحث نہیں کی گھر واپس آئے رات ہو گئی تھی چراغ جلایا، اہلِ خانہ سے کہا تم میں سے کوئی اب کتب خانہ میں نہ آئے، عرض کیا گیا ایک ٹوکرا کھجور کا آیا ہوا رکھا ہے فرمایا میرے پاس کتب خانہ میں رکھ دو حدیث ڈھونڈتے جاتے اور کھجور کھاتے جاتے تھے اسی میں صبح ہو گئی ٹوکرا بھی خالی ہو گیا حدیث بھی مل گئی لیکن امام مسلم جان بحق ہو گئے" (۲۱۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کا کتب خانہ علیحدہ کمرے میں تھا اور ذخیرہ اتنا زیادہ تھا کہ ایک حدیث کی جستجو میں پوری رات گزر گئی تھی۔

(۱۳) ابو زکریا یحیٰ بن معین سری بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو زکریا یحیٰ بن معین بن عون مری بغدادی (۱۵۸-۲۳۳ھ / ۷۷۵-۸۴۸ء) موالی کی اولاد سے تھے، موصوف کو "حجۃ الاسلام" "سید الحفاظ" اور "امام الجرح و التعدیل" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔(۲۱۱) چھ لاکھ حدیثیں تو اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں۔(۲۱۲) اور ایک سو چودہ قمطر اور بہشتی والے چار بڑے مٹکے کتابوں سے بھرے ہوئے موجود تھے۔ موصوف نے وفات کے وقت کتابوں کے تیس (۳۰) قمطر اور بیس (۲۰) بھرے ہوئے مٹکے چھوڑے تھے، قاضی یحیٰ بن اکثم المتوفی ۲۴۲ھ نے ان کی کتابیں دو سو دینار میں لینا چاہیں مگر ابو خیثمہ زہیر بن حرب بغدادی نے ان

سے پہلے خرید لیں اور قاضی ابن اکثم اس سے محروم رہ گئے (۲۱۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں کتابوں کے شائقین کی کثرت ہوگئی تھی قاضی اور جسٹس جیسے بااثر لوگ بھی ایک معمولی عالم کے مقابلہ میں کتابیں حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتے تھے۔

(۱۴) ابو العباس احمد بن محمد بن سعید مولیٰ بنی ہاشم ہمدانی کوفی زیدی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو العباس احمد بن محمد بن سعید مولی بنی ہاشم ہمدانی کوفی زیدی جارودی شیعی المعروف بابن عقدہ (۲۵۰-۳۳۲ھ/۸۶۲-۹۴۴ء) ان کا باپ نحوی و وراق تھا اس کا لقب عقدہ تھا اس لیے موصوف ابنِ عقدہ کے لقب سے مشہور تھے۔ محدث، حافظ حدیث و مصنف تھے۔ کوفہ میں ان کے پاس چھ سو بار شتر کتابیں تھیں۔

ابو العباس بن عقدہ نے اپنی قیامگاہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا چاہا تو کتابیں اٹھوا کر لے جانے کے لیے حمالوں سے بات چیت کی، اونٹ والوں سے ہر پھیرا ایک دانق میں طے ہوا تو ان کی اجرت سو درھم بنی اور کتابیں چھ سو بار شتر تھیں۔ (۲۱۴)

(۱۵) ابو العباس احمد بن منصور ثابت شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو العباس احمد بن منصور بن ثابت شیرازی (۲۹۴-۳۸۲ھ/۹۰۶-۹۹۲ء) محدث شیراز، حافظِ حدیث تھے۔ علومِ حدیث کا اتنا ذخیرہ جمع کیا جو معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھا اس ذخیرہ میں تین لاکھ حدیثیں صرف امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول و محفوظ تھیں۔ (۲۱۵)

(۱۶) ابو القاسم سلیمان بن احمد عجمی شامی طبرانی کا کتب خانہ

ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب عجمی شامی طبرانی (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء) مسند الدنیا محدث، بلند پایہ حافظ، فقیہ، فنِ رجال کے ماہر، شاعر اور **کثیر التصانیف** مصنف تھے، ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے سماع کیا پھر املا کرایا، موصوف جب املا کراتے تھے تو اجزاءِ حدیث کو اپنی بغل میں رکھتے تھے۔ (۲۱۶) حدیث کا اتنا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ تعجب ہوتا تھا، ذکوانی کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا اتنا ذخیرہ کیسے جمع کیا، فرمایا تیس برس تک چٹائی پر سویا ہوں۔ (۲۱۷)

ان کا ذخیرۂ کتب ان کی مسموعات و مصنفات پر مشتمل تھا جن میں دو دو سو جزء کی تالیفات بھی تھیں، ان کی تصانیف کے نام ذہبی نے ایک ورق میں گنائے ہیں اور لکھا ہے کہ اکثر تصانیف کو حافظ یحییٰ بن مندہ نے نہیں دیکھا۔ (۲۱۸)

(۱۷) ابو محمد عبداللہ بن قرشی مطلبی نیشاپوری المعروف ابن شیرویہ رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن قرشی مطلبی نیشاپوری المعروف بابن شیرویہ (۰۰-۳۰۵ھ/۰۰-۷۱۷ء) محدث، حافظ حدیث، فقیہ اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ تھا کتابوں پر اتنی رقم خرچ کی تھی کہ مفلس رہتے اور ان کے استاد بندار ان سے کہتے تھے کہ

"تم نے مجھے مفلس کردیا (میرا تمام علم تم نے حاصل کرلیا میرے پاس اب کچھ نہیں رہا) اور تمہیں ورّاقوں نے مفلس کردیا"۔ (۲۱۹)

(۱۸) ابو حفص عمر بن احمد ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بغدادی واعظ المعروف بابن شاہین (۲۹۷-۳۸۵/۹۰۹-۹۹۵ء) محدث، حافِظ حدیث، مفسر، مورخ، ادیب اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ سنہ ۳۰۸ھ میں احادیث کا سماع شروع کیا تحصیل علوم کے لیے شام، فارس و بصرہ وغیرہ کا سفر کیا۔ گیارہ برس کی عمر سے حدیثیں لکھنا شروع کیں بہت ذخیرہ جمع کیا تھا، زھری کا بیان ہے:

"ابنِ شاہین کے پاس سات سو جزء صرف بغوی کی مرویات کے موجود تھے، اتنا لکھا تھا کہ سات سو درہم کی چار سو (۴۰۰) رطل سیاھی خرچ ہو گئی تھی" (۲۲۰)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے کتب خانے کا بجٹ بھی علیحدہ تھا موصوف نے اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ کتابیں لکھی تھیں (۲۲۱) ان کی تصانیف کے متعلق ان کا بیان ہے:

"میں نے تین سو تیس تصنیفات کی ہیں، "تفسیر الکبیر" ایک ہزار اجزاء میں "المستدرک" ایک ہزار تین جزء میں "التاریخ" ڈیڑھ سو اور "الزھد" سو جزء میں لکھی تھیں" (۲۲۲)

ابنِ شاہین کے مذکورۂ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی تصانیف کی فہرست (کتابیات) مرتب کی تھی۔ عمادالدین حزامی نے واسط میں ان کی تفسیر تیس مجلدات میں دیکھی تھی (۲۲۳) ابنِ شاہین کی تصانیف تاریخ، رجال، حدیث، تفسیر اور زھد کے موضوع پر تھیں۔

(۱۹) ابوالعباس محمد بن اسحٰق سراج رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو العباس محمد بن اسحاق بن ابراھیم مولیٰ ثقفی خراسانی نیشاپوری شافعی المعروف سراج رحمۃ اللہ علیہ (۲۱۶-۳۱۳ھ/۸۳۱-۹۲۵ء) محدث، مورخ، شیخ خراسان، حافظ حدیث، کثیر التصانیف

(۲۲۴) اور بہت دولت مند آدمی تھے۔ کتابوں کا شوق تھا ان کے کتب خانہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) مسائل کا مجموعہ محفوظ تھا (۲۲۵) موصوف نے اپنی کتاب "التاریخ" میں ایسی اہم معلومات جمع کی تھیں کہ ائمہ فن اس سے استفادہ کی خاطر ان کے کتب خانہ میں آتے تھے، موصوف کا بیان ہے:

"محمد بن اسماعیل بخاری نے میری کتاب "التاریخ" کا مطالعہ کیا اور اس سے ورق کے ورق اپنے قلم سے نقل کئے تھے" (۲۲۶) ان کے کتب خانہ میں کتابوں کے مستند نسخے محفوظ تھے حافظ ابو عبداللہ بن اخرم کا بیان ہے۔

"سراج نے صحیح مسلم پر تخریج کی تو مجھ سے بھی مدد لی، مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ ان کے پاس احادیث کی کثرت تھی اور اصول (حوالے) کی کتابیں بھی عمدہ تھیں (۲۲۷) کتابیں کتب خانے میں منضدہ تہ بتہ رکھی ہوئی تھیں" (۲۲۸)

(۲۰) ابو عبداللہ بن اسحاق ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عبداللہ بن اسحاق بن محمد عبدی اصبہانی المعروف بابن مندہ (۳۱۰-۳۹۵ھ / ۹۲۲-۱۰۰۵ء) کا گھرانہ محدثین و حفاظ حدیث کا گھرانہ تھا۔ (۲۲۹) خود بھی محدث اصبہان، حافظ حدیث، فقہ، حدیث، تاریخ و رجال کے ماہر تھے۔ سترہ سو شیوخ حدیث سے پڑھا (۳۳۰) اور کتابیں جمع کی تھیں، جعفر مستغفری کا بیان ہے:

"میں نے ایک مرتبہ ابو عبداللہ ابن مندہ سے پوچھا کہ آپ نے شیوخ حدیث سے کتنا سنا ہے، فرمایا جتنا سنا ہے وہ پانچ ہزار من ہے" (۲۳۱)

جرجی عواد نے لکھا ہے کہ "من" کی حقیقت معلوم نہیں (۳۳۲) لیکن مورخ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ "من" محدثین کی اصطلاح میں دس اجزاء کو کہتے ہیں (۲۳۳) جس کے معنی یہ ہیں ۵۰،۰۰۰ ہزار اجزاء ان کے پاس صرف اپنے شیوخ کی مسموعات پر مشتمل تھے جب تکمیلِ علوم کے بعد اصفہان واپس آئے تو چالیس اونٹوں پر کتابیں لے کر آئے تھے۔ (۲۳۴)

(۲۱) ابوالحسن محمد بن العباس بغدادی ابن الفرات کا کتب خانہ

ابوالحسن محمد بن العباس بن احمد بغدادی المعروف بابن الفرات (۳۱۹-۳۸۴ھ / ۹۳۱-۹۹۴ء) محدث، حافظ حدیث، حفظ و صحت نقل میں سند تھے، بہت کتابیں، نقل کی تھیں موصوف کے پاس اتنی کتابیں تھیں کہ ان کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھیں، ان کے ذخیرۂ کتب میں ایک ہزار جز علی بن محمد بصری کی سند سے موجود تھے اور سو تفسیریں اور سو تاریخ

کی کتابیں تھیں (۲۳۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ کا کیٹلاگ کتابی صورت میں موجود تھا اٹھارہ صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے ان کے پاس محفوظ تھے یہ سب وہ کتابیں تھیں جو چوری کے بعد رہ گئی تھیں (۲۳۶) ابن الفرات کا حافظہ بہت اچھا تھا ان کی خادمہ ان کے لکھے ہوئے کا ان سے مقابلہ کرتی تھی (۲۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ خواتین پروف ریڈنگ کا کام کرتی' کتابوں کا مقابلہ کرتی اور کتابیں لکھتی بھی تھیں۔

(۲۲) ابو عبداللہ محمد بن المسیب ارغیانی اسفنجی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن المسیب بن اسحاق نیشاپوری ارغیانی اسفنجی (۲۲۳۔ ۳۱۵ھ/ ۸۳۸۔۹۲۷ء) ممتاز حافظِ حدیث' کثیر التصانیف مصنف و لائقِ اتباع بزرگ تھے۔ فرماتے تھے "اسلام کا کوئی منبر ایسا نہیں جہاں میں نے جا کر حدیث نہ سنی ہو"۔

ان کے پاس کتب خانہ تھا اور ایک لاکھ حدیثوں کا مختصر کتب خانہ ہر وقت اپنی قمیص کی آستین میں ساتھ رکھتے تھے' موصوف کا بیان ہے "میں مصر میں چلتا پھرتا تھا اور میری آستین میں سو جزء ہوتے تھے ہر جزء میں ایک ہزار حدیث ہوتی تھیں" (۲۳۸)۔

یہ بات بڑی اچنبھے کی تھی' ابو علی نے جب یہ واقعہ مجلس درس میں بیان کیا تو بعض طلبہ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے شیخ ابو علی حافظ سے آخر پوچھا' یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔

انہوں نے بتایا ان کے جزء بہت چھوٹے ہوتے تھے خط بہت باریک تھا' ہر جز میں ایک ہزار حدیثیں گن کر لکھی تھیں۔ یہ سو جزء اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تھے اور ان کی یہ بات بہت مشہور تھی (۲۳۹)

(۲۳) ابو عثمان سعید بن محمد بخیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عثمان سعید بن محمد بن احمد نجیری نیشاپوری (۰۰۔۴۵۱ھ/ ۰۰۔۱۱۵۶ء) محدثین اور صوفیہ کے خانوادہ کے گوہر شب چراغ' مسندِ خراسان (۲۴۰) ثقہ' زاہد' شجاع و غازی تھے' صاحب سیف و قلم تھے' ان کے آباؤ اجداد کا تذکرہ حاکم نے "تاریخ نیشاپور" میں کیا ہے نیشاپور میں ان کی خانقاہ' مسجد اور "بیت الکتب" تھا یہ مؤرخ عبدالغافر فارسی المتوفی ۵۲۹ھ کی زندگی تک آباد تھا۔ موصوف نے سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان پر حملہ میں داد شجاعت دی تھی (۲۴۱)

(۲۴) ابوذر عبد بن احمد ابن السماک رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو ذر عبد بن احمد بن محمد انصاری ہروی مالکی المعروف بابن السماک (۳۵۵ - ۴۳۴ھ /۹۶۶۔ ۱۰۴۳ء) علامۃ وقت، محدث، حافظ حدیث، شیخ الحرم، فقیہ اصولی، متکلم، صوفی مصنف تھے گیارہ سو سے زیادہ شیوخ وقت سے علوم کی تحصیل کی تھی (۲۴۲)

موصوف کا کتب خانہ ایک علیحدہ مکان میں تھا اور اس کا خازن بھی تھا، فقیہ ابو عمران قابسی مکہ میں ان سے پڑھنے جا رہے تھے، سراۃ میں ابوذر ھروی سے ملاقات ہوئی، قابسی نے ابوذر کے خازنِ کتب سے کہا کہ مجھے ان کی کتابیں نکال دو جب تک وہ نہیں آتے ہیں انہیں نقل کرتا رہوں گا، جب وہ حرم میں آئیں گے میں ان سے پڑھ لوں گا، خازنؔ نے جواب دیا میں یہ جرات نہیں کر سکتا یہ چابیاں موجود ہیں، آپ چاہیں تو خود نکال لیں اس نے جو کتابیں چاہیں نکال لیں، ابوذر ھروی کو جب خبر لگی وہ سوار ہو کر مکہ آئے اور اپنی کتابیں ان سے لے لیں انہیں حدیث نہیں پڑھائی۔ ابوذر ھروی نسخوں میں تصرف کے خدشہ سے اتنی احتیاط کرتے تھے (۲۴۳) موصوف کا کتب خانہ حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ و کلام کی کتابوں پر مشتمل تھا۔

(۲۵) ابو محمد عبد الصمد بن احمد سلیطی رازی ابنِ طاہر نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو محمد عبد الصمد بن احمد بن علی **سلیطی** رازی المعروف بابن طاہر نیشاپوری ثم ہمدانی (۰۰۔ ۴۸۲ھ / ۰۰۔ ۱۰۸۹ء) محدث، حافظِ حدیث تھے۔ موصوف نے اپنے قلم سے اچھے خط میں زیر و زبر کے ساتھ اتنا لکھا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔

ابو الحارث عبد اللہ بن ارسلان بساسیری المتوفی (۴۵۱ھ نے ۴۵۰ھ) میں بغداد پر قبضہ کیا تو کتب خانوں پر تباہی آئی، لٹی ہوئی کتابیں بکیں، ان کتابوں میں سے کچھ **سلیطی** نے بھی خریدی تھیں جس پر **مسعود ناصر سجزی** نے کہا تھا کہ **سلیطی** کو ان لٹی ہوئی کتابوں سے فائدہ اٹھانا روا نہیں، کیونکہ وہ بغداد میں بساسیری کا لوٹ کا مال ہے۔ (۲۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں جائز و صحیح طریقہ سے کتابوں کے حصول کو پسندیدہ نظر سے دیکھا جاتا تھا اور حصولِ کتب کے ذرائع پر بھی کڑی نظر رکھی جاتی تھی کسی بھی غیر پسندیدہ طریقہ سے کتابوں کو حاصل کرنا گوارا نہیں ہوتا تھا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں حصولِ کتب میں کتنی جانچ پڑتال کی جاتی تھی اور کس قدر احتیاط برتی جاتی تھی۔

(۲۶) شیخ الاسلام ابو محمد عطیہ تقفصی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

شیخ الاسلام ابو محمد عطیہ بن سعید بن عبداللہ تقفصی اندلسی (۰۰-۴۰۷ھ / ۰۰-۱۰۱۶ء) محدث، حافظ حدیث، فقیہ، صوفی و مصنف تھے (۲۴۵) بہت لکھا اور بہت کتابیں جمع کی تھیں (۲۴۶) کتابوں کا بہت شوق تھا اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ ان کا کتب خانہ بہت سے بختی اونٹوں پر ان کے ساتھ چلتا تھا (۲۴۷) مکہ میں انتقال ہوا (۲۴۸) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کتب خانہ مکہ میں تھا۔

(۲۷) عماد الدین (صدر الدین) احمد بن محمد سلفی اصفہانی اسکندری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

عماد الدین (صدرالدین) احمد بن محمد بن احمد سلفی اصفہانی اسکندری شافعی (۴۷۵-۵۷۶ھ / ۱۰۸۲-۱۱۸۰ء) محدث، حافظ حدیث، فقیہ، لغوی، ادیب، شاعر و مصنف تھے۔ حدیث، فقہ، ادب وغیرہ میں اتنی کتابیں لکھی تھیں کہ شمار سے باہر ہے (۲۴۹) ان کی نقل کی ہوئی کتابیں خوشخط، صحیح اور زیر و زبر لگی ہوئی ہوتی تھیں (۲۵۰)

کتابوں کے عاشق تھے بہت مالدار عورت سے شادی کی تھی اس کے باغات کی آمدنی سے کتابیں خریدی جاتی تھیں (۲۵۱) ان کا نہایت نفیس کتب خانہ تھا، دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوگیا۔ حافظ عبدالعظیم منذری کا بیان ہے:

"سلفی کتابوں کے جمع کرنے کے عاشق تھے جو رقم ملتی تھی وہ کتابوں کی خریداری کی نذر ہو جاتی تھی، ان کے پاس کتابوں کے خزانے تھے مگر انہیں دیکھنے کی فرصت نہ تھی، اسکندریہ کے نمناک ہونے کی وجہ سے کتابوں سے بدبو آنے لگی تھی اور ان کے اوراق چپک گئے تھے، انہیں دھار دار آلات سے چھڑاتے تھے جس کی وجہ سے زیادہ تر کتابیں برباد ہو گئی تھیں" (۲۵۲)

کم و بیش اسی قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل نامور محدثین کے پاس بھی تھے:۔

(۲۸) ابو اسحاق ابراھیم بن منقذ بن ابراھیم عصفری مولیٰ خولانی مصری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی (۲۶۹ھ / ۸۸۲ء) (۲۵۳)

(۲۹) ابو مسعود احمد بن الفرات بن خالد ضبی رازیؒ المتوفی (۲۵۸ھ / ۸۷۲ء) (۲۵۴)

(۳۰) ابوالفضل عباس بن یزید بن ابی حبیب بحرانی بصریؒ المتوفی (۲۵۸ھ / ۸۷۲ء) (۲۵۵)

(۳۱) ابوبکر عبداللہ بن محمد بن علی بلخی طرخانی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۵۶ھ کے معاصر و شاگرد، محدث و مصنف تھے (۲۵۶)

(۳۳) ابو کریب محمد بن العلاء بن کریب ہمدانی ثم کوفی (۱۶۱-۲۴۸ھ / ۷۷۷-۸۵۷ء)(۲۶۰)

(۳۴) ابوالـلـیث نصر بن سیار بن الفتح زادری سمرقندی المتوفی (۲۹۴ھ / ۹۰۶ء)(۲۶۱)

(۳۵) ابوبکر احمد بن ابراھیم بن الحسن المعروف بابن شاذان بزاز (۲۹۸- ۳۸۳ھ / ۹۱۰- ۹۹۳ء)
(۲۶۲)

(۳۶) ابوالحسن احمد بن عمیر بن یوسف مولیٰ بنی ہاشم دمشقی المعروف بابنِ جوصاء المتوفی
(۳۲۰ھ / ۹۳۲ء)(۲۶۳)

(۳۷) ابوالحسن احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ جرجانی المعروف بابن ابی عمران نجار المتوفی
(۳۶۸ھ / ۹۷۸ء)(۲۶۴)

(۳۸) ابو احمد بکر بن محمد بن حمدان صیرفی مروزی دخمسینی بخاری المتوفی (۳۴۸ھ / ۹۵۹ء)(۲۶۵)

(۳۹) ابو محمد جعفر بن الحارث عراقی نزیل نیشاپوری المتوفی (۳۵۶ھ / ۹۶۶ء)(۲۶۶)

(۴۰) ابو عبداللہ حسین بن احمد بن محمد ریحانی بصری بغداوی المتوفی (۳۸۷ھ / ۹۸۸ء)(۲۶۷)

(۴۱) ابو علی حسین بن محمد بن ماسرجسی نیشاپوری المعروف بالزھری الصغیر
(۲۹۸-۳۶۵ھ / ۹۱۰-۹۷۵ء)(۲۶۸)

(۴۲) عبیداللہ بن اسحاق بن محمد عبدی اصبہانی المعروف بابن مندہ موصوف حافظ ابو عبداللہ محمد
ابن اسحاق المتوفی (۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ء) کے بھائی تھے (۲۶۹)

(۴۳) ابو عمرو عثمان بن احمد بن سمعان رزاز المعروف بالمجاشی بغدادی المتوفی (۳۶۷ھ / ۹۷۷ء)
(۲۷۰)

(۴۴) ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم نیشاپوری ثم اسفرائینی المتوفی (۳۱۶ھ / ۹۲۸ء)
(۲۷۱)

(۴۵) ابو محمد حسن بن احمد بن محمد کو خمیشی سمرقندی (۴۰۹-۴۹۱ھ / ۱۰۱۸-۱۰۹۸ء)(۲۷۲)

(۴۶) ابو علی حسن بن عبداللہ بن نصر شاشی المتوفی بعد ([illegible]۲۱ھ / ۱۰۴۹ء)(۲۷۳)

(۴۷) ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم قرشی جرجانی المتوفی (۴۲۷ھ / ۱۰۳۷ء)(۲۷۴)

(۴۸) ابو محمد عبدالعزیز بن محمد نخشبی المعروف بصاحب المستغفری المتوفی
(۴۵۷ھ / ۱۰۶۴ء)(۲۷۵)

(۴۹) ابو محمد عبداللہ بن عطار بن عبداللہ ابراہیمی ہروی المتوفی (۴۷۶ھ / ۱۰۸۳ء)(۲۷۶)

(۵۰) ابو حازم عمر بن احمد بن ابراھیم عبدویہ ھذلی مسعودی نیشاپوری المعروف باعرج المتوفی
(۴۱۷ھ / ۱۰۱۶ء)(۲۷۷)

(۵۱) ابو مسلم عمر بن علی بن احمد لیثی نجاری المتوفی (۴۶۶ھ / ۱۱۷۴ء) (۲۷۸)

(۵۲) ابوالفتح محمد بن احمد بن عبداللہ اصفہانی المعروف بابن سمکویہ (۴۰۹-۴۸۲ھ / ۱۰۱۸-۱۰۹۰ء) (۲۷۹)

(۵۳) ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بغدادی المعروف بابن الفوارس (۳۸۸-۴۱۲ھ / ۹۹۸-۱۰۲۲ء) (۲۸۰)

(۵۴) منصور بن عبدالملک بن ابراہیم قزوینی ابوالحسن علی مودب تمیمی نزیل بغداد المتوفی (۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء) کے والد تھے (۲۶۷) (۲۸۱)

(۵۵) ابوالقاسم تمیم بن احمد بندنیجی بغدادی ازجی (۵۴۴-۵۹۶ھ / ۱۱۳۹-۱۱۹۹ء) (۲۸۲)

(۵۶) ابوالقاسم زاہد بن طاہر بن محمد شحامی شروطی مستملی (۴۴۶-۵۳۳ھ / ۱۰۵۴-۱۱۳۸ء) (۲۸۳)

(۵۷) ابوالبرکات عبدالوھاب بن المبارک بن احمد انماطی حنبلی (۴۶۲-۵۳۸ھ / ۱۰۷۰-۱۱۴۳ء) (۲۸۴)

(۵۸) ابو نصر احمد بن عمر بن محمد اصفہانی المعروف بغازی (۴۴۸-۵۳۲ھ / ۱۰۵۶-۱۱۳۷ء) (۲۸۵)

(۵۹) ابوالحسن مبارک بن عبدالجبار بن احمد ازدی بغدادی صیرفی المعروف بابن الحمامی و ابن الطیوری (۴۱۱-۵۰۰ھ / ۱۰۲۱-۱۱۰۷ء) (۲۸۶)

(۶۰) تاج الاسلام ابوبکر محمد بن منصور بن محمد تمیمی سمعانی مروزی (۴۶۶-۵۱۰ھ / ۱۰۷۴-۱۱۱۶ء) (۲۸۷

(۶۱) شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم زاہد بلخی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی (۵۸۴ھ / ۱۱۸۸ء) (۲۸۸)

(۶۲) سیف الدین ابو العباس احمد بن عیسیٰ بن عبداللہ المقدسی الصالحی الحنبلی (۶۰۵-۶۴۳ھ) (۲۸۹)

(۶۳) ابوالمعالی احمد بن یحییٰ بن عبیداللہ بغدادی المتوفی (۶۰۳ھ / ۱۲۰۶ء) (۲۹۰)

(۶۴) جمال الدین عبداللہ بن عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی صالحی حنبلی (۵۸۱-۶۲۹ھ / ۱۱۸۵-۱۲۳۱ء) (۲۹۱)

(۶۵) رشدالدین ابوالحسن علی بن محمد بن علی تبریزی المتوفی (۶۰۴ھ / ۱۲۰۷) (۲۹۲)

(۶۶) محمد بن داؤد بن یاقوت صارمی المتوفی (۶۶۰ھ / ۱۲۶۱ء) (۲۹۳)

(۶۷) شرف الدین محمد بن عروہ موصلی دمشقی المتوفی (۶۲۰ھ / ۱۲۲۳ء) (۲۹۴)

محدثہ خواتین کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں مرد ہی نہیں بعض محدثات و اربابِ تدریس خواتین بھی ذاتی کتب خانے رکھتی تھیں اور علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں مردوں کی طرح حصہ لیتی تھیں۔ چنانچہ:

(۱) فاطمہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی صالح الحرانی المعروف بالصوفیہ کا کتب خانہ

چنانچہ فاطمہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی صالح الحرانی المعروف بالصوفیہ المتوفاۃ ۳۱۲ھ محدثہ و صوفیہ تھیں۔ اسی (۸۰) سال کی عمر پائی تھی ان کے پاس اپنی مرویات اور کتابوں کا ذخیرہ تھا(۲۹۵)

(۲) شہدہ بنت احمد الابری بغدادی کا کتب خانہ

(۲) شہدہ بنت احمد الابری بغدادی المتوفاۃ ۵۷۴ھ نامور محدثہ تھیں' ان کے پاس بہت سی بنیادی کتابیں اور بعض کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کی ہوئی موجود تھیں' ان سے علامہ سمعانی و ابن الجوزی وغیرہ نے کتابوں کی سند لی تھی' ان کا خط بہت پاکیزہ تھا(۲۹۶)

اسی طرح مغربی قلمرو ہسپانیہ میں مسلم خواتین کتب خانے بناتی تھیں چنانچہ عائشہ بنتِ احمد بن محمد بن قادم قرطبیہ (۰۰۰-۴۰۰ھ / ۰۰۰-۱۰۱۰ء) کے عظیم الشان کتب خانے کا تذکرہ مورخین نے کیا ہے(۲۹۷)

(۵) فقہاء کے کتب خانے

ائمہ مجتہدین ابو حنیفہ، شافعی، زفر بن ہذیل، ابو یوسف، عافیہ بن یزید اور حسن بن زیاد نے متفقہ طور پر یہ بات کہی ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے یہ بات کس بنیاد پر کہی ہے (۲۹۸) اس لیے فقہاء کو خاص طور پر ان ائمہ مذاہب کی کتابوں کا ذخیرہ رکھنا پڑتا تھا اس کے علاوہ قرآن و سنت نحو و لغت اور تاریخ و کلام وغیرہ کی کتابیں بھی جمع کرنی پڑتی تھیں۔ مذکورۂ بالا اقوال فقہاء کے کتب خانوں کے قیام اور ان میں اضافہ کتب کے محرک تھے۔

(۱) امام مالک بن انس اصبحی حمیری رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

امام دارالہجرہ مالک بن انس اصبحی حمیری (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۲-۷۹۵ء) فقیہ الامہ، فقہی مذاہبِ اربعہ کے دوسرے امامِ مجتہد، حافظِ حدیث، محدث، مصنف تھے (۲۹۹) امام موصوف کا بھی کتب خانہ تھا اور کتابیں صندوق میں رکھی ہوتی تھیں چنانچہ ابن ماجشون نے جب یہ بتایا کہ آنحضرت کی نماز جنازہ حضرت حمزہ کی طرح بہتر (۷۲) مرتبہ پڑھی گئی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ اس کا ماخذ کیا ہے فرمایا، اس روایت کا ماخذ وہ صندوق ہے جو امام مالک نے اپنے قلم سے عن نافع عن ابن عمر احادیث کا ذخیرہ لکھ کر چھوڑا ہے (۳۰۰)

یہ صندوق صرف ایک نافع کی مرویات کا تھا معلوم نہیں اور کتنے صندوق ان کے یا دوسرے شیوخ کی مرویات کے لکھے ہوئے موصوف کے خزانۃ الکتب میں موجود ہوں گے پھر یہ صرف حدیث کے ذخیرے کا ذکر ہے فقہ وغیرہ کا ذخیرہ کتنا تھا اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

امام مالک کا حبیب نامی کاتب تھا وہ ان کی کتابیں نقل کرتا رہتا تھا (۳۰۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ذخیرۂ کتب میں اضافہ کا سلسلہ جاری تھا۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

الامام الاعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطا مولیٰ تیمی کوفی (۸۰-۱۵۰ھ / ۶۹۹-۷۶۷ء) فقہ مذاہبِ اربعہ کے سب سے بڑے امام مجتہد، ائمۂ اربعہ میں پہلے متکلم (۳۰۲) محدث، حافظِ حدیث (۳۰۳) اور مصنف تھے (۳۰۴) امام موصوف کے پاس حدیث و فقہ وغیرہ کا بہت ذخیرہ تھا۔

حافظ ابو یحییٰ نیشاپوری المتوفی ۲۹۸ھ نے موصوف کا قول نقل کیا ہے:

"عندی صنادیق من الحدیث ما اخرجت الا الیسیر الذی

ینتفع بہ" میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں" "مگر میں نے ان میں سے تھوڑی حدیثیں نکالیں جن سے لوگ نفع اندوز ہوں۔"

امام اعظم نے صرف کتاب الاثار چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کر کے لکھی تھی (۳۰۶) یہ صرف حدیث کے ذخیرے کا ذکر ہے فقہ کے جو مسائل موصوف نے مدون کئے تھے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار (۱۲'۹۰'۰۰۰) سے اوپر ہے (۳۰۷)

(۴) ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی وائلی بغدادی کا کتب خانہ

ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی وائلی بغدادی (۱۶۴-۲۴۱ھ / ۷۷۰-۸۵۵ء) ائمہ اربعہ میں چوتھے امام' فن حدیث و رجال کے نامور امام اور مصنف تھے۔ انہوں نے بہت لکھا تھا صرف ابن وھیب سے پچاس ہزار حدیثیں لکھی تھیں (۳۰۸) موصوف کا ذاتی کتب خانہ تھا' چنانچہ حافظ ابو زرعہ رازی کا بیان ہے: "میں نے امام احمد کی کتابیں انتقال کے وقت شمار کیں تو بارہ بار شتر کتابیں نکلی تھیں" (۳۰۹)

حافظ ابو زرعہ رازی کا بیان ہے کہ امام موصوف کا قلم ہمیشہ رواں رہا انہوں نے وفات کے دن بھی لکھا تھا ان کی کتابیں بارہ بار شتر تھیں اور یہ سب انہیں زبانی یاد تھیں۔ (۳۱۰)

صالح بن احمد فرماتے ہیں کہ ابا جان فرماتے تھے' میں نے دس لاکھ حدیثیں لکھی تھیں اور یہ ذخیرہ اس کے علاوہ ہے جو میرے لیے نقل کیا گیا تھا۔ (۳۱۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم کو کتب خانوں سے کتنا اعتناء اور کتابوں کی کتنی جستجو تھی وہ کتابوں اور کتب خانوں کے متعلق کتنی معلومات رکھتے تھے۔

خلیفہ متوکل عباسی نے اس کتب خانہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی' امام ممدوح کے فرزند صالح کا بیان ہے۔

"ابا جان کے انتقال کے کچھ دن بعد متوکل باللہ کا مکتوب ابن طاہر کے نام آیا جس میں ہماری تعزیت کرنے کا اور ہماری کتابوں کے اٹھا لانے کا حکم تھا' میں نے ان کو بتایا کہ یہ ہماری مسموعات میں سے ہیں' یہ ہمارے ہی پاس رہنی چاہئیں ان کی نقل ہمارے پاس کی جا سکتی ہے وہ بولا اچھا امیر المومنین سے عرض کروں گا چنانچہ ہم برابر خلیفہ سے اس معاملہ میں جھگڑتے رہے اور اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے کتابیں اپنے پاس سے نہیں نکالیں" (۳۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء ائمہ فن اور نامور علماء کے خزائن کتب کے کیسے جویا اور مشتاق ہوتے تھے اور اسے حاصل کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ نیز اس سے

یہ بھی ثابت ہوا کہ خلیفہ متوکل باللہ کا کتب خانہ تھا جس کے لیے یہ کتابیں حاصل کی جا رہی تھیں۔

(۴) ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم ابنِ راہویہ کا کتب خانہ

ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد تمیمی حنظلی مروزی المعروف بابنِ راھویہ (۱۶۱۔۲۳۸ھ / ۷۷۸۔۸۵۳ء) عالمِ مشرق، حافظ حدیث، فقیہ مجتہد، مفسر و مصنف تھے (۳۱۳) ان کے ذخیرۂ کتب میں ایک لاکھ حدیثیں تھیں (۳۱۴) اور موصوف کی تصانیف کے علاوہ امام شافعی کی بھی جملہ تصانیف موجود تھیں (۳۱۵) کتابوں کا شوق ایسا تھا کہ ایک عورت سے شادی اس لیے کی تھی کہ اس کے پاس امام شافعی کی جملہ تصانیف محفوظ تھیں۔

(۵) ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس شافعی مطلبی قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ / ۷۶۷۔۸۲۰ء) فقہ کے ائمہ اربعہ میں سے تیسرے امام، حدیث، فقہ، تفسیر، لغت، ادب، تاریخ و سیرت میں امام فن تھے۔ امام موصوف کا بھی ذاتی کتب خانہ حدیث و فقہ وغیرہ کا جامع تھا اس کی وسعت و ندرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ موصوف نے صرف امام محمد سے ایک بار شتر ذخیرہ قلمبند کیا تھا (۳۱۶) یمن سے علمِ فراست کی کتابیں نقل کی تھیں (۳۱۷) امام شافعی نے ساٹھ دینار صرف امام محمد کی کتابوں پر خرچ کئے تھے ان پر غور کیا اور ہر مسئلہ کے پہلو میں ایک حدیث لکھی تھی (۳۱۸)

(۶) محمد بن اسحاق ابنِ خزیمہ سلمی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

محمد بن اسحاق ابن خزیمہ سلمی نیشاپوری شافعی (۲۲۳۔۳۱۱ھ / ۸۳۸۔۹۲۴ء) شیخ الاسلام امام الائمہ، حافظ حدیث، محدث، فقیہ، مجتہد و مصنف تھے۔ موصوف کو کتابوں کا شوق تھا بہت کتابیں جمع کی تھیں اِن کا ایک علیحدہ مکان میں "بیت الکتب" تھا۔ حاکم نیشاپوری کا بیان ہے:

"موصوف کے پوتے ابو طاہر محمد بن الفضل خزیمی المتوفی ۳۸۷ھ کے پاس گیا اور ان کے دادا کے "بیت الکتب" میں پہنچا اس میں ڈھائی سو جزء علامہ ابنِ خزیمہ کی سماعاتِ صحیحہ سے ان کے لیے نکالے اور انہیں اپنی قیامگاہ پر لے آیا، دس جزء میں ان کے فوائد کو جمع کیا اور شیخ ابو طاہر سے کہا: ان اصولِ صحیحہ کو حفاظت کی خاطر میرے پاس رہنے دو لیکن چند برس کے بعد وہ ان اجزاء کو اٹھا کر لے گئے اور لوگوں کو نقل کے لیے دے دیئے، اس طرح وہ اجزاء ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور پھر انہیں دوسروں سے مانگ کر ان اجزاء کو پڑھنا پڑا تھا" (۳۱۹) ان کے بیت الکتب میں اور کتابوں کے علاوہ ان کی ڈیڑھ سو سے زیادہ تصانیف کا ذخیرہ بھی تھا (۳۲۰) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی

تصانیف کی کتابیات بھی موجود تھی۔

حاکم نیشاپوری کے مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتب خانے سے اہل علم کو استفادہ کی اجازت حاصل تھی اور کتابیں عاریتاً دی جاتی تھیں اور وہ عرصہ دراز تک اہلِ علم کے پاس رکھی رہتی تھیں۔

(۷) ابو جعفر محمد بن جریر طبری کا کتب خانہ

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری (۲۲۴-۳۱۰ھ/ ۸۳۹-۹۲۳ء) نہایت نامور حافظِ حدیث، محدث، فقیہ، مجتہد، صاحب مذہب، مورخ، ادیب، مفسر، قاری، ان علوم میں سند و کثیر التصانیف تھے (۳۲۱) ان کو منطق، ریاضی، جبرو مقابلہ اور طب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا (۳۲۲) موصوف چالیس برس تک روزانہ چالیس ورق لکھتے رہے تھے (۳۲۳) موصوف کے تلمیذ ابو محمد فرغانی کا بیان ہے کہ ان کے تلامذہ نے بلوغ کے بعد سے تادمِ مرگ ان کی تصانیف کے اوراق کا حساب لگایا تو چودہ ورق یومیہ کا حساب بیٹھا تھا (۳۲۴)

ابنِ جریر کے ذاتی کتب خانے میں ان کی تصانیف کے علاوہ ابنِ حمید اور ابو کریب کی ایک ایک لاکھ حدیثوں کا بھی ذخیرہ تھا (۳۲۵) امام داؤد ظاہری کی جملہ تصانیف موصوف نے نہایت باریک قلم سے نقل کی تھیں (۳۲۶) موصوف اپنے کتب خانہ میں ایک ایک موضوع پر مستقل تصنیفیں وراقوں سے منگا کر مطالعہ کرتے اور عرصہ دراز تک اپنے پاس رکھتے تھے۔

ابو القاسم حسین بن حبیش وراق کا بیان ہے "مجھ سے قیاس کے موضوع پر تیس (۳۰) سے اوپر کتابیں منگا کر مطالعہ کیں ان پر سرخ نشانات لگائے اور مدت کے بعد واپس کی تھیں" (۳۲۷) "کتاب الفردوس" کو نقل کرا کر کتب خانہ میں رکھا تھا (۳۲۸) موصوف کی چھبیس (۲۶) اہم تصانیف کا ذکر یاقوت نے "معجم الادباء" میں کیا ہے اور محمد ابو الفضل ابراہیم نے تاریخ طبری کے مقدمہ میں ان کی نشاندھی کی ہے (۳۲۹) ابن الندیم نے ابنِ جریر کے ہاتھ کی بہت سی لغت، نحو، شعر، انساب، قبائل کی کتابیں لکھی ہوئی دیکھی تھیں (۳۳۰)

ابو محمد عبد العزیز طبری کا بیان ہے "علومِ قرآن، قرات، تاریخ وغیرہ پر ان کی تصانیف کو اسلام میں جو قبول عام ہوا ہے وہ مؤلفینِ اسلام میں کم کسی کی تصانیف کو حاصل ہو سکا (۳۳۱)

ان کی بعض بڑی بڑی تصانیف بڑے بڑے ائمۂ فن کی روزی کا ذریعہ بنی ہوئی تھیں چنانچہ مشہور منطقی یحییٰ بن علی المتوفی ۳۶۴ھ کو ابن الندیم نے سوق الوراقین میں دیکھا تو ان کی بہت زیادہ نقل نویسی پر حرف گیری کرنے لگا وہ کہنے لگے میں نے تفسیر طبری کے دو نسخے نقل کر کے بادشاہوں

کے کتب خانے میں بھیجے ہیں اور متکلمین کی بے شمار کتابیں نقل کی ہیں، میں شب و روز میں سو ورق لکھتا ہوں" (۳۳۲)

(۸) ابو بکر احمد بن محمد برقانی کا کتب خانہ

ابو بکر احمد بن محمد بن احمد خوارزمی شافعی المعروف برقانی (۳۳۶-۴۲۵ھ / ۹۴۸-۱۰۳۴ء) حافظ حدیث، محدث، فقیہ، نحوی، ادیب، شاعر و مصنف تھے۔ تحصیلِ علم کے لیے بلادِ اسلامی کا سفر کیا (۳۳۳)

ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا اس کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ تریسٹھ (۶۳) سفط (جامہ دان) اور دو صندوق میں رکھا ہوا تھا (۳۳۴) ابو الحسن نعیمی نے ان سب کتابوں کو پڑھا اور ان پر حواشی لکھے تھے۔

ایک مرتبہ برقانی کو محلہ کرخ بغداد سے باب الشعیر میں منتقل ہونا پڑا انہوں نے کتابیں لے جانے کے لیے اونٹ کرائے پر لیے اور احمد بن غانم حمامی کو ہدایت کی کہ کوئی کرخ میں تم سے پوچھے کہ ان اونٹوں پر کیا ہے تو اسے بتا دینا کہ اس پر کتابیں ہیں، کہیں وہ ریشم سمجھ کر لوٹ نہ لیں (۳۳۵) تذکرہ نگاروں میں سمعانی، سبکی، ابن العماد، ابن کثیر، اسنوی، شیرازی کسی نے بھی موصوف کے کتب خانے کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ اس دور میں ہر مشہور عالم کے پاس کتب خانہ ہوتا تھا اس کی شہرت ذکر سے مستغنی تھی۔

(۹) ضیاء الدین ابو شجاع. سطامی بلخی کا کتب خانہ

ضیاء الدین ابو شجاع عمر بن عبداللہ بسطامی بلخی (۴۷۵-۵۶۲ھ / ۱۰۸۲-۱۱۶۷ء) فقیہ، مفتی، مسند بلخ، محدث، حافظِ حدیث، مفسر، ادیب، شاعر، کاتب، ظریف، واعظ گوناگوں علوم میں ماہر عابد و مصنف تھے (۳۳۶) ان کا بلخ میں "خزانۃ الکتب" تھا جس سے طلبہ و اہلِ علم استفادہ کرتے تھے، ان کے تلمیذ علامہ سمعانی نے سنہ ۵۴۶ھ میں ان کی تصانیف میں سے کتاب المعجم شیوخ ابی محمد عبدالعزیز بن محمد بن محمد النخشبی الحافظ کا نسخہ اسی خزانۃ الکتب میں دیکھا پڑھا اور اس انداز پر موصوف نے کتاب التبیر لکھی تھی (۳۳۷) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تلامذہ کو اساتذہ کے کتب خانہ سے استفادہ کی اجازت تھی۔

اس نوع کے کتب خانے حسبِ ذیل فقہاء کے بھی تھے۔

(۱۰) ابو حفص احمد بن حفص کبیر بخاری المتوفی (۲۱۸ھ / ۸۳۰ء) (۳۳۸)

(۱۱) ابو یعقوب اسحاق بن منصور بن بہرام مروزی نزیل نیشاپوری المعروف بالکوسج الوراق

المتوفی (۲۵۱ھ / ۸۶۵ء) (۳۳۹)

(۱۲) ابو محمد سلیمان بن عبداللہ زغندانی المتوفی (۲۲۱ھ / ۸۳۵ء) (۳۴۰)

(۱۳) ابو عبداللہ محمد بن نصر مروزی سمرقندی (۲۰۲-۲۹۴ھ / ۸۱۷-۹۰۶ء) (۳۴۱)

(۱۴) زید بن الحسن بن محمد قایشی یمنی (۴۵۸-۵۲۸ھ / ۱۰۶۲-۱۱۳۳ء) (۳۴۲)

(۱۵) ابو عبداللہ محمد بن الحسین بن محمد مروزی زاغولی شافعی (۴۷۲-۵۵۹ھ / ۱۰۸۰-۱۱۶۴ء) (۳۴۳)

(۱۶) تاج الدین ابو عبداللہ محمد بن ہبتہ اللہ حموی مصری شافعی (۵۴۶-۵۹۹ھ / ۱۱۵۱-۱۲۰۲ء) (۳۴۴)

(۱۷) عزالدین ابو الفتح محمد بن عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی حنبلی (۵۶۶-۶۱۳ھ / ۱۱۷۰-۱۲۱۶ء) (۳۴۵)

(۱۸) شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن سلمی مرسی مالکی (۵۷۰-۶۵۵ھ / ۱۱۷۴-۱۲۵۷ء) (۳۴۶)

(ہ) قضاۃ کے کتب خانے

کے کتب خانوں میں فقہاء کے ذخیرۂ کتب کے علاوہ قضاء کے موضوع پر خصوصی کتابوں کا ہونا بھی ناگزیر تھا پھر بعض مصنفین کا ذخیرۂ کتب ان کے پاس موجود ہونا قضاء کی اہلیت کی علامت سمجھا جاتا تھا چنانچہ محدثِ شام ابو العباس ولید بن مسلم المتوفی ۱۹۷ھ کی تصانیف کے متعلق یہی مشہور تھا' ابنِ جوصا کا بیان ہے۔

"ہم برابر یہ سنتے رہے کہ جس نے ولید کی تصانیف کو نقل کیا وہ عہدۂ قضا پر مامور ہونے کا اہل سمجھا جاتا تھا' موصوف کی ستر (۷۰) تصانیف تھیں (۳۴۷) نیز جاحظ کا بیان ہے۔

"عہدِ عباسی میں بعض اوقات ایک عالم پچاس برس احادیث و آثار اور تاویلِ قرآن کی جستجو میں گزارتا, فقہاء کی ہمنشینی کرتا امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے معاصرین کی کتابوں میں غور و فکر کرتا, کتاب الشروط یاد کرتا پھر کہیں منصبِ قضا پر مامور کیا جاتا تھا۔" (۳۴۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں قاضی کو کتنا ذخیرۂ علمی پیشِ نظر رکھنا ہوتا تھا۔

(ا) ابو عبداللہ محمد بن عمر مدنی واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد سہمی اسلمی مدنی واقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ / ۷۴۷-۸۲۳ء) کے دادا واقد اسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ موصوف محدث' حافظ حدیث' فقیہ' مفسر' مورخ' ادیب' لغوی' قاضئ بغداد اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے (۳۴۹) ان کا ذاتی کتب خانہ چھ سو (۶۰۰) قمطر کتابوں پر مشتمل تھا, ہر قمطر اتنا وزنی تھا کہ اس کو دو آدمی اٹھاتے تھے (۳۵۰) دو غلام اس کے لیے رات دن لکھتے رہتے تھے, مورخ محمد ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کو کاتب واقدی کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ واقدی کے ذخیرۂ کتب کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ جب موصوف بغداد کے مغربی گوشے سے مشرقی جانب منتقل ہوئے تو ان کی کتابیں ایک سو بیس اونٹوں میں گئی تھیں (۳۵۱) اس دور میں اس قسم کے کتب خانوں کا تو ذکر ہی کیا اس سے بھی بہتر اور زیادہ ذخیرے کے کتب خانے کم و بیش ہر ایک محدث کے پاس موجود تھے۔

واقدی کا بیان ہے "معاصرین میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی کتابیں اس کے حفظ سے زیادہ نہ ہوں البتہ میرا حفظ میری کتابوں سے زیادہ ہے" (۳۵۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے معاصر علماء و محدثین میں سے ہر ایک کے پاس اتنے ہی بڑے کتب خانے موجود تھے۔ واقدی کو صرف حفظ کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل تھی' واقدی کے

انتقال کے بعد اس کا کتب خانہ دو ہزار دینار میں فروخت ہوا تھا (۳۵۳) گویا اس کیفیت و کمیت کے کتب خانے اس دور میں عام تھے۔

(۲) ابو احمد بن محمد الحاکم الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو احمد محمد بن محمد بن احمد نیشاپوری کرابیسی المعروف بالحاکم الکبیر (۲۸۵-۳۷۸ھ / ۸۱۸-۹۸۸ء) موٹے کپڑے کے تاجر (۳۵۴) حافظِ حدیث، محدث خراسان، فقیہ، کثیر التصانیف مصنف اور قاضی شاش و طوس تھے (۳۵۵) اور بہت لکھا تھا (۳۵۶)

موصوف ہمہ وقت کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتے اور لکھتے پڑھتے رہتے تھے تا آنکہ کرسئ عدالت پر بھی کتاب کا مطالعہ نہیں چھوٹتا تھا۔ حاکم نیشاپوری کا بیان ہے:

"جب طوس میں قاضی تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دیکھتا کہ کتابیں ان کے سامنے رکھی ہوتی تھیں یہ فیصلہ کرتے پھر کتابوں میں منہمک ہو جاتے تھے" (۳۵۷)

(۳) ابو عمر محمد بن یوسف ازدی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عمر محمد بن یوسف بن یعقوب بن اسماعیل ازدی بغدادی (۲۴۳-۳۲۰ھ / ۸۵۷-۹۳۲ء) فقیہ محدث، فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ بغداد میں ان کے دادا کے زمانے سے عہدۂ قضا ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا موصوف کو بھی سنہ ۳۱۷ھ میں بغداد کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا۔ موصوف کا بغداد میں خزائنِ کتب تفسیر، حدیث، فقہ کے علاوہ قدماء کے دواوین کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ تھا (۳۵۸)

(۴) ابو الولید عبد اللہ بن محمد ابن الفرضی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو الولید عبد اللہ بن محمد بن یوسف ازدی اندلسی قرطبی مالکی المعروف بابن الفرضی (۳۵۱-۴۰۳ھ / ۹۶۲-۱۰۱۳ء) مورخ، انساب کے ماہر، حافظِ حدیث، محدث، فقیہ، شاعر، مصنف اور بلنسہ کے قاضی تھے۔ تحصیلِ علوم کے لیے مغرب و مشرق (ایشیا اور یورپ) کا سفر کیا اور بہت کتابیں جمع کی تھیں (۳۵۹)

"کان جماعاً للکتب فجمع منہا اکثر ما جمعہ احد من عظماء البلد" (۳۶۰)

موصوف کتابیں جمع کرنے کے شوقین تھے اتنی زیادہ کتابیں جمع کی تھیں جتنی شہر کی عظیم شخصیتوں میں سے کوئی سربر آوردہ شخصیت جمع کرتی ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اندلس میں دو قسم کے کتب خانوں کا رواج تھا ایک پڑھے لکھے لوگ جن کے وسائل معاش و ذرائع آمدنی محدود ہوتے تھے ان کے کتب خانے مالی وسائل کی کمی کے باعث زیادہ بڑے نہیں ہوتے تھے، ایسے لوگوں میں اگر کوئی عظیم الشان کتب خانہ بنا لیتا جیسا کہ دولتمند اور ملک کی سربرآوردہ شخصیتیں جن کے وسائل آمدنی زیادہ ہوتے ہیں، بناتے تھے تو تعجب و حیرت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ابن الفرضی دولتمند نہ تھے ان کا ایسا عظیم الشان کتب خانہ قائم کرنا یقیناً باعث حیرت تھا۔ ابن الفرضی کا کتب خانہ تاریخ، حدیث، فقہ، رجال، ادب و لغت کی کتابوں اور ان کی تصانیف پر مشتمل تھا۔

(۵) ابو منصور محمد بن عبد الجبار تمیمی مروزی حنفی (۰۰۔۴۵۰ھ/۰۰۔۱۰۵۸ء) کا کتب خانہ

علامہ عبد الکریم سمعانی کے پرداد، امرو میں آباد تھے موصوف اپنے وقت میں حنفیہ کے سرتاج، فقیہ، محدث، مفتی، قاضی، و صاحب التصانیف عالم تھے (۳۶۱) اس خانوادہ میں سیادت و قیادت، قضا، افتاء، درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر قائم رہا اس لئے یہ خاندان اپنی دینی، علمی شہرت و عظمت میں نظیر نہیں رکھتا (۳۶۲)

علامہ سمعانی کے والد ابوبکر محمد المتوفی ۵۱۰ھ اصفہان سے کتابیں لاتے تھے اس لئے ان کے آبائی خزانۃ الکتب میں بہت زیادہ اضافہ ہوا، ان کے فرزند عبد الکریم سمعانی کی تالیفات اور علمی خدمات کی وجہ سے اس خانوادہ کو اور بھی شہرت ہوئی ان کی کتاب "الانساب" کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ یاقوت نے مرو میں خانوادہ سمعانی کے دو خزانۃ الکتب کا تذکرہ کیا ہے (۳۶۳) لیکن اس امر کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ یہ کون سے دو خزانۃ الکتب تھے، دراصل ایک انکا جدی اور دوسرا "مدرسۃ السمعانیین" کا خزانۃ الکتب تھا، "مدرسۃ السمعانیین" وہی مدرسہ تھا جس میں ان کے آباء و اجداد پڑھاتے چلے آئے تھے ان کا ذکر علامہ سمعانی نے "مدرستنا" (۳۶۴) اور کبھی "مدرستی" (۳۶۵) کے الفاظ سے کیا ہے۔ یہی خزانۃ الکتب مرو میں کتابوں کی کثرت و ندرت میں مشہور تھا۔

(۶) ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم شیبانی بصری ظاہری المعروف بابن ابی عاصم (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء) (۳۶۶)

(۷) ابو الحسن علی بن مسہر: مولی کوفی قرشی المتوفی (۱۸۹ھ / ۸۰۵ء) (۳۶۷)

(۸) ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل ازدی بصری بغدادی مالکی (۱۹۹-۲۸۲ھ / ۸۱۵-۸۹۶ء) (۳۶۸)

(۹) ابو علی حسن بن زیاد لؤلؤی کوفی المتوفی (۲۰۴ھ / ۸۱۹ء) (۳۶۹)

(۱۰) ابو الحسن نضر بن شمیل بن خرشتہ مازنی بصری مروزی (۱۲۲-۲۰۳ھ / ۷۷۴-۸۱۹ء) (۳۷۰)

(۱۱) ابو العباس احمد بن عمر بن سریج بغدادی (۲۴۹-بعد ۳۰۶ھ / ۸۶۳-۹۱۸ء) (۳۷۱)

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد ضبی طہمانی نیشاپوری شافعی المعروف بابن البیع والحاکم (۳۶۱-۴۰۵ھ / ۹۳۲-۱۰۱۴ء) (۳۷۳)

(۱۳) ابو الفرج محمد بن عبید اللہ بن حسن بصری شافعی المعروف بابن ابی البقاء (۴۱۸-۴۹۹ھ / ۱۰۲۷-۱۱۰۵ء) (۳۷۴)

(۱۴) ابو عبداللہ محمد بن علی بن محمد دامغانی بغدادی حنفی (۴۰۰-۴۷۸ھ) (۳۷۵)

(ز) متکلمین کے کتب خانے

متکلمین کا ذخیرۂ کتب علم کلام کے علاوہ ان کے اساتذہ کی گوناگوں علوم و فنون کی کتابوں کا جامع اور ان کے مختلف علوم میں شغف و بصیرت کی بناء پر تنوع کا حامل ہوتا تھا۔

(۱) رکن الدین ابو المعالی امام الحرمین کا کتب خانہ

رکن الدین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف جوینی نیشاپوری شافعی المعروف بامام الحرمین (۴۱۹–۴۷۸ھ / ۱۰۲۸–۱۰۸۵ء) بلند پایہ فقیہ، متکلم، مفسر، نحوی، ادیب و مصنف تھے۔ نظام الملک طوسی نے نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ ان کے لیے بنایا تھا (۳۷۶) ان کا ذاتی کتب خانہ علیحدہ مکان میں تھا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ سب کتابیں ان کی پڑھی ہوئی تھیں (۳۷۷)

(۲) ابو حیان علی بن محمد توحیدی کا کتب خانہ

ابو حیان علی بن محمد بن العباس توحیدی (۰۰–۴۰۰ھ / ۰۰–۱۰۱۰ء) نحوی، ادیب، شاعر، صوفی، فلسفی، متکلم، معتزلی، کثیر التصانیف مصنف، بلا کا ذہین و وراق تھا (۳۷۸)

وراقت و کتابت پر گزر بسر کرتا (۳۷۹) اور اپنی تصانیف کی ناقدری پر روتا تھا کتابوں کا بہت دلدادہ تھا بہت نوادر کتب جمع کئے تھے۔ یہ زیادہ تر اصل نسخے اور حوالے کی کتابیں تھیں، اسماعیل بن عباد طالقانی جو کتابوں کا شیدائی و علم کا پروانہ تھا جب اس کا مخالف ہوا اور اسے قید خانے میں ڈلوایا تو جوشِ غضب میں اس کا کتب خانہ بھی نذرِ آتش کرا دیا اس واقعہ کا ذکر ابو حیان نے بہت دکھ کے ساتھ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"اس (طالقانی) نے مجھے سال بھر قید میں رکھا، میری کتابیں جمع کر کے جلا دیں حالانکہ ان میں فراء و کسائی کی کتابیں تھیں، مصاحفِ قرآنی تھے، فقہ و کلام کی بہترین بنیادی کتابیں اور اصل نسخے تھے اس نے ان میں اور علوم اوائل کی کتابوں میں بھی امتیاز نہیں کیا۔ بغیر سوچے سمجھے انتہائی جہالت اور سخت طیش سے ان میں آگ لگانے کا حکم دے دیا اُس نے کیوں نہیں اپنے خزانۃ الکتب میں آگ لگائی جس میں ابنِ راوندی کی کتابیں ہیں، ابنِ ابی العوجاء کا کلام ہے جو اس کے زعم میں قرآن کا معارضہ ہے، صالح بن عبد القدوس ابی سعید حمیری کے کلام و ارسطاطالیس وغیرہ کی کتابوں میں آگ نہیں لگائی، کتابوں کو جلانا اس کی حماقت کی نشانیوں میں سے ہے" (۳۵۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں کتابوں کا جلانا غایت درجہ معیوب سمجھا جاتا تھا، اس کے

باوجود یہ حادثات اتفاقی طور پر کبھی کبھی ہوتے رہتے تھے۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ابو حیان توحیدی کا کتب خانہ کیسی اہم کتابوں پر مشتمل تھا اور اسے اپنے کتب خانے کے جلانے کا کتنا قلق و صدمہ تھا، اس نے صاحب ابنِ عباد کو اس کی اس حرکت پر کس طرح مطعون کیا اور سمجھایا ہے "ہر کہ بخود نہ پسندی بدیگرے پسند"

نیز اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ابنِ عباد کے کتب خانہ میں کس کس نوع کی کتابیں تھیں۔ آخر عمر میں ابو حیان توحیدی نے اپنی تصانیف کو زیادہ مفید خیال نہ کر کے اور مرنے کے بعد ناقدروں کے ہاتھوں میں جانے کے ڈر سے نذر آتش کر دیا تھا(۳۸۱)۔

حسبِ ذیل نامور متکلمین بھی کم و بیش اس نوع کے ذخائر کتب رکھتے تھے۔

(۳) ابو عبد الرحمٰن علی بن الحسن بن شقیق عبدی مروزی (۱۳۷–۲۱۵ھ / ۷۵۴–۸۳۰ء) (۳۸۲)

(۴) ابو سعد اسماعیل بن علی بن حسین معتزلی المعروف بالسمان (۳۶۹–۴۴۳ھ / ۹۷۹–۱۰۵۱ء)(۳۸۳)

(۵) ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی نزیل بغداد ثم نجفی شیعی (۳۸۵–۴۶۰ھ / ۹۹۵–۱۰۶۷ء) (۳۸۴)

(۶) ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک انصاری اصفہانی شافعی المتوفی(۴۰۶ھ / ۱۰۱۵ء)(۳۸۵)

(ح) صوفیہ کے کتب خانے

صوفیہ کے متعلق عام خیال ہے کہ انہیں دینوی مشاغل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور علم وکتاب سے بے بہرہ ہوتے ہیں' اس مفروضہ کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عہدِ عباسی میں صوفیہ کتابیں پڑھتے ہی نہ تھے کتابوں کا ذخیرہ رکھتے اور کتب خانے بناتے تھے' ان کا ذخیرۂ کتب فلسفہ اخلاق وتصوف کے علاوہ علومِ قرآن وسنت' فقہ وکلام اور تاریخ کی کتابوں کا بھی جامع ہوتا تھا۔

عہدِ عباسی میں بیشتر صوفیہ بلند پایہ عالم ہوتے تھے اور بعض صوفیہ علوم کے ایسے دلدادہ تھے کہ وہ اپنے ساتھ وراقوں کی ایک جماعت لے کر نکلتے تھے جو ان کیلئے کتابیں نقل کرتی تھی' ابوعبداللہ صفار ایسے ہی صوفیہ میں سے تھے' بعض صوفیہ صرف کتابوں کے مقابلہ کیلئے پچاس پچاس دینار دیتے تھے اور بعض کتب خانے میں ہمیشہ باوضو داخل ہوتے تھے۔

(ا) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ صفار کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی المعروف صفار (ٹھٹھیرے) (۲۴۱-۳۳۹ھ/۸۵۶-۹۵۱ء) بلند پایہ محدث (۳۸۶) صوفی و کثیر التصانیف بزرگ تھے (۳۸۷) موصوف نے ابن ابی الدنیا قاضی اسماعیل بن اسحاق' ابوبکر بن ابی شیبہ سے ان کی تصانیف کا عبداللہ بن احمد سے مسند احمد کا سماع کیا تھا۔ اور یہ سب کی سب نقل بھی کی تھیں۔ موصوف جب سفیان بن الحسن سے حدیثوں کا سماع کرنے نکلے تو نقل نویسوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر نکلے تھے (۳۸۸)۔ ان کے ذخیرۂ کتب میں اور کتابوں کے علاوہ مذکورۂ بالا ائمۂ فن کی تمام تصانیف بھی تھیں۔

ابو العباس مصری ان کا وراق تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ان کے ساتھ خیانت کی اور ان کے کتب خانے سے پانچ سو سے زیادہ جزء نکال لیے' مگر موصوف اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے اور واپسی کی کوشش کرتے رہے مگر اس نے واپس نہیں کئے آخر شیخ کی بددعا سے اسے نقصان پہنچا۔ (۳۸۹)

(۲) ابو سعد احمد بن محمد ھروی مالینی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

(۲)ابو سعد احمد بن محمد بن عبداللہ ھروی مالینی المعروف بطاؤس الفقراء (۴۱۲ھ / ۱۰۲۲ء) حافظ حدیث، محدث، صوفی و مصنف تھے (۳۹۰) صاحب تاریخ جرجان حمزہ سہمی المتوفی ۴۲۷ھ سے ان کی دوستی تھی، ان کے پاس اپنی کتابیں بطور امانت رکھی تھیں: جب موصوف نے ان کی تاریخ جرجان کو دیکھا تو بہت پسند کیا اور اپنا تذکرہ بھی اس میں کرنے کے لیے کہا ۴۰۷ھ میں اپنا کتب خانہ یہاں سے مصر لائے، مصر میں انتقال ہوا (۳۹۱) مالینی نے کتب خانے میں ایسی کتابیں جمع کی تھیں جو معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھیں (۳۹۲)۔

مالینی خود بھی کتابیں نقل کرتے اور دوسروں سے اجرت پر نقل کراتے، مقابلہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ عبدالعزیز کو نقل و مقابلہ کی اجرت پچاس دینار دی تھی (۳۹۳)۔

(۳) شیخ الاسلام ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن صابونی کا کتب خانہ

شیخ الاسلام ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن احمد صابونی (۳۷۳-۴۴۹ھ / ۹۸۳-۱۰۵۷ء) تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور کلام میں امام فن و شیخ طریقت تھے، مصنف، واعظ، استاد، ادیب و شاعر تھے۔ خراسان، غزنہ، جرجان، طبرستان، آذربائیجان، شام، حجاز و ہند کے اتنے علماء نے موصوف سے حدیث پڑھی تھی کہ شمار نہیں کیا جا سکتا (۳۹۴) فارسی عربی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا ان کا ذاتی کتب خانہ تھا جس کے متعلق فرماتے "میں نے مجلس میں جو حدیث و اثر بیان کیا اس کی سند مجھے یاد ہے اور میں کتب خانہ میں ہمیشہ باوضو داخل ہوا ہوں" (۳۹۰)۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء و محدثین علم کو عبادت، اور کتب خانہ کو عبادت گاہ سمجھتے تھے۔

(۴) ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلمٰی نیشاپوری کا کتب خانہ

ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن موسیٰ ازدی سلمی نیشاپوری (۳۲۵-۴۱۲ھ / ۹۳۶-۱۰۲۱ء) ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ، حافظِ حدیث، صوفی، شیخ طریقت و مصنف تھے (۳۹۶) ان کا ذاتی کتب خانہ تھا، ابوالقاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا بیان ہے:

"میں ایک بار شیخ ابو علی حسن وقاق کے پاس بیٹھا ہوا تھا انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم ان کی طرف جاؤ تو انہیں اپنے "بیت الکتب" میں بیٹھا ہوا پاؤ گے اور سامنے کتابوں کے اوپر کی سرخ جلد کچھوٹی چوکور کتاب رکھی ہوئی ہے، اس میں حسین منصور (حلاج) کے اشعار ہیں اسے اٹھا کر

میرے پاس لے آنا یہ دوپہر کا وقت تھا میں سلمی کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ وہ اپنے "بیت الکتب" میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ مجلد کتاب جہاں ابو علی نے بتائی تھی رکھی ہوئی تھی (۳۹۷) میں نے وہ کتاب شیخ سلمی سے لاکر انہیں پیش کردی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اس کتب خانہ سے مشائخ نیشاپور بھی کتابیں عاریتاً لے جاتے تھے' اس کتب خانہ میں بیٹھ کر شیخ سلمی مطالعہ کرتے اور کتابیں لکھتے تھے۔ شیخ سلمی کے ذخیرۂ کتب میں اور بہت سی کتابوں کے علاوہ ان کی سو (۱۰۰) سے زیادہ تصانیف بھی تھی (۳۹۸)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی Author Bibliography بھی تیار کی گئی تھی۔

اس قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل صوفیہ بھی رکھتے تھے۔

(۵) ابو عبدالرحمن عبداللہ بن عبدالعزیز بن عمر بن الخطاب رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۸۴ھ (۳۹۹)

(۶) ابو القاسم ابراھیم بن محمد نصرآبادی رح المتوفی ۳۶۷ھ (۴۰۰)

(۷) ابو مسعود احمد بن عبد' رازی بجلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (۳۶۲-۴۴۹ھ / ۹۷۲-۱۰۵۷ء) (۴۰۱)

(۸) ابو محمد فضل بن احمد بن محمد صاعدی فراوی رح (۴۱۴-۴۸۷ھ) (۴۰۲)

(۹) ابو عبداللہ اسعد بن احمد بن محمد نسوی رح المتوفی ۵۰۰ھ (۴۰۳)

(۱۰) ابو حفص محمد بن عبدالحمید ابیوردی رح المتوفی ۵۰۱ھ (۴۰۴)

(۱۱) عزالدین ابو العباس بن ابراھیم بن عمر فاروثی واسطی (۶۱۴-۶۹۴ھ / ۱۲۱۷-۱۲۹۴ء) (۴۰۶)

(۱۲) ابو بکر عبدالرزاق بن عبدالقادر بن ابی صالح جیلی بغدادی حنبلی رح (۵۲۸-۶۰۳ھ) (۴۰۶)

(۱۳) جمال الدین ابو غانم محمد بن محمد بن ھبۃ اللہ بن محمد بن ھبۃ اللہ حلبی حنفی المعروف بابن ابی جرادہ رح (۵۴۰-۶۲۸ھ / ۱۱۴۵-۱۲۳۱ء) (۴۰۷)

(ط) نحویوں کے کتب خانے

نحویوں کے پاس ابتدائی دور میں اپنے اپنے دبستان کا خصوصی اور دوسرے علوم و موضوعات کا ان کے مذاق کے مطابق عمومی ذخیرۂ کتب جمع رہتا تھا چنانچہ ابنِ جنی المتوفی ۳۹۲ھ کا بیان ہے:

"ہمارے اصحاب یعنی دبستانِ کوفہ کے ہمارے اساتذہ نحو نے عللِ نحویہ امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۹۸ھ کی کتبِ فقہ سے اخذ کئے ہیں۔" (۴۰۸) متاخرین ائمۂ لغت و نحو کے ذخائرِ کتب میں کوفہ و بصرہ کے ہی نہیں بغداد کے ائمہ لغت و نحو کے اختلافات کا ذخیرہ بھی کیا جاتا تھا نیز اسلامی و ادبی علوم کا بھی تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ متاخرین میں سے کسی نے اپنی اہم تالیف میں لغت و نحو کی کوئی غلطی تو نہیں کی ہے چنانچہ ابو عمر زاہد غلام ثعلب کا بیان ہے: میں نے تفسیر طبری کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا اس میں نحو و لغت کی کوئی غلطی نہیں پائی" (۴۰۹) اس غرض سے وراق ان کیلئے کتابیں نقل کرتے اور ان کے علوم و کتب کی نشر و اشاعت کرتے تھے۔

بعض نحویوں کا ذخیرۂ کتب اتنا وسیع تھا کہ انہوں نے اس کی ترتیب و سہولت کی خاطر نوٹیشن (Notation) ایجاد کیا تھا اور کتابوں کی درستی و حفاظت کے معاملہ میں اتنا اہتمام کرتے تھے کہ کتابوں کے خراب ہو جانے کے بعد مسالہ لگا کر درست کرتے تھے۔

(۱) ابو العباس احمد بن یحییٰ شیبانی ثعلب رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو العباس احمد بن یحییٰ بن زید شیبانی المعروف بثعلب (۲۰۰-۲۹۱ھ / ۸۱۶-۹۰۴ھ) دبستانِ کوفہ میں لغت و نحو کے حافظ و امام، شعر قدیم کے راوی، فراء و امام کسائی کی کتابوں کے حافظ و راوی (۴۱۰) حافظِ حدیث اور مصنف تھے (۴۱۱)۔

امام ثعلب نے کتاب سامنے رکھ کر کبھی درس نہیں دیا نہ کبھی ہاتھ میں کتاب رکھی بااینہمہ ان کے پاس ذاتی کتب خانہ تھا اور اس میں نہایت جلیل القدر کتابیں تھیں۔ موصوف نے انتقال سے پہلے ایک شاگرد علی بن محمد کوفی کو وصیت کی تھی کہ یہ کتابیں ابو بکر احمد بن اسحاق قطربلی کو دیدیں۔

ابو اسحاق ابراہیم زجاج المتوفی ۳۱۱ھ نے قاسم بن عبید اللہ رأس البغل المتوفی ۲۹۱ھ سے کہا: ان جلیل القدر کتابوں کا خیال رہے، ساری کتابیں خرید لی جائیں، قاسم نے خیران وراق سے ان کی قیمتیں لگوائیں، اس نے دس دینار والی کتاب کے تین دینار لگائے پھر بھی کتابیں تین سو دینار تک

جا پہنچی تھیں" اس طرح راس البغل نے ایک ہزار دینار کی کتابیں تین سو دینار میں خرید لی تھیں۔

اس ذخیرۂ کتب میں مسائل اخفش **بخط** ذی الرمہ وراق ابی حاتم کا نسخہ مستنصر باللہ کے خلیفہ بننے سے پہلے بغداد سے قرطبہ پہنچ گیا تھا' محمد بن ابان لخمی المتوفی ۳۵۴ھ نے یہ نسخہ مستنصر باللہ کے پاس دیکھا تھا (۴۱۳)۔

(۲) ابو موسیٰ سلیمان بن محمد حامض رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو موسیٰ سلیمان بن محمد بن احمد نحوی بغدادی المعروف بحامض (۰۰۔۳۰۵/۰۰۔۹۱۸) نامور نحوی لغوی تھے' چالیس برس ثعلب سے کسب کمال کیا پھر ان کی جگہ مسند نشین ہوئے' حسن ضبط و وراقت میں شہرت حاصل تھی' تلخ گو اور ترش رو تھے' متعدد کتابیں ان سے یادگار ہیں (۴۱۳) ان کے پاس کتابوں کا ذخیرہ تھا جس کی وصیت انہوں نے ابو فاتک مقتدری کے حق میں کی تھی (۴۱۴)

(۳) ابو الحسن علی بن محمد ابن الکوفی کا کتب خانہ

ابو الحسن علی بن محمد بن الزبیر اسدی المعروف بابن الکوفی (۲۵۴۔۳۴۸ھ/۸۶۸۔۹۶۹ء) بلند پایہ نحوی' ادیب' صحیح الخط بحاث (بہت چھان بین کرنے والا) امام ثعلب کا تلمیذ خاص' مصنف و محدث تھا (۴۱۵) (۴۱۶) اس کے باپ نے پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) دینار چھوڑے تھے' یہ ساری دولت علم کی طلب' کتابوں کی خریداری میں اور کچھ اپنے نادار شاگردوں میں خرچ کی تھی۔

اس کی لکھی ہوئی کتابیں صحت و حسن خط میں اپنی نظیر آپ تھیں' وزیر جمال الدین قفطی کا بیان ہے' "آج بھی یعنی ساتویں صدی ہجری میں ان کی کتابوں پر غور کیا جائے تو وہ بیدار مغزی' بحث و تحقیق اور علم کی طرف رہنمائی کرتی ہیں (۴۱۷)

یاقوت رومی نے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں دیکھی ہیں وہ کہتا ہے: "جب یہ کہا جائے کہ "میں نے ابن الکوفی کے خط سے نقل کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسنے احتیاط میں حد کردی ہے" اور صحتِ اعراب و صحتِ خط میں ان سے بہتر کتابیں میری نظر سے نہیں گزریں' موصوف احتیاطاً" حرف پر اعراب بھی **بمقدار** حرف لگاتے تھے اور مشکوک کلمہ پر بار بار صح صح صح لکھتے تھے ان کا لکھا ہوا پرزہ بھی ایک درہم میں بکتا تھا" (۴۱۸)۔

ابن الندیم کتاب "**الفہرست**" میں جابجا "قرات **بخطِ** ابنِ الکوفی" میں نے یہ بات ابن الکوفی کے نوشتہ سے پڑھی ہے' یہ امر ابن الکوفی پر اس کے اعتماد کا شاہدِ عدل ہے۔ ابن الکوفی کتابوں کا بہت دلدادہ تھا' نہایت عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا (۴۱۹)۔

موصوف نے اپنے "خزائن الکتب" میں کتابوں کی کثرت کی وجہ سے ہر نوع کی کتابوں کے

لیے ایک مخصوص جگہ بنا رکھی تھی کتابوں کو نکالنے اور رکھنے کی سہولت کی خاطر کتاب کے شروع میں مخصوص علامت بھی لکھتے تھے (۴۲۰)۔

(۴) ناصح الدین ابو محمد سعید بن المبارک ابن الدھان کا کتب خانہ

ناصح الدین ابو محمد سعید بن المبارک بن علی نحوی بغدادی المعروف بابن الدھان (۴۹۴-۵۶۹ھ / ۱۰۰۰- ۱۰۷۳ء) مفسر، بلند پایہ لغوی، سیبویہ عصر، ادیب، شاعر و کثیر التصانیف تھے، اصفہان کے وقف کے کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا، ادب کی کتابیں زیادہ اپنے ہاتھ سے نقل کیں (۴۲۱) ساری عمر کتابیں ہی جمع کرتے اور کتب خانہ بناتے رہے تھے (۴۲۲)۔

وزیر جمال الدین ابو جعفر محمد اصبہانی المتوفی ۵۵۹ھ بڑا دوست اور سخی انسان تھا اس نے انہیں پڑھانے کیلئے موصل بلالیا، ۲۴ برس یہاں پڑھاتے اور کتاب لکھتے رہے، بغداد سے جاتے وقت اپنا کتب خانہ اپنے مکان میں جو محلہ مقتدیہ (۴۲۳) بغداد میں واقع تھا چھوڑ گئے تھے، ان کے مکان کے عقب میں کھالیں صاف کرنے کا کارخانہ تھا۔ ۲۰ رمضان ۵۶۹ھ بروز جمعہ دجلہ کا پانی ایسا چڑھا کہ مدرسے کے دروازے تک آگا، گلی کوچوں میں کشتیاں تیرنے لگیں (۴۲۴) ان کا مکان اور کتابیں خراب ہو گئیں جب یہ کتابیں موصل میں ان تک پہنچیں تو انہیں بخود (مسالوں) سے صاف کرنے کا مشورہ دیا گیا انہوں نے لاذن (ایک قسم کا مسالہ) سے کتابوں کو دھونی دینا شروع کیا، تیس رطل لاذن سے بھی زیادہ استعمال کیا اسکا دھواں دماغ میں چڑھ گیا، آنکھیں خراب ہو گئیں اور چل بسے (۴۲۵)۔ موصوف نے اس عمل میں اپنی جان دے کر کتابوں کو اہلِ علم کے استفادہ کے قابل بنا دیا تھا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ اصفہان میں عوامی کتب خانے کافی تھے ان کا کتب خانہ ان عوامی کتب خانون کے ذخیرۂ ادب کا ایک حد تک جامع تھا۔

اسی قسم کے کتب خانے حسب ذیل نحویوں کے تھے۔

(۵) ابراھیم بن محمد بن سعدان نحوی ثم بغدادی المعروف بابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ المتوفی تقریباً (۲۵۰ھ / ۸۶۴ء)(۴۲۶)

(۶) ابو زکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ دیلمی المعروف بالفراء (۱۴۴-۲۰۷ھ / ۷۶۱- ۸۲۲ء) (۴۲۶)

(ی) ائمۂ لغت کے کتب خانے

ائمۂ لغت کا ذخیرۂ کتب لسانیات وادبیات ہی کا جامع نہیں ہوتا تھا بلکہ اسلامی علوم، قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ پر بھی حاوی ہوتا تھا۔ اس لئے بعض کثیر التصانیف ائمۂ لغت کے کتب خانوں کی مالیت ونوعیت کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ابو نصر احمد بن حاتم باھلی کا کتب خانہ

ابو نصر (ابواحمد) احمد بن حاتم باھلی نحوی بغدادی المعروف بغلام الاصمعی (۰۰-۲۳۱/۰۰-۸۴۶ء) اصمعی کا نامور شاگرد، اس کی تصانیف کا راوی، ادیب لغوی اور مصنف تھا۔ اس نے لغت وادب کی کتابیں نقل کی تھیں (۴۲۸) اس کا کتب خانہ اصمعی، ابو عبیدہ اور زید وغیرہ کی تصانیف کا جامع تھا (۴۲۹) حمزہ نے کتاب الاصبہان میں لکھا ہے۔

"سنہ ۲۲۰ھ میں جب خصیب بن اسلم نے ابو محمد باھلی کو اصفہان بلایا وہ تصانیفِ اصمعی بھی ساتھ لایا اور محمد بن العباس کے پاس کتابیں رکھ کر حج کو چلا گیا اس نے وہ کتابیں لوگوں کو نقل کرادیں جب باھلی واپس آیا تو اس خبر سے اس پر قیامت گزر گئی وہ عبداللہ کے پاس گیا اور کہا یہ میری آمدنی کا ذریعہ تھیں مجھے اتنا نقصان ہوا ہے، اس نے اہلِ شہر سے دس ہزار درھم جمع کئے اور دس ہزار درھم اپنے پاس سے ملا کر بیس ہزار درھم خصیب کو پہنچائے وہ یہ رقم لیکر بصرہ واپس آگیا (۴۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ صرف اصمعی کی تصانیف کا ذخیرہ بیس (۲۰) ہزار درھم کا تھا باھلی کے اس ذخیرہ کی قیمت جو وہ اصفہان لایا تھا بیس ہزار سے کم نہ تھی یہ بھی معلوم ہوا کہ اھل علم کتابیں نہایت معتبر آدمی کے پاس رکھتے تھے کتابیں رکھنے میں اہم بات اعتماد ووثوق تھا اس لئے ہمیشہ خازن بہت معتبر آدمی کو بنایا جاتا تھا اور کتب خانہ کمائی اور آمدنی کا بھی ذریعہ تھا۔

(۲) ابو حاتم سھل بن محمد بن عثمان جشمی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو حاتم سھل بن محمد بن عثمان جشمی بجستانی (۱۶۶-۲۵۰ھ/۷۸۲-۸۶۴) لغت، نحو، ادب عروض کے امام، محدث، ادیب، شاعر، استاد وکثیر التصانیف تھے۔ دبستانِ بصرہ کے پیشوا جامع بصرہ کے امام تھے، کتابوں کے بہت دلدادہ تھے، جمع بھی کرتے اور فروخت بھی کرتے تھے (۴۳۱)

ان کا جب انتقال ہوا تو شاہِ بجستان یعقوب صفار المتوفی ۲۶۵ھ نے اپنا آدمی بھیج کر ان کے وارثوں سے پورا کتب خانہ خرید لیا یہ شیراز واھواز پر قابض تھا۔ اہلِ بصرہ کو بصرہ پر قبضہ کا خطرہ تھا

اس لئے انہوں نے نہایت قلیل رقم صرف چودہ ہزار دینار میں اسے دلوادیا اور یہ کتب خانہ یعقوب صفار کے یہاں منتقل ہو گیا(۴۳۲)۔

(۳) ابوالحسن علی بن احمد بن علی ایذیجی فالی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو الحسن علی بن احمد بن علی ایذیجی فالی بغدادی (۰۰-۴۴۸ھ / ۰۰-۱۰۵۶ء) ادیب، شاعر، محدث (۴۳۳) مصنف (۴۳۴) اور کتاب "المحدث الفاصل" رامہرمزی کا راوی تھا(۴۳۵)۔ موصوف کا ذاتی کتب خانہ بڑے نوادر پر **مشتمل** تھا گردش ایام سے فالی کو کچھ کتابیں بیچنی پڑیں، ان میں سے **جمہرہ** ابن درید کا نسخہ بھی جو قاضی ابوبکر بن بدیل تبریزی نے پانچ دینار میں خرید اتھا۔ قاضی موصوف اس نسخہ کو تبریز لے آئے، اس نسخہ سے ابوبکر زکریا تبریزی نے ا **لجمہرہ** کا نسخہ نقل کیا اس کی ایک جلد میں فالی کا خط رکھا ہوا تھا جس پر فالی کے وہ شعر لکھے ہوئے تھے جو اس نے اس کتاب کی جدائی پر کہے تھے ان سے فالی کی کتابوں سے محبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن خلکان نے اس واقعہ کی نسبت قاضی ابوبکر بن بدیل کے بجائے شریف مرتضی المتوفی ۴۳۶ھ کی طرف کی ہے (۴۳۸) عصر حاضر کے بعض مورخین نے ابو علی القالی البغدادی (۲۸۸-۳۵۶ھ) سے اس واقعہ کا انتساب کیا ہے جو صحیح نہیں (۴۳۹) کم وبیش اس قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل نامور ائمۂ لغت کے پاس تھے۔

(۴) ابوعبدالرحمٰن خلیل بن احمد بن مرو فراھیدی ازدی بصری (۹۶-۱۷۰ھ / ۷۱۳-۷۸۶ء)(۴۴۰)

(۵) ابوسعید حسن بن حسین **عتکی** سکری (۲۱۲-۲۷۵ھ / ۸۴۷-۸۸۸ء)(۴۴۱)

(۶) ابو عمرو شمر بن حمدویہ ھروی المتوفی ۲۵۵ھ / ۸۶۹ء(۴۴۲)

(۷) ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد بن ھانی نیشاپوری المتوفی ۲۳۶ھ / ۸۵۰ء(۴۴۳)

(۸) ابوالھیثم رازی المتوفی ۲۷۶ھ / ۸۸۹ء(۴۴۴)

(۹) ابو عمرو اسحاق بن مرار شیبانی کوفی نزیل بغداد(۹۴-۲۰۶ھ / ۷۱۳-۸۲۱ء)(۴۴۵)

(۱۰) ابو علی حسن بن احمد بن عبدالغفار فاری فسوی (۲۸۸-۳۷۷ھ / ۸۴۳-۹۸۷ء) (۴۴۶)

(۱۱) ابوالحسن علی بن احمد الدریدی وراق ابوبکر بن درید المتوفی ۳۲۱ھ / ۹۳۲ء(۴۴۷)

(۱۲) ابوبکر محمد بن الحسن بن درید ازدی بصری ثم بغدادی (۲۲۳-۳۲۱ھ / ۸۳۸-۹۳۱ء) (۴۴۸)

(۱۳) ابوالحسن علی بن عبیداللہ بن الغفار سمسانی بغدادی المتوفی ۴۱۵ھ / ۱۰۲۴ء(۴۴۹)

(ک) ادیبوں کے کتب خانے

ادیبوں نے لسانی اور ادبی علوم کی ترتیب و تدوین کی اور اتنا ذخیرہ جمع کیا کہ اس سے ان کا گھر بھر گیا تھا، انہوں نے اپنے مذاق کے مطابق دیگر موضوعات پر بھی کتابیں جمع کی تھیں، اس سے ان کے کتب خانوں کی وسعت و کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ کا کتب خانہ

ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب کنانی بصری معتزلی جاحظ (۱۵۰-۲۵۵ھ / ۷۹۷-۸۶۹ء) (اس کی آنکھوں کے ڈھیلے ابھرے ہوئے تھے۔ اس لئے جاحظ کے لقب سے مشہور تھا) (۴۵۰)۔ یہ بلا کا ذہین و زیرک تھا، مختلف علوم و فنون میں درک رکھتا تھا (۴۵۱) لیکن پڑھنے لکھنے کے شوق نے اسے بقائے دوام بخشی یہ فرقہ جاحظیہ کا امام (۴۵۲) صاحب طرز انشاء پرداز، شاعر، کثیر التصانیف مصنف اور کتابوں کا سچا عاشق تھا۔

ابو هفان عبداللہ بن احمد المتوفی ۲۵۰ھ کا بیان ہے: "میں نے جاحظ سے بڑھ کر علوم و کتب کا فریفتہ نہ دیکھا نہ سنا، جو کتاب اس کے ہاتھ میں آگئی وہ خواہ کسی قسم کی ہو اس کو پورا پڑھتا تھا" (۴۵۳)۔ مورخ مسعودی کا بیان ہے "اہلِ علم و اربابِ تدریس میں جاحظ سے بڑھ کر مصنف اور کتابوں والا، صاحب علم نے نہیں دیکھا" (۴۵۴)۔

جاحظ کتب فروشوں کی دکانوں پر جاتا ان سے رات بھر کیلئے دکان کرایہ پر لیتا اور کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا (۴۵۵)۔ کتابیں لکھتا اور انہیں قدر دانوں کے نام معنون کر کے انعام پاتا تھا۔ چنانچہ کتاب الحیوان کو عبدالملک بن الزیات کے نام معنون کیا اور انعام پایا تھا۔ کتابوں کے بہترین نسخے حاصل کرتا، انہیں اپنے سرپرستوں کی خدمت میں پیش کرتا تھا (۴۵۶)۔

جاحظ کی تصانیف کا بڑا پایہ ہے ابو الفضل ابن العمید کا قول ہے۔ "جاحظ کی کتابیں پہلے عقل کی باتیں پھر ادب سکھاتی ہیں" (۴۵۷) اس کے دو وراق تھے ایک ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ (۴۵۸) اور دوسرا ابو القاسم عبدالوھاب بن عیسیٰ بغدادی المتوفی ۳۱۹ھ یہ اس کیلئے کتابیں نقل کرتے تھے (۴۰۹)۔ بصرہ میں جاحظ کا اپنا کتب خانہ تھا۔

جاحظ نے عقائد و کلام، اخلاق، آداب، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، معاشرت سب ہی موضوع پر کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یاقوت نے ان کی تعداد ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) (۴۶۰) سبط ابن الجوزی، نے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بیان کی اور تصریح کی ہے کہ ان میں سے بیشتر کتابیں میں نے مشہد

ابو حنیفہ کے خزانۃ الکتب میں دیکھی ہیں (۴۶۱)

آخری عمر میں جب اس کے آدھے دھڑ پر فالج گر چکا تھا کتابوں کا مطالعہ اس سے نہیں چھوٹا ادھر ادھر کتابوں کا انبار لگا رہتا اور یہ کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ یہ کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ کتابوں کا ڈھیر اس پر آگرا اور یہ اس ڈھیر میں ڈھیر ہو گیا اور یوں یہ کتابوں میں جاں بحق ہو کر رہ گیا (۴۶۲)۔

(۲) محمد بن زیاد سندی ابن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

محمد بن زیاد سندی کوفی المعروف بابن الاعرابی (۱۵۰-۲۳۱/۷۶۷-۸۴۵ء) لغت، ادب، تاریخ، انساب کا امام، زبردست مصنف، دبستانِ کوفہ کا سرتاج، نحویان کوفہ کا مرجع تھا۔ موصوف کی مجلسِ درس سو (۱۰۰) علماء سے بھری رہتی تھی جو ان سے کوئی بات پوچھتا کتاب کے بغیر جواب دیتا تھا۔

ابن الاعرابی کا ان ائمۂ فن میں شمار تھا جن کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی تھی چنانچہ ان کے شاگرد ثعلب کا بیان ہے "میں پندرہ (۱۵) برس ان کے ساتھ رہا میں نے کبھی ان کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہیں دیکھی" (۴۶۳) بایں ہمہ اِن کے پاس بھی کتب خانہ تھا چنانچہ ابو جعفر **قحطبی** کا بیان ہے:

"ابن الاعرابی کا جب انتقال ہو گیا تو ہم ان کی کتابیں خریدنے گئے دیکھا کہ ان کی کتابیں رقاق (سفید پتلی جھلی) پر اور رقاع (کپڑے کے ٹکڑوں) پر مشتمل تھیں ان کتابوں میں صرف فتحات (زبر) کی علامات لکھی ہوئی تھیں (۴۶۴) ابن ابی بعو..ہ کے کتب خانے میں موصوف کے نوشتے موجود تھے (۴۶۵)۔

(۳) امیر ابوالفضل عبید اللہ بن احمد میکالی کا کتب خانہ

امیر ابوالفضل عبیداللہ بن احمد بن علی میکالی نیشاپوری المتوفی ۴۳۶ھ / ۱۰۴۴ء ادیب، شاعر، محدث اور مصنف تھے۔ موصوف کا نہایت شاندار کتب خانہ تھا اہلِ علم کو اس سے استفادہ کی اجازت تھی بلکہ بعض اہلِ علم کو اس کتب خانہ سے باہر دیہات میں بھی کتابیں لے جانے کی اجازت دی تھی۔ **ثعالبی** کا بیان ہے:

"مجھے امیر موصوف نے اجازت دی تھی کہ میں ان کی کتابوں کے خزانوں سے اپنے زادِ راہ کیلئے پھلوں کو ساتھ رکھ لوں، اللہ تعالیٰ ان کے خزائنِ کتاب کو ان کی طول حیات کے ساتھ آباد رکھے، آمین، تاکہ جس کام کے میں درپے ہوں ان سے میں مدد لیتا رہوں یہ امیر رہنما کی طرح ہیں

جو مسافر کی توشہ سے مدد کرتا ہے اور طبیب کی طرح سے ہیں جو مریض کو دوا کے ساتھ غذا بھی دیتا ہے اس طرح گویا مجھے ادبی کتابوں کے ساتھ چھوڑ دیا گیا میں ان سے مطلب کی باتیں نکالتا، اقتباس لیتا، ابواب بندی کرتا، فصلیں قائم کرتا، نوع بنوع ترتیب دیتا تھا۔ میں ائمہ فن خلیل، اصمعی، ابو عمرو شیبانی، کسائی، فراء، ابو زید، ابو عبیدہ، ابن الاعرابی، نضر بن شمیل، ابو العباس مبرد، ابو العباس احمد ثعلب، ابنِ درید، نفطویہ، ابن خالویہ، خارزنجی، ازھری اور ان کے علاوہ ظریف ادیب جو فصاخت وبلاغت کے جامع ہیں جیسے صاحب ابو القاسم، حمزہ بن حسن اصبہانی، ابو الفتح مراغی، ابو بکر خوارزمی، قاضی ابو الحسن علی بن عبد العزیز، جرجانی اور ابو الحسن احمد بن فارس بن زکریا قزوینی کے انوار وفیوضات سے مستفید ہونے لگا“۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امیر ابو الفضل کا کتب خانہ کیسے جلیل القدر ائمۂ فن کی تصانیف سے معمور تھا(۴۶۶)۔

علامہ ثعالبی نے امیر موصوف کا مقابلہ اس طبیب سے کیا ہے جو جسمانی امراض کے لئے دوائیں بھی مہیا کرتا اور مریضوں کو غذا بہم پہنچاتا ہے، اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں کتب خانہ روحانی اور دماغی تسکین کیلئے بنایا جاتا تھا۔ موصوف طالبوں کی رہنمائی کرتے ان کی علمی تشنگی کو دور کرتے اور زبانِ قلم سے عالم کو فائدہ پہنچانے کیلئے کتب خانہ سے بیش بہا اور نادر کتابیں ان کو شہر ہی میں نہیں دیہات میں بھی لے جانے کیلئے عاریتًہ دیتے تھے اس طرح ان کے کتب خانہ سے دور ونزدیک ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ بستی بستی اس انفرادی کتاب خانہ سے فائدہ اٹھاتی اور علم کے نور سے روشن ہوتی جارہی تھی۔ یہ ان کے شہر ہی میں نہیں دیہات میں بھی ایک مدت کیلئے کتابیں مستعار دینے کا فیض تھا۔

مورخ ثعالبی نے یتیمۃ الدھر میں موصوف کا تذکرہ چودہ صفحات میں کیا ہے (۴۶۷) اور انہیں میکال کا آفتاب اور فنِ ادب کا ابن بجدہٖ (اداشناس ماھر) کہا ہے۔ امیر موصوف کی مجلس علماء ادباء کی مجلس تھی جہاں فضلاء نکتہ شناساں ادیب آکر بیٹھتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ بعض اہلِ علم کو اپنی زمینوں پر لیجاتے چنانچہ فیروز آباد جب اپنے کھیتوں پر گئے تو ثعالبی کو بھی ساتھ لے گئے تھے (۴۶۸) اہلِ علم کی ہمت افزائی کرتے اور ان کی سرپرستی فرماتے تھے۔ ادباء، شعراء اپنی تصانیف کو ان کے نام معنون کرنا فخر سمجھتے تھے، چنانچہ جاحظ عصر علامہ ابو منصور ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ نے اپنی تین اہم کتابوں فقہ اللغۃ (۴۶۹) سحر البلاغۃ وسرالبراعۃ (۴۷۰) اور ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب (۴۷۱) کو ان کے نام معنون کیا ہے۔ ثعالبی نے سحر البلاغۃ میں کتاب الامثال والحکم کے زیرِ عنوان ”ما خرج من کلام ابی الفضل عبید اللہ بن احمد

المیکالی" حکمت آموز جملے نقل کئے ہیں (۴۷۲)

امیر موصوف کی نظر اتنی وسیع اور گہری تھی کہ ثعالبی جیسا بالغ نظر محقق بھی کتابیں لکھ کر پیش کرتا تو اس پر اضافہ واصلاح کا متمنی رہتا تھا اور امیر موصوف اس پر اضافہ کرتے تھے۔ چنانچہ "یتیمتہ الدھر" کے آخر میں ابوالحسن علی بن محمد غزنوی کے کلام کا اضافہ امیر موصوف کے قلم کا مرہون منت ہے (۴۷۳)۔

اس قسم کے کتب خانے حسب ذیل ادیبوں کے پاس بھی تھے۔

(۴) ابوالعباس احمد بن موسیٰ المُعروف بابن الفرات المتوفی ۲۹۱ھ / ۹۰۳ء (۴۷۴)

(۵) ابو سعید عبدالملک بن قریب بن علی باھلی اصمعی بصری (۱۲۲-۲۱۶ھ / ۷۴۰-۸۳۱ء) (۴۷۵)

(۶) ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ مولیٰ تمیمی بصری خارجی (۱۱۰-۲۰۹ھ / ۷۲۸-۸۲۴ء)(۴۷۶)

(۷) ابو سعید وھب بن ابراہیم بن لحازاد (۰۰-۲۶۰ھ / ۰۰-۹۷۱ء)(۴۷۷)

(۸) ابوالحسن احمد بن عبید اللہ بن احمد المعروف بابن قزاعتہ کلواذی تلمیذ محمد صولی المتوفی ۳۳۵ھ (۴۷۸)۔

(۸) ابوالحسن علی بن المغیرہ اثرم بغدادی (۰۰-۲۳۲ھ / ۰۰-۸۴۶ء)(۴۷۹)

(۱۰) ابو عمران موسی بن عبداللہ نجندی (۰۰- قبل ۳۶۰ھ / ۰۰-۹۷۰ء)(۴۸۰)

(۱۱) ابوغالب محمد بن احمد بن بشر حنفی واسطی المعروف بابن خالہ (۳۸۰-۴۶۲ھ / ۹۹۰-۱۰۷۰ء)(۴۸۱)

(۱۲) ابوالحسن علی بن عبداللہ بن محمد انطاکی (۴۶۱-۵۴۱ھ / ۱۰۶۸-۱۱۴۶ء)(۴۸۲)

(۱۳) حجتہ الدین ابو جعفر محمد بن عبداللہ صقلی نحوی (۴۹۷-۵۶۵ھ / ۱۱۰۴-۱۱۷۰ء)(۴۸۳)

(۱۴) ابو نزار ربیعہ بن حسن بن علی حضرمی ذماری شافعی (۵۲۵-۶۰۹ھ / ۱۱۳۰-۱۲۱۲ء)(۴۸۴)

(ل) شاعروں کے کتب خانے

عربوں کا یہ شعار ازمنۂ قدیم سے چلا آرہا تھا کہ وہ اپنے حافظہ پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ اپنی تخلیقات کو ضبطِ تحریر میں لانا ہیچ سمجھتے تھے لیکن "اقراء" کے نور کی روشنی اتنی پھیلی کہ شعراء بھی عالمگیر تحریکِ کتب خانہ سازی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ شعراء نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور کتب خانے قائم کئے ان کے کتب خانوں میں صرف دواوین ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ لغت، علم وادب کی کتب کا بھی ذخیرہ ہوتا تھا اس ذخیرہ میں اضافہ کیلئے خود بھی کتابیں نقل کرتے تھے۔

(۱) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل ابن ابو العتاہیہ کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن القاسم عینی المعروف بابن ابی العتاہیہ (۰۰-۲۱۱ھ / ۰۰-۸۲۶ء) شاعر بن شاعر اور ادیب تھا اس کا کتب خانہ شعر و لغت کی ایک ہزار (۱۰۰۰) مجلدات اور دس ہزار (۱۰۰۰۰) اوراق پر مشتمل تھا اس دور میں ایک مجلد تقریباً" دس ورق کا ہوتا تھا (۴۸۵)۔

(۲) ابو عبادہ الولید بن عبید اللہ البحتری کا کتب خانہ

ابو عبادہ الولید بن عبید اللہ بن یحیٰ الطائی البحتری (۲۰۶-۲۸۴ھ / ۸۲۱-۸۹۸ء) اپنے زمانے کا نامور شاعر تھا اسے اپنے آگے معاصر شاعروں کی مقبولیت پسند نہ تھی، اس لئے اس نے پانچ سو ہمعصر شاعروں کے دواوین کو نذرِ آتش کر دیا تاکہ ان کے اشعار کو قبولیتِ عام حاصل نہ ہو سکے اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ذاتی ذخیرہ کتب میں صرف معاصر شعراء کے کلام کا کتنا عظیم الشان ذخیرہ محفوظ تھا (۴۸۶)

(۳) ابو الطیب احمد بن حسین متنبی کا کتب خانہ

ابو الطیب احمد بن حسین بن حسن جعفی کوفی کندی المعروف متنبی (۳۰۳-۳۵۴ھ / ۹۱۵-۹۶۵ء) عربی زبان کا نہایت نامور معنی آفرین شاعر اور کتابوں کا دلدادہ تھا اس پر اس کا مندرجہ ذیل ضرب المثل شعر شاہد ہے۔

اعز مکان فی الدنیٰ سرج سابح
و خیر جلیس فی الزمان کتاب

دنیا میں عزیز ترین جگہ تیز رو نرم رفتار گھوڑوں کی زین ہے ' اور زمانے میں سب سے بہتر ہمنشیں کتاب ہے (جس سے طرح طرح کی معلومات حاصل ہوتی ہیں)

متنبی کا زیادہ تر وقت سوق الوراقین میں کٹتا تھا' رات کو سونے سے پہلے کتابوں کا مطالعہ اس کا ہمیشہ کا معمول تھا (۴۸۷)۔ متنبی سفر میں خچروں پر سونا چاندی' زیب وزینت کا سامان' ہتھیار اور بیش قیمت کتابیں ساتھ لے کر نکلتا تھا اسے سب سے زیادہ خیال اپنی کتابوں کا لگا رہتا تھا کیونکہ انہیں اس نے خود نقل کیا تھا۔ اچھی طرح سے پڑھا محنت سے تصحیح کی تھی (۴۸۸) چنانچہ ابو سعد العمیدی المتوفی ۴۳۳ نے نہایت باوثوق ذرائع سے نقل کیا ہے کہ جب اہواز کے راستے میں اسے قتل کیا گیا تو اس کی خرجین سے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان **الطائیین** کا نسخہ ملا تھا جس کے اوراق کے حواشی پر اس امر کی علامتیں موجود تھیں کہ یہ معانی فلاں شاعر کے شعر سے ماخوذ ہیں جن سے قدماء کے دواوین پر اس کی وسعت نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے لیکن افسوس ہے راستے میں ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا اور یہ شعروادب کا قیمتی ذخیرہ جنگل میں ضائع ہو گیا حملہ کے وقت بھی متنبی کتاب و سامانِ کتابت کو فراموش نہیں کرسکا تھا موت کے عالم میں بھی یہ شعر کہہ گیا ہے۔

فالخیل واللیل والبیداء تعرفنی
والسیف والرمح والقرطاس والقلم (۴۸۹)

گھوڑے' رات' خشک جنگل' شمشیر وسنان' کاغذ و قلم سب مجھے بخوبی جانتے ہیں کہ میں صاحبِ رزم وبزم اور صاحبِ سیف و قلم ہوں۔"

(۴) فخرالدین مبارک شاہ بن حسنین مرو روذی کا کتب خانہ

فخرالدین مبارک شاہ بن حسین مرورُوذی (۰۰۔ ۶۰۲ھ / ۰۰۔ ۱۲۰۵ء) سلطان غیاث الدین محمود غزنوی کا درباری تھا۔ عربی فارسی میں بے تکلف شعر کہتا تھا' مہمان نواز' علم دوست و اہلِ علم کا قدردان تھا اس کا ذاتی کتب خانہ بغداد میں تھا۔ اس کا مہمانسرا علماء' فضلاء اور ادیبوں کی بیٹھک تھا جہاں کھیل اور مطالعہ کے شوقین آکر اپنے ذوق کی تسکین کرتے تھے۔ مورخ ابن الاثیر کا بیان ہے:

"اس کا محل مہمانسرا تھا اس میں کتابیں اور شطرنج رکھی ہوئی تھی' علماء کتابوں کا مطالعہ کرتے اور جاہل شطرنج کھیلتے تھے" (۴۹۰)۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ یہ کتب خانے اس دور میں عوامی کتب خانہ کے تمام

وظائف پورے کرتے تھے۔ تحقیق، تعلیم، معلومات اور ذوقِ جمال کی تسکین و تفریح کا سامان بہم پہنچاتے اور اس کی سہولتیں مہیا کرتے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانے فکری توانائی کے ساتھ تفریح کا سامان بھی مہیا کرتے تھے۔

(۵) عضد الدین ابوالفوارس مرہف کنانی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

عضدالدین ابوالفوارس **مرھف** بن اسامہ کنانی کلبی (۵۲۰۔ ۶۱۳ھ / ۱۱۲۶۔۱۲۱۶ء) خانوادۂ علمی وادبی کے فرد تھے۔ محدث (۴۹۱) ادیب و شاعر تھے کتابوں کے بہت دلدادہ تھے (۴۹۲) ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ یاقوت رومی کا بیان ہے:

"سنہ ۶۱۲ میں قاہرہ میں ان سے ملا تھا، موصوف کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، میں ان کی مجلس میں گیا انہوں نے مجھ سے کتابیں خریدیں اور بتایا کہ میرے پاس اتنی کتابیں ہیں کہ ان کی صحیح تعداد کا علم مجھے بھی نہیں، ان کا کہنا تھا کہ ایک مرتبہ ایک افتاد میں انہوں نے چار ہزار (۴۰۰۰) کتابیں بیچی تھیں لیکن کتب خانہ میں اس سے کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ بانوے (۹۲) سال کی عمر میں بھی باریک خط ایسے پڑھتے تھے جیسے جوان پڑھتے ہیں، اونچا سنتے تھے اور یہی چیز مجھے ان سے زیادہ بات کرنے میں مانع رہی تھی" (۴۹۳)۔

کم و بیش اس طرح کے کتب خانے حسب ذیل شعراء بھی رکھتے تھے۔

(۶) رشید الدین محمد بن عبدالجلیل عمری بلخی المعروف بالوطواط (۰۰۔ ۵۷۳ھ / ۰۰۔۱۱۵۷ء) (۴۹۴)

(۷) ابوغانم معروف بن محمد قصری معاصر ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء (۴۹۵)

(۸) ابوالعباس احمد بن جعفر بن احمد دبیثی واسطی (۰۰۔ ۶۲۱ھ / ۰۰۔ ۱۲۲۴ء) (۴۹۶)

(م) مورخین کے کتب خانے

مورخین کا ذخیرۂ علوم تاریخ اور کتب تاریخ ہی کا نہیں اسلامی علوم کا بھی جامع ہوتا تھا کتب تاریخ میں بعض مورخین کی تصانیف کا مطالعہ جاہلیت کی تاریخ کو اور بعض مورخین کی تالیفات کا مطالعہ اسلام کی تاریخ کو سمجھنے کیلئے ناگزیر تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ مورخین کے یہاں دوسری کتبِ تاریخ کے علاوہ ان تاریخی کتابوں کا ذخیرہ بھی ان کے کتب خانوں میں محفوظ ہوتا تھا۔

بعض مورخین نے اتنا اہم ذخیرہ جمع کیا تھا کہ ان کے یہاں شائقینِ علم وکتب کارات میں بھی کثیر تعداد میں قیام رہتا تھا اس غرض سے انہوں نے پچاس لحاف بنا کر رکھے تھے۔

(۱) ابوالحسن علی بن محمد بصری مدائنی ثم بغدادی کا کتب خانہ

ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بصری مدائنی ثم بغدادی (۱۳۵–۲۲۵ھ / ۷۵۲–۸۴۰ء) انساب کے عالم شعروادب کے راوی، مورخ کثیرالتصانیف مصنف تھے (۴۹۷) مغازی وسیر، خلفاءِ اسلام، تاریخ اسلام جاہلی شعراء کے تذکرہ پر زیادہ کتابیں لکھی تھیں۔ مورخ مسعودی نے جاحظ سے موازنہ کرتے ہوئے موصوف کے متعلق لکھا ہے

"ابوالحسن مدائنی بلاشبہ کثیرالتصانیف مصنف تھا، جاحظ اور اس میں فرق یہ ہے کہ اس (مدائنی) نے جو سنا۔ سے جوں کا توں قلمبند کیا ہے" (۴۹۸) ثعلب کہتا ہے۔

"جو شخص جاہلیت کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہے اسے ابوعبیدہ کی تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہے اسے مدائنی کی کتابیں پڑھنی چاہیں" (۴۹۹)۔

ابن الندیم نے ابوالحسن بن الکوفی کے حوالے سے اس کی دوسو (۲۰۰) سے زیادہ تصانیف کے نام چھ صفحوں میں نقل کئے ہیں (۵۰۰)

(۲) ابوعبداللہ عمر بن سعد بن منیع زہری رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ

ابو عبداللہ عمر بن سعد بن منیع زہری بصری المعروف بکاتب الواقدی (۱۶۸–۲۳۰ھ / ۷۸۴–۸۴۵ء) بنی ھاشم کے آزاد کردہ غلام تھے پھر واقدی کے کاتب ہو گئے تھے۔ محدث، حافظ، مورخ، اور مصنف تھے (۵۰۱) موصوف نے حدیث، فقہ، سیرت سے متعلق بہت ذخیرہ قلمبند کیا تھا (۵۰۲) یہ ان چار علماء میں پہلے عالم تھے جن کے پاس واقدی کی جملہ تصانیف موجود تھیں۔ (۵۰۳)

ابن سعد اپنے کتب خانے سے لوگوں کو کتابیں **عاریتاً** بھی دیتے تھے چنانچہ امام احمد بن جنبل واقدی کی حدیثوں کے دو جزء جمعہ کو ان سے منگاتے اور دوسرے جمعہ تک مطالعہ کرکے واپس کردیا کرتے تھے (۵۰۴) ان کے کتب خانے میں کتابوں کا بہت ذخیرہ تھا (۵۰۵)۔

ظاہر ہے جب واقدی کا کتب خانہ عظیم الشان تھا تو اس کے وراق شاگرد کا کتب خانہ بھی صحیح معنی میں ”کثیر الکتب“ کا مصداق تھا۔

(۴) ابو عبید اللہ محمد بن عمران مرزبانی کا کتب خانہ

ابو عبیداللہ محمد بن عمران بن موسی مرزبانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ معتزلی (۲۹۷-۳۸۴ھ / ۹۱۰-۹۹۴ء) مورخ، ادیب، کاتب اخباری اور کثیر التصانیف مصنف تھا اس نے جب ”المعجم باسماء الشعراء“ مرتب کی تو ایک ہزار (۱۰۰۰) شعراء کے صرف دواوین جمع کئے تھے ادب و تاریخ کی کتابوں کا ذخیرہ اس کے علاوہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کثیر التصانیف اہلِ قلم گزرے ہیں، اکثر ان کے پاس بھی عمدہ کتب خانہ ہوتا تھا (۵۰۶)

اسے تصنیف و تالیف کا جاحظ سے زیادہ اچھا سلیقہ تھا، عضد الدولہ اس کی قدر کرتا تھا وہ جب اس کی حویلی کی طرف سے گزرتا آداب بجالاتا اور نذر پیش کرتا تھا، ازھری کا بیان ہے:

”اس کے پاس دوات قلم رکھا رہتا تھا اور پیالہ میں نبیذ رکھی ہوتی تھی، لکھتا رہتا اور پیتا رہتا تھا“ (۵۹۷)

اس کا **محلسرا** جو شارع عمرو رومی پر مشرقی بغداد میں واقع تھا ادباء کی قیام گاہ تھا اس نے اہلِ علم کیلئے پچاس (۵۰) لحاف اور بستر بنا رکھے تھے (۵۹۸) علم و ادب کے شائقین اس کے یہاں آکر ٹھہرتے، رات بسر کرتے اور اس سے ادب کی کتابیں روایت کرتے تھے (۵۰۹) جب یہ مرا اسی مکان میں اسے دفن کیا گیا تھا (۵۱۰)

(۴) ابو عبداللہ محمد بن علی صوری بغدادی کا کتب خانہ

ابو عبداللہ محمد بن علی بن عبداللہ صوری بغدادی (۰۰۔۴۴۱ھ / ۰۰۔۱۰۴۹ء) حافظ حدیث، محدث، ادیب، وشاعر، مورخ کثیر التصانیف (۵۱۱) مصنف تھے۔ ایک مجلد ایک جزء میں نقل کرتے تھے (۵۱۲) بہت کتابیں جمع کی تھیں (۵۱۳)

صوری، خراسانی کاغذ کے ایک صفحہ کے آٹھویں حصہ میں اسی (۸۰) سطریں لکھتے تھے (۵۱۴)۔ صوری نے بارہ (۱۲) بار شتر کتابوں پر مشتمل کتب خانہ چھوڑا تھا جسے خطیب بغدادی نے صور میں جاکران کی ہمشیرہ سے خریدا تھا۔

کم وبیش اسی نوع کے کتب خانے مندرجہ ذیل مورخین بھی رکھتے تھے۔

(۵) ابوالحارث اسد بن حمدویہ بن سعید ورثینی نسفی (۰۰۔۳۱۵ھ / ۰۰۔۹۲۷ء)(۵۱۵)

(۶) ابوالقاسم سعید بن محمد بن احمد بقال اصفہانی (۰۰۔بعد ۴۳۴ / ۰۰۔۱۰۴۲ء)(۵۱۶)

(۷) ابوالفضل علی بن الحسین بن احمد حمدانی المعروف بابن الفلکی (۰۰۔۴۲۷ھ / ۰۰۔۱۰۳۶ء)(۵۱۷)

(۸) ابوعبداللہ محمد بن سعید بن علی دمشقی ثم واسطی شافعی (۵۵۸۔۶۳۷ھ / ۱۱۶۲۔۱۲۳۹ء)(۵۱۸)

(ن) ماہرینِ انساب کے کتب خانے

ماہرینِ انساب کا ذخیرہ کتب رجال، تارخ و سیر کی کتابوں ہی پر مشتمل نہ تھا بلکہ دوسرے ان کے پسندیدہ موضوعات کی کتابوں کا ذخیرہ بھی ان کے پاس موجود ہوتا تھا۔

(ا) امیر سعد الملک ابو نصر علی بن ہبتہ اللہ ابنِ ماکولا کا کتب خانہ

الامیر سعد الملک ابو نصر علی بن ھبتہ اللہ بن علی عجلی جرباذ قانی ثم بغدادی المعروف بابن ماکولا (۴۲۱–۴۷۵ھ / ۱۰۳۰–۱۰۸۲ء) محدث، حافظِ حدیث، علم انساب کے ماہر، ادیب، نحوی، شاعر، مصنف خانوادہ علماء فقہاء وزراء کے گوہرِ شب چراغ تھے (۵۱۹) تحصیلِ علم کے لئے بلاد اسلامی کا سفر کیا اور علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ ثانی خطیب بغدادی کہلائے۔

ان کے ذاتی کتب خانہ میں زیادہ تر مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے محفوظ تھے۔ چنانچہ تاریخ مصر ابن یونس کا نسخہ ابو عبداللہ صوری کا لکھا ہوا، غنجار کی تاریخ بخارا کا نسخہ خود مصنف کا نسخہ تھا، نسب میں کتاب شبل بن تکین کا انہی کا لکھا ہوا نسخہ موجود تھا اس طرح دوسری کتابیں ابن الفرات، ابن عبدہ نسابہ اور علی بن عیسیٰ ربغی کی لکھی ہوئی تھیں، نسبِ حمیر پر احمد بن محمد بن سعد کی کتاب خود انہی کے قلم سے ان کے پاس محفوظ تھی (۵۳۰)

تاریخ اور انساب کی بہت کتابیں جمع کی تھیں۔ ابن ماکولا (۲) کو علماء کے نام، لقب، کنیت وغیرہ کا بچپن ہی سے شوق تھا اور اس موضوع پر موصوف کی تصنیف "الاکمال" بہت مشہور ہے اس کے متعلق حمیدی کا بیان ہے:

"میں نے جب کبھی خطیب بغدادی سے ناموں کے متعلق دریافت کیا تو ہمیشہ انہوں نے ان کی کتاب کو دیکھنے کا مشورہ دیا" (۵۲۱)۔

(۲) یمین الدین ابو القاسم قثم بن طلحہ ابن الاتقی کا کتب خانہ

یمین الدین ابو القاسم قثم بن طلحہ بن علی زینبی المعروف بابن الاتقی (۵۵۰–۶۰۷ھ/۱۱۶۱–۱۲۱۰ء) ادب، تاریخ، انساب کے عالم (۵۲۲) و خوشنویس تھے۔ خلیفہ مستضی باللہ اور ناصرلدین اللہ کے زمانے میں بعض سرکاری عہدوں پر ممتاز رہے اس کے پاس کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔ یاقوت کا بیان ہے۔

"موصوف نے انساب، تاریخ، ادب کے موضوع پر بہت لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں جمع کی

تھیں اور اپنے پاکیزہ خط سے بھی بہت لکھا تھا" (۵۲۳)۔

(۳) اسی نوع کا ذخیرۂ کتب ابوعبداللہ زبیر بن بکار عبداللہ قرشی (۱۷۲-۲۵۶ھ/ ۷۸۹-۸۷۰ء) کے پاس تھا (۵۲۴)۔

(س) فلاسفہ کے کتب خانے

بیشتر مسلم فلاسفہ کا ذخیرۂ کتب 'فلسفہ واخلاق کے علاوہ لسانیات' ادب عالیہ' اسلامی علوم اور علوم اوائل' طب' ریاضی' ھندسہ' نجوم' ہیئت' موسیقی کے موضوعات پر مشتمل ہوتا تھا اور بعض کا ذخیرہ عربی زبان کی کتابوں کا ہی جامع نہیں بلکہ یونانی و سریانی زبانوں کی کتابوں کا بھی قابلِ رشک کتب خانہ ہوتا تھا۔

(۱) ابراہیم بن عبداللہ نصرانی کا کتب خانہ

ابراھیم بن عبداللہ نصرانی (۰۰-۰۰) یہ یحیٰی بن عدی المتوفی ۳۶۴ھ کا معاصر اور علوم اوائل کا ماہر تھا (۶۲۵) سریانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتا تھا' اس کے پاس قدماء کی کتابوں کا نہایت قیمتی ذخیرہ موجود تھا (۵۲۶) کتابوں کا بہت دلدادہ وشیدائی تھا کسی قیمت پر کتاب کو اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ یحیٰی بن عدی کا بیان ہے:

"قص سو تسطیقا" "نص الخطابیہ ونص الشعراء" جن کا اسحاق بن حنین نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ میں نے موصوف سے پچاس دینار میں خریدنا چاہا تو بھی نہیں بیچا"

اس کا جب انتقال ہوگیا تو اس کے ورثاء نے اس کی کتابیں فروخت کیں ان میں سکندر فردوسی کی کتاب السماع وکتاب البرھان کی شرحیں بھی تھیں۔ چنانچہ یحیٰی بن عدی کا بیان ہے:

"میں نے اس کی میراث میں پوری کتاب السماع' کتاب البرھان کی شرحیں دیکھیں یہ ایک سو بیس (۱۲۰) دینار میں مجھے دی جارہی تھیں میں دینار فراہم کرنے نکلا جب لیکر آیا تو دیکھا کہ دونوں شرحیں دوسری کتابوں کے ساتھ ایک خراسانی تین ہزار (۳۰۰۰) دینار میں لے کر چلا گیا۔ یہ دو شرحیں ایسی تھیں کہ انہیں آستین میں اٹھا کر لے جانا ممکن تھا" (۵۲۷)۔

(۲) ابو یوسف یعقوب بن اسحاق بن صباح کندی کا کتب خانہ

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق بن صباح کندی بغدادی بصری (۰۰-۲۵۲ھ / ۰۰-۸۶۷ء) اسلام میں سب سے پہلا عرب فلسفی ہے کندی' کو منطق' فلسفہ' طب' ریاضی ہندسہ' نجوم' ہیئت' موسیقی (۵۲۸ھ-الف) شعروادب (۵۲۹) یونانی' فارسی اور ھندی علوم میں مہارت' یونانی' سریانی اور عربی زبانوں میں اسے دستگاہ حاصل تھی' اس لئے خلیفہ مامون نے اس کو ارسطو اور یونانی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا تھا۔

کندی نے یونانی و سریانی سے عربی میں ترجمہ نہیں کیا بلکہ ان علوم میں مستقل کتابیں بھی یادگار چھوڑی تھیں (۵۳۰) اسے کتابوں سے بہت شغف تھا بہت کتابیں جمع کی تھیں اس کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا اور قابلِ رشک تھا۔ وراق حسنویہ' نفطویہ اور سلمویہ اس کے لئے کتابیں نقل کرتے تھے (۵۳۱)

اس کتب خانہ پر موسیٰ بن شاکر' محمد اور احمد کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں وہ اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے موقعہ پاکر خلیفہ متوکل کو کندی سے برگشتہ کیا سزا دلائی' خلیفہ نے محمد واحمد کو کندی کے مکان پر بھیجا انہوں نے اس کے کتب خانے پر قبضہ کیا اور اپنے محل سرا میں لے آئے اور اس کا نام "خزانۃ الکندیہ" رکھا۔ کچھ مدت کے بعد کندی کے دن پھرے خلیفہ متوکل محمد اور احمد سے ناراض ہو گیا انہوں نے خلیفہ کی رضاجوئی کیلئے سند بن علی کو واسطہ بنایا وہ کندی کا دوست تھا اس نے پہلی شرط یہ رکھی کہ خزانۃ الکندیہ واپس کریں چنانچہ کندی کو پھر خزانۃ الکتب مل گیا(۵۳۲)

اس قسم کے کتب خانے حسبِ ذیل فلاسفہ کے پاس بھی موجود تھے۔

(۳) ابوبکر قومسی فلسفی تلمیذ یحییٰ بن عدی المتوفی ۳۶۴ھ / ۹۷۴ء (۵۳۳)

(۴) ابوعبید عبدالواحد بن محمد جوزجانی المتوفی ۴۲۸ھ / ۱۰۳۷ء (۵۳۴)

(۵) رکن الدین ابومنصور عبدالسلام بن عبدالوہاب بن عبدالقادر جیلانی بغدادی (۵۴۸-۵۱۱ھ / ۱۱۵۳-۱۲۱۴ء)(۵۳۵)

(ع) مہندسوں کے کتب خانے

مہندسوں کا کتب خانہ فلکیات وریاضیات کے علاوہ دوسرے علوم وموضوعات کا بھی جامع ہوتا تھا اور ان میں سے بعض کے کتب خانوں کی دور دور تک دھوم تھی۔ چنانچہ جب حملہ ہوتا تو اوباش ان کا کتب خانہ لوٹتے تھے ہم نے مہندسوں کے کتب خانوں میں نمونے کے طور پر چند کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) احمد بن موسیٰ، حسن بن موسیٰ اور محمد بن موسیٰ کا کتب خانہ

خلیفہ مامون عباسی کے دور میں موسیٰ بن شاکر کے تین بیٹے احمد المتوفی بعد ۲۵۹ھ / ۸۷۳ء حسن المتوفی بعد ۲۵۹ھ / ۸۷۳ء اور محمد المتوفی بعد ۲۵۹ھ / ۸۷۳ء حیل وفلکیات میں بڑے ماہر تھے بلادِ روم کا سفر کیا، فلسفہ، ہندسہ، موسیقی، ریاضی اور طب وغیرہ کی کتابیں جمع کیں، (۵۳۶) ان کا ترجمہ کرایا، ان کو سائنسی علوم پر کتابیں جمع کرنے، ان کا ترجمہ کرانے اور اپنے کتب خانہ میں ذخیرۂ کتب کے بڑھانے کا شوق تھا یہ اس میں اپنی ساری دولت خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ یہ حنین بن اسحاق حبیش بن الحسن، ثابت بن قرہ وغیرہ کو فنی کتب کے ترجمہ پر پانچ سو دینار مشاہرہ دیتے تھے۔ محمد جس کی سالانہ آمدنی چار لاکھ دینار تھی، احمد کی آمدنی ستر ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی جو کتب خانہ بنانے اور سائنسی علوم کی نشرواشاعت میں خرچ ہوتی تھی (۵۳۷)۔

(۲) ابو محمد حسن بن موسیٰ بغدادی شیعی نوبختی کا کتب خانہ

ابو محمد حسن بن موسٰی بن حسن بغدادی شیعی نوبختی (۰۰-۳۱۰ھ / ۰۰-۹۲۲ء) متکلم، ہیئت دان، مصنف، علم واہلِ علم کا قدردان اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں اور اپنے قلم سے بھی بہت کچھ نقل کیا تھا (۵۳۸)۔ فلسفہ اور سائنس کی کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے (۵۳۹)۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انفرادی کتب خانے ذاتی کتب خانے ہی نہ تھے بلکہ ایک ایک فرد ایک ایک ادارہ تھے اس لئے ان کتب خانوں میں کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کام بھی کیا جاتا تھا۔

(۳) علی بن احمد عمرانی موصلی کا کتب خانہ

علی بن احمد عمرانی موصلی (۰۰ تقریباً ۳۴۴/۰۰۔۹۵۵) فلکیات و ریاضیات کا ماہر، استاد اور مصنف تھا کتابیں جمع کرنے کا شوقین تھا (۵۴۰) اسکا ذاتی کتب خانہ موصل میں تھا (۵۴۱) اس سے اور اس کے کتب خانے سے استفادہ کی خاطر اہلِ علم اس کے پاس آتے تھے (۵۴۲)۔

یہ موصل میں تیسرا کتب خانہ تھا جس کی شہرت دور دور پہنچی ہوئی تھی۔ ابن الندیم بھی اس کے کتب خانے میں آیا تھا اور ابو عثمان دمشقی کے اصول الھندسہ کے چند مقالات کا ترجمہ اس کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذاتی کتب خانے اپنی ہیئت کے اعتبار سے انفرادی کتب خانے تھے لیکن وظائف کی ادائیگی میں عوامی کتب خانوں کے ہمسر تھے۔

(۴) ابو ریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی کا کتب خانہ

ابو ریحان محمد بن احمد بن محمد بیرونی خوارزمی (۳۶۲۔۴۴۰ھ/۹۷۳۔۱۰۴۸ء) بلند پایہ ریاضی دان، جغرافیہ دان، سائنس دان، فلسفی، طبیب، ادیب، شاعر، مورخ، لغوی، مختلف زبانوں کا ماہر اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا (۵۴۳)۔ مورخ ابو الحسن علی بیہقی المتوفی (۵۲۵ھ) بیرونی کے متعلق لکھتا ہے: ”موصوف نے بہت کتابیں لکھی تھیں میں نے اکثر کتابیں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہیں، ان کی تصانیف ایک بار شتر سے زیادہ تھیں“ (۵۴۴)

بیرونی کے کثیر التصانیف ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں منہمک رہتا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے:

”بیرونی کا ہاتھ قلم کو، اسکی آنکھ مطالعہ کو، اور اس کا دل غور و فکر کو سال میں صرف دو روز چھوڑنے کیلئے تیار ہوتے تھے۔ ایک نوروز، دوسرے روز مہرگان کو“ (۵۴۵)۔

یاقوت نے بیرونی کی تصانیف کی فہرست جامع مرو کے کتب خانہ میں ساٹھ ورق میں گنجان خط میں لکھی ہوئی دیکھی تھی (۵۴۶)۔

یہ بھی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ مسجد کے کتب خانوں میں ہر موضوع کی کتابیں محفوظ ہوتی تھیں۔

(۵) عین الزمان ابو علی حسن بن علی مروروذی المعروف بالقطان کا کتب خانہ

عین الزمان، ابو علی حسن بن علی مروروذی المعروف بالقطان (۴۶۵-۵۴۸ھ / ۱۰۷۳-۱۱۵۳ء) مہندس، حکیم، فلسفی، لغوی، ادیب اور مصنف تھا (۵۴۷) اس کا مرو میں ذاتی کتب خانہ تھا اس میں بہت نادر کتابیں تھیں۔

خوارزم شاہ کا لشکر جب مرو پر حملہ آور ہوا اور مرو میں افراتفری پھیلی اس کا کتب خانہ بھی لٹا، رشید الدین وطواط نے اس کتب خانہ کو لشکر گاہ میں منتقل کرنا چاہا لیکن کتابیں اتنی زیادہ تھیں اور بدنظمی ایسی تھی کہ انہیں لے جانا بھی ممکن نہ ہوا۔ اس کو اسی جگہ چھوڑنا پڑا۔ آخر کار مرو کے "اوباشوں نے اس کو لوٹ لیا (۵۴۸)۔

(۶) امیر محمود الدولہ ابو الوفاء مبشر بن فاتک امری کا کتب خانہ

امیر محمود الدولہ ابو الوفاء مبشر بن فاتک امری (۰۰ تقریباً ۵۰۰ھ / ۰۰-۱۱۰۶ء) مصر کے فضلاء میں سے تھا۔ بلند پایہ فلسفی، حکیم، ہیئت دان، ریاضی دان مورخ و مصنف تھا (۵۴۹) حکمت و فلسفہ کا درس دیتا تھا، ابو محمد سلامہ یہودی اور ابن الہیثم جیسے مہندس ان کے شاگرد تھے (۵۵۰) کتابوں کا بہت دلدادہ تھا متقدمین کی بہت کتابیں جمع کی تھیں (۵۵۱)

اس کے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں ایسی ملیں جن کے اوراق کا رنگ پانی کے لگنے سے بدل گیا تھا۔ ابن فاتک کے کتب خانہ کی بڑی عبرتناک داستان ہے۔

یہ تحصیلِ علوم کا دلدادہ تھا اس کا زیادہ تر وقت خزائن کتب میں گزرتا اس میں بیٹھ کر لکھتا پڑھتا اور ایسا منہمک رہتا تھا کہ دنیا کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔

اس کی بیوی بڑے گھرانے کی ذی حیثیت خاتون تھی ان کتابوں سے اس کا کلیجہ پھکا پڑا تھا اس کا انتقال ہوا تو وہ اور اس کی خادمائیں اٹھکر اس کے خزائن کتب میں پہنچیں اور ان کو محل کے حوض میں پھینکنا شروع کیا لوگوں نے دوڑ کر انہیں نکالا مگر اتنی دیر میں اوراق کا رنگ بدل گیا تھا (۵۵۲)

(ف) اِطباء کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں اطباء کے لئے جس طرح حاذق طبیبوں کی صحبت‘ شفا خانوں میں فنی تربیت فن میں درک وبصیرت حاصل کرنے کے لئے لازمی امر تھا‘ اس طرح گھروں پر طبی کتابوں کے مطالعہ کے بغیر چارہ نہ تھا یہ بات اطباء کے لئے گھروں پر ذخیرۂ کتب رکھنے اور کتب خانے بنانے میں محرک تھی (۵۵۳)

معاشرہ میں اطباء کو اپنا وقار بلند رکھنے کے لئے فن سے متعلق زیادہ سے زیادہ کتابیں جمع کرنے اور مسائل فن سے باخبر رہنے کی تاکید کی جاتی تھی‘ یہ امر بھی اطباء کے کتب خانہ سازی کا محرک تھا۔ (۵۵۴)

(۱) ابو زید حنین بن اسحاق عبادی نصرانی کا کتب خانہ

ابو زید حنین بن اسحاق عبادی نصرانی (۱۹۴-۲۶۰ھ / ۸۰۹-۸۷۳ء) بلند پایہ ادیب‘ شاعر‘ طبیب‘ مترجم و مصنف تھا اسے تین زبانوں عربی‘ سریانی‘ اور یونانی پر عبور حاصل تھا (۵۵۵) ترجمہ نگار‘ اصطفن ابن باسیل‘ موسیٰ بن خالد‘ یحییٰ بن ہارون وغیرہ کا افسر تھا (۵۵۶) اس کی تصانیف و ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی تعداد ایک سو تیس (۱۳۰) سے اوپر ہے اس نے قدیم کتابوں کی تلاش و جستجو میں مختلف بلاد کا سفر کیا تھا (۵۵۷) اس کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ **بختیشوع** نے خلیفہ متوکل کو اس سے برگشتہ کر کے اسے قید کرایا اس کا سارا سامان اور کتب خانہ ضبط کرایا مکان بھی کھدوا پھکوایا تھا (۵۵۸) چنانچہ اس کا بیان ہے۔

”جتنی کتابیں بھی میری ملکیت میں تھیں ان میں سے ایک کتاب بھی میرے پاس نہیں رہی تھی (۵۵۹)۔

اس کتب خانہ کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں ہمہ وقت دو وراق ازرق (۵۶۰) اور محمد بن الحسن بن دینار احوال کتابیں لکھتے رہتے تھے (۵۶۱)۔

مامون نے اس کو دارالترجمہ کا نگران اعلیٰ بنایا ہوا تھا جو کتاب ترجمہ کر کے پیش کرتا اس کے برابر خزانہ شاہی سے سونا ملتا تھا (۵۶۲) یہ موٹا کاغذ استعمال کرتا بڑے بڑے حرفوں میں لکھتا اور نقل کرتا بین السطور میں کافی فاصلہ چھوڑتا اور چھڑاتا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرے باایں ہمہ خلیفہ مامون اس کی قدر کرتا اور انعام دیتا تھا (۵۶۳)۔

حنین بنو شاکر کے لئے بھی کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا۔ خلیفہ اہلِ علم سے ناراض ہوتا اور قید

کرتا تو قید میں بھی انہیں علم کی نشرو اشاعت کی پوری آزادی حاصل ہوتی اور لکھنے پڑھنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی تھی۔

حنین بن اسحاق نے اپنی ایام اسیری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا چنانچہ مورخ عبیداللہ بن جرائیل بن بختیشوع ''مناقب الاطباء'' میں لکھتا ہے:

''حنین سال بھر قید میں رہا مگر اس کے ترجمہ کرنے، شرح لکھنے اور تصنیف و تالیف کرنے کا مشغلہ برابر جاری رہا'' (۵۶۴)۔

(۲) ابوبکر محمد بن زکریا رازی کا کتب خانہ

ابوبکر محمد بن زکریا رازی (۲۵۱-۳۱۱/۸۶۵-۹۲۳ء) امام طب و فلسفہ (۵۶۵) منطقی، مہندس (۵۶۶) ادیب و شاعر، مصنف و استاد (۵۶۷) شفاخانہ رے و بغداد کا نگران اعلیٰ تھا (۵۶۸) اس کی چھوٹی بڑی تالیفات کا ذخیرہ ہی تین سو (۳۰۰) سے زیادہ تھا (۵۶۹)۔ اس کے ایک معاصر کا بیان ہے:

''رازی لپٹی ہوئی اور غیر لپٹی ہوئی کتابوں کو بھی جدا نہیں کرتا تھا، میں جب کبھی اس کے پاس پہنچا اس کو لکھتے ہوئے یا مسودے کو صاف کرتے ہی دیکھا'' (۵۷۰)۔

رازی کی تصانیف کی کتابیات بھی مرتب کی گئی تھی (۵۷۱) اس نے طب کا دائرۃ المعارف ''الحاوی'' کے نام سے لکھا تھا جس کا مسودہ ابن العمید نے اس کی بہن سے گران قیمت میں خرید کر رازی کے تلامذہ سے رے میں مرتب کرایا تھا (۵۷۲)۔

(۳) ابو کثیر افرائیم بن الحسن بن اسحاق اسرائیلی ابن الزفان کا کتب خانہ

ابو کثیر افرائیم بن الحسن بن اسحاق اسرائیلی المعروف بابن الزفان (۰۰-۴۸۷ھ/۰۰-۱۰۹۴ء) مصر کا نامور شاہی طبیب و مصنف تھا۔

بادشاہوں کے علاج معالجہ سے کمائی ہوئی دولت کتابوں کے حاصل کرنے، نقل کرانے میں خرچ کرتا تھا اس معاملہ میں بہت باہمت و فراخ حوصلہ واقع ہوا تھا ہمیشہ نقل نویس اس کے یہاں کتابیں نقل کرتے رہتے تھے اور یہ ان سب کی کفالت کرتا تھا (۵۷۳)۔ ان میں ایک محمد بن سعید بن جشام حجری المعروف بابن ملساقہ بھی تھا، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی نقل کی ہوئی متعدد کتابیں دیکھی ہیں جن پر افرائیم کے دستخط ثبت تھے۔ افرائیم نے مرتے وقت بیس ہزار سے زیادہ مجلدات چھوڑی تھیں (۵۷۴)۔

(۴) موفق الدین بن اسعد ابنِ مطران کا کتب خانہ

موفق الدین اسعد بن الیاس بن جرجیس مطران دمشقی المعروف بابن مطران (۰۰۔۵۸۷/ ۰۰۔۱۱۹۴ء) طبیب بن طبیب، ادیب، مصنف سلطان صلاح الدین کا شاہی طبیب تھا (۵۷۵) اسے کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا بہت کتابیں نقل کی اور خریدی تھیں اس کے کتب خانے میں طب کی دس ہزار سے زیادہ مجلدات تھیں (۵۷۶)۔

تین نقل نویس ہمہ وقت اس کے کتب خانے میں کتابیں نقل کرتے رہتے تھے جن کی خوراک، پوشاک، تنخواہ کا بار خود برداشت کرتا تھا ان میں جمال الدین المعروف بابن جمالہ بھی تھا یہ صاحبِ خط اور نہایت اچھا خوشنویس تھا اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں حسنِ خط، صحت، و اعراب کی درستی میں اپنی نظیر آپ تھیں۔

موفق الدین بڑی بڑی کتابوں کا خلاصہ تیار کرکے اپنی آستین میں رکھتا جب وقت ملتا مطالعہ کرتا رہتا تھا اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا اسلئے اس کا کتب خانہ مرنے کے بعد بکا، اس کے خلاصوں کی جب بولی لگی تو ہر جزء ایک درہم کے حساب سے تین ہزار جزء، تین ہزار درہم میں فروخت ہوئے اور زیادہ تر حکیم عمران نے خریدے تھے۔ ابنِ مطران بڑا کریم النفس تھا اپنے شاگردوں کو کتابیں بخش دیتا تھا (۵۷۷)۔

(۵) نصر بن محمد بن المنطفر کا کتب خانہ

نصر بن محمد بن معرف المعروف بالمنطفر (۰۰۔۵۳۴/ ۰۰۔۱۱۴۰ء) کو علومِ حکمیہ میں مہارت حاصل تھی، سائنسی علوم سے شغف تھا، خط بہت اچھا تھا طب اور حکمت کی بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں۔ مطالعہ کا شوق تھا کتابیں جمع کرتے اور پڑھتے تھے، موصوف کا کتب خانہ اپنی حویلی میں تھا، شیخ سدید الدین منطقی کا بیان ہے:

"مظفر کے مکان میں ایک بہت بڑے حصے میں الماریاں کتابوں سے اٹی ہوئی تھیں اس کا بیشتر وقت اس جگہ کتابوں کے پڑھنے لکھنے میں گزرتا تھا" (۵۷۸)۔

مظفر کا کتب خانہ صرف سائنسی علوم کے ساتھ خاص نہ تھا اس میں ہر فن کی ہزاروں کتابیں موجود تھیں۔

ابنِ ابی اصیبعہ کا بیان ہے "سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ ہر فن کی ہزاروں کتابوں کے مالک تھے اور کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس کے پیچھے موصوف نے اس فن سے متعلق نادر معلومات پیش نہ کی ہوں میں نے ابو المنطفر کی طب و حکمت کی بہت سی کتابیں دیکھیں ہیں

جن پر ان کا نام لکھا ہوا تھا اور ان کی نفیس معلومات درج تھیں۔ کتاب سے متعلق متفرق فوائد بھی لکھے ہوئے تھے، یہ شاعر بھی تھے، نجوم، کیمیا اور طب پر ان کی تصانیف ہیں" (۵۷۹)۔

اس نوع کے کتب خانے مندرجہ ذیل اطباء کے پاس بھی موجود تھے۔

(۶) ثادوس بغدادی خلیفہ معتضد عباسی کے دور (۲۷۹-۲۸۹ھ / ۸۹۲-۹۰۲ء) کا نامور پادری طبیب تھا (۵۸۰)

(۷) ابن الواسطی طبیب خلیفہ مستظہر باللہ عباسی المتوفی ۵۱۲ھ / ۱۱۱۸ء (۵۸۱)

(۸) مجد الدین ابو الفضل ھبتہ اللہ بن محمد المتوفی ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء (۵۸۲)

(۹) اوحد الدین عمران بن صدقہ دمشقی (۵۶۱-۶۳۷ھ / ۱۱۶۵-۱۲۳۸ء) (۵۸۳)

(۱۰) ابونصر سعید بن ابی الخیر بن عیسی خضیری نسطوری المعروف بابن المسیحی المتوفی ۶۵۸ھ / ۱۲۶۰ء (۵۸۴)

(۱۱) ابوالخیر مسیحی بن ابی البقابن ابراھیم نزیل بغداد المعروف بابن العطاء المتوفی ۶۰۸ھ / ۱۲۱۱ء (۵۸۵)

اس باب میں انفرادی وعمومی اور فنی وخصوصی کتب خانوں کے بیان ونشاندھی سے انفرادی وعمومی کتب خانوں میں:

(ا) وزیروں کے ۱۳
(ب) عمال کے ۳
(ج) حکام کے ۵
(د) دربانوں کے ۲
(ہ) موچی، رنگریز ۴
(و) وراقوں کے ۳
(ز) خوشنویسوں کے ۵
(ح) خازنوں کے ۲
(ط) فنکاروں کے ۲
(ی) تاجروں کے ۵
(ک) دولتمندوں کے ۵
(ل) غرباء کے ۳

کل..........(۵۲)

فنی و خصوصی کتب خانوں میں

(الف) قراء کے ۴
(ب) مفسرین کے ۳
(ج) محدثین و محدثہ کے ۶۹
(د) فقہاء کے ۱۸
(ہ) قضاۃ کے ۱۴
(و) متکلمین کے ۶
(ز) صوفیہ کے ۱۳
(ح) نحویوں کے ۶
(ط) ائمہ لغت کے ۱۳
(ی) ادباء کے ۱۴
(ک) شعراء کے ۸
(ل) مؤرخین کے ۸
(م) ماہرین انساب کے ۳
(ن) فلاسفہ کے ۵
(س) مہندسین کے ۶
(ع) اطباء کے ۱۱

کل..............(۲۰۱)

اور ہر دو کی مجموعی تعداد ۲۵۳ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ محرکات و عواملِ کتب خانہ اور عہدِ عباسی میں کتب سازی کی عالمگیر تحریک نے عوام و خواص میں تیزی سے کتب خانہ سازی کے ذوق کو پروان چڑھایا اسلامی علوم و فنون پر علومِ اوائل کے ارتقاء و ذخائر کی توسیع و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ عہدِ عباسی میں فنی و خصوصی کتب خانوں کی کثرت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہر فن میں ائمہ فن کی کتابیں ہر منتہی عالم کے پاس ہونا اسکی اہلیت و قابلیت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں فن میں اختصاص (Specialization) حاصل کرنے کا رجحان زیادہ پایا جاتا تھا جو علوم و ذخائر میں تنوع و کثرت، تعلیمی قومی ترقی اور صحت مند معاشرہ کی نشاندھی کرتا ہے۔

انفرادی کتب خانوں کی کثرت سے یہ حقیقت بھی آشکار ہو جاتی ہے کہ مسلم معاشرہ میں علمی و ذہنی بیداری اتنی بڑھ گئی تھی کہ وزراء و اہلِ ثروت غیر زبانوں سے فنی کتابوں کے ترجمہ، علومِ اوائل کی اشاعت اور ذخیرہ کو عام کرنے کیلئے ماہانہ خطیر رقم صرف کرتے تھے۔ اہلِ علم کتب خانہ سازی و ذخائر میں اضافہ کی خاطر وراقوں کی جماعت لیکر نکلتے جو اسلامی قلمرو کے مختلف کتب خانوں سے حسبِ ضرورت و مذاق ان کے لئے کتابیں نقل کرتی تھی اسلئے کبھی فنی و خصوصی کتب خانہ کے ذخائر کثرت میں وزیروں کے کتب خانوں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔

عہدِ عباسی میں ایک ایک امام فن کی تالیفات پر ساٹھ ساٹھ دینار اور بیس بیس ہزار درھم سے زیادہ رقم خرچ کی جاتی تھی حالانکہ ضروریات زندگی، سواری کا گھوڑا اور کپڑے وغیرہ زیادہ سے زیادہ اٹھارہ بیس درھم میں مل جاتے تھے (۵۸۶) یہ مسلم معاشرہ میں قوت خرید کی مثالیں ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں عوام و خواص میں علمی ذوق اور کتابی ضروریات کی تکمیل کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل تھی۔

دورِ عباسی میں انفرادی کتب خانوں کے ذخیرے، عوامی اور شاہی کتب خانوں کے ذخیروں میں اضافہ کا سرچشمہ تھے اور تہذیبی و تمدنی ضروتوں کو پورا کرنے کیلئے عوام کے ذہنوں کو مصفا و مجلا کرتے، کتابی تہذیب کے ارتقاء میں ممد و معاون تھے اور وہ اپنی خدمات کے اعتبار سے ادارہ جاتی کتبخانے کہے جانے کے مستحق تھے۔ انہی ذخائر سے بڑے بڑے کتب خانے ترتیب پاتے تھے۔

عہدِ عباسی میں وزیر، عامی و عالم ہر ایک علم و فن کا قدردان اور شیدائی تھا اور امیر و غریب، عالم و جاہل علوم و کتب اور کتب خانوں کی نشر و اشاعت میں سرگرم رہتا تھا۔

اسلامی تعلیمات اور عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریکِ کتب خانہ سازی کے ہر طبقہ کو عوام کی علمی ضروریات کی تکمیل، معاشرہ کی ذہنی رفعت، اور آئندہ نسلوں کی علمی ترقی کی خاطر عوامی کتب خانے قائم کرنے، مدرسے اور کتب خانے بنوانے پر کمربستہ کیا تھا۔ آئندہ باب میں انہی ادارہ جاتی، عوامی اور علمی کتب خانوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

فہرست ماخذ

(۱) الخطیب، ج۱۴، ص۱۳۸--- یاقوت، ج۷، ص۲۷۶--- ابنِ خلکان، ج۱، ص۲۴۳

(۲) ابن الندیم، ص۴۹۷

(۳) یاقوت، ج۷٥/۲۷۵، --- ابن کثیر، ج۹٥/۲۰۵

(۴) ابن الندیم، ص۳۸۶، ۴۳۸

(۵) الجاحظ، ج۱٥/۶۰--- عواد، ص۱۷۷-۱۷۸

(۶) تھامس ارنولڈ، میراث اسلام The Legacy of Islam ترجمہ عبدالمجید سالک (لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ع) ص۴۳۸

(۷) الخطیب، ج۱۴، ص۱۲۹

(۸) زامبادر، ج۱، ص۴۲

(۹) ابن الندیم، ص۱۶۹، ۲۰۵--- یاقوت، ج۶، ص۱۱۶-۱۱۷، ۱۹۹ ابن خلکان، ج۱، ص ۳۵۶--- الکتبی، ج۲، ص۲۴۶

(۱۰) ان الندیم، ص۲۰۵--- یاقوت، ج۵ص۴۵۹--- الکتبی، ج۲، ص۲۴۶ علی اکبر دہخدا، لغت نامہ (تہران، چاپخانہ دولتی ایران، ۱۳۳۷ف) شمارہ مسلسل ۷۹، شمارہ حرف ا، ص۴۹--- فواد افرام البستانی، دائرہ المعارف (بیروت، ب ت، ۱۹۵۸ء) ج۱، ٥/۴۸۶-۴۸۷--- محمد فرید وجدی، دائرہ معارف القرن العشرین ص، ۴، (القاہرۃ مطبعۃ دائرہ معارف القرن العشرین، ۱۳۸۶ھ) ج۷، ص۱۲۰

(۱۱) المرزبانی، ص۲۲۰--- ابن الطقطقی، ص۲۵۷

(۱۲) الزبیدی، ص۱۲۶--- یاقوت، ج۲، ص۱۴۴- القفطی، ج۱، ٥/۱۴۸- ابن الجوزی، ج۶، ص۴۶-۴۷

(۱۳) ابن الندیم، ص۱۷۷--- المرزبانی، ص۳۶۵- ابنِ خلکان، ج۲، ص-۵۴-۵۵--- الصفدی، ج۴، ص۳۲

(۱۴) السمعانی، ج۶، ص۳۵۶--- الخطیب، ج۲، ص۳۴۲-۳۴۳--- ابن الطقطقی، ص۲۳۳-۲۳۴--- عواد، ص۱۷۸-۱۷۹- محمد بن احمد العمیدی، الابانہ عن سرقات المتنبی، تحقیق ابراہیم الدسوقی البساطی، (القاہرہ، دار المعارف ۱۹۶۱ء) ص۲۲۴

(۱۵) ابن خلکان، ج ۲، ص ۵۴

(۱۶) یاقوت، ج ۶، ص ۸۵، ۸۶ -- القفطی، ج ۲، ص ۳۵۱

(۱۷) ابنِ ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۷۶ - ۱۷۷ -- کرد علی، امراء البیان، ج ۲، ص ۲۹۱ -- عواد، ص ۱۷۸ - ۱۷۹

(۱۸) العمیدی، ص ۲۲۴

(۱۹) الخطیب، ج ۱۴، ص ۱۶۷ - ۱۶۸ -- ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۸

(۲۰) ابنِ حجر، ج ۱۱، ص ۱۸۲

(۲۱) الخطیب، ج ۱۴، ص ۱۸۳

(۲۲) ابنِ حجر، ج ۱۱، ص ۱۸۰

(۲۳) یاقوت، ج ۲، ص ۲۷۴

(۲۴) ابنِ الندیم، ص ۱۹۴ -- ابن الانباری، ص ۲۲۲ -- القفطی، ج ۱، ص ۲۰۱

(۲۵) ابو نعیم، ج ۱، ص ۲۱۴

(۲۶) یاقوت، ج ۲، ص ۲۷۶ - ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۲۱۵ - ابن حجر، لسان المیزان، ج ۱، ص ۳۱۳، ۴۱۶

(۲۷) الثعالبی، ج ۳، ص ۱۸۹ -- ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۲ -- ابن العماد، ج ۳، ص ۱۱۴

(۲۸) یاقوت، ج ۲، ص ۳۱۵ -- ابن القفطی، ج ۱، ص ۲۰۲ -- ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۱۵ -- ابنِ خلکان، ج ۲، ص ۷۹ -- ابن الاثیر، ج ۹، ص ۱۱۰ -- ابو الفداء، ج ۲، ص ۱۳۰ -- السیوطی، ج ۱، ص ۴۵۱ -- ابنِ خلدون، ج ۴، ص ۹۹۴ -- ابن الغدا، ج ۳، ص ۱۱۵

(۲۹) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۸۰

(۳۰) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معجم الادباء کے مطبوعہ نسخہ (ج ۵، ص ۱۵۰) میں تصحیف ہو گئی ہے۔ اسلئے کہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (ج ۱، ص ۱۲۹) میں **مائۃ الف وسبعۃ عشر الف مجلد** (ایک لاکھ سترہ ہزار مجلدات) کے الفاظ نقل کئے ہیں جس کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ یہاں مائۃ الف تھا جو تصحیف ہو کر ماتین رہ گیا ہے۔ اس دور میں چھ ہزار دو سو مجلدات کوئی قابلِ ذکر تعداد نہیں تھی۔ اس زمانہ میں عظیم الشان کتب خانوں کے ذخائر کی تعداد لاکھوں سے متجاوز رہی ہے۔ اس سے بھی ہمارے مذکورۂ بالا خیال کی مزید تائید ہوتی ہے۔

(۳۱) یاقوت، ج ۵، ص ۱۵۰

(۳۲) الثعالبی، ج ۳، ص ۲۵۱ -- ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۸۰ -- یاقوت، ج ۲، ص ۳۱۲ ---

ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۱۵

(۳۳) یاقوت، ج ۲، ص ۳۱۲

(۳۴) ایضاً، ج ۳، ص ۱۴

(۳۵) ابن فارس، الصاحبی، تحقیق احمد صقر، (القاہرہ عیسیٰ البابی الحلبی ۱۹۷۷ء) ص ۳،

(۳۶) یاقوت، ج ۲، ص ۳۱۵

(۳۷) Muhammad Nazim. Life and Time of Sultan Mahmud of Chazna. London, Cambridge, 1931, p.83

(۳۸) الثعالبی، ج ۳، ص ۲۵۳

(۳۹) محمد بن الحسین الملقب ظہیر الدین الروذ راوری، ذیل کتاب تجارت الامم (مصر، مطبعۃ شرکتہ التمدن الصناعیتہ، ۳۳۴ھ) ج ۳، ص ۳۶۲

(۴۰) الثعالبی، ج ۳، ص ۱۵۴-۱۵۵ -- الصفدی، ج ۲، ص ۳۸۱-۳۸۲ -- ابن خلکان، ج ۲، ص ۵۷ -- الذہبی، ج ۲، ص ۳۱۷-۳۱۸ -- ابن العماء، ج ۳، ص ۳۱

(۴۱) ابن خلکان، ج ۲، ص ۳۳۳ -- البستانی، ج ۳، ص ۴۸۱

(۴۲) ابنِ خلکان ۵۷/۵۲، ص -- حسن ابراہیم حسن، ص ۴۳۲

(۴۳) ابنِ کثیر، ج ۱۲، ص ۱۸۸-۱۸۹

(۴۴) حسن ابراہیم حسن، ص ۴۳۱

(۴۵) ابن ابی اصیبعہ، ج ۳، ص ۱۷۵

(۴۶) الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۳۵

(۴۷) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۵۸۹-۵۹۰ -- ابن کثیر، ج ۱۲ ص ۱۸۹

(۴۸) الذہبی، العبر، ج ۵، ص ۱۷۵ -- ابن العماد، ج ۵، ص ۲۱۸

(۴۹) الصفدی، ج ۷، ص ۵۷

(۵۰) ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۸۶

(۵۱) العبادی، ابن سعید الاندلسی، حیاتہ وتراثہ الفکری والادبی، ص ۱۵۰

(۵۲) المقریزی، کتاب السلوک، ج ۱، ق ۱، ص ۲۳۲

(۵۳) ابن ابی اصیبعہ، ج ۳، ص ۳۸۳ -- البستانی، ج ۳، ص ۴۱۴

(۵۴) ایضاً، ص ۳۸۶-۳۸۷

(۵۵) یاقوت، ج ۴، ص ۳۸۳

(۵۶) القفطی، ج، ص ۱۳ (مقدمہ محمد ابوالفضل)

(۵۷) یاقوت، ج۵، ص ۴۸۴ -- الطباخ، ج۴، ص ۴۲۱

(۵۸) القفطی، ج۱، ص ۱۳ (مقدمہ محمد ابوالفضل)

(۵۹) ابن الفوطی، ص ۲۳۸ -- الطباخ، ج۴، ص ۴۲۵ -- الکتبی، ج۲، ص ۱۹۱

(۶۰) الطباخ، ج۴، ص ۴۲۶ -- القفطی، ج۱، ص ۲۰ (مقدمہ محمد ابوالفضل)

(۶۱) ابن الطقطقی، ص ۳۳۷ -- الصفدی، ج۱، ص ۱۸۴ -- ابن الفوطی، ص ۱۵۷

(۶۲) ابن کثیر، ج۱۳، ص ۱۷۲ -- ابن الفوطی، ص ۲۰۹ -- مصطفیٰ جواد، ص ۲۵۵

(۶۳) ابن الطقطقی، ص ۳۳۷

(۶۴) مصطفیٰ جواد، ص ۲۵۵

(۶۵) ابن الاثیر، ج۶، ص ۱۰۸، ۱۲۱، ۱۴۱ -- ابن تغری بردی، ج۲، ص ۸۷ -- محمد بن یوسف الکندی، کتاب الولاۃ و القضاۃ تحقیق رفن گست (بیروت، **مطبعۃ الآباء الیسوعیین**، ۱۹۰۸ء) ص ۱۳۶

(۶۶) الثعالبی، ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب، ص ۱۶۲ (لہ) لطائف المعارف، ص ۱۶۷۔ بصرہ میں مربد سحر طراز خطیبوں اور نامور شاعروں کے جوہر دکھانے اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی جگہ تھی (یاقوت، معجم البلدان، ج۵، ص ۹۸) اس زمانہ میں ذاتی کتب خانہ بھی اہلِ علم کے جوہر دکھانے اور بازی لے جانے کی جگہ تھی اسلئے اسے چشم مربد کہتا ہے۔

(۶۷) الجاحظ، ج۱، ص ۶۱ و ۶۲

(۶۸) ابن الندیم، ص ۴۲۱ -- صفا، ج۱، ص ۸۹

(۶۹) ایضاً، ص ۳۴۲

(۷۰) الصولی، ص ۲۱۱ -- عواد، ص ۲۲۰

(۷۱) عواد، ص ۱۸۷ -- ۱۸۸

(۷۲) یاقوت، ج۳، ص ۲۱۵ -- ابوشامہ، ص ۷۹ -- ابن کثیر، ج۳، ص ۶۲ - ۶۳

(۷۳) ایضاً، ص ۲۱۷

(۷۴) ایضاً، ج۳، ص ۲۱۶ -- عواد، ص ۲۶۶

(۷۵) ایضاً

(۷۶) المنذری، التکملہ، ج۳، ص ۲۱۶ - ۲۶۲ -- ابن الساعی، ص ۱۷۶

(۷۷) یاقوت، معجم البلدان، ج۲، ص۳۲۷-ابن رجب، ج ۲، ص۴۸-ابن العماد، ج۵، ص۱۷

(۷۸) ایضاً ص۲۳۸-- عواد، ص۲۶۱

(۷۹) الفارسی، ورق ۸

(۸۰) رشید الدین وطواط، ص۳۵ و ۳۶ (مقدمہ نفیسی)

(۸۱) ابن الندیم، ص ۱۹۳-- الخطیب، ج۱۰، ص۴۵۶-- مصطفیٰ جواد، الضائع من معجم الادباء (مجلۃ المجمع العلمی العراقی)، ج۶ (۱۳۷۸ھ) ص۱۵۵-- عواد، ص۲۲۵

(۸۲) عریب بن سعد القرطبی، صلہ تاریخ الطبری (لیدن، مطبعۃ بریل، ۱۸۹۷ع) ص۱۸۱-- مز، ج۱، ص۱۴۶

(۸۳) السمعانی، ج۸، ص۱۷۰

(۸۴) الذہبی، ج۴، ص۱۲۵۲

(۸۵) السمعانی، ج۵، ص۳۸۶-- الخطیب، ج۳، ص۳۱۰-۳۱۱-- ابن الندیم، ص۸۲۵

(۸۶) الذہبی، ج۳، ص۸۲۸

(۸۷) ابن تغری بردی، ج۴، ص۱۶۶

(۸۸) الذہبی، ج۳، ص۱۱۹۱-۱۱۹۳

(۸۹) ایضاً، ج۵، ص۱۲۴۴ (لہ) دول الاسلام، ج۲، ص ۱۳ (لہ) العبر، ج۳، ص۲۶۵-۲۶۶

(۹۰) ابن کثیر، ج۱۲، ص ۱۵۳-- ابن الجوزی، ج۹، ص۱۰۱-- یاقوت، ج۶، ص۳۳۶

(۹۱) الذہبی، ج۴، ص ۱۲۲۴-- یاقوت، ج۶، ص۳۳۶-۳۳۷-- ابن الجوزی، ج۹، ۱۰۱-- الصفدی، ج۲، ص۸۹-- ۹۰-- البستانی، ج۲، ص۴۸۵

(۹۲) الخطیب، ج۲، ص۲۵۰-- عواد، ص۲۳۲

(۹۳) الذہبی، ج۳، ص۱۰۳۴

(۹۴) ایضاً، ج۱، ص۲۲۱ (لہ) العبر، ج۱، ص۲۴۲-- ابن حجر، ج۴، ص۳۵۱

(۹۵) محمود حسن التونکی، معجم المصنفین (بیروت، مطبعۃ وزنکو غراف طبارہ، ۱۳۴۴ھ) ج ۳، ص۶۵-- ابن عذاری، ج۱، ص۶۲، - ۱۶۳

(۹۶) السمعانی، ج۶، ص۲۱۰-۲۱۱

(۹۷) یاقوت، ج۶، ص۲۱۰-- الطباخ، ص۴، ص۴۶۷-۴۶۸

(۹۸) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۳۲

(۹۹) یاقوت، ج ۶، ص ۲۴-- القباخ، ج ۴، ص ۴۷۰

(۱۰۰) القفطی، ج ۲، ص ۱۷۵-۱۷۶-- الخطیب، ج ۱۱، ص ۵۷-۵۸- ابن الجوزی، ج ۷، ۲۷۳-۲۷۴-- محمد بن الجزری، ج ۱، ص ۳۸۵-- السیوطی، ج ۲، ص ۹۵

(۱۰۱) ابن حجر، لسان المیزان، ج ۱، ص ۳۸۶

(۱۰۲) المقری، نفح الطیب (مصر مطبعۃ الازھریہ المصریہ ۱۳۰۲ھ) ج ۱ ۳۹۰-۳۹۶

(۱۰۳) ابن الندیم، ص ۲۰۱- ابن خلکان، ج ۱، ص ۶۵-- ابن کثیر، ج ۱۰، ص ۳۱۴-- الذہبی، العبر، ج ۱، ص ۴۲۰-- ابن عساکر، ج ۲، ص ۴۱۶-۴۱۷-- الخطیب، ج ۶، ص ۲۳۸-- یاقوت، ج ۲، ص ۱۹۸-۱۹۹، ۳۳۵-- القفطی، ج ۱، ص ۲۱۵

(۱۰۴) القفطی، ج ۱، ص ۲۱۶-- ابن خلکان، ج ۱، ص ۶۶

(۱۰۵) الخطیب، ج ۶، ص ۳۴۰-۳۴۱-- ابن عساکر، ج ۲، ص ۴۱۷-- یاقوت، ج ۲، ص ۱۹۸-۱۹۹-- القفطی، ج ۱، ص ۳۱۷-- عواد، جص ۱۹۵-۱۹۶

(۱۰۶) ابن الندیم، ص ۲۱۵-- ابن الانباری، ص ۱۸۸-- ابن خلکان، ج ۱، ۵۰۸

(۱۰۷) الخطیب، ج ۲، ص ۴۲۷-- ابن الانباری، ص ۱۸۸-- السمعانی، ورق ۳۵۷ یاقوت، ج ۷، ص ۱۳۶-- القفطی، ص ۲۳۵-- الصفدی، ج ۵، ص ۱۹۰

(۱۰۸) الخطیب، ج ۳، ص ۴۳۱-- القفطی، ج ۳، ص ۲۳۴-- الصفدی، ج ۵، ص ۱۹۳-- عبداللہ الیافعی، مراۃ الجنان عبرۃ الیقظان (حیدرآباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۳۸ھ) ج ۲، ص ۳۲۴-۳۲۵

(۱۰۹) الخطیب، ج ۳، ص ۴۳۲-- القفطی، ج ۳، ص ۲۳۵-- المرزبانی، ص ۴۳۱-- ابن الانباری، ص ۱۸۸-- ابن الجوزی، ج ۶، ص ۳۵۹-- السمعانی، ورق ۳۵۷-- ابن حجر، لسان المیزان، ج ۵، ص ۴۲۸

(۱۱۰) الخطیب، ج ۳، ص ۴۳۲-- القفطی، ج ۳، ص ۲۳۶-- یاقوت، ج ۷، ص ۱۳۶-- ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۱۰-- الصفدی، ج ۵، ص ۹۲

(۱۱۱) الصولی، ج ۲۱۱

(۱۱۲) ایضاً، ص ۳۹-۴۰-- عواد، ص ۲۱۹-۲۲۰

(۱۱۳) ابن الندیم، ص ۲۱۵

(۱۱۴) الخطیب، ج ۵، ص ۸۲-- ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۶۵-- الصفدی، ج ۸،

ص۸۰--ابن تغری بردی‘ ج۴‘ ص۳۸۱--عواد‘ ص۳۲۳

(۱۱۵) الذہبی‘ ج۳‘ ص۳۲۵

(۱۱۶) السمعانی‘ ورق ۳۴۳--یاقوت‘ معجم البلدان‘ ج۳‘ ص۳۷۹

(۱۱۷) الذہبی‘ ج۳‘ ص۳۲۵

(۱۱۸) الفارسی‘ ورق ۱۶۷--السمعانی‘ ج۲‘ ص۸۸--ابن الاثیر‘ اللباب‘ ج۱‘ ۲۲۵

(۱۱۹) سبط ابن الجوزی‘ ج۸‘ ق‘ ص۱۹۲--الیافعی‘ ج۳‘ ص۲۷۴-۲۷۵ الذہبی‘ العبر‘ ج۴‘ ص۱۱۲

(۱۲۰) ابن الجوزی‘ ج۱۰‘ ص۱۲۱--ابن کثیر‘ ج۱۲‘ ص۲۲۱-۲۲۲--عواد‘ ص۲۴۸

(۱۲۱) الذہبی‘ ج۴‘ ص۱۳۸۳-۱۳۸۴ (لہ) العبر‘ ج۵‘ ص۳۸--ابن رجب‘ ج۲‘ ص۷۹--ابن العماد‘ ج۵‘ ص۴۶-۴۷

(۱۲۲) ابوشامہ‘ ص۸۸

(۱۲۳) المنذری‘ ج۴‘ ص۱۳۷--الذہبی‘ ج۴‘ ص۱۳۸۴--ابن رجب‘ ج۲‘ ص۷۹--صدیق حسن القنوجی‘ التاج المکلل من جواہر الطراز الاخر والاول تحقیق عبدالحکیم شرف الدین (بمبئی شرف الدین الکتبی‘ ۱۳۸۳ھ) ص۲۲۳-۲۲۴

(۱۲۴) الخطیب‘ جج ۶‘ ص۲۸--ابن الندیم‘ ص۳۲۳--السمعانی‘ ج۴‘ ص۱۱۲--القفطی‘ ج۱‘ ص۱۵۵--یاقوت‘ ج۱‘ ص۳۷

(۱۲۵) السمعانی‘ ج۴‘ ص۱۱۲

(۱۲۶) الخطیب‘ ج۱‘ ص۳۲-۳۳--ابن ابی یعلیٰ‘ ج۱‘ ص۸۸--العلیمی‘ ج۱‘ ص۱۹۸--یاقوت‘ ج۱‘ ص۴۰--القفطی‘ ج۱‘ ص۱۵۷-۱۵۸--الطونکی‘ ج۳‘ ص۷۷--عواد‘ ص۲۰۸-۲۰۹--ابراہیم الحربی‘ کتاب المناسک واماکن طرق الحج ومعالم الجزیرہ‘ تحقیق احمد الجاسر (الریاض‘ دارالیمامہ للبحث والترجمۃ والنشر‘ ۱۳۸۹ھ) ص۱۶۷-۱۶۸ (مقدمۃ المحق)-

(۱۲۷) الخطیب‘ ج۶‘ ص۳۲-۳۳

(۱۲۸) ایضاً‘ ج۶‘ ص۳۲--القفطی‘ ج۱‘ ص۱۵۶-۱۵۷

(۱۲۹) حاجی خلیفہ‘ ج۱‘ ص۲۹۱-۲۹۲--کرمانی‘ نسائم الاسحار‘ ص۷۹

(۱۳۰) ابن الجوزی‘ ج۵‘ ص۸۴

(۱۳۱) الخطیب‘ ج۱۴‘ ص۳۳--ابن الجوزی‘ ج۲‘ ص۳۵۶--ابن تغری بردی‘

ج ۳، ص ۳۹۴--ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۲۱۸

(۱۳۲) الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۱۴

(۱۳۳) ابن الندیم، ص ۶۰

(۱۳۴) ایضاً، ص ۶۱-۶۲

(۱۳۵) شبلی، ج ۶، ص ۱۶۳-۱۶۴

(۱۳۶) ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۴۷--الفباخ، ج ۴، ص ۳۳۵-۳۳۶

(۱۳۷) علی بن ابی بکر الھروی، کتاب الاشارات الی معرفۃ الزیارات تحقیق جانین سوردیل، طومین، (دمشق، المعهد الفرنسی، ۱۹۵۳ع) ص ۱۰۰

(۱۳۸) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۳۳--الذہبی، ج ۴، ص ۱۴۱۳--الصفدی، ج ۳، ص ۲۶۷--ابن رجب، ج ۲، ص ۱۸۲

(۱۳۹) الحسن السیرافی، اخبار النحویین البصریین تحقیق طٰہٰ محمد الزینی، محمد عبدالمنعم ص ۷۶--الذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۶، ص ۳۲۳ (لہ) معرفۃ القراء ج ۱، ص ۳۸۶--القفطی، ج ۴، ص ۲۷--یاقوت، ج ۴، ص

(۱۴۰) الجاحظ، ج ۱، ص ۳۲۱--ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۸۶--یاقوت، ج ۴، ص ۶۱۷--الذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۶ ص ۳۲۳ (لہ) العبر، ج ۱، ص ۲۲۳ (لہ) معرفۃ القراء، ج ۱، ص ۸۶--ابن الجزری، ج ۱، ص ۲۹۰--القفطی، ج ۴، ص ۱۲۷--وکیل احمد سکندر پوری، اخبار نحات (دھلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۱۴ھ) ص ۲۵--البستانی، ج ۴، ص ۴۸۰-۴۸۲--دھخدا، ج ۳، ص ۱۸۷ (ابوسعد-اثبات) آریانا دائرۃ المعارف (کابل، مطبعۂ عمومی کابل، ۱۳۲ھ) ج ۱، ص ۲۶-۲۷

(۱۴۱) الذہبی، معرفۃ القراء، ج ۱، ص ۲۴۰--ابن الجزری، ج ۲، ص ۱۲۱ الخطیب، ج ۲، ص ۲۰۱--السبکی، ج ۳، ص ۱۳۵

(۱۴۲) ابن الندیم، ص ۵۰

(۱۴۳) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۲۴۸--یاقوت، ج ۳، ص ۲۶-۲۷--ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۸۶--الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۲۴-۱۳۲۵ (لہ) العبر، ج ۴، ص ۳۰۶ (لہ) معرفۃ القراء، ج ۴، ص ۱۳۲۴-۱۳۲۵ (لہ) العبر، ج ۴، ص ۳۰۶ (لہ) معرفۃ القراء، ج ۲، ص ۴۳۴-۴۳۵--الجزری، ج ۱، ص ۲۰۴--السیوطی، ج ۱، ص ۲۹۴

(۱۴۴) الذہبی، ج ۳، ص ۱۳۲۵-۱۳۳۶ (لہ) معرفۃ القراء، ج ۲، ص ۴۳۶ (لہ) العبر، ج ۴،

ص ۶۰۷-- الجزری‘ ج ۱‘ ص ۲۰۴-- یاقوت‘ ج ۳‘ ص ۳۲

(۱۴۵) ایضاً‘ ج ۲‘ ص ۴۳۵-- ابن الجوزی‘ ج ۱۰‘ ص ۲۴۸ (لہ) مناقب الامام احمد بن حنبل‘ ص ۵۳۲-- ابن کثیر‘ ج ۱۲‘ ص ۲۸۶

(۱۴۶) یاقوت‘ ج ۴‘ ص ۲۲۲-۲۲۳-- القفطی‘ ج ۲‘ ص ۱۲-- ابن الاثیر‘ ج ۱۲‘ ص ۳۱۵-- ابن خلکان‘ ج ۱‘ ص ۱۹۷-- القرشی‘ ج ۱‘ ص ۲۴۶-- ابو شامہ‘ ص ۹۵-- الذہبی‘ العبر‘ ج ۵‘ ص ۴۴-۴۵ ابن الجوزی‘ ج ۱‘ ص ۲۹۷-- السیوطی‘ بغیۃ الوعاہ‘ ج ۱‘ ص ۵۷۰-- ابن العماد‘ ج‘ ص ۵۴-- النعیمی‘ ۱‘ ص ۴۸۳

(۱۴۷) الذہبی‘ معرفۃ القراء‘ ج ۲‘ ص ۴۶۸-- ابن تغری بردی‘ ج ۱‘ ص ۲۱۷-- السیوطی‘ ج ۱‘ ص ۵۷۰-- ابو شامہ‘ ص ۹۶

(۱۴۸) ابو شامہ‘ ص ۹۵

(۱۴۹) یاقوت‘ ج ۴‘ ص ۲۲۳-- القفطی‘ ج ۲‘ ص ۱۱-- اسیوطی‘ ج ۱‘ ص ۵۷۱

(۱۵۰) ابن کثیر‘ ج ۱۳‘ ص ۲۷-- الذہبی‘ معرفۃ القراء‘ ج ۲‘ ص ۲۴۸-- ابو شامہ‘ ص ۹۸-- النعیمی‘ ج ۱‘ ص ۴۸۵

(۱۵۱) ابو شامہ‘ ص ۹۸-- النعیمی‘ ج ۱‘ ص ۴۸۴

(۱۵۲) السیوطی‘ الاتقان‘ ج ۲‘ ص ۱۸۰

(۱۵۳) الخطیب‘ ج ۳‘ ص ۱۸۲-- السمعانی‘ ج ۱‘ ص ۲۵۴-- ابن ابی یعلیٰ‘ ج ۲‘ ص ۶۹-- ابن الانباری‘ ص ۱۸۱-- القفطی‘ ج ۳‘ ص ۲۰۲

(۱۵۴) القفطی‘ ج ۳ ص ۲۰۳-- یاقوت‘ ج ۷‘ ص ۳۷-- ابن الجزری‘ ج ۲‘ ص ۲۳۱

(۱۵۵) الخطیب‘ ج ۲‘ ص ۱۸۲-- ابن الانباری‘ ص ۱۸۷-- ابن ابی یعلیٰ‘ ج ۲‘ ص ۷۰-- یاقوت‘ ج ۷‘ ص ۳۷-- القفطی‘ ج ۳‘ ص ۲۰۲

(۱۵۶) القرشی‘ ج ۱‘ ص ۳۱۶-- السبکی‘ ج ۵‘ ص ۱۲۲-- الاسیوطی (السیوطی) طبقات المفسرین (طہران‘ محمد حسین اسدی‘ ۱۹۶۶ء) ص ۱۹-- ابن الجوزی‘ ج ۹‘ ص ۹۰

(۱۵۷) ابن الجوزی‘ ج ۹‘ ص ۹۰-- ابن کثیر‘ ج ۱۲‘ ص ۱۵۰-- السبکی‘ ج ۲‘ ص ۱۲۲

(۱۵۸) السبکی‘ ج ۵‘ ص ۱۲۱-۱۲۲-- ابن حجر‘ لسان المیزان‘ ج ۴‘ ص ۱۱-۱۲

(۱۵۹) ابن تغری بردی‘ ج ۵‘ ص ۱۵۶-- عواد‘ ص ۱۵۲-- عماد عبد السلام‘ ص ۴۲

(۱۶۰) السبکی‘ ج ۵‘ ص ۱۲۱-۱۲۲-- ابن حجر‘ لسان المیزان‘ ج ۱‘ ص ۱۱-۱۲

(۱۶۱) عواد‘ ص ۲۴۱

(۱۶۲) القفطی، ج ۲، ص ۲۲۳ -- السیوطی، ج ۲، ص ۱۳۵ (ل) طبقات المفسرین، ص ۲۳ -- الدلجی، ص ۱۵۲ -- جمال الدین عبدالرحیم الاسنوی، طبقات الشافعیہ تحقیق عبداللہ الجبوری (بغداد مطبعۃ الارشاد، ۱۳۹۱ھ) ج ۲، ص ۵۳۹ -- ابن الجزری، ج ۱، ص ۵۲۳ -- الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۲۶۷

(۱۶۳) الدلجی، ص ۱۵۳ -- یاقوت، ج ۵، ص ۹۷ -- السبکی، ج ۵، ص ۲۴۰

(۱۶۴) الفارسی، ورق ۶۷

(۱۶۵) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۱۴ -- ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۳۳۔

(۱۶۶) الدلجی، ص ۱۵۳

(۱۶۷) الذہبی، ج ۱، ص ۳۴۹

(۱۶۸) عیاض، الالماع ص ۱۳۵

(۱۶۹) ابن الصلاح، مقدمۃ ابن الصلاح وشرحہ التقیید والایضاح (حلب، المطبعۃ العلمیۃ، ۱۳۵۰ھ) ص ۱۸۴-۱۸۵ -- ابن حجر، نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر بتحشیۃ محمد عبداللہ التونکی (کانفور، المطبع القیومی، ۱۳۴۰ھ) ص ۲۵

(۱۷۰) لسان الدین بن الخطیب، الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ج ۱ ص ۲۱۵

(۱۷۱) (۱۶۱ ب) عیاض، الالماع ص ۱۳۵

(۱۷۲) الذہبی، ج ۱، ص ۲۰۵

(۱۷۳) ابن الجوزی نقد العلم والعلماء او تلبیس ابلیس ط: ۲۔ (القاہرۃ، ادارہ الطباعۃ المنیریہ ب، ت) ص ۱۱۳

(۱۷۴) البستی، ص ۱۶۹-۱۷۰ -- ابن الندیم، ص ۳۱۵ -- الخطیب، ج ۹، ص ۱۵۲ -- ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۱۰ -- ابن حجر، ج ۴، ص ۱۱۴

(۱۷۵) الخطیب، ج ۹، ص ۱۶۱

(۱۷۶) ابن قتیبہ، ص ۲۱۹ -- ابن الندیم، ص ۶۱، ۳۱۵ -- عرشی، الامام الثوری وکتابہ فی التفسیر، ص ۱۸۰-۱۸۱ -- عواد، ص ۱۹۱-۱۹۲

(۱۷۷) ابو نعیم، ج ۱، ص ۸۵

(۱۷۸) الذہبی، ج ۱، ص ۳۲۱ (ل) میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۵۸۸

(۱۷۹) "ابن حجر، ج ۳، ص ۳

(۱۸۰) الخطیب، ج ۸، ص ۴۰۱ -- الذہبی، ج ۱، ص ۳۵۰ -- ابن حجر، ج ۳،

ص۲۹۲-۲۹۴

(۱۸۱) ایضاً، ص۴۰۴

(۱۸۲) ایضاً، ج۸، ص۴۸۲--الذہبی، ج۱، ص۴۳۷--ابن حجر، ج۳، ص۳۴۳--محمد جعفر الکتانی، الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ تحقیق محمد المنتصر الکتانی، ط:۳(دمشق مطبعۃ دار الفکر، ۱۳۸۳ھ)ص۵۶، ۶۳، ۱۶۳

(۱۸۳) الخطیب، ج۱۴، ص۱۸۳

(۱۸۴) ایضاً، ج۱۰، ص۳۲۷ ابن ابی حاتم، تقدمۃ کتاب الجرح والتعدیل، (حیدر آباد الدکن الہند، مطبعۃ مجلس دائرہ العثمانیہ، ۱۳۷۱ھ، ص۳۲۷

(۱۸۵) ایضاً، ص۳۳۰-۳۳۱--ابن حجر، ج۷، ص۳۳

(۱۸۶) ابن حجر، ج۷، ص۳۳-۳۳۱--ابن ابی یعلیٰ، ج۱، ص۲۰۱

(۱۸۷) الخطیب، ج۱۱، ص۴۵۸--الشیرازی، ص۱۰۳-۱۰۴--السبکی، ج۲، ص۴۵، --النووی، ج۱، ص۳۵۰--ابن الندیم، ص۳۲۲--ابن ابی یعلیٰ، ج۱، ص۱۶۸، صابن حجر، ج۷، ص۳۵۲

(۱۸۸) الذہبی، ج۲، ص۴۲۸--الخطیب، ج۱۱، ص۴۵۸-۴۵۹

(۱۸۹) الخطیب، ج۱۱، ص۴۶۲--ابن حجر، ج۷، ص۳۵۲

(۱۹۰) الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث (القاہرہ، مطبعۃ دار الکتب، المصریہ، ۱۹۳۷ء)ص۷۱-۷۲-النووی، ج۱، ص۳۵۰--الذہبی، ج۲، ص۴۲۹ الخطیب، ج۱۱، ص۴۵۸--ابن ابی یعلیٰ، ج۱، ص۱۶۸--ابن حجر، ج۷، ص۳۵۷

(۱۹۱) ابن الندیم، ص۳۲۱-۳۲۲--الذہبی، ج۲، ص۵۵۵(لہ) العبر، ج۲، ص۱۲

(۱۹۲) الخطیب، ج۲، ص۷--الذہبی، ج۲، ص۵۵۵--السبکی، ج۱، ص۲۱۶

(۱۹۳) ایضاً، ج۲، ص۸و۱۴

(۱۹۴) ایضاً، ص۷--ابن ابی یعلیٰ، ج۱، ص۲۷۶

(۱۹۵) الخطیب، ج۲، ص۹

(۱۹۶) الذہبی، ج۲، ص۵۵۵

(۱۹۷) اردو دائرہ معارف اسلامیۃ، ج۴، ص۱۲۳

(۱۹۸) الخطیب، ج۲، ص۱۱

(۱۹۹) الذہبی، ج۲، ص۶۴۳--ابن العماد، ج۲، ص۲۱۶

(۲۰۰) ایضاً، ص ۵۷۸ (لہ) العبر، ج ۲، ص ۱۷

(۲۰۱) حمزۃ السہمی، تاریخ جرجان (حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۳۶۹ھ) ص ۳۳۷ -- السمعانی، ورق ۴۵۶ب -- ابن الاثیر، اللباب، ج ۳، ص ۴۳

(۲۰۲) السمعانی، ورق ۴۵۶ -- السیوطی، حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ، (مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۷ھ) ج ۱، ص ۳۴۸

(۲۰۳) الصفدی، ج ۷، ص ۱۸۶

(۲۰۴) ابن حجر، ج ۹، ص ۵۱۶

(۲۰۵) الخطیب، ج ۶، ص ۳۵۱

(۲۰۶) السمعانی، ج ۶، ص ۳۵۱

(۲۰۷) الخطیب، ج ۳، ص ۴۱۷ -- ابن حجر، ج ۹، ص ۵۱۲-۵۱۳

(۲۰۸) ایضاً، ج ۲، ص ۴۱۹ -- ایضاً

(۲۰۹) الذہبی، ج ۲، ص ۵۳۱

(۲۱۰) الخطیب، ج ۱۳، ص ۱۰۳ -- ابن الجوزی، ج ۵، ۳۲ -- ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۴ -- ابن حجر، ج ۱۰، ص ۱۲۷

(۲۱۱) الخطیب، ج ۱۴، ص ۱۷۷ -- الذہبی، العبر، ج ۱، ص ۴۱۵ -- ابن حجر، ج ۱۱، ص ۲۸۱

(۲۱۲) الذہبی، ج ۲، ص ۴۳۰ (لہ) العبر، ج ۱، ص ۲۱۵ -- ابن رجب شرح علل الترمذی تحقیق صبحی قاسم العمید، بغداد مطبعۃ العالی، ۱۳۹۶ھ ص ۱۸۸

(۲۱۳) الخطیب، ج ۱۴، ص ۱۸۳ -- ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۵ -- ابن ابی یعلیٰ ج، ص ۱۸۳ -- ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۵ -- ابی یعلیٰ ج ۱، ص ۴۰۵ -- ابن حجر ۱۱، ص ۲۸۲

(۲۱۴) الخطیب، ج ۵، ص ۱۸ -- ابن الجوزی، ج ۶ ص ۳۳۷ -- ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۲۰۹ -- الذہبی، ج ۳، ص ۸۳۹-۸۴۰ (لہ) العبر، ج ۳، ص ۲۳۰ (لہ) میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۱۳۷ -- ابن حجر، لسان المیزان، ج ۱، ص ۲۶۴ -- ابن العماد، ج ۲، ص ۳۳۲ -- عواد، ص ۲۱۷ -- الیافعی، ج ۲، ص ۳۱۱

(۲۱۵) ابن عساکر، ج ۲، ص ۹۶-۹۷ -- الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۰۹-۱۰۱۰ الصفدی، ج ۸، ص ۱۸۹

(۲۱۶) ابن عساکر، ج ۶، ص ۲۴۰ و ۲۴۲ -- ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۵

(۲۱۷) ابن عساکر، ج ۶، ص ۲۴۰ و ۲۴۲ -- ابن الذہبی، ج ۳، ص ۹۱۲ -- یاقوت، معجم

البلدان، ج، ص۱۸

(۲۱۸) الذہبی، ج۳، ص۹۱۳-۹۱۴

(۲۱۹) الذہبی، ج۲، ص۷۰٦

(۲۲۰) الخطیب، ج۱۱، ص۷۰٦

(۲۲۱) ایضاً، الذہبی، ج۳، ص۹۸۸

(۲۲۲) الخطیب، ج۱۱، ص۲٦۷--ابن الجوزی، ج۷، ص۱۹۹--ابن کثیر، ج۱۱، ص ۳۱٦-۳۱۷--الذہبی، ج۳، ص۹۸۸--ابن حجر، ج۴، ص ۲۸۴--البستانی، ج۳، ص۲۴۸

(۲۲۳) الذہبی، ج۳، ص۹۸۹

(۲۲۴) الخطیب، ج۱، ص۲۴۸--ابن الجوزی، ج ۱، ص۱۹۹--ابن کثیر، ج۱۱، ص۱۵--الذہبی، ج۲، ص ۳۱۷--الصفدی، ج۲، ص۱۸۷--ابن العماد، ج۳، ص۱۰۸--السبکی، ج۳، ص۱۰۸

(۲۲۵) الخطیب، ج۱، ص۲۵۱--ابن الجوزی، ج٦، ص۱۹۹--الذہبی، ج۲، ص۳۲۷

(۲۲٦) الخطیب، ج۱، ص۲۵۰--الذہبی، ج۲، ص۳۲۷

(۲۲۷) الذہبی، ج۲، ص۳۳۷

(۲۲۸) ایضاً--الخطیب، ج۱، ص۳۵۰

(۲۲۹) ابو نعیم، ج۲، ص۳۰٦

(۲۳۰) الذہبی، ج۳، ص۱۰۳۲-۱۰۳۳ (لہ) العبر، ج۳، ص۵۹-٦۰ (لہ) میزان الاعتدال، ج۳، ص ۴۷۹--الصفدی، ج۲، ص۱۹۰--ابن الجوزی، ج۵، ص۹۸--ابن العماد، ج۳، ص۴٦، --ابن حجر، لسان المیزان، ج۵، ص۷۱

(۲۳۱) الذہبی، ج۳، ص۱۰۳۴

(۲۳۲) عواد، ص۲۳۲

(۲۳۳) الذہبی، ج۳، ص۱۰۳۴

(۲۳۴) ایضاً ص۱۰۳۵ ۷--مز، ج۱، ص۲٦۸--الخطیب، ج۳، ص ۱۱۲۳ السمعانی، ورق ۲۰ ب--ابن الجوزی، ج۷، ص۱۷۷--ابن الاثیر، ج۹، ص۱۰٦--ابن کثیر، ج۱۱، ص۲۱۴

(۲۳۵) الخطیب، ج۳، ص۱۲۲--ابن الجوزی، ج۷، ص۱۷٦--السمعانی، ورق

۴۲۰--ابن العماد، ج ۳، ص ۱۱۰

(۲۳۶) الخطیب، ج ۳، ص ۱۲۲--ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۷--الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۱۵--ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۱۴--الصفدی، ج ۳، ص ۱۹۶--ابن تغری بردی، ج ۴، ص ۱۶۸

(۲۳۷) ابن کثیر، ج ۷، ص ۲۷۱

(۲۳۸) الذہبی، ج ۳، ص ۷۸۹-۷۹۰ (ل) العبر، ج ۲، ص ۱۶۳--ابن العماد، ج ۱، ص ۱۶۹-۱۷۰

(۲۳۹) السمعانی، ج ۱، ص ۱۶۹-۱۷۰

(۲۴۰) الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۲۲۶

(۲۴۱) الفارسی، ورق ۳۳ ب

(۲۴۲) ابراہیم بن علی ابن فرحون، الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب (مصر، عباس بن عبدالسلام، ۱۳۵۱ھ) ص ۶۱۷--الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۰۶--محمد الفاسی، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین (القاہرۃ، المطبعۃ السنہ المحمدیہ، ۱۳۷۸ھ) ج ۵، ص ۵۴۰--ابن عساکر، تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری (دمشق، مکتبۃ القدسی، ۱۳۴۷ھ) ص ۳۵۵--الخطیب، ج ۱۱، ص ۱۴۱--المقری، ج ۲، ص ۲۷۵

(۲۴۳) الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۰۵-۱۱۰۶

(۲۴۴) الفارسی، ورق ۸۱--الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۲۳--ابن الجوزی، ج ۹، ص ۵۰--ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۳۵

(۲۴۵) الحمیدی، ص ۳۰۱--الخطیب، ج ۱۲، ص ۳۲۲-۳۲۳--احمد بن یحیٰی الضبی، کتاب بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس (مجریط، مطبع روخس، ۱۸۸۵ع) ص ۴۲۰-۴۲۱

(۲۴۶) خلف بن عبدالملک بن بشکوال، کتاب الصلہ (القاہرہ، الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ، ۱۹۶۶ع) ج ۲، ص ۲۴۹--الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۸۸

(۲۴۷) ابن بشکوال، ج ۲، ص ۲۴۹--الضبی، ص ۴۲۱--الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۸۸

(۲۴۸) الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۸۹

(۲۴۹) السبکی، ج ۶، ص ۳۹

(۲۵۰) الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۰۱--الصفدی، ج ۷، ص ۳۵۴--ابن الجوزی، ج ۸، ق ۱،

ص۳۶۱-۳۶۲

(۲۵۱) الذہبی، العبر، ج۴، ص۳۰۲--السبکی، ج۶، ص۳۷--ابن کثیر، ج۱۲، ص۴۴۹--ابن الجوزی، ج۸، ق۱، ص۳۶۱--ابن کثیر، ج۱۲، ص۳۰۸

(۲۵۲) الذہبی، العبر، ج۴، ص۳۰۳--السبکی، ح۶، ص۳۹

(۲۵۳) السمعانی، ورق ۳۹۲--ابن الجوزی، ج۵، ص۶۸--الذہبی، العبر، ج۲، ص۴۰--عواد، ص۳۰۵

(۲۵۴) الذہبی، ج۲، ص۵۴۴--ابن عساکر، ص۴۳۴

(۲۵۵) الخطیب: ج۱۲، ص۱۴۲--السمعانی، ج۲، ص۱۰۰--الذہبی، ج۲، ص۵۰۳-۵۰۴

(۲۵۶) السمعانی، ورق۳۶۹--ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۲۷۹

(۲۵۷) الخطیب، ج۱۱، ص۴۴۸--ابن حجر، ج۷، ص۳۴۴-۳۴۵

(۲۵۸) الخطیب، ج۱۲، ص۴۶۸-۴۶۹--الذہبی، ج۲، ج۲، ص۴۴۶

(۲۵۹) الخطیب، ج۱۲، ص۴۶۶--ابن حجر، ج۹، ص۳۸۵

(۲۶۰) الذہبی، العبر، ج۱، ص۴۵۲--ابن حجر، ج۹، ص۳۸۵

(۲۶۱) السمانی، ورق۲۶۷--ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۵۴

(۲۶۲) الخطیب، ج۴، ص۲۰--ابن الجوزی، ج۷، ص۱۷۳

(۲۶۳) ابن عساکر، ج۱، ص۴۲۰--الذہبی، ج۳، ص۷۹۵-۷۹۷--الصفدی، ج۷، ص۴۰۳--ابن حجر، لسان المیزان، ج۱، ص۲۴۰

(۲۶۴) الذہبی، ج۲، ص۹۸۵

(۲۶۵) السمعانی، ج۵، ص۳۲۵

(۲۶۶) یاقوت، معجم البلدان، ج۵، ص۹۳--السمعانی، ورق ۵۱۹--ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۴۷

(۲۶۷) الخطیب، ج۸، ص۱۱--السمعانی، ورق ۲۶۴--ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۴۷

(۲۶۸) الذہبی، ج۳، ص۹۵۶--ابن عساکر، ج۴، ص۳۵۶--ابن الجوزی، ج۷، ص۸۱

(۲۶۹) الذہبی، ج۳، ص۱۰۳۵

(۲۷۰) الخطیب، ج۱۱، ص۳۰۶-۳۰۷--السمعانی، ورق ۵۰۸

(۲۷۱) الذہبی، ج۳، ص۷۸۰ (لہ) العبر، ج۲، ص۱۶۵--ابن خلکان، ج۲،

ص ۳۰۸-۳۰۹ السبکی، ج ۳، ص ۴۸۷

(۲۷۲) الفارسی، ورق ۷

(۲۷۳) ایضاً، ورق ۵-- ابن عساکر، ج، ص ۱۸۹

(۲۷۴) الفارسی، ورق ۱۳-- ایضاً، ج ۴، ص ۴۵۳-- الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۵۹ (لہ) العبر، ج ۴، ص ۱۶۱-۱۶۲

(۲۷۵) الفارسی، ورق ۱۰۶-- الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۵۷

(۲۷۶) ابن حجر، لسان المیزان، ج ۳، ص ۳۱۶-- ابن العماد، ج ۳، ص ۳۵۳

(۲۷۷) الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۷۳ (لہ) العبر، ج ۴، ص ۲۶-- ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۰-- ابن الجوزی، ج ۸، ص ۲۷

(۲۷۸) الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۳۵-- السمعانی، ورق ۴۹۷ ب

(۲۷۹) الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۱۲-- ابن الجوزی، ج ۹، ص ۵۲-- ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۳۶-- الصفدی، ج ۲، ص ۸۸

(۲۸۰) الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۵۳-- ابن الجوزی، ج ۸، ص ۵-۶-- الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۱۰۹-- الخطیب، ج ۱، ص ۳۵۲-۳۵۳-- الصفدی، ج ۲، ص ۶۰-۶۱

(۲۸۱) السمعانی، ورق ۴۴۴ ب

(۲۸۲) المنذری، ج ۲، ص ۲۷۵-- ابن الساعی، ج ۹، ص ۵۸-- ابن الدمیثی، ج ۱، ص ۲۶۷-- ابن حجر، ج ۳، ص ۷۲

(۲۸۳) الفارسی، ورق ۲۱ ب-- ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۸۰

(۲۸۴) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۱۰۸ (لہ) صید الخاطر، تحقیق محمد الغزالی (مصر، دارالکتب الحدیثیہ، ب، ت) ص ۴۴۰-- عواد، ص ۲۴۷-۲۴۸ الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۸۳-- ابن رجب، ج ۱، ص ۲۰۲

(۲۸۵) الصفدی، ج ۷، ص ۲۶۳-- السمعانی، ورق ۴۰۵-- الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۷۶

(۲۸۶) ابن الجوزی، ج ۹، ص ۱۵۴-- ابن حجر، لسان المیزان، ج ۵، ص ۹-۱۰ الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۳۵۶- ابن العماد، ج ۳، ص ۴۱۲

(۲۸۷) السمعانی، ورق ۳۰۸ ب

(۲۸۸) واعظ بلخی، ص ۳۷۱-۳۷۸، ۳۸۰

(۲۸۹) ابن رجب، ج ۲، ص ۲۴۱-- الذہبی، ج ۴، ص ۱۴۴۶-۱۴۴۷-- ابن العماد، ج ۵،

ص۲۱۷

(۲۹۰) الصفدی، ج۸، ص۲۳۲ -- المنذری، ج۳، ص۱۶۹ -- ابن الساعی، ج۹، ص۱۱۴ -- ابن الدبیثی، ج۱، ص۲۲۶ -- ابن الفوطی، ج۴ ق ۳، ص۱۱۰ -- عواد، ص۲۶۰-۲۶۱

(۲۹۱) الذہبی، ج۴، ص۱۴۰۸-۱۴۰۹ -- ابن رجب، ج۲، ص۱۸۵-۱۸۶ االنعیمی، ج۱، ص۴۷-۴۸

(۲۹۲) جنید شیرازی، شد الازار فی حط الاوزار عن الزوار تحقیق محمد قزوینی (طہران، چاپخانہ مجلس، ۱۳۲۸ھ) ص۲۵۴

(۲۹۳) ابن کثیر، ج۱۳، ص۲۳۷

(۲۹۴) ایضاً -- الصفدی، ج۴، ص۹۴ -- النعیمی، ج۱، ص۸۲

(۲۹۵) الخطیب، ج۱۴، ص۴۴۱

(۲۹۶) السمعانی، ج۱، ص۹۶ -- ابن الجوزی، ج۱۰، ص۶۸۸ -- ناجی معروف، عالمات بغدادیات فی العصر العباسی (بغداد، دار الجمہوریہ، ۱۹۶۷ع) ص۱۵و۱۶

(۲۹۷) ابن بشکوال، ج۲، ص۲۵۴ (نمبر۱۵۳۱) -- السیوطی، نزہۃ الجلساء فی اشعار النساء تحقیق صلاح الدین المنجد (بیروت، دار المکشوف، ۱۹۵۸ع) ص۱۷

(۲۹۸) ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی، بستان ابواللیث سمرقندی بترجمہ اردو (دھلی، مطبع فاروقی، ۱۳۰۱ھ) ۱۳

(۲۹۹) الذہبی، ج۱، ص۶۰۷ (لہ) العبر، ج۱، ص۲۷۶ -- ابن الندیم، ص۲۵۱

(۳۰۰) مغلطای، ص۸۱

(۳۰۱) الذہبی، ج۱، ص۲۱۱

(۳۰۲) عبدالقاہر البغدادی، اصول الدین (استانبول، مطبعۃ الدولۃ، ۱۳۴۶ھ) ج۱، ص۳۰۸ -- الشیرازی، ص۸۶

(۳۰۳) الذہبی، ج۱، ص۱۶۸

(۳۰۴) ابن الندیم، ص۳۸۵ -- البغدادی، ص۳۰۸

(۳۰۵) الموفق، ج۱، ص۹۵-۹۶ -- نعمانی، ص۱۶۴

(۳۰۶) الموفق، ج۱، ص۹۵ -- محمد عبدالرشید النعمانی، ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ (کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۷۶ھ) ص۱۰

۳۰۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱، ص۷۸۴

۳۰۸) الذہبی، معرفۃ القراء، ج۱، ص۷۸۴

۳۰۹) النووی، ج۱، ص۱۱۱-- السبکی، ج۲، ص۲۷-- العلیمی، ج۱، ص۱۸-- ابن الجوزی، مناقب الامام احمد بن حنبل، ص۶۰

۳۱۰) ابن رجب، شرح علل الترمذی تحقیق صبحی جاسم الحمید، بغداد، مطبعۃ العانی، ۱۳۵۶ھ ص۱۸۲

۳۱۱) ایضاً

۳۱۲) الذہبی، ترجمہ الامام احمد من تاریخ السلام، ص۸۲

۳۱۳) ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصیفاء (مصر، مطبعۃ السعادہ ۱۳۵۷ھ) ج۹، ص۲۳۹-- الخطیب، ج۶، ص۳۴۵-- ابن الندیم، ص۳۲۱ الذہبی، ج۲، ص۴۳۳ (لہ) العبر، ج۲، ص۴۲۶- ابن حجر، ج۱، ص۲۱۹-- السبکی، ج۲، ص۸۳

۳۱۴) الخطیب، ج۶، ص۳۵۲-- ابن عساکر، ج۲، ص۴۱۲-- الذہبی، ج۳، ص۴۳۴-- ابن حجر، ج۱، ص۲۱۷

۳۱۵) ابن عبدالبر، الانتقاء، ص۱۰۸-۱۰۹

۳۱۶) الخطیب، ج۲، ص۱۷۶-- ابن عبدالبر، الانتقاء، ص۶۹-- الجعدی، ص۱۳۸-- الذہبی، ج۱، ص۲۶-- یاقوت، ج۶، ص۳۷۳-- ابن حجر، توالی التاسیس، ص۵۴-- ابن ابی حاتم، ص۹۹

۳۱۷) الصفدی، ج۲، ص۱۷۵

۳۱۸) ابن ابی حاتم، ص۳۴-- البیہقی، مناقب الشافعی، ج۱، ص۱۶۳-- ابن حجر، توالی التاسیس، ص۷۶

۳۱۹) السمعانی، ورق ۱۹۸ب

۳۲۰) الذہبی، ج۲، ص۷۲۹

۳۲۱) الخطیب، ج۲، ص۱۶۳-- ابن الندیم، ص۳۲۶-۳۲۷-- السمعانی، ورق ۳۶۷-- ابن الاثیر، ج۲، ص۲۷۴-- النووی، ج۱، ص۷۸-۷۹ ابن الجوزی، ج۶، ص۱۷۱-۱۷۲-- یاقوت، ج۶، ص۴۲۳-۴۲۴ ابن کثیر، ج۱۱، ص۱۴۵-- الذہبی، ج۲، ص۷۱۱-- الصفدی، ج۲، ص۲۸۴- ابن حجر، لسان المیزان، ج۵، ص۱۰۱-۱۰۲-- ابن الجوزی، ج۲، ص۱۰۷-- ابن العماد، ج۲، ص۱۴۵-- الشیرازی،

ص۹۳

(۳۲۲) یاقوت، ج۶، ص۴۳۸

(۳۲۳) الخطیب، ج۲، ص۱۶۲--النووی، ج۱، ص۷۹--ابن الجزری، ج۶، ص۱۷۱--یاقوت، ج۶، ص۴۲۴--ابن کثیر، ج۱۱، ص۱۴۵

(۳۲۴) یاقوت، ج۶، ص۴۲۶--الذہبی، ج۲، ص۱۱۷

(۳۲۵) یاقوت، ج۶، ص۴۳۰-۴۳۱

(۳۲۶) ایضاً، ۶، ص۴۵۰

(۳۲۷) ایضاً، ۶، ص۴۵۳

(۳۲۸) ایضاً، ۶، ص۴۶۰

(۳۲۹) ایضاً، ۶، ص۴۲۶-۴۲۷--الطبری، تاریخ الطبری، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم (القاہرہ، دارالمعارف، ۱۹۶۰ع) ج۱، ص۱۵-۲۶ (مقدمہ محقق)

(۳۳۰) ابن الندیم، ص۳۲۷

(۳۳۱) یاقوت، ج۶، ص۴۳۷

(۳۳۲) ابن الندیم--ابن ابی اصیبعہ، ج۲، ص۲۲۷

(۳۳۳) الخطیب، ج۴، ص۳۷۳-۳۷۴--السمعانی، ج۶ ص۱۶۸-۱۶۹--ابن الاثیر، اللباب، ج۱، ص۱۴۰--ابن کثیر، ج۱۲، ص۳۶--الشیرازی، ص۱۲۷--السبکی، ج۴، ص۴۷--الذہبی، ج۳، ص۱۰۷۴ (ل) العبر، ج۳ ص۱۵۶--الاسنوی، ج، ص۲۰۲-۳۰۲

(۳۳۴) ابن الجوزی، ج۸، ص۸۰--الذہبی، ج۳، ص۱۰۷۵

(۳۳۵) الخطیب، ج۴، ص۳۷۵--یاقوت، معجم البلدان، ج۱، ص۳۸۷--عواد، ص۲۳۲-۲۳۳

(۳۳۶) السمعانی، ج۲، ص۲۳۱--ابن الجوزی، ج۸، ق۱، ص۳۳۱

(۳۳۷) مطاع الطوابیشی، حول کتاب التحبیر، مجلة اللغة العربیة، ج۴۸، شمارہ ۲، (ربیع الاول، ۱۳۹۳ھ) ص۳۷۳

(۳۳۸) واعظ بلخی، ص۲۱۲--فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، بار سوم، (لکھنؤ، نو لکشور پریس، ۱۳۲۴ھ) ص۱۴۳-۱۴۴

(۳۳۹) الخطیب، ج۶، ص۳۶۲--ابن ابی یعلی، ج۱، ص۱۱۴--ابن عساکر، ج۲،

ص۴۵۳--الذہبی، ج۲، ص۵۲۴

(۳۴۰) السمعانی، ورق۳۷۶--ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۱۷

(۳۴۱) الخطیب، ج۳، ص۲۱۵--ابن حجر، ج ۹، ص۴۹۰--ابن کثیر، ج۱۱، ص۱۰۲--ابن الجوزی، ج۶، ص۶۴-۶۵--الذہبی، ج۲، ص۶۵۲-۶۵۳

(۳۴۲) الجعدی، ص۱۵۶

(۳۴۳) الذہبی، ج۴، ص۱۳۳۸--الصفدی، ج۱، ص۳۷۳--السبکی، ج۱، ص۹۹-۱۰۰--الاسنوی، ج۱، ص۱۱۵

(۳۴۴) المنذری، ج۲، ص۴۰۹

(۳۴۵) الذہبی، ج۴، ص۱۴۰۱(لہ) العبر، ج۵، ص۴۷--ابن رجب، ج۲، ص۹۰--الصفدی، ج۳، ص۲۶۶-۲۶۷

(۳۴۶) ابن کثیر، ج۱۳، ص۱۹۷---یاقوت، ج۷، ص۱۸---ابن العماد، ج۳، ص۳۵۵۔

(۳۴۷) الذہبی، العبر، ج۱، ص۲۱۹۔

(۳۴۸) الجاحظ، ج۱ص۸۷۔

(۳۴۹) ابن سعد، ج۵، ص۳۱۴---- ابن الندیم، ص۱۴۴---- یاقوت، ج۷، ص ۵۵---- السمعانی، ورق ۵۷۶ ب---- الصفدی، ج۴، ص۲۳۸---- الذہبی، ج۱، ص ۳۴۸---- (لہ) میزان الاعتدال، ج۳، ص۶۶۳---- ابن فرحون، ص۲۳۰۔

(۳۵۰) ابن الندیم، ص۱۴۴---- الخطیب، ج ۳، ص۶---- السمعانی، ورق ۵۷۶ ب یاقوت، ج۷، ص۵۸---- الذہبی، میزان الاعتدال، ج۳، ص۶۶۵۔

(۳۵۱) الخطیب، ج۳، ص۴-۵---- السمعانی، ورق ۵۷۶ ب---- یاقوت، ج۷، ص ۵۷-۵۸---- الصفدی، ج۴، ص۲۳۸---- الذہبی، العبر، ج۱، ص۳۵۳ ۳ (لہ) میزان الاعتدال، ج۳، ص۶۶۵---- الیافعی، ج۲، ص۳۶---- ابن حجر، ج۹، ص۳۶۵---- عواد، ص۱۹۳۔

(۳۵۲) الخطیب، ج۳، ص۶---یاقوت، ج۷، ص۵۷۔

(۳۵۳) ابن الندیم، ص۱۴۴۔

(۳۵۴) ابن الجوزی، ج۷، ص۱۳۶---الذہبی، ج۲، ص۹۷۶---ابن العماد، ج۳، ص۹۲۔

(۳۵۵) الذہبی، العبر، ج۳، ص۹۔

(۳۵۶) الذہبی، ج۳، ص۹۷۷---الصفدی، ج۱، ص۱۱۵---الاسنوی، ج۱، ص۴۲۰۔

(۳۵۷) ابن الجوزی ، ج ۷ ، ص ۱۳۶ ۔

(۳۵۸) الخطیب ، ج ۲ ، ص ۳۵۸ ---- ابن الجوزی ، ج ۶ ، ص ۳۸۱ ۔ ۳۸۲ ---- یاقوت ، ج ۷ ، ص ۲۷ ۔ ۲۸ ---- الذہبی ، ج ۳ ، ص ۸۷۵ ---- السبکی ، ج ۲ ، ص ۱۹۱ ---- ابن کثیر ، ج ۱۱ ، ص ۲۳۱ ---- القفطی ، ج ۳ ، ص ۱۷۳ ---- السیوطی ، ج ۱ ، ص ۱۶۵ ۔

(۳۵۹) ابن المقری ، ج ۲ ، ص ۳۲۹ ۔ ۳۳۱ ---- الحمیدی ، ص ۵۳۷ ---- ابن بسام ، ج ۲ ، ق ۱ ، ص ۱۳۰ ---- الذہبی ، العبر ، ج ۳ ، ص ۷۵ ۔

(۳۶۰) ابن بشکوال ، ج ۱ ، ص ۱۵۳ ---- الذہبی ، ج ۱ ، العبر ، ج ۳ ، ص ۱۵۳ ---- اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ، ج ۱ ، ص ۶۳۲ ۔

(۳۶۱) السمعانی ، ورق ۳۰۷ ب ---- ابن الاثیر ، اللباب ، ج ۲ ، ص ۱۳۸ ---- عبدالحی اللکھنوی ، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ (کراچی ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب ، ۱۳۹۳ھ) ص ۱۷۳ ۔

(۳۶۲) السبکی ، ج ۷ ، ص ۱۸۱ ۔

(۳۶۳) یاقوت ، معجم البلدان ، ج ۵ ، ص ۱۱۴ ۔

(۳۶۴) السبکی ، ج ۷ ، ص ۳۲ ۔

(۳۶۵) ایضاً ، ج ۶ ، ص ۱۰۳ ۔

(۳۶۶) الذہبی ، ج ۲ ، ص ۶۴۰ ۔ ۶۴۱ (لہ) العبر ، ج ۲ ، ص ۷۹ ---- الصفدی ، ج ۴ ، ص ۲۶۹ ---- ابن کثیر ، ج ۱۱ ، ص ۸۴ ۔

(۳۶۷) الذہبی ، ج ۱ ، ص ۲۹۱ (لہ) العبر ، ج ۱ ، ص ۳۰۳ ---- ابن حجر ، ج ۷ ، ص ۳۸۳ ---- الصفدی ، نکت الہمیان ، ص ۲۱۹ ۔

(۳۶۸) ابن الندیم ، ص ۱۶۹ ---- الخطیب ، ج ۶ ، ص ۲۸۷ ۔ ۲۸۸ ۔

(۳۶۹) الخطیب ، ج ۷ ، ص ۳۱۴ ---- السمعانی ، ورق ۴۹۶ ب ---- ابن الندیم ص ۲۸۸ ، ۳۱۵ ۔

(۳۷۰) القفطی ۳ ، ص ۳۴۸ ---- ابن خلکان ، ج ۲ ، ص ۱۶۲ ۔ ۱۶۳ ---- الذہبی ، ج ۱ ، ص ۱۷ ۔

(۳۷۱) الشیرازی ، ص ۱۰۹ ---- السبکی ، ج ۳ ، ص ۲۳ ---- النووی ج ۲ ، ص ۲۵۲ الذہبی ، ج ۳ ، ص ۸۱۲ ---- ابن کثیر ، ج ۱۱ ، ص ۱۲۹ ---- الخطیب ، ج ۴ ، ص ۲۸۷ ۔ ۲۹۰ ۔

(۳۷۲) الخطیب ، ج ۳ ، ص ۲۸ و ۳۱ ---- ابن الجوزی ، ج ۷ ، ص ۳۸ ---- ابن کثیر ، ج ۱۱ ، ص ۲۶۲ ---- الذہبی ، ج ۳ ، ص ۹۲۶ ۔ ۹۲۷ ---- ابن حجر لسان المیزان ، ج ۵ ،

ص ۳۲۲---- الصفدی، ج ۳، ص ۴۲۰---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۸۴---- الخطیب
، ج ۵، ص ۴۷۳۔

(۳۷۳) الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۴۰---- الصفدی، ج ۳، ص ۴۲۰---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۸۴----
الخطیب، ج ۵، ص ۴۷۳۔

(۳۷۴) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۴۴۱---- عواد، ص ۲۴۲۔

(۳۷۵) السمعانی، ج ۵، ص ۲۹۰---- ابن الجوزی، ج ۸، ص ۱۹۲---- ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۷۷۔

(۳۷۶) ابن عساکر، تبیین کذب المفتری، ص ۲۷۸---- علی بن الحسن، الباخرزی، دمیتہ القصر و عصرة اہل العصر (حلب، مطبعۃ العلمیۃ ۱۳۴۸ھ) ص ۱۹۶-۱۹۷۔ الفاسی، ج ۵، ص ۵۰۷--۵۰۸---- ابن الجوزی، ج ۹، ص ۱۸---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۸۷-۲۸۸---- الذہبی، العبر، ج ۲، ص ۲۹۱---- ابوالفداء، ج ۲، ص ۱۹۶---- الصفدی، ج ۱، ص ۲۷۴---- الیافعی، ج ۳، ص ۱۲۴---- الاسنوی، ج ۱، ص ۴۰۹---- ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۲۸-۱۲۹۔

(۳۷۷) السبکی، ج ۵، ص ۱۸۵---- الغزالی، المنخول من تعلیقات الاصول، تحقیق محمد حسن ہیتو (دمشق دار الفکر، ۱۳۹۰ھ) ص ۱۵-۱۶ (مقدمہ المحقق)۔

(۳۷۸) یاقوت، ج ۱، ص ۳۸۰---- ابن حجر، لسان المیزان، ج ۶، ص ۳۷۰۔

(۳۷۹) البیہقی، ص ۱۱۶۔

(۳۸۰) یاقوت، ج ۲، ص ۳۹۶۔

(۳۸۱) ایضاً، ج ۵، ص ۳۸۶۔

(۳۸۲) الخطیب، ج ۱۱، ص ۳۷۱-۳۷۲---- الذہبی، ج ۱، ص ۳۷۰---- ابن حجر، ج ۷، ص ۲۹۔

(۳۸۳) ابن عساکر، ج ۳، ص ۳۵---- الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۲۲---- یاقوت، معجم البلدان، ج ۳، ص ۱۲۱---- القرشی، ج ۲، ۱۵۷۔

(۳۸۴) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۷۲---- ابن الجوزی، ج ۸، ص ۱۷۹---- ابن الاثیر، ج ۹، ص ۶۳۷---- ابن حجر، ج ۵، ص ۱۳۵---- الخوانساری، ج ۶، ص ۲۲۵ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی، رجال الطوسی، تحقیق محمد صادق آل بحر العلوم (النجف المطبعۃ الحیدریہ ۱۳۸۱ھ) ص ۱۶-۱۷۔

(۳۸۵) ابن عساکر، تبیین کذب المفتری، ص ۲۳۲---- الفارسی، ورق ۱---- ابن خلکان، ج ۲،

ص۴۸۲----الصفدی، ج۲، ص۳۴۴----الاسنوی، ج۲، ص۲۶۷۔

(۳۸۶) ابو نعیم ج۲، ص۲۷۱----ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۲۴۳-۲۴۴۔

(۳۸۷) الذہبی، العبر، ج۲، ص۲۵۰---- الصفدی، ج۳، ص۳۴۷---- ابن الجوزی، ج۲، ص۳۴۹----الاسنوی، ج۲، ص۲۳۷---- ابن کثیر، ج۱۱، ص۲۲۴----ابن العماد، ج۲، ص۳۴۹۔

(۳۸۸) السمعانی، ورق ۳۵۳، الف و ب۔

(۳۸۹) السبکی، ج۳، ص۱۷۸۔

(۳۹۰) ابن عساکر، ج۱، ص۴۴۵----یاقوت، ج۵، ص۴۴----الذہبی، ج۴، ص۵۹-۶۰۔

(۳۹۱) السہمی، ص۸۲-۸۳۔

(۳۹۲) الخطیب، ج۴، ص۲۷۳----السمعانی، ورق ۵۰۳ ب۔

(۳۹۳) ابن عساکر، ج۱، ص۴۴۶----الذہبی، ج۳، ص۱۰۷۱(لہ) العبر، ج۳، ص۱۰۷----ابن الجوزی، ج۸، ص۳----ابن کثیر، ج۱۲، ص۱۰----ابن العماد، ج۳، ص۱۹۵۔

(۳۹۴) السمعانی، ورق ۳۴۷---- الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۲۸---- ابن عساکر، ج۳، ص۳۰-۳۱---- ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۲۲۸---- السبکی، ج۴، ص۲۷۱-۲۷۳---- ابن کثیر، ج۱۲، ص۷۶---- ابن العماد، ج۳، ص۲۸۲-۲۸۳----الاسنوی، ج۲، ص۱۳۷-۱۳۸۔

(۳۹۵) الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۲۸---- السبکی، ج۴، ص۲۷۵---- ابن عساکر، ج۳، ص۳۱۔

(۳۹۶) الفارسی، ورق ۱ ب----السبکی، ج۴، ص۱۴۳۔

(۳۹۷) الخطیب، ج۲، ص۲۴۸-۲۴۹----عبدالکریم القشیری، الرسالۃ القشیریہ (مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۹ھ) ص۱۱۷-۱۱۸----مصطفیٰ العروسی، نتائج الافکار القدسیہ، فی بیان معانی شرح الرسالہ القشیریہ شیخ الاسلام زکریا الانصاری (دمشق، عبدالوکیل الدروبی، ۱۲۹۰ھ) ج۳، ص۱۸۱----السبکی، ج۴، ص۱۴۵۔

(۳۹۸) الفارسی، ورق اب----الذہبی ج۳، ص۱۰۴۶----السبکی، ج۴، ص۱۴۴۔

(۳۹۹) الجاحظ، ج۱، ص۶۲----ابو نعیم، حلیۃ الاولیا، ج۸، ص۲۸۳۔

(۴۰۰) ابن عساکر، ج۲، ص۲۴۷۔

(۴۰۱) الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۲۶----الذہبی، ج۳، ص۱۱۲۶(لہ) العبر، ج۳، ص۱۲۹۔

(۴۰۲) الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۱۲۔

(۴۰۳) ایضاً، ورق ۴۸۔

(۴۰۴) ایضاً، ۱۸۔

(۴۰۵) الیافعی، ج ۴، ص ۲۲۳۔

(۴۰۶) الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۸۶---- ابن رجب، ج ۲، ص ۴۰۔

(۴۰۷) یاقوت، ج ۶، ص ۲۳---- الطباخ، ج ۴، ص ۳۷۷۔

(۴۰۸) عثمان ابن جنی، **الخصائص** تحقیق محمد علی النجار، القاہرہ، دار الکتب المصریہ، ۱۳۷۷ھ) ج ۱، ص ۱۶۳۔ السیوطی (کتاب الاقتراح فی علم اصول النحو تحقیق احمد محمد قاسم القاہرہ، **مطبعۃ** السعادۃ ۱۳۹۶ھ) ص ۱۲۱۔

(۴۰۹) **الطبری** جامع البیان تحقیق محمود محمد شاکر، (القاہرہ دار المعارف، ۱۳۷۴ھ) ج ۱ ص ۱۲ (مقدمہ المحقق)۔

(۴۱۰) الزبیدی، ص ۱۵۵---- ابن الانباری، ص ۱۵۷- ۱۵۸---- **الخطیب**، ج ۵، ص ۲۰۴---- ۲۰۵، ۲۰۹---- یاقوت، ج ۲، ص ۱۳۳، ۱۴۱---- **القفطی**، ج ۱، ص ۱۳۸، ۱۴۴---- ابنِ خلکان، ج ۱، ص ۳۰---- السمعانی، ورق ۵۵۵ ب۔

(۴۱۱) ابن الجوزی، ج ۶، ص ۴۴---- ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۹۸---- الذہبی، ج ۳، ص ۶۶۶---- **القفطی**، ج ۱، ص ۱۳۹---- یاقوت، ج ۱، ص ۱۳۴۔

(۴۱۲) الزبیدی، ص ۱۶۶---- **القفطی**، ج ۱، ص ۱۴۸---- یاقوت، ج ۲، صص ۱۴۴-۱۴۵۔

(۴۱۳) الزبیدی ص ۱۱۰-۱۱۱ الندیم ۱۷۷ **الخطیب** ج ۹، ص ۶۱، الانباری، ص ۳۰۶ السمعانی، ورق ۱۰۲ا یاقوت ج ۱۱ ص ۲۰۵-۲۵۷ ابن **القفطی** ج ۲ ص ۲۱- ۲۳۔

(۴۱۴) ابن خلکان ج ۲، ص ۴۰۶، السیوطی ج ۱، ص ۶۰۱۔

(۴۱۵) ابن الندیم، ۱۱۷---- یاقوت، ج ۵، ص ۳۲۶۔ **القفطی**، ج ۲، ص ۳۰۵---- السیوطی، **بغیۃ** الوعاۃ، ج ۲، ص ۱۹۵۔

(۴۱۶) **الخطیب**، ج ۱۲، ص ۸۱---- الذہبی، العبر، ج ۲، ص ۲۷۹۔

(۴۱۷) **القفطی**، ج ۲، ص ۳۰۵-۳۰۶۔

(۴۱۸) یاقوت، ج ۵، ص ۳۲۶۔

(۴۱۹) ابن الندیم، ص ۱۷۷---- یاقوت، ج ۵، ص ۳۲۶---- القفطی ج ۲، ص ۳۰۵---- السیوطی، ج ۲، ص ۱۹۵---- عواد، ص ۲۲۱- ۲۲۲۔

(۴۲۰) **القفطی**، ج ۲، ص ۳۰۵۔

(۴۲۱) ایضاً، ج ۲، ص ۴۷---- یاقوت، ج ۴، ص ۲۴۱---- الصفدی، نکت الهمیان، ص ۱۵۸---- السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۱، ص ۵۸۷۔

(۴۲۲) ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۹۔

(۴۲۳) ایضاً، **القفطی**، ج ۲، ص ۴۷-۴۸---- یاقوت، ج ۴، ص ۲۴۲---- ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۰۹---- الصفدی، ج ۱۵۸۔

(۴۲۴) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۲۳۶۔

(۴۲۵) **القفطی**، ج ۲، ص ۴۸ و ۵۰---- یاقوت، ج ۴، ص ۲۴۲---- ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۰۹---- الصفدی، ج ۱۵۰---- السیوطی، ج ۱، ص ۵۸۷۔

(۴۲۶) **القفطی**، ج ۱، ص ۱۸۵---- ابن الندیم ص ۱۱۸۔

(۴۲۷) **الخطیب**، ج ۱۴، ص ۱۵۰---- القفطی، ج ۴، ص ۱۰---- ج ۲، ص ۸ و ۳۵۱---- ابن خلکان ج ۲، ص ۲۲۸---- یاقوت، ج ۶، ص ۸۵-۸۶، ج ۷، ص ۲۷۷---- ابن الانباری، ص ۶۵---- السیوطی بغیۃ الوعاۃ ج ۲، ص ۳۳۳۔

(۴۲۸) الزبیدی، ص ۱۹۷---- **الخطیب**، ج ۴، ص ۱۱۴---- القفطی، ج ۱، ص ۳۶۔

(۴۲۹) ابن الندیم، ص ۸۳---- یاقوت، ج ۱، ص ۴۰۵۔

(۴۳۰) یاقوت، ج ۱، ص ۷۰۶-۷۰۷۔

(۴۳۱) **السیرافی**، ص ۷۰-۷۱---- ابن الانباری، ص ۱۳۰-۱۳۱---- ابن الندیم، ص ۸۷---- السمعانی، ورق ۲۹۱---- الذہبی، معرفۃ القراء، ج ۱، ص ۱۷۹ ابن الجزری ج ۱، ص ۳۲۰-۳۲۱---- السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۱، ص ۶۰۶---- القفطی ج ۲، ص ۴۸-۵۹---- یاقوت، ج ۴، ص ۲۵۸---- ابن حجر، ج ۴، ص ۲۵۷-۲۵۸---- عواد، ج ۲۰۱- **البستانی**، ج ۴، ص ۲۴۴-۲۴۵---- آریانا دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۴۹۲۶۔

(۴۳۲) **القفطی**، ۲، ص ۶۴۔

(۴۳۳) **الخطیب**، ج ۱۱، ص ۳۳۴---- السمعانی، ورق ۴۱۸---- ابن الجوزی، ج ۸، ص ۱۷۴---- یاقوت، معجم البلدان، ج ۴، ص ۱۳۲---- ابن الاثیر، اللباب، ج ۲، ص ۲۰۹۔

(۴۳۴) حاجی خلیفہ، ج ۲، ص ۱۳۸۹/۔

(۴۳۵) ابن حجر، تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ، تحقیق علی محمد البجاوی (مصری، الدارالمصریہ للتالیف والترجمہ، ۱۳۸۶ھ) ج۳، ص۱۱۳۹---- الرامہرمزی، ص۴۵ (مقدمۃ المحقق)۔

(۴۳۶) ابن الجوزی ج۸، ص۱۷۴-۱۷۵---- یاقوت، ج۵، ص۸۴---- ابن خلکان، ج۱، ص۳۳۷---- الدلجی، ص۱۴۸---- السیوطی، المزہر فی علوم اللغتہ وانواعہا، تحقیق محمد احمد جاد المولی بک وغیرہ، ط:۲ (مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، پ ت) ج۱، ص۹۵۔

(۴۳۷) یاقوت، ج۵، ص۸۳۔

(۴۳۸) محسن جمال الدین، ادباء بغداد یون فی الاندلس، بغداد، مکتبۃ النہضہ، ۱۰۶۲ء ص۲۰۱۹۔

(۴۳۹) ابن خلکان، ج۱، ص۳۳۷۔

(۴۴۰) ابن عبدالبر، ج۱، ص۷۷۔

(۴۴۱) یاقوت، ج۲، ص۱۳۴---- القفطی، ج۱، ص۱۴۸۔

(۴۴۲) الازہری، ج۱، ص۱۷ و۲۵---- القفطی، ج۲، ص۷۷-۷۸۔

(۴۴۳) ایضاً، ج۱، ص۲۴---- ایضاً، ج۲ ص۱۲۷۔

(۴۴۴) القفطی ج۴، ص۱۸۳۔

(۴۴۵) ابن الانباری، ج۶۲---- ابن الندیم، ص۱۰۲---- القفطی ج۱، ص۲۲۸-۲۲۹---- یاقوت، ج۲، ص۲۳۴۔

(۴۴۶) ابن خلکان، ج۱، ص۳۶---- ابن حجر، لسان المیزان، ج۱، ص۱۶---- یاقوت، ج۳، ص۲۰۔

(۴۴۷) یاقوت، ج۵، ص۸۱---- القفطی، ج۲، ص۲۲۲---- الزبیدی ص ۲۰۲، السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج۲، ص۱۴۷۔

(۴۴۸) یاقوت، ج۵، ص۸۱۔

(۴۴۹) ابن خلکان، ج۱، ص۳۳۶- یاقوت، ج۵، ص۲۷۱-۲۷۲---- القفطی، ج۲، ص۲۸۸-۳۰۵---- السیوطی، ج۲، ص۱۷۸۔

(۴۵۰) الخوانساری، ج۴، ص۳۲۵---- ابن خلکان، ج۱، ص۳۸۸۔

(۴۵۱) ابن الانباری، ج۱۳۲۔

(۴۵۲) السمعانی، ج۳، ص۱۶۲- ۱۶۳---- ابن خلکان، ج۱، ص۳۸۸---- البغدادی، الفرق بین

الفرق، ص ۱۷۵---- ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث فی الرد علی اعداء اہل الحدیث (مصر، مطبعہ کردستان العلمیہ ۱۳۲۶ھ) ص ۷۱---- زہدی حسن جار اللہ المعتزلہ (القاہرہ مطبعہ مصر، ۱۳۶۶ھ) ص ۱۳۵۔

(۴۵۳) ابن الندیم، ص ۱۲۹---- یاقوت، ج ۶، ص ۵۶۔

(۴۵۴) المسعودی، ج ۵، ص ۱۹۵۔

(۴۵۵) ابن الندیم، ص ۱۲۹---- یاقوت، ج ۶، ص ۵۶۔

(۴۵۶) یاقوت، ج ۶، ص ۷۵-۷۶۔

(۴۵۷) ایضاً، ج ۶، ص ۷۴۔

(۴۵۸) ایضاً، ص ۸۵۔

(۴۵۹) الخطیب، ج ۱۲، ص ۲۸-۲۹---- السمعانی، ورق ۵۸۰۔

(۴۶۰) یاقوت، ج ۶، ص ۷۶-۷۷۔

(۴۶۱) الجاحظ، کتاب الحیوان، ج ۱، ص ۶ (مقدمتہ عبدالسلام محمد ہارون۔

(۴۶۲) ابو الفداء، ج ۲، ص ۴۷۔

(۴۶۳) ابن الندیم، ص ۱۰۲-۱۰۳---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۹۲۔

(۴۶۴) الخطیب، ج ۵، ص ۲۸۳ ز۔

(۴۶۵) ابن الندیم، ص ۶۱۔

(۴۶۶) الثعالبی، فقہ اللغہ ص ۹۔

(۴۶۷) الثعالبی ج ۴، ص ۳۵۴۔

(۴۶۸) ایضاً، فقہ اللغہ، ص ۸۔

(۴۶۹) ایضاً، ص ۹۔

(۴۷۰) ایضاً، سحر البلاغہ و سر البراعۃ (دمشق مطبعۃ الترقی، ۱۳۵۰ھ) ص ۹۔

(۴۷۱) ایضاً، ثمار القلوب، ص ۴۔

(۴۷۲) ایضاً، سحر البلاغۃ، ص ۱۹۵-۱۹۶۔

(۴۷۳) ایضاً، ج ۴، ص ۴۴۹۔

(۴۷۴) الصفدی ج ۸، ص ۱۳۱-۱۳۲۔

(۴۷۵) السیوطی المزہر، ج ۲، ص ۳۰۷---- الزبیدی، ص ۱۹۵---- ابن الندیم، ص ۶۱---- ابو الفرج علی بن الحسین الاصفہانی، کتاب الاغانی (القاہرہ مطبعہ دار الکتب المصریہ ۱۳۶۹ھ) ج ۵،

ص ۳۰۲۔

(۴۷۶) الزبیدی، ص ۱۹۵---- ابن الندیم، ص ۷۹-۸۱---- ابن حجر، ج ۱۰، ص ۲۴۸---- القفطی ج ۳، ص ۲۷۹---- ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۰۶---- ابن الانباری، ص ۷۲۔

(۴۷۷) ابن الندیم ص ۱۸۹---- اسماعیل پاشا، ہدیۃ العارفین اسماء المولفین و آثار المصنفین، (استنبول، مطبعۃ المعارف، ۱۹۵۱ء) ص ۵۰۲---- عواد، ص ۲۲۴۔

(۴۷۸) الخطیب، ج ۴، ص ۲۵۴---- السمعانی، ورق ۴۷۶ ب۔

(۴۷۹) ابن الندیم ص ۸۳---- القفطی، ج ۲ ص ۳۲۰---- یاقوت ج ۵، ص ۴۳۱۔

(۴۸۰) السمعانی، ج ۵، ص ۵۳۔

(۴۸۱) یاقوت ج ۶، ص ۳۳۴۔

(۴۸۲) ایضاً، ج ۶ ص ۲۱-۲۲---- الطباخ ج ۴، ص ۲۳۰-۲۳۱۔

(۴۸۳) ایضاً، ج ۷، ص ۱۰۲---- السیوطی، بغیۃ الوعاۃ ج ۲، ص ۴۲۔

(۴۸۴) الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۹۳---- ج ۱، ص ۵۶۶-۵۶۷۔

(۴۸۵) المرزبانی، ص ۳۷۷-۳۷۸---- الخطیب، ج ۲، ص ۳۴-۳۶، ج ۱۴، ص ۱۴۷---- القطری ج ۱۴ ص ۲۳۶---- محمد کرد علی، القدیم والحدیث (مصر، المطبعۃ الرحمانیہ ۱۹۲۵ء) ص ۸۰۔

(۴۸۶) الجرجانی، الوساطہ ۳ ص ۱۶۰۔

(۴۸۷) عبدالوہاب عزام، ذکری ابی الطیب بعد الف عام (مصر، دارالمعارف، ۱۳۷۵ھ) ص ۳۴۷۔

(۴۸۸) ایضاً، ص ۱۱۲۳ العمیدی ص ۲۵۔

(۴۸۹) احمد بن الحسن المتنبی، دیوان المتنبی، بتحقیق محمد اعزاز علی (دہلی، کتب خانہ رحیمیہ ۱۳۷۳ھ) ص ۵۵۰۔

(۴۹۰) ابن الاثیر، ج ۱۲ ص ۲۴۳---- محمد بن بخاری عوفی، لباب الالباب، تحقیق سعید نفیسی (تہران، چاپ اتحاد، ۱۳۳۳ھ ش) ص ۱۱۳) (حواشی) عواد، ص ۲۶۰۔

(۴۹۱) المنذری، ج ۴، ص ۲۱۰---- ابو شامہ، ص ۹۳۔

(۴۹۲) ایضاً یاقوت، ج ۲، ص ۱۹۶---- ابن الفوطی، ج ۴، ق ۱، ص ۴۵۶-۴۵۷۔

(۴۹۳) یاقوت، ج ۷، ص ۱۹۶-۱۹۷---- ابن الفوطی، ج ۴، ق ۱، صص ۴۵۶-۴۵۷ (حاشیہ)۔

(۴۹۴) یاقوت، ج ۳، ص ۱۷۱۔

(۴۹۵) الثعالبی، تتمہ الیتیمہ (طہران مطبعۃ فردین، ۱۳۵۳ھ) ج ۱، ص ۱۳۰۔

(۴۹۶) ابن کثیر، ج ۱۳ ص ۱۰۵۔

(۴۹۷) الخطیب، ج ۱۲، ص ۵۵---- ابن الاثیر، اللباب، ج ۵، ص ۳۰۹۔

(۴۹۸) المسعودی، ج ۴، ص ۱۹۵۔

(۴۹۹) الخطیب، ج ۱۲، ص ۵۵---- یاقوت، ج ۵، ص ۳۰۹۔

(۵۰۰) ابن الندیم، ص ۱۴۷---- ۱۵۲---- ایضاً، ص ۳۱۱ ـ ۳۱۸۔

Carl Brockelmann, Gesehichte deer Arabischen Litterature, (Leiden, E.J. Brill, 1937) S.I.R., 214.

(۵۰۱) ابن الندیم، ص ۱۳۵۔

(۵۰۲) الخطیب، ج ۵، ص ۳۲۳---- السمعانی، ورق ۴۷۰---- الذہبی، ج ۲، ص ۴۲۵---- الصفدی، ج ۳، ص ۸۸---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۰۷---- ابن حجر، ج ۹، ص ۱۸۳۔

(۵۰۳) الخطیب، ج ۳۲۱---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۰۷۔

(۵۰۴) الخطیب، ج ۵۲---- السمعانی، ورق ۴۷---- الذہبی، ج ۲، ص ۴۲۵---- ابن حجر، ج ۹، ص ۱۸۳۔

(۵۰۵) الخطیب، ج ۵، ص ۳۲۲---- الصفدی، ج ۳، ص ۸۸---- الذہبی، ج ۲، ص ۶۲۵۔

(۵۰۶) السمعانی، ورق، ۵۲۱---- ابن الندیم، ص ۱۹۱ ـ ۱۹۲---- الخطیب، ج ۳، ص ۱۳۵---- ابن حجر، لسان المیزان، ج ۵، ص ۳۲۶---- القفطی، ج ۳، ص ۱۸۰۔

(۵۰۷) الخطیب، ج ۳، ص ۱۳۶ یاقوت ج ۱۸ ص ۲۶۹ یوسف البدیعی الصبح المنبی عن حیثیتہ المتنبی تحقیق مصطفیٰ السقا، شتا محمد عبدہ زیادہ عبدہ، (القاہرہ، دار المعارف ۱۹۶۳ء) ص ۱۸۵۔

(۵۰۸) الخطیب، ج ۳، ص ۱۳۶---- ابن حجر، لسان المیزان ج ۵، ص ۳۲۶---- القفطی، ج ۳، ص ۱۸۱---- یاقوت، ج ۷، ص ۵۰۔

(۵۰۹) الخطیب، ج ۳، ص ۱۳۶---- القفطی، ج ۳، ص ۱۸۱۔

(۵۱۰) ایضاً۔

(۵۱۱) الذہبی، ج ۳، صص ۱۱۱۴، ۱۱۱۶ ـ ۱۱۱۷، (لہ) العبر، ج ۲، ص ۱۹۸---- ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۶۰۔

(۵۱۲) ابن الجوزی، ج ۸، ص ۴۴---- الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۴---- ابن کثیر ج ۱۲، ص ۶۰۔

(۵۱۳) الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۱۵---- ابن العماد، ج ۳، ص ۲۶۷۔

(۵۱۴) الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۱۴ (لہ) العبر، ج ۳، ص ۱۹۸---- یاقوت، ج ۳، ص ۱۳۴---- ابن الجوزی ج ۸، ص ۱۴۴---- **الخطیب** ج، ۳، ص ۱۰۳---- ابن العماد، ج ۳، ص ۱۶۷۔

(۵۱۵) السمعانی، ۵۸۰ ب۔

(۵۱۶) الفارسی، ورق ۲۳ ب۔

(۵۱۷) ایضاً، ۶۱---- الذہبی، ج ۲، ص ۱۱۲۵ (لہ) العبر، ج ۳، ص ۱۶۲---- السمعانی، ورق ۴۳۱ ب۔

(۵۱۸) الذہبی ج ۴، ص ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵ (لہ) العبر، ج ۵، ص ۱۵۴---- الصفدی، ج ۳، ص ۱۰۲---- السبکی، (الحسینیہ) ج ۵، ص ۲۶---- ابن الجوزی ج ۲، ص ۱۴۵---- الاسنوی، ج ۱، ص ۵۴۲۔

(۵۱۹) یاقوت، ج ۵، ص ۴۲۶---- الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۴ (لہ) العبر ج ۳، ص ۳۱۷۔ ۳۱۸---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۳۳۔ ۳۳۴---- ابن الجوزی، ج ۹، ص ۷۹---- ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۲۳۔ ۱۲۴---- ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۱۲۸ و ۲۲۷۔

(۵۲۰) علی بن ہبتہ اللہ ابن ماکولا، الاکمال فی رفع الارتیاب عن الموتلف والمختلف من الاسماء والکنیٰ والانساب، تحقیق عبدالرحمن بن یحیی الیمانی (حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرہ المعارف العثمانیہ ۱۳۸۱ھ) ج ۱، ص ۴۰ (مقدمہ المحقق)۔

(۵۲۱) الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔

(۵۲۲) یاقوت، ج ۶، ص ۲۰۳---- المنذری ج ۳، ص ۳۳۴۔

(۵۲۳) یاقوت، ج ۶، ص ۲۰۳۔

(۵۲۴) **الخطیب** ج ۱۸ ص ۴۷۱---- ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۸۹---- زبیر بن بکار، جمہرہ نسب قریش واخبارھا تحقیق محمود محمد شاکر (القاہرۃ مطبعۃ المدنی، ۱۳۸۱ھ) ص ۵۹ (مقدمہ محمود محمد شاکر)۔

(۵۲۵) **القفطی**، ۵۴۔

(۵۲۶) ایضاً، ص ۳۶۔ ۳۷---- ابن الندیم ص ۳۴۱---- صفا، ج ۱، ص ۳۶۳۔ ۳۶۴۔

(۵۲۷) ابن الندیم، ص ۳۶۴۔

(۵۲۸) ابن جلجل، ص ۷۳---- ابن ابی اصیبعہ ج ۲، ص ۱۷۹---- القفطی، ص ۳۶۸---- ابن حجر، لسان المیزان، ج ۶، ص ۳۰۵---- لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفہ الاسلام، (بیروت، ب ن، ب ت) ص ۳۔

(۵۲۹) المرزبانی، ص۵۰۰۔

(۵۳۰) ابن الندیم ص۳۵۷-۳۶۵---- القفطی، ص۳۷۶---- ابن ابی اصیبعہ ج ۲، ص۱۸۱---- احمد امین، ضحی الاسلام، ج ۳، ص۶۶-۰ ۔

(۵۳۱) ابن ابی اصیبعہ ج ۲، ص۱۸۰---- لطفی جمعہ، ص۵، عواد، ص۱۹۸-۱۹۹۔

(۵۳۲) ایضاً، ایضاً ایضاً۔

(۵۳۳) دہخدا، ج۱، ص۳۸۰ (ابو سعد)۔

(۵۳۴) حاجی خلیفہ، ج۲، ص۱۹۲۹۔

(۵۳۵) ابن الساعی، ج۹، ص۱۲۰-۱۲۱---- سبط ابن الجوزی، ج۸، ص۳۷۲---- ابن کثیر، ج۱۳، ص۶۸---- القفطی ص۲۲۸-۲۲۹ ابن حجر، لسان المیزان، ج۴، ص۱۵---- ابن العماد، ج۵، ص۴۵-۴۶---- عواد، ص۲۶۴-۲۶۶۔

(۵۳۶) القفطی، ص۳۰-۳۱، ۳۱۵، ۴۴۱---- ابن ابی اصیبعہ، ج۱، ص۱۸۲۔

(۵۳۷) ابن الندیم ص۳۷۹---- صاعد، ص۵۵- غریغوریوس الملطی، المعروف بابن العبری تاریخ مختصر الدول، ط: ۲ (بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیہ ۱۹۵۸ء) ص۲۶۴-۲۶۵---- الصفدی، ج۵، ص۸۴---- ابن خلکان، ج۲، ص ۷۹---- صفا، ج۱، ص۴۶-۴۷---- عواد، ص۲۱۰-۲۱۱۔

(۵۳۸) ابن الندیم ص۲۵۲---- عواد، ص۲۱۴---- الطوسی ص۷۱---- تعجب ہے کہ طوسی نے اس کے جماعۃ الکتب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

(۵۳۹) ابن الندیم، ص۲۵۱---- النوبختی، ص---- ک (مقدمہ) ہبۃ الدین الحسینی)۔

(۵۴۰) ابن الندیم، ص۳۹۴---- القفطی، ص۲۳۳۔

(۵۴۱) ایضاً ایضاً۔

(۵۴۲) ایضاً، ص۳۹۴---- القفطی، ۲۳۳---- عواد، ص۲۲۰-۲۲۱۔

(۵۴۳) یاقوت، ج۶، ص۳۰۸---- ابن ابی اصیبعہ، ج۳، ص۳۰---- ابن العبری، ص۱۸۶---- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۵، ص۲۶۴---- دائرہ المعارف الاسلامیہ، (طہران) ج۴، ص۴۰۲۔

(۵۴۴) البیہقی، ص۶۲-۶۳۔

(۵۴۵) یاقوت، ج۶، ص۳۰۹---- السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج۱، ص۵۱---- کرد علی، کنوز الاجداد، (دمشق مطبعۃ الترقی، ۱۳۷۰ھ) ص۲۳۸۔

(۵۴۶) یاقوت‘ ج۶‘ ص۳۱۱۔

(۵۴۷) البیہقی‘ تتمہ صوان الحکمہ‘ ص۱۵۵---السیوطی بغیۃ الوعاۃ‘ ج۱‘ ص۵۱۳۔

(۵۴۸) یاقوت‘ ج۳‘ ص۱۷۳۔

(۵۴۹) یاقوت‘ ج۶‘ ص۲۴۱---القفطی‘ ص۲۶۹۔

(۵۵۰) ابن ابی اصیبعہ ج۳‘ ص۱۶۳---القفطی‘ ص۲۶۹۔

(۵۵۱) یاقوت‘ ج۶‘ ص۲۴۱۔

(۵۵۲) ابن ابی اصیبعہ ج۳‘ ص۱۶۳۔

(۵۵۳) ابن علی بن احمد المعروف ابن ہبل البغدادی‘ کتاب المختارات فی الطب‘ (حیدر آباد الدکن دائرۃ المعارف العثمانیتہ ۱۳۶۲ھ) ج۱‘ ص۷۔

(۵۵۴) محمد بن زکریا الرازی‘ اخلاق الطبیب تحقیق عبداللطیف محمد العبد‘ القاہرہ مکتبۃ النہضۃ المصریہ‘ ۱۴۰۲ھ ص۱۲۹۔

(۵۵۵) القفطی‘ ص۱۷۱---ابن الندیم‘ ص۴۰۹---ابن جلجل‘ ص۶۸-۶۹۔

(۵۵۶) القفطی‘ ص۱۷۱---البیہقی ص۴۔

(۵۵۷) القفطی‘ ص۱۷۳- ۱۷۴---ابن الندیم‘ ص۴۱۰۔

(۵۵۸) ابن ابی اصیبعہ‘ ج۲‘ ص۱۴۹۔

(۵۵۹) ایضاً‘ ص۱۵۹۔

(۵۶۰) ایضاً‘ ص۱۶۰۔

(۵۶۱) یاقوت‘ ج۶‘ ص۴۴۲---ابن الندیم ص۱۱۷۔

(۵۶۲) ابن ابی اصیبعہ‘ ج۲‘ ص۱۴۳۔

(۵۶۳) ایضاً‘ ج۲‘ ص۱۶۰۔

(۵۶۴) ایضاً‘ ج۲‘ ص۱۴۳- ۱۴۴---القفطی‘ ص۱۷۶۔

(۵۶۵) ابن الندیم‘ ص۴۱۵۔

(۵۶۶) القفطی‘ ص۱۷۱۔

(۵۶۷) الصفدی‘ ص۷۷۔

(۵۶۸) ابن جلجل‘ ص۷۷---القفطی‘ ص۲۷۲۔

(۸۶۹) ابن الندیم‘ ص۴۱۶‘ ۴۲۰‘ ۵۰۴---ابن ابی اصیبعہ‘ ج۲‘ ص۳۵۲‘ ۳۶۱---الزرکلی‘ ج۶‘ ص۳۶۴۔

(۵۷۰) ابن الندیم‘ ص۴۱۶--- ابن ابی اصیبعہ‘ ج۲‘ ص۳۴۵۔

(۵۷۱) ابن الندیم ص۴۱۶۔

(۵۷۲) ابن ابی اصیبعہ‘ ج۲‘ ص۳۵۰--- الصفدی‘ ج۳‘ ص۷۷۔

(۵۷۳) ابن ابی اصیبعہ‘ ج۳‘ ص۱۷۴۔

(۵۷۴) ایضاً‘ ص۱۷۵۔

(۵۷۵) ایضاً‘ ج۳‘ ص۲۸۷۔۲۸۸۔

(۵۷۶) ایضاً‘ ج۳‘ ص۲۹۲--- احمد عیسی بک‘ ص۱۳۶--- البستانی‘ ج۴‘ ص۴۳۔

(۵۷۷) ابن ابی اصیبعہ‘ ج۳‘ ص۲۹۳۔

(۵۷۸) ایضاً‘ ج۳‘ ص۱۷۹۔۱۸۰۔

(۵۷۹) ایضاً۔

(۵۸۰) ایضاً‘ ج۲‘ ص۷۶--- عواد‘ ص۲۰۹۔

(۵۸۱) ایضاً‘ ج۲‘ ص۲۶۱۔۲۶۲۔

(۵۸۲) ایضاً‘ ص۲۷۶۔

(۵۸۳) ایضاً‘ ج۲‘ ص۲۹۳۔

(۵۸۴) ایضاً‘ ج۲‘ ص۳۳۱۔

(۵۸۵) القفطی‘ ص۳۳۲۔۳۳۳۔ عواد‘ ص۲۶۳۔

(۵۸۶) الخطیب‘ ج۹‘ ص۲۶۲۔

باب پنجم

ادارہ جاتی، عوامی اور علمی کتب خانے

باب چہارم میں انفرادی و عمومی اور فنی و خصوصی کتب خانوں کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حکمِ اقرأ کے نور، عوامل و محرکات کتب خانہ اور عباسی خلفاء کی کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک نے مسلم معاشرہ میں کتابوں کے استعمال کو عام کیا۔ ہر مسلمان کو علم و کتاب کا گرویدہ اور کتابوں کے جمع و تحفظ اور توسیع و اشاعت کا ایسا خوگر بنایا تھا کہ ہر حلقۂ اثر (Community) محلّہ اور بستی میں کم و بیش ہر عالم و جاہل کے یہاں کتابوں کا ذخیرہ ملتا اور اہلِ علم کو اس سے فائدہ پہنچتا تھا۔ انفرادی و خصوصی کتب خانوں کا یہ تنوع ہمارے مذکورۂ بالا دعوے کا شاہدِ عدل ہے۔

باب پنجم جس کا عنوان "ادارہ جاتی، اور علمی کتب خانے" ہیں اس کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں عوامی کتب خانوں کا بیان ہے جن میں اوقاف کے، مسجدوں کے، خانقاہوں کے، رباطات اور مزاروں کے کتب خانے داخل ہیں۔ دوسرے حصے میں علمی کتب خانوں کا ذکر ہے جن میں درسگاہوں، دانش گاہوں، شفاخانوں، طبی مدرسوں اور رصد گاہوں کے کتب خانے شامل ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں معاشرہ کی تحقیقاتی، علمی، اور فنی ضروریات کی تکمیل، اس کی علمی ترقی اور آئندہ نسلوں کی علمی بیداری اور اس کی تحقیقاتی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور ان پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا، نیز عوامی سطح پر علمی و تحقیقاتی میدان میں کتابی ذخیرہ نہایت وسیع پیمانے پر فراہم کیا جاتا، شائقینِ کتب اور محققین و مصنفین کو بلا امتیازِ مذہب و ملت استعمال کے لئے دیا جاتا تھا۔

باب پنجم

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ عوامی کتب خانے

☆ اوقاف کے کتب خانے

☆ مسجدوں کے کتب خانے

☆ خانقاہوں کے کتب خانے

☆ رباطات کے کتب خانے

☆ مزاروں کے کتب خانے

(پہلا حصہ)

عوامی کتب خانے

اسلام نے بنی نوع انسان کی متاعِ مشترک علم کو عبادت کا درجہ دیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے عبادت ہر انسان پر فرض کی اسی طرح علوم کی تحصیل بھی ہر ایک مرد اور عورت پر فرض کی ہے۔ اس لئے ہر عبادت گاہ (مسجد) کو آغازِ اسلام ہی سے درسگاہ کی حیثیت بھی حاصل رہی اور ہر مسجد میں کتب خانہ قائم کیا گیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ "انہی لوگوں کے فیضان کا سلسلہ مرنے کے بعد جاری رہتا ہے، جو تعلیم دیتے، مسجد بناتے، کتابیں لکھتے اور وقف کرتے ہیں"

بنی نوعِ انسان کی متاعِ مشترک علم کی تحصیل، جمع و تحفظ اور توسیع و اشاعت پر مسلمانوں کو آمادہ کیا۔ چنانچہ بادشاہوں، وزیروں، امیروں، دانشوروں، عالموں، تاجروں ہی نے نہیں بلکہ ہر ایک مسلمان نے کتابیں جمع کرنے، کتب خانہ بنانے پھر اس کو وقفِ عام کرنے میں حسب توفیق و استطاعت حصہ لیا اور جو اس سے بن سکا وہ اس نے اللہ کی راہ میں دیا اس سے ہر چھوٹے بڑے شہر، دیہات و قصبات میں اور ہر حلقۂ اثر کی مسجدوں میں کتب خانے قائم ہوتے رہے۔

مسلمانوں نے اپنے ذوقِ کتاب داری کی بناء پر قدیم علمی سرمایہ کا تحفظ کیا اس کی توسیع و اشاعت کی، جہاں تک ممکن ہو سکا قدیم کتب خانوں کو بھی آباد رکھا اور ان سے بھی استفادہ کیا۔ چنانچہ مرو شاہجہاں میں شاہانِ بنی ساسان میں سے یزدگرد نے کچھ ذخیرہ چھوڑا تھا جو تاریخ میں کتب خانہ یزدگرد کے نام سے موسوم ہے اس علمی ذخیرے سے بھی اہلِ علم نے بے اعتنائی نہیں کی اور جدید تقاضوں کے مطابق اسے بھی اپنایا۔

مورخ بغداد ابنِ طیفور (۸۱۹- ۸۹۳ء/ ۲۰۴-۲۸۰ھ) کا بیان ہے:

میرے شیخ احمد بن محمد **مہلبی** نے کہا کہ یحیٰ بن الحسن نے فرمایا میں رقہ میں محمد بن طاہر بن حسین کے سامنے حوض پر بیٹھا ہوا تھا، کسی ضرورت سے میں نے اپنے غلام کو بلایا۔ اس سے فارسی میں باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں شاعر ابو عمرو کلثوم بن عمرو عتابی المتوفی ۲۲۰ھ بھی پہنچ گیا اور میرے ساتھ فارسی بولنے لگا۔ میں نے کہا: تم فارسی خوب جانتے ہو۔ اس نے کہا: میں یہاں تین مرتبہ آیا ہوں اور مرو کے خزانۂ کتب سے عجمی زبان کی کتابیں لکھتا رہا ہوں یہ وہ کتابیں ہیں جو یزدگرد کے پاس تھیں۔ یہیں رہ گئیں تھیں اور اب تک موجود ہیں۔ میں نے ان سے ضرورت کی چیزیں نقل کیں پھر نیشاپور سے دس فرسخ پر ذودر نامی بستی میں پہنچا تو ایک کتاب یاد آئی وہ مجھے درکار تھی۔ میں مرو آیا اور یہاں ایک مہینے ٹھہرا، میں نے کہا ابو عمرو تم پہلوی زبان کی کتابیں کیوں

لکھتے ہو؟ اس نے کہا معانی و بلاغت پہلوی کتابوں میں ہوتی ہے"(۱)

اوقاف و مساجد، خانقاہ و رباطات نیز مزارات وغیرہ کے کتب خانوں کے تذکرے سے مقصد، ادارہ جاتی کتب خانوں کے قیام نے علم و آگہی کے پھیلانے اور آنے والی نسلوں تک ثقافتی ورثہ کو پہنچانے میں جو اہم کردار ادا کیا، یہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔

کتب خانوں کی تاریخ کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر پنٹو جیسی محنتی خاتون بھی کوئی اہم مواد فراہم نہ کر سکی اور نہ مسلمان دانشوروں نے اب تک اس موضوع سے کوئی اعتنا کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ دوسری صدی ہجری کے ربع ثانی یعنی آخر دورِ اموی میں علمی اداروں کا آغاز ہوا اور سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ نے فقہی مسائل کی تدوین کے لئے اپنے چالیس (۴۰) نامور ائمۂ فن تلامذہ پر مشتمل ایک غیر سرکاری علمی ادارہ (Academy) کی تشکیل کی(۲)۔

دوسری صدی ہجری کے اواخر ۱۹۸ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے سرکار کی زیرِ نگرانی بغداد میں پہلی اکیڈمی "بیت الحکمۃ" کے نام سے قائم کی تھی جس میں تصنیف و تالیف، ترجمہ و تشریح اور تربیتِ افراد کے لئے ائمۂ فن کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ پھر بنی موسیٰ نے بغداد میں اپنا ذاتی "دارالترجمہ" قائم کیا۔ جس میں علومِ قدیمہ اور سائنسی کتب کا ترجمہ کیا جاتا تھا، وزراء میں سے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی المتوفی ۱۹۰ھ نے بیت المدارس کے نام سے ایک اکیڈمی قائم کی تھی جس میں علمی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔

شاہانِ صفاریہ میں ابو احمد خلف بن احمد بن محمد سجزی المتوفی ۲۹۹ھ نے بجستان میں ایک مجلسِ علمی ترتیب دی اور اس سے قرآن مجید کی نہایت جامع و مبسوط تفسیر لکھوائی جو سو جلدوں میں مکمل ہو سکی تھی۔ اس عظیم منصوبہ پر بیس (۲۰،۰۰۰) ہزار دینار صرف کئے تھے۔

فاطمیین مصر نے اپنے عقائد و نظریات کی اشاعت کے لئے مصر میں پہلی مرتبہ شاندار جداگانہ عمارت "جامعہ ازہر" کے نام سے بنوائی اور اس میں ایک مجلسِ دعوت و تبلیغ قائم کی تھی۔

چوتھی صدی ہجری میں "اخوان الصفا" کے نام سے چند فلاسفہ کا ایک خفیہ ادارہ قائم ہوا تھا جو اپنے علمی افکار و نظریات، رسائل کی صورت میں شائع کرتا تھا ان کے رسائل کا مجموعہ "رسائل اخوان الصفا" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس طرح کی اور بھی علمی انجمنیں بغداد میں کام کر رہی تھیں جن کے علمی اجلاس میں زیرِ بحث مسائل اور افکار و نظریات کتابی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ ابو حیان توحیدی کی کتاب "المقابسات" اس کی نہایت روشن دلیل ہے۔ انہی

وجوہ سے عہدِ عباسی کے علمی اداروں میں مساجد، شاہی محلات، دارالعلوم کے کتب خانوں کو شمار کیا گیا ہے(۳)

یہ عہدِ عباسی میں مستقل ادارے تھے، نئے نئے موضوعات و مباحث پر تحقیقات پیش کرتے رہتے تھے اس دور میں عارضی اور وقتی ادارے وہ علمی مجالس تھیں جو قدردان علم و فن، فرمانروایانِ وقت کے درباروں، امراء، وزراء کے محل سراؤں اور خزانۃ الکتب میں وقتاً فوقتاً منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ احمد بن روح کا بیان ہے:

"قاضی ابوالحسن معافی بن زکریا جریری نہروانی المعروف ابنِ طرار (۹۱۶-۱۰۰۰ء/ ۳۰۳-۳۹۰ھ) جو بڑے فقیہ اور ادیب تھے، کسی رئیس کے گھر پہنچے، وہاں اہلِ علم و ادباء کی ایک جماعت موجود تھی وہ بولی کہ اقسامِ علوم میں سے کسی ایک علم میں مذاکرہ ہو، معافی نے اس رئیس سے فرمایا آپ کا کتب خانہ اصنافِ علوم و انواع ادب کا جامع ہے، کسی خادم کو کتب خانہ کھولنے کا حکم دیں، جس قریبی کتاب پر اس کا ہاتھ لگے اس کو اٹھا لائے، آپ اسے کھولیں اور دیکھیں کہ کس علم سے تعلق رکھتی ہے اس پر مذاکرہ ہو اور اہلِ علم جولانیِ طبع دکھائیں"(۴)۔

مذکورۂ بالا تاریخی واقعہ سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ محل سراؤں اور کتب خانوں میں مذاکرے ہوتے تھے اور اس طرح علوم و فنون کی نشر و اشاعت ہوتی تھی۔

عہدِ عباسی میں بعض علماء و فضلاء کے مکانوں کو بھی علمی ادارہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اگر آج کی سماعت گاہوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ عہد عباسی میں ذاتی مکانوں اور محل سرائوں میں جمنے والی علمی مجلسوں کی ترقی یافتہ بیٹھکیں معلوم ہوتی ہیں انہیں علمی اداروں اور سماعت گاہوں میں شمار کرنا چاہئے۔ ہمارے اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ عہد عباسی کے تذکرہ نگار اس قسم کے عارضی اداروں کا "دارہ مجمع العلماء" اس کا مکان علماء کی اکیڈمی تھا(۵) "منزلہ مالفاہم" اس کا مکان ان اہلِ علم کی دلچسپی کا مرکز تھا(۶) کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ جسے اس عہد کے مورخین نے نظرانداز کر دیا ہے حالانکہ ان عارضی اداروں میں تنوع و اختصاص بھی پایا جاتا تھا چنانچہ اس قسم کے بعض عارضی ادارے اہلِ ادب کے، بعض فقہاء کے، بعض محدثین کے اور بعض فلاسفہ وغیرہ کے مرکز ہوتے تھے۔ چنانچہ علی بن یحیٰ المنجم کا مکان اہلِ ادب کی اکیڈمی تھا(۷) ان ذاتی علمی اداروں اور کتب خانوں میں اہلِ علم اور وراقوں کی شب گزاری کے لئے پچاس بستروں کا انتظام و اہتمام کیا جاتا تھا(۸)

ان وجوہ سے ادارہ جاتی کتب خانوں (Institutional Libraries) کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا حصہ عوامی کتب خانوں (Public Libraries) پر مشتمل ہے اس کا مصداق اوقاف، مساجد و رباطات اور مزاروں کے کتب خانے ہیں۔

دوسرا حصہ علمی کتب خانوں (Academic Libraries) پر محیط ہے۔ اس کا مصداق درسگاہوں، مدرسوں، دانش گاہوں، شفاخانوں اور رصد گاہوں کے کتب خانے ہیں۔ ان مقامات کے کتب خانے ہی وہ کتب خانے تھے جن کے دروازے بلامعاوضہ، بلاامتیازِ مذہب و مسلک اور قوم و فرقہ، مقامی و بیرونی ممالک کے عوام و خواص پر کھلے ہوئے تھے(۹) یہ ادارہ جاتی کتب خانے اپنی فطرت میں عوامی کتب خانوں کے فرائض بھی ادا کرتے تھے حالانکہ یہ خصوصی و علمی کتب خانے تھے، اس حیثیت سے عہدِ عباسی کے عوامی کتب خانے اپنے مفہوم و مصداق کے اعتبار سے موجودہ دور کے ترقی یافتہ عوامی کتب خانوں سے زیادہ وسیع، زیادہ متنوع، زیادہ سودمند، زیادہ سہولت بخش تھے اور اس لئے عہدِ عباسی میں مسلم معاشرے میں عوامی کتب خانے زیادہ مشہور، زیادہ باوقعت اور زیادہ ہردلعزیز ہوتے تھے۔

وقف کے لغوی معنی سے بحث عواملِ کتب خانہ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کو مرنے کے بعد مندرجہ ذیل چیزوں کا ثواب پہنچتا رہتا ہے "علما علّمهٗ و نشرهٗ، وولداً صالحاً ترکهٗ، ومصحفاً ورثه، أو مسجداً بناه... أو صدقةً اخرجها من ماله في صحته وحياته تلحقه بعد موته"(۱۰) علم جو اس نے کسی کو پڑھایا اور جسے پھیلایا، نیک اولاد جسے چھوڑا، یا مصحف جو ورثہ کے لئے چھوڑا یا مسجد جسے اس نے بنایا یا صدقہ جو اس نے بقیدِ صحت و حیات اپنے مال میں سے نکالا، اس کے مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

مذکورہَ بالا حدیث میں "علما علمه" میں تعلیم "نشره" میں تصنیف و تالیف اور وقفِ کتب "مصحفا ورثه" میں علومِ شرعیہ کی کتابیں "مسجد ابناه" میں مدرسہ اور سرائے داخل ہیں(۱۱) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے نشرہ کی شرح اشاعتِ علم سے کی ہے(۱۲) یہ ارشاد نبوی ﷺ خیر کے کاموں میں بہت محرک رہا اور کتب خانوں کے بنانے میں وقف کا غیر معمولی حصہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنی میں کتب خانے اوقاف ہی سے بنتے ہیں اور آج بھی یہ عمل جاری ہے اس کے ذریعہ بہت ہی نایاب و نادر کتابیں کتب خانوں کو حاصل ہوتی ہیں بعض شائقینِ کتب ایسے ذرائع سے کتابیں اور ذخائرِ کتب جمع کرتے ہیں جن ذرائع سے عوامی اور سرکاری کتب خانے کتابیں حاصل کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ مثلاً خاندانی کتب خانے جس میں اس خانوادہ کے اہلِ علم کی جملہ تصانیف موجود ہوتی ہیں خاص طور پر آخر زمانے کی تالیفات جس کا علم تلامذہ و

احباب کو بھی بسا اوقات نہیں ہوتا یا مصنف قبلِ تکمیل اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا ہے یا بعض طبائع (۱) بخل (۲) یا فخر کی وجہ سے (۳) یا ندرت کی بناء پر، ایسی کتابوں کے نسخے ہی دنیا میں ایک دو ہوتے ہیں اور جس کے پاس ہوتے ہیں وہ انہیں کسی قیمت پر جدا کرنا نہیں چاہتے یا بعض اہم کتابیں دوسروں کو بتانے سے گریز کرتے ہیں ایسی کتابوں کا علم

(الف) وقف یا

(ب) ذخیرے کی فروخت یا

(ج) ورثہ کے ذریعہ یا

(د) اہلِ علم کی اس کتب خانہ تک رسائی کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس قسم کے ذخیرے جب کتب خانوں میں وقف کئے جاتے ہیں ان سے کتب خانوں کے ذخیروں میں اضافہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کی اہمیت، افادیت، عظمت و شہرت بھی بہت بڑھ جاتی ہے اس سے وقفِ کتب کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقفِ وقف کبھی از خود اور کبھی کسی تحریک و تحریص سے اپنی حیات میں کر جاتا ہے۔ کبھی اس کے وارث و دوست اس کی وصیت کے مطابق اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں جیسا کہ یاقوت رومی کی وصیت کے مطابق علامہ ابن الاثیر نے موصل سے اس کا کتب خانہ جامع زیدی بغداد میں پہنچایا تھا (۱۳)

کتب خانے حسبِ ذیل اسباب کے تحت وقف کئے جاتے ہیں۔

(۱) کتب خانے کے قیام کا شوق

(۲) ذخائرِ کتب میں غیر معمولی اضافہ۔

(۳) جمعِ کتب کے بعد وسائل کی کمی۔

(۴) ضیاع کا خطرہ۔

(۵) نگہداشت میں کوتاہی۔

(۶) ذخائرِ کتب سے خود استفادہ کرنے سے قاصر ہونا۔

(۷) اہلِ علم اور محققین کی کتابی ضروریات کی تکمیل کا شوق۔

(۸) شہرت و ناموری

(۹) ان اغراض و مقاصد کا پورا ہو جانا جن کے تحت ذخیرۂ کتب مہیا کیا گیا تھا یا ان کا پورا نہ ہونا۔

(۱۰) معاشی نقطۂ نظر سے افادیت اور مناسبت و مصلحت کے پیشِ نظر کتب خانہ وقف کیا جاتا

تھا اور کیا جاتا رہے گا۔

(۱۱) عہدِ عباسی میں جن صاحب ثروت اہل علم کے پاس کتب خانہ ہوتا اور اولاد وغیرہ نہ ہوتی ان کا مال و اثاثہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا' اس لئے بھی اہلِ علم و اربابِ ثروت اپنا کتب خانہ وقف کر جاتے تھے اس کے لئے انہیں حکومتِ وقت سے اجازت نامہ لینا ہوتا تھا جو بہ آسانی مل جاتا تھا چنانچہ خطیب بغدادی نے اپنا کتب خانہ اسی طرح وقف کیا تھا(۱۴)

ایک مسلمان کے دل و دماغ میں ان تمام اسباب کا محرک رضاءِ الٰہی' فروغِ علم اور اہلِ علم کی علمی تشنگی کو دور کرنے کا جذبہ ہے۔ وقف کتب خانے کے محرکات کو کتب خانے کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو اسلام سے پہلے مندرجہ بالا عوامل پورے طور پر کام کرتے نظر نہیں آتے۔ ان محرکات کو اگر کسی چیز نے مہمیز کیا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورۂ بالا حدیث ہے اس حدیث کی روشنی میں جن محرکات کا احاطہ کیا جاسکا ہے اس کا نمونہ اس سے پہلے کہیں نہیں ملتا۔

(۱) ذخیرۂ کتب مناسبت، مصلحت و افادیت کے پیش نظر کبھی ایک کتب خانے میں اور کبھی متعدد کتب خانوں میں وقف کیا جاتا تھا جیسا کہ مورخ ابن النجار نے اپنا کتب خانہ بغداد میں دو کتب خانوں میں وقف کیا تھا(۱۵)۔ دو چار دس کتابوں کے وقف کا تو ذکر ہی کیا کبھی ایسی ایک دو کتابیں جو سینکڑوں جلدوں پر مشتمل ہوتی تھیں وقف کی جاتی تھیں جیسا کہ محمد بن علی ادفوی نحوی المتوفی ۳۸۸ھ نے اپنی تفسیر جو ایک سو بیس (۱۲۰) جلدوں میں تھی وقف کی تھی(۱۶) قاری ابو محمد عبداللہ بن المبارک **عکبری** المعروف بابن نبال المتوفی ۵۲۸ھ نے ابوالوفا بن عقیل کی کتاب الفنون جو آٹھ سو(۸۰۰) مجلدات میں تھی اور کتاب الفصول جو دس (۱۰) جلدوں پر مشتمل تھی وقف کی تھیں(۱۷)

(۲) کبھی پورا ذخیرۂ کتب کسی خاص عوامی کتب خانہ میں وقف کیا جاتا جیسا کہ یاقوت نے اپنا کتب خانہ جامع زیدی بغداد میں وقف کیا تھا(۱۸)۔

(۳) کبھی کسی سرکاری کتب خانہ میں دے دیا جاتا تھا جیسا کہ قفطی نے اپنا عظیم الشان کتب خانہ سلطان الملک **الظاہر** ایوبی کو دے کر شاہی کتب خانہ میں شامل کیا تھا(۱۹)

(۴)(الف) کبھی خود واقف ہی کتب خانے کے لئے علیحدہ عمارت بنا کر اس میں کتب خانہ وقف کرتا اور اسے اپنے نام کے بجائے اپنی بیوی کے نام موسوم کرتا تھا۔ جیسے بغداد میں الوقف السلجوقی تھا جو خلیفہ ناصرلدین اللہ نے اپنی ملکہ سلجوقی المتوفاۃ ۱۱۸۹ء/۵۸۵ھ کے نام پر رباط اخلاطیہ میں وقف کیا تھا(۲۰)

(ب) کبھی واقف خود اپنے موقوفہ کتب خانہ کو عام نام سے موسوم کرتا تھا جیسا کہ وزیر ابو نصر سابور نے بغداد میں کتب خانے کا نام دار العلم رکھا تھا(۲۱)

عہدِ عباسی میں انفرادی ذخائر کی امتیازی شان برقرار رکھنے کے لئے حسبِ ذیل طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔

(۱) کبھی خود واقف یا مصنف یا کوئی نامور عالم و خطاط اپنے علم سے ان پر وقف وغیرہ کے الفاظ لکھتا تھا جیسا کہ وزیر ابن القصاب نے کیا تھا(۲۲)

(۲) کبھی منتظم کتب خانہ واقف کے نام کی تختی آویزاں کرتا اور انہیں علیحدہ نمایاں جگہ پر رکھتا تھا جیسا الوقف المنازی (۲۳) اور الوقف السلجوقی (۲۴) سے عیاں ہے۔

(۳) وقف کی ہوئی کتابوں کا کیٹلاگ کتابی صورت میں علیحدہ تیار کیا جاتا تھا(۲۵) یہ بھی اس کی منفرد و ممتاز حیثیت کو بتاتا تھا۔

(۴) وقفِ انفرادی کی اس امتیازی حیثیت کو تذکرہ نگار بھی ملحوظ رکھتے تھے چنانچہ وقف کے انفرادی ذخائر سے جب کسی کتاب کی نشاندہی کرتے تو النسخة التی فی وقف ابن الخشاب برباط المامونیہ (وہ نسخہ جو وقف ابن الخشاب میں رباط مامونیہ کے خزانة الکتب میں محفوظ ہے) کے الفاظ سے کرتے تھے(۲۶)

وقفِ کتب میں واقف کبھی (۱) اپنے مذاق کی جیسے کہ ابنِ درید نے اپنا کتب خانہ اپنے وراق و شاگرد ابو الحسن علی بن احمد الدریدی المتوفی ۳۲۱ھ کے لئے مخصوص کیا تھا(۲۷)۔ (۲) اپنے مسلک کی یا (۳) اپنی عقیدت کی بنا پر کوئی قید لگا کر کسی خاص طبقہ یا خاص مسلک سے وابستگان کے ساتھ اس وقف کو مخصوص کرتا تھا جیسے (الف) اصحاب الحدیث (۲۸)۔

(ب) ۱۔ فقہاءِ حنفیہ(۲۹) ۲۔ فقہاءِ مالکیہ ۳۔ فقہاءِ شافعیہ (۳۰) ۴۔ فقہاءِ حنابلہ(۳۱)

(ت) صوفیہ

وقف تین قسم کے ہوتے تھے۔

(۱) وقفِ انفرادی‘ فردِ واحد کا وقف مخصوص افراد کے لئے جیسے کسی عالم کا اپنا ذخیرۂ کتب اپنی اولاد یا کسی مخصوص خادم جیسے زید کندی کا اپنے مخصوص خادم یاقوت کے نام وقف کر جانا یا شاگرد کے لئے وقف کر جانا جیسے ابنِ درید کا اپنا کتب خانہ اپنے شاگرد ابو الحسن الدریدی کو دے دینا ان مذکورہ تمام صورتوں میں استفادہ جس کے نام وقف ہوتا اس کی اجازت سے کیا جاتا تھا۔

(۲) وقفِ اجتماعی، عوام کا عوام کے لئے وقف کرنا جیسے مسجد وغیرہ جو عموماً چندہ سے تعمیر کی جاتی ہے۔

(۳) وقفِ سرکاری، جو خلیفہ عادۃً وقف کرتا تھا۔

وقف میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ وقف ہو جانے کے بعد اسے باطل نہیں کیا جا سکتا چنانچہ مقتدر باللہ کی ماں نے اراضی وقف کرنے کے بعد اسے باطل کرنے کی کوشش کی لیکن سودمند نہ ہو سکی۔ بویہی خلفاء نے اس نظام میں تبدیلی کی اور عضد الدولہ نے ۳۷۲ھ میں سوادِ عراق کی تمام اراضی موقوفہ کو حکومت کی ملکیت قرار دیا تھا(۳۲)

(۱) اوقاف کے کتب خانے

مسلمانوں کو شروع ہی سے قرآن مجید سے غیر معمولی شغف اور وابستگی رہی ہے۔ اسے مسجدوں میں رکھا اور جب تعداد زیادہ ہو گئی تو ان کے لئے علیحدہ مکان بنایا جانے لگا تھا۔ عہدِ اموی میں سب سے پہلے ابنِ ابی لیلیٰ انصاری کوفی المتوفی ۷۰۲ء/۸۲ھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے مسجد کے علاوہ ایک جداگانہ مکان میں **بیت المصاحف** بنایا تھا(۳۳) عہدِ عباسی میں "**دارالمصاحف**" زیادہ تر مسجد سے متصل بنائے جاتے تھے اور ان میں مصاحف کے ساتھ دوسرے علوم کی کتابیں بھی رکھی جاتی تھیں لیکن قرآن کے ساتھ نسبتِ خاص کی وجہ سے ان کو "دارالمصاحف" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس قسم کا ایک "**دارالمصاحف**" اصفہان کی جامع مسجد میں تھا جو پانچ سو سے زیادہ سونے چاندی کے کام سے آراستہ، قیمتی و نادر قرآن کے نسخوں پر مشتمل تھا اس میں حضرت ابی بن کعب (۰۰-۲۱ھ/۰۰-۶۱۴۲ء) کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف بھی محفوظ تھا۔ ۲۷ ربیع الآخر ۵۱۵ھ میں جامع اصفہان میں آگ لگی تو دس ہزار دینار کی لکڑی اور پانچ سو قیمتی مصحف بھی جل گئے تھے اس میں یہ مصحف بھی ضائع ہوا تھا(۳۴)

ابو عمرو حارث بن مسکین بن محمد اموی مالکی مصری (۱۵۴-۲۵۰ھ/۷۷۱-۸۳۷ء) محدث حافظ حدیث، فقیہ اور مصنف تھے (۳۵) خلیفہ متوکل عباسی نے انہیں ۲۳۷ھ میں مصر کا قاضی بنایا تھا(۳۶) موصوف نے جامع عمرو بن العاص میں اپنی طرف سے ایک "**دارالمصاحف**" کھولا اور اس میں ایک امین (لائبریرین) مقرر کیا تھا(۳۷) قضاۃ میں پہلا قاضی تھا جس نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا(۳۸)

قاضی ناصرالدین بیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ نے "نظام التواریخ" میں لکھا ہے کہ جامع شیراز جو ایک قدیم مسجد ہے، یہ عمرو بن اللیث المتوفی ۲۸۹ھ نے بنائی تھی۔ اس مسجد میں ایک "**دارالمصاحف**" تھا اور اس میں صحابہ و تابعین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بہت سے قرآن مجید کے نسخے اور سپارے محفوظ تھے اس میں ایک قرآن مجید امیرالمومنین حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، علی بن حسینؓ اور جعفرؓ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے موجود تھے۔ ایک مصحف امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا بھی تھا جس پر ان کے خون کے دھبے تھے۔ فتنہ کے زمانے میں وہاں سے اڑا لیا گیا اور کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی، یہ مسجد اولیاء اللہ سے کبھی خالی نہیں رہتی ہے(۳۹)

اس سے معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں لائبریرین کے لئے "امین" کا لفظ بھی بولا جانے لگا تھا اور آج کل اضافی صورت میں "امین المکتبہ" لائبریرین کے معنی میں عام

استعمال ہوتا ہے۔

(۲) دورِ اموی میں عوامی کتب خانہ

دور اموی میں سب سے پہلے ایک اموی نوجوان عبدالحکیم (عبدالحکم) بن عمرو بن عبداللہ جمحی نے مرکز اسلام مکہ میں ایک عوامی نوعیت کا کتب خانہ علیحدہ مکان میں قائم کیا تھا جس میں ہر فن کی کتابیں جمع کی تھیں (۴۰) اور کھیل کا سامان بھی شطرنج، نرد (پانسہ) اور گوٹی (جس کو آج کل مصری سیجہ کہتے ہیں) جمع کیا تھا۔ یہاں جس کا جی چاہتا کتابیں پڑھتا اور جس کا کتابوں کے مطالعہ سے جی بھر جاتا وہ کپڑے دیوار کی کھونٹیوں میں ٹانگ کر کھیل میں لگ جاتا تھا (۴۱)

یہ پہلی صدی ہجری کے نصف میں اسلام میں پہلا عوامی کتب خانہ تھا جس میں کتابوں کے مطالعہ، کھیل اور تفریح کی سہولت بہم پہنچائی گئی تھی اس تاریخی شہادت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مطالعۂ کتب اور تفریح کی یکجا سہولت بہم پہنچانے کے موجد بھی عرب ہی تھے۔ مستشرقین کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ مسلمانوں نے عوامی کتب خانوں کی عام ضرورت بہت پہلے محسوس کر لی تھی (۴۲) اس کتب خانے میں نامور ادباء و شعراء آتے تھے۔ چنانچہ عربی زبان کا مشہور ہجو گو شاعر عبداللہ احوص المتوفی (۷۲۳ء) ۱۰۵ھ سے پہلے یہاں آتا تھا (۴۳)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دورِ اموی میں (متداول) فنون (تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور طب وغیرہ) کی کتابیں اس میں جمع کی گئی تھیں اور "من کل علم" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فہرست اور کیٹلاگ بھی موضوعی ترتیب پر مرتب تھا۔

عہدِ عباسی میں عوامی کتب خانے

(ا) موصل میں دار العلم (کتب خانہ)

ابو القاسم جعفر بن محمد بن حمدان موصلی شافعی (۲۴۰-۳۲۳ھ / ۸۵۴-۹۳۵ء) رئیس صاحبِ وجاہت، فقیہ، اصولی، متکلم، فلسفی، ہیئت و ریاضی دان مروجہ علومِ اسلامی کا ماہر، لغت کا حافظ، ادب کی کتابوں کا راوی، کثیر التصانیف مصنف تھا۔ (۴۴) ابن الندیم کا بیان ہے

"موصلی، تصنیف و تالیف کا اچھا ذوق رکھتا تھا، شاعر، ادیب، ناقد شعر، کثیر الروایہ، تھا اس کی تصانیف میں "کتاب السرقات" مکمل نہیں ہوئی اگر وہ اس کو پوری کر جاتا تو لوگوں کو اس موضوع پر دوسری کتابوں سے بے نیاز کر جاتا۔ یہ کتابوں کا شوقین تھا بہت کتابیں جمع کی تھیں، موصل میں اس نے ایک دار العلم کھولا اس میں کتب خانہ قائم کیا ہر قسم کی سہولت مہیا کی اور ہر ایک کو اس سے استفادہ کی اجازت حاصل تھی اگر کوئی اجنبی، مسافر علم کا جویا آجاتا نادار ہوتا اس کو یہاں "ورق" کتاب اور "ورق" نقدی بھی ملتی تھی اور اس کی مالی مدد بھی کی جاتی۔ یہ کتب خانہ روزانہ کھلتا کسی دن بند نہیں کیا جاتا تھا۔ (۴۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں معاشرہ کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کو جاری رکھنے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ قوم کی تحقیقاتی سرگرمیوں کے انجام دینے کی غرض سے کتب خانہ میں کسی دن چھٹی نہیں کی جاتی تھی۔ کتب خانہ ہر روز کھلا رکھا جاتا تھا تاکہ قوم کی علمی ترقی کو نقصان نہ پہنچے۔

ابو القاسم اپنی سواری سے اتر کر یہاں آتا تشنگانِ علوم اس کے پاس آکر بیٹھ جاتے یہ انہیں اپنے اشعار اور دوسرے شعراء کا کلام سناتا، قصے اور لطیفے بیان کرتا (۴۷) اس طرح ان میں کتاب اور کتب خانے سے دلچسپی پیدا کرتا، موقعہ بموقعہ نادر تحقیقات اور علمی نکتے سناتا اور فقہی باتیں بتا کر علم کا شیدا بناتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں عوامی کتب خانوں نے اتنی ترقی کرلی تھی کہ کتابوں کے پڑھنے اور ان سے مانوس کرنے کے لئے غریب طلبہ و نادار اہلِ علم کی کتب خانے میں مالی مدد بھی کی جاتی تھی جس کی نظیر موجودہ دور کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی نہیں ملتی۔

ابن الندیم نے ابو القاسم کے مذکورہ بالا محاسن لکھنے کے باوجود اس کتب خانہ کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں اس قسم کے عوامی کتب

خانے قائم کرنا مسلمانوں کا ایک عام دستور بن گیا تھا اس لئے اس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی تھی۔

(۲) بصرہ اور رامہرمز میں دارالکتب

ابو علی بن سوار کاتب (۰۰۔۳۷۲ھ / ۰۰۔۹۸۲ء) علوم و فنون کا دلدادہ کتابوں کا شوقین اور ان کے متعلق بڑی معلومات رکھتا تھا۔ ابن الندیم "صاحب الفہرست" کا دوست تھا۔ ابن الندیم کتابوں کے متعلق اس سے معلومات فراہم کرتا تھا۔ چنانچہ ابوالقاسم بستی کی تالیفات اور بسہت کے بارے میں ابن الندیم کی تحقیقات ابن سوار کی معلومات پر مبنی ہیں۔ اس نے ابن الندیم کو بتایا تھا کہ اس کی فلاں فلاں کتابیں خزانۃ الکتب میں موجود ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابنِ سوار نے اپنے خزانۃ کتب میں کیسی نادر کتابیں جمع کی تھیں (۴۷)۔

اس نے فقیہ ابوالقاسم موصلی کے طرز پر ۳۶۷ھ سے قبل دو "دارالکتب" ایک خوزستان کے شہر رامہرمز میں اور دوسرا بصرہ میں وقف کئے تھے (۴۸)۔

یہاں بھی وہی سہولتیں اور آسانیاں فراہم کی گئی تھیں جو ابنِ حمدان موصلی نے دارالعلم میں مہیا کی تھیں۔ یہاں بھی اگر کوئی کتابیں پڑھتا اور نقل کرنا چاہتا تو اسے کتابوں کے علاوہ نقد روپیہ بھی دیا جاتا تھا (۴۹)

بصرہ کا دارالکتب بہت بڑا اور بہت آباد تھا کتابیں بھی رامہرمز کے دارالکتب کے مقابلہ میں یہاں زیادہ تھیں۔ ایک درسگاہ بھی بنائی گئی تھی جس میں ایک شیخ معتزلی علم کلام پڑھاتا رہتا تھا (۵۰) چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں رامہرمز (فارس) اور بصرہ (عراق) میں اس نوع کے پہلے یہ عوامی کتب خانے تھے۔ ابنِ سوار کا بصرہ کا دارالکتب ایک صدی سے زیادہ محققین، علماء و طلبہ کی علمی تشنگی دور کرتا رہا۔ جمادی الاولیٰ ۴۸۰ھ میں تلیانے بصرہ کو آگ لگائی تو یہ دارالکتب بھی جل کر خاکستر ہو گیا تھا۔ مورخ ابن الجوزی کا بیان ہے۔

"تلیا جو امام مہدی ہونے کا مدعی تھا اس نے بصرہ کو جلایا اور دارالکتب کو بھی جسے عضد الدولہ کی آمد سے پہلے بصرہ میں قائم کیا گیا تھا یہ پہلا دارالکتب تھا جو اسلام میں قائم کیا گیا تھا (۵۱)

بصرہ میں اپنی نوع کا یہ پہلا وقف کہا جا سکتا ہے ورنہ موصل میں ابنِ حمدون موصلی کا پہلا وقف تھا یہ ایسا عمدہ کتب خانہ تھا جس کی دور دور نظیر نہ تھی (۵۲)

عضد الدولہ المتوفی ۳۷۲ھ جس کی حکومت ۳۶۷ھ سے پہلے قائم ہو چکی تھی جب وہ بصرہ میں آیا تو اس نے اس دارالکتب کو دیکھ کر کہا تھا "هذه مكرمة سبقنا اليها" (۵۳) یہ

ایسا خیر کا کارنامہ ہے جس میں ابنِ سوار ہم سے گویا سبقت لے گیا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں عوامی کتب خانوں کے قیام و اہتمام کو کیسی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عضد الدولہ کے ان مذکورۂ بالا الفاظ میں عوامی کتب خانوں کے قیام کا ایک گونہ عزم و ارادہ بھی پایا جاتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تلیا کی بربادی کے بعد بصرہ میں پھر چہل پہل شروع ہوئی تو ابنِ سوار کے اس دار الکتب کو اہلِ بصرہ نے آباد کیا اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل تک اس میں رونق باقی تھی۔ علماء ادباء کی مجلس یہاں جمتی تھی۔ عربی زبان کے نامور ادیب ابو محمد قاسم حریری المتوفی ۵۱۶ھ نے حارث بن ھمام کی زبانی المقامتہ الحلوانیہ میں اس کا نقشہ حسبِ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"میں جب اپنے سفر سے واپس وطن پہنچا تو وہاں کے دار الکتب میں جو ادب آموزوں کی انجمن، اہل بلد اور مسافروں کی ملاقات کا مرکز ہے، آیا تو اچانک ایک گھنی داڑھی والا پراگندہ حال کتب خانہ میں داخل ہوا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کر کے مجمع کے پیچھے بیٹھ گیا اور اپنے صدری علوم (سینہ میں پوشیدہ) کو کھولنے لگا اور اپنی دو ٹوک باتوں سے حاضرین کو محوِ حیرت بنانے لگا جو پاس بیٹھے ہوئے تھے ان سے پوچھنے لگا آپ کونسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک ہیں اس نے جواب دیا "دیوانِ ابی عبادہ" کے مطالعہ میں مصروف ہوں، جس کے کلام کی سب میں شہرت ہے۔ (۵۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتب خانے ثقافتی سرگرمیوں کے مرکز بنے ہوئے تھے۔

(۳) بغداد میں دار العلم

بہاء الدولہ ابو نصر سابور بن اردشیر (۳۳۶-۴۱۶ھ / ۹۵۷-۱۰۲۵ء) نیک، پاک باطن، پاک دامن اور بہت مخیر انسان تھا (۵۵) ۳۸۰ھ میں بہاء الدولہ بن عضد الدولہ نے اسے اپنا وزیر بنایا پھر معزول کیا (۵۶) یہ علم دوست، اہلِ علم کا بڑا قدردان (۵۷) اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ اس نے سرزمینِ بغداد میں سب سے پہلے عوامی کتب خانہ قائم کیا تھا۔ یہ موصوف کا ایسا شاندار کارنامہ ہے جس کی وجہ سے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جاتا رہے گا۔

موصوف نے ۳۸۳ھ / ۹۹۳ء) میں جب بغداد میں کال پڑا ہوا تھا (۵۸) کرخ بین السورین میں جو وسطِ بغداد (۵۹) کا سب سے بڑا، اچھا اور سب سے زیادہ آباد محلہ تھا (۶۰) ایک بہت بڑی حویلی خریدی اسے گرا کر از سرِ نو کتب خانہ کی ضروریات کے مطابق تعمیر کرائی۔ اس پر رنگ کرایا (۶۱) اور اس کا نام دار العلم رکھا (۶۲) اس نام سے ابنِ کثیر کو یہ شبہ ہوا کہ یہ درسگاہ بھی تھی (۶۳) حالانکہ ایسا

نہیں تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وسطِ شہر اور مرکزی مقام پر لائبریری قائم کرنے کا تصور مسلمانوں میں شروع ہی سے تھا البتہ چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں یہ تصور زور پکڑ گیا تھا۔

وزیر موصوف نے اس دارالعلم میں اہلِ علم کے لئے ایک خزانۃ الکتب جو دس ہزار (۱۰٬۰۰۰) سے زیادہ مجلدات پر مشتمل تھا (۶۴) وقف کیا۔ یہ تمامتر جمع کی ہوئی اور خریدی ہوئی کتابیں تھیں (۶۵) اس میں سو (۱۰۰) سے زیادہ نادرہ روزگار خطاطوں کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے محفوظ تھے اور دس ہزار چار سو (۱۰٬۴۰۰) مجلدات تھیں جن میں بیشتر خود علماء و مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے اور کتابیں تھیں یا پھر وہ کتابیں تھیں جو نامور اہلِ علم کے زیر مطالعہ یا ان کی ملکیت میں رہ چکی تھیں۔(۶۶) ابن الجوزی نے ان کی تعداد بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مجلدات بیان کی ہے(۶۷)

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ کا کتابی صورت میں کیٹلاگ بھی موجود تھا۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ اس خزانۃ الکتب کی فہرست (کیٹلاگ) بنوائی گئی تھی (۶۸)

ابونصر سابور نے انتظامی امور اور کتب خانہ کی ترقی کے لئے سب سے پہلے لائبریری کمیٹی کی تشکیل کی(۶۹) اس کے اخراجات پورا کرنے کے لئے زرعی اراضی بھی وقف کی تھی (۷۰) مشہور نحوی و ادیب ابواحمد عبدالسلام بن حسن بصری لغوی المتوفی ۱۰۱۴ء/ ۴۰۵ھ کو اس کا پہلا خازن مقرر کیا گیا تھا(۷۱)

اس دارالعلم کے دروازے ہر ذی علم کے لئے کھلے ہوئے تھے لوگ دور دور سے استفادہ کے لئے یہاں آتے اور کتابیں عاریتہ" لے جاتے تھے۔ چنانچہ ابوالعلاء معری المتوفی ۱۰۵۷ء/ ۴۴۹ھ جب ۹۷۹ء/ ۳۶۹ھ میں بغداد آیا اور ڈیڑھ برس ٹھہرا تو دورانِ قیام اس نے اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھایا چنانچہ ایک قصیدے میں خازنِ کتب عبدالسلام کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

اقراء السلام علی عبدالسلام فلی
جید الی نحوہ مازال ملفوقا(۷۲)

میرا سلام عبدالسلام سے کہو میری گردن اس کی طرف برابر جھکی ہوئی ہے۔

اور اس دارالعلم کا ذکر دوسرے شعر میں اس طرح کیا ہے۔

وغنت لنا في دار سابور قينه
من الورق مطراب الأصائل مهياب (۷۳)

یہ عظیم الشان کتب خانہ پہلی مرتبہ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء طغرل بیگ کی آمد بغداد پر (۷۴) اور ۴۵۱ھ میں شیعہ سنی جھگڑے میں تباہ ہوا تھا (۷۵) ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ میں جب یہ کتب خانہ لٹنے لگا تو عمید الملک کندری نے عوام کو دور ہٹا کر اس نے کتابوں کو علیحدہ کیا اور چھانٹا اس کی وجہ سے مورخ ابن الاثیر نے اسے لٹیروں کے زمرہ میں داخل کیا اس کے اس کارنامہ کو کوئی اچھا فعل نہیں قرار دیا بلکہ اپنے تعصب مذہبی کی بناء پر اس کا موازنہ نظام الملک طوسی سے کیا اور لکھا "عمید الملک کندری اور نظام الملک کے کردار میں کتنا تفاوت ہے نظام الملک وہ ہے جس نے تمام اسلامی شہروں میں مدرسے آباد کئے علوم کی تدوین کا سامان کیا، کتب خانے وغیرہ وقف کئے" (۷۶) اور اس نے خود کتب خانہ لوٹا حالانکہ عمید الملک کندری کا جلتی آگ میں کود کر قیمتی کتابوں کو نکالنا اور انہیں ضیاع سے بچانا کتابوں سے اس کی محبت اور شوق کو ثابت کرتا ہے۔

اس دور میں یہ کتب خانہ اپنی نظیر آپ تھا دنیا میں اس سے زیادہ بہتر کتابیں نہیں تھیں۔ (۷۷)

اخیر زمانہ میں ابو منصور محمد بن احمد بن طاہر بغدادی شیعی المتوفی ۵۱۰ھ کو اس کا خازن (۷۸) اور شریف مرتضیٰ ابو القاسم علی بن الحسن موسوی (۳۵۵-۴۳۶ھ/۹۶۵-۱۰۴۴ء) کو نگرانِ اعلیٰ بنایا گیا تھا۔ موصوف نے اس میں ایک ہوشیار، مشرف افسر بکارِ خاص (Officer on Special Duties) ابو عبداللہ بن احمد کا تقرر کیا یہ بڑا چالاک و عیار تھا۔ ابو منصور کو جل دیتا رہتا اور یہ اس کی جل کو نہیں سمجھتا تھا (۷۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لائبریری میں حسبِ ضرورت ایڈیشنل لائبریرین اور افسر امور بکارِ خاص بھی مقرر کیا جاتا تھا۔

(۴) ہمدان میں دار الکتب

چوتھی صدی ہجری میں ابو جعفر مہلبی ہمدانی نے ہمدان میں ایک عوامی دار الکتب قائم کیا تھا جو بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا (۸۰)

(۵) رے کا عوامی کتب خانہ

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ابن عباد المتوفی ۳۸۵ھ/۹۹۵ء نے رے میں اپنی رباط میں (جو قلعہ تھا) اور رے کے بالائی حصے میں جو محلہ روزہ میں واقعہ تھا، ایک عوامی کتب خانہ قائم کیا

تھا(۸۱) اس رباط کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس میں بیک وقت ایک ہزار (۱۰۰۰) آدمی کھانا کھاتے تھے (۸۲) روزہ بہت آباد مقام تھا یہاں بازار تھا' سرائیں تھیں' مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور سڑک بہت چوڑی تھی تجارت خوب ہوتی تھی (۸۳) بازار کے اس سرے کو جہاں بابویہ آباد تھے سرروزہ اور وسط کو وسط روزہ اور بائیں حصہ کو اسفل روزہ کہتے تھے (۸۴)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مقام ہر اعتبار سے مرکزی مقام تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کتب خانہ اور محل عموماً مرکزی اور نہایت آباد جگہ پر تعمیر کئے جاتے تھے۔

(۶) بغداد میں دارالکتب

ابوالحسن محمد بن ہلال بن المحسن صابی حرانی بغدادی شیعی المعروف بغرس النعمہ (۰۰-۴۸۰/۰۰-۱۰۸۷ء) ادیب' مورخ' کاتب' مصنف اور بہت سے کمالات و فضائل کا جامع تھا۔ خلفاء کے دربار میں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی (۸۵)

۱۰۵۹ء/۴۵۱ھ میں جب وزیر ابو نصر سابور کا دارالعلم محلہ کرخ میں لٹ لٹا کر ختم ہو چکا تو صابی نے رجب ۱۰۶۰ء/۴۵۲ھ میں شارع ابی عون پر اپنے **محل سرا** کے قریب ایک دارالکتب جس میں ایک ہزار کتابیں تھیں وقف کیا تھا۔ (۸۶) اور ابو طاہر بن ابی قیراط علوی کو اس کا خازن مقرر کیا تھا (۸۷) پھر اس میں اضافہ کرتے رہے اور ۱۰۸۷ء/۴۸۰ھ تک اٹھائیس سال کی مدت میں یہ تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) تک پہنچ گئی تھی۔ اس کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں تھیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتب خانہ موضوعی ترتیب پر مرتب تھا اور کتابی صورت میں اس کا کیٹلاگ بھی موجود تھا۔

اس کتب خانہ میں اہلِ علم کی مجلس جمتی تھی چنانچہ ابوالوفاء ابن عقیل المتوفی ۵۱۳ھ کا بیان ہے کہ ہم ایک دن اس کتب خانہ میں گئے تو عقل کے حسن و قبح پر مذاکرہ ہوا تھا جس کی تفصیل موصوف نے "کتاب الفنون" میں نقل کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانے ثقافتی سرگرمیوں کے مرکز ہوتے تھے۔ (۸۸)

ابن الاقساسی علوی اس کا خازن تھا علماء اس کتب خانے سے استفادہ کرتے تھے (۸۹) آخر میں جب یہ کتب خانہ مالی بحران کا شکار ہوا اور خازن کو تنخواہ ملنا بند ہو گئی تو اس نے اس میں تصرف کرنا شروع کیا اور کتابوں سے وقف کا لفظ مٹا کر انہیں فروخت کرنے لگا' ابن الجوزی کا بیان ہے:

”میں نے اس کو بیچنے سے منع کیا تو وہ کہنے لگا کہ دارالکتب النظامیہ کے ہوتے ہوئے

اس کتب خانے کی حاجت نہیں، میں نے کہا وقف شدہ کتابوں کو بیچنا حرام ہے، بولا میں نے ان کی قیمت خیرات کردی ہے۔ (۹۰)

اس سے معلوم ہوا کہ وقف کا لفظ جن کتابوں پر لکھا ہوتا تھا اسے کوئی نہیں خریدتا تھا اس لئے فروخت کے وقت وقف کا لفظ مٹا دیا جاتا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کتب خانہ ۵۷۴ھ / ۱۱۷۰ء میں جو ابن الجوزی کی کتاب **المنتظم** کا سالِ تالیف ہے(۹۱) بربادی کے کنارے آ لگا تھا۔

(۷) بصرہ میں دارالکتب

ابو منصور بن شاہ مردان (۰۰-۰۰) یہ عمادالدولہ ابو کالیجار مرزبان بن ابی شجاع بویہی المتوفی ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء (جس کا دورِ حکمرانی ۴۱۵-۴۴۰ھ / ۱۰۲۴-۱۰۴۸ء تک رہا ہے) کا وزیر تھا(۹۲) اس نے بصرہ میں ابن سوار کاتب المتوفی ۳۷۳ھ / ۹۸۳ء کے دارالکتب کے بعد نہایت نفیس و نادر کتب پر مشتمل کتب خانہ وقف کیا تھا۔ (۹۳) یہ کتب خانہ ۱۰۹۰ء / ۴۸۳ھ میں تلیا کے حملہ بصرہ میں نذر آتش ہوا تھا(۹۴)

(۸) اصفہان میں دارالکتب

عزالدین ابونصر احمد بن حامد بن محمد اصفہانی (۴۷۲ المقتول ۵۲۶ھ / ۱۰۷۹-۱۱۳۲ء) خانوادہ ادباء کا گوہرِ شب چراغ تھا(۹۵) عماد اصفہانی کا چچا نہایت فاضل ادیب و شاعر، مکارم اخلاق کا جامع، سخی و شعراء کا قدردان تھا۔ (۹۶) سلجوقیوں کے دور میں مستوفی کے عہدہ پر ممتاز تھا آخر میں سلطان محمود سلجوقی طغرل ثانی کے خزانۂ شاہی کا متولی و نگران بنایا گیا تھا۔ موصوف نے اصفہان میں ایک دارالکتب بنایا تھا(۹۷)

تذکرہ نگاروں نے موصوف کا تذکرہ کیا ہے لیکن دارالکتب کے قیام کا ذکر نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں، وزیروں، امیروں، صوفیوں اور عالموں کے محل سراؤں، قیام گاہوں میں کتب خانے بنانا اور عوام کے لئے کتب خانے قائم کرنا عام معمول و دستور تھا اس بناء پر مورخین و تذکرہ نگار ہر ایک حاکم و عالم کے تذکرہ میں ان باتوں کے ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے اس لئے زیادہ تفصیلات بھی نہیں ملتی ہیں۔

(۹) بغداد میں ابن القصاب کا دارالعلم

موید الدین **ابوالمظفر** محمد بن علی بن احمد شیرازی (۹۸) ثم بغدادی المعروف بابن

القصاب (۱۱۲۶-۱۱۹۶ء/۵۲۰-۵۹۲ھ) اس کا باپ بغداد میں درب بصریین کے سرے پر گوشت بیچتا تھا اس نے پڑھا اور علوم و آداب میں بصیرت پیدا کی (۹۹) ادیب و شاعر (۱۰۰) مہندس (۱۰۱) اور اچھے خوشنویس کی حیثیت سے شہرت پائی (۱۰۲) ۵۸۴ھ میں بغداد آیا اور دفترِ انشاء کا نگران مقرر ہوا۔ ۵۹۰ھ میں خلیفہ ناصرلدین اللہ نے اس کو اپنا وزیر بنایا۔ (۱۰۳) اس طرح وہ سیف و قلم کا بادشاہ بن گیا یہ علم و اہلِ علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا۔ اس نے بغداد میں درب الخیاطین میں نفیس کتابوں پر مشتمل ایک خزانۃ الکتب قائم کیا اس کا نام "دارالعلم" رکھا اور وقف کیا تھا۔ (۱۰۴) اس نے ہر کتاب پر اپنے قلم سے وقف کی صراحت بھی کی تھی (۱۰۵)

(۱۰) بغداد میں ابن المارستانیہ کا دارالعلم

فخر الدین ابوبکر عبیداللہ بن علی بن نصر تمیمی بکری حنبلی المعروف بابن المارستانیہ (۱۱۴۶-۱۲۰۲ء/۵۴۱-۵۹۹ھ) نامور طبیب (۱۰۶) محدث، فقیہ، مورخ، ادیب و شاعر، فلسفہ، نجوم اور علومِ اوائل کا ماہر تھا (۱۰۷) جامع قصر (جامع سوق الغزل) میں اس نے حدیث کا درس دیا (۱۰۸) باپ بیٹے دونوں شفاخانہ عضدی کے جو دجلہ کے غربی جانب واقع تھا اوقاف کے نگران رہے (۱۰۹) پھر ابن المارستانیہ ترقی کرتے کرتے وزارت کے عہدے پر ممتاز ہوا۔ یہ کتابوں کا شوقین تھا اس نے بہت کتابیں جمع کی تھیں (۱۱۰) اور اپنے ہاتھ سے نقل بھی کی تھیں۔ حدیث کی کتابوں کے بنیادی نسخے حاصل کئے تھے اور اس فن سے اعتناء کیا تھا (۱۱۱)

اس نے درب شاکریہ میں ایک مکان بنوایا اس میں کتب خانہ وقف (۱۱۲) کر کے اس کا نام دارالعلم رکھا (۱۱۳) ۵۹۰ھ میں اوقاف شفاخانہ عضدی میں کوتاہی کے جرم میں ابن المارستانیہ کو دو سال کی سزا ہوئی اور ایک زمانہ تک شفاخانہ میں مجنونوں کے ساتھ داخل رہا۔ "دارالعلم" کی کتابیں فروخت ہوتی رہیں اور ان کا مال و اسباب اور جائیداد سب کچھ ضبط ہو گیا (۱۱۴) دو سال بعد ابن المارستانیہ کو قید سے رہائی نصیب ہوئی پھر قبولِ عام حاصل ہوا۔ حالات بہتر ہوئے اور اس نے از سرِ نو کتب خانہ بنایا (۱۱۵)

(۱۱) بوزجان میں کتب خانہ

بوزجان جو نیشاپور اور ہرات کے مابین خراسان کا ایک بہت چھوٹا شہر ہے۔ (۱۱۶) اس میں ایک عوامی کتب خانہ تھا جسے تذکرہ نگاروں نے "بیت کتب بوزجان" کے نام سے ذکر کیا ہے اس میں ہر علم و فن کی کتابیں جمع تھیں اس میں ابنِ سینا کی کتاب الحاصل والمحصول کا نسخہ ظہیرالدین بیہقی المتوفی ۵۶۵ھ کے زمانہ تک موجود تھا (۱۱۷)

(۱۲) سرخس میں کتب خانہ

سرخس، خراسان میں نیشاپور اور مرو کے مابین ایک قدیم شہر ہے اس میں بھی ایک عوامی کتب خانہ بہت سے نوادر کا جامع تھا۔ خواجہ ابوالفضل محمد بن الحسن بیہقی المتوفی ۴۷۰ھ نے تاریخ آلِ محمود (غزوی) جو تیس (۳۰) جلدوں میں تھی اس کی بعض جلدیں کتب خانے میں محفوظ دیکھی تھیں (۱۱۸)

(۱۳) جنزہ میں کتب خانہ

جنزہ یہ اران کا شہر ہے جو شروان اور آذربیجان کے وسط میں واقع تھا عوام اسے کنجہ کہتے تھے یہاں سے اہلِ علم کی ایک جماعت نکلی ہے(۱۱۹) پانچویں صدی ہجری میں یہاں ایک عوامی دارالکتب تھا اس میں اتنی کتابیں تھیں کہ اس کے لئے ایک مستقل لائبریرین رکھا گیا تھا(۱۲۰)

(۱۴) بغداد میں کتب خانہ خطیب بغدادی

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت المعروف خطیب بغدادی شافعی (۱۰۰۲-۱۰۷۲ء/ ۳۹۳-۴۶۳ھ) محدث، حافظ حدیث، فقیہ، مورخ، ادیب، شاعر، مصنف (۱۲۱) زود نویس و خوشنویس تھے(۱۲۲) کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ موصوف نے شام میں مورخ صوری کا بارہ (۱۲) بارشتر کتب خانہ ان کی بہن سے خریدا تھا(۱۲۳) خطیب سفر میں بھی ایک بارشتر کتب خانہ ساتھ رکھتے تھے، جب حج کیا تو بھی ایک بارشتر کتب خانہ ساتھ تھا(۱۲۴) ان کا ذاتی کتب خانہ بہت اچھا اور کئی کتب خانوں کا جامع تھا۔ انتقال سے پہلے مسلمانوں پر وقف کیا اور فضل بن خیرون کو اس کا نگران بنایا تھا ان کے متبنی فضل کی نگرانی میں رہا، گھر میں آگ لگی تو وہ برباد ہو گیا(۱۲۵)

(۱۵) بغداد میں حازمی کا کتب خانہ

زین الدین ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان حازمی ہمدانی شافعی (۵۴۸-۵۸۴ھ/ ۱۱۵۳-۱۱۸۸ء) محدث، حافظ حدیث، فقیہ، مورخ، انساب کے عالم، عابد، زاہد و کثیر التصانیف مصنف تھے (۱۲۶) تحصیلِ علوم کے لئے شام، حجاز، عراق کا سفر کیا اور بہت لکھا تھا۔ بغداد میں رباط بدیع میں رہتے تھے رات کو کمرہ میں داخل ہوتے پوری رات مطالعہ کرتے اور لکھتے رہتے تھے(۱۲۷) حازمی نے اپنا کتب خانہ اصحابِ حدیث پر وقف کیا تھا(۱۲۷)

(۱٦) فاری سلامی کا کتب خانہ

ابوالفضل محمد بن ناصر بن محمد فاری سلامی بغدادی شافعی ثم حنبلی (۱۲۹) (۴٦۷-۵۰۰ھ / ۱۰۷۵-۱۱۵۵ء) محدث عراق، حافظ حدیث، فقیہ، ادیب، مدرس و مصنف تھے (۱۳۰) حدیث پڑھاتے اور ادب کی کتابوں کو پڑھانے پر اجرت لیتے تھے (۱۳۱) صحیح لکھتے اور اچھا نقل کرتے تھے (۱۳۲) ابن الجوزی نے ۳۰ برس تک ان سے استفادہ کیا تھا اور جتنا ان سے استفادہ کیا کسی سے نہیں کیا (۱۳۳) فقیر منش بزرگ تھے (۱۳۴) مگر کتب خانہ بڑا رکھتے تھے۔ موصوف نے نہایت صحیح و اصلی نسخے جمع کئے تھے انہوں نے اپنا کتب خانہ محدثین پر وقف کیا تھا (۱۳۵)

اس کتب خانے کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا۔ وہ ابن الجوزی کے مطالعہ سے گزرا تھا (۱۳٦) یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ موصوف نے بغداد میں کہاں یہ کتب خانہ وقف کیا تھا۔ مرتے وقت تن کے کپڑے اور تین دینار چھوڑے تھے اولاد کوئی نہ تھی، کتب خانہ پہلے ہی وقف کر چکے تھے۔

(۱۷) دومی مستظہری کا کتب خانہ

ابوالحسن منتخب بن عبداللہ دومی مستظہری (۰۰-۵۰۸ھ / ۰۰-۱۱۱۴ء) دولتمند و زاہد تھے (۱۳۷) ان کے پاس کتابوں کا ذخیرہ تھا جو موصوف نے محدثین پر وقف کیا تھا اور ان موقوفہ کتابوں مین مسند احمد بن حنبل بھی تھی (۱۳۸)

(۱۸) ابی قفل کا کتب خانہ

ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد زیادی عمدی حضرمی شافعی المعروف بابی قفل (۵۵۹-٦۳۱ھ / ۱۱٦۳-۱۲۳۳ء) حافظ حدیث و محدث تھے ایک زمانہ تک مسجد ابان کی امامت کی پھر اس کے مشرق میں ایک نہایت عمدہ مسجد بنوائی اور تاحیات اس مسجد میں رہے، اپنے قلم سے بہت حدیثیں لکھیں تھیں موصوف نے اپنا ذاتی کتب خانہ مکہ معظمہ میں وقف کیا تھا (۱۳۹)

(۱۹) سویدی کا کتب خانہ

برہان الدین سویدی المتوفی ٦۵٦ھ عالم اور مدرسہ عادلیہ میں استاد تھے ان کے پاس کتب خانہ تھا جو موصوف نے مدرسہ ابن رواحہ میں وقف کیا تھا (۱۴۰)

(ب) مسجدوں کے کتب خانے

علم اور عبادت کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے تاریخ شاہد ہے کہ عبادت گاہوں میں جو بول بولے جاتے، کسی بھی زبان میں حمد و ثنا کے جو گیت گائے جاتے ان کا مقدس ذخیرہ کسی بھی شکل میں کتنا ہی محدود سہی ہمیشہ معبدوں (Churches)، مندروں (Temples) اور آتشکدوں (Fire-Temples) میں رہا ہے جو مذکورۂ بالا دعوے کا نہایت بین ثبوت ہے۔

پنڈتوں، مہنتوں، موبدوں، راہبوں اور پادریوں کی علم پر اجارہ داری نے علم کو فروغ پانے سے روکا اور عوام کو جب ان مقدس عبادت گاہوں میں بھی علم کی روشنی سے محروم رکھا جانے لگا تو علم کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا۔ نہ علم پھل پھول سکا نہ اس میں تنوع و کثرت پیدا ہو سکی نہ وسائلِ کتابت و موادِ کتابت پروان چڑھ سکی اور نہ ان کتب خانوں کو عوامی کتب خانوں کا مقام حاصل ہو سکا۔ عوام کی شرحِ پیدائش میں روز افزوں ترقی کے باوجود شرحِ خواندگی کم سے کمتر ہوتی چلی گئی اور عبادت گاہوں میں جو عوام میں فروغِ علم کی اصل جگہیں تھیں علم و کتاب اور ذخیرۂ کتب تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔

اسلام نے بنی نوع انسان کو علم کی آزادی بخشی، قرأت و کتابتِ علم کو بنی نوع انسان کی اولین و بنیادی ضرورت قرار دے کر ہر فرد کو پڑھنے لکھنے کا پابند کیا علم کی تحصیل کا حکم دیا گیا "اقرأ" پڑھ، یہ وحی غار حراء میں جو ان دنوں آنحضرت ﷺ کی عبادت گاہ تھی اتری اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ قرأت و کتابت اور احیاءِ علوم کی عالمگیر تحریک کا آغاز ایک عبادت گاہ سے ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی عوامی و خصوصی تعلیم و تحریکِ احیاءِ علوم کا آغاز ایک عوامی عبادت گاہ، مسجد ہی سے کیا اور قدرے سہولت کے بعد سب سے پہلے مسجد میں عوام کے لئے تحصیل علم کی سہولتیں مہیا کیں۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے مساجد و مراکزِ عبادت میں علم و عرفان کو عام کرنے پر اس لئے زور دیا تھا کہ یہاں صحیح عقائد اور سچی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوتا تھا گمراہی و بدعت کو پنپنے کا موقعہ نہ مل سکتا تھا عالم و جاہل ہر مسلمان کو ان مراکز میں عبادت کے لئے آنے جانے کی آزادی تھی ہر استاد کی باتیں شعوری و غیر شعوری طور پر اس کے کانوں میں پڑتی تھیں، کسی کو اسلام کے خلاف کوئی بات کہنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی اس طرح ہر امر میں قرآن و سنت پر مبنی علوم کو فروغ حاصل ہوتا تھا۔

خلافتِ راشدہ میں سرکار کی زیرِ سرپرستی مساجد کو معاشرتی ثقافتی مراکز کی حیثیت سے فروغ دینے کے لئے خلفاء نے ان میں کتاب اللہ کو رکھوا کر ذخیرۂ کتب کا اہتمام کیا تھا۔ یہی خشت

اول مسلمانوں میں آج تک اساس بنی ہوئی ہے چنانچہ عہدِ خلافت راشدہ (۶۳۲-۶۶۱ء/۱۱-۴۰ھ) اور دورِ اموی (۶۶۱-۷۵۰ء/۴۱-۱۳۲ھ) میں مسجدِ نبوی ﷺ، بیت الحرام، جامع دمشق، جامع بصرہ، و کوفہ کو عظیم دانشگاہوں کی حیثیت حاصل رہی، ان کی وجہ سے ان شہروں کو علومِ قرآن و سنت کی اشاعت میں امتیازِ خاص حاصل رہا ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں!

"پانچ شہر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام وہ ہیں جہاں سے علومِ نبوت، علومِ ایمانی، علومِ قرآن اور علومِ شریعت نکلتے ہیں۔ (۱۴۱)

کتاب اللہ کی تدوین اس کی قرأت و کتابت مسجد میں ہوئی تھی اس لئے علماء بھی برکت و قبولیت کی خاطر تعلیم و تدریس اور تصانیف کا آغاز بھی مسجد میں کرتے تھے چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی ترتیب و تالیف کا کام مسجد حرام میں اور ترجمۃ الابواب کے لکھنے کا کام مسجد نبوی میں روضہ شریفہ کے سامنے کیا تھا (۱۴۲) مسجدیں عہدِ عباسی میں قرأت و کتابت، تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف کا مرکز رہی ہیں۔

ابتداءِ عہدِ عباسی میں مسجدیں ہی درس گاہ، کتاب بنی ہوئی تھیں چنانچہ ہسپانیہ اندلس میں جامع قرطبہ (۱۴۳) اور افریقہ میں فاس میں جامع القرویین جسے محمد فہری کی بیٹی فاطمہ و مریم نے ۸۵۹ء/۲۴۵ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ تیسری صدی ہجری میں یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور جہل کی تاریکیاں چھٹنے لگیں۔ اسلامی ثقافت اور عربی تمدن افریقہ میں پھیلنا شروع ہوا یہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول و کلام، ادب، صرف و نحو، معانی و بیان، فلسفہ و حکمت، فلکیات، طب، ہندسہ کی دانشگاہ بن گئی اور اسے جامعۃ الاندلس کہا جانے لگا۔ علماء کہتے ہیں "علم مدینہ میں پیدا ہوا، مکہ میں نشوونما ہوئی، مصر میں پسائی اور فاس میں چھنائی ہوئی، عبدالواحد مراکشی المتوفی ۶۴۷ھ/۱۲۵۰ء نے فاس کے متعلق کہا ہے، ہمارے زمانے میں فاس مغرب کا دارالخلافہ، علم کا ٹھکانہ، قیروان و قرطبہ کے علوم کا جامع ہے اسے بغدادِ مغرب کہا جاتا ہے (۱۴۴) آج بھی اس کا خزانۃ الکتب علمی دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے۔

جامع زیتونیہ تونس جسے عامل بنی امیہ ابن الحجاب نے ۷۳۲ء/۱۱۴ھ) میں بنایا تھا اس میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور اس کے کتب خانہ کی بھی شہرت ہے (۱۴۵)

جامع قیروان، اسے فاتح افریقہ عقبہ بن نافع نے پہلے ۵۰ھ میں پھر ۸۶ھ میں منہدم کرا کر دوبارہ تعمیر کرائی تھی یہ شمالی افریقہ میں عہدِ اغالبہ میں اہم ثقافتی مرکز رہی، حاکم فاطمی کے تسلط کے بعد اس کی علمی حیثیت کو ٹھیس پہنچی لیکن شاہانِ صنہاجہ کے دور میں اسے عروج حاصل ہوا اور آج تک اس کی عظمت برقرار ہے (۱۴۶) جامع ازہر کا تذکرہ باب سوم میں گزر چکا ہے۔

اسلامی دنیا کے یہ چار جوامع، جامع ازہر، جامع زیتونیہ، جامع قرویین، اور جامع قیروان جن میں آج بھی علمی و ثقافتی سرگرمیاں جاری ہیں، عہدِ عباسی کی علمی سرگرمیوں کی یاد تازہ کرتی ہیں ان کے کتب خانے اس کی نہایت واضح دلیل ہیں کہ مساجد کی درسگاہوں کے کتب خانوں کی تاریخ نہایت قدیم ہے اور اس کا سلسلہ مسلمانوں میں اب تک قائم ہے۔

عہدِ عباسی میں دار الخلافہ بغداد میں جامع منصور (۱۴۷) جامع رصافہ (۱۴۸) جامع قصر (۱۴۹) اصفہان میں جامع اصفہان (۱۵۰) کو، مصر میں جامع ابنِ طولون اور نیشاپور میں جامع نیشاپور (۱۵۱) کو بھی یہی امتیاز و فخر حاصل تھا ان کا کوئی گوشہ کسی امام کے نام اور کوئی ستون کسی کے نام سے موسوم تھا (۱۵۲)

ان مساجد کو ایسی مرکزی دانشگاہ کی حیثیت حاصل تھی کہ ان میں پڑھانے کی آرزو حاصلِ زندگی بن گئی تھی جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا کہ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۴ھ نے زمزم پی کر یہی دعا کی تھی کہ بارِ الہا! مجھے جامع منصور میں درس حدیث کی توفیق ارزانی فرما” (۱۵۳)

چوتھی صدی ہجری میں ان مساجد میں ”علمی مجالس کی تعداد سینکڑوں تک پہنچنے لگی تھی چنانچہ جامع قاہرہ میں عشاء کے وقت ایک سو دس (۱۱۰) علمی مجلسیں شمار کی گئی تھیں (۱۵۴) دیارِ مغرب (ہسپانیہ) میں مساجد ہی کو ہمیشہ مدارس کی حیثیت حاصل رہی اور اندلس میں مساجد سے علیحدہ مدارس کا قیام ہی عمل میں نہیں آیا (۱۵۵)

ان وجوہ سے عہدِ عباسی میں مسجدیں عمومی اور خصوصی دونوں قسم کی تعلیم کا مرکز رہی ہیں ہر بڑی مسجد جسے مسجد جامع یا مسجد کبیر کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اس میں مدرسہ اور کتب خانہ بھی بڑا ہوتا تھا (۱۵۶) چھوٹی مسجدوں میں جن کی تعداد زیادہ ہوتی تھی مکتب بنایا جاتا تھا ان میں گویا ابتدائی اور متوسط درجہ کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔ جن مساجد میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی طلبہ کے قیام و طعام کا بندوبست کیا جاتا ان میں کتب خانہ بھی بڑا بنایا جاتا تھا ہر چھوٹی بڑی مسجد میں فرمانرواؤں اور عوام و خواص کی طرف سے کتابیں اور کتب خانے وقف کئے جاتے تھے اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے، مسجدیں چونکہ وقف ہوتی ہیں اس لئے ان میں ہر چھوٹا بڑا بلا روک ٹوک آتا استفادہ کرتا تھا۔

تعلیمی ضروریات کی تکمیل کی غرض سے ان میں کتب خانے قائم کئے جاتے یا مسجدوں سے متصل بنائے جاتے تھے اس لئے یہ کتب خانے ہمیشہ اخلاقی گندگیوں سے پاک صاف رہے۔

مساجد کے کتب خانے دینی علوم ہی کی کتابوں پر مشتمل نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر علم و فن کی کتابوں کے جامع تھے۔ سائنسی علوم و فلسفہ پر بھی ان میں کتابیں رکھی جاتی تھیں (۱۵۷) نقل و

مطالعہ کی سہولت، کتب خانہ ہی میں مہیا نہیں کی جاتی تھی بلکہ کتب خانہ سے باہر بھی اہلِ علم کو کتابیں عاریۃً دی جاتی تھیں

ان کتب خانوں کی کثرت و ندرت اور ان کے استعمال کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض مساجد کے کتب خانوں سے اہلِ علم اور محققین کو بیک وقت دو سو (۲۰۰) حوالے کی کتابیں گھر لے جانے کی اجازت حاصل تھی (۱۵۸)

عہدِ عباسی میں کتابیں زرِ خالص کی حیثیت رکھتی تھیں پھر ان پر سونا چاندی منڈھا جاتا، طلا کاری و زرپاشی کی جاتی تھی اس بناء پر وہ بہت گراں قیمت میں خریدی جاتی تھیں اور بہت ہی قیمتی سرمایہ سمجھی جاتی تھیں۔ انہیں مسجدوں کے کتب خانوں میں بھی رکھا جاتا تھا اس لئے یہ مسجدیں بھی لٹتی رہتی تھیں اور کتب خانوں پر بھی تباہی آتی رہتی تھی۔ (۱۵۹)

مسجدیں کثرت سے بنائی جاتی تھیں، ان میں کتب خانے بھی کثرت سے قائم کئے جاتے تھے۔ مورخین ان کتب خانوں سے استفادہ کرتے یا ان میں کوئی نادر کتاب پاتے یا کوئی نامور عالم ان میں اپنا ذخیرۂ کتب وقف کرتا تو تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں ضمناً اس مسجد کے کتب خانے کا ذکر بھی کر جاتا تھا عہدِ عباسی کی تمام مساجد کے کتب خانوں کا احاطہ اس مقالہ میں ممکن نہیں یہ موضوع ایک اور تحقیقی مقالہ کا محتاج ہے تاہم یہاں اس قسم کے چند مشہور کتب خانوں کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے عہدِ عباسی میں مساجد کے کتب خانوں کی اہمیت، افادیت اور خدمات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کتب خانہ جامع حلب

حلب میں جامع اموی حلب کا کتب خانہ قدیم ترین کتب خانہ تھا جسے سیف الدولہ علی بن عبداللہ بن حمدون تغلبی المتوفی ۳۵۶ھ/۹۶۶ء نے ۲۳۳ھ / ۹۴۴ء میں حلب پر قبضے کے بعد قائم کیا تھا اس میں مختلف علوم و فنون کی دس ہزار (۱۰،۰۰۰) مجلدات تھیں (۱۶۰) یہ کتب خانہ ۱۰۶۷ء / ۴۶۰ھ) تک اہلِ علم کی خدمت کرتا رہا اور جب اس کے خازن ثابت بن اسلم نحوی کو اسماعیلیہ نے گرفتار کر کے مصر میں پھانسی دی تو اس عظیم الشان کتب خانے کو نذرِ آتش کیا گیا (۱۶۱) مگر معلوم ہوتا ہے کہ جامع حلب کا یہ کتب خانہ پھر آباد ہوا۔ ۵۷۹ھ / ۱۱۸۳ء میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی حلب پر قابض ہوا اور جامع اموی حلب میں پہنچا تو اس کے فرزند ملک افضل کے اتالیق تاج الدین محمد خراسانی مسعودی المتوفی ۵۸۴ھ / ۱۱۸۸ء کو یہ کتب خانہ مباح کر دیا انہوں نے اس سے ایک بار شتر کتابیں انتخاب کیں تھیں (۱۶۲) بااین ہمہ افتاد جامع حلب کا یہ کتب خانہ کسی نہ کسی صورت میں نویں صدی ہجری تک باقی رہا چنانچہ علامہ غرس الدین خلیل بن احمد حلبی نے شجرۃ الافادہ جو لوہے تانبے اور پتھر سے ایک خوشنما موٹا تنے دار درخت بنایا تھا۔ اس میں ریاضی کے اصول کو جدولوں اور خطوط کی صورت میں دکھایا گیا تھا اس کی ٹہنیوں اور پتوں پر علوم ریاضی کے اصول میں سے کسی اصول کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ریاضی کے طلبہ اس سے استفادہ کرنے کے لئے دور دراز سے حلب پہنچتے تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں اس کتب خانہ کو ادارہ اوقاف نے مدرسہ اسلامیہ خسرویہ میں پھر ۱۳۴۵ھ میں اسے دار الکتب الاسلامیہ مدرسہ اشرفیہ میں شامل کر دیا۔ (۱۶۳)

(۲) جامعہ دمشق کا کتب خانہ

ابوالفضل احمد بن علی بن الفضل معتزلی رافضی (۴۲۱ - ۴۹۴ھ / ۱۰۲۰ - ۱۱۰۰ء) کو حدیث و شعر سے دلچسپی تھی اس کا ذاتی کتب خانہ تھا جسے موصوف نے جامع دمشق میں وقف کیا تھا (۱۶۴) اس سے معلوم ہوا کہ جامعات اور مسجدوں کے ذخیروں میں اضافہ کا باعث وقف شدہ کتابیں ہوتی تھیں۔

(۳) جامعیہ میافارقین اور جامع آمد میں کتب خانے

ابو نصر احمد بن یوسف سلیکی منازی (۰۰ - ۱۰۴۵ء / ۰۰ - ۴۳۷ھ) شاہ میافارقین ابو نصر احمد بن مروان کردی المتوفی ۴۵۲ھ کا وزیر ادیب، صاحب دیوان شاعر (۱۶۵) اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں پھر اپنا ذخیرۂ کتاب جامع میافارقین اور جامع آمد میں وقف کیا تھا جو کتب

المنازی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ذخیرہ مورخ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ کے زمانہ تک محفوظ تھا(۱۶۶)

(۴) جامع مرو اور جامع نیشاپور میں کتب خانے

ابو علی حسان بن سعید بن حبان مخزومی **منیعی** مروروذی نیشاپوری (۰۰۔ ۴۶۳ھ / ۰۰۔ ۱۰۷۰ء) فقیہ، محدث، بلند پایہ صوفی، مخیر رئیس اور دولتمند تھے۔ تجارت کی اس سے بہت نفع ہوا (۱۶۷) پھر حدیث کی طرف رغبت ہوئی تو سفر کر کے شیوخ حدیث سے اس کی تحصیل و تکمیل کی، زہد اختیار کیا اور عوام و خواص میں ہر دلعزیز ہو گئے۔ خیر کے بہت کام کئے، مسجدیں، سرائیں بنوائیں، کنویں کھدوائے، پل بنوائے، مدرسے کھولے، کتب خانے قائم کئے، ان کے مصارف کی تکمیل کے لئے اوقاف چھوڑے۔ (۱۶۸)

قصرِ رصح پر جو خراسان کے راستے میں پہلی منزل اور نیشاپور سے ساٹھ فرسخ پر واقع ہے نہایت عمدہ سرائے بنوائی تھی۔ مورخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے۔

بنی الابنیه المیمونه ..... من المدارس و بیت الکتب (۱۶۹) موصوف نے مدارس اور کتب خانوں کی مفید و بابرکت بنیادیں رکھی تھیں۔ علماء کی تربیت بھی کی تھی (۱۷۰)

موصوف نے دو مسجدیں ایک مروروذ میں ۵۱۰ھ سے قبل اور دوسری نیشاپور میں بنوائی تھی ان میں تعلیم کا انتظام کیا اور کتب خانہ بھی قائم کیا تھا (۱۷۱) جو موصوف کی نسبت منیعی سے مشہور ہیں ان میں چونکہ ائمۂ فن نے درس دیا تھا یہ درسگاہ اور کتب خانے کی حیثیت سے تاریخ میں غیرفانی شہرت کی حامل ہیں۔ جامع **منیعی** نیشاپور میں محمود رشیدی نے اپنا کتب خانہ بھی وقف کیا تھا جیسا کہ محمود رشیدی کے تذکرہ میں مذکور ہے۔

بیت الکتب کا ذکر صرف مورخ عبدالغافر فارسی نے کیا ہے کسی اور مورخ نے نہیں کیا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مساجد و مدارس میں عموماً کتب خانے بنائے جاتے تھے۔ شہرت کی بناء پر ان کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔

(۵) جامع قزوین میں کتب خانہ

ابو غانم حسین بن عیسی کندری (۰۰۔۰۰) شیخ ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی صوفی المتوفی (۱۰۲۱ء / ۴۱۲ھ) کے تلمیذ تھے موصوف نے سلمی کی تصانیف کو نقل کیا کتابوں کو جمع کیا پھر یہ ذخیرہ جامع قزوین میں وقف کیا تھا۔ موصوف کا ذخیرہ جن صندوقوں میں رکھا ہوا تھا ان پر ان کے نام کی چٹ لگی ہوئی تھی یہ صندوق "العثمانی" کے نام سے موسوم تھے ان کے ساتھ ابوالحسن علی بن علی کندری نے بھی کتابیں وقف کی تھیں اس لئے سمعانی نے دونوں کا تذکرہ ایک ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "وقفا کتباً کثیرۃً" (۱۷۲) ان دونوں نے بہت کتابیں وقف کی تھیں لیکن تذکرہ نگاروں نے بطور تمثیل ایک صندوق کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے مورخین نے اس واقعہ کا ذکر ۴۵۷ھ کے واقعات کے ذیل میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں سالِ مذکور میں وقف کی گئی تھیں۔ (۱۷۳)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شخصی ذخیروں کو بھی کتب خانہ میں ممتاز کر کے رکھا جاتا تھا۔ ابوالحسن علی بن علی کندری کے ذخیرۂ کتب کا اوپر تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

(۶) جامع اصفہان میں دارالکتب

تاج الملک ابوالغنائم مرزبان بن خسرو فیروز (۰۰۔۴۸۵ھ / ۰۰۔۱۰۹۲ء) ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا۔ موصوف نے جامعہ نظامیہ کے بعد ۱۰۵۹ء / ۴۸۳ھ میں بغداد میں مدرسہ تاجیہ قائم کیا (۱۷۴) اور ایک دارالکتب جامع اصفہان میں بھی وقف کیا تھا۔ اس میں بہت نادر کتابیں جمع کی تھیں اس دارالکتب میں عمادالدین کاتب اصفہانی المتوفی (۵۹۷ھ / ۱۲۰۰ء نے ۵۵۱ھ / ۱۱۵۶ء میں علی بن الحسین باخرزی المتوفی ۱۰۷۴ء / ۴۶۷ھ کی کتاب **دمیۃ القصر** کا مطالعہ کیا جس نے خریدۃ القصر و جریدۃ العصر کی تالیف پر آمادہ کیا (۱۷۵) اور بلادِ شرقیہ کے نامور شعراء کو حیاتِ جاوید ملی۔

(۷) جامع صروف میں کتب خانہ

مدرسہ جامع صروف------ یہ یمن کی چھوٹے سے شہر صروف کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ تھا جس میں فقیہ عبداللہ بن محمد بن سالم المتوفی ۵۰۰ھ پڑھاتے تھے (۱۷۶)

(۸) جامع عتیق میں کتب خانہ

مدرسہ جامع عتیق، یہ مدرسہ شیخ موفق الدین جو سر بن عبداللہ **معظمی** نے جامع عتیق میں بنایا تھا اس میں فقیہ محمد عبدالملک المتوفی ۵۷۰ھ پڑھاتے تھے (۱۷۷)۔ گو ان میں کتب خانہ کی صراحت نہیں کی گئی ہے لیکن مدرسہ کی تصریح خزانۃ الکتب کی نشاندہی کرتی ہے یہ چند ایسے مدارس ہیں جن کا تذکرہ ناجی معروف سے بھی "علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی" میں رہ گیا ہے اس لئے ان کا ذکر ضروری تھا۔

(۹) جامع منیعی نیشاپور میں کتب خانہ

ابوالمعالی محمود (۱۷۸) بن محمد بن محمود رشیدی (۰۰-۰۰) ادیب لغوی (علوم قدیمی) کے دلدادہ، علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ کے استاد اور محمد بن محمود تاجر (۴۱۱-۴۸۷ھ) کے فرزند تھے ان کا بھی کتب خانہ تھا جو علومِ ادبیہ و لغت، علومِ قدیمہ، فلسفہ، ریاضیات و فلکیات پر مشتمل تھا۔ موصوف نے یہ کتب خانہ نیشاپور میں وقف کیا تھا۔ فتنہ غز میں جامع **منیعی** کا کتب خانہ جل گیا اس میں یہ ذخیرہ بھی جلا تھا (۱۷۹) اس سے ثابت ہوا کہ مسجدوں کے کتب خانوں میں ہر موضوع کی کتابیں رکھی جاتی تھیں۔

(۱۰) جامع ساوہ میں کتب خانہ

موفق الدولہ ابو طاہر کمال الدین خاتونی ساوی (۰۰- بعد ۵۴۷ھ / ۰۰- ۱۱۵۲ء) فارسی زبان کا ادیب و شاعر، فلکی، ریاضی دان و مصنف تھا محمد بن ملکشاہ کی ملکہ گوہر خاتون کا مستوفی (بخشی) تھا اس لئے خاتونی کی نسبت سے مشہور تھا (۱۸۰) قزوینی نے موصوف کی نسبت وزیر کا لفظ بھی لکھا ہے۔ فارسی زبان میں مناقب الشعراء اور تاریخ السلاجقہ اس سے یادگار ہیں۔ قزوینی کا بیان ہے "وسطِ جامع ساوہ میں ایک کتب خانہ، کتب خانہ وزیر ابوطاہر خاتونی کے نام سے مشہور ہے اس میں اس دور تک کی ہر کتاب (Current Literature) مہیا کی گئی ہے اس میں نامور علماء و خطاط کی لکھی ہوئی نادر کتابیں اور نوشتے موجود ہیں نیز فلکی آلات، اصطرلاب اور کرے رکھے ہوئے ہیں (۱۸۲) یہ ایک ایسا کتب خانہ تھا جس سے بڑھ کر کتب خانہ دنیا میں نہیں تھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تاتاریوں نے اس کو جلا دیا ہے"۔ (۱۸۳)

اس کتب خانہ میں اہلِ **تشیع** کی بھی ساری بنیادی کتابیں موجود تھیں۔ (۱۸۴) یہ ایک ایسا کتب خانہ تھا جس میں **رصد گاہ** کا سامان بھی فراہم کیا گیا تھا نیز معلوم ہوا کہ کتب خانہ میں

عصبیت نہیں برتی جاتی تھی ہر مکتبۂ فکر کی کتابیں جمع کی گئی تھیں اور ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو اس سے استفادہ کی سہولتیں حاصل تھیں۔ بلادِ اسلامی میں اس میں کتب خانہ کو بہت شہرت حاصل تھی۔ ابو طاہر خاتونی نے مرو شاہجہاں میں بھی ایک مدرسہ بنوایا اور اس میں کتب خانہ وقف کیا تھا یہ بھی کتابوں کی ندرت و کثرت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ یاقوت نے اس کو دیکھا اور اس سے فائدہ اٹھایا تھا۔

مرو میں دس عوامی کتب خانوں میں کتابوں کا نہایت نایاب ذخیرہ محفوظ تھا اور اہلِ مرو ہر استفادہ کرنے والے کو ایسی سہولت بہم پہنچاتے تھے کہ وہ ان کتب خانوں کا ہو کر رہ جاتا تھا اور اس کا دل پھر مرو چھوڑنے کو نہیں چاہتا تھا۔

یاقوت کا بیان ہے ”یہاں دس (۱۰) کتب خانے موجود تھے میں نے کثرت اور نسخوں کی صحت و نفاست کے اعتبار سے ان سے اچھے کتب خانے دنیا میں کہیں نہیں دیکھے میں تین برس یہاں رہا اگر تاتاریوں کے حملے اور ان کی لوٹ مار کا خطرہ نہ ہوتا تو مرتے دم تک یہاں سے نہ جاتا“۔ (۱۸۵)

استفادہ کی سہولت کا حال بھی اس کی زبانی سنئے وہ کہتا ہے ” میں ان کتب خانوں سے دو سو (۲۰۰) مجلد کتابیں جن کی قیمت دو سو (۲۰۰) دینار ہوتی تھی (جبکہ پانچ سو دینار میں کتب خانہ رہن رکھا جاتا تھا) مستعار کتابیں اپنی قیام گاہ پر لے جاتا اور ان سے استفادہ کرتا‘ اقتباس لیتا رہتا تھا‘ ان کی محبت و الفت نے تمام شہروں کو بھلا دیا تھا میں تو اہل و عیال کو بھی بھول گیا تھا میری یہ کتاب معجم البلدان اور بعض دوسری کتابوں کے بیشتر مضامین ان کتب خانوں کے رہینِ منت ہیں۔ (۱۸۶)

یاقوت کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دوسری اقسام کے کتب خانوں کے علاوہ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا‘ مرو میں دس پبلک لائبریریاں ایسی موجود تھیں جہاں عاریت کے قواعد و ضوابط کی رعایت رکھتے ہوئے علمی شخصیتوں کو ایک ہی وقت میں دو سو (۲۰۰) دینار کی کتابیں جن کی تعدادِ سینکڑوں جلدوں تک پہنچتی تھی اور ان میں بھی زیادہ تر حوالے کی کتابیں ہوتی تھیں۔ عاریتاً دی جاتی تھیں اور کوئی شخصی ضمانت یا زرِ ضمانت بھی طلب نہیں کیا جاتا تھا۔

یورپ میں اٹھارہویں صدی سے قبل تک کتابوں کی تعداد زیادہ نہ تھی اور جو تھی اس ذخیرے سے کتابیں کسی کو ملتی نہ تھیں اگر کسی کو اس سے کتابیں مطلوب ہوتی تھیں تو اسے زرِ ضمانت کے بعد بھی ہفت خوان طے کرنے پڑتے تھے اس امر کا اندازہ بریفالٹ کے بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

وہ کہتا ہے ”کتابوں کی انتہائی نایابی کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ چرمی جھلی بہت کمیاب تھی ہمیں معلوم ہے کہ قدیم مسودات کے متن بار بار مٹا دیئے جاتے تھے۔ تاکہ اولیائے مسیحی کی عبادتی کتابیں اور روایتیں لکھنے کے لئے کاغذ مہیا کیا جاسکے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج گیارہویں صدی سے زیادہ پرانا کوئی مسودہ مشکل ہی سے دستیاب ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کتابیں بے انتہا مہنگی ہوتی تھیں۔ اینجو کی ایک کاؤنٹس (نواب بیگم) نے پند و نصائح کی ایک کتاب کے لئے دو سو (۲۰۰) بھیڑیں اور گندم رائی اور باجرے کے پانچ پانچ پیمانے بطور قیمت ادا کیے یہاں تک کہ لوئی یازدھم کے عہد میں بھی یہ حال تھا کہ جب شہنشاہ نے الرازی کی جتنی تصانیف پیرس یونیورسٹی کے کتب خانے سے عاریۃً حاصل کیں تو بطور ضمانت نقرئی و طلائی مہروں کی خاصی تعداد بھی دینی پڑی اور اپنے ساتھ ایک امیر کے دستخط بھی ضمانت نامے پر کرنے پڑے تاکہ کتابوں کی واپسی بالکل متعین ہو جائے۔ (۱۸۷)

۱۸۵۰ء تک یورپ میں کتاب عاریت دینے کا کوئی ضابطہ ہی نہ تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کے کتب خانوں میں شخصی ضمانت و زرِ ضمانت کی پابندیاں آج تک عائد ہیں، حوالے کی کتابیں تو اس ترقی یافتہ دور میں کہیں کتب خانے سے باہر عاریۃً نہیں دی جاتی ہیں اور اتنی بڑی تعداد میں حوالہ کے علاوہ کتابیں بھی کتب خانے سے باہر استعمال کے لئے نہیں دی جاتی ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ان کتب خانوں میں خاص بات یہ تھی کہ ان میں کتابوں کے بنیادی، اصلی نسخے اور حوالے کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ (۱۸۸) اور کتب خانے کی جان حوالے کی کتابیں ہوتی ہیں ایسے ہی کتب خانے اہل علم محققین کی علمی تشنگی کو بجھاتے ہیں۔

(۱۱) جامع مرو میں خزانۂ عزیزیہ

عزیز الدین ابوبکر عتیق (عتیق ابن ابی بکر) زنجانی (۰۰-۰۰) مرو شاہجہاں کے بازاروں میں میوہ و عطر بیچتا تھا پھر سلطان سنجر معزالدین ابوالحارث احمد بن حسن سلجوقی المتوفی ۵۵۲ھ/ ۱۱۵۷ء کے زمرہ مقربین میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے بارہ ہزار (۱۲،۰۰۰) مجلدات پر مشتمل ایک کتب خانہ جامع مرو میں وقف کیا تھا جو خزانۃ العزیزیہ اور وقفِ فقاعی کے نام سے موسوم (۱۸۹) و مشہور (۱۹۰) تھا۔ ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء) میں تاتاریوں نے اس کو تباہ کیا تھا۔ یاقوت نے اس سے استفادہ کا ذکر معجم البلدان میں کیا ہے۔ (۱۹۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں میوہ فروشوں کے جذبات و خیالات کتنے بلند تھے

ان کا کردار کتنا اونچا تھا انہیں کتابوں اور کتب خانوں سے کیسی محبت ہوتی تھی، مرو کی علمی دنیا میں شہرت و عظمت انہی کتب خانوں کی وجہ سے تھی۔ تعدادِ کتب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ کے کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھے۔

(۱۲) جامع زیدی بغداد میں کتب خانہ

ابوالحسن علی بن احمد بن محمد زیدی علوی حسینی بغدادی (۵۲۹-۵۷۵ھ) زاہد و عارف اور محقق (۱۹۲) و محدث، حافظ حدیث و بزرگ تھے عوام و خواص میں مقبول و ہردلعزیز، ان کا تمام تر وقت عبادت، تعلیم و تدریس میں صرف ہوتا تھا، انہوں نے کثرت سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ بہت حدیثیں لکھی تھیں، مسانید و مصنفات و اجزاء بکثرت جمع کئے تھے (۱۹۳) ان کا اچھا کتب خانہ تھا۔

۵۶۶ھ میں جب خلیفہ مستضئی المتوفی ۵۷۵ھ نے عضد الدین ابوالفرج محمد بن عبداللہ المتوفی ۵۷۳ھ کو اپنا وزیر بنایا تو ابوالفرح نے منصبِ وزارت پر ممتاز ہونے کی خوشی میں ابوالحسن زیدی کو ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار پیش کئے جب خلیفہ نے سنا تو اس نے بھی ہزار دینار بھیجے پھر بنفشہ ام الخلیفہ نے بھی ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار بھجوائے (۱۹۴) انہوں نے اس رقم سے درب دینار صغیر میں زمین خریدی، مسجد بنوائی، بقیہ رقم کی کتابیں خریدیں اور مسجد میں کتب خانہ وقف کیا۔ (۱۹۵) تا کہ اہلِ علم اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس وقف میں اپنے رفیق صبیح بن عبداللہ عطار کو شریک کار بنایا۔

اس کتب خانے میں محدث علیمی نے اپنا کتب خانہ وقف کیا یہ کتب خانہ بغداد میں زیدی کی وفات کے بعد پہنچا جسے ان کے رفیق نے مسجد زیدی کے کتب خانہ میں داخل کیا تھا (۱۹۶)۔

یاقوت رومی نے بھی مرنے سے قبل اپنا کتب خانہ مسجد زیدی میں وقف کیا تھا۔ (۱۹۷) مسجد زیدی، مدرسہ مستنصریہ کے پاس تھی اب جامع قبالی میں شامل ہے۔ (۱۹۸)

(۱۳) جامع زیدی میں علیمی کا کتب خانہ

ابوالخطاب عمر بن عبداللہ بن محمد علیمی (۱۹۹) دمشقی المعروف بابن کش (۵۲۵-۵۷۴ھ) موصوف بڑے تاجر و محدث تھے، اسلامی ممالک میں جہاں جاتے تجارت کرتے اور جس شہر میں پہنچتے وہاں کے محدثین سے حدیثیں لکھتے تھے۔ (۲۰۰) خط بڑا پاکیزہ تھا انہوں نے بہت کتابیں جمع کی تھیں ان کا کتب خانہ دمشق میں تھا جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنی کتابیں وقف کر دیں اور وصیت کی کہ یہ کتابیں بغداد میں مسجد زیدی میں پہنچائی جائیں چنانچہ وہ کتابیں مسجد زیدی میں پہنچائی گئی تھیں۔

موصوف کے بھائی ابوالفضل **علیمی** کا بیان ہے کہ "**علیمی** جب ۵۵۹ھ میں بغداد میں آئے تھے تو شریف زیدی کے یہاں ان کا اٹھنا بیٹھنا زیادہ رہا تھا' اس زمانہ میں موصوف نے شریف زیدی اور صبیح سے اپنی کتابیں ان کے کتب خانہ میں وقف کرنے کا وعدہ کیا تھا" (۲۰۰۱) ان کی وصیت کے مطابق وفات کے بعد ان کے بھائی نے وہ کتابیں صبیح کو پہنچائی تھیں۔

(۱۴) جامع قمریہ بغداد میں کتب خانہ

(۱۴) خزانۃ کتب جامع قمریہ بغداد۔ جامع قمریہ دجلہ کے کنارے رباط **بسطامی** کے سامنے واقع ہے۔ ابن الفوطی کا بیان ہے "۶۲۶ھ میں اس میں حدیث و قرآن کی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا گیا (۲۰۲) پھر اس مدرسہ میں ایک خزانۂ کتب بنایا گیا اس میں بہت سی کتابیں منتقل کی گئی تھیں یہ مسجد آج بھی بغداد میں موجود ہے۔ (۲۰۳)

(۱۵) جامع زیدی میں یاقوت کا کتب خانہ

ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی (۵۷۴-۶۲۶ھ / ۱۱۷۸-۱۲۲۹ء) یہ آزاد کردہ غلام تھا۔ مورّخ' نامور جغرافیہ داں' ادیب و شاعر اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا (۲۰۴) کتابوں کا تاجر اور ان کا دلدادہ تھا۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں۔ حلب میں جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی تمام کتابیں ابن الاثیر کے حوالہ کیں اور وصیت کی کہ یہ کتابیں بغداد میں مسجد زیدی کے کتب خانہ میں درب دینار صغیر (جامعہ قبالی) میں پہنچا دیں (۲۰۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع زیدی کے کتب خانہ اپنی خدمات کی وجہ سے عوام و خواص میں زیادہ مقبول تھے اس لئے یاقوت نے اپنا کتب خانہ اس میں وقف کیا تھا۔

(ج) خانقاہوں کے کتب خانے

خانقاہ اور رباط کے معنی میں اوائل عہدِ عباسی میں فرق رہا ہے گو بعد میں رباط بھی خانقاہ کے معنی میں استعمال ہوا پھر وہ فرق بھی اٹھ گیا لیکن عہدِ عباسی کے نامور مورخین علامہ 'سمعانی' اور ابن الاثیر نے خانقاہ و رباط کی نسبت میں اس فرق کو نظرانداز نہیں کیا ہر ایک کی نسبت کو جدا جدا ذکر کیا ہے۔ ہم نے بھی عہدِ عباسی کے اس امتیاز و تنوع کو ختم نہیں کیا اس لئے خانقاہوں اور رباطوں کے کتب خانوں کو جدا جدا سرخی کے تحت ذکر کیا ہے۔

خانقاہوں میں کتب خانوں کا رواج اسلام سے قبل بھی تھا۔ راہبوں اور پادریوں کی (Monastries) میں کتب خانے پائے جاتے تھے لیکن ان کے علمی ذخائر میں تنوع نہ تھا زیادہ تر ذخیرہ مذہبی کتابوں پر مشتمل تھا اسلام سے پہلے کا ذکر ہی کیا سترہویں صدی عیسوی سے قبل تک دو سو چار سو سے زیادہ کتابیں نہ تھیں (۲۰۶) صلیبی جنگوں کے بعد عیسائیوں کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا تو ان کے معبدوں کے کتب خانوں کے ذخیروں کی تعداد بمشکل ہزار تک پہنچ سکی تھی انہی ذخائر سے یورپ کی جامعات کے کتب خانوں کی بنیاد پڑی تھی (۲۰۷) علماء اور موادِ کتابت دونوں کی کمی کی وجہ سے کتابوں اور کتب خانوں کی تعداد محدود تھی جو ذخیرہ تھا وہ بھی بوقتِ ضرورت مخصوص مذہبی علماء کے لئے تھا اس ذخیرے تک عوام ہی کی نہیں خواص کی بھی رسائی نہ تھی۔ صرف راہب ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے' پھر (Monastries) کے کتب خانے عوامی کتب خانے نہیں تھے۔

خانقاہوں کے کتب خانے صوفیہ کے وقف کی وجہ سے یکسر عوامی کتب خانے تھے ان کے ذخائر میں تنوع تھا۔ یہ کتب خانے مذہبی کتابوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے ان میں مذہب کے علاوہ فلسفہ' ادب' ریاضی' ہیئت و نجوم' طب و تاریخ وغیرہ ہر علم و فن کی کتابیں رکھی جاتی تھیں یہاں کتابوں کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ انہیں علیحدہ کمروں میں رکھا جاتا تھا اہلِ علم کے مطالعہ کرنے اور گھروں پر لے جانے کی سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں۔ خازن و عملہ رکھا جاتا تھا ان میں ایسے عظیم الشان کتب خانے وقف کئے جاتے تھے کہ ان کی دور دور شہرت ہوتی تھی ان سے بیک وقت اہلِ علم کو حوالے کی دو دو سو مجلدات مکان پر لیجانے کے لئے مل جاتی تھیں۔

(۱) مرو شاہجہاں میں خانقاہ ضمیریہ کا خزانۃ الکتب

خانقاہ ضمیریہ کا خزانۃ الکتب انہی کتب خانوں میں سے تھا جس سے استفادہ کا تذکرہ یاقوت نے بھی کیا ہے۔ (۲۰۸) عہدِ عباسی میں خانقاہوں میں رشد و ہدایت، وعظ و تذکیر کے علاوہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا (۲۰۹) اس لئے ان سے متصل مدرسہ بنایا جاتا اور ان میں کتابیں وقف کی جاتی تھیں۔ مورخین ان کتب خانوں میں صحیح و نادر کتاب دیکھتے تو ان خانقاہوں کے کتب خانوں کا نام بھی تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں آجاتا تھا ورنہ ان کا ذکر ہی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

(۲) جامع دمشق میں خانقاہ سمیساطیہ میں خزانۃ الکتب

ابوالقاسم علی بن محمد بن یحییٰ سلمی سمیساطی دمشقی المتوفی (۴۵۳ھ / ۱۰۶۱ء) نے جامع دمشق سے متصل ایک خانقاہ بنوائی، اسے صوفیہ و اہلِ قرآن پر وقف کی (۲۱۰) اس میں بھی خزانۃ الکتب تھا۔ تاج الدین ابو سعید محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد مسعودی خراسانی مروروذی پنجدہی شافعی (۵۵۲ - ۵۸۴ / ۱۱۲۸ - ۱۱۸۸ء) نامور ادیب، شاعر، لغوی، محدث فقیہ، صوفی، مصنف، الملک الافضل نور الدین علی ایوبی المتوفی (۱۲۲۵ء / ۶۲۲ھ) کے اتالیق اور کتابوں کے عاشق تھے جہاں سے کتابیں ملتی تھیں چھوڑتے نہ تھے۔ ۱۱۵۳ء / ۵۷۹ھ میں جب صلاح الدین ایوبی نے حلب کو فتح کیا حلب کے کتب خانوں سے ان کو کتابوں کے انتخاب کی اجازت دی۔ یہ جامع حلب میں گئے۔ خزانۂ جامع حلب سے کتابیں انتخاب کیں اور اونٹ پر لے گئے تھے۔ موصوف نے اپنا ذخیرہ خانقاہ سمیساطی دمشق میں وقف کیا تھا (۲۱۱)

(۳) کتب خانہ مدرسہ خانقاہ صدوقی

(۴) کتب خانہ مدرسہ خانقاہ طرطوسی۔

(۵) کتب خانہ مدرسہ خانقاہ ابوالفضل المعید نیشاپوری (۲۱۲)

(۶) کتب خانہ خانقاہ غزالی کو شہرت حاصل تھی (۲۱۳) خانقاہ غزالی کے کتب خانہ میں فخر الدین رازی نے کتاب المستصفی للغزالی کا مطالعہ کیا تھا (۲۱۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خانقاہوں کے کتب خانوں میں ائمہ فن بھی آتے اور کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور انہیں ان کتب خانوں سے استغنا نہیں تھا۔

(د) رباطات کے کتب خانے

رباطات کے کتب خانوں پر بحث سے قبل اس کے لغوی معنی پر روشنی ڈالنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ربط کے معنی باندھنا ہیں' رباط کے معنی وہ مقام جہاں مجاہد ٹھہرتے' دشمن سے حفاظت کے لئے گھوڑے باندھتے (۲۱۵) اسلحہ رکھتے غنیم کا قلع قمع کرنے کے لئے فوجی دستے روانہ کرتے تھے (۲۱۶) اس کی جمع ربط' رباطات اور اربطہ آتی ہے۔ حکمرانوں نے اس مقصد سے سرحدوں پر کثرت سے رباط بنوائی تھیں۔ اسماعیل بن احمد سامانی المتوفی ۹۰۷ء/ ۲۹۵ھ نے خراسان کے صحرا میں ایسی وسیع رباطات جن میں ایک ہزار شہسواروں کے قیام کی گنجائش تھی تعمیر کرائی تھیں ان کے مصارف کے لئے وقف کئے تھے۔ (۲۱۷) جو ان اوقاف کی نگرانی کرتا اس کو رباطی کہا جاتا تھا (۲۱۸) جب غزوات کا سلسلہ کم ہو گیا تو مشرق میں اس کے یہ لغوی و اصطلاحی معنی بھی بدل گئے' رباط صوفیہ کی قیام گاہ و ریاضت گاہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ خانقاہ و خامگاہ کا لفظ بھی رباط پر بولا جانے لگا تھا ان کی جمع خوانق و خانقاہات خوانک' و خامکاہات بھی مستعمل تھی (۲۱۹) خانقاہی کی نسبت سے اہلِ علم کو شہرت حاصل تھی (۲۲۰) عراق و حجاز میں رباط کا اور شام میں خانقاہ کا لفظ رواج پا گیا تھا نیز شہروں میں رباط کا دیہات میں ان پر زاویہ (۲۲۱) کا اور سرائے کے لئے خان کا لفظ بولا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے رباط سے غازیوں کی قیام گاہ' تحفظِ سرحدات' ارسال مجاہدین ہی کا کام نہیں لیا بلکہ ان سے مجاہدہ نفس کا جہالت کے قلع قمع کرنے کا ذخائرِ علم کے تحفظ و ابلاغِ علم کا بھی کام لیا تاریخ و تذکرے اس امر کے شاہد ہیں کہ عہدِ عباسی میں خانقاہیں تعلیمی و تدریسی مقاصد کے تحت بھی بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ **محلۃ الرازیین** نیشاپور میں ابو حاتم بستی المتوفی ۳۵۴ھ/ ۹۶۵ء سے حدیث پڑھنے اور ان کی تصانیف کی اجازت لینے کے لئے خانقاہ بنائی گئی تھی۔ (۲۲۲)

بعض فرقے اپنے عقائد کی تبلیغ و علمی مجالس کے انعقاد کی غرض سے بھی رباط اور خانقاہیں بکثرت بناتے تھے چنانچہ کرامیہ (محمد بن کرام المتوفی (۲۵۵ھ/ ۸۶۹ء) کے پیرو بہت زیادہ رباطات و خانقاہیں بناتے تھے۔

مقدسی کا بیان ہے کہ "ایران و ماوراء النہر کے علاقہ میں ان کی خانقاہیں ہیں' فسطاط میں ان کا محلہ آباد ہے یہ اپنی خانقاہوں میں مجلسیں منعقد کرتے اور کتابیں پڑھتے تھے جس طرح حنفیہ کا معمول ہے (۲۲۳) درسگاہوں اور تعلیم گاہوں میں علمی ضروریات کی تکمیل کے لئے عہدِ عباسی میں

کتب خانے بنانے کا عام دستور تھا اس لئے خانقاہوں میں کتب خانے بنائے جاتے تھے۔

(ا) رباطِ اخلاقیہ بغداد کا کتب خانہ

رباطِ اخلاقیہ: جو سیدہ سلجوقی المتوفاۃ ۱۱۸۹ء/ ۵۸۵ھ کے مزار سے متصل تھی اس کا خزانۃ الکتب بہت ہی نوادر پر مشتمل تھا علی بن فضال قیروانی المتوفی ۴۷۹ھ /۱۰۸۶ء کی کتاب الدول فی التاریخ کا نسخہ اس کتب خانہ میں محفوظ تھا۔ یاقوت رومی کا بیان ہے۔

"میں نے اس کتاب کی تیس (۳۰) جلدیں وقف سلجوقی بغداد میں دیکھی تھیں۔ (۲۲۴) اس کتب خانہ کی زیارت سے یاقوت و مورخ حلب کمال الدین عمر بن العدیم المتوفی ۶۶۰ھ /۱۲۶۱ء بھی مستغنی نہیں رہ سکے تھے۔ فخر الدین ابو الربیع سلیمان بن احمد سلمی دمشقی اس رباط کے خزانۃ الکتب کا خازن تھا (۲۲۵)

ان رباط اور خانقاہوں میں شعر و سخن کی مجلس گرم ہوتی، حدیث کی روایت کی اجازت دی جاتی، کتابوں کا سماع کیا جاتا، وعظ و نصیحت کی محفلیں جمتی تھیں، درس و تدریس کا سلسلہ رہتا تھا، تصنیف و تالیف کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمی المتوفی ۵۸۴ھ رباط بدیع زنجانی بغداد میں کتابیں لکھتے تھے، عوارف المعارف خانقاہ میں لکھی گئی تھی۔ (۲۲۶) یہی صورت کم و بیش مغرب میں رہی اسکندریہ کے ساحل سے بحرِ محیط ا، اطلسی تک یہ سلسلہ پھیلا ہوا تھا مالکی فقہاء نے انہی رباطوں میں بیٹھ کر علم و کتب کی نشر و اشاعت کی اور کتب خانے آباد رکھے (۲۲۷)

یہ ثقافتی پہلو مسلم معاشرہ میں رباطات کی اہمیت کی دلیل ہیں۔ رباطات میں مذکورہ بالا تعلیمی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں، اس لئے رباطات سے متصل مدرسہ بھی بنایا جاتا تھا (۲۲۸) اہلِ علم، اہلِ ثروت خواتین و مرد رباطات بنانے، ان میں مدرسہ و کتب خانہ قائم کرنے، ان میں کتابیں وقف کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ عہدِ عباسی میں بعض خواتین اور مردوں کو رباطات، مساجد، مدرسوں اور خانقاہوں کے بنانے ان میں کتب خانے قائم کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل رہی ہے۔ جن میں خلیفہ ناصرلدین اللہ عباسی کی ماں زمرد خاتون المتوفاۃ ۵۹۹ھ / ۱۲۰۲ء (۲۲۹) بنفشاہ بنت عبداللہ المتوفاۃ ۵۹۸ھ /۱۲۰۱ء (۲۳۰) سلطان ابو الفتح محمد بن سام المتوفی ۵۹۹ھ (۲۳۱) شاہِ موصل مجاہد الدین قایماز بن عبداللہ رومی المتوفی ۵۹۵ھ /۱۱۹۹ء (۲۳۲) نظام الملک طوسی (۲۳۳) اور عبدالرزاق منیعی المتوفی ۴۶۳ھ (۲۳۴) کا نام سرفہرست آتا ہے۔

رباط وقف کرنے والوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اس میں کتب خانہ بھی وقف کرتے تھے جہاں کتابیں مطالعہ، نقل، مراجعت و حوالے وغیرہ کے لئے رکھی جاتی تھیں، ان کتابوں کے انتظام و

انصرام، ترتیب و تنظیم اور استفادہ کرنے والوں کی مدد و سہولت کے لئے عملہ رکھا جاتا تھا جو ان خدمات کو بہمہ وجوہ انجام دیتا تھا (۲۳۵) ان کتب خانوں سے اہلِ علم استفادہ کرتے تھے چنانچہ زمرد خاتون نے ایک رباط محلہ مامونیہ بغداد میں بنائی تھی اس کے کتب خانہ میں بیٹھ کر ابن الجوزی، ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی المتوفی ۵۱۳ھ کی کتاب الفنون کا جو سات سو (۷۰۰) مجلدات میں محفوظ تھی مطالعہ کرتے تھے اس کی صرف دس جلدوں کا اختصار علامہ ابن الجوزی کی تصانیف کا اصل سرمایہ ہے (۲۳۶)

طبقہ صوفیہ میں علماء، ادباء، شعراء، حکماء، محدثین، فلاسفہ، متکلمین، فقہاء، سب ہی گزرے ہیں اور ہر نوع کا ادب ان میں پروان چڑھا اور ترقی کرتا رہا ان کا اثر اسلامی ادب و ثقافت پر نہایت گہرا پڑا ہے اس لئے عہدِ عباسی میں رباط و خانقاہوں کے ذخائر کتب میں تنوع پایا جاتا تھا۔

اسلامی قلمرو میں رباطوں اور خانقاہوں کی کثرت رہی پھر بھی بعض اقلیموں جیسے خراسان و ماوراء النہر اور شہر جیسے اسبیجاب کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ اسبیجاب میں ایک ہزار سات (۱۰۰۷) رباط تھیں (۲۳۷) طرابلس رباطات کی کثرت میں شہرت رکھتا تھا (۲۳۸)

اہلِ بلخ کو بلند و مضبوط مسجدوں، مدرسوں، رباطوں اور خانقاہوں کے بنانے میں شہرت حاصل تھی (۲۳۹) مصطفیٰ جواد نے الربط البغدادیہ میں بغداد کی پچیس (۲۵) رباط کا ذکر کیا ہے۔ (۲۴۰) اس سے عہدِ عباسی میں رباطات اور ان میں کتب خانوں کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند مشہور رباطوں کے کتب خانوں اور ان میں کتب خانہ وقف کرنے والوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن سے مذکورۂ بالا امور کی بآسانی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

(۲) رباط رملہ بغداد کا کتب خانہ

رباط رملہ : خاتون سلجوقی بنت قلج ارسلان بن مسعود المتوفاۃ ۵۸۴ھ / ۱۱۸۸ء خلیفہ ناصر لدین اللہ عباسی کی ملکہ تھی خلیفہ نے اس کے مزار کے پاس رباط بنوائی جو رباط رملہ کے نام سے مشہور ہے (۲۴۱) اس میں ایک کتب خانہ وقفِ عام کیا اس کتب خانے کے لئے شاہی کتب خانے سے کتابوں کا انتخاب ابوالرشید مبشر بن احمد المتوفی ۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء نے کیا تھا۔ یاقوت رومی نے کتاب الدول فی التاریخ تالیف علی بن فضال قیروانی المتوفی ۵۷۹ھ / ۱۱۹۳ء کا نسخہ تیس (۳۰) مجلدات میں اسی کتب خانے میں دیکھا تھا (۲۴۲)

نجم الدولہ نجاح شرابی المتوفی ۶۱۵ھ / ۱۲۱۹ء نے پانچ سو مجلدات اس میں وقف کی تھیں ان پر شرابی کا نام درج تھا (۲۴۳)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رباطوں اور خانقاہوں کے کتب خانے میں وقف کی ہوئی کتابوں پر واقف کا نام بھی لکھا جاتا اور وقف کے ذخیرے کو کتب خانے کی بقیہ کتابوں سے ممتاز کر کے رکھا جاتا تھا۔ اس کتب خانے کے آثار ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال قبل تک موجود تھے مگر اب معدوم ہو چکے ہیں (۲۴۴)

(۳) رباطِ مامونیہ بغداد کا کتب خانہ

ابو محمد عبداللہ بن احمد بن الخشاب بغدادی المعروف بابن الخشاب (۴۹۲-۵۶۷ھ / ۱۰۹۹-۱۱۷۲ء) نحو میں حرفِ آخر تھے، محدث، فقیہ، ادیب اور لغوی تھے۔ منطق، فلسفہ، حساب، ہندسہ، نسب، فرائض و تفسیر میں درک حاصل تھا اچھے شاعر، خطاط، و مصنف تھے (۲۴۵) بغداد کے شہزادوں کے اتالیق تھے (۲۴۶) کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا بہت عمدہ اور نفیس کتابیں جمع کی تھیں کسی سے کتاب مستعار لے کر واپس دینا جانتے نہیں تھے اگر مطالبہ زیادہ کرتا تو فرماتے کتاب تو میری کتابوں میں گم ہو گئی، بے حد بخیل تھے، شادی تک نہیں کی تھی (۲۴۷) روپیہ پیسہ کتابوں کی خریداری میں خرچ ہوتا تھا، نہایت عمدہ سستی اور میلی کچیلی کتاب خریدتے تھے۔ قیمتی کتاب خریدتے وقت نگاہ بچا کر اس کا ورق پھاڑ دیتے اور بیچنے والے سے کہتے کتاب ناقص ہے قیمت کم کرو اور یوں قیمتی سے قیمتی کتاب کوڑیوں کے مول لیتے تھے اگر کوئی عالم و محدث مرتا یہ اس کی تمام کتابیں خرید لیتے تھے اس طرح ان کے پاس ائمہ فن کی کتابیں جمع ہو گئی تھیں (۲۴۸) کتاب کو کسی طرح چھوڑتے نہ تھے ایک مرتبہ انہوں نے چند کتابیں پانچ سو (۵۰۰) دینار میں خریدیں جیب میں دمڑی نہ تھی، بیچنے والے سے تین دن کی مہلت لی اور کتابیں لے کر چل دئے جلدی سے مکان پر آئے اور مکان کو بیچنے کے لئے آواز لگائی لیکن فوراً ہی کہیں سے پانچ سو (۵۰۰) دینار ادھار مل گئے کتابوں کی قیمت ادا کی اور مکان رہ گیا (۲۴۹)

ان کا ایک پرانا آبائی مکان تھا اس کے بیچ والے کمرے میں چٹائیاں بچھی رہتی تھیں، اس میں لکڑی کے تختوں پر کتابیں جمی ہوئی بوریوں سے ڈھکی رہتی تھیں۔ یہیں ایک طرف ابن الخشاب بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مرنے سے پہلے موصوف نے اپنا پورا کتب خانہ اہل علم پر رباط مامونیہ میں وقف کیا تھا لیکن وہ کتابیں خورد برد ہو گئیں اور رباط مامونیہ میں ان میں سے صرف دس فیصد کتابیں رہ گئیں تھیں۔

ابن الجوزی نے ان کتابوں کا ثبت (کیٹلاگ) دیکھا تھا ان کا اندازہ ہے کہ یہ کئی بار شتر کتابیں تھیں (۲۵۰) ابن الخشاب کو لوگ بخیل سمجھتے تھے لیکن کتابوں کے معاملہ میں وہ بڑا سخی واقع

ہوا تھا واقعہ یہ ہے کہ ابن الخشاب کاغذی پیرہن میں ایسا محو رہا کہ نقش فریادی کو آمد کا موقعہ نہیں دیا اور وہ شوخی تحریر کا مظاہرہ نہ کر سکا۔

(۴) موصل میں رباطِ ابن الاثیر کا کتب خانہ

مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد جزری شافعی المعروف بابن الاثیر (۵۴۴-۶۰۶ھ / ۱۱۵۰-۱۲۱۰ء) بلند پایہ محدث، مفسر، فقیہ، اصولی، لغوی، ادیب و مصنف تھا (۲۵۱) موصل میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، موصل کے عالم (حاکم) مجاہد الدین قایماز المتوفی ۵۶۵ھ ان کا عقید تمند تھا یہ اس کے دربار میں بلند منصب پر ممتاز تھے (۲۵۲) شاہ موصل نور الدین ارسلان نے ان کو وزارت کی پیش کش کی تھی مگر موصوف نے یہ کہہ کر مسترد کی کہ میں اپنی علمی شہرت کو وزارت سے متصف نہیں کرنا چاہتا (۲۵۳) انہیں کتابوں کا شوق تھا ہر علم و فن کی عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں درب دراج موصل میں جہاں موصوف کا قیام تھا وہ مکان علماء امراء اور صوفیہ سے بھرا رہتا تھا اسے وقف کیا۔ موصل کے ایک گاؤں میں طلبہ و صوفیہ کے لئے ایک رباط تعمیر کرائی (۱۵۴) اس کے مصارف کے لئے اپنی ساری جائیداد وقف کی اس میں اپنا کتب خانہ بھی دیا تھا چھٹی کے زمانے میں تصنیفی کاموں کے لئے معاون رکھے ہوئے تھے۔ ان سے مدد لیتے رہتے تھے (۲۵۵)

(۵) رباطِ ربیع مکہ کا کتب خانہ

الملک الافضل نور الدین علی بن یوسف بن ایوب (۵۱۱-۶۲۲ھ / ۱۱۷۱-۱۳۲۵ء) نے محلّہ اجیاد میں ایک رباط غرباء پر وقف کی تھی یہ رباط ربیع سے موسوم تھی اس میں موصوف نے کتابیں وقف کی تھیں جن میں المجمل فی اللغہ ابنِ فارس اور کتاب الاستیعاب ابن عبد البر تھیں۔ (۲۵۶)

(۶) رباطِ شرابی کا کتب خانہ

امیر شرف الدین اقبال شرابی المتوفی ۶۵۳ھ نے ۶۴۰ھ میں ایک کتب خانہ بھی اس میں وقف کیا تھا (۲۵۷)

(ہ) مزارات کے کتب خانے

عربی زبان میں مزار کے لئے مشہد کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع مشاہد ہے یہ شہد سے ماخوذ ہے۔ شین' ہا' دال کے بارے میں حاضر ہونے دیکھنے اور جاننے کے معنی پائے جاتے ہیں (۲۵۸) مشہد حاضر ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ (۲۵۹) مشاہد سے وہ مقامات مراد ہیں جن کی لوگ زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں (۲۶۰) زیارت عموماً" مزاروں کی کی جاتی ہے انہی پر لوگ حاضر ہوتے ہیں ان مشاہد سے مزار مراد ہیں۔

بنی نوع انسان نے شروع سے ایسے مقام پر جہاں کسی دلبستگی کی وجہ سے وہ آتا جاتا رہا ہے علم کا ذخیرہ رکھنے کی کوشش کی ہے اس لئے مقاماتِ مقدسہ (SacredPlaces) عبادت گاہوں' خانقاہوں اور یادگاری مقامات (Monumental Places) میں تحریری سرمایہ رکھنا اس سلسلہ کی ایک کڑی مزار و مقبرے بھی ہیں۔ چنانچہ آج سے پانچ ہزار (۵۰۰۰) سال قبل مصریوں نے بادشاہوں کے مزاروں پر جو یادگاری مقامات کی حیثیت رکھتے تھے قابل ذکر باتیں دیواروں پر کندہ کرائی تھیں اور علم کا ذخیرہ کیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"دنیا کی کسی پرانی قوم نے اپنی تاریخ کی کتابت و حفاظت کا انتظام نہیں کیا جیسا کہ قدیم مصریوں نے کیا تھا جس وقت تک پیپائرس (Papyrus) (قدیم مصری کاغذ) ایجاد نہیں ہوا تھا۔ شاہی محلوں مندروں اور مقبروں کی دیواروں پر ہر عہد کے حالات مسلسل نقش کئے جاتے رہے اور جب پیپائرس رائج ہو گیا تو باقاعدہ دفاتر مدون ہونے لگے۔ علاوہ بریں ہر بادشاہ اور امیر کی وفات کے بعد اس کی نعش حنوط (ممی) کر کے اس کے خاص مقبرہ میں رکھی جاتی تھی اور نعش کے ساتھ اس کی زندگی کے وقائع بھی رکھ دیئے جاتے تھے۔ اب یہ تمام آثار روشنی میں آگئے ہیں .... ان معلومات نے ہمیں پانچ ہزار (۵۰۰۰) برس پیشتر کے واقعات تک پہنچا دیا ہے۔ (۲۶۱)

عہدِ عباسی میں مسلمان قابل قدر ہستیوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر ان کے مزارات سے متصل مدرسے اور کتب خانے بناتے تھے۔ یہ خیر کے کام کبھی بادشاہ (۲۶۲) وزیر (۲۶۳) صوفی' عالم' دولتمند' اپنی زندگی میں کرتے اور اس میں وہ دفن کئے جاتے (۲۶۵) کبھی ان کے متعلقین اور بہی خواہ انہیں اس میں دفن کرتے کبھی مرید' شاگرد یا عقیدت مند ان کے مرنے کے بعد مدرسے اور کتب خانے بناتے تھے۔ (۲۹۵) ان وجوہ سے عہدِ عباسی میں مزاروں سے ملحق مدرسے اور کتب خانے بکثرت بنائے گئے تھے چنانچہ عہدِ عباسی کے جغرافیہ نویس و مورخین اسلامی شہروں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس امر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یاقوت کہتا ہے:

”جبل قاسیون (دمشق) جو انبیاء علیھم السلام کا مدفن ہے یہاں رباطات مدارس اور مشہد کے کتب خانوں کی بہت کثرت و شہرت رہی ہے (۲۶۶) صرف جامع دمشق میں چار مشہد تھے اور ہر مشہد میں کتب خانے تھے (۲۶۷) عہدِ عباسی میں جب کوئی سیاح اسلامی شہروں کا سفر کرتا اپنے سفرنامہ میں ”مشاہد“ کی سرخی جماتا ان کے مدرسوں اور کتب خانوں کا ذکر کرتا تھا (۲۶۸) مصر میں 'قرافہ جیسی مشہور و معروف جگہ سے متصل مدارس تھے' ان کے لئے مدرسہ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ مشہد و خانقاہ کا لفظ بولتے مدرسہ اور اس کا کتب خانہ مراد لیتے تھے (۲۶۹) اس سے معلوم ہوا کہ مشہد خانقاہ کے ہم معنی لفظ سمجھے جاتے تھے۔

(۱) خزانۂ حیدریہ نجف

یہ نجف اشرف میں حضرت علیؓ کے مزار سے متصل واقع ہے اور نہایت قدیم کتب خانہ ہے اس میں شیعی سلاطین' امراء' وزراء' علماء' وقتاً فوقتاً کتابیں وقف کرتے رہے ہیں جن میں عضد الدولہ بویہی المتوفی ۳۷۲ھ کا نام سرفہرست آتا ہے۔ اس کتب خانے میں قدیم مخطوطات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ کوفی' اندلسی اور یمنی خط میں مصاحف موجود ہیں یہاں مصاحف کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ ۴۰ھ کا کوفی خط میں ہرن کی کھال پر لکھے ہوئے قرآن شریف کا ایک حصہ بھی موجود ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کا لکھا ہوا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کی لکھی ہوئی بعض کتابیں جیسے ابو علی فارسی کی ”المسائل الشیرازیہ“ کا نسخہ جو ۳۶۳ھ میں ان سے پڑھا گیا تھا اور ”شرح مقصورہ“ ابن درید کا نسخہ جو ۳۷۵ھ میں ابن درید سے پڑھا گیا تھا۔ اس کتب خانے میں موجود ہیں۔ (۲۷۰) یاقوت رومی کی ”معجم الادباء“ کی پہلی جلد جو خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اسی کتب خانے میں محفوظ ہے (۲۷۱) یاقوت مستعصمی' احمد تبریزی کے لکھے ہوئے مصحف بھی یہاں محفوظ ہیں۔ ۷۵۵ھ میں آگ لگنے سے کتب خانہ کو نقصان پہنچا بعض مصحف جل گئے' بعض کتابیں رطوبت سے' بعض دیمک سے' بعض چوری اور عاریت کی وجہ سے ضائع ہو چکی ہیں (۲۷۲)

(۲) مشہد ابی حنیفہ کا کتب خانہ

یہ شمال بغداد سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر محلّہ اعظمیہ میں مدرسہ ابی حنیفہ کے ساتھ اب تک موجود ہے۔ اسے الپ ارسلان سلجوقی کے مستوفی شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور عمید خوارزمی نے ۴۵۹ھ / ۱۰۶۶ء میں بنایا اور اس میں ایک خزانۃ الکتب طلبہ پر وقف کیا تھا۔ اس کا پہلا خازن عبدالعزیز بن علی بن ابی سعید خوارزمی تھا۔ پھر ابن الاہوازی المتوفی ۵۶۹ھ کو بنایا گیا تھا(۲۷۳)

اس کتب خانہ میں جاحظ کی تقریباً" تین سو ساٹھ (۳۶۰) تصانیف موجود تھیں۔ سبط ابن الجوزی نے ان کو دیکھا تھا(۲۷۴) ابو یوسف عبدالسلام قزوینی المتوفی ۴۸۸ھ نے اپنی تفسیر کا نسخہ جو سات سو (۷۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا اس کتب خانے میں وقف کیا تھا(۲۷۵)

ابن جزلہ المتوفی ۴۹۳ھ نے اپنی تمام کتابیں اس کتب خانے میں وقت کی تھیں (۲۷۶)ء اس میں تفسیر کشاف زمخشری کا اپنا نسخہ، حاجی خلیفہ کی نظر سے گزرا تھا(۲۷۷) لیکن اب وہ نسخہ نہیں ہے (۲۷۸) اس سے عہدِ عباسی میں اس کتب خانے کی خدمات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے آج کل یہ کتب خانہ کلیۃ الشریعہ کے حجرے میں رکھا ہوا ہے (۲۷۹)

(۳) کتب خانہ قلعۂ الموت

قلعۃ الموت (آشیانہ عقاب) جسے حسن بن زید باقری نے ۲۴۶ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ۴۸۳ھ میں حسن بن صباح نے اس پر قبضہ کیا اور مستنصر فاطمی کے انتقال کے بعد اس کو اسماعیلیوں کی دعوت کا دوسرا بڑا مرکز بنایا۔ یہ فلسفہ، حکمت، نجوم، ہندسہ و سحر کا عالم تھا(۲۸۰) اس وجہ سے نظام الملک طوسی بھی اس کی قدر کرتا تھا اس کے دور میں کتب خانہ میں اسماعیلیوں کی مذہبی ذخیرے کے علاوہ مذکورۂ بالا علوم کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ یہ اسماعیلیوں کا سب سے قدیم اور بڑا کتب خانہ تھا۔ حاکم قوہستان نے نصیرالدین طوسی کو قلعہ الموت میں تعلیم دینے کی غرض سے بھیجا تھا(۲۸۲) جو یہاں کی علمی ترقی کا شاہد ہے۔

۶۵۴ھ میں ہلاکو کے حکم سے یہ قلعہ تباہ (۲۸۲) اور کتب خانہ ضبط کیا گیا لیکن عطاء الملک جوینی کی سفارش پر کتب خانہ کو بحال کر دیا گیا اس میں سے الحاد کی کتابوں کو نذر آتش کیا گیا یہاں سے بہت سی کتابیں مراغہ کے کتب خانہ میں منتقل کی گئی تھیں۔ (۲۸۳) خود عطاء الملک جوینی نے اپنے کتب خانے کے لئے یہاں سے کتابیں انتخاب کی تھیں۔ یہ انتخاب اس کتب خانے کی وسعت، تنوع، کثرت واہمیت کا شاہد عدل ہے۔

(۴) کتب خانہ متصل مزار کرخی

زمرد خاتون والدہ ناصرلدین اللہ المتوفاۃ ۵۹۹ھ نے معروف کرخی کے مزار سے متصل ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا جس کا افتتاح ۵۸۹ھ میں کیا گیا تھا۔ جامعہ نظامیہ و جامعہ مستنصریہ کے بعد اس کو اہمیت حاصل تھی (۲۸۴) اس سے ظاہر ہے کہ اس کا کتب خانہ بھی اہمیت کا حامل تھا۔

(۵) مشہد قاسیون میں کتب خانہ

وزیر ملک اشرف محمد بھنسی المتوفی ۶۲۸ھ نے اپنا ذخیرۂ کتب اپنے مشہد میں جو قاسیون میں بنایا تھا وقف کرنے کی وصیت کی تھی (۲۸۵)

(۶) کتب خانہ مشہد حسام الدین ماردین

محمد بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن ماردینی (۵۱۲- ۵۹۴ھ/۱۱۱۸-۱۱۹۸ء) یکتائے روزگار، فلسفی، طبیب و مصنف تھا۔ اس کا کتب خانہ فلسفہ و طب کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس میں زیادہ تر ماردینی کے اساتذہ سے پڑھی ہوئی اور تصحیح کی ہوئی کتابیں تھیں۔ موصوف نے اسے ماردین میں حسام الدین بن ارتق کے مشہد میں وقف کیا تھا اس کتب خانہ میں بیشتر فلسفہ کی کتابیں تھیں۔ (۲۸۶)

باب پنجم

دوسرا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ علمی کتب خانے

☆ درسگاہوں کے کتب خانے

☆ مدرسوں کے کتب خانے

☆ جامعات کے کتب خانے

☆ طبعی مدرسوں اور شفاخانوں کے کتب خانے

☆ رصد گاہوں کے کتب خانے

(دوسرا حصہ)

علمی کتب خانے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام نے بنی نوع انسان میں تعلیم کو عام کرنے، بغیر اجرت پڑھانے اور معاشرہ کو علم سے بہرہ ور کرنے کو بڑے اجر و ثواب کا کام بتایا ہے۔ علماء اجر و ثواب کی خاطر علم کی خدمت کرتے اور تجارت و ہنر سے پیٹ بھرتے تھے اس لئے ان کی نسبت میں بقال (سبزی فروش)، نجار (بڑھئی)، خصاف (موچی)، بزار (کسان)، بزاز (پارچہ فروش)، وراق (نقل نویس)، خباز (نانبائی)، زیات (تیلی)، حمال (قلی) وغیرہ الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔

عہد قدیم میں بھی جب کبھی اور جہاں کہیں تعلیم کا آغاز ہوا علمی ذخیرہ خواہ اس کی نوعیت کمیت و کیفیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ طلبہ، اساتذہ، اہلِ علم، و محققین کے استعمال، ان کی علمی ضروریات کی تکمیل کے لئے کتب خانہ تشکیل کیا جاتا رہا۔ البتہ مسلمانوں کے مدارس میں ہمیشہ تعلیم مفت دی جاتی اور طلبہ و اساتذہ کو کتابیں مفت مہیا کی جاتی تھیں۔ رفاہِ عام کے اداروں میں کتابوں کا ذخیرہ کرنا بھی تعلیم کی طرح ایک مقدس فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ طلبہ و اساتذہ کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کے لئے ہر مدرسہ، کلیہ، و جامعہ میں مفت کتابیں فراہم کرنے کا انتظام کیا جاتا تھا اس لئے عہدِ عباسی میں ہمیشہ سے کتب خانہ ہر مدرسہ و جامعہ کا جزء لاینفک (اٹوٹ انگ) رہا ہے۔

اسلامی قلمرو میں جس طرح مدارس کی کثرت رہی، تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ان میں کتب خانوں کی بھی کثرت رہی ہے ان وجوہ سے مورخین و تذکرہ نگاروں نے مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ کا جداگانہ تذکرہ نہیں کیا اور نہ بانیانِ کتب خانہ کے تذکرہ میں ان کی کتب خانہ سازی کی صفت کی نشاندہی کو ضروری سمجھا چنانچہ نظام الملک طوسی جیسے مربی تعلیم، مدارس ساز کا تذکرہ کم و بیش اس عہد کی تاریخ و تذکرہ کی ہر کتاب میں ملتا ہے۔ ہر ایک مورخ نے اس کی مدارس سازی کی صفت کو سراہا ہے۔ ابن الجوزی اور سبکی کے علاوہ کسی نے اس کے "دارالکتب" بنانے کی صراحت نہیں کی (۲۸۷) مدارس و جامعات کا تذکرہ ان کے یہاں کسی خاص سبب سے آیا ہے مثلاً کسی خازن نے دارالکتب میں شعر سنائے انہیں نقل کیا تو وہ اس خزانۃ الکتب کا تذکرہ بھی ضمناً کر گیا یا کسی اہلِ علم نے کوئی اہم کتاب اس خزانۃ الکتب میں دیکھی تو اس نے اس کا نام بھی لے لیا اس لئے درسگاہ، مدارس و جامعات کا تذکرہ اور ان کی نشاندہی دراصل مدارس و جامعات کے کتب

خانوں کی نشاندہی ہے پھر بھی تجسس و جستجو سے عہد عباسی کی جن درسگاہوں' مدارس و جامعات کا تذکرہ مل سکا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔

(ا) درسگاہوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں ابتداء میں کتب خانے درسگاہوں کے ساتھ بنانے کا رواج تھا۔ مساجد میں جو درسگاہیں تھیں ان کے کتب خانوں کی نوعیت ابتداء میں کم و بیش ایسی ہی تھی البتہ عہد عباسی کے آخری دور میں مدارس میں درسگاہوں کے کتب خانوں کا چلن ہوا چنانچہ شرف الدین محمد بن عروہ موصلی دمشقی المتوفی ۶۲۰ھ / ۱۲۲۳ء جو الملک المعظم عیسی بن ابی بکر المتوفی ۶۲۱ھ / ۱۲۲۴ء کے مقربین میں سے تھا(۲۸۸) علم و علماء کا قدر دان اور کتابوں کا بھی شوقین تھا اس نے جامع اموی میں ایک گوشہ کو جو مشہد علی کے نام سے معروف تھا اور بطور ذخیرہ گاہ استعمال میں آتا تھا خالی کرایا۔ حوض و دار الحدیث بنوا کر اس میں کتب خانہ وقف کیا(۲۸۹)

یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ عہد عباسی میں درسگاہوں میں اور ان سے متصل کتب خانے بنائے جانے کا معمول تھا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ الہامی ادب کے استعمال میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ دار الحدیث سے متصل وضو کرنے کے لئے حوض بنوایا گیا تھا۔ عہد عباسی کے مدارس و جامعات کے کتب خانوں کے تذکرے سے پیشتر مدرسہ کے لغوی معنی پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں خود کتب خانہ کے معنی و مفہوم مضمر ہیں۔ مدارس کی تاریخ اور مدارس سازی کی تحریک کا سرسری جائزہ جو دراصل مدارس و جامعات میں کتب خانہ سازی کی تحریک کا پیش خیمہ تھی' نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے مختصراً اس کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مدرسہ' درس سے بنا ہے' دال' را' اور سین کے مادہ میں خفاء' پوشیدگی' پستی اور محو کے معنی مضمر ہیں(۲۹۰) راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

"درس الدار" کے معنی گھر کا نشان رہ گیا ہے اور نشان کا باقی رہنا اس کے مٹنے کو چاہتا ہے اس لئے درس کے معنی مٹا کئے جاتے ہیں "درس الکتاب" اور "درس العلم" کے معنی اس نے کتاب یا علم کو یاد کر کے اس کا اثر قبول کر لیا یہ بات بار بار پڑھتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے' اس لئے پیہم پڑھتے رہنے کو لفظ درس سے تعبیر کرتے ہیں(۲۹۱) درس کے ذریعہ قوائے دماغیہ سے موانع زائل ہو جاتے ہیں آثارِ جہل مٹ جاتے ہیں اصل جوہر استعداد صاف ستھرا ہو کر چمک اٹھتا ہے' یہ کیفیت ریاضت و محنت اور نفس کو رام کرنے سے حاصل ہوتی ہے (۲۹۲) اس امر کی تشکیل و

تکمیل کے لئے جو ذخیرۂ علم درکار ہوتا ہے وہی ذخیرہ کتب خانے کی اساس بنتا ہے۔ قرآن نے کہا ہے **د رسوا مافیہ** (الاعراف ۔ ۱۶۹) جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ لیا ہے۔ سورہ آلِ عمران میں فرمایا گیا ہے "**ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتٰب وبما کنتم تد رسون** (آل عمران ۔ ۷۹) "اور لیکن بولے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے اور اسے پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔"

اس طرح سے تمہارا علم کتابی و ذخیرۂ کتب بڑھتا رہے گا۔

مدرسہ ابتداء میں درسگاہ' کلیہ' جامعہ و دانشگاہ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اس کی جمع مدارس آتی ہے۔ مدارش عبرانی میں **بمعنی** مدرسہ ہے۔ (۲۹۳) یہ عربی میں یہودیوں کی درسگاہ کے معنی میں آتا تھا (۲۹۴)

اس سے معلوم ہوا کہ جن اقوام میں تعلیم کا تھوڑا بہت چرچا تھا ان میں مدارس کا رواج تھا۔ رسالتمآب ﷺ کی تعلیم **و تعلم** کی مساعی جمیلہ سے عہدِ رسالت ہی میں "دار القراء" بن گئے تھے (۲۹۵) اور مسجدوں میں تعلیمی حلقے قائم ہو چکے تھے (۲۹۶) پوری قوم تعلیم کے پھیلانے اور مدارس کے قائم کرنے میں سرگرم عمل تھی۔

عہدِ عباسی میں مساجد سے علیحدہ مدارس کے قیام کا سلسلہ مستشرقین نے خلیفہ مامون سے شروع کیا ہے چنانچہ Encyclopaedia...Britannica کے فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ موصوف نے خراسان میں ایک کالج قائم کیا تھا (۲۹۷) ہمیں اس کے ماخذ کا علم نہیں۔ قدیم مؤرخین اسلام اس باب میں خاموش ہیں تاہم مقالہ نگار کی یہ تحقیق اگر صحیح ہے تو خراسان میں یہ پہلا سرکاری مدرسہ کہا جا سکتا ہے۔

عہد عباسی میں خلیفہ معتضد باللہ ابوالعباس احمد عباسی المتوفی ۲۷۹ھ نے سب سے پہلے ملکی و مذہبی تعلیم اور صنعت و حرفت کو سرکار کی زیرِ سرپرستی فروغ دینے کے لئے نہایت جامع منصوبہ تیار کیا تھا اس منصوبہ کے مطابق وہ قصرِ شماسیہ (بغداد) کے متصل درسگاہیں (تجربہ گاہیں) صنعت گھر اور قیام گاہیں تعمیر کرانا چاہتا تھا تاکہ ان میں ہر فن کے ماہر اساتذہ و صاحبِ ہنر رہیں' طلبہ اگر ٹھہریں' پڑھیں اور جو چاہیں ہنر سیکھیں انہیں وظیفے دئے جائیں۔ لیکن اس جامع' مفید' تعلیمی و صنعتی ترقیاتی منصوبہ کو عملی جامعہ پہنانے سے قبل ہی معتضد کو قتل کر دیا گیا اور یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا (۲۹۸)

قتلِ معتضد کے بعد خلفاء عباسیہ کو زمانۂ دراز تک سکون و اطمینان میسر نہ آسکا اس لئے پھر اس نوع کا کوئی جامع تعلیمی منصوبہ دار الخلافہ بغداد میں سامنے نہ آسکا۔ لیکن خراسان میں سلطان

اسماعیل بن احمد سامانی المتوفی ۲۹۵ھ / ۹۰۷ء نے بخارا میں ایک مدرسہ و کتب خانہ بنایا (۲۹۹) اس کے مصارف کے لئے وقف کیا پھر ۳۴۸ھ / ۹۵۹ء میں طغرل بیگ قدری خاں نے چوبہ بقالان بخارا میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا (۳۰۰) اس کے بعد سلطان محمود غزنوی وغیرہ نے بعض بلادِ غزنہ و فارس میں حنفی فقہ و ماتریدی عقائد کی ترویج و اشاعت کے لئے مدرسے بنائے اور ان میں کتب خانے وقف کئے (۳۰۱) لیکن یہ ایک تحریک کی صورت میں نہ تھے ان کا دائرہ محدود تھا اس لئے ان کو مدارسِ نظامیہ کی شہرت حاصل نہ ہو سکی تھی۔

دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے خلافتِ عباسیہ سیاسی خلفشار کا شکار رہی اور چوتھی صدی ہجری کے نصف اول میں اس کی حکمرانی کا دائرہ سمٹ کر دار الخلافہ بغداد اور اس کے اطراف تک محدود ہو کر رہ گیا اس کے بڑے بڑے صوبوں میں نئی نئی سلطنتیں قائم ہو گئیں اور ان کے فرمانرواؤں کا خلافتِ عباسی سے رسمی کے بجائے اسمی تعلق رہ گیا۔ مورخ ابن کثیر کا بیان ہے:

۳۲۴ھ میں خلیفہ کا حکم بغداد اور اس کے مضافات تک چلتا تھا۔ قلمروِ عباسی کی حالت بہت خراب تھی بصرہ میں محمد ابنِ واثق اور خوزستان میں ابو عبداللہ بریدی کا تسلط ہو چکا تھا‘ تستر اور اس کے اطراف میں ابن یاقوت کا اور فارس کے علاقہ پر عماد الدولہ ابنِ بویہ کا غلبہ تھا‘ کرمان پر ابو علی محمد بن العباس‘ بلاد موصل‘ جزیرہ‘ دیاربکر و مضر و ربیعہ پر بنو حمدان قابض تھے۔ مصر و شام میں محمد بن طغج کی فرمانروائی تھی‘ افریقہ‘ مغرب کے شہروں پر قائم بامر اللہ ابن مہدی فاطمی امیرالمومنین کے لقب سے یاد کیا جانے لگا تھا‘ اندلس میں خلیفہ عبدالرحمٰن بن محمد اموی کی بادشاہت تھی‘ خراسان و ماوراء النہر کا علاقہ نصر بن احمد سامانی کے تصرف میں تھا‘ طبرستان و جرجان پر دیلمی حکومت کرنے لگے تھے‘ بحرین‘ یمامہ اور ہجر کا علاقہ ابو طاہر سلیمان ابی سعید جنابی **قرمطی** کے پاس تھا (۳۰۲)

ان میں سے بعض فرمانرواؤں نے معارف پروری‘ علم دوستی‘ خلفاء عباسی سے ہمسری کرنے کی غرض سے اپنے قلمرو میں کتب خانے اور درسگاہیں بنوائی تھیں جن کا تذکرہ باب سوم میں کیا گیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں اسماعیلی عقائد کی دعوت زور پکڑ گئی تھی شاہانِ عباسی بھی سرزمین فارس و عراق میں آلِ بویہ کے اثر و نفوذ کو کم کرنے میں مصروف ہو گئے تھے شیعی قائد ارسلان بساسیری المقتول ۱۰۶۰ء / ۴۵۱ھ دار الخلافہ بغداد میں داخل ہوا تو فاطمی خلیفہ مستنصر کا نام خطبہ میں لیا جانے لگا۔ یہ فاطمی خلفاء کی سیادت و قیادت کو تسلیم کئے جانے کا برملا اعلان تھا (۳۰۳) اسماعیلی و شیعی تحریکات خلافتِ عباسیہ کے مقابلہ میں ایک سیاسی قوت بن کر ابھر آئی تھیں‘ ان کا زور ختم

کرنے، ان کی دعوت کو روکنے، ان کی سیاسی قوت کو توڑنے اور خلافتِ عباسیہ کی مرکزی حیثیت کو بحال کرنے کے لئے شاہانِ سلجوق میدان میں آئے اور انہوں نے دو اہم کام کیے۔

(۱) شاہانِ سلجوق خلافت عباسیہ کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، طغرل بیگ نے ۴۵۱ھ / ۱۰۶۰ء میں بساسیری کو بغداد میں قتل کرکے خلافتِ عباسیہ کی گرتی ہوئی دیوار کو تھاما پھر خلفاء عباسیہ کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا اور اس کے بھتیجے الپ ارسلان نے بلادِ اسلامی کو دمشق تک فاطمیوں کی گرفت سے آزاد کرایا۔

(۲) انہوں نے علم سے خاص اعتناء کیا سرکار کی زیرِ نگرانی اسلامی قلمرو میں مدارس کا جال بچھا کر اسماعیلی دعوت اور معتزلانہ افکار و خیالات کا سدِباب کیا (۳۰۴) چنانچہ نامور سیاسی مدبر و ماہر تعلیم وزیر نظام الملک طوسی نے بادشاہ کے ایما پر (۳۰۵) ایک نہایت جامع تعلیمی منصوبہ کے تحت بغداد، بلخ، نیشاپور، مرو، ہراۃ، اصفہان، بصرہ، آمل، موصل، جزیرہ و طوس وغیرہ میں بہت بڑی دانشگاہیں قائم کیں۔ (۳۰۶) جن میں سے بعض کی تعمیر جیسے نظامیہ بغداد پر دو لاکھ (۲۰،۰۰۰) دینار صرف کئے گئے تھے (۳۰۷) پندرہ (۱۵،۰۰۰) ہزار دینار سالانہ کی زمین سے آمدنی تھی (۳۰۸) اوقاف کی آمدنی کے علاوہ سرکاری آمدنی کا دس فیصد حصہ مدارس نظامیہ کی تعلیم پر خرچ کیا جاتا تھا (۳۰۹)

نظام الملک طوسی نے اہلِ سنت کے مختلف گروہوں شافعیہ، محدثین، شعراء کو پہلی مرتبہ سرکار کی زیرِ نگرانی ایک تعلیم گاہ میں تعلیمی خدمات کے ساتھ باطنی و معتزلی عقائد کے خلاف صف آراستہ کیا اس تدبیر سے کتب خانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ ان کے ذخائر میں تنوع اور غیر معمولی اضافہ ہوا۔

سرکاری مدارس میں مختلف علوم کے شعبوں کی تعلیم کے لئے جداگانہ درسگاہیں بنائی گئیں مساجد جو جامعات کی حیثیت سے ممتاز تھیں نظام الملک کی تعلیمی اصلاحات کی وجہ سے مدارس نظامیہ کو جامعات کی حیثیت حاصل ہوئی اور ہر جامعہ کی تعلیمی ضروریات کے لئے اس میں کتب خانہ بنایا گیا۔ نظام الملک طوسی کے اتنے وسیع پیمانے پر اسلامی قلمرو میں سرکاری مدارس اور ان میں کتب خانوں کے قیام کی تحریک سے تعلیم میں ایک انقلاب آگیا۔ بادشاہوں، وزیروں، امیروں نے بھی اسلامی شہروں میں اس طرح کے مدارس و کتب خانے قائم کرنا شروع کئے تھے (۳۱۰) ان وجوہ سے نظام الملک طوسی کو سرکاری مدارس اور ان میں کتب خانوں کے قیام کا بانیٔ اول کہا جاتا ہے (۳۱۱)

شاہانِ سلجوق کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے بغداد میں جامعہ مستنصریہ قائم کرکے نظام مدارس کی تحریک میں انقلابی اقدام کیا۔ نظام الملک طوسی کی پیدا کردہ عصبیت کا خاتمہ کیا اور

پہلی مرتبہ تعلیم میں جامعیت کی شان پیدا کی جامعہ مستنصریہ اسلامی قلمرو میں واحد جامعہ تھی جس میں چاروں مذاہب کی آزادانہ فضا میں تعلیم دی جاتی تھی اور آٹھ متداول علوم کی تعلیم کا ٹھوس بنیادوں پر نہایت معقول انتظام کیا گیا تھا۔ یہ جامعہ اسلامی مدارس بغداد، نیشاپور، دمشق، قاہرہ، مصر، موصل، حجاز، یمن، مراکش، تیونس، قرطبہ سے حسبِ ذیل امور میں ممتاز تھی۔

(۱) یہ متعدد کلیات و اقسامِ **علمیہ** کو حاوی تھی، اور مدارس اس صفت سے عاری تھے۔

(۲) یہ پہلا مدرسہ تھا جس میں دار القرآن، دار الحدیث، دار الفقہ، **دار العربیہ**، دار الریاضیات اور دوسرے علوم جداگانہ کمروں میں علیحدہ پڑھائے جاتے تھے۔

(۳) اس جامعہ میں طبی علوم کا جداگانہ درس دیا جاتا تھا اور اس میں طب کا بھی ایک خاص شعبہ تھا۔

(۴) اس میں پہلی مرتبہ مذاہبِ اربعہ کی تعلیم کا آغاز ہوا اور دوسرے مدارس نے اس روش کو اختیار کیا۔

(۵) اس جامعہ میں ہر شعبہ اور اس کی عمارت جدا بنائی گئی تھی۔

(۶) اس جامعہ میں پہلی مرتبہ حسبِ ذیل علوم بیک وقت پڑھائے جانے کا انتظام کیا گیا تھا:

(۱) علوم القرآن
(۲) حدیث
(۳) مذاہب فقہیہ
(۴) علومِ عربیہ
(۵) علومِ ریاضیہ
(۶) فرائض (ورثہ و ترکہ)
(۷) منافع الحیوان
(۸) علومِ طب و حفظانِ صحت (۳۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں مدارس کے کتب خانوں کے ذخائر میں اختصاص و تنوع کا عمل برابر ترقی کرتا رہا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دار الخلافہ بغداد و خراسان میں غیر سرکاری مدارس کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ بغداد میں مدرسہ ابنِ قتیبہ کا تذکرہ ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ فقیہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد مروزی المتوفی ۳۴۰ھ اسی مدرسہ میں فقہ پڑھاتے تھے (۳۱۳)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر سرکاری مدارس کا آغاز سب سے پہلے بغداد میں ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں بعض ایسے ماخذ ہمارے پیش نظر رہے ہیں جو عبد السلام رؤف عمار، مصطفیٰ جواد اور ناجی معروف کے مطالعہ میں نہیں آسکے۔ اس لئے اس کا تذکرہ بھی دلیل خارطہ بغداد، مدارس

بغداد اور المدارس قبل النظامیہ میں نہیں آسکا ہے۔ ابو العباس محمد بن الحسن بن ایوب نے تقریباً ۳۳۰ھ / ۹۴۱ء میں خراسان میں نیشاپور میں سب سے پہلے دار السنہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا تھا۔ (۳۱۴) ائمۂ فن نے یہاں پڑھایا ہے اس لئے اس کو تاریخ میں بہت شہرت حاصل رہی ہے (۳۱۵) چوتھی صدی ہجری میں مدارسِ نظامیہ سے ایک سو سال پہلے جس تیز رفتاری سے مدارس کا سلسلہ خراسان میں شروع ہوا اس کا اندازہ مدارس کے نام اور ان کے مندرجہ سالِ تاسیس و تدریس سے کیا جاسکتا ہے:

(۱)	مدرسہ حسان قرشی اموی	نیشاپور	قبل ۳۴۹ھ / ۹۶۰ء
(۲)	مدرسہ ابن حبان بستی تمیمی	نیشاپور	۳۵۴ھ / ۹۶۵ء
(۳)	مدرسہ ابو حفص	بخارا	۳۶۱ھ / ۹۷۱ء
(۴)	مدرسہ مرست	پنج دیہ	۳۶۵ھ / ۹۷۵ء
(۵)	مدرسہ باب بستان	غزنہ	۳۸۵ھ / ۹۹۵ء
(۶)	مدرسہ محمد حمشادی	نیشاپور	۳۸۸ھ / ۹۹۸ء
(۷)	مدرسہ ابن رضوان	نیشاپور	۳۹۰ھ / ۹۹۹ء
(۸)	مدرسہ سعیدیہ	بعد	۳۹۰ھ / ۹۹۹ء
(۹)	مدرسہ دقاقیہ	بعد	۳۹۱ھ / ۱۰۰۰ء
(۱۰)	مدرسہ صاعدیہ	بعد	قبل ۴۰۲ھ / ۱۰۱۱ء
(۱۱)	مدرسہ ابی سعد زاہد	بعد	۴۰۴ھ / ۱۰۱۳ء
(۱۲)	مدرسہ سہل صعلوکی	بعد	۴۰۴ھ / ۱۰۱۳ء
(۱۳)	مدرسہ ابو اسحاق اسفراینی	بعد	۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء
(۱۴)	مدرسہ صابونی	بعد	۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء
(۱۵)	مدرسہ قطان	نیشاپور	قبل ۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء
(۱۶)	مدرسہ بسطامیہ	نیشاپور	۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء
(۱۷)	مدرسہ ابن فورک انصاری	نیشاپور	۴۰۶ھ / ۱۰۱۵ء
(۱۸)	مدرسہ ناصحیہ	نیشاپور	۴۰۸ھ / ۱۰۱۷ء
(۱۹)	مدرسہ بیہقیہ	نیشاپور	۴۰۸ھ / ۱۰۱۷ء
(۲۰)	مدرسہ ابو طیب اسفراینی	نیشاپور	۴۱۰ھ / ۱۰۱۹ء
(۲۱)	مدرسہ الخفاف	نیشاپور	۴۲۸ھ / ۱۰۳۶ء

(۲۲)	مدرسہ ابوبکر بستی	نیشاپور	۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء
(۲۳)	مدرسہ ابوسعد استرابادی	نیشاپور	۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء
(۲۴)	مدرسہ ابوالحسن متوی	نیشاپور	۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء
(۲۵)	مدرسہ ابن غافرہ اسدی	بوشنج	۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء
(۲۶)	مدرسہ نظامیہ	حدود	۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء
(۲۷)	مدرسہ مشلی	قبل	۴۵۴ھ / ۱۰۶۲ء
(۲۸)	مدرسہ سیوری		۴۵۸ھ / ۱۰۶۵ء
(۲۹)	مدرسہ عراقی	طوس	۴۵۹ھ / ۱۰۶۶ء
(۳۰)	مدرسہ صندلی	نیشاپور	۴۶۰ھ / ۱۰۶۷ء
(۳۱)	مدرسہ سراجین		۴۶۳ھ / ۱۰۷۰ء
(۳۲)	مدرسہ تیزیہ		۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء
(۳۳)	مدرسہ شحامی		۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء (۳۱۶)

ان میں صرف مدرسہ صندلیہ مسجد میں تھا بقیہ تمام مدارس مساجد سے علیحدہ اور اتنے وسیع تھے کہ ان میں ہر نووارد آکر ٹھہر سکتا تھا ہر ایک کے ساتھ مسجد علیحدہ بنائی گئی تھی۔ املاء کی مجالس اور تعزیتی جلسے کئے جاتے، نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی، مدرسہ کے احاطہ میں قبرستان بنایا جاتا تھا جہاں مدرسے کے سرپرست وغیرہ دفن کئے جاتے تھے۔ چندہ کے علاوہ ان مدارس کے بہت بڑے وقف تھے جن کی آمدنی سے عملہ، طلبہ اور کتب خانے کے مصارف پورے کئے جاتے تھے۔ ابوبکر بستی نے اپنے مدرسہ کے لئے اتنا بڑا وقف چھوڑا تھا جو اوقاف ابی بکر شیبان کے نام سے موسوم تھا (۳۱۷)

چھٹی صدی ہجری میں بعض مدارس رونق، وسعت و آبادی میں **مستقل** شہر معلوم ہوتے تھے چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے قاہرہ میں قرافہ صغری مزار امام شافعیؒ کے پاس ایسا عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ کہ وہ ان بلاد میں اپنی نظیر آپ تھا۔ چنانچہ مشہور سیاح ابن جبیر المتوفی ۶۱۴ھ نے ۵۸۸ھ میں سفرنامہ لکھا تو اس مدرسہ کے متعلق رقمطراز ہے:

”لم یعمر بھذہ البلاد مثلھا ولا اوسع مساحۃ ولا احفل بناء یخیل لمن یطوف علیھا انھا بلد مستقل بذاتہ----- والنفقۃ علیھا لاتحصی تولی ذلک بنفسہ الشیخ العالم المعروف نجم الدین الخبوشانی وسلطان ھذہ الجھات صلاح الدین یسمح لہ بذلک کلہ ویقول زد احتفالا وتانقا علینا القیام بمونتہ ذلک کلہ

ان بلاد میں اس جیسا مدرسہ تعمیر نہیں کیا گیا۔ نہ رقبہ میں اس سے زیادہ وسیع، نہ تعمیر میں اس سے زیادہ جامع۔ جو اس کے ارد گرد گھومے اسے یہ خیال ہو گا کہ یہ ایک مستقل شہر ہے۔ اس کے مصارف کا شمار نہیں۔ اس کے متولی شیخ نجم الدین خبوشانی ہیں۔ اس کے اطراف (مملکت) کے بادشاہ صلاح الدین ایوبیؒ اس کے لئے انہیں خوب داد و دہش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اجتماع (آبادی) و رونق بڑھاؤ، سارا بار ہم برداشت کریں گے۔

اس میں ایک استاد کا ماہوار مشاہرہ چالیس دینار اور ساٹھ رطل روٹیاں تھیں (۳۱۹)

بعض مسلم فرمانروا جب کسی ملک پر فوج کشی کرتے تو وہاں سے جو مالِ غنیمت ملتا اس سے مسجد، مدرسے اور کتب خانے بناتے تھے (۳۲۰)

عہد عباسی میں مدارس اور ان میں کتب خانوں کی کثرت کے حسبِ ذیل اسباب تھے۔

(۱) مدارس و رباطات وغیرہ کا قیام شرعاً مستحب و پسندیدہ امر ہے (۳۲۱) اس لئے امراء علماء فقراء سب ہی ان کے بنانے، آباد رکھنے میں دلچسپی لیتے تھے۔

(۲) علماء، صوفیہ، علم دوست و معارف پرور بادشاہ، وزیر، بیگمات، مخیر، خواتین اور دردمندان قوم، علم کی نشر و اشاعت اور اجرِ آخرت کی خاطر مدرسے، مسجدیں، خانقاہیں وغیرہ بناتے رہتے تھے، جن کی طرف اشارہ رباطات کے کتب خانوں میں کیا گیا ہے۔

(۳) اہلِ سنت کے مختلف دبستان مذاہب حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور محدثین اپنے مدارس علیحدہ بناتے تھے چنانچہ نیشاپور میں حنفیہ کے سترہ (۱۷) مدرسے تھے (۳۲۲)

(۴) اہل سنت کے علاوہ دوسرے بھی اپنی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لئے جدا مدرسے بناتے تھے چنانچہ صرف رے میں شیعوں کے انیس (۱۹) مدرسے تھے۔ (۳۲۳) نیشاپور میں کرامیہ کے اپنے مدارس تھے (۳۲۴)

(۵) بعض اسلامی اقالیم میں علم کا زیادہ چرچا تھا۔ وہاں تعلیمی ادارے بھی زیادہ پائے جاتے تھے نیز تعلیم کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے اور تعلیم کو مزید ترقی دینے کے لئے اسلامی شہروں میں برابر نئے مدرسے تعمیر کئے جاتے تھے بلخ میں چار سو (۴۰۰) مدارس تھے (۳۲۵) ابن جبیر نے صرف شرقی بغداد میں تیس (۳۰) مدارس کا ذکر کیا ہے (۳۲۶) اواخرِ عہد عباسی ساتویں صدی ہجری میں پاک و ہند میں بھی مدارس کا قیام عمل میں آچکا تھا چنانچہ پاکستان میں ملتان میں مدرسہ قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی المتوفی ۶۳۳ھ (۳۲۷) کی اور سندھ میں ناصر الدین قباچہ کے عہد میں مدرسہ فیروزیہ (۳۲۸) کی اور ہندوستان میں دہلی میں مدرسہ ناصریہ کی شہرت تھی (۳۲۹)

یہ حقیقت ہے کہ عہد عباسی میں تعلیمی و تحقیقی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بنایا جاتا تھا(۳۳۰) کتابوں کی تنظیم و ترتیب اور دیکھ بھال اور اساتذہ و محققین کی سہولت کے لئے عملہ رکھا جاتا تھا۔ طلباء اساتذہ اور محققین ان مدرسوں کے کتب خانوں میں کتابوں سے استفادہ کرتے، کتابیں نقل کرتے اور تصنیف کرتے تھے۔ چنانچہ بنفشاہ بنت عبداللہ المتوفاۃ ۵۹۸ھ کے مدرسہ کے کتب خانہ میں ابن الجوزی نے ۵۷۵ھ میں محمد بن طاہر مقدسی کی کتاب **الانساب المتفقہ فی الضبط والموتلف فی النقط والضبط** کا نسخہ نقل کیا تھا“ (۳۳۱)

ہر خاص و عام کو اُن کتب خانوں سے استفادہ کی عام اجازت تھی بلکہ بعض مدارس کے کتب خانے ایسے بھی تھے جو زرِ ضمانت طلب کئے بغیر ہی اہل علم اور محققین کو کتب خانے سے باہر بھی عاریتاً کتابیں دیتے تھے اور مصنفین و محققین ان سے حوالے کی بیک وقت سینکڑوں کتابیں اپنے گھر لے جاتے تھے (۳۳۲)

اس سے ان کتب خانوں کی وسعت، کتابوں کی کثرت و ندرت، اہمیت اور استعمال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں مدارس و جامعات کے کتب خانے رسمی اور غیر رسمی دونوں طریقہ تعلیم کی ترویج و اشاعت میں منہمک تھے۔

(ب) مدرسوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں ملوک ' وزراء ' امراء ' اہل علم و اہلِ ثروت نے مدارس بنائے ان میں کتب خانے وقف کئے اور ان کتب خانوں سے مورخین نے اعتناء کیا ان میں سے بعض مشہور کتب خانوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مدارس کے کتب خانوں کی قدامت ' وسعت و کثرت اور ان کے قیام کی طرف شوق و رغبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(ا) بغداد میں المنجم کا کتب خانہ

ابوالحسن علی بن یحیٰ بن منصور بغدادی المعروف بالمنجم (۲۰۱-۲۷۵ھ /۸۱۶-۸۸۸ء) یہ سات عباسی خلیفہ (متوکل تا معتضد) کا ندیم رہا۔ اس کا خاندان دین ' ادب ' شعر و فضل میں ممتاز تھا (۳۳۳) یہ شاعر ' ادیب ' مغنی ' فنکار و مصنف تھا۔ (۳۳۴) علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا اہل علم سے کتابیں لکھواتا تھا (۳۳۵) وزیر فتح بن خاقان المقتول ۲۴۷ھ کے بے مثال کتب خانہ کا ناظم و مہتمم رہا (۳۳۶)۔ لیکن اس کی طبیعت اس پر قانع نہ رہی اس نے قفص کے اطراف کر کرمیں ایک بڑے محل میں نہایت شاندار کتب خانہ خزانۃ الحکمہ کے نام سے اہلِ علم کے لئے وقف کیا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے

"ہر طرف سے اہلِ علم آکر یہاں ٹھہرتے ' علم حاصل کرتے اور کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے تھے (۳۳۶) اس کے کتب خانہ میں ایسی نادر کتابیں تھیں کہ خلیفہ عبداللہ بن محمد المعتز عباسی المتوفی ۲۹۶ھ /۹۰۹ء بھی اس سے کتاب عاریۃً لے کر پڑھتا تھا (۳۳۷)

یاقوت کے مذکورہ بالا بیان سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں درس و تدریس کا بھی انتظام تھا (اس لئے اس کو مدارس کے ضمن میں بیان کیا گیا) یاقوت نے اس کے لئے مدرسہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اس لئے اس کو بغداد کے اولین مدارس میں زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔

یاقوت کے مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دارالخلافہ بغداد میں یہ خزانۃ الحکمہ جو تعلیمِ بالغاں (Adult Education Centre) کا کتب خانہ تھا ' اصلاً درسگاہ کے کتب خانے کا کام دیتا تھا اور عوامی کتب خانے کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔ اس کے جملہ مصارف منجم خود برداشت کرتا تھا۔

اس کتب خانے کی ندرت اور یہاں کی تعلیم کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ابومعشر منجم فلکی بنیت حج خراسان سے نکلا ' بغداد پہنچا ' گزرتے ہوئے اس کتب خانہ کو دیکھا تو حیران رہ گیا اور یہیں ٹھہر گیا۔ حج کو بھی چھوڑ دیا نجوم کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ اس

فن میں کمال پیدا کیا اور مر گیا (۳۳۸) المنجم اپنے خزانۃ الحکمہ کے لئے حنین بن اسحاق المتوفی ۲۶۰ھ سے کتابوں کا ترجمہ کراتا تھا۔ ثابت بن قرہ، اصطفن اور اسحاق بن حنین بھی اس کے لئے کتابیں لکھتے تھے۔

(۲) بست (افغانستان) میں ابنِ حبان کا کتب خانہ

ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بستی (۰۰۔ ۳۵۴ھ / ۰۰۔۹۶۵ء) بلند پایہ حافظ حدیث، محدث، مورخ، فقیہ، فلسفی، طبیب، فلکی و کثیر التصانیف مصنف تھے۔ (۳۳۹) ۳۳۴ھ سے قبل نساء و سمرقند میں قاضی رہے تھے (۳۴۰) تحصیلِ علوم کے لئے مختلف شہروں کا سفر کیا خراسان سے مصر تک ایک ہزار سے زیادہ شیوخ حدیث سے سماع کیا اور علوم میں کمال حاصل کیا تھا (۳۴۱) حاکم نیشاپوری کا بیان ہے۔

”موصوف نے حدیث میں ایسی کتابیں تصنیف کیں جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی تھیں ان کی تصانیف کے لئے خراسان کا سفر کیا جاتا تھا“ (۳۴۲) ۳۳۷ھ میں موصوف کے پڑھانے کے لئے نیشاپور میں باب الرازیین میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی گئی تھی یہاں اہلِ علم آکر موصوف سے ان کی تصانیف کی سند لیتے تھے۔ (۳۴۳)

آدم مز نے اسی خانقاہ نیشاپور کو غلطی سے موصوف کا دار الکتب سمجھا ہے۔ ان کا وقف کردہ مدرسہ اور دار الکتب بست میں تھا۔ نیشاپور میں نہیں تھا (۳۴۴) یہ موصوف کا نہایت شاندار کتب خانہ تھا جس میں حدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، رجال، لغت، ادب، طب، فلسفہ و نجوم کی کتابیں تھیں۔ یہ کتب خانہ موصوف نے وقف کیا تھا۔ ابنِ حبان ۹۵۱ء / ۳۴۰ھ میں بست آئے۔ یہاں ایک عمارت بنوائی۔ مدرسہ بنوایا، طلبہ کی قیام گاہ (Boarding House) بنوائی اور اہلِ علم کے مصارف، خوراک، پوشاک کے لئے جائداد وقف کی۔

اس مدرسہ میں اپنا کتب خانہ بھی وقف کیا۔ اس کا وصی (نگران اور لائبریرین) مقرر کیا، ہدایت کی کہ کتابوں سے استفادہ کرنے، پڑھنے اور نقل کرنے کی ہر ایک کو اجازت ہے لیکن کتب خانے سے باہر کتابیں لے جانے کی اجازت نہیں (۳۴۵) ابو حاتم کو مرنے کے بعد بھی کتب خانے سے جدا نہیں کیا گیا۔ مدرسہ اور کتب خانہ کی عمارت میں ان کو سپردِ خاک کیا گیا تھا۔ (۳۴۶) یہ مدرسہ و کتب خانہ علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ / ۱۱۶۶ء کی حیات تک موجود تھا۔ (۳۴۷)

ابو حاتم بستی نے اہلِ بجستان پر جیسا عظیم احسان کیا۔ افسوس ہے انہوں نے اس کی قدر نہ کی۔ چنانچہ خطیب بغدادی کا تبصرہ ان کی تصانیف و اہلِ بجستان کی ناقدری پر سننے کے لائق ہے۔

موصوف ان کی کتابوں کے متعلق رقمطراز ہیں:

"وہ تصانیف جن کا فائدہ بڑھ جاتا ہے اگر ان کے مولف ان کتابوں کے عنوانات کی ترتیب اس انداز پر کریں جس انداز پر ابو حاتم بستی نے اپنی تصانیف کی' کی ہے۔ جن کا ذکر مجھ سے مسعود بن ناصر سجزی المتوفی ۴۷۷ھ / ۱۰۸۴ء نے کیا اور مجھے ان کے ناموں کے تذکرہ (فہرست) سے آگاہ کیا اگرچہ مجھے ان کا دیکھنا نصب نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہیں اور نہ وہ کتابیں ہمارے دیار میں مشہور ہیں۔ تاہم جنہیں میں نے اچھا سمجھا ہے انہیں نام بنام لکھتا ہوں (ان کتابوں کے نام یاقوت نے معجم البلدان میں دو کالموں میں نقل کئے ہیں) یہ ان کتابوں کے علاوہ ہیں جنہیں میں نے نظر انداز کر دیا ہے (خطیب بغدادی اہلِ بجستان کے متعلق لکھتے ہیں)

"میں نے مسعود سجزی سے پوچھا کہ تم جو کتابیں ابو حاتم کی بتاتے ہو کیا تمہارے پاس موجود ہیں یا تمہارے دیار میں کہیں تمہاری دسترس میں ہیں؟ تو بولے بہت تھوڑی' وجہ' کہا بلاشبہ ابو حاتم نے اپنی کتابیں راہ خدا میں وقف کی تھیں وہ انہیں ایک جداگانہ مکان میں محفوظ کرا گئے تھے اب ان کی بربادی کا سبب زمانہ کی درازدستی کے ساتھ حکمران کی کمزوری اور فسادیوں کا ان شہروں پر قبضہ و تسلط ہے۔ یہ سن کر خطیب نے کہا:

"ایسی جلیل القدر کتابوں کے لیے ضروری تھا کہ کثرت سے نقل کی جاتیں' ان کی نقل میں اہلِ علم میں مسابقت جاری رہتی۔ وہ انھیں لکھتے' جلدیں بندھوا کر اپنے پاس محفوظ رکھتے' میں یہی سمجھتا ہوں کہ اس امر سے مانع صرف اس شہر کے باشندوں کی مقام علم و فضیلت علم سے ناواقفیت اور علم سے بے رغبتی' لاپرواہی اور بے بصیرتی ہے۔"

اس تبصرہ سے ابو حاتم بستی کی تصانیف اور ان کے کتب خانے کی اہمیت' علوم و فنون میں تنوع و کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہل بجستان کی لاپرواہی سے اہلِ بست کے دوسرے نامور علماء کی تصانیف بھی بغداد تک نہیں پہنچتی تھیں۔ اس لیے ابن الندیم نے ابو القاسم بستی کی تصانیف کے متعلق ابن سوار کاتب سے پوچھا تھا کہ کہیں اس کی تصانیف ملتی بھی ہیں۔ (۳۴۸)

(۳) جاجری کا خزانۃ الکتب

ابو علی اسماعیل بن علی بن حسین جاجری (۴۰۶-۴۹۷ھ / ۱۰۱۵-۱۱۰۳ء) فقیہ' زاہد' واعظ شیخ طریقت تھے۔ آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی موصوف کی نسبت سے جو کوچہ مشہور تھا۔ اس میں ایک مدرسہ بنوایا' خزانۃ الکتب قائم کیا۔ اس میں مطالعہ کرتے اور اس کی نگرانی کرتے

رہتے تھے۔ ان کے معاصر مورخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

"موصوف اپنے مدرسہ کے نگران تھے، اس میں کتابوں کا مطالعہ کرتے، نگرانی کرتے اور دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے۔ " (۳۴۹)

(۴) کتب خانہ شریف مرتضیٰ

علم الھدیٰ ابوالقاسم علی بن الحسین بن موسیٰ موسوی بغدادی المعروف بالشریف المرتضیٰ (۳۵۵-۴۳۶ھ / ۹۶۶-۱۰۴۴ء) مفسر، فقیہ، متکلم، ادیب، نحوی، لغوی، شاعر و کثیر التصانیف مصنف تھے (۳۵۰)۔ ان کا بہت شاندار کتب خانہ تھا۔ موصوف کے تلمیذ ابوالقاسم تنوخی کا بیان ہے۔

"حصرنا كتبه فوجدناها ثمانين الف مجلد مصنفاته و محفوظاته ومقروائته وكذ.. انقل عن صاحب عمدة النسب" (۳۵۱)۔
ہم نے ان کی کتابوں کو گنا تو اسی ہزار مجلد نکلی تھیں۔ جن میں ان کی تصانیف، محفوظات اور پڑھی ہوئی کتابیں سب شامل تھیں، اسی طرح صاحب "عمدۃ النسب" سے منقول ہے۔

اس اعتبار سے اس کا کتب خانہ اس کے بھائی شریف رضی کے کتب خانہ سے بڑا اور بڑھا ہوا تھا۔ صرف اسماعیل بن عباد کا کتب خانہ اس کی نظیر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شیخ رافعی کا بیان ہے: " اس کا کتب خانہ ایک لاکھ چودہ ہزار کتابوں کا جامع تھا اور قاضی فاضل عبدالرحیم کا کتب خانہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ ان کے کتب خانہ میں ایک لاکھ چالیس ہزار مجلد کتابیں تھیں۔ " (۳۵۲)

خوانساری نے ثعالبی کے حوالہ سے موصوف کے کتب خانہ کی مالیت کا اندازہ تیس (۳۰،۰۰۰) ہزار دینار نقل کیا ہے اس میں امراء و وزراء کے بے شمار تحائف کا شمار نہیں ہے (۳۵۳)

شیعی تذکرہ نگاروں کا یہ بیان کہ موصوف ثمانینی (اسی ۸۰ والے) کے لقب سے اس لئے مشہور تھے کہ ان کی تالیفات اسی (۸۰،۰۰۰) ہزار مجلدات پر مشتمل تھیں (۳۵۴) ایک ایسا بیان ہے جسے عقل سلیم تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ موصوف کا ذخیرہ کتب اسی ہزار مجلدات پر مشتمل تھا، پھر عمر بھی اسی (۸۰) سال کی پائی تھی اس لئے ثمانینی کے لقب سے مشہور تھے۔ تذکرہ نگاروں کو عربی کی عبارت حصرنا کتبہ فوجدناھا ثمانین الف مجلد میں مصنفاتہ میں لفظ من کی وجہ سے دھوکہ ہوا ہے ہمارا خیال ہے کہ یہ لفظ اصل میں مع تھا جس کی تصحیف ہو گئی ہے، اب ترجمہ یہ ہو گا ہم نے ان کی کتابوں کو ان کی تصانیف وغیرہ کے ساتھ شمار کیا تو اسی ہزار مجلدات نکلے تھے اس طرح عبارت کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اور اشکال بھی باقی نہیں رہتا ہے۔

موصوف نے ایک گاؤں فقہاء کے کاغذ کے استعمال کے لئے وقف کیا تھا(۳۵۵) اپنی حویلی کو دارالعلم بنایا اور مناظرہ کے لئے وقف کیا تھا(۳۵۶) ۴۱۶ھ میں ان کی حویلی کو جلا دیا گیا اور انہیں درب جمیل میں منتقل ہونا پڑا تھا(۳۵۷)

(۵) کتب خانہ ابنِ حبان منیعی

کمال الدین ابو احمد بن عبدالرزاق بن حسان منیعی نیشاپوری (۰۰۔ بعد ۵۱۰ھ / ۰۰۔۱۱۱۶ء) بلند پایہ فقیہ و محدث تھے۔ طلبہ تحصیل علوم کے لئے ان کی خدمت میں سفر کرکے آتے تھے۔ انہوں نے بہت بڑا مدرسہ مرو روز میں قائم کیا تھا اس میں نہایت شاندار کتب خانہ بنایا تھا۔ (۳۵۸)

(۶) کتب خانہ نورانی بیہقی

ابو علی حسین بن محمد بن حسین فورانی بیہقی شافعی (۰۰۔۰۰) مورخ عبدالغافر فارسی (۴۵۱۔۵۲۹ھ / ۱۰۵۹۔۱۱۳۵ء) کے معاصر، بلند پایہ فقیہ، محدث، مفتی، واعظ و مرجع خلائق بزرگ تھے (۳۵۹) ایک زمانہ تک نیشاپور میں سکونت پذیر رہے۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں ان کا کتب خانہ قابلِ رشک تھا۔ مدرسہ بنوایا اور اس میں کتب خانہ بھی وقف کیا تھا۔ مورخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

"دین کی نصرت میں ان کی بڑی خدمات ہیں۔ انہوں نے مدرسہ بنوایا، راستے ہموار کئے، نفیس کتابیں جمع کیں، ان کے مطالعہ میں مصروف رہے، ان کو پھیلایا، ان کی اشاعت کی، ان کے حالات شروع سے آخر تک قابل رشک رہے تھے"۔ (۳۶۰)

(۷) کتب خانہ خوارزم شاہ تکش

علاء الدین خوارزم شاہ تکش المتوفی (۵۹۶ھ / ۱۱۹۶ء) نے خوارزم میں ایک مدرسہ حنفیہ کے لئے بنایا تھا اور ایسا قابلِ رشک دارالکتب وقف کیا تھا کہ شاہانِ سلاجقہ کو بھی اس پر رشک آتا تھا(۳۶۱)

(۸) کتب خانہ عبدالملک

عبدالملک (جن کی تعیین نہیں ہو سکی) نے مرو میں ایک مدرسہ کھولا تھا اس میں مورخ ابو سعید عبدالکریم سمعانی (۵۰۶۔۵۶۲ھ / ۱۱۱۳۔۱۱۱۶ء) پڑھاتے اور تصنیف و تالیف کرتے تھے۔

(۳۶۲) اس کا خزانۃ الکتب بہت مشہور تھا۔ یاقوت نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ ۶۱۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں برباد ہوا تھا(۳۶۳)

(۹) کتب خانہ ابنِ جوزی

جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی بغدادی حنبلی (۵۱۰-۵۹۷ھ /۱۱۱۶-۱۲۰۱ء) محدث، حافظ حدیث، مفسر، فقیہ، ادیب، شاعر، مورخ، واعظ و کثیر التصانیف مصنف تھے۔ سترہ (۱۷) برس کی عمر سے تصانیف کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ (۳۶۴) خلیفہ مستضئی باللہ ان کا بہت معتقد تھا۔ ان کے وعظ میں شریک ہوتا تھا(۳۶۵) انہوں نے ایک مدرسہ بھی درب دینار میں قائم کیا تھا۔ ۵۷۰ھ میں یہاں چودہ علوم کا درس دیتے تھے۔ (۳۶۶) اس مدرسہ میں موصوف نے اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا(۳۶۷) تفسیر، حدیث، تاریخ و سیر، اصول، ادب، مناقب، رقاق، ریاضیات، وعظ و نصیحت اور طب کے موضوع پر تین سو چالیس (۳۴۰) سے اوپر تصانیف یادگار چھوڑی تھیں (۳۶۸) موصوف ہر روز چار (۴) کراسے لکھتے تھے اور ہر سال پچاس ساٹھ مجلدات کے مابین تیار کرتے تھے (۳۶۹)

ابن الجوزی کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا انہوں نے بغداد کے بیشتر کتب خانوں کے کیٹلاگ دیکھے تھے (۳۷۰) ان کتب خانوں میں کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ عبدالسلام بن عبدالوہاب بن عبدالقادر جیلی نے وزیر ابن القصاب کو ابن الجوزی کی طرف سے لگائی بجھائی کر کے انہیں واسط میں جلاوطن کرایا ان کی بعض کتابوں کو نذرِ آتش کیا اور بعض کو سیل کرایا تھا(۳۷۱)

(۱۰) کتب خانہ قاضی فاضل

محی الدین عبدالرحیم بن علی بن سعید لخمی بیسانی عسقلانی المعروف بالقاضی الفاضل (۵۲۹-۵۹۶ھ) کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے تھا۔ یہ عالم فاضل، نہایت نامور ادیب و شاعر، نیک، تہجد گزار شب زندہ دار وزیر تھا۔ (۳۷۲) انشاء پردازی میں متقدمین پر بھی فائق تھا(۳۷۳) پہلے سلطان صلاح الدین کا وزیر رہا۔ وہ اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ پھر اس کے فرزند عزیز کا اور اس کے بعد سلطان منصور کا وزیر رہا۔ (۳۷۴) مورخ عبداللطیف بغدادی کا بیان ہے۔

یہ تین بھائی تھے ایک بھائی اسکندریہ میں رہتا تھا اور وہیں مرا وہ آثارِ قدیمہ کا رسیا تھا انگوٹھیاں، چٹائیاں، ہانڈیاں، جمع کی تھیں، ان سے اس کے صندوق بھرے پڑے تھے وہ جب کسی انگوٹھی کو دیکھتا یا سنتا اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور خرید لیتا تھا۔

دوسرے بھائی کو کتابوں کی حد سے زیادہ ہوس تھی اس نے دولاکھ (۲۰۰،۰۰۰) کتابیں جمع کی

تھیں۔ اور ہر کتاب کے بہت سے نسخے رکھتا تھا صحاح جوہری کے اس کے پاس ۱۸ نسخے موجود تھے تیسرے یہ قاضی موصوف تھے۔ (۳۷۵)۔ ہر فن کی کتابیں جمع کی تھیں۔ نہایت شاندار کتب خانہ بنایا تھا۔

ہر جگہ سے کتابیں منگواتا۔ اس کے نقل نویس کبھی تھکتے نہیں اور جلد ساز کبھی بیکار نہیں بیٹھتے تھے۔ اس کے کتب خانہ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱،۲۴،۰۰۰) کتابیں تھیں یہ تعداد بھی موصوف کی وفات سے بیس (۲۰) برس پہلے کی تھی (۳۷۶) اس کے کتب خانہ میں کتابوں کا ایک سے ایک عمدہ نسخہ جمع کیا گیا تھا۔ دلال کتب ابنِ صورہ کتبی کا بیان ہے:

موصوف کے فرزند اشرف کے پڑھنے کے لئے دیوان الحماسہ کا نسخہ کتب خانے سے طلب کیا گیا۔ کارکنان کتب خانہ نے دیوان الحماسہ کے تیس (۳۰) نسخے نکال کر میرے سامنے ان کو پیش کئے اور ہر نسخہ کو بتانے لگے کہ یہ فلاں کے قلم کا نسخہ ہے اور یہ فلاں کے قلم کا نسخہ ہے تیس (۳۰) نسخوں تک یہی کیفیت رہی، آخر قاضی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ بچوں کے پڑھانے کے لئے دیوان الحماسہ کا نسخہ مہیا کرو اور ایک دینار لیتے جاؤ خرید کر لیتے آنا"۔ (۳۷۷)

قاضی فاضل کتاب کو ہر قیمت پر خرید لیتے تھے، ایک مرتبہ ایک بڑا مصحف جو کوفی خط میں لکھا ہوا اور مصحفِ عثمانی کے نام سے مشہور تھا۔ قاضی فاضل نے ۳۳ اور ۳۰ ہزار دینار کے مابین خریدا تھا (۳۷۸) ۵۸۰ھ میں قاضی فاضل نے قاہرہ میں اپنے محل سرا کے متصل درب نوحیہ میں ایک نہایت عالیشان مدرسہ بنوایا جو المدرستہ الفاضلیہ کے نام سے مشہور تھا اسے شافعیہ اور مالکیہ پر وقف کیا (۳۷۹) ائمۂ فن کو اس میں درس پر مامور کیا، ابوالقاسم شاطبی جیسے نامور علماء اس میں درس دیتے تھے۔ (۳۸۰) اس مدرسہ میں یہ عظیم الشان کتب خانہ وقف کیا تھا (۳۸۱) جس میں ایک لاکھ (۱،۰،۰۰۰) اس کے رسائل و مکاتیب ہی تھے (۳۸۲) مصحفِ عثمانی کو مدرسہ کے غربی گوشہ میں محراب میں ایک علیحدہ مکان میں رکھا گیا (جہاں اور بھی مصاحف رکھے تھے) لیکن شہرت کی بناء پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اسیرانِ فرنگ کو آزاد کرانے کے لئے بھی اوقات مقرر کئے تھے ان کی وزارت، شہرت و قبولیت علماء وزراء، ملوک سب کو کھٹکتی تھی اس لئے کہ وہ ان امورِ خیر کی انجام دہی سے قاصر تھے۔ (۳۸۳)

ایک سو چودہ (۱۱۴) برس کے بعد ۶۹۴ھ میں مصر میں کال پڑا اور لوگ بھوکے مرنے لگے تو اس کتب خانہ کی ہر مجلد کتاب ایک روٹی کے عوض بکنے لگی تھی، اس افتاد میں کتب خانے کی بیشتر کتابیں نکل گئی تھیں جو باقی رہ گئیں تھیں وہ عاریتاً لینے میں فقہاء کے ہاتھوں برباد ہو گئی تھیں۔ (۳۸۴)

(۱۱) کتب خانہ ابنِ عساکر

ثقۃ الدین ابوالقادم علی بن الحسن بن ھبتہ اللہ شافعی المعروف بابنِ عساکر (۴۹۹-۵۷۱ھ / ۱۱۰۵-۱۱۷۶ء) ایک خانوادہ علمی کے گوہر شب چراغ تھے۔ حافظ حدیث، محدث، فقیہ، مورخ، ادیب، شاعر، اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ (۳۸۵) تیرہ سو شیوخ سے جس میں اسی (۸۰) سے اوپر محدثہ تھیں احادیث کا سماع کیا (۳۸۶) اور لکھا تھا کتابیں جمع کی تھیں ابنِ عساکر اور ان کے رفیق خواجہ طاش ابو علی بن الوزیر دونوں کتابوں کی دلدادہ تھے جو کتابیں ایک کے پاس ہوتی تھیں نقل کی سہولت کی بناء پر انہیں دوسرا حاصل کرنے کے درپے نہیں رہتا تھا دونوں مزید کتابوں کی جستجو میں لگے رہتے تھے، جب ابن عساکر تحصیلِ علوم کے بعد دمشق آئے تو محسوس ہوا کہ کچھ بھی حاصل نہیں کیا بہت سی امہات الکتب اور بڑی بڑی کتابیں حافظ ابوالعلاء الوزیر کے پاس رہ گئیں ابو علی جلد ہی دمشق آنے والے تھے اتفاق سے وہ مرو میں ٹھہر گئے ابنِ عساکر کی پریشانی اور بڑھ گئی اور انہوں نے حصول کتب کے لئے سفر کا ارادہ کیا مگر ایک اور ہم سبق ابوالحسن مرادی کے دمشق پہنچنے کی توقع تھی وہ کتابوں سے بھرے ہوئے چار (۴) اسفار لے کر جس میں صحیحین، بیہقی کی تصانیف اور عوالی و اجزاء تھے پہنچ گئے انہیں بڑی خوشی ہوئی اور یہ کتابوں کی نقل میں منہمک ہو گئے سب کتابیں نقل کر لیتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے انہیں پوری دنیا مل گئی ہے (۳۸۷) ابن عساکر نے اتنی کتابوں کی نقل و تصحیح و مقابلہ کیا اور کتابیں جمع کی تھیں کہ معاصرین میں سے کسی حافظِ حدیث نے نہیں کی تھیں (۳۸۸)

موصوف نے چالیس (۴۰) برس تک پڑھایا، کتابیں لکھیں اور کتب خانہ بنایا تھا ان کے کتب خانے میں مقابلہ اور صحت کردہ نسخے محفوظ تھے (۳۸۹) ابن عساکر نے سب سے پہلے دمشق میں دار الحدیث بنایا اور اس میں اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا (۳۹۰)

(۱۲) کتب خانہ ابوالحسن مرحب حنبلی

ابوالحسن علی بن عساکر مرحب **بطائحی** حنبلی (۴۹۰-۵۷۲ھ / ۱۰۹۷-۱۱۷۷ء) شیخ القراء، محدث، لغوی، نحوی، ادیب و مصنف تھے (۳۹۱) موصوف کا اتنا بڑا کتب خانہ تھا کہ اس کو مدرسہ شیخ عبدالقادر جیلانی (۳۹۲) اور مسجد ابنِ جرادہ (۳۹۳) میں وقف کیا تھا۔ مدرسہ جیلانیہ کے کتب خانہ میں ان کی کتابیں آج بھی موجود ہیں (۳۹۴)

(۱۳) کتب خانہ گوہر خاتون

گوہر خاتون ملک شاہ سلجوقی کی دختر نیک اختر کی شادی سلطان علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم المتوفی ۵۰۴ھ / ۱۱۱۰ء سے ہوئی تھی (۳۹۵) یہ بڑی نیک دل خاتون تھی، خیر کے کاموں میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ اس نے ایک مدرسہ نیشاپور میں بنوایا اور اس میں کتب خانہ وقف کیا تھا۔ یہ کتب خانہ خزانۃ الخاتونیہ، کتب خانہ مہد عراق اور کتب خانہ مدرسہ مہد عراق کے نام سے موسوم تھا۔ ظہیر الدین بیہقی المتوفی ۵۹۵ھ / ۱۱۹۸ء نے اس میں تاریخ آل محمود کی کچھ جلدیں مطالعہ کی تھیں (۳۹۶)

(۱۴) کتب خانہ حارثی مقدسی

ابو الحسن مرتضیٰ بن ایوب حارثی مقدسی المتوفی (۵۷۲ھ / ۱۱۷۶ء) نے اپنا کتب خانہ مدرسہ جیلانیہ بغداد میں وقف کیا تھا (۳۹۷)

(۱۵) کتب خانہ ابو المظفر شیبانی

عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ شیبانی حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ / ۱۱۰۵-۱۱۶۵ء) فقیہ، قاری، لغوی، عروضی، مورخ، ادیب، مصنف، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا۔ اس کی مجلس علماء، ادبا، شعراء، اور دیگر ارباب کمال سے خالی نہیں تھی۔ (۳۹۸) ابن خشاب بغدادی المتوفی ۵۶۷ھ نے جب موصوف کی کتاب "مقدمتہ النحو" کی شرح لکھی تو اسے ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار بطور انعام دیئے تھے (۳۹۹) خلیفہ مقتفی باللہ عباسی نے ۵۴۴ھ میں موصوف کو وزیر بنایا پھر مستنجد باللہ کے تاحیات وزیر رہے۔

کتابوں کا بہت شوق تھا۔ بہت عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔ علماء و فضلاء ان کے کتب خانہ کے لئے کتابیں لکھتے تھے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ "ابو محمد بن عبد الرحمٰن اندلسی نے ۵۵۶ھ میں "المغرب عن بعض عجائب المغرب" انہی کے کتب خانے کے لئے لکھی تھی (۴۰۰)

ابو محمد اندلسی ۵۱۶ھ میں بغداد آیا تو ابن ہبیرہ کے یہاں چار برس مہمان رہا تھا۔ جب ۵۵۵ھ میں آیا، تو بھی اس کا مہمان رہا، بہت خاطر و مدارت ہوئی اس کے حسنِ سلوک کا موصوف نے آغاز کتاب میں ذکر کیا ہے۔ (۴۰۱) ابنِ ھبیرہ نے ۵۵۷ھ میں باب البصرہ کے پاس حنابلہ کے واسطے ایک مدرسہ بنوایا۔ بغداد میں حنابلہ کا یہ واحد مدرسہ تھا اس مدرسہ میں موصوف نے اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا اور اس میں اس کا مدفن ہے (۴۰۲)

ابنِ ھبیرہ کی وفات کے بعد جب ابو جعفر احمد بن محمد بلدی وزیر بنا تو اس نے ان کی اولاد اور اعزہ پر بہت سختی کی۔ ان کا سارا اثاثہ چھین لیا وہ نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے۔ آخر کار انہوں نے ابنِ ھبیرہ کے مدرسہ کی موقوفہ کتابیں بیچنا شروع کر دی تھیں۔

اس خزانۃ الکتب میں ابو اللیث سمرقندی کی کتاب البستان فی الرقائق کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مطلا نسخہ موجود تھا جس پر دس دینار دو دانق اور ایک حبہ کے ہموزن سونا چڑھا ہوا تھا، وہ بھی فروخت کیا گیا (۴۰۳) ابن ھبیرہ نے اپنی کتاب الافصاح کا نسخہ نقل کرا کر مستنجد باللہ کے خانہ کتب میں داخل کیا تھا (۴۰۴) اس کے خزانۃ الکتب میں اس کی مدح میں شعراء نے جو قصائد لکھے تھے وہ چار مجلدات میں محفوظ تھے۔ کسی دشمن نے اسے خرید کر پانی سے دھو ڈالا تھا (۴۰۵) سبط ابن الجوزی کا بیان ہے کہ ۶۵۴ھ میں یہ مدرسہ اور کتب خانہ برباد ہو چکا تھا (۴۰۶) ابن المارستانیہ نے موصوف کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی (۴۰۷)

(۱۶) کتب خانہ ابن الجوہری

شرف الدین ابو العباس احمد بن مسعود بن ابراہیم المعروف بابن الجوہری (۰۰۔ ۶۴۳ھ / ۰۰۔ ۱۲۴۵ء) عالم و حافظ حدیث تھے۔ علم کے لئے سفر کیا۔ راتوں جاگے اتنا لکھا کہ بیان سے باہر ہے۔ اجرت پر کتابیں نقل کرائی تھیں اور اپنی پوری جائیداد اس علم کی طلب میں خرچ کی تھی (۴۰۸) جوانی میں انتقال ہو گیا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو اپنی تمام کتابیں مدرسہ نوریہ میں وقف کر دیں موصوف کے کتب خانہ میں اتنی کتابیں تھیں کہ ان کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھیں۔ صدریہ ایک مکان تھا۔ اسے ابن المنجا نے ان سے خرید کر مدرسہ بنایا اور وقف کیا تھا (۴۰۹)

(۱۷) کتب خانہ باتکین ناصری

شمس الدین ابو المظفر باتکین بن عبد اللہ رومی ناصری (۵۶۰۔ ۶۴۰ھ / ۱۱۶۵۔ ۱۲۴۲ء) مستنجد باللہ کی کنیز عائشہ کا غلام اور فوجی تھا۔ عالم و شاعر تھا۔ بیس برس تک بصرہ کا عامل رہا۔ بصرہ میں جو مدرسے منہدم ہو چکے تھے۔ ان کو بنوایا، آباد کیا۔ حنابلہ کا یہاں کوئی مدرسہ نہ تھا ان کے لئے مدرسہ بنایا۔ علمِ طب کا مدرسہ (میڈیکل کالج) کھولا، اس کے دور میں علم کا یہاں بڑا چرچا رہا۔ دور دور سے علماء یہاں آنے لگے تھے (۴۱۰) جامع بصرہ کی دہلیز کے پاس دو حجرے بنوائے۔ ان میں سے ایک میں کتب خانہ بنوایا تھا اور تمام مدرسوں میں کتابیں وقف کی تھیں (۴۱۱)

(۱۸) کتب خانہ ابو القاسم مقدسی

شہاب الدین ابو القاسم عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم مقدسی دمشقی شافعی (۵۹۹-۶۶۵ھ / ۱۲۰۲-۱۲۶۷ء) ان کے ابرو پر بڑا نشان تھا۔ اس لئے ابو شامہ کے لقب سے مشہور تھے۔ قاری، محدث، حافظ حدیث، مفسر، فقیہ، اصولی، مورخ، ادیب، شاعر، لغوی، خطاط، کثیر التصانیف مصنف تھے (۴۱۲) دارالحدیث اشرفیہ میں شیخ الحدیث اور تربتہ الاشرفیہ میں شیخ القراء کے منصب پر ممتاز تھے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ جسے انہوں نے خزانہ عادلیہ دمشق میں وقف کیا تھا۔ یہ پابندی لگائی تھی کہ کوئی کتاب خزانہ عادلیہ سے باہر نہ لے جائی جائے، پھر اس میں آگ لگی اور سب جل گیا۔ (۴۱۳)

(۱۹) کتب خانہ ابو طالب حلبی

شرف الدین ابو طالب عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن الحسن عجمی حلبی شافعی (۰۰-۶۵۸ھ / ۰۰-۱۲۵۹ء) حلب کے امیر اور علمی خانوادے کے فرد فرید تھے۔ فقیہ، محدث و مدرس تھے (۴۱۴) ظاہریہ میں پڑھاتے تھے۔ حلب میں ایک نہایت شاندار مدرسہ بنوایا، اس میں خزانۃ الکتب وقف کیا (۴۱۵) اور ان کتابوں پر اپنا نام لکھا تھا یہ کتب خانہ حدیث، تفسیر، فقہ، نحو وغیرہ ہر فن کی کتابوں پر مشتمل تھا، جن میں امام شافعی کی المسند، کتاب الام، اور کئی دیگر تصانیف ائمہ تفسیر ثعلبی وغیرہ کی تفسیریں اور النہایہ، الحادی الکبیر، کتاب الابانہ، التنبیہ، الذخائر، الشامل، حدیث میں صحاح ستہ اور فقہ میں تمام فقہی مذاہب کی کتابیں تھیں۔ رافعی اور نووی کی کتابیں ابھی تک حلب نہیں پہنچی تھیں۔ اس لئے ان کی کتابیں اس میں نہ تھیں اس میں چالیس (۴۰) نسخے کتاب التنبیہ کے تھے۔ امام غزالی کی جملہ تصانیف، ان تمام کتابوں کے نام ان کے رشتہ داروں کے پاس بھی ایک رجسٹر میں لکھے ہوئے موجود تھے تیمور کے حملہ میں یہ کتب خانہ ضائع ہو گیا (۴۱۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس کتب خانے کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا۔

(۲۰) کتب خانہ بادرائی

نجم الدین ابو محمد عبداللہ بن محمد بن الحسن شافعی بادرائی (۵۹۴-۶۵۶ھ / ۱۱۹۷-۱۲۵۸ء) محدث، فقیہ، فرائض کے ماہر اور خازن کتب تھے۔ آخری زمانے میں انہیں بغداد کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا۔ ۶۳۹ھ میں جامعہ نظامیہ میں مدرس بنایا گیا۔ خلعت پہنائی گئی، شاہی کتب خانے کا خازن بنایا

گیا۔ اساتذہ جامعہ نظامیہ کے طور طریق اور پابندیوں سے مستثنٰی قرار دے کر انہیں مدرسہ میں آمدورفت کی خصوصی اجازت دی گئی تھی (۴۱۷)

بادرائی کو کتابوں کا شوق تھا ان کے پاس عمدہ کتب خانہ تھا دمشق میں موصوف نے دار اسامہ میں شافعیہ کے واسطے ایک مدرسہ بنوایا جو مدرسہ بادرائیہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ دمشق کا سب سے بہتر مدرسہ تھا اس کے افتتاح میں سلطان صلاح الدین اور دوسرے اعیانِ مملکت نے شرکت کی تھی (۴۲۹) اس کتب خانہ کی کتاب الحاوی کے نسخہ کا سبکی طبقات الشافعیہ میں حوالہ دیتے رہتے ہیں (۴۲۰) ۱۲۴۹ء / ۶۴۷ھ میں خلیفہ مستعصم باللہ نے موصوف کو شام و حلب میں سفارت کے عہدہ پر بھیجا تھا (۴۲۱)

(۲۱) کتب خانہ شمس الدین بطال

شمس الدین ابو عبداللہ (محمد) بن احمد بن محمد رکبی یمنی المعروف ببطال (۰۰- ۶۳۳ھ / ۰۰- ۱۲۳۳ء) قاری، محدث، فقیہ، لغوی، شاعر، مصنف، عابد و زاہد تھے۔ چودہ (۱۴) برس مکہ میں رہے تھے ان کا ذاتی کتب خانہ تھا۔ بطال نے اپنی بستی ذی **یعمر** میں ایک مدرسہ بنوایا۔ اس میں اپنی جائیداد اور کتب خانہ وقف کیا تھا۔ (۴۲۲) حسن صغانی لاہوری کی قیامِ یمن کے زمانہ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی اور ایک نے دوسرے سے استفادہ کیا تھا (۴۲۳) یمن اور نواحِ یمن سے طلبہ ان کی خدمت میں آکر اکتسابِ کمال کرتے تھے، بطال درس و تدریس تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے باوجود ایک قرآن روزانہ ختم کرتے تھے (۴۲۴)

(۲۲) کتب خانہ ضیاء الدین مقدسی

ضیاء الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد بن احمد مقدسی دمشقی حنبلی (۵۶۹- ۶۴۳ھ / ۱۱۷۳ء- ۱۲۴۵ء) فقہاء و محدثین کے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ محدث، فقیہ، حافظ حدیث، عابد و زاہد، جرح و تعدیل کے امام، و کثیر التصانیف مصنف تھے (۴۲۵) تحصیل علوم کے لئے خراسان، عراق، مصر و حجاز کا سفر کیا بہت کتابیں لکھیں اور لکھوائیں اور مختلف اسلامی ممالک سے خریدی تھیں۔ عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ بنیادی نسخے جمع کئے تھے۔ (۴۲۶)

بہت آسانی سے کتابیں عاریتہ دیتے تھے۔ (۶۲۷) سفح قاسیون دمشق کے باب المظفری میں دارالحدیث **الضیائیۃ المحمدیۃ** کے نام سے ایک مدرسہ بنایا۔

اس میں اپنا کتب خانہ وقف کیا (۴۲۸) پھر اس **خزانۃ الکتب** میں (۱) شیخ موفق الدین (۲) بہاء الدین عبدالرحمٰن (۳) حافظ عبدالغنی (۴) ابنِ رجب حنبلی (۵) ابنِ سلام (۶) ابنِ معالی (۷) شیخ

علی موصلی جیسے نامور علماء نے اپنی کتابیں اور کتب خانے وقف کئے تھے۔ (۴۲۹) اس کے مصارف کو پورا کرنے کے لئے جائیدادیں وقف کی گئی تھیں لیکن غازان کے حملہ میں یہ قیمتی کتب خانہ لٹ گیا تھا (۴۳۰)

(۲۳) کتب خانہ مؤرخ ابن النجار

محب الدین ابو عبداللہ بن محمود بن حسن بغدادی شافعی المعروف بابن النجار (۵۷۸-۶۴۳ھ / ۱۱۸۳-۱۲۴۵ء) حافظ‘ محدث‘ ادیب‘ شاعر‘ نحوی و قاری تھے۔ جامعہ مستنصریہ میں حدیث پڑھاتے تھے۔ چالیس (۴۰) سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑی تھیں (۴۳۱) تحصیل علوم کے لئے خراسان‘ اصفہان‘ شام‘ مصر وغیرہ کا سفر کیا اور تین ہزار شیوخ سے سماع کیا۔ جن میں چار سو (۴۰۰) خواتین اس پایہ کی محدثہ تھیں‘ جن سے موصوف نے سندیں لی تھیں (۴۳۲) بہت سماع کیا اور اتنا لکھا تھا کہ بیان سے باہر ہے (۴۳۳) حدیث کی کتابوں کے اصل نسخے اور مسانید جمع کی تھیں (۴۳۴) بہت بڑا کتب خانہ تھا (۴۳۵)

اس کی وسعت و عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ موصوف نے ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار کی قیمت کے دو خزانة الکتب جامعہ نظامیہ بغداد میں وقف کئے تھے اور اس وقف نامہ کی توثیق خود خلیفہ مستعصم نے اپنے دستخطوں سے کی تھی (۴۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ وقف کے کتب خانہ پر خلیفہ وقت دستخط کرتا تھا گویا اس کی رجسٹری ہوتی تھی۔ اس دور میں کتابوں اور کتب خانوں کی ہمت افزائی و قدردانی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال پیش کی جا سکتی تھی۔ موصوف نے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا تھا لیکن وہ محض جمع کتب کے قائل نہ تھے اس سے استفادہ کو کتب خانہ کی جان سمجھتے تھے‘ فرماتے تھے:

اذا لم تکن حافظاً واعیاً
فجمعک للکتب لا ینفع

”جب تم علوم کے حافظ اور انہیں محفوظ رکھنے والے نہیں‘ تو کتابوں کا اکٹھا کر لینا کچھ تمہیں فائدہ نہیں دے گا۔“

اتنطق بالجهل فی مجلس
وعلمک فی البیت مستودع (۴۳۷)

”کیا تم مجلس میں بیٹھ کر جہل کی باتیں کرو گے۔ اور تمہارا علم گھر میں امانت رکھا رہے گا۔“

۶۲۴ھ میں بغداد آئے تو انہیں محلہ ظفریہ میں رباط شیخ الشیوخ میں قیام کی پیش کش کی گئی۔ فرمایا، میرے پاس تین سو (۳۰۰) دینار موجود ہیں۔ اس میں قیام درست نہیں، وارث کوئی تھا نہیں، مرتے وقت بیس دینار، تن کے کپڑے اور کتب خانہ چھوڑا تھا(۴۳۸)

اس طرح بعض ادوار میں بعض بلاد میں مدارس اور ان میں کتب خانوں کی کثرت رہی ہے۔ چنانچہ عہدِ ایوبی (۵۶۴-۶۴۸ھ / ۱۱۶۸-۱۲۵۰ء) میں:

دمشق میں قرآن مجید کی تعلیم کے سترہ (۱۷) حدیث کی تعلیم کے اٹھارہ (۱۸)،
شافعیہ کے ستاون (۵۷)،
حنفیہ کے اکاون (۵۱)،
حنابلہ کے دس (۱۰)،
مالکیہ کے چار (۴) مدرسے اور
طب کے تین (۳) مدرسے تھے۔

ان میں نو (۹) مدرسے مالدار خواتین نے بنائے تھے۔ رباطات، خانقاہیں زاوے اور تکیے اس کے علاوہ تھے، جہاں تعلیم کا علیحدہ انتظام تھا(۴۳۹)

عہدِ عباسی میں بعض شہر مدارس کی کثرت میں بہت مشہور تھے مثلاً ساوہ جو رَے اور ہمزان کی مابین ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ کثرتِ مدارس و رباطات میں شہرت رکھتا تھا(۴۴۰)

موصل میں اٹھائیس (۲۸) مدرسے، اٹھارہ (۱۸) دارالحدیث اور ستائیس (۲۷) خانقاہیں تھیں اور ان سے متصل کتب خانے بھی تھے(۴۴۱)

بعض شہروں میں بعض مقامات میں کسی خصوصیت کی بناء پر مدرسے زیادہ بنائے جاتے تھے چنانچہ دمشق میں جبلِ قاسیون جہاں انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں، کثرت سے مدرسے اور خانقاہیں آباد تھیں(۴۴۲)

عہدِ عباسی میں کثرت سے مدارس بنائے گئے، لیکن آپس کے اختلافات، سیاسی انقلابات اور حملہ آوروں کی لوٹ مار سے مدارس بھی تباہ ہوتے رہے اس لئے تاریخ نگار زیادہ تفصیل میں نہیں جاتے۔ ان کی طرف اشارے کر کے گزر جاتے ہیں(۴۴۳) تاہم طبقات و بلاد کی تاریخ میں عصرِ عباسی کے مشہور مدرسوں کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ابوالقاسم جنید شیرازی نے "شذ الازار فی حط الاوزار عن زوار المزار" میں علماء و صوفیہ کے حالات میں شیراز کے، مقریزی نے کتاب الخطط (۴۴۴) میں مصر کے، ابنِ عساکر نے مقدمہ تاریخ دمشق میں (۴۴۵) شام کے، ابن الجوزی نے المنتظم میں (۴۴۶) اور ابن الفوطی نے الحوادث الجامعہ میں حوادث اور وفیات کے ذیل میں،

عماد عبد السلام نے مدارس بغداد فی العصر العباسی میں، بغداد کے الفارسی نے کتاب السیاق میں علماء کے تذکرہ میں نیشاپور کے مدارس کا ذکر کیا ہے۔

علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، ان میں حسن بن احمد ارملی المتوفی ۷۳۶ھ کی کتاب مدارس دمشق و ر۔بطہا و جوامعہا و حماماتہا (۷۴۴) اور نعیمی کی "المدارس فی تاریخ المدارس" زیادہ مشہور ہیں۔ نعیمی نے "الدارس فی تاریخ المدارس" میں شام و مصر کے مدارس کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ناجی معروف نے "علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی" میں عصر عباسی کے دو سو (۲۰۰) مشہور مدرسوں کا تذکرہ کیا ہے ان وجوہ سے مدارس عصیر عباسی کا احاطہ مشکل ہے لیکن اس سے ان کی کثرت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

عہدِ عباسی کے مدارس کی اس غیر معمولی ترقی کا اثر اندلس پر بھی ہوا گو مورخ المقری نے یہ لکھا ہے کہ

"لیس لاهل الاندلس مدارس، تعینهم علی طلب العلم بل یقرؤن جمیع العلوم فی المساجد" (۴۹۹) اندلسیوں کے مدارس نہ تھے جو طلبِ علم میں ان کی مدد کرتے بلکہ وہ تمام علوم مساجد میں پڑھتے تھے۔

لیکن مورخ موصوف کا مذکورۂ بالا بیان پانچویں چھٹی صدی ہجری تک درست کہا جا سکتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں ہسپانیہ میں مشرقی طرز کے مدارس و جامعات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا چنانچہ علی بن محمد بن علی غافقی المعروف بالشاری (۵۷۱-۶۴۹ھ / ۱۱۷۵-۱۲۵۱ء) نے بہت سی نفیس، اہم اور بنیادی کتابوں کا ذخیرہ فراہم کیا تھا جو ان کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھا بلکہ متقدمین میں بھی بہت سے اہلِ علم کے پاس ایسا عمدہ ذخیرہ کتب نہ تھا، انہوں نے اپنے شہر سبتہ میں ایک مدرسہ بنایا۔ تمام ضرورت کی کتابیں اس میں جمع کی تھیں بلادِ مشرق کے مدارس کے طرز پر اس کی تکمیل کا ارادہ تھا کہ شورش اور ان کی جلاوطنی کی وجہ سے یہ سلسلہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا (۴۵۰)

(ج) جامعات کے کتب خانے

نظام الملک طوسی کی مدارس سازی کی تحریک جامعات سازی کی تحریک تھی۔ حکومت ان کے انتظامی و مالی امور میں شریک تھی، انتظامی امور میں اس امر کا لحاظ رکھا جاتا تھا" کہ جو نصاب مقرر کیا گیا ہے، پڑھانے میں اس کی پابندی کی جائے، حکومت انہیں اپنے مقررہ بجٹ سے چلاتی تھی، اساتذہ کا تقرر بادشاہ وقت کرتا تھا (۴۵۱) ان میں مخصوص مکتب فکر کی تعلیم دی جاتی اور خاص مکتبِ فکر کے علماء کو تدریس کے منصب پر ممتاز کیا جاتا تھا ان میں بہت ہم آہنگی تھی، اساتذہ کا لباس بھی مخصوص تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صفت میں خازن بھی ان کے شریک تھے چنانچہ اساتذہ کی طرح خازن کو بھی خلعت دیا جاتا تھا (۴۵۲) نظام الملک طوسی کے قائم کردہ مدارس کو مدارس و جامعات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (۴۵۳) اور وہ جامعات نظامیہ مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) جامعہ نظامیہ بغداد اس کا افتتاح (۴۵۹ھ / ۱۰۶۷ء) میں۔

(۲) جامعہ نظامیہ نیشاپور کا افتتاح ۔۴۵ھ / ۱۰۵۸ء میں کیا گیا تھا۔ (۴۵۴)

(۳) جامعہ نظامیہ بلخ۔

(۴) جامعہ نظامیہ ہرات۔

(۵) جامعہ نظامیہ اصفہان۔

(۶) جامعہ نظامیہ بصرہ۔

(۷) جامعہ نظامیہ موصل۔

(۸) جامعہ نظامیہ مرو۔

(۹) جامعہ نظامیہ آمل طبرستان۔

(۱۰) جامعہ نظامیہ جزیرہ ابنِ عمر۔ (۴۵۶)

حکومت کے مخصوص بجٹ کے علاوہ ان کے مصارف کو پورا کرنے کے لئے بڑے بڑے اوقاف تھے، بھی زیادہ قیمت میں کتابیں خرید کر ان کے کتب خانوں میں پہنچائی جاتی تھیں (۴۵۷) جامعہ نظامیہ بغداد کی تعلیم و تنظیم نے یورپ کے کلیات و جامعات کو متاثر کیا اور یورپ میں اس طرزِ تعلیم کو دانشگاہوں میں اپنایا گیا تھا (۴۵۸)

ان جامعات کے کتب خانوں میں جامعہ کے اساتذہ کے علاوہ شہر کے اربابِ ذوق اور اہل قلم بھی استفادہ کے لئے آتے اور یہاں بیٹھ کر کتابیں لکھتے تھے۔ چنانچہ فخر الدین ابو الفضائل ہندو شاہ بن سنجر المتوفی ۶۸۳ھ نے "جامع الدقائق فی کشف الحقائق" جامعہ بغداد کے کتب خانہ میں

لکھی تھی (۴۵۹)

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان جامعات اور درسگاہوں کے کتب خانوں کے دروازے جن میں خاص مکاتبِ فکر کی تعلیم دی جاتی تھی ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ عام اہلِ علم اپنی تخلیقات کے لئے کتب خانوں میں بیٹھ کر مواد حاصل کرتے تھے اور ان پر نسلی، گروہی اور طبقاتی قدغن نہیں لگائی جاتی تھی۔

(۱) کتب خانہ جامعہ نظامیہ بغداد

جامعہ نظامیہ بغداد کے کتب خانے کو دو شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا ایک کو دارالکتب **العتیقہ** اور دوسرے کو دارالکتب الجدیدہ کہا جاتا تھا (۴۶۰) اس میں پندرہ مشرف اور نو خازن رہ چکے تھے (۴۶۱) اس سے اس کی خدمات پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر جامعہ کے کتب خانے میں خازن و عملہ مامور تھا۔

(۲) کتب خانہ جامعہ نظامیہ نیشاپور

نظام الملک طوسی المتوفی ۴۸۵ھ نے بلاد اسلامی میں جتنے جامعات قائم کئے تھے ان میں طلبہ، اساتذہ، **محققین** و اہلِ علم کے استفادہ کے لئے کتب خانے بھی قائم کئے تھے۔ چنانچہ جامعہ نظامیہ نیشاپور میں بھی خزانۂ کتب بنایا اور علامہ ابوالقاسم سلمان بن ناصر انصاری نیشاپوری المتوفی ۵۱۲ھ کو اس کا خازن مقرر کیا تھا (۴۶۲) اس کتب خانے سے ابوالحسن بیہقی نے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا وہ "تتمہ صوان الحکمہ" میں اس کا جابجا حوالہ دیتا ہے:

"اس کتب خانے میں ہر فن کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔" بیہقی نے ابنِ سینا کی "کتاب الحیوان" کا نسخہ جو اس نے فارسی میں لکھی تھی۔ یہیں دیکھا تھا (۴۶۳) ابنِ سینا کے تلمیذ حکیم ابو عبداللہ معصومی کی "کتاب فی المفارقات و اعداد العقول و الافلاک" بھی اس کتب خانے میں محفوظ تھی جسے جمال الملک بن نظام الملک منگا کر مطالعہ کرتا تھا۔ پھر یہ نسخہ یہاں سے غائب ہو گیا تھا جس پر بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب تمام حکماء کی محبوب تھی معلوم نہیں اسے عنقا لے اڑا یا فنا کے ہاتھوں برباد ہو گئی (۴۶۴)

(۳) خزانۂ کتب جامعہ مستنصریہ

خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے جامعہ مستنصریہ ۶۳۰ھ میں دجلہ کے بائیں کنارے پر تعمیر کرایا تھا۔ یہ اس کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ خلیفہ

نے اس کا افتتاح ایک سو ساٹھ (۱۶۰) بار شتر کتابوں سے کیا تھا‘ ان کتابوں کا فہرست سے مقابلہ کرنے اور انہیں کیٹلاگ کرنے کے لئے خازن عبدالعزیز بن دلف کے فرزند ضیاء الدین کو مامور کیا تھا (۴۶۵ھ) یہ اسی ہزار (۸۰‘۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا (۴۶۶) اس میں مصاحف اور بنیادی کتابیں زیادہ تھیں (۴۶۷) اس زمانے میں اس کتب خانہ کی دور دور نظیر نہ تھی (۴۶۸)

نامور خلفاء‘ امراء‘ وزراء اور علماء و فضلاء اس کتب خانے کو دیکھنے آتے تھے چنانچہ ۶۳۴ھ بیں شاہ بہروز نور الدین ارسلان شاہ دار الکتب میں آیا‘ کتابوں کو دیکھا‘ بیٹھا اور چلا گیا (۴۶۹)

بغداد کے کتب خانوں میں یہ دار الکتب لائق دید رہا تھا۔ چنانچہ ۶۹۶ھ میں سلطان غازان نے جامعہ مستنصریہ کی زیارت کی اور کتب خانہ دیکھا تھا (۴۷۰) ادیب فخر الدین ابو الفضل عبداللہ خوارزمی المعروف بالبہشتی قاضی ہراۃ محمد کے ساتھ خزانہ الکتب دیکھنے آیا تھا (۴۷۱)

یہاں سے اہلِ علم کو کتابیں بھی مستعار ملتی تھیں چنانچہ حکیم عیسٰی بن قیس نے قانون شیخ کا اپنا ذاتی نسخہ جو جائز طور پر خانہ میں داخل ہوا تھا منگا کر نقل و مقابلہ کیا تھا (۴۷۲) یہ کتب خانہ مخصوص اوقات میں کھلتا اور سیل کیا جاتا تھا (۴۷۳)۔

(د) طبی مدارس اور شفاخانوں کے کتب خانے

عہد عباسی میں طبی مدارس اور شفاخانوں کے ساتھ بھی دار الکتب بنانے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے قاہرہ میں ابن طولون نے جامع ابن طولون میں شفاخانہ کے ساتھ دار الکتب بنایا تھا جیسا کہ باب سوم میں گزر چکا۔

(۱) کتب خانہ بیمارستان کبیر دمشق

(ا) بیمارستان نوری

(ب) صیدلہ نوری

(ج) بیمارستان کبیر

سلطان نور الدین ابو القاسم محمود بن زنگی (۵۱۱-۵۶۹ھ / ۱۱۱۷-۱۱۷۳ء) نے بیمارستان کبیر میں کتب خانہ وقف کیا تھا (۴۷۴) دمشق میں تین شفاخانوں میں بیمارستان نوری، صیدلہ نوری اور بیمارستان قیمری میں طبی کتابیں وقف کی تھیں جہاں اہل علم آکر استفادہ کرتے تھے۔ (۴۷۵)

(۲) کتب خانہ دخوار دمشقی

مہذب الدین بن عبدالرحیم بن علی بن حامد المعروف بالدخوار دمشقی (۵۶۵-۶۲۸ھ / ۱۱۶۵-۱۲۳۰ء) اپنے زمانے کا نامور طبیب، فلسفی، ہیئت دان، ادیب و مصنف تھا۔ موصوف کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ دخوار نے سو (۱۰۰) سے زیادہ مجلدات اپنے قلم سے نقل کی تھیں (۴۷۶) سلطان ابوبکر بن ایوب نے اس کو بیمارستان کبیر کا نگران مقرر کیا تھا (۴۷۷)

اس کا بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ شفاخانہ میں مریضوں اور اعیانِ مملکت کو دیکھنے کے بعد گھر آتا تو پڑھنے پڑھانے میں لگ جاتا تھا۔ طلبہ آتے انہیں پڑھاتا کتاب میں کوئی غلطی ہوتی اس کی تصحیح کراتا تھا۔ اس لئے ان کے نسخے بہت صحیح ہوتے تھے۔ لغت اور طبی حوالے کی کتابیں پاس رکھتا تھا جوہری کی "الصحاح" ابن فارس کی "المجمل" اور ابو حنیفہ دینوری کی "کتاب النبات" سامنے رکھی رہتی تھیں۔ دورانِ درس کوئی تشریح طلب لفظ آجاتا تو ان کتابوں سے اس کی تصحیح و تشریح کرتا تھا۔ (۴۷۸) یہ سیف الدین آمدی کا شاگرد تھا۔ ان کی بیشتر کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں (۴۷۹)

طب و جراحی کے آلات جن کی طبیب کو ضرورت پیش آتی ہے سب دخوار کے کتب خانہ

میں محفوظ تھے اور ایسے آلات جمع کئے تھے جو معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھے (۴۸۰) صرف فن اصطرلاب پر قدماء کے سولہ (۱۶) رسالے اس کے کتب خانے میں موجود تھے (۴۸۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ کا کیٹلاگ Classified order میں تھا یعنی کتابی صورت میں موضوعی ترتیب پر مرتب تھا۔ آخر عمر میں موصوف نے اپنے محل سرا کو جو سوق المناخلین دمشق میں واقع تھا' میڈیکل کالج بنادیا تھا اور اس میں جراحی' فلکیات کے جملہ آلات اور کتب خانہ وقف تھا (۴۸۲) اس طرح کالج کے ساتھ کتب خانہ کو بھی وابستہ کردیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس کالج کے ساتھ کتب خانے کے اولین بانی مسلمان ہی تھے۔

(۳) کتب خانہ نجم الدین لبودی

نجم الدین ابو زکریا یحییٰ بن شمس الدین محمد بن عبدان لبودی المتوفی ۶۶۸ھ جو نامور ادیب و طبیب تھے' انہوں نے طبی مدرسہ لبودیہ دمشق میں وقف کیا تھا (۴۸۳)

(ہ) رصد گاہوں کے کتب خانے

(۱) نصیر الدین طوسی کا کتب خانہ

ابتداء عہد عباسی میں کتابوں کی قلت و دشواری کے باعث رصد گاہوں کے ساتھ جداگانہ کتب خانہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ رصد گاہ شماسیہ کی ضروریات کی تکمیل بیت الحکمہ سے پوری کی جاتی رہی تھیں لیکن بعد میں اس کے ساتھ جداگانہ کتب خانہ بھی بنایا جانے لگا تھا۔ چنانچہ مراغہ میں نصیر الدین طوسی نے جو چار لاکھ (۴،۰۰،۰۰۰) کتابوں پر مشتمل کتب خانہ بنایا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رصد گاہوں کی ضروریات کے پیش نظر علیحدہ کتب خانہ بھی بنایا جانے لگا تھا (۴۸۴)۔

اس باب کے پہلے حصے میں عوامی کتب خانوں میں اوقاف کے انیس (۱۹) مسجدوں کے پندرہ (۱۵) خانقاہوں کے چھ (۶)، مزاروں کے چھ (۶)، مجموعی طور پر باون (۵۲) عوامی کتب خانوں کا تذکرہ و نشاندہی کی گئی اور دوسرے حصے میں علمی کتب خانوں میں درسگاہوں کے ایک، مدرسوں کے تیئس (۲۳)، جامعات کے تین (۳)، شفاخانوں اور طبی مدرسوں کے چھ، اور رصد گاہوں کے ایک (۱) کتب خانے پر روشنی ڈالی گئی ہے، عوامی و علمی ہر دو نوع کے کل پچاسی (۸۵) کتب خانوں کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

ان مدارس کے قیام سے علوم و ذخائر کتب میں تنوع، اختصاص و کثرت رہی اور پورے اسلامی قلمرو میں عوامی و علمی کتب خانوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ معاشرہ کی علمی و تعلیمی ضروریات ہر جگہ باآسانی پوری ہوتی رہیں۔ تصانیف کا سلسلہ ترقی کرتا رہا۔ علماء، محققین و مصنفین کو تخلیقی، تحقیقی کارناموں کے لئے ان عوامی و علمی کتب خانوں سے بیک وقت دو سو (۲۰۰) کتابیں ان کی قیام گاہ کے لئے دی جاتی رہی تھیں۔ چنانچہ یاقوت رومی کی شہرۂ آفاق کتابیں "معجم الادباء" اور "معجم البلدان" انہی عوامی ذخائر سے استفادہ کی بولتی ہوئی تصویریں ہیں۔

عہد عباسی میں ہر اقلیم، ہر شہر اور ہر بستی میں ان عوامی کتب خانوں کے پروان چڑھتے رہنے کا واحد ذریعہ، ملوک، وزراء، امراء، عوام و خواص کا "اقرا" کے نور کو پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، عوامل و محرکات کتب خانہ اور خلفاء عباسی کے عہد میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی، کا شعوری و غیر شعوری طور پر مسلم معاشرے میں کارفرمائی کا ثمرہ تھا۔

ان وجوہ سے عوام و خواص، خواتین اور مرد ہر جگہ مسجدوں، رباطوں، خانقاہوں، مزاروں، درسگاہوں، مدرسوں، دانش گاہوں، شفاخانوں، رصد گاہوں کے ساتھ کتب خانے بناتے

لئے یہ عوامی و علمی کتب خانے برابر ترقی کرتے رہے تھے۔

اسلامی قلمرو کے تمام کتب خانوں کے ذخائر کو رسد سوق الکتب سے پہنچتی تھی اور سوق الکتب ہی ان کی ہر جگہ ضرورت پوری کرتے اور ان کی روز افزوں طلب کو پورا کرتے رہے تھے اس لئے باب ششم میں کتاب سازی‘ وراقت‘ اسلامی قلمرو میں ان کے مراکز اود تجارتِ کتب وغیرہ سے بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔

فہرست ماخذ

(۱) احمد بن طیفور الخراسانی‘ کتاب بغداد‘ (القاہرہ‘ عزت العطار الحسینی‘ ۱۳۶۸ھ) ص ۸۷۔ مز‘ ج ۱‘ ص ۲۴۳۔

(۲) محمد زاہد الکوثری‘ حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی (حمص‘ راتب حاکمی‘ ۱۳۸۸ھ) ص ۱۳۔ الموفق‘ ج ۲‘ ص ۱۳۲۔ ۱۳۴۔ شبلی نعمانی‘ سیرۃ النعمان‘ (دہلی‘ مطبع مجتبائی‘ ۱۹۱۲ء) ص ۱۹۵۔ ۱۹۶۔

(۳) حنا الفاخوری‘ تاریخ الادب العربی ط:۶ (بیروت‘ المکتب‘ البولیہ‘ ب‘ ت) ص ۳۶۵۔

(۴) الخطیب‘ ج ۱۳‘ ص ۲۰۰۔ السمعانی‘ ورق ۵۷۳۔ القفطی‘ ج ۳ ص ۲۹۷۔

(۵) ابن الجوزی‘ ج ۶‘ ص ۲۸۸۔ ابن الاثیر‘ ج ۱۰‘ ص ۱۴۱۔

(۶) ابن الجوزی‘ ج ۶‘ ص ۲۵۶۔

(۷) یاقوت‘ ج ۴‘ ص ۴۶۰۔

(۸) الخطیب‘ ج ۳‘ ص ۱۳۶۔ و ج ۱۴‘ ص ۲۸۱۔ ابن الجوزی‘ ج ۵ ص ۴۳۔

(۹) یاقوت‘ معجم البلدان‘ ج ۵‘ ص ۱۱۴۔ رابرٹ بریفالٹ‘ تشکیل انسانیت‘ ترجمہ عبدالمجید سالک‘ طبع دوم (لاہور‘ مجلس ترقی ادب‘ ۱۹۶۶ء) ص ۲۹۱۔

(۱۰) ابن ماجہ‘ ج ۱‘ ص ۱۰۶۔

(۱۱) القاری‘ ج ۱‘ ص ۳۰۶۔

(۱۲) عبدالحق الدہلوی‘ لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح‘ (لاہور‘ مکتبۃ المعارف العلمیہ‘ ۱۳۹۰ھ) ج ۱‘ ص ۲۹۸ (لہ) اشعۃ اللمعات‘ بار ہفتم‘ (لکھنؤ‘ نو لکشور‘ ۱۹۱۳ء) ج ۱‘ ص ۱۸۵۔

(۱۳) القفطی ج ۴‘ ۷۸۔

(۱۴) السبکی‘ ج ۳‘ ص ۱۴‘ (المطبعۃ الحسینیہ)۔

(۱۵) ابن کثیر‘ ج ۱۳‘ ص ۱۶۸۔

(۱۶) الصفدی‘ ج ۸‘ ص ۱۱۷۔

(۱۷) العلیمی‘ ج ۲‘ ۲۲۴۔ ابن العماد‘ ج ۴‘ ص ۸۵۔

(۱۸) القفطی، ج۴، ص۷۸۔

(۱۹) ابن الفوطی ص۲۳۸۔ الکتبی، ج۲، ص۱۹۱۔

(۲۰) یاقوت، ج۵، ص۲۹۰۔ ابن الساعی، نساء الخلفاء المسمی جہات الائمۃ الخلفاء من الحرائر والاماء، ص۱۱۸۔

(۲۱) ابن الاثیر، ج۹، ص۱۰۱۔ الذہبی، العبر، ج۳، ص۲۲۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص۴۱۲۔

(۲۲) الدبیثی، ج۱، ص۹۶۔ مصطفیٰ جواد، ص۲۵۵۔ عواد، ص۱۸۲۔

(۲۳) ابن خلکان، ج۱ ص، ۴۴۔ ابن کثیر، ج۱۲، ص۵۴۔۵۵۔ ابن العماد، ج۳، ص۲۵۹۔ الصفدی، ج۸، ص۲۸۵۔

(۲۴) یاقوت، ج۵، ص۲۹۰۔

(۲۵) ابن الجوزی، صید الخاطر، ص۴۴۰۔۴۴۱۔

(۲۶) ابن ابی اصیبعہ، ج۳، ص۳۳۳۔

(۲۷) ابن الانباری، ص۶۲۔ ابن الندیم، ص۱۰۲۔ القفطی، ج۱، ص۲۲۸۔۲۲۹۔ یاقوت، ج۲، ص۲۳۴۔

(۲۸) ابن کثیر، ج۱۲، ص۱۷۹۔

(۲۹) ایضاً، ج۱۳، ص۴۶۔

(۳۰) ایضاً، ج۱۳، ص۶۱۔

(۳۱) ایضاً، ج۱۲، ص۱۹۷۔

(۳۲) ایضاً، ص۱۲۳۔

(۳۳) ابن سعد، ج۶، ص۷۵۔

(۳۴) ابن الجوزی، ج۹، ص۲۶۴۔ سبط ابن الجوزی، ج۸، ص۹۶۔

(۳۵) ابن حجر، رفع الاصر عن قضاۃ مصر، تحقیق حامد عبدالمجید، محمد المہدی ابو سنہ، محمد اسماعیل الصاوی، (القاہرہ، المطبعۃ الامیریہ، ۱۹۵۷ء) ج۱، ص۱۷۰۔۱۷۱۔

(۳۶) السیوطی، حسن المحاضرہ، ج۱، ص۳۰۸۔

(۳۷) ایضاً، ج۲، ص۱۴۴۔ ابن حجر، رفع الاصر، ج۱، ص۱۷۳۔

(۳۸) الکندی، ص۴۶۹۔

(۳۹) شیرازی، ص۲۸۷۔۲۸۸۔

(۴۰) ابوالفرج الاصبہانی، ج۴، ص۲۵۳۔ ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص۱۶۰۔ کرد علی،

الاسلام والحضارۃ العربیہ، ط: ۳ (القاہرہ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۹۶۸ء) ج ۱، ص ۱۵۶، ۱۷۶۔ حمادہ، ص ۵۰۔

(۴۱) ابوالفرج الاصبہانی، ج ۴، ص ۲۵۳۔

(۴۲) Encyclopaedia of Islam, Leydon, E.J.Brill, 1918, Vol2, p.1049

(۴۳) ابوالفرج الاصبہانی، ج ۴، ص ۲۵۲۔

(۴۴) یاقوت، ج ۲، ص ۴۱۹۔ الاسنوی، ج ۲، ص ۴۳۰۔

(۴۵) یاقوت، ج ۲، ص ۴۲۰۔ عواد، ص ۷، ۱۳، ۲۱۵۔

(۴۶) ابن الندیم، ص ۲۱۳۔

(۴۷) ابن الندیم، ص ۱۹۹۔

(۴۸) المقدسی، ص ۴۱۳۔ مز، ج ۱، ص ۲۴۹۔ عواد، ص ۱۳۹۔

(۴۹) ایضاً، ایضاً، ایضاً۔

(۵۰) ایضاً، ایضاً، ایضاً۔

(۵۱) ابن الجوزی، ج ۹، ص ۵۳۔ ابن الاثیر، ج ۱۰، ۱۸۴، تلیا نجومی ہونے کا مدعی تھا۔ اس نے امیر بنی عامر کو حکومت کا لالچ دے کر دس ہزار کی جمعیت سے بصرہ پر حملہ کیا۔ حاکم بصرہ عصمہ کو جس کے پاس تھوڑی فوج تھی پسپا کر کے بصرہ کو لوٹا اور نذرِ آتش کر دیا (ابن الجوزی، ج ۹، ص ۵۳)۔

(۵۲) ابنِ کثیر، ج ۱۲، ص ۱۳۶۔

(۵۳) ابنِ الاثیر، ج ۱۰، ص ۱۸۴۔

(۵۴) قاسم بن علی الحریری، المقامات الادبیۃ (مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۳۸ھ) ص ۲۰۔

(۵۵) ابنِ خلکان، ج ۱، ص ۱۹۹۔

(۵۶) زامبادر، ج ۲، ص ۳۲۵۔

(۵۷) الشعالبی، ج ۳، ص ۱۲۴۔۱۳۱۔

(۵۸) ابنِ کثیر ج ۱۱، ص ۳۱۲۔ ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲۔

(۵۹) یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۵۳۴۔

(۶۰) ایضاً، ج ۱، ص ۵۳۴، لی اسٹرنج، بغداد فی عہد الخلافۃ العباسیۃ) بغداد، المطبعۃ العربیۃ، ۱۹۳۶ء) ص ۶۵۔

(۶۱) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۱۲۔

(۶۲) الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۲۲۔ ابن الاثیر، ج ۹، ص ۱۰۱، السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۴۱۲، لیکن موصوف نے اس واقعہ کا ذکر ۳۸۲ھ کے واقعات کے ذیل میں کیا ہے، ابن العمار، ج ۳، ص ۱۰۴، ج ۴، ص ۸۰۔

(۶۳) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۱۳۲۔ ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲، ج ۸، ص ۲۲ مصطفیٰ جواد، ص ۱۴۶۔

(۶۴) ابن الاثیر، ج ۹، ص ۳۵۰۔

(۶۵) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲۔

(۶۶) مز، ج ۱، ص ۲۴۹۔ یاقوت، ج ۱، ص ۵۳۴۔

(۶۷) ابن الجوزی، مناقب بغداد تحقیق محمد بہجۃ الاثری، (بغداد، مطبعہ دار السلام، ۱۳۴۲ھ) ص ۲۸۔

(۶۸) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲۔

(۶۹) ایضاً، ج ۷، ص ۱۷۲۔ ابن العماد، ج ۳، ص ۱۰۴۔

(۷۰) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۹۔

(۷۱) الخطیب، ج ۱۱، ص ۵۷۔۵۸۔

(۷۲) ابو العلاء احمد بن عبد اللہ العمری، سقط الزند، ص ۱۷۶۔ القفطی، ج ۲، ص ۱۷۵۔

(۷۳) ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۰۔

(۷۴) یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۴۴۵۔

(۷۵) ابن الجوزی، ج ۸، ص ۲۲، ص ۲۰۵۔ ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۷۔ الفتح بن علی بن محمد البند اری الصبہانی، کتاب تاریخ دولۃ سلجوق (مصر، مطبعۃ الموسوعات، ۱۳۱۸ھ) ص ۱۷۔

(۷۶) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۸۔

(۷۷) یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۵۳۴۔

(۷۸) غرس النعمۃ محمد بن ہلال الصابی، الہفوات النادرۃ، تحقیق صالح الاشتر، (دمشق، مجمع اللغۃ العربیہ، ۱۳۸۷ھ) ص ۱۴۳۔ یاقوت، ج ۶، ص ۳۵۹۔

(۷۹) الصابی، ص ۱۴۴۔ یاقوت، ج ۶، ص ۳۶۰۔

(۸۰) مصطفیٰ جواد، الثقافۃ العقلیہ، الحالۃ الاجتماعیہ فی عصر الشیخ ابو علی بن سینا، مجلۃ المجمع العلمی العراقی، ج ۴، شمارہ ۱۰ (۱۳۷۵ھ) ص ۵۰۵۔

(۸۱) کریمان حسین، دی باستان، (طہران، انجمن آثار ملی، ۱۳۴۵ش) ج ۱، ص ۳۵۵، یاقوت،

معجم البلدان، ج ۳، ص ۷۸۔

(۸۲) ایضاً، ص ۳۵۹۔ الثعالبی، ج ۳، ص ۱۹۳۔

(۸۳) الاصطخری، ص ۱۲۲۔ ابنِ حوقل، ص ۳۲۱۔

(۸۴) السمعانی، ورق ۲۶۲ ب۔ کریمان، ج ۱، ۲۲۰، ۵۴۸۔

(۸۵) ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۰۲۔ ابنِ کثیر، ج ۱۲، ص ۸۵۔

(۸۶) ابن الجوزی، ج ۸، ص ۲۱۶۔ ابنِ کثیر، ج ۱۲، ص ۸۵۔

(۸۷) غرس النعمۃ، ص ۱۷۵۔

(۸۸) مصطفیٰ جواد، تحسین العقل و تقسیمہ کتاب الفنون لابی الوفا ابن عقیل مجلہ المجمع العلمی العربی (دمشق، ۱۹۰۴ء / ۱۳۷۳ھ) ج ۹، ص ۱، ص ۴۸۔ ۴۹۔

(۸۹) ابن الجوزی، ج ۹، ص ۴۲۔ ۴۳۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۸۵۔

(۹۰) ابن الجوزی، ایضاً۔

(۹۱) ایضاً، حافظ ابن کثیر اور مورخ سبط ابن الجوزی نے تصریح کی ہے کہ ۵۵۲ھ میں غرس النعمۃ کے دار الکتب کا افتتاح مختلف علوم و فنون کی ایک ہزار کتابوں سے کیا گیا تھا لیکن المنتظم کے مطبوعہ نسخہ میں صابی کی وفات کے ذیل میں اربعمائۃ مجلد کے الفاظ منقول ہیں حالانکہ ابن کثیر نے المنتظم کے حوالہ سے اربعۃ آلاف مجلد کے الفاظ نقل کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخہ کے منقول عنہ نسخہ میں تصحیف ہوئی ہے اور اس سے الصفدی نے نقل کیا ہے اسی کے حوالہ سے مذکورہ بالا تعداد کو کرنکاو نے پشتو کے مقالہ:

The Libraries of the Arabs during the time of the Abbasid Islamic Culture, Vol, III, 1929, p. 210-293

میں نقل کی ہے، جو درست نہیں ہے۔

(۹۲) ابن الاثیر، ج ۹، ص ۵۴۷۔

(۹۳) ایضاً، ج ۱۰، ص ۱۸۴۔ عواد، ص ۱۷۸۔

(۹۴) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۱۸۳۔

(۹۵) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۲۸۔ سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۱۴۱۔ ۱۴۲۔

(۹۶) ابنِ خلکان، ج ۱، ص ۶۱۔ ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۶۸۳۔

(۹۷) علی جواد الطاہر، "وزراء السلاجقۃ فی شعرھم" مجلۃ المجمع العلمی العراقی، الجلد السابع

(۱۹۶۰ء) ص ۲۰۹۔ ۲۱۰۔

(۹۸) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲، ص ۲۵۰۔

(۹۹) الصفدی، ج ۴، ص ۱۶۸۔ الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۲۸۰۔

(۱۰۰) ایضاً، ایضاً۔
سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲، ص ۲۵۰۔

(۱۰۱) ابن الطقطقی، ص ۳۲۴۔

(۱۰۲) ہندو شاہ، تجارت السلف، تحقیق عباس اقبال (طہران، مطبعہ فردین، ۱۳۱۳ف) ف ۳۳۱۔ ابن المنذری، ج ۲، ص ۴۶۔

(۱۰۳) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲، ص ۴۵۰۔ ابن الدمیشی، ج ۱، ص ۹۶۔

(۱۰۴) الدمیشی، ج ۱، ص ۹۶۔ مصطفیٰ جواد، ص ۲۵۵۔

(۱۰۵) ابن الدمیشی، ج ۱، ص ۹۶۔ ہندو شاہ، ص ۲۳۱۔ عواد، ص ۱۸۲۔

(۱۰۶) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۲۳۳۔

(۱۰۷) ابن الساعی، ج ۹، ص ۱۱۳۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۳۵۔

(۱۰۸) ابن الساعی، ج ۹، ص ۱۱۳۔ ابن رجب، ج ۱، ص ۳۴۳۔

(۱۰۹) المنذری، ج ۲، ص ۴۳۰۔

(۱۱۰) ابو شامہ، ص ۳۴۔

(۱۱۱) ابن رجب، ج ۱، ص ۳۴۲۔ ۳۴۳۔

(۱۱۲) مصطفیٰ جواد، ص ۲۵۴۔

(۱۱۳) ایضاً، ص ۳۴۳۔ ابن العماد، ج ۴، ص ۳۴۰۔ عواد، ص ۲۵۹۔

(۱۱۴) مصطفیٰ جواد، ص ۳۴۳۔ ایضاً۔

(۱۱۵) ایضاً، ایضاً۔

(۱۱۶) السمعانی، ج ۱، ص ۳۵۵۔

(۱۱۷) البیہقی، تتمہ صوان الحکمۃ، ص ۴۴۔

(۱۱۸) ایضاً، ص ۱۷۹ (حواشی)۔

(۱۱۹) السمعانی، ج ۳، ص ۳۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۱۷۱۔

(۱۲۰) ایضاً، ورق ۵۶۰ ب۔ ایضاً، ج ۵، ص ۲۸۷۔ ابن الاثیر، اللباب، ج ۳، ص ۲۲۵۔

(۱۲۱) السبکی، ج ۴، ص ۲۹۔ الصفدی، ج ۷، ص ۱۹۰۔ ۱۹۱۔

(۱۲۲) ایضاً، ص ۳۰۔ ایضاً۔
الذہبی، ج ۳، ص ۱۱۳۸۔

(۱۲۳) یاقوت، ج ۱، ص ۲۴۹۔

(۱۲۴) الصفدی، ج ۷، ص ۱۹۴۔ عواد، ص ۲۳۶۔۲۳۷۔

(۱۲۵) ابن الجوزی، ج ۸، ص ۱۶۹۔ ابن عساکر، ج ۱، ص ۱۰۴ (لہ) تبیین کذب المفتری، ص ۲۶۹۔ یاقوت، ج ۱، ص ۲۴۸، ۲۵۹۔ السبکی، ج ۱، ص ۳۷۔ ابن الوردی، ج ۱، ص ۳۷۵۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۸۔

(۱۲۶) الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۶۳۔۱۳۶۴۔ الصفدی، ج ۵، ص ۸۸۔ السبکی، ج ۷، ص ۱۴۔ الاسفوی، ج ۱، ص ۴۱۳۔

(۱۲۷) الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۶۴۔

(۱۲۸) ایضاً۔

(۱۲۹) الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۱۴۰۔

(۱۳۰) الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۸۹۔ ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۱۶۳۔ ابن العماد، ج ۴، ص ۱۵۵۔

(۱۳۱) الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۹۰۔

(۱۳۲) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۱۶۲۔ الصفدی، ج ۵، ص ۱۰۵۔

(۱۳۳) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۱۶۳ (لہ) مناقب الامام احمد بن حنبل (مصر، مطبعہ السعادہ، ۱۳۴۹ھ) ص ۵۳۱۔

(۱۳۴) الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۱۴۰۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۸۸۔

(۱۳۵) العلیمی، ج ۲، ص ۲۶۷۔ ابن رجب، ج ۱، ص ۲۲۶۔ الذہبی، ج ۴، ص ۱۲۹۰۔ (لہ) العبر، ج ۴، ص ۱۴۰۔

(۱۳۶) ابن الجوزی، صید الخاطر، ص ۱۴۱۔

(۱۳۷) ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۱۹۔

(۱۳۸) ابن الجوزی، ج ۹، ص ۱۸۳۔

(۱۳۹) ابو مخرمہ عبداللہ بن الطیب بن عبداللہ، تاریخ ثغر عدن من تواریخ ابن المجاور و الجندی والاہدل (لیدن، مطبعہ بریل، ۱۹۳۶ء) ج ۲، ص ۱۰۸۔۱۰۹۔

(۱۴۰) ابو شامہ، الذیل علی الروضتین، ص ۱۹۹۔

(۱۴۱) احمد بن عبدالحلیم، ابنِ تیمیہ، منہاجُ السنۃ النبویۃ فی نقض قول الشیعۃ والقدریۃ (مصر،

المطبعہ الکبری الامیریہ، ۱۳۲۱ھ) ج ۴، ص ۱۴۲۔

(۱۴۲) ابن حجر، ھدی الساری مقدمہ فتح الباری، (مصر، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۷ھ) ج ۲ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳۔

(۱۴۳) ابن عذاری، ج ۲، ص ۳۵۸، ۳۵۹۔

(۱۴۴) محمد المنتصر الکتانی، "اقدم جامعہ فی العالم" المحاضرات العامۃ خلال العام الجامعی، ۱۹۶۰۔ ۱۹۶۱ء (دمشق، مطبعہ جامعہ دمشق، ۱۹۶۲ء) ص ۱۳۲۔

(۱۴۵) محمد عبدالرحیم غنیمۃ، تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبریٰ، (تطوان، دار الطباعۃ المغربیۃ، ۱۹۵۳ء) ص ۴۰۔

(۱۴۶) ایضاً، ص ۴۱۔

(۱۴۷) یاقوت، ج ۱، ص ۲۴۶۔

(۱۴۸) الخطیب، ج ۶، ص ۳۵۱۔

(۱۴۹) ابن الدبیثی، ج ۱، ص ۱۲۳ (التعلیقات)۔

(۱۵۰) السمعانی، ورق ۲۵۲۔ ابن الاثیر، اللباب، ج ۱، ص ۴۶۶۔

(۱۵۱) ایضاً، ورق ۲۶۵۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۸۶۔

(۱۵۲) ابن عساکر، ج ۴، ص ۱۹۔ الخطیب، ج ۸، ص ۴۴۹۔ الحاکم، معرفۃ العلوم الحدیث، ص ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ یاقوت، ج ۱، ص ۳۰۹ سعادت علی پاشا مبارک، الخطط التوفیقۃ الجدیدۃ لمصر القاہرہ و مدنہا وبلادھا القدیمۃ والشہیرۃ (مصر، المطبعہ الکبری الامیریہ، ۱۳۰۶ھ) ج ۴، ص ۸۲۷۔ غنیمۃ، ص ۲۶۔

(۱۵۳) یاقوت، ج ۱، ص ۲۴۶۔

(۱۵۴) المقدسی، ص ۲۰۵۔

(۱۵۵) المقری، ج ۱، ص ۲۰۵۔

(۱۵۶) مز، ج ۱، ص ۱۴۳۔

(۱۵۷) Thomas Arnold and Alfred Guillanme, The Legacy of Islam (2nd-ed.Oxford University Press, 1939, P. 336)

(۱۵۸) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۱۴۔

(۱۵۹) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۲۵۱ و ج ۱۱، ص ۳۷۳۔

(۱۶۰) محمد اسعد طلس، المخطوطات و خزائنها فی حلب، مجلہ معہد المخطوطات العربیہ ج ا، شمارہ ۱۰ (۱۹۵۵ء) ص ۱۲-۱۵۔

(۱۶۱) الطباخ، اعلام النبلاء، ج ۴، ص ۱۹۸۔

(۱۶۲) ابن خلکان، ج ا، ص ۵۲۔

(۱۶۳) محمد اسعد طلس، ص ۱۵-۱۶۔

(۱۶۴) ابن عساکر، ج ا، ص ۴۰۸-۴۰۹۔ الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۳۳۹، ابن العماد، ج ۳، ص ۴۰۰۔

(۱۶۵) یاقوت، معجم البلدان ج ۵، ص ۲۰۲۔ الذہبی، العبر ج ۳، ص ۱۸۷، احمد بن یوسف، بن علی الفارقی، تاریخ الفارقی، تحقیق بدوی عبداللطیف عوض، (القاہرہ، الهیئۃ العامہ لشئون المطابع الامیریہ ۱۳۷۹ھ) ص ۱۳۱۔

(۱۶۶) ابن خلکان، ج ا، ص ۴۴۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۵۴-۵۵۔ ابن العماد، ج ۳، ص ۲۵۹۔ الصفدی، ج ۸، ص ۲۸۵۔ البستانی، ج ۵، ص ۱۵۳-۱۵۴۔ نوفل الطرابلسی، ص ۵۶۶-۵۶۷۔

(۱۶۷) السبکی، ج ۴، ص ۲۹۹۔

(۱۶۸) ابن الجوزی، ج ۸، ص ۲۷۰۔ ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۱۹ (لہ) لباب، ج ۳، ص ۱۷۶۔ الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۲۵۳-۲۵۴۔

(۱۶۹) الفارسی، ورق ۱۷ ب۔

(۱۷۰) السمعانی، ورق ۵۴۴۔ ابن الاثیر، اللباب، ج ۳، ص ۲۶۶۔ ناجی معروف، مدارس قبل النظامیہ، ص ۱۷ و ۶۰۔ السبکی، ج ۵، ص ۱۸۱ و ۲۲۶۔ الاسنوی، ج ا، ص ۴۱۰۔

(۱۷۱) السمعانی ورق ۲۵۴۔

(۱۷۲) ایضاً، ورق ۴۷۸۔

(۱۷۳) ابن الجوزی، ج ۸، ص ۲۳۹۔

(۱۷۴) ایضاً، ج ۹، ص ۴۔ عماد عبدالسلام، ص ۷۶-۷۸۔

(۱۷۵) یاقوت، ج ۵، ص ۱۲۱۔ عماد الاصبہانی، ج ا، ق العراق، ص ۸۲۔

(۱۷۶) المجدی، ص ۱۰۸۔

(۱۷۷) ایضاً، ص ۲۲۶-۲۲۷۔

(۱۷۸) ابن الاثیر نے (اللباب، ج ۲، ص ۲۸ میں) موصوف کا نام مجدد نقل کیا ہے۔ یہ غالباً محمود

کی تصنیف ہے۔

(۱۷۹) السمعانی، ج۶، ص۱۳۲-۱۳۳۔ ابن الاثیر، اللباب، ج۲، ص۲۸۔

(۱۸۰) عوفی، لباب الالباب، ص۱۴-۱۵ (مقدمہ نفیسی)۔

(۱۸۱) اریانا دائرہ المعارف، ج۱، ص۹۹۷۔

(۱۸۲) القزوینی، ص۳۸۷۔

(۱۸۳) کریمان حسین، ج۱، ص۵۴۴۔

(۱۸۴) یاقوت، معجم البلدان، ج۵، ص۱۱۴۔

(۱۸۵) ایضاً۔

(۱۸۶) ایضاً۔

(۱۸۷) بریفالٹ، ص۳۲۳۔

(۱۸۸) یاقوت، معجم البلدان، ج۵، ص۱۱۴۔

(۱۸۹) ایضاً۔

(۱۹۰) القفطی، ج۳، ص۱۳۹۔

(۱۹۱) یاقوت، معجم البلدان، ج۵، ص۱۱۴۔

(۱۹۲) المناوی، الکواکب الدریہ فی تراجم السادۃ الصوفیۃ (القاہرہ، مطبعہ الزاویہ التجانیہ، ب، ت) ج۲، ص۹۴۔

(۱۹۳) الذہبی، ج۴، ص۱۳۶۱۔

(۱۹۴) ایضاً، سبط ابن الجوزی، ج۸، ق۱، ص۳۵۶-۳۵۷۔ مصطفیٰ جواد، ص۱۷۴-۱۷۵، ۳۱۹۔ ابن الاثیر، ج۱۱، ص۳۶۱، یاقوت، ج۱، ص۱۵۳۔ عواد، ص۱۵۴-۱۵۷۔

(۱۹۵) الذہبی، ج۴، ص۱۳۶۱۔

(۱۹۶) مصطفیٰ جواد، ص۱۷۴-۱۷۵۔

(۱۹۷) اس کا ذکر تفصیل سے یاقوت رومی کے کتب خانہ میں کیا گیا ہے۔

(۱۹۸) محمد بن علی المحمودی المعروف بابن الصابونی، تکملۃ اکمال الاکمال فی الانساب و والالقاب، تحقیق مصطفیٰ جواد (بغداد، مطبعہ المجمع العلمی العراقی، ۱۳۷۷ھ) ص۱۷۹-۱۸۰۔

(۱۹۹) السمعانی، ورق ۳۹۷ب۔

(۲۰۰) الذہبی، العبر، ج۴، ص۲۲۰۔ ابن العماد، ج۴، ص۲۴۸۔ عواد، ص۱۵۶۔

(۲۰۱) ابن الصابونی، ص۱۷۸-۱۷۹ (حواشی)۔

(۲۰۲) ابن الفوطی، ص ۴، عواد ص ۱۶۲۔

(۲۰۳) ابن الصابونی، ص ۱۴ (حاشیہ)۔

(۲۰۴) الیافعی، ج ۴، ص ۵۹۔ الذہبی، العبر، ج ۵، ص ۱۰۷۔ کرد علی، کنوز الاجداد، ص ۳۲۰۔۳۲۱۔

(۲۰۵) الیافعی، ج ۴، ص ۶۳۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۴۔ ابن العماد، ج ۵، ص ۱۲۲۔ الطباخ، ج ۴، ص ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ عواد، ص ۱۵۶۔

(۲۰۶) مز، ج ۱، ص ۲۴۴۔

(۲۰۷) The Encyclopaedia Britannica, 11th ed., Vol.XV, 549.

(۲۰۸) یاقوت، معجم البلدان، ج ۴، ص ۱۱۴۔

(۲۰۹) الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۵۵ ب۔ السمعانی، ورق (۳۰۳ ب)۔

(۲۱۰) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۶۷۱۔

(۲۱۱) یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۴۹۸۔ سبط ابن الجوزی، ص ۴۱۲۔ ابن العماد، ج ۳، ص ۲۹۱۔ یاقوت، ج ۷، ص ۲۰۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۲۰۔ ابن الدبیثی، ج ۱، ص ۶۷۔ ابن الصابونی، ص ۹۷۔۹۸ (حاشیہ) الذہبی، ج ۱، ص ۲۵۲۔ الصفدی، ج ۱، ص ۱۵۸۔ ابن حجر، لسان المیزان، ج ۵، ص ۲۵۶۔ ابن العماد، ص ۲۸۰۔۱۸۱۔

(۲۱۲) محمد نیک پرور، کتابخانہ ہائے آستان خراسان از آغاز اسلام تا عصر حاضر، (خراسان، چاپخانہ خراسان، ۱۳۵۱ف) ص ۳۴۔

(۲۱۳) ایضاً، ص ۲۰۔

(۲۱۴) الرازی، مناظرات فخر الدین الرازی فی بلاد ماوراء النہر، تحقیق فتح اللہ الخلیف، (بیروت، دار المشرق، ۱۹۶۶) ص ۴۵۔

(۲۱۵) السمعانی، ورق ۲۴۷ ب۔ ابن الاثیر، اللباب، ج ۲، ص ۱۴۔ الراغب، ص ۱۸۵۔ ابن منظور، ج ۹، ص ۱۷۳ و ۱۷۴ (مادہ ربط)۔ حسین بن یوسف موسیٰ و عبدالفتاح الصعیدی، الافصاح فی فقہ اللغۃ، ط: ۲ (القاہرہ، دار الفکر العربی، ۱۳۸۷ھ) ج ۱، ص ۶۲۵۔ المقریزی، ج ۴، ص ۴۲۷۔

(۲۱۶) رشید الجمیلی دولتہ الاتابکیہ فی الموصل بعد عماد الدین زنکی ۵۴۱۔۶۳۱ھ (بغداد، دار النہضۃ العربیہ، ۱۹۱۰ء) ص ۲۷۷۔

(۲۱۷) ابنِ تغری بردی، ج ۳، ص ۱۶۳۔ الاصطخری، ص ۲۹۰۔ ۳۱۴۔ مز، ج ۲، ص ۶۵۔

(۲۱۸) السمعانی، ورق ۲۴۷ ب۔

(۲۱۹) مصطفیٰ جواد، "الربط البغدادیہ و اثرھا فی الثقافۃ الاسلامیۃ"، سومر، جلد ۱۱، شمارہ ۲، (۱۹۵۵ء) ص ۲۲۱۔

(۲۲۱) یٰسین السنہونی، الانوار القدسیۃ فی مناقب النقشبندیہ، (مصر، مطبعہ السعادہ، ۱۳۴۴ھ) ص ۱۲۲۔ ابنِ عبدالحق ج ۲، ص ۲۵۶

(۲۲۲) السمعانی، ج ۲، ص ۳۲۵۔ الذہبی، ج ۳، ص ۹۲۱ (ل) میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۵۰۷۔ مز، ج ۱، ص ۲۴۹۔

(۲۲۳) المقدسی، ص ۳۲۴، ۳۶۵، ۱۷۹، ۲۰۲، ۲۳۸، ۱۸۲۔ مز، ج ۲، ص ۱۸۔

(۲۲۴) یاقوت، ج ۵، ص ۲۹۰۔ مصطفیٰ جواد، الربط البغدادیہ ص ۲۲۶۔

(۲۲۵) ایضاً، ص ۲۲۷۔

(۲۲۶) ایضاً۔

(۲۲۷) ص ۳۰۲ حسن احمد محمود، قیام دولۃ المرابطین، صفحہ مشرقہ من تاریخ المغرب فی العصور الوسطیٰ، القاہرہ مکتبہ النہضۃ العربیہ، ۱۹۰۷ء ص ۱۳۱۔ ۱۳۲ و ۱۳۵۔

(۲۲۸) المنذری، ج ۲، ص ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ مصطفیٰ جواد، الربط البغدادیہ، ص ۳۰۲۔ ۳۰۳۔

(۲۲۹) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۵۱۰۔

(۲۳۰) ابن کثیر، ج ۱۳، ۳۴۔ ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۱۲۴، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۸۔ ابن الصابونی، ص ۱۶۔

(۲۳۱) المنذری، ج ۲، ص ۳۴۴۔ ابن الاثیر، ج ۱۲ ص ۱۸۱۔

(۲۳۲) ابن الاثیر، ج ۵، ص ۱۵۴۔ ابن کثیر، ج ۱۳ ص ۲۱۔

(۲۳۴) السمعانی، ورق ۵۴۴۔ السبکی، ج ۴، ص ۲۹۹۔

(۲۳۵) مصطفیٰ جواد، الربط البغدادیہ، ص ۲۲۴۔

(۲۳۶) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۸۲۔

(۲۳۷) المقدسی، ص ۲۷۲۔

(۲۳۸) یاقوت، معجم البلدان، ج ۴، ص ۲۵۔

(۲۳۹) واعظ بلخی، ص ۵۱۔

(۲۴۰) مصطفیٰ جواد، الربط البغدادیہ ص ۱۱۸۔ ۲۰۶۔

(۲۴۱) ابن الاثیر، ج ۱۲، ص ۲۶۔ یاقوت، کتاب المشترک و صنعا والمفترق صقعا (بغداد، مکتب المثنی، ب، ن)۔

(۲۴۲) یاقوت، ج ۵، ص ۲۹۰۔

(۲۴۳) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۶۰۰۔

(۲۴۴) عواد، ص ۱۵۹۔

(۲۴۵) ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۱۷۔ یاقوت، ج ۴، ص ۲۸۶۔ القفطی، ج ۲، ص ۹۹۔ الذہبی، ج ۴، ۱۹۶۔۱۹۷۔ الیافعی، ج ۳، ص ۳۸۱۔ ابن رجب، ج ۱، ص ۳۱۷۔۔ السیوطی، ج ۲، ص ۲۹۔ ابن العماد، ج ۴، ص ۲۲۱۔ الدلجی، ص ۱۰۴۔۱۰۵۔

(۲۴۶) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۱، ص ۲۸۸۔

(۲۴۷) یاقوت، ج ۴، ص ۲۸۶۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۲، ص ۳۰۔

(۲۴۸) ابن رجب، ج ۱، ص ۳۱۹۔ البستانی، ج ۲، ص ۳۶۲۔

(۲۴۹) ایضاً ایضاً۔

(۲۵۰) ابن الجوزی، صید الخاطر، ص ۴۴۱۔ عواد، ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

(۲۵۱) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۵۴۔ یاقوت، ج، ص ۲۳۸۔ ابن الاثیر، ج ۱۲، ص ۲۸۸۔

(۲۵۲) یاقوت، ج ۶، ص ۲۳۹۔

(۲۵۳) ایضاً۔

(۲۵۴) ایضاً، ص ۲۳۸۔ ابوشامہ، ص ۶۸۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۴۱، الاسنوی، ج ۱، ص ۱۳۲۔ المنذری، ج ۳، ص ۳۱۰۔

(۲۵۵) الاسنوی، ج ۱، ص ۱۳۱۔

(۲۵۶) الفاسی، ج ۶، ص ۲۷۶۔

(۲۵۷) الفاسی، شفاء الغرام باخبار البلد الحرام (مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۶ء) ج ۱، ص ۳۳۱۔

(۲۵۸) ابن فارس، ج ۳، ص ۲۲۱۔

(۲۵۹) الراغب، ص ۲۶۸۔

(۲۶۰) ابن تغری بردی، ج ۴، ص ۹۱ (حواشی)۔

(۲۶۱) آزاد، ج ۲، ص ۲۱۸۔

(۲۶۲) ابن الاثیر، ج ۱۲، ص ۱۸۱۔

(۲۶۳) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ص ۶۷۱۔

(۲۶۴) ابن الجوزی، ج ۹، ص ۷۰۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۴۳۔ الذہبی، العبر، ج ۳، ص ۳۰۹۔

(۲۶۵) ابن الدمشقی، ج ۱، ص ۱۶۵۔

(۲۶۶) یاقوت، معجم البلدان، ج ۴، ص ۲۹۵۔ ابن عبد الحق، ج ۳، ص ۱۰۵۷۔

(۲۶۷) صلاح الدین المنجد، مدینۃ دمشق عند الجغرافیین والرحالین المسلمین (بیروت دار الکتاب، ۱۹۶۷ء) ص ۲۳۹۔

(۲۶۸) ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر فی مصر و بلاد العرب والعراق والشام وصقلیۃ عصر الحروب الصلیبیہ، تحقیق حسین نصار (مصر، دار مصر للطباعۃ، ۱۳۷۴ھ) ص ۱۷۔۱۹۔

(۲۶۹) ابن تغری بردی، ج ۶، ص ۵۶۔

(۲۷۰) عواد، ص ۱۳۱۔

(۲۷۱) ایضاً، ص ۱۳۴۔

(۲۷۲) ایضاً، ص ۱۳۲۔

(۲۷۳) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۲۴۸۔

(۲۷۴) الجاحظ، کتاب الحیوان، ج ۱، ص ۵۔۶ (مقدمہ عبد السلام محمد ہارون) (لہ) کتاب التاج تحقیق احمد زکی باشا (القاہرہ، المطبعہ الامیریہ، ۱۳۲۲ھ) ص ۴۷ (مقدمہ احمد زکی باشا)۔

(۲۷۵) السبکی، ج ۳، ص ۲۳۰۔

(۲۷۶) العبری، ص ۱۹۵۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۶۱۔ القفطی، ص ۳۶۶۔ ابن الجوزی، ج ۹، ص ۱۱۹۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۵۹۔ عواد، ص ۱۵۳۔

(۲۷۷) حاجی خلیفہ، ج ۲، ص ۱۴۸۲۔

(۲۷۸) عواد، ص ۱۵۳۔

(۲۷۹) ایضاً۔

(۲۸۰) حسن ابراہیم حسن، تاریخ الدولۃ الفاطمیہ، ص ۳۶۷۔۳۶۸۔

(۲۸۱) القزوینی، ص ۳۰۱۔ ابن الاثیر، ج ۸، ص ۲۰۱۔ مصطفیٰ غالب، اعلام الاسماعیلیہ (بیروت دار الیقظۃ العربیۃ للتالیف والترجمہ والنشر، ۱۹۶۴ء) ص ۵۸۷۔۵۸۸۔

(۲۸۲) دھخدا، شمارہ مسلسل ۸۔ بخشش دوم، ال انعم خاں، ص ۶۸۔

(۲۸۳) عواد، ص ۱۸۸۔

(۲۸۴) ابن الدمشقی، ج ۱، ص ۱۶۵۔

(۲۸۵) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۲، ص ۶۷۱۔

(۲۸۶) ابن ابی اصیبعہ، ج۲، ص۳۶۷-۳۲۷۔ الصفدی، ج۲، ص۲۵۵، ابن العبری، ص۲۳۹۔

(۲۸۷) ابن الجوزی، ج۹، ص۶۸۔ السبکی، ج۴، ص۳۱۹۔

(۲۸۸) ابنِ کثیر، ج۱۲، ص۱۰۱-۱۰۲۔

(۲۸۹) ایضاً، الصفدی، ج۴، ص۴۹۔ النعیمی، ج۱، ص۳۱۹۔

(۲۹۰) ابنِ فارس، ج۲، ص۲۶۷ (مادہ درس) القرطبی، ج۷، ص۵۹-۶۰ و ۳۱۲۔

(۲۹۱) الراغب، ۱۶۷ (مادہ درس)، القلقشندی، ج۵، ص۴۶۴۔

(۲۹۲) محمد سلیمان اشرف، ص۱۳۷۔

(۲۹۳) غنیمۃ، ص۶۵۔

(۲۹۴) ابن منظور، جص ۳۸۳-۳۸۴ (مادہ درس)۔

(۲۹۵) المقریزی، ج۲، ص۳۶۲۔

(۲۹۶) البغوی، ج۱، ص۲۷۴۔

(۲۹۷) The Encyclopaedia Britannica . 11th ed., Vol. XVII, p. 534

(۲۹۸) المقریزی، ج۲، ص۳۶۲-۳۶۳۔ السیوطی، حسن المحاضرہ، ج۲، ص۵۶۔

(۲۹۹) ناجی معروف، مدارس قبل النظامیہ، ص۸۔

(۳۰۰) محمد بن جعفر نرشخی، تاریخ بخارا، تعریب و تحقیق امین عبدالمجید بدوی (القاہرہ، دار المعارف) ص۱۲۸۔ دہخدا، شمارہ مسلسل ۷۹، شمارع حرف ف ص۹۔

(۳۰۱) فرشتہ، ص۳۰۔ سکندرپوری، آئینہ چینی، ص۱۳۵۔

(۳۰۲) ابن کثیر، ج۱۱، ص۱۸۴-۱۸۵۔ ابن الجوزی، ج۶، ص۲۸۸۔ ابو الفداء، ج۲، ص۸۴۔ السیوطی، ص۳۹۲۔

(۳۰۳) اگناز گولڈزیہر (Ignaz Goldziher) العقیدہ والشریعۃ فی الاسلام تاریخ التطور العقدی والتشریعی فی الدین الاسلامی، ترجمۃ محمد یوسف موسیٰ و زملاء ط: ۲ (مصر، دار الکتب الحدیثہ، ۱۹۵۹ء) ص۲۰۳۔

(۳۰۴) غنیمت، ص۷۴-۷۵۔

(۳۰۵) القزوینی، آثار البلاد، ص۴۱۲۔

(۳۰۶) السبکی، ج۴، ص۴۱۳-۴۱۴۔ ابو شامہ، کتاب الروضتین، ج۱، ص۶۳۔

۳۰۷)　محمد کرد علی، القدیم والحدیث، ص ۴۷-۴۸۔

۳۰۸)　القزوینی، ص ۲۱۲۔

۳۰۹)　ناجی معروف، مدارس قبل النظامیہ، ص ۸۔

۳۱۰)　السبکی، ج ۴، ص ۳۱۴۔

۳۱۱)　کامل عباد (نقولا زیادہ، فواد، افرام البستانی، طہ حسین) "ماہی الجامعۃ مہمۃ الجامعہ فی العالم العربی، معیتیۃ الدراسات العربیہ فی الجامعۃ الامیر کیتہ" مجلۃ الابحاث، جلد ۸، شمارہ ۲ (حزیران، ۱۹۵۵ء) ص ۱۴۔

۳۱۲)　ناجی معروف "اول جامعۃ بغداد فی المصور الوسطی" الاقلام، شمارہ ۶ (۱۹۶۵ء) ص ۴۸ (لہ) تاریخ علماء المستنصریہ، ط: ۲ (القاہرہ، دار الشعب، ۱۹۷۶ء) ج ۱، ص ۲۵۔

۳۱۳)　الجعدی، ص ۸۴۔

۳۱۴)　نیک پرور، ص ۱۸۔

۳۱۵)　الصفدی، ج ۴، ص ۱۶۔ السمعانی، ورق ۳۰۸، ۳۵۵، ۵۰۱، ج ۲، ص ۱۹۸، ج ۶، ص ۲۸۱۔ ابن الاثیر، اللباب، ج ۱ ص ۴۹۹، ج ۳، ص ۸۳۔ ابن عساکر، ج ۲، ص ۱۶۶۔

۳۱۶)　ناجی معروف، مدارس قبل النظامیہ، ص ۶۷ و ۶۸۔

۳۱۷)　ایضاً، ص ۱۵-۲۲۔

۳۱۸)　ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، ۲۲-۲۳۔

۳۱۹)　المقریزی الخطط تحقیق کوسین ویست الاقاہرہ امپیریل انسٹیٹیوٹ فرانس۔

۳۲۰)　رشید الدین فضل اللہ، جامع التواریخ ذکر تاریخ آل سلجوق، بعی احمد آتش (انقرہ، انجمن تاریخ ترک انقرہ، ۱۹۵۷ء) ج ۲، جز ۴، ص ۲۰۸-۲۰۹۔ فرشتہ، ج ۱، ص ۲۴۴۔

۳۲۱)　الشاطبی، الاعتصام، ج ۱، ص ۲۶۷۔

۳۲۲)　ابو الفداء، ج ۳، ص ۳۸۔

۳۲۳)　الفضل بن الحسن الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تحقیق حسین کریمان، (طہران، چاپخانب دانشگاہ، ۱۳۴۰ھ) ج ۱، ص ۱۴ و ۱۱۷ (تحقیق در احوال شیخ طبرسی)۔

۳۲۴)　ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۲۵۱۔

۳۲۵)　واعظ بلخی، ص ۱۲۱ و ۳۱۔

۳۲۶)　ابن جبیر، ص ۲۰۴۔

۳۲۷)　الحسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۴-۱۷۸۔ ناجی معروف، مدارس قبل النظامیہ،

ص۱۳۶۔

(۳۲۸) ایضاً۔

(۳۲۹) ایضاً، ص۱۳۷۔

(۳۳۰) مز، ج۱، ص۲۴۲۔

(۳۳۱) محمد بن طاہر المقدسی، کتاب الانساب المتفقتہ، (لیدن، ای، جے بریل، ۱۸۶۵ء) ص، عماد عبدالرؤف ص۱۹۰۔

(۳۳۲) یاقوت، ج۵ ص۴۶۰ معجم البلدان، ج۴، ص۱۱۴۔

(۳۳۳) المرزبانی، ص۱۴۱۔۱۴۲۔

(۳۳۴) ایضاً، ابن الندیم، ص۲۰۵۔ ابن خلکان، ج۱، ص۳۵۶۔

(۳۳۵) القفطی، ص۱۱۷، ۱۲، ۱۲۹، ۱۳۲۔ ابن ابی اصیعہ، ج۱، ص۲۰۵۔۲۰۶۔

(۳۳۶)یاقوت، ج۵ ص۴۶۰

(۳۳۷) یاقوت، ج۵ ص۴۶۷

(۳۳۸) ابن المعتز، رسائل ابن المعتز فی النقد والادب والاجتماع، تحقیق محمد عبدالمنعم خفاجی (مصر، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۶۵ھ) ص۵۹۔

(۳۳۸) ایضاً۔

(۳۳۹) الذہبی، ج۳، ص۹۲۱۔ السبکی، ج۲، ص۱۳۱۔

(۳۴۰) الذہبی، ج۳، ص۹۲۱۔ السمعانی، ج۲، ص۲۲۵، یاقوت، معجم البلدان، ج۲، ص۴۱۷۔

(۳۴۱) السبکی، ج۲، ص۱۳۱۔

(۳۴۲) یاقوت، معجم البلدان، ج۲، ص۴۱۷۔ السمعانی، ج۲، ص۲۲۵۔

(۳۴۳) السمعانی، ج۲، ص۳۲۵۔ الذہبی ج۳، ص۹۲۱ (لہ) میزان الاعتدال ج۳، ص۴۱۷۔ السبکی، ج۲، ص۱۳۲۔ الاسنوی، ج۱، ص۴۱۸۔۴۱۹ مز، ج۱، ص۲۴۹۔

(۳۴۴) ایضاً، ج۱، ص۲۴۹۔

(۳۴۵) یاقوت، معجم البلدان، ج۲ ص۴۱۸۔ السمعانی، ج۲، ص۲۲۶۔ ابن حجر، لسان المیزان، ج۵، ص۱۱۴۔

(۳۴۶) یاقوت، معجم البلدان، ج۲، ص۴۱۹۔ السمعانی، ج۲، ص۲۲۶۔ ابن حجر، لسان المیزان، ج۲، ص۱۱۴۔

(۳۴۷) السمعانی، ج۲، ص۲۲۶۔

(۳۴۸) ابن الندیم، ص۱۹۹۔

(۳۴۹) الفارسی، منتخب السیاق، ورق۱۲ب۔

(۳۵۰) احمد بن علی النجاشی، رجال النجاشی (طہران، چاپخانہ، مصطفیٰ، ب ت) ج۱، ص۲۰۷۔
الطوسی، الفہرست، تحقیق محمد صادق، ط: ۲ (النجف، المطبعہ الحیدریہ، ۔۱۳۸۰ھ) ص۱۲۵۔
یاقوت، ج۵، ص۱۷۳۔ القفطی، ج۲، ص۲۴۹۔ الثعالبی، تتمہ الیتیمہ، ج۱، ص۶۵۳۔

(۳۵۱) الخوانساری، ج۴، ص۲۹۶۔۲۹۷۔ عبداللہ المالقانی، تنقیح المقال فی احوال الرجال (المطبعہ المرتضویہ، ۱۳۵۰ھ) ج۲، ص۲۸۴۔۲۸۵۔

(۳۵۲) الخوانساری، ج۴، ص۲۹۷۔

(۳۵۳) ایضاً، المالقانی، ج۲، ص۲۸۴۔

(۳۵۴) الخوانساری، ص۲۹۸۔

(۳۵۵) ایضاً، ج۴، ص۳۰۵۔

(۳۵۶) ابن حجر، لسان المیزان، ج۴، ص۲۲۳۔

(۳۵۷) ابن الجوزی، ج۸، ص۲۲۔

(۳۵۸) السمعانی، ورق ۵۴۴۔

(۳۵۹) السبکی، ج۴، ص۳۶۶۔

(۳۶۰) الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۱۲ب۔

(۳۶۱) ابن الساعی، ج۹، ص۳۵۔

(۳۶۲) السبکی، ج۴، ص۲۶۰۔

(۳۶۳) یاقوت، معجم البلدان، ج۵، ص۱۱۴۔

(۳۶۴) ابن رجب، ج۱، ص۴۰۰۔

(۳۶۵) ایضاً، ص۴۰۴۔

(۳۶۶) ایضاً، ص۴۰۵۔

(۳۶۷) ایضاً، ص۴۱۳۔

(۳۶۸) ایضاً، ص۴۱۰۔ سبط ابن الجوزی، ج۸، ق ۱، ص۳۱۱۔ ابوشامہ، ص۲۱۔ الذہبی، ج۴، ص۱۳۴۴۔

(۳۶۹) ابن العماد، ج۴، ص۳۳۰۔

(۳۷۰) ابن الجوزی، صید الخاطر، ص۴۲۰۔۴۲۱۔

(۳۷۱) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۴۵۔ عواد، ص ۲۵۸۔

(۳۷۲) السبکی، ج ۷، ص ۱۶۷۔ الاسنوی، ج ۲، ص ۲۸۴۔ ابن تغری بردی، ج ۶، ص ۱۵۷۔ ابن العماد، ج ۴، ص ۳۲۵۔

(۳۷۳) السبکی، ج ۷، ص ۱۶۷۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۵۲۷۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۲۴۔ ص ۲۴۔ ابن العماد، ج ۴، ص ۳۲۵۔

(۳۷۴) المقریزی، ج ۲، ص ۳۶۶۔ السیوطی، حسن المحاضرہ، ج ۲، ص ۲۱۶، ۲۳۳۔

(۳۷۴) ابن العماد ج ۴، ص ۳۲۵۔

(۳۷۵) المقریزی، ج ۲، ص ۳۶۷۔

(۳۷۶) ایضاً، ابن العماد، ج ۴، ص ۳۲۵۔

(۳۷۷) ایضاً، ج ۴ ص ۳۲۶۔

(۳۷۸) ایضاً، ج ۲، ص ۳۶۶۔

(۳۷۹) المقریزی، ج ۲، ص ۲۶۶۔ الاسنوی، ج ۲، ص ۲۸۴۔ سعادت علی پاشا الخطط الجدیدہ ج ۶، ص ۱۲۔ النعیمی، ج ۱، ص ۸۹۔ ۹۳۔ عبدالرحمن زکی نهضة العلوم فی قاہرہ الفاطمیین، المجلہ شمارہ ۱۴۸، اپریل ۱۹۶۹، ص ۱۸۔

(۳۸۰) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۳۸۱) المقریزی، ج ۲، ص ۳۶۶۔ الاسنوی، ج ۲، ص ۲۸۴۔ السیوطی، حسن المحاضرہ، ج ۱، ص ۴۶۴۔

(۳۸۲) الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۲۹۳۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۸۴۔

(۳۸۳) ابن کثیر ج ۱۳ ص ۲۴۔

(۳۸۴) المقریزی، ج ۲، ص ۳۶۶۔ سعادت علی پاشا، ج ۶، ص ۱۲۔

(۳۸۵) السبکی، ج ۷، ص ۲۱۵۔ الذہبی، ج ۴، ص ۲۳۶۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۳۵۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۹۴۔ الاسنوی، ج ۲، ص ۲۱۶۔ عماد الاصبہانی، ج ۱، قسم الشام، ص ۲۷۴۔

(۳۸۶) السبکی، ج ۷، ص ۲۱۵۔ الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۷۸۔ یاقوت، ج ۵، ص ۱۴۰۔

(۳۶۷) السبکی، ج ۷، ص ۲۱۹۔ ۲۲۰۔

(۳۸۸) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۹۴۔ ایضاً، ج ۴، ص ۱۳۳۰، النعیمی، ج ۱، ص ۱۰۱۔

(۳۸۹) یاقوت، ج ۷، ص ۱۴۵۔ الذہبی، ج ۴، ص ۱۳۳۱۔

(۳۹۰) النعیمی، ج ۱، ص ۱۰۰۔

(۳۹۱) ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۲۶۷۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۹۶۔ الذہبی، معرفۃ القراء الکبار، ج ۲، ص ۴۳۳۴ (لہ) العبر، ج ۴، ص ۲۱۵۔ ابن الجوزی، ج ۱، ص ۴۳۶۔ ابن العماد، ج ۴، ص ۲۴۲۔ یاقوت، ج ۵، ص ۲۷۳-۲۷۴۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۲، ص ۱۷۹-۱۸۰، القفطی، ج ۲، ص ۲۹۸۔ الصفدی، نکت العمیان، ص ۲۱۴۔

(۳۹۲) یاقوت، ج ۵، ص ۲۷۴۔ ابن الجزری، ص ۱۰، ص ۲۶۷۔ ابن رجب، ج ۱، ص ۳۳۷۔

(۳۹۳) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۹۶۔

(۳۹۴) عماد عبد السلام، ص ۱۵۳۔

(۳۹۵) محمد بن علی الراوندی، راحت الصدور و آیہ السرور در تاریخ آل سلجوق، تحقیق محمد اقبال (لیدن، ای، جے بریل، ۱۹۲۱ء) ص ۱۴۰۔

(۲۹۶) البیہقی، تتمہ صوان الحکمۃ، ص ۱۷۹ و ۱۸۴ (حواشی)۔

(۳۹۷) عماد السلام، ص ۱۵۳

(۳۹۸) ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۴۶-۲۴۷۔ الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۷۳، ابن رجب، ج ۱، ص ۲۶۰۔ سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق، ص ۲۵۶۔

(۳۹۹) ایضاً، یاقوت، معجم الادباء، (مصر، دار المامون، ۱۳۵۵ھ) ج ۱۲، ص ۵۷۔

(۴۰۰) حاجی خلیفہ، ص ۱۱۲۷-۱۱۲۸۔ عواد، ص ۱۸۲-۱۸۳۔

(۴۰۱) ایضاً ایضاً۔

(۴۰۲) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۵۱۔ ابن الجوزی، ج ۱۰، ص ۲۱۷۔ ابن الاثیر، ج ۱۱، ص ۳۲۱۔ عماد عبد السلام، ص ۱۶۲۔

(۴۰۳) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۱، ص ۲۶۲۔ عماد عبد السلام، ص ۱۶۲۔

(۴۰۴) ابن رجب، ج ۱، ص ۲۵۲۔ العلیمی، ج ۲، ص ۲۸۷۔

(۴۰۵) ابن رجب، ج ۱، ص ۲۸۳۔

(۴۰۶) سبط ابن الجوزی، ج ۸، ق ۱، ص ۲۴۰۔

(۴۰۷) عواد، ص ۱۸۲۔

(۴۰۸) الذہبی، ج ۴، ص ۴ (لہ) العبر، ج ۵، ص ۱۸۵۔

(۴۰۹) الصفدی، ج ۸، ص ۱۶۷۔ العلیمی، ج ۱، ص ۱۱۱۔

(۴۱۰) ابن الفوطی، ص ۱۸۱۔

(۴۱۱) ایضاً، ابن الساعی، ج ۹، ص ۷۵-۷۷۔

(۴۱۲) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۲۵۰۔ الاسنوی، ج ۱، ص ۱۱۸۔

(۴۱۳) ابن العماد، ج ۵، ص ۳۱۹۔ ابو شامہ، ص ۳۹۔

(۴۱۴) الذھبی، العبر، ج ۵، ص ۲۴۷۔

(۴۱۵) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۲۲۵۔

(۴۱۶) الصباغ، ج ۴، ص ۴۶۰۔

(۴۱۷) ابن الوطی ص ۱۴۷۔۱۴۸۔ عواد، ص ۱۲۲۔

(۴۱۸) الیونینی، ج ۱، ص ۷۲۔ السبکی ج ۵، ص ۵۹۔

(۴۱۹) ابو شامہ، ص ۱۹۸۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۹۔ ابن تغری بردی، ج ۷، ص ۵۷۔ النعیمی، ج ۱، ص ۲۵ و ۲۰۷۔ ابن شداد، الاعلاق الخطیرہ، ص ۲۴۵۔

(۴۲۰) السبکی، ج ۷، ص ۲۸۱۔

(۴۲۱) ابن الفوطی، ج ۴، ق ۱، ص ۳۱۴۔ ۳۱۵ (حاشیہ)۔

(۴۲۲) ابو مخرمہ، ج ۲، ص ۲۰۱۔

(۴۲۳) ایضاً۔

(۴۲۴) ایضا۔

(۴۲۵) الذہبی ج ۴، ص ۱۴۰۵۔

(۴۲۶) ابن شاکر، ج ۲، ص ۴۷۱۔ الصفدی، ج ۴، ص ۶۵۔ النعیمی، ج ۲، ص ۹۳۔ ابن رجب، ج ۲، ص ۲۳۷۔

(۴۲۷) الذہبی، ج ۴، ص ۱۴۰۶۔ ابن رجب ج، ص ۲۳۸۔

(۴۲۸) ایضاً، ابن شاکر، ج ۲، ص ۴۷۲۔ النعیمی، ج ۲، ص ۹۲۔

(۴۲۹) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۷۰۔ النعیمی، ج ۲، ص ۹۲۔

(۴۳۰) الصفدی، ج ۴، ص ۶۶۔ النعیمی، ج ۲، ص ۹۲ و ۹۴۔

(۴۳۱) یاقوت، ج ۷، ص ۱۰۳۔ الصفدی، ج ۵، ص ۱۰۔ ابن العماد، ج ۵، ص ۲۲۷۔ البستانی، ج ۴، ص ۲۔۱۔ ۱۰۳۔ آریانا، ج ۱، ص ۲۹۴۔

(۴۳۲) السبکی (مصر، المطبعہ الحسینیہ، ۱۳۲۴ھ) ج ۵، ص ۱۴۱۔ الذہبی، ج ۴، ص ۱۴۲۹۔ الاسنوی، ج ۲، ص ۵۰۲۔ ۵۰۳۔

(۴۳۳) الذہبی، العبر، ج ۵، ص ۱۸۰۔

(۴۳۴) یاقوت، ج ۷، ص ۱۰۳۔ الصفدی، ج ۵، ص ۱۰۔

(۴۳۵) یاقوت، ج ۷، ص ۱۰۳۔ ابن الفوطی، ص ۲۰۵۔

(۴۳۶) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۶۹۔ الصفدی، ص ۱۰۔ ابن شاکر، ج ۲، ص ۵۲۳۔ الذہبی، ج ۴، ص ۱۴۲۹۔

(۴۳۷) یاقوت، ج ۷، ص ۱۴۔

(۴۳۸) ابن الفوطی، ص ۲۰۶۔

(۴۳۹) عیسیٰ اسکندر معلوف، حقائقِ تاریخیہ، عن دمشق و حضارتھا، محاضرات المجمع العلمی، (دمشق، مطبعہ المجمع العلمی، ۱۹۲۹ء) ج ۱، ص ۱۶۲۔ ۱۶۳۔

(۴۴۰) القزوینی، آثار البلاد، ص ۳۸۷۔

(۴۴۱) الجمیلی، ص ۳۱۵۔ یاسین بن خیر اللہ الخطیب العمری، الادباء فی تاریخ الموصل، الحدباء، (الموصل، ۱۹۵۵ء) ص ۶۶۔

(۴۴۲) یاقوت، معجم البلدان، ج ۴۰، ص ۲۹۵۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۹۷۔

(۴۴۳) ابن الاثیر، ج ۱۰، ص ۲۵۱۔

(۴۴۴) المقریزی، ج ۲، ص ۳۶۲۔

(۴۴۵) ابن عساکر، تہذیب تاریخ، ج ۱، ص ۲۲۲۔ ۲۲۳۔

(۴۴۶) ابن الجوزی، المنتظم، ج ۸، ص ۲۳۸۔

(۴۴۷) الزرکلی، ج ۲، ص ۱۹۵۔

(۴۴۸) حاجی خلیفہ، ج ۱، ص ۲۷۔

(۴۴۹) المقری، ج ۲، ص ۲۰۶ و ۲۰۶۔

(۴۵۰) ابو جعفر احمد بن الزبیر، القسم الاخیر من کتاب صلہ (الرباط، المطبعۃ الاقتصادیۃ، ۱۹۳۸ء) ص ۱۵۲۔ ۱۵۳۔

(۴۵۱) منتخب الدین بدیع اتابک، کتاب عتبہ الکتبہ مجموعۃ مراسلات دیوان سلطان سنجر، (طہران شرکت سہامی، ۱۳۲۹ف) ص ۷۔۸۔

(۴۵۲) ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریہ، ج، ص ۳۳۴۔ ابن الفوطی، ص ۵۵۔۵۶۔

(۴۵۳) ابن الجوزی ج ۹، ص ۶۸۔ السبکی، ج ۴، ص ۳۱۹۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۴۴۔

(۴۵۴) ناجی معروف، علماء النظامیات، ص ۲۰۸، ۴۱۔

(۴۵۵) السبکی، ج ۴، ص ۳۱۳۔ ۳۱۴۔

(۴۵۶) ابو شامہ، کتاب الروضتین، ص ۶۳۔

۴۵۷) ابن الجوزی، ج ۹، ص ۶۸۔

۴۵۸) ہٹی، ص ۴۱۰۔

۴۵۹) ناجی معروف، علماء النظامیات، ص ۳۶۔

۴۶۰) عواد، ص ۱۴۸۔

۴۶۱) ناجی معروف، علماء النظامیات، ص ۳۲۔۳۵۔

۴۶۲) السبکی، ج ۲، ص ۲۲۳۔

۴۶۳) البیہقی، تتمہ صوان الحکمۃ، ص ۹۶۔

۴۶۴) ایضاً۔

۴۶۵) السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۳۰۶۔

۴۶۶) احمد بن علی الحسینی المعروف بابن عتبۃ، عمدہ الطالب فی انساب آل ابی طالب، تحقیق نزار رضا (بیروت، دار مکتبۃ الحیاۃ ۱۳۵۸ھ) ص ۱۶۹۔

۴۶۷) عبدالرحمٰن سنبط قنیتی الاربلی، خلاصۃ الذہب المسبوک (بغداد، مکتبۃ المثنیٰ، ۱۹۶۵ء) ص ۲۸۸۔

۴۶۸) ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۵۹۔

۴۶۹) ابن الفوطی، الحوادث الجامعۃ، ۸۹۔

۴۷۰) ابن الفوطی، ج ۴، ق ۴، ص ۸۳۲ (حاشیہ)۔

۴۷۱) ایضاً، ج ۴، ق ۳، ص ۱۹۳۔

۴۷۲) ابن العبری، ص ۲۷۴۔

۴۷۳) ابن الفوطی، ص ۸۹۔

۴۷۴) احمد عیسیٰ بک، ص ۲۰۹۔۲۰۱۔

۴۷۵) محمد کرد علی، خطط الشام، ج ۶، ص ۱۹۲۔

۴۷۶) ابن ابی اصیبعہ، ج ۳، ص ۳۹۰۔ النعیمی، ج ۲، ص ۱۲۹۔

۴۷۷) ایضاً، ص ۳۹۵۔

۴۷۸) ایضاً، ص ۳۹۷۔

۴۷۹) ایضاً، ص ۳۹۸۔ النعیمی، ج ۲ ص ۱۲۹۔

۴۸۰) ایضاً۔

۴۸۱) ایضاً۔

(۴۸۲) ایضاً، ص ۳۹۹۔ النعیمی، ج ۲، ص ۱۳۰۔ الذہبی، العبر، ج ۵، ص ۱۱۱۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۳۰۔

(۴۸۳) عباس العزاوی النقد الادبی و مصادرہ، مجلۃ المجمع العلمی العراق، ج ۷، (۱۹۶۰ء) ص ۸۹۲۔

(۴۸۴) الکتبی، ۱، ص ۲۷۳۔ ابن کثیر، ج ۱۴، ص ۱۰۶۔

باب ششم

کتاب سازی: وراقت

باب پنجم میں ادارہ جاتی، عوامی اور علمی کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا تھا، جو عہد عباسی میں اقسامِ کتب خانہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی۔ ان کتب خانوں کے تذکرہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قلمرو میں ہر نوع کے کتب خانوں کی کثرت، حکمِ اقرا'' ''قیدوا العلم بالکتاب'' اور اس کے زیرِ سایہ نشوونما پانے والی عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی و عوامل و محرکاتِ کتب خانہ اس حکمِ الٰہی و ارشادِ نبوی ﷺ کا رہینِ منت ہے۔ اس سے ہر طرف علم کی روشنی پھیلتی رہی ہر شہر اور بستی میں علمی و تحقیقاتی سرگرمیاں پروان چڑھتی رہیں۔ ہر موضوع پر نت نئی کتابیں بازار میں آتی اور کتب خانوں میں پہنچتی رہی تھیں۔

عہدِ عباسی میں کتب و کتب خانہ ہر پڑھے لکھے کا ایسا ہر دلعزیز مشغلہ بن گیا تھا کہ اس کے بنانے، رکھنے اور دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچانے کے لئے وہ اپنی عمرِ عزیز کا معتدبہ حصہ کتابوں کی نقل، تصحیح و مقابلہ میں صرف کرتا۔ پھر اسے کتب خانوں میں وقف کرتا تھا ان کتب خانوں کی طلب و رسد جن ذرائع سے پوری ہوتی اور کتاب جن منازل سے گزر کر کتب خانوں میں پہنچنے کے لائق ہوتی تھی، اس باب میں اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے اس کا عنوان کتاب سازی: وراقت رکھا گیا ہے۔

باب ششم کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ کاغذ سازی، اس کے اقسام، صنعتِ کاغذ سازی کے مراکز، کاغذ کی مقامی نسبتوں سے شہرت، بہترین کاغذ کی پہچان، سامانِ کتابت، قلم، دوات، سیاہی، نقل و ضبط کا اہتمام، کتابت و خوشنویسی اور اقسامِ خط و تحریر شناسی، مدارس میں خوشنویسی کا قیام، کتابوں میں اعراب کا اہتمام، مقابلہ و تصحیح کتاب، محو عبارت و الحاق نقص، قواعدِ کتاب، تصحیح میں احتیاط و اصطلاحات، کاتبوں کا ضابطۂ اخلاق، ناقل و کاتب کی شروط۔

دوسرا حصہ صنعت وراقت، سوق الوراقین کی نوعیت، کثرتِ مراکز اور ان کی علمی و ثقافتی حیثیت، تجارت کتب، کتب فروشوں کی خصوصیات، فروغ تجارت کتب کے عوامل، معیاری و مستند ناشرین، گران و ارزاں قیمت کتب کے عوامل، انتخابِ کتب کے اصول و مبادی اور تبصرۂ کتب پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ عہد عباسی میں کتابوں کا ان تمام پہلوؤں سے جائزہ لیا جاتا تھا، ان مراحل

سے گزرنے کے بعد کتاب کتب خانہ میں جگہ پاتی اور اہلِ علم کے استفادہ کے لائق سمجھی جاتی تھی اس سے عہد عباسی کے اس علمی و ثقافتی ورثہ کی قدر و قیمت اور استنادی حیثیت کی وضاحت ہوتی ہے جو کتب خانوں میں طلبہ، اساتذہ، محققین و شائقین کتب کے استفادہ کیلئے رکھا جاتا تھا۔ عہد عباسی کی یہ وہی تحقیقات و تخلیقات تھیں جنہیں یورپ کی ترقی اور موجودہ تحقیقات کی اساس بننے کا فخر حاصل ہے۔

پہلا حصہ (اجمالہ خاکہ)

☆---------- کاغذ سازی
☆---------- کاغذ کی تین نسبتوں سے شہرت
☆---------- اقسامِ کاغذ
☆---------- بہترین کاغذ کی پہچان
☆---------- کاغذ سازی کا ضابطۂ اخلاق
☆---------- سامانِ کتابت (قلم، دوات اور سیاہی)
☆---------- کتابت و خوش نویسی
☆---------- اقسامِ خط
☆---------- تحریر و کتب شناسی
☆---------- خوشنویسی کا پیشہ ورانہ مدرسہ
☆---------- نقل و ضبط کا اہتمام
☆---------- کتابوں میں اعراب کا اہتمام
☆---------- کتاب کا مقابلہ
☆---------- تخریج اور الحاق نقص
☆---------- ضرب (قلم زد کرنا) حک (رگڑنا) شق (چیرنا) اور محو (مٹانا)
☆---------- صحت کے اصول و قواعد اور احتیاطی پہلو
☆---------- تصحیح میں احتیاط اور اصطلاحات
☆---------- کاتبوں کا ضابطۂ اخلاق
☆---------- کاتب و ناقل کی شرطیں

کاغذ سازی

روئی سے کاغذ کی ایجاد اور اس کی صنعت کے اولین خط و خال سے بحث ہمارے مقالہ کا موضوع نہیں۔ اس لئے ہم عہد عباسی میں موادِ کتب سے روشناس کرانے کیلئے اس کے سرسری جائزہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ کاغذ کی صنعت نے سلطنتوں کو چاندی اور سونے کے سکوں کے بوجھ سے ہلکا کرنے کیلئے زر کاغذی مہیا کیا اور علمی و ادبی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا۔ یہ کہنا بجا ہے کہ کاغذ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس نے قدیم و جدید علمی سرمایہ کو منتقل کرنے، محفوظ رکھنے، اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے، کتب خانوں کو پروان چڑھانے میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔

مسلمانوں نے جب اس صنعت سے دنیا کو روشناس کرایا علمی و ثقافتی ورثہ اسی کاغذ پر اس وقت سے منتقل ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ پپائرس کا آج تاریخوں میں نام ضرور روشن ہے لیکن ہماری لائبریریاں اس سے خالی ہیں، بابل و نینوا کی کھدائی سے جو الواح دریافت ہوئی ہیں وہ اگر تواتر کے ساتھ نقل ہوتی رہتیں تو بھی یہ نئی دریافت بنی نوع انسان کیلئے ناگزیر تھی۔ اس اعتبار سے کاغذ وہ موادِ کتابت ہے جس نے ناپائیداری کے باوجود اپنی ارزانی و فراوانی کے سبب ہر نوع کے قدیم و جدید علمی سرمائے کو ہم تک بآسانی منتقل کیا۔ تحریکِ احیاء علوم و فنون، تحریکِ کتب خانہ سازی کو حیاتِ جاوید بخشی اور گھر گھر کتب خانہ قائم کیا۔

عہدِ قدیم سے جن متمدن اقوام میں نوشت و خواند کا آغاز ہوا اور تھوڑا بہت چرچا رہا تھا ان میں مصری، رومی، فارسی، ہندی، چینی، یونانی، عرب سب ہی شامل تھے۔ انہوں نے جو مواد لکھنے کیلئے انتخاب کیا تھا اس کا تذکرہ ابن الندیم نے الفہرست میں کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان نے لکھنے کیلئے مٹی، پتھر، لکڑی، تانبا، درخت کے پتے، چھال، گھاس، چمڑا، ھڈی، کپڑا اوراق بردی (Papyrus) اور چینی کاغذ سب ہی کچھ استعمال کیا تھا۔ چنانچہ اشور بانی پال کا پورا کتب خانہ گلی تختیوں (Clay Tablets) پر مشتمل تھا۔(۱)

(۱) یونانی چمڑے پر۔(۲)

(۲) رومی سفید ریشم پر، نرم کھال اور اوراق بردی پر، جنگلی گدھے کے چمڑے پر، اہلِ فارس بھینس، گائے اور بکری کی کھال پر، عرب اونٹ کے شانہ کی ھڈی، سنگِ سفید کے ٹکڑوں، کھجور کی چوڑی چکلی ٹہنیوں۔(۳)

(۳) اور چمڑے پر بھی لکھتے تھے۔(۴)

(۴) چینی گھاس سے تیار کردہ کاغذ پر لکھتے تھے۔ (۵)

(۵) اہلِ ہند تانبے، پتھر اور سفید ریشم پر لکھا کرتے تھے۔ (۶)

(۶) فوری ضرورت کیلئے لوگ لکڑی اور درخت کے پتوں کو تحریر کے لئے استعمال کرتے اور تحریر کو تادیر رکھنے کے لئے توز کے پتوں پر بھی لکھتے تھے۔ (۷)

(۷) عہدِ عباسی میں لکھنے کے لئے چمڑا بھی استعمال میں آتا تھا لیکن چمڑے کی نسبت کاغذ پر تحریری مواد زیادہ آتا ہے۔ یہ سستا اور ہر وقت بہ آسانی میسر ہے۔ پھر اس کا نقل و حمل آسان، ان وجوہ سے مسلم معاشرے میں اسے قبولِ عام حاصل ہوا اور چمڑے کا چلن جاتا رہا۔ کاغذ کی موجودگی میں اگر کوئی چمڑا استعمال کرتا تو معاشرہ میں حیرت اور استعجاب کی نظر سے دیکھا جاتا۔ اس سے سوال کئے جاتے۔ چنانچہ جاحظ سے بھی سوال کیا گیا اس نے مزاحیہ انداز میں چمڑے کے استعمال کی خوبیوں اور خرابیوں کی نشاندہی کی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

"تم کہتے ہو کہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم نے اپنی کتابیں چینی اور خراسانی کاغذ پر تیار نہیں کرائیں اور تم پوچھتے ہو تم نے چمڑے پر کیوں لکھوایا اور تم کیوں اسکی ترغیب دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو اور اس کا حجم خشک ہو کر کمتر ہو جاتا ہے وزن ثقیل ہے اگر پانی پہنچ جائے خراب ہو جائے اور اگر نمی کا دن ہو تو ڈھیلا ہو جائے اگر ڈھیلا بھی نہ ہو تو چمڑے والے نزولِ باراں کو پسند نہیں کرتے وہ بارش سے خوش نہیں ہوتے۔

تمہیں معلوم ہے کہ وراق ان ایام میں ایک سطر نہیں لکھتا نہ چمڑا کاٹتا ہے جب کہ وہ تر ہو پھر بارش بھی ہو جائے وہ بھیگ بھی جائے ڈھیلا ہو کر دراز ہو جائے اور جب خشک ہو جائے تو پھر سخت کھینچ تان کے بعد اپنی اصلی حالت پر لوٹتا ہے اور وہ زیادہ بدبودار اور زیادہ گراں قیمت ہو جاتا ہے وہ دھوکے کا زیادہ محتمل ہوتا ہے اس میں کوفی کو واسطی اور واسطی کو بصری بنایا جا سکتا ہے اور اسے پرانا کیا جا سکتا ہے تاکہ اسکی بو دور ہو جائے اسکے بال صاف ہو جائیں، اس میں گرہ زیادہ ہوتی ہیں یہ زیادہ تر غبار آلود ہوتے ہیں اور بیشتر ناکارہ سیاہی اس میں جلد پہنچتی ہے اس میں تحریر کا زیادہ جلدی مٹ جانا زیادہ عام ہے اور صاحبِ کتب خانہ یہ چاہے کہ بقدرِ حاجت کتابیں سفر میں ساتھ رکھ لے تو اسکے لئے بار شتر بھی کافی نہیں اور قطنی کاغذ کی کتابیں بار شتر بھی سفر میں ساتھ لیجانا چاہے تو یہ بھی کفایت کرتا ہے اور تم نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تغیر و تبدل کو زیادہ برداشت کرتا ہے اور زمانہ دراز تک رہتا ہے اور عاریتاً لینے دینے اور ہاتھوں میں گھومتے پھرتے رہنے سے ان میں کوئی فرق نہیں آتا اسکی پھر بھی قیمت اٹھتی ہے اور مٹا ہوا بھی کام آتا ہے، اسکی طرف رجوع کیا جاتا ہے اسے پھر زندہ کیا

جاتا ہے وہ پھرنئے کی قیادت کرتا ہے۔

قطنی کاغذ کی بازار میں قیمت نہیں ہے (بہت سستا ہے) اگر تم بازار والوں کو ورق برابر چمڑا پیش کرو اور اس پر بال لگے ہوں اور بیکار باتیں بھی لکھی ہوئی ہوں۔ یوں تو اور بھی زیادہ قیمت اٹھے گی اور لوگ خریداری میں جلدی کریں گے۔(۸)

میں کہتا ہوں حساب کتاب چمڑوں پر لکھا جاتا ہے دفتروں میں چمڑوں پر لکھی ہوئی تحریروں پر اعتماد کیا جاتا ہے، عہد و پیماں، شرائط، بیع و شرا کے معاملات، زمینوں کی خرید و فروخت اور نقشہ جات سے متعلق امور چمڑوں پر لکھے جاتے ہیں۔ نقشہ جات انہی پر بنائے جاتے ہیں، پھر دیمک کاغذ کو جلد کھا جاتی ہے۔"

مذکورۂ بالا اشیاء میں کچھ اپنی ناپائیداری، ناہمواری، کمیابی، سختی، گرانی، نقل و حمل کی دقت، ذخیرے کے لئے زیادہ جگہ کی احتیاج اور غیر معمولی محنت کے بعد کار آمد بنانے کی وجہ سے زیادہ استعمال میں نہیں آسکتی تھیں اس لئے ان متمدن اقوام میں نوشت و خواند کا سلسلہ ہمیشہ نہایت مختصر و محدود طبقہ میں دائر و سائر رہتا تھا اس لئے کتب خانوں کی تعداد دہائیوں سے آگے نہیں بڑھ سکی تھیں۔ اہلِ مصر لکھنے کے لئے پپائرس (Papyrus) جو گھاس سے تیار کیا جاتا تھا استعمال کرتے تھے(۹) عربی میں قرطاس اوراقِ بردی کے نام سے بھی معروف ہے۔

قرطاس (مفرد) بکسر قاف بمعنی پپائرس اور قراطیس (جمع) بفتح قاف قرآن میں آیا ہے (الانعام ۷۔ ۹۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ عرب قرطاس سے آشنا تھے۔ یہ کارٹس (Chaorts) کا معرب ہے۔ (۱۰) پہلی اور دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کاغذ کی نشر و اشاعت سے قبل مسلمانوں میں قرطاس کا استعمال رہا اور کاغذ کے رواج پذیر ہونے کے بعد بھی قرطاس و قراطیس مصر کی نسبت کی صورت میں بلاشبہ اوراق بردی کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن مصر کی نسبت کے بغیر بلا قرینہ ہمیشہ کاغذ کے معنی میں آیا ہے۔ چنانچہ بغداد کا محلّہ درب القراطیس کاغذ سازی کی وجہ سے مشہور تھا۔(۱۱) اور اسلامی قلمرو میں کاغذ و محلّہ کاغذ سازان دونوں کی اس معنی و نسبت سے شہرت رہی ہے یہی وہ مقامات تھے جہاں کاغذ ساز رہتے اور کاغذ بنتا تھا۔ اس لئے زمخشری نے مقدمۃ الادب(۱۲) میں اور میدانی نے السامی فی الاسامی میں قرطاس کا ترجمہ لفظ کاغذ سے کیا ہے، کاغذ یا کاغد جسکی جمع کواغذ(۱۳) اور کواغیذ(۱۴) آتی ہے۔ امام لغت صغانی لاہوری نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ عربی میں فارسی زبان سے آیا ہے(۱۵) لیکن دراصل یہ چینی زبان کا لفظ ہے۔ لوفر (Laufer) کے بقول یہ Ku-Chih اور قدیم زبان میں Kokei-Kokdz سے کاغذ بنا ہے۔ فرلی کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے یہ لفظ ترکی ہو(۱۶) یہ

چونکہ چینی ترکستان کا علاقہ تھا اس لئے اسے ترکی الاصل کہنا بھی درست ہے۔

عہد عباسی میں ورق سازی کاغذ سازی کی صنعت میں مہارت و کاغذ فروشی میں شہرت کی بناء پر اہلِ علم کو قراطیسی (۱۷) کاغذی (۱۸) اور "وراق" (۱۹) کی نسبت سے شہرت حاصل رہی ہے۔ دمشق میں آج بھی ایک خانوادہ قراطیسی کی نسبت سے مشہور ہے اور اس خاندان کے افراد کاغذ کی تجارت کرتے ہیں۔ (۲۰) عہدِ عباسی میں کتب فروشی پر قراطیس کی طرح کراسہ کی طرف نسبت کی وجہ سے کراریسی کا لفظ بھی بولا جاتا تھا لیکن جلد ہی لفظ "وراق" نے ان کی جگہ لے لی تھی اس لئے بعض اہلِ لغت کی یہ رائے ہے کہ وراقت کا دائرہ تجارتِ کتب تک محدود نہیں تھا بلکہ کتاب اور سامانِ کتابت ورق ‘کتابت ‘ نقل ‘کتابوں کی سلائی ‘ جلد سازی ہر چیز پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ (۲۱)

دنیا میں سب سے پہلے ۱۰۵ عیسوی میں ایک چینی سائی لون (۲۲) زائی لون (Ts'ainlun) نے گھاس سے کاغذ تیار کیا تھا (۲۳) ابن الندیم نے چینی کاغذ ‘ ابن ابی بعرہ کے خزانۃ الکتب میں دیکھا تھا۔ (۲۴) مسلمانوں نے اس صنعت کو ان سے سیکھا ‘کتان (السی) اور قطن (روئی) سے کاغذ تیار کیا۔ (۲۵)

کاغذ سازی کا آغاز دورِ اموی میں ہو چکا تھا (۲۶) اس امر کا اعتراف اس عصر کے نامور محقق کرد علی کو بھی ہے (۲۷) علامہ شہاب الدین ہارون بن بہاء الدین مرجانی المتوفی ۱۲۰۶ھ نے وفیات الاسلاف میں تصریح کی ہے کہ یوسف بن عمرو مکی نے قتیبہ بن مسلم کی فتحِ سمرقند ۸۷ھ / ۷۰۵ء (۲۸) کے بعد ۸۸ھ / ۷۰۶ء کے حدود میں حجاز میں روئی سے کاغذ بنایا تھا (۲۹) اس کاغذ کو ابن الندیم نے "ورقِ تہامی" کے نام سے ذکر کیا ہے جو اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ ابنِ ابی بعرہ کے خزانۃ الکتب میں دیکھا تھا (۳۰) ہمارے علم میں نہیں کہ ابن الندیم کے علاوہ کسی مورخ نے تہامی کاغذ کا تذکرہ کیا ہو اگر ابن الندیم نے ورق تہامی کو نہ دیکھا ہوتا تو علمی دنیا کو اس کا نام بھی معلوم نہ ہوتا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن عمرو مکی کا کاغذ سازی کا دائرہ حدود تہامہ سے آگے نہیں بڑھا اس لئے اس کی جیسی شہرت چاہئے تھی نہ ہو سکی ‘ اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کاغذ سب سے پہلے حجاز کی سر زمین میں تیار کیا گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ بلادِ مغرب میں موسیٰ بن نصیر المتوفی ۹۷ھ / ۷۱۵ء نے قنب (سن) اور کتان سے کاغذ بنانے کا طریقہ ایجاد کیا تھا (۳۱)

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ براعظم ایشیاء اور یورپ میں مسلمانوں نے کاغذ سازی کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ۱۳۴ھ / ۷۵۱ء میں جنگ اطلخ میں امیر زیاد بن صالح حارثی المقتول ۱۳۵ / ۷۵۲ کچھ چینی کاغذ سازوں کو اسیر بنا کر لے آئے۔ چینی کاغذ گھاس سے بناتے تھے مسلمانوں نے کاغذ قطن (Cotton) سے بنایا (۳۲) جو قطنی کاغذ کہا جاتا تھا بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ پرانی رسیوں کے فرسودہ ٹکڑوں سے بنایا جاتا تھا۔ (۳۳) آدم مز

کی تحقیق یہ ہے کہ برگِ توت اور رغابِ ہندی سے کاغذ بنایا جاتا تھا(۳۴)۔

اہلِ سمرقند نے ان چینی کاغذ سازوں سے کاغذ بنانا سیکھا۔ پھر بلادِ مشرق میں اسی صنعت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس لئے اس کا انتساب چینی کاغذ سازوں کی اسیری کے واقعہ سے ہو کر رہ گیا۔(۳۵) اور کاغذ سازی کی صنعت کو عہدِ عباسی کی اولیات سے شمار کیا جانے لگا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس واقعہ کے بعد کاغذ سازی کی صنعت کو بتدریج پورے اسلامی قلمرو میں کاشغر سے غرناطہ تک ترقی کرنے کی سہولتیں حاصل ہوتی رہیں۔ اس صنعت میں مسابقت کا جذبہ ابھرا، مشرق و مغرب کے کم و بیش ہر بڑے شہر میں کاغذ سازوں کے کوچے، محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے اور ۱۷۸ھ / ۷۹۴ء میں بغداد میں بازارِ کتب کے قیام سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شہروں میں اس صنعت کا نہایت تیزی سے رواج ہو چکا تھا۔(۳۶)

(ا) کاغذ کی تین نسبتوں سے شہرت

عہدِ عباسی میں کاغذ کو اسلامی قلمرو میں تین نسبتوں سے شہرت حاصل تھی۔

(ا) بلاد کی نسبت سے جیسے ورقِ **سمرقندی**
(۲) کاغذ کے کارخانہ کے مالکان کی نسبت سے جیسے ورقِ سلیمانی
(۳) کاغذ سازوں کی نسبت سے جیسے ورقِ منصوری

عہد عباسی میں جو ممالک و بلاد کاغذ کی صنعت کا مرکز رہے ہیں وہ حسبِ ذیل تھے۔

۱۔ ماوراء النہر۔ چنانچہ ابراہیم **اصطخری** کا بیان ہے کہ بلدانِ اسلام میں نوشادر و کاغذ میں ماوراء النہر کے کاغذ کا جواب نہیں ہے۔(۳۷) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں کاغذ کی صنعت پورے اسلامی قلمرو میں پھیل گئی تھی۔

۲۔ خراسان(۳۸) خراسانی کاغذ کی شہرت اندلس تک پہنچی ہوئی تھی(۳۹) نیشاپور میں سکتہ الوراقین تھا(۴۰)۔

۳۔ بلخ۔ بلخی کاغذ اندلس تک مشہور تھا(۴۱)۔

۴۔ عراق۔ بغداد میں دوسری صدی ہجری کے ربع آخر میں فضل بن یحیی برمکی نے یہاں کاغذ سازی کا کارخانہ قائم کیا تھا(۴۲)۔ محلہ کرخ(۴۳) بغداد اور محلہ دار القز بغداد میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا(۴۴)۔ سامراء میں خلیفہ معتصم نے مصری کاغذ سازوں کو آباد کیا تھا انہوں نے کاغذ بنایا لیکن وہ پائیدار نہ تھا(۴۵)۔ تیسری صدی ہجری میں بغداد میں کاغذ بہت اچھا بنتا اور نہایت سستا بکتا تھا چنانچہ محمد بن غالب بصری ثم بغدادی المعروف

بغنام المتوفی ۲۸۳ھ کے پاس چند طلبہ حدیثیں لکھنے کے لئے آئے، موصوف نے بستے نکال کر سامنے رکھ دئے، وہ پرانے کاغذ پر لکھنے لگے تو غنام نے کہا "یابنی الکاغذ رخیص ببغداد، فلو کتبتموہ فی کاغذ اجود من ھذا" (۴۶) بیٹو، بغداد میں کاغذ سستا ہے کاش تم اس سے بہتر کاغذ پر لکھتے۔ پانچویں صدی ہجری میں کاغذ کی صنعت بغداد میں بہت عروج پر تھی (۴۷) واسط میں بھی درب القراطیس تھا (۴۸)۔

۵۔ شام۔ یہاں اچھا کاغذ بنتا اور مصر بھیجا جاتا تھا (۴۹) شام کے حسب ذیل شہروں میں کاغذ بنایا جاتا تھا۔

(۱) دمشق (۵۰) (۲) طبریہ (۵۱) (۳) فلسطین (۵۲)
(۴) حماۃ (۵۳) (۵) حلب (۵۴) (۶) منبج (۵۵)

طرابلس الشام یہاں کاغذ سمرقندی کاغذ کی طرح ہوتا تھا۔ (۵۶)

۶۔ مصر۔ یہاں کے کاغذ سازوں کی بھی شہرت تھی اسی لئے معتصم نے یہاں سے کاغذ سازوں کو سامراء میں آباد کیا تھا۔ (۵۷) فسطاط، یہاں خطہ (بستی) بنی ریہ میں باب القنطرہ کے قریب مقریزی المتوفی ۸۴۵ھ کے زمانے تک کاغذ بنایا جاتا تھا۔ (۵۸) قاہرہ، حارہ بہاء الدین اور سویقہ امیر الجیوش کے درمیان خطہ خان وراقہ میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔ (۵۹)

۷۔ ایران۔ خونا میں جس کا تذکرہ کتابوں میں خونج کے نام سے کیا جاتا ہے کاغذ کا کارخانہ تھا (۶۰)۔

۸۔ ہندوستان میں بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا اس کاغذ کی صدائے بازگشت اندلس تک سنائی دیتی ہے۔ ابو حامد غرناطی نے ہندوستان کے ساختہ کاغذ کو بلخ و خراساں کے ہم پایہ کاغذ قرار دیا ہے (۶۱) ممکن ہے یہ کاغذ کشمیر، سیالکوٹ اور لاہور میں سے کسی جگہ بنتا ہو۔

۹۔ مغرب، اندلس، مشرق (ایشاء) سے کاغذ کی صنعت مسلمانوں کے ذریعہ مغرب میں پہنچی چنانچہ قرطبہ میں بے نظیر (۶۲) شاطبیہ میں نہایت عمدہ (۶۳) اور صقلیہ (سسلی) میں بھی کاغذ بنایا جاتا تھا (۶۴)۔ سولہویں صدی عیسوی میں یہاں سے کاغذ سازی کی صنعت یورپ کے مغربی ممالک میں پہنچی تھی (۶۵)۔

(۲) اقسامِ کاغذ

ابن الندیم نے چوتھی صدی ہجری تک اسلامی دنیا میں حسبِ ذیل چھ قسم کے کاغذوں کی نشاندھی کی ہے۔

(۱) سلیمانی	(۲) طلحی	(۳) نوحی
(۴) فرعونی	(۵) جعفری	(۶) طاہری(٦٦)

(۳) بہترین کاغذ کی پہچان

علامہ **ثعالبی** (۳۵۰ - ۵۴۹ ھ) نے عہد عباسی میں اسلامی قلمرو میں کاغذوں میں سمرقندی کاغذ کو(۱) سب سے زیادہ بہتر' (۲) سب سے زیادہ نرم' (۳) سب سے زیادہ لطیف اور (۴) سب سے زیادہ باریک و صاف قرار دیا ہے(٦٧) موصوف نے جن خوبیوں کی بناء پر اس کو سب سے بہتر اور اعلیٰ معیار کا کاغذ قرار دیا ہے اسکی تصدیق گیارہویں صدی ہجری میں رضی الدین محمد بن حسن قزوینی المتوفی ۱۰۹٦ء کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"ہم نے تمام شہروں کے کاغذ کا تجربہ کیا ہے مگر سب سے زیادہ عمدہ' دیرپا' مضبوط کاغذ (۱)بغداد' (۲)دمشق' (۳) آمل اور (۴) سمرقند کا پایا جو لکھنے کے لائق ہیں دوسرے شہروں کے کاغذ ناپائیدار ہیں وہ ایک زمانے کے بعد ترخ جاتے ہیں"(٦٨)۔

روئی سے کاغذ کی ایجاد اور اس کے فروغِ تجارت نے معاشی اعتبار سے مسلمانوں کو خوشحال بنایا اور ان کے علمی ورثے سے دوسروں کو بہرہ مند کیا۔ ذہنی تنویر بخشی چنانچہ پاپائیت جس نے علم کو ایک مخصوص طبقہ تک محدود کردیا تھا اس کی وجہ سے عیسائی حکمرانوں کی رعایا اوھام پرستی و تعصب میں مبتلا تھی۔ مسلمانوں کی کاغذ کی تجارت نے اسے توہم پرستی و تعصب سے کسی حد تک دور رکھا چنانچہ کاغذ جوں جوں پھیلتا گیا کتابیں وجود میں آتی گئیں۔

علم کی روشنی سے لوگوں کے دماغ روشن ہوتے رہے' کاغذ کی ارزانی و فراوانی کی وجہ سے ہر طبقہ کے لوگوں کو کاغذ و کتاب کی خریداری میں کوئی تامل نہیں رہا۔ ہر شخص آسانی سے کاغذ و کتاب خریدتا' پڑھتا اور علمی دولت سے مالامال ہوتا تھا۔

معاشرہ میں روز افزوں شرحِ خواندگی میں اضافہ کی وجہ سے دنیا سے جہل' تنگ نظری و اوھام پرستی کا خاتمہ ہونے لگا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ عیسائی دنیا سے تعصب و اوھام اور جہل کے پردوں کو چاک کرنے میں مسلمانوں کی کاغذ سازی کی صنعت کا بڑا دخل ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف وان کریمر کو بھی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"یوں علم و فن کی عام اشاعت اور اس کی ترویج کا سہرا عربوں ہی کے سر ہے، علوم کی اشاعت برابر بڑھتی گئی اور عربوں کا لگایا ہوا پودا اس قدر بار آور ہوا کہ اس کی بدولت مذہبی تعصب، اوہام پرستی اور بے جا تحکم کا بالکل خاتمہ ہو گیا، مختصر یہ ہے کہ اس وقت سے تمدن کا ایک نیا دور شروع ہوا" (۶۹)۔

بریفالٹ، نے کاغذ کی ایجاد و ترویج کی دادِ تحسین حسبِ ذیل الفاظ میں دی ہے:

"یہ قابلِ غور اور حیرت انگیز حقیقت ہے کہ یونان اور روما جنھوں نے دنیا کی ہیئت کاملاً بدل کر رکھ دی اور تہذیب کی ایک نئی کائنات تخلیق کی ایک بھی اہم عملی ایجاد یا صنعتی اکتشاف نہ کر سکے .... بابل و مصر کے اولین ایام سے لے کر کسی اہم اور نئے مادی اکتشاف کا سراغ نہیں ملتا تا آنکہ عربوں نے یورپ میں کاغذ سازی بارود سازی اور ناخداؤں کے قطب نما کو رواج دیا جس کی دانش و بصیرت نے فکر و ذہن کی ایک ایسی نئی دنیا پیدا کر دی جو مشرق کے مقابلے میں ایسی ہی تھی جیسے آدھی رات کے مقابلے میں دوپہر"۔ (۷۰)

بریفالٹ ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

"عربوں نے یورپ میں اپنی تین ایسی ایجادیں رائج کیں جس میں سے ہر ایک نے دنیا میں عجیب انقلاب پیدا کر دیا، اول، ناخداؤں کی قطب نما جس کی برکت سے یورپ دنیا کے کناروں تک پھیل گیا، دوم بارود، جس نے زرہ بکتر پہننے والے نائٹوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا، سوم کاغذ جس سے اشاعت و طباعت کا رستہ صاف ہوا، کاغذ کے رواج نے جو انقلاب پیدا کیا وہ اہمیت میں طباعت کی ترویج سے کم نہ تھا" (۷۱)۔

اسلام نے تجارت و دستکاری پر زور دے کر ان کو بھی عبادت بنا دیا تھا اس لئے مسلمان ہر نئی صنعت سیکھتے، اسے اپناتے اس میں جدت پیدا کرتے اور خوب ترقی دیتے تھے۔ جوزف ہیل کہتا ہے:

"اسلام نے دستکاری کے فوائد اور خوبیوں پر زور دیکر دستکاری اور تجارت کو ایک مذہبی شکل دے دی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی نئی چیز ملتی تھی وہ فوراً اسے اپناتے اور اس میں مزید وسعت و نشو و نمائی پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جب سنا کہ اسلامی قلمرو کے کسی دور دراز حصے (سے بھی دور) غالباً چین میں کاغذ تیار کیا جاتا ہے تو انہوں نے فوراً اسکی طرف توجہ کی یہاں تک کہ عباسیوں کے ابتدائی زمانے میں سمرقند کے اندر کاغذ سازی کا ایک کارخانہ جس میں غالباً چینی کام کرتے تھے قائم ہو گیا۔

انہیں ابھی کاغذ بناتے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے اس کے لئے چیتھڑوں

اور کپڑوں کا تجربہ شروع کیا۔ ۵-۷۹۴ء میں بغداد میں کاغذ سازی کا سب سے پہلا کارخانہ قائم ہوا اور حکومت کے دفاتر میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا' رفتہ رفتہ تمام سلطنت میں کاغذ سازی کے کارخانے جاری ہو گئے' جہاں نت نئے قسم کا کاغذ تیار ہوتا تھا' ریشم کا کاغذ' روئی کا کاغذ' موٹا اور باریک' صاف کھردرا' سفید اور رنگدار کاغذ بننا شروع ہوا۔ بانس کے کاغذ اور چمڑے کا زمانہ ختم ہوا اور اب لکھنے کیلئے اس سے کہیں سستا سامان میسر آتا تھا۔ یہ علوم و فنون اور ادب کے فروغ کیلئے ایک اچھا شگون تھا(۷۲)۔

مشرق و مغرب (ایشیاء افریقہ اور یورپ) میں علوم و فنون کے فروغ، کتابوں کی اشاعت اور کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کے احیاء کی خاطر اسلامی قلمرو میں کہیں بھی کاغذ کی صنعت و تجارت پر کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں لگائی گئی اس سے کاغذ کی صنعت و تجارت کو ہر چھوٹے بڑے شہر میں فروغ حاصل ہوا اور علمی دنیا کو اس سے ترقی کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ وان کریمر کہتا ہے:

"عہد عباسی میں کاغذ کی تجارت پر کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں تھی اس لئے بھی کاغذ کی تجارت کو بہت فروغ حاصل تھا" (۷۳)۔

وان کریمر دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

"کاغذ سازی سے صنعتِ علوم و فنون کی اشاعت کو غیر معمولی ترقی ہوئی اور اسی صنعت کی وجہ سے مسلمانوں نے یورپ کے بازاروں میں اپنا سکہ بٹھایا(۷۴)۔ عربوں نے کاغذ سازی کی صنعت کو جلد ہی ترقی دی' کافی سستا اور اچھا کاغذ بنا کر ایشیاء کے بازاروں سے گزار کر مسیحی یورپ کے بازاروں کو بھی یہ کاغذ مہیا کرنے لگے اس لئے علم و فن کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا" (۷۵)۔

مسلمانوں نے علم جیسی بیش بہا چیز کو بغیر امتیاز کے عام کیا اور بلا اجرت و معاوضہ معاشرہ میں پھیلا کر عوام میں علمی بیداری پیدا کی اور ان کا کتابوں سے رشتہ استوار سے استوار تر کر دیا۔ مسلمان حکمرانوں نے کاغذ سازی کی صنعت پر کہیں اور کبھی کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کیا اس سے صنعت کاغذ سازی کو اسلامی قلمرو میں ہر جگہ فروغ حاصل ہوتا رہا کاغذ کی فراوانی رہی ذخائرِ علوم کی سرعت سے تدوین ہوتی گئی آسانی سے اور ہر موضوع پر فراوانی کے ساتھ بازار میں کتابیں آتی رہیں اور ان کی طلب و رسد پوری ہوتی رہی تھی۔

(۴) کاغذ سازی کا ضابطۂ اخلاق

عہد عباسی میں کاغذ سازی کا بھی ضابطہ اخلاق تھا جس کی کاغذ ساز پابندی کرتے تھے، چنانچہ ابن امیر الحاج کا بیان ہے:

"(۱) کاغذ ساز کے جو کام سپرد کیا جائے وہ اسے دیانتدارانہ طور پر انجام دینا چاہئے مثلاً کاغذ کا دستہ تین درھم میں فروخت کرتا ہو تو وہ خریدار کو چار درھم میں نہ بیچے، (۲) ہر نوع کے کاغذ کی جداگانہ قیمت ہوتی ہے، ہر نوع کے کاغذ کے دام میں فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ سفید، کم سفید، صیقل کیا ہوا اور کم صیقل کیا ہوا، منجھا ہوا اور کم منجھا ہوا، ایک دام کا نہیں ہوتا پھر کاغذ کی ساخت کے اعتبار سے بھی قیمت میں تفاوت ہوتا رہتا ہے گرم و سرد موسم کے اعتبار سے بھی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ (۳) اس لئے کاغذ فروش پر لازم ہے کہ ہر کاغذ کی صفت خریدار کو بتائے تاکہ اس کو کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے ایسا نہ کرنا خریدار کو دھوکہ دینا ہے جس کے متعلق حدیث میں وارد ہے " من غشا فلیس منا "" جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

خریدار کو کارخانہ میں جا کر کاغذ دیکھنے کا حق ہے لیکن کارخانہ میں کاریگر عموماً چھوٹا اور نازک سا کپڑا باندھے رہتے ہیں اس لئے ایسے وقت جانا چاہئے جب وہ کپڑے پہنے ہوئے ہوں یا کارخانہ میں کام ختم ہو چکا ہو۔

(۴) کاغذ فروش پر لازم ہے کہ خریدار کو جس کام کے لئے کاغذ درکار ہے اسی مقصد کا کاغذ اس کو دینا چاہیے مثلاً نقل کیلئے نقل کے مطلب کا کاغذ دینا چاہیے اور حقیقتِ حال بھی بتا دینی چاہیے۔ (۵) کاغذ سازوں پر ایسے کاغذوں جن پر شرعی امور تحریر ہوں احترام لازم ہے۔ انہیں پیروں تلے نہیں روندنا چاہیے اور جن پر شرعی امور تحریر نہ ہوں انہیں از سرِ نو درست کرنے کی اجازت ہے" (۷۶)۔

(ب) سامانِ کتابت، (قلم، دوات اور سیاہی)

قلم کے معنی سخت چیز کو کاٹنے کے ہیں۔ قلم سخت قسم کے نرکل کو تراش کر بنایا جاتا تھا۔ اس لئے اس کو قلم کہتے اور بغیر تراشے ہوئے نرکل کو انبوبہ بولتے ہیں (۷۷)۔ عہد عباسی میں قلم نرم، سبک، تیز لکھنے والا پائیدار پسند کیا جاتا تھا۔ سخت، ڈھیلا، دھیرے چلنے والا اور زیادہ گھسنے والا پسند نہیں کیا جاتا تھا (۷۸)۔ قلمدان کو مقلمہ کہتے تھے (۷۹)۔ بہترین قلم، جس قلم کے پوست کا رنگ صاف و سرخ ہوتا وزن دار، لمبا سیدھا اور اندر کا حصہ سفید ہوتا وہ قلموں میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا (۸۰)۔

عہد عباسی میں قلم کی بڑی حفاظت کی جاتی تھی اسے پیتل کے خول میں رکھا جاتا تھا (۸۱) دھاتوں کے قلم کا استعمال گرانی کے باعث وزراء، امراء تک محدود تھا پھر گوند والی روشنائی روانی سے نہیں چلتی تھی۔ اس بناء پر خوشنویسوں نے اسکے استعمال سے گریز کیا تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اس کو بڑی ترقی دی نامور ادیب و شاعر زعیم الدولہ ابو العلاء صاعد بن الحسن نزیل دمشق المتوفی ۴۷۸ھ / ۱۰۷۲ء نے ایسا قلم بنایا تھا جس میں ایک ماہ کی سیاہی سماتی تھی۔ اس کا نام القلم المداد رکھا تھا یہ لوہے کا قلم تھا اور ایک ماہ تک خشک نہیں ہوتا تھا (۸۲)۔

عہدِ عباسی میں سیاہی کیلئے تین لفظ نقس، مداد، حبر استعمال کئے جاتے تھے (۸۳) نقس مطلق سیال مادہ جس سے لکھا جائے، مداد سیاہی کے ذریعہ حروف کو پھیلایا اور کھینچا جاتا ہے اسلئے اسکو مداد کہتے تھے پھر اس کا استعمال دوات کی سیاہی کے لئے مخصوص ہو گیا تھا (۸۴)۔ یہ کاجل وغیرہ سے تیار کی جاتی تھی (۸۵) چنانچہ نرم سیاہ تر رواں سیاہی کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا (۸۶)۔

حبر کے اصل معنی خالص رنگ کے ہیں اسلئے رنگ دار (سرخ وغیرہ) سیاہی کو حبر کہا جاتا تھا۔ وزیر حسن بن سہل کا قول ہے کہ جب کوئی فصیح و بلیغ آدمی اپنے الفاظ کو اچھی صورت میں پیش کرتا اور اپنے بیان کو حسنِ کلام سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تو حکمت سے معمور معانی کا اسکے سامنے ہجوم ہو جاتا ہے جو کپڑے کی آرائش اور ان پر بیل بوٹے سے زیادہ پر رونق ہوتا ہے۔ (۸۷) عالم بھی کلام کو آراستہ کر کے پیش کرتا ہے اس لئے اس کو بھی حبر کہتے ہیں۔

حبر بحر کا مقلوب ہے۔ بحر اور سمندر منبعِ آب ہیں عالم بھی علم کا منبع ہوتا ہے علم پانی کی طرح ہے پانی مادی حیات کا، علم ابدی و روحانی حیات کا سبب ہے اسلئے جو علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ رہتا ہے وہ کبھی مرتا نہیں ہے (۸۸)۔ اس لئے کہا جاتا تھا۔ " انما المجالس

لاصحاب الخلقان والمحابر " مجلسیں پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں (صوفیہ) اور دواتوں سے لکھنے والوں (علماء) کی ہوتی ہیں۔ "(۸۹)

حبر اور مداد کے فرق کو ابن الندیم نے بھی ملحوظ رکھا ہے حبر اور مداد سے لکھنے والوں میں امتیاز کیا ہے (۹۰)۔ عہد عباسی میں کتابوں میں ایسی پختہ سیاہی استعمال کی جاتی تھی کہ کپڑوں پر اس کے دھبوں کو ترشی سے دور کیا جاتا تھا (۹۱)۔ ان باتوں کا لحاظ انتخابِ کتب میں بھی رکھا جاتا تھا قلم اور سیاہی کو دیکھا جاتا تھا یہ کتابوں کی قیمت پر اثر انداز ہوتی تھیں اس لئے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ عربی میں دوات کو **محبرہ** (۹۲) اور دوات رکھنے کے برتن کو **دستیج** کہا جاتا تھا (۹۳) علوم و کتب میں اضافہ کی خاطر بعض علماء جب گھر سے نکلتے تو دوات و قلمدان اور کاپی اپنی پنڈلی میں جوتے کے ساتھ باندھ کر نکلتے تھے (۹۴)۔

عہدِ عباسی میں اشاعتِ کتب کا اندازہ بھی محبرہ کے شمار سے کیا جاتا تھا۔ مجلس املاء میں طلباء اور نسخوں کی تعداد معلوم کرنے کا واحد ذریعہ محبرہ کی گنتی تھی انہیں گن کر صحیح تعدّاد معلوم کی جاتی تھی۔ (۹۵) اساتذہ اپنے تلامذہ کو ہمہ وقت محبرہ (دوات) ساتھ رکھنے اور علمی باتیں لکھنے کی تاکید کرتے تھے اور کہا جاتا تھا۔ جس نے یاد کیا وہ اس کے دماغ سے نکل گیا اور جس نے لکھ لیا اس نے علم کو اپنے پاس ٹھہرا لیا (۹۶)۔

عہدِ عباسی میں سیاہی سازی ایک فن کی حیثیت سے ممتاز تھی سیاہی ساز سیاہی فروش کو **حبری** (۹۷) اور حبار کہا جاتا تھا۔ (۹۸) عہد عباسی میں بعض اہلِ علم اپنی زمین جائداد فروخت کر کے اس کی قیمت سے طلبہ کی سیاہی اور دوات وغیرہ کی ضروریات پوری کرتے تھے (۹۹)۔

(ا) کتابت و خوش نویسی

زبان و بیان اور کتاب و تحریر اللہ تعالیٰ کا بنی نوع انسان پر خاص فیضان ہے اس لئے قرآن نے اس کا ذکر بطور احسان کیا ہے۔ فرمایا گیا ہے " **خلق الانسان وعلمه البيان** (الرحمن - ۲) **اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم** " (العلق ۳-۵) " اس (رحمٰن) نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا انسان کو وہ علم دیا، جسے وہ نہ جانتا تھا۔ "

اس فضیلت و شرف میں جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہوا، لفظ و خط میں بھی ایک نوع کا شرف آ گیا ہے۔ خط کے ذریعہ نوع انسانی کا خاصہ قوت سے فعل کی طرف آیا (۱۰۰)۔ اور عقل، نطق اور خط کی وجہ سے انسان کو حیوانات پر فضیلت حاصل ہوئی۔ (۱۰۱) خط الفاظ پر اور الفاظ معنی پر

دلالت کرتے ہیں فرق یہ ہے کہ لفظ متحرک ہے (۱۰۲) وہ بنی نوع انسان میں ایک گونہ حرکت پیدا کرتا ہے خط ساکن ہے یہ ذوقِ جمال کی تسکین کا موجب ہے۔

قرآن کی پہلی وحی "اقرأ" پڑھ اور سورہ القلم "ن والقلم ومایسطرون۔" رسالتمآب ﷺ کے ارشاد "اکتب" (۱۰۳) لکھو' اکتبوا ذ..لک ولاحرج " (۱۰۴) تم (میری باتیں) لکھو کوئی حرج نہیں' قیدوالعلم بالکتاب (۱۰۵) علم کو قیدِ تحریر میں لاؤ' نے عربوں کی فکر و نظر کو بدلا اور نبی ﷺ کی پسندیدگی اور تاکیدی امر نے انہیں قرأت و کتابت کا خوگر بنایا اس سے عربی رسمِ خط کی خوب نشرو اشاعت ہوئی۔ آپ ﷺ نے وحی الٰہی کو عربی رسم خط میں قلمبند کرایا صلح نامے' امان نامے' جاگیر نامے' معاہدے بادشاہوں' امیروں کے نام سیاسی' تاریخی' مذہبی' تبلیغی خطوط' حکام و عمال کے نام فرامین سب اسی رسمِ خط میں تحریر کرائے۔ معلم کیلئے بھی کاتب کا لفظ استعمال کیا (۱۰۶)

سب سے پہلے سرکاری حیثیت میں عربی رسم الخط کا پہلا مدرسہ مدینہ میں مسجد نبوی میں قائم کیا۔ (۱۰۷) اس میں نوشت و خواند کی تعلیم پر کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔ ہر ایک کو اس فن کی مفت تعلیم دی جاتی تھی۔

اس سے عربوں میں خصوصاً اور عالم میں عموماً عربی رسم خط کی نشرو اشاعت ہوئی' بدر کے جنگی قیدیوں کا فدیہ دس (۱۰) مدنی بچوں کو کتابت سکھانا مقرر کر کے سرکاری حیثیت سے اس کی ترویج و اشاعت کی اور سنہ ۲ھ کے بعد مدینہ میں کتابت کے فن کی ایسی اشاعت ہوئی کہ پھر صحابہ کی غالب اکثریت نوشت و خواند سے بہرہ ور ہوئی ان میں کاتبانِ قرآن' مراسلہ نگار کاتب پیدا ہوئے۔ خط و کتابت کی ترقی معاشرتی زندگی میں اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ جو تیر اندازی' شناوری کے ساتھ خطاطی کو جانتا اس کو مردِ کامل کہا جاتا تھا اس کے بغیر مرد ناقص سمجھا جاتا تھا (۱۰۸)۔

عہدِ رسالت میں سب سے زیادہ قرآن و حدیث کو لکھا جاتا تھا کثرتِ کتاب کی وجہ سے کوفی رسم خط سے پہلے مدینہ و مکہ میں عربی رسم خط کو فروغ حاصل ہوا۔ مدنی و مکی خط میں امتیاز شان کی وجہ سے مدینہ کا رسمِ خط مدنی اور مکہ کا مکی رسم خط کہلایا پھر اس میں تنوع پیدا ہوا اور مدنی خط کی تین قسمیں ہو گئیں۔

(۱) مدور (۲) مثلث (۳) التئم موخر الذکر سابقہ دو قسموں کا آمیزہ تھا عام تحریریں اسی رسم خط میں لکھی جاتی تھیں (۱۰۹)۔ پھر اسکے دائرۂ اثر میں وسعت ہوئی اور بصری کوفی کی نسبت سے بھی مشہور ہوا۔

قرآن مجید کا رسم الخط ان تینوں خطوں سے جدا تھا اسے الجزم کہتے تھے۔ جزم کے معنی کاٹنا

ہیں یہ خط حمیری (مسندی) سے ماخوذ ہے (کاٹ کر بنایا گیا) نقطہ و اعراب سے خالی تھا اسلئے اس کا نام جزم رکھا گیا تھا۔ (۱۱۰) اسی خط میں مصاحفِ عثمانی لکھے گئے تھے اور عہد عثمانی میں ان کی نقلیں مختلف مرکزی شہروں کو بھیجی گئی تھیں اس سے عربی رسم الخط کو سرکاری حیثیت میں مزید فروغ حاصل ہوا صحابہ و تابعین نے اسی طرز تحریر میں اس کو نقل کیا یہ رسمِ خط پورے اسلامی قلمرو میں پھلا پھولا۔

قرآن مجید قرأت' کتابت' تجلید ہر چیز میں دوسری کتابوں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے' اس کے اصول قرأت جدا' اصولِ کتابت جدا ہیں یہ مروجہ اصولِ کتابت کی پابندیوں سے بالاتر ہے اسکے اصولِ کتابت پر قراء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں انہی وجوہ سے ابن درستویہ المتوفی ۳۴۷ھ نے کتاب الکتاب میں تصریح کی ہے کہ:

مصحف کے رسم الخط کی مخالفت درست نہیں کیونکہ جو کچھ مصحف میں مسطور ہے اسکو امت نے قبول کیا ہے (۱۱۱) قرآنی رسم خط کوفہ میں کوفی علماء کا اور بصرہ میں بصری علماء کا مرکز توجہ بنا انہوں نے اس رسمِ خط کی روشنی میں اصول کتابت وضع کئے تھے (۱۱۲)۔

عہد خلافت راشدہ میں صحابہؓ اسلام کی نشر و اشاعت' فتوحات کی وسعت و جنگی مصروفیت کی وجہ سے خط کی آرائش و زیبائش اور ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے کیونکہ تلوار و قلم ایک ہی وقت میں ہاتھ میں نہیں پکڑے جا سکتے تھے۔

اموی دور میں سلطنت کی وسعت' امن و امان کی بحالی اور تمدنی ترقی کی وجہ سے ثقافتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا' نامور خطاط پیدا ہوئے' مصحف نگاروں میں خالد بن الھیاج (۱۱۳) کو شہرت حاصل ہے کاتبوں میں قطبہ نے جو اپنے وقت کا سب سے بڑا خطاط تسلیم کیا گیا ہے اس نے چار اسلوبِ خط ایجاد کئے تھے (۱۱۴) مالک بن دینار المتوفی ۱۳۰ھ نے مصحف نگاری بطورِ پیشہ اپنائی ہوئی تھی۔ (۱۱۵)

امویوں سے اقتدار عباسیوں کو ملا تو ثقافتی سرگرمیاں اور بھی تیز تر ہو گئیں۔ فنِ خطاطی کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ شاگردانِ حسن بصری میں ضحاک بن عجلان' قطبہ سے بازی لے گیا' خلیفہ منصور و مہدی کے دور میں اسحاق بن حماد المتوفی ۱۵۴ھ نے بہت سے تلامذہ یادگار چھوڑے جن میں یوسف لقوۃ الشاعر اور ابراہیم بن محسن کا نام سرفہرست آتا ہے (۱۱۶) یہ اور ان کے معاصر شقیر' ثناء کاتبہ' عبدالجبار وغیرہ استادانِ فن میں سے تھے کوئی ان کے رنگ میں نہیں لکھ سکتا تھا (۱۱۷)۔

مذکورۂ بالا حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں خوشنویسی کا فن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ اس میں لونڈیاں بھی نام پیدا کرنے لگی تھیں۔

(۲) اقسامِ خط

عہدِ ہارونی میں کاتبوں نے اس فن میں اتنا تنوع پیدا کیا کہ بارہ قسم کے کوفی طرز کے خط رائج ہو گئے (۱۱۸)۔ جن میں جلیل سب سے زیادہ مشکل تھا (۱۱۹) پھر بغداد میں ایک خط ایجاد ہوا جسے خط عراقی و خط وراقی کہا جاتا تھا۔ یہ خط برابر ترقی کرتا رہا تا آنکہ کاتب احول نے جو برامکہ کا منشی تھا اس خط کے قواعد و اقسام کو منضبط و قلمبند کیا (۱۲۰)۔

عہدِ مامونی میں علوم کی ترقی کے ساتھ صنعت کتابت کو بھی ترقی ہوئی' بارہ (۱۲) کوفی طرزِ خط ترقی کر کے بیس (۲۰) تک پہنچ گئے تھے (۱۲۱) ان کا شمار کوفی خط میں تھا یہ کوفی خط سرکاری۔ اور مذہبی رسمِ خط تھا (۱۲۲)۔ فضل بن سہل نے کئی طرزِ خط نکالے (۱۲۳) اس نے ایک خط ریاسی ایجاد کیا جو گذشتہ تمام رسوم خط سے فائق تھا اس سے چودہ (۱۴) رسم خط پیدا ہوئے (۱۲۴)

اس عہد میں خوشنویسی اتنی ترقی کر گئی تھی کہ خاندان کے خاندان اس شریف پیشے کو اختیار کرنے لگے تھے چنانچہ مقتدر باللہ کا استاد ابوالحسین اسحاق شاگرد ابن معدان اپنے دور کا سب سے اچھا خوشنویس تھا اس کا بھائی' بیٹا' پوتا سب اس کی روش پر لکھتے تھے (۱۲۵) لوگ اس فن کی طرف رغبت کرنے لگے مسلم معاشرہ میں خطاطوں کا مرتبہ مصوروں سے زیادہ بلند رہا اس لئے ادب و تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ محفوظ ہے۔ ابوالحسن نے خط و کتابت کے موضوع پر ایک رسالہ بھی الوامق کے نام سے لکھا تھا (۱۲۶)۔

اس زمانے میں ابوعلی محمد بن علی ابن مقلہ بغدادی وزیر خلیفہ مقتدر' قاہر' راضی باللہ (۱۲۷)' مہندس (۱۲۸) شاگرد ابراہیم **سجزی** و احول امام فن خطاط و شاعر تھا۔ کوفی خط کا طرزِ نگارش مہندسانہ ہے اس کی اساس زاویہ دار طرزِ نگارش پر ہے۔

ابن مقلہ کو ان دونوں فنون سے طبعی مناسبت تھی اس نے اس خط کو جس کا ابتداء میں غیر سرکاری تحریروں میں استعمال سے آغاز ہوا تھا اسے بعد میں خطِ نسخ کا نام دیا گیا۔ اس سے انقلاب آیا اور کوفی رسم خط کی جگہ اس کو قرآن مجید کا رسم خط بنایا گیا (۱۲۹) اب یہی عالم میں قرآن کا رسم خط ہے' پیچیدہ کوفی رسم خط جس کا لکھنا پریشانی کا موجب تھا منسوخ قرار دیا' ابنِ مقلہ نے اس خط کے بارہ قواعد مرتب کئے تھے (۱۳۰)۔ اس کا طرزِ نگارش ضرب المثل ہے کسی شاعر نے کہا ہے:

فصاحہ حسان و خط ابن مقلہ
و حکمہ لقمان و عفہ مریم

"حسان کی فصاحت اور ابن مقلہ کا خط' لقمان کی حکمت اور حضرت مریم کی عفت"

اذا اجتمعت فی المرء و المرء مفلس
و نودی علیه لایباع بدرهم (۳۱)

”جب یہ باتیں کسی آدمی میں جمع ہو جائیں اور آدمی بھی وہ مفلس ہو اور اسکے نمونۂ خط کی بولی لگائی جائے تو افلاس کی وجہ سے اسکی قیمت ایک درھم بھی نہیں ہو گی۔“

اسلامی تمدن نے مشرق و مغرب میں دو معنوی دائمی آثار و نقوش نفوسِ انسانی پر چھوڑے ان میں عربی زبان اور ابن مقلہ کا یہ رسم خط بھی ہے۔ (۱۳۲)

فنِ خوشنویسی نے فنونِ جمیلہ کی وہ تربیت کی کہ پوری مسلمان قوم میں تقریباً ہر پڑھا لکھا، عالم و عامی اشکال موزوں کا ذوق رکھنے لگا تھا(۱۳۳)۔ ابن مقلہ نے کوفی خط کو عراقی طریقہ کی طرف منتقل کیا پھر ابن البواب المتوفی ۴۲۳ھ نے اس میں ندرت پیدا کی یاقوت مستعصمی المتوفی ۶۹۸ھ۔ ۱۲۹۹ء نے خط کو پایہ کمال تک پہنچایا اور اس کے قوانین کی تکمیل کی (۱۳۴)۔

یہ عربی رسمِ خط زینت و آرائش کا موجب رہا اور اس نے یورپ کے کاریگروں کو بھی متاثر کیا چنانچہ تھامس ارنولڈ (Thomas Arnold) لکھتا ہے:

”اسلامی فن میں عربی کا واحد حصہ اس کا رسم الخط ہے جو مسلمانوں کے اثر و اقتدار کا ایک عالمگیر نشان ہے چونکہ اس رسم الخط میں قرآن لکھا جاتا تھا، اسلئے یہ ساری دنیائے اسلام میں مقدس و محترم سمجھا جاتا تھا۔ اس فن میں خوشنویسوں نے ایسا کمال پیدا کیا کہ نہ صرف ایک خوشخط کتاب نہایت بیش بہا چیز سمجھی جاتی تھی بلکہ کسی باکمال خطاط کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پرزہ بھی شائقین فن کے نزدیک ایک قابلِ فخر ملکیت تھا۔ اگرچہ یورپی کاریگر اس رسم الخط کو پڑھنے سے قاصر تھے لیکن آہستہ آہستہ وہ اسکی شکل و شباہت سے آشنا ہو گئے اس ”علم اور جہالت“ کا ایک پرانا ثبوت اس طلائی سکے سے ملتا ہے جو اون (شاہ مرسیہ) (۷۵۷ـ۹۶ ع) نے مضروب کیا جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے (شکل ۱۴) اسکی شکل مسلمانوں کے دینار سے ملتی جلتی ہے۔

اس زمانے کے بعد سے مسیحی یورپ کے کاریگروں کی مصنوعات میں عربی حروف اور مسلمانوں کی تزئینی آرائشوں کا رواج روز افزوں ہو گیا.......... بہت سے سیاح مسلمان ملکوں میں جانے لگے ان کے سفر کی وجہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے علاوہ اس علم کی تشنگی تھی جس کے واحد وارث مسلمان تھے تجارت اور دوسرے مفادات کی کشش بھی تھی، یہ سیاح جب سفر سے واپس آتے تو عرب کی شوکت و عظمت کے افسانے سناتے اور ان کے ثبوت میں مسلمانوں کی صفائی اور کاریگری کے وہ نمونے پیش کرتے جو وہ مسلمان ملکوں سے لیکر آتے تھے۔ (۱۳۵)

(۳) تحریر و کتب شناسی

عہدِ عباسی میں خطوط شناسی ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ اس فن میں اہلِ علم درک حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ محمد بن عبدالرحمٰن معمر قرطبی المتوفی ۴۲۳ھ جس کو اس فن میں کمال حاصل تھا خلیفہ محمد بن ابی عامر منصور کے شاہی کتب خانے میں اور اسکے فرزند کے خزائن الکتب میں کتابوں کی تصحیح و مقابلہ پر مامور تھے چنانچہ ابن الابار کا بیان ہے:

"کان من اعلم الناس بالکتب وعللها وابهجهم بجمعها و احرزهم لخطوطها وانسبهم لها الی ورقها" (۱۳۶)، "موصوف کتابوں اور ان کے اسباب و علل کے سب سے بڑے عالم تھے، کتابوں کو جمع کرنے اور ان کی ورّاقوں کی طرف نسبت کرنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔"

کان من اعلم الناس، الخ کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں مشرق (ایشیاء، افریقہ) اور مغرب (ہسپانیہ) میں کتب شناس و خطوط شناس کثرت سے موجود تھے اس فن میں درک و مہارت حاصل کرنے کے لئے نامور خوشنویسوں اور ورّاقوں کے خط کے نمونے جمع کر کے اس فن میں بصیرت حاصل کرتے تھے، شاہی کتب خانوں میں ایسے ماہر خطوط و کتب شناس تصحیح و مقابلہ کتب کی خدمات پر مامور کئے جاتے تھے۔

عربی رسم الخط کی فطری سادگی، روانی، دلکشی اور دوسرے رسم الخطوں پر اسکی فوقیت کا اعتراف اس دور کے شہرہ آفاق مورخ ٹائن بی کو بھی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"یہ ایک ناقابلِ تردید امر ہے کہ ترک لاطینی حروف کو اپنے پرانے رسم الخط کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ بھدا اور ناموزوں پاتے ہیں بلکہ مشکل اور بے ڈھنگا بھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عربی رسم الخط اپنے حسین دائروں کے ساتھ ہمارے لاطینی رسم خط سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے یہ مختصر بھی ہے اور رواں، مسلسل اور خوش اسلوب بھی، ایک قوم جو عربی رسم الخط استعمال کر رہی ہو اسے شارٹ ہینڈ کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی" (۱۳۷)۔

(۴) خوش نویسی کا پیشہ ورانہ مدرسہ

عہدِ عباسی میں خوشنویسی کا فن مدارس میں سکھایا جاتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ مدارس میں اس کا مستقل شعبہ ہوتا تھا۔ اسکی وجہ سے فن خطاطی کی اشاعت ہوئی۔ یہ فن تحصیل علم کے بعد طلبہ و اہلِ علم کو مادی زندگی میں معاشی احتیاج سے مستغنی کرتا تھا چنانچہ ابن بابا نظامی جو نہایت عمدہ شاعر و خطاط تھا اس نے جب نظام الملک طوسی کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تو اس نے ان کی بہت

قدر کی، جامعہ نظامیہ نیشاپور میں ٹھہرایا یہاں انہوں نے خوش نویسی سکھائی (۱۳۸)۔

کتابت اور خوش نویسی کی تعلیم و فروغ کے لئے جداگانہ مدرسہ بھی قائم کیا جاتا تھا تاکہ کتابوں کی نقل کے لئے کاتبوں اور خوش نویسوں کی کمی معاشرہ میں محسوس نہ کی جاسکے اس قسم کا ایک مدرسہ ابوالرضی محمد بن احمد بن داؤد المعروف بالمفید المتوفی ۵۸۲ھ - ۱۱۸۶ء نے بغداد میں کھولا تھا جس میں موصوف خوشنویسی اور ریاضی کی تعلیم دیتے تھے (۱۳۹)۔ اس کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ اس قسم کا مدرسہ خوشنویسی کی تربیت گاہ (TrainingCentre) کا کام دیتا تھا۔

(۵) نقل وضبط کا اہتمام

عہدِ عباسی میں علماء جو کتابیں تالیف کرتے، انہیں پڑھاتے، علماء طلبہ کو اس امر کی تصدیق کے لئے سند دیتے تھے کہ یہ کتابیں انہوں نے حسبِ استعداد و حسبِ موقعہ و محل کاملاً یا جزاً استاد یا مصنف سے سمجھ کر پڑھی ہیں۔ استاد نے کتاب کو پڑھانے اور سننے کے بعد اہلیت کی بنیاد پر انہیں کتاب روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ دراصل استاد یا مصنف کی موجودگی میں کتاب کو سننا، سنانا اس کتاب کی صحت کا ضامن ہوتا اس نسخہ کو اغلاط و الحاق سے پاک سمجھا جاتا اس نسخہ کتاب سے پڑھنا، پڑھانا، نقل کرنا، اقتباس پیش کرنا مستند سمجھا جاتا تھا اس کو اصطلاحِ محدثین میں صحت و ضبط کتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے محدثین کا یہ وہ زریں اصول ہے جس کی تقلید ائمہ لغت وغیرہ نے بھی کی ہے (۱۴۰)۔

وہ عالم جو مصنفین اور اساتذہ فن سے کتابیں روایت نہیں کرتا اور کتب خانے میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا ان سے اقتباس پیش کرتا وہ "صحفی" کہا جاتا تھا اسکی کتاب اور اقتباس کو کبھی سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ احمد بن محمد بشتی المتوفی ۳۴۸ھ = ۹۵۹ء نے جو زبردست لغوی اور کتاب **الخصائل** کا مصنف تھا، مقدمہ کتاب میں اس مسلمہ اصول کی مخالفت کی اور کہا:

"میں نے اس کتاب میں جو اقتباس پیش کئے ہیں وہ مذکورۂ بالا کتابوں سے ماخوذ ہیں ممکن ہے بعض لوگ برا بھلا کہیں اور اس امر میں تنقید کریں کہ میں نے جن علماء کی طرف ان اقوال کی نسبت کی ہے ان سے مجھے روایت و سماع حاصل نہیں ان کتابوں سے اقوال نقل کرنا اس عالم کیلئے باعثِ عیب نہیں جو صحیح و غلط کو پہچانتا ہو" (۱۴۱)۔

ازہری نے موصوف کے اس موقف پر سخت تنقید کی اور کہا بلاشبہ بشتی کو اس امر کا اعتراف ہے کہ جن کتابوں سے اس نے اپنی کتاب میں اقتباس پیش کئے ہیں ان کا سماع اسے حاصل

نہیں ان اقتباسات کیلئے مذکورۂ بالا عذر پیش کرنا ہی اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ صحفی ہے صحفی کا ذخیرہ وہ کتابیں ہوتی ہیں جن کا وہ مطالعہ کرتا ہے ان میں **تصحیف** کرتا' غلط پڑھتا اور زیادہ پڑھتا ہے تاکہ ان کتابوں کے مواد سے لوگوں کو متعارف کرائے جنہیں اس نے اساتذہ فن سے نہیں سنا اسے علم نہیں کہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہ صحیح ہے یا غلط اور ہم نے جو زیادہ پڑھا ہے وہ زبر و زیر اور صحیح نقطوں کے ساتھ ضبط تحریر میں آیا ہے یا نہیں اسکی تصحیح ارباب نظر نے کی ہے یا نہیں یہ ایسی غلطی ہے جس پر جاہل ہی اعتماد کر سکتا ہے (۱۴۲)۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ جن کتابوں سے سند حاصل نہیں ان سے اقتباس پیش کرنا درست نہیں' ان سے تائید و استشہاد کے طور پر اقتباس پیش کرنے کا حق ہر عالم کو حاصل ہے اس لئے کہ اس کے پاس اسکی اصل اپنے سلسلہ سند سے موجود ہوتی ہے' ازھری فرماتے ہیں:

”ابو تراب نے ابو سعید ضریر (نابینا) سے برسوں استفادہ کیا' بہت سی کتابوں کا سماع کیا پھر ہرات آکر شمر سے بعض کتابوں کا سماع کیا۔ یہ اسکے علاوہ تھا جو موصوف نے فصیح و بلیغ بدویوں سے سنا اور یاد کیا تھا۔ اب وہ کسی ایسے آدمی کا ذکر کریں جسے انہوں نے دیکھا اور سنا نہیں تو ذرا نرمی سے کام لیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو کچھ انہوں نے کتابوں میں دیکھا اسے یاد کیا اس اعتبار سے کہ انہیں ان کا مصنف سے سماع ثابت ہے تو ایسی صورت میں جس کو انہوں نے دیکھا اس کا قول نقل کرنا تائید کے طور پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کو اسکے علاوہ دوسرے سے سنا ہے اور یہ محدثین کا سا عمل ہے کہ وہ جب کسی باب میں ایسی حدیث پائے جسے کسی معتبر راوی نے کسی ثقہ سے روایت کیا ہوتا ہے تو اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہیں پھر اس کا شمار ان روایات میں کرتے ہیں جنہیں انہوں نے اجازۃ ”روایت کیا ہے“ (۱۴۳)۔

مصنفین مقدمۂ کتاب میں اس لئے اس امر کی صراحت کرتے تھے کہ جن کتابوں کے اقتباس ہم نے پیش کئے ہیں ان کا سماع بواسطہ اساتذۂ فن ہمیں مصنفین سے حاصل ہے۔ (۱۴۴) اس بناء پر ہم نے جو اور کتابوں میں پڑھا ہے یا ان کتابوں میں جنہیں وراقوں نے نقل کیا ہے دیکھا ہے کتاب میں درج نہیں کیا۔ ورنہ کتاب بڑی طویل ہو جاتی اور اسے سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا (۱۴۵)۔

(۶) کتابوں میں اعراب کا اہتمام

اعراب، عربی زبان میں زیر و زبر کے فرق سے الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں یہ بات عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کے زیر اثر اردو میں بھی ہے چنانچہ بکری اور بُکری، کَکڑی اور کُکڑی میں زیر و زبر اور زیر و پیش کے فرق سے معنٰی بدل گئے۔ رسالتمآب ﷺ کے اقوال سے شرعی احکام مستنبط کئے جاتے ہیں اس میں زیر و زبر کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری سمجھا گیا اور کتابوں میں اعراب کا اہتمام کیا جانے لگا تاکہ غیر متبحر کو پریشانی نہ ہو (۱۴۶)۔

ان وجوہ سے محدثین نے مشکل حروف و قابلِ اشتباہ کلمات کی صحت و ضبط پر زیادہ زور دیا اور ہدایت کی کہ مشکل حرف کو کتاب کے حاشیہ پر حرف کے سامنے لکھے یہ حرف نقطے والا ہو یا بے نقطے والا تاکہ قاری کو رہنمائی ہو سکے اور اشکال جاتا رہے خاص طور پر جب کتاب باریک اور سطروں میں بھی گنجائش کم ہو تو اسے پورا لکھنے سے اشکال جاتا رہے گا چنانچہ حا کے نیچے چھوٹی حہ بناتے، عین کے نیچے چھوٹا ء اور صاد، طا، دال اور راء کے نیچے چھوٹی سی صاد وغیرہ بناتے تھے یہی بعض اہلِ مشرق و مغرب کا دستور تھا۔ بعض علماء حروف مہملہ پر نبرہ (ہمزہ کا سا) نشان بناتے تھے۔

بعض علماء حروفِ مہملہ میں نقطوں کو بدلتے تھے اور انہیں اہمال کی غرض سے نیچے لگاتے تھے۔ اہلِ مشرق کا دستور یہ ہے کہ وہ حروفِ مہملہ پر نصب نبرہ کے بقدر بہت ہی مختصر خط میں حروف کے اوپر لگاتے تھے (۱۴۷)۔

بلکہ ابن درستویہ نے تصریح کی ہے کہ بعض کاتب غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے ہر مشتبہ حرف، جیسے راء، سین، صاد اور عین کے نیچے بھی نقطہ لگاتے تھے تاکہ زاء، شین، صاد، ضاد، اور غین جن کے اوپر نقطہ لگایا جاتا ہے، امتیاز رہے (۱۴۸)۔ مذکورہ بالا امور کی تصدیق کتاب حذف من نسب قریش عن مورج السدوسی سے جو مشہور نحوی و وراق ابراہیم بن عبداللہ بخیری کے مکتوبہ نسخہ سے کی جاسکتی ہے جس کی تفصیل صلاح الدین المنجد نے مذکورہ کتاب کے صفحہ ۵ پر پیش کی ہے (۱۴۹)۔

(۷) کتاب کا مقابلہ

کتاب کو نقل کرنے کے بعد شیخ کے اصل شنیدہ نسخہ سے مقابلہ کرنا لازم ہے یا پھر کسی ثقہ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے بغیر مقابلہ و صحتِ نسخہ سے روایت کرنا درست نہیں ہے عبارت میں اگر کہیں کوئی اشکال ہوتا ہے تو مقابلہ و صحت سے وہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

اصل نسخہ سے مقابلہ اس لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ انسان کا ذہن ہر وقت حاضر نہیں رہتا ہے۔ قلب غافل ہو جاتا ہے نظر پھر جاتی ہے، قلم بہک جاتا ہے، اس لئے بلا مقابلہ نسخہ قابل

اعتبار نہیں سمجھا جاتا(۱۵۰) اور کتب خانوں میں ایسے نسخوں کو زیادہ اہمیت نہیں ہوتی۔

(۸) تخریج اور الحاق نقص

اگر کتاب نقل کرتے وقت کوئی حرف یا جملہ چھوٹ جائے تو بین السطور لکھنا چاہئے۔ حاشیہ کتاب میں (لحق) اضافہ کو بین السطرین سامنے لکھا جائے عبارت کا آغاز اوپر کی طرف سے ہو تاکہ وہ اضافہ اسی سطر تک یا دو تین سطروں تک ختم ہو جائے اور اس کے آخر میں صح کا لفظ یا بعض علماء کی طرح بعد التصحیح، رجع یا انتہی اللحق لکھنا چاہئے۔ (۱۵۱)

ہر وہ بات جو کتاب کے حواشی اور کناروں پر "تنبیہہ" "تفسیر" اور اختلافِ ضبط کے عنوان سے لکھی جاتی ہے اس پر تخریج نہ کی جائے کیونکہ اس سے التباس پیدا ہوتا ہے یا اسے بھی اصل (متن) کتاب سے سمجھ لیا جاتا ہے تخریج صرف اس امر کی کرنا چاہئے جس کا اصل کتاب سے تعلق ہو بسا اوقات اس تخریج کے ساتھ حرف پر مثلاً ضبتہ یا تصحیح کا اضافہ کیا جاتا ہے جو اس اضافہ مرقومہ کا غماز ہوتا ہے(۱۵۲)۔

یہ وہ اصول ہیں جو خلیفہ مستنصر باللہ کے خزانۃ الکتب میں "بیت المقابلہ والنسخ" کے نگرانوں نے اس کے محل میں وضع کئے اور برتے تھے۔ (۱۵۳)

قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ ہمارے شیوخ ادب نے بتایا ہے کہ حرف صح (صاد اور حا کے ساتھ) اگر لکھا جاتا ہے تو یہ صحتِ حرف کی علامت ہے تاکہ کسی وہمی کو خلل و نقص کا گمان نہ ہو، یہ مختصر لفظ صحیح لکھنے کے برابر ہے اور اگر ص بغیر ہا کے لکھی جاتی ہے تو حرف کے سقیم ہونے کی علامت ہے اس لئے اس پر پورا حرف نہیں لکھا جاتا یہ اسکے نقص کا غماز ہے اس حرف کو "ضبتہ" کہتے ہیں یعنی یہ حرف مقفل ہے اسکے صحیح پڑھنے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی ہے (۱۵۴)۔

(۹) ضرب (قلم زد کرنا) حک (رگڑنا) شق (چیرنا) اور محو (مٹانا)

نقل کتاب میں حرف، لفظ یا جملہ قلم سے زیادہ نکل گیا جو اصل کتاب میں نہیں ہے اس کو قلم زد کرنے، مٹانے کے طریقے حسب ذیل تھے۔

جن کلمات کو خط کھینچ کر قلم زد کیا جاتا تھا اس کو ضرب و شق کہتے ہیں۔ علماء کلمات کو دو طریقوں سے قلم زد کرتے تھے، بعض علماء کا دستور یہ تھا کہ جن کلمات کو مٹانا ہوتا تھا اسکے اوپر آغاز حرف سے اختتام تک خط کھینچ دیتے تھے بعض علماء اس طرز عمل کو کتاب کا سیاہ کرنا سمجھتے تھے، وہ آغاز و اختتام عبارت پر نصف دائرہ بناتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بین القوسین عبارت قلم زدہ ہے۔

بسا اوقات تحویق (مٹانے) کیلئے بطور علامت شروع میں حرف "لا" اور آخر میں لفظ "الی" لکھتے تھے یہ اس وقت کیا جاتا جب کچھ حصہ غلط ہوتا یا کوئی حدیث کا ٹکڑا یا کلام کا حصہ رہ جاتا تھا لیکن سارا کلام غلط نقل ہو جانے کی صورت میں تحویق تام یعنی پورا قلم زد کرنا بہتر سمجھا جاتا تھا اچھے کاتب و شیوخ ضرب و تحویق کو پسند کرتے تھے وہ ایسی صورت میں دائرۂ صغیرہ اول میں بڑھاتے اور اس کو وہ صفر سے تعبیر کرتے تھے اسکے معنی ان کے نزدیک صفر کا عدد سے خالی ہوتا تھا اور یہ اس امر کی علامت تھا کہ دو صفر کے مابین عبارت صحت سے خالی ہے (۱۵۵)۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نقل عبارت میں کمی و زیادتی واقع ہو جانے کی صورت میں کن اصول کو برتا جاتا تھا۔ یہ عہدِ عباسی کے وہ اساسی اصول ہیں جن میں سے کچھ آج بھی (Typing) میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداری و انتخاب کتب میں ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں صنعتِ تصحیح و مقابلہ ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ کتب خانوں میں اس کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ اربابِ فن کی خدمات حاصل کرنے کے لئے جو کوائف آج پبلک لائبریری میں جمع کئے جاتے ہیں ان کی ابتداء مسلمانوں نے کی تھی۔ انہوں نے اپنے کتب خانوں میں اس کا ایک مستقل شعبہ لائبریری میں قائم کیا اور جس طرح وہ فنی معلومات بہم پہنچاتے تھے تصحیح کا کام بھی کرتے تھے۔ چھاپے خانوں کی ایجاد کے بعد تصحیح و مقابلہ کیلئے عملہ متعین کیا گیا جن کو آج پروف ریڈر کہا جاتا ہے۔

عہد عباسی میں کتابوں کی صحت حسبِ ذیل ذرائع سے کی جاتی تھی:

(۱) اساتذہ کراتے تھے۔
(۲) نامور علماء سے تصحیح کا کام لیا جاتا تھا۔
(۳) کتب خانوں میں مقابلہ و تصحیح کیلئے مستقل عملہ رکھا جاتا تھا جس میں نامور اہلِ علم کتابوں کی تصحیح کرتے تھے۔

(۱۰) صحت کے اصول و قواعد اور احتیاطی پہلو

مشہور قاری لغوی ابو محمد قاسم ذیمری بچپن ہی سے کتابوں کی خواندگی و تصحیح میں لگ گئے اور چالیس برس کتابوں کی صحت کراتے رہے تھے۔ (۱۵۶) بعض نابینا علماء بعض کتابوں کی صحت میں استناد کا درجہ رکھتے تھے ان سے کتابوں کی تصحیح کی جاتی تھی چنانچہ مشہور لغوی ابو القاسم شاطبی المتوفی

۵۹۰ھ سے بخاری، مسلم، موطا پڑھی جاتی تو ان کی یادداشت سے نسخوں کی صحت کی جاتی تھی مشکل مقامات پر حل طلب امور، نکتے بھی لکھے جاتے تھے (۱۵۷)۔

عالم و شاعر بقدر استطاعت متعدد نسخوں سے تحقیق مقابلہ و تصحیح کرتا اور بسا اوقات اسے بہت سے نسخے میسر آجاتے تھے جیسا کہ اخبار ابی تمام میں صولی کے بیان سے عیاں ہے (۱۵۸)

امام حسن صغانی لاہوری نے صحیح البخاری کا صحیح نسخہ مرتب کرنے کیلئے اور نسخوں کے علاوہ امام بخاری کے شاگرد فربری کا نسخہ بھی پیش نظر رکھا تھا (۱۵۹) بادشاہوں، وزیروں (امیروں کے کتب خانوں میں ایک شعبہ تصحیح کا ہوتا تھا اور یہ کام ائمہ فن سے لیا جاتا تھا، ابو العلاء حسین بن محمد بن مہرویہ نے کتاب اجناس الجواہر میں لکھا ہے:

”میں ابو علی فارسی نحوی کے پاس بغداد میں جاتا تھا بادشاہ نے ہفتہ میں دو دن انہیں کافی الکفاۃ کے کتب خانہ میں کتاب التذکرہ کی تصحیح کیلئے مامور کیا ہوا تھا“ (۱۶۰)۔

حکم ثانی کے کتب خانہ میں تصحیح کرنے والے مقابلہ و تصحیح قصرِ شاہی کے کتب خانہ قرطبہ میں کرتے تھے (۱۶۱)۔

مصنف اپنی کتاب محنت سے تیار کرتا، عرصہ دراز تک اسکی خامیاں دور کرتا اس میں اضافہ و تصحیح کرتا تھا (۱۶۲) چنانچہ ابو بکر محمد بن عزیز بجستانی نے کتاب نزہۃ القلوب فی تفسیر غریب القرآن پندرہ (۱۵) برس میں لکھی تھی (۱۶۳)

اور ابو عبید قاسم بن سلام نے غریب الحدیث چالیس (۴۰) برس میں لکھی تھی (۱۶۴)۔

انہی وجوہ سے تذکرہ نگار صحیح ترین کتابیں رکھنے والوں کی نشاندہی کرتے تھے جس سے مقصد کتابوں کی قدر و قیمت بتانا اور انتخابِ کتب میں ان نسخوں کو ترجیح دینا تھا۔ چنانچہ ابوالحسن علی بن المغیرہ الاثرم المتوفی ۲۳۲ھ کے متعلق تصریح کی ہے کہ ان کے پاس تصحیح شدہ کتابیں تھیں (۱۶۵)۔ ابوالحسن علی حلبی المتوفی بعد ۶۰۰ھ نحو و لغت کا عالم، اچھا ناقل، تصحیح کتب کا دلدادہ تھا (۱۶۶) اس نے اپنی کتاب میں وہی لکھا جسے اسکے دل و دماغ نے محفوظ رکھا تھا (۱۶۷)۔

شیخ سے کتاب کی تصحیح و مقابلہ جہاں تک ہو جاتا تھا وھاں ”بلغ“ یا بلغ العرض وغیرہ کے ہم معنی الفاظ لکھے جاتے تھے (۱۶۷)۔

(۱۱) تصحیح میں احتیاط اور اصطلاحات

محدثین دو حدیثوں میں فصل کی خاطر دائرہ بناتے تھے مسلسل نہیں لکھتے تھے جو الفاظ حدیث کی کتابوں میں بکثرت استعمال کئے جاتے تھے ان کی درج ذیل مختصر علامتیں مقرر کی گئی تھیں

اور یہ طریقہ ان میں شائع و ذائع تھا۔

حدثنا کی جگہ ثنا' نا
اخبرنا ۔ انا' ابنا
قال ۔ ق
قال حدثنا ۔ ثنا
المطلوب ۔ المط
محال ۔ مح
باطل ۔ بط

فحینئذ ۔ فح
الی اخرہ ۔ الخ
والمصنف ۔ المص
التحویل ۔ ح
البخاری ۔ خ
مسلم ۔ م
وحینئذ ۔ وح

اس طرح حوالوں میں کتبِ حدیث کے ناموں کیلئے مختصر علامتیں استعمال کی جاتی تھیں (۱۷۰)۔

کتابت و کتاب کی آرائش و زیبائش کی خاطر گل کاری کی جاتی' پھول پتی اور بیل بوٹوں میں مفرد و مرکب دونوں قسم کے رنگ بھرے جاتے تھے چنانچہ زرد' سرخ' گلابی' نیلا' زنگاری' عودی' سبز' گل گوں' نارنجی (۱۷۱) یہ رنگ عہدِ عباسی میں خوشنویس برابر استعمال کرتے رہے تھے۔ (۱۷۲)

عہدِ عباسی میں رنگوں کے ذریعہ کتابوں کو ممتاز کیا جاتا اور ترتیب سے رکھا جاتا تھا چنانچہ ابوبکر صولی المتوفی ۳۳۶ھ نے اپنے کتب خانے میں کتابوں کو رنگوں سے ممتاز کر کے رکھا تھا ۔(۱۷۳)

اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب میں تیسری صدی ہجری میں کتب خانوں کی بھی رنگوں سے زینت بڑھائی جاتی تھی' کمروں کی چھت' الماری' غالیچے' پردے اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کا خیال رکھا جاتا تھا چنانچہ قاضی ابن فطیس قرطبی (۳۴۸ ۔ ۴۰۲ھ ۔ ۹۵۹ ۔ ۱۰۱۱ء) نے اپنے کتب خانے کے کمروں کی چھتوں' دیواروں' دروازوں' غالیچوں' پردوں' الماریوں اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کو ملحوظ رکھا اور امتیاز قائم کیا تھا (۱۷۴)۔

مصاحف کی نقل اور علمی کتابوں کی کتابت و اشاعت کا اہم ذریعہ وراقت کا پیشہ تھا۔ علماء نے اس کو بہتر پیشہ قرار دیا اور وراق پر اس نعمت کی قدر یہی بتائی تھی کہ وہ طلبہ اور اہل علم کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور جن کے متعلق گمان غالب ہو کہ وہ کاغذ علمی کتابیں لکھنے کے لئے خریدتے ہیں انہیں ترجیح دیں۔ اصحاب ہویٰ اور خرافات لکھنے والوں کو کاغذ فروخت کرنے سے باز رہیں (۱۷۵)۔

(۱۴) کاتبوں کا ضابطۂ اخلاق

آج دنیا میں کسی ملک و قوم کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں جو کاتبوں کو کتابت سے روک سکے اور انہیں حسنِ معاملہ کا پابند بنا سکے لیکن اسلام نے کتابت کو معاملات میں داخل کیا اور آجر و مستاجر پر پابندیاں عائد کیں تاکہ معاشیاتی دوڑ میں معاشرہ میں فساد راہ نہ پا سکے۔ وہ پابندیاں حسب ذیل تھیں۔

(۱) کاتب و ناقل پر لازم ہے کہ گمراہ کن اور غیر مفید کتابیں لکھنے سے باز رہے اس میں اوقاتِ عزیز برباد ہوتے ہیں۔ دین کا کوئی فائدہ نہیں اس طرح فحش لٹریچر، بدمستی و بدکاری کے موضوع پر کتابیں لکھنے سے گریز کرے، اس لئے کہ یہ عزت و آبرو کو پامال کرنے کا سبب ہوتی ہیں۔ نقل نویسوں کو ان باتوں سے بچنے کی ہدایت اس لئے کی جاتی ہے کہ دنیا دھوکا دیتی ہے اور اکثر اوقات اس قسم کی کتابیں نقل کرنے والوں کو علمی کتابوں کے ناقلوں سے زیادہ اجرت پیش کی جاتی ہے، لہٰذا نقل نویسوں کو دنیا کے عوض دین فروخت نہیں کرنا چاہیے۔

نقل نویس خدا کا خوف نہیں کرتے، جلدی جلدی لکھتے ہیں کتاب جلد پوری کرنے کی خاطر نقل کرتے وقت بہت سی عبارتیں چھوڑ جاتے ہیں حالانکہ معاملہ پوری کتاب کے نقل کا ہوتا ہے ایسے نقل نویس علم کو برباد کرتے اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کلام کو بے ربط بنانے کا جرم کرتے ہیں، مصنف کی تصنیف میں قطع و برید کا ارتکاب کرتے اور کام میں چوری کرتے ہیں۔

فقہاء میں امام نووی نے تصریح کی ہے کہ کسی نے اجرت پر لکھوایا پھر کاتب نے غلط لکھایا عربی زبان میں لکھایا اور اس نے کسی عجمی زبان میں لکھایا اس کے برعکس کیا تو اس پر کاغذ کی قیمت کا تاوان آجائے گا اور وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہیں ہو گا۔ قریب قریب ایسی ہی بات امام غزالی نے فتاویٰ میں کہی ہے۔

علی بن عبد الکافی سبکی سے کسی نے فتویٰ لیا کہ کسی نے نقل نویس سے کتاب نقل کرنے کی بات طے کی، نقل نویس نے ایک سال تک نہیں لکھا اور اس مدت میں اس کا خط بوھیا ہو گیا تو کیا اسے خط کے بوھیا ہو جانے کی وجہ سے زیادہ قیمت طلب کرنے یا معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے۔

موصوف نے فتویٰ دیا کہ دونوں باتوں کا اسے اختیار نہیں، سابقہ اجرت ہی پر لکھنا لازم ہے جو نقل نویس سے اجرت پر لکھوائے اس پر لازم ہے کہ وہ اوراق اور ہر صفحہ کی سطروں کا بھی تعین کرے اگر سیاہی متعین نہ کی ہو تو عادۃً جس سیاہی سے لکھا جاتا اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اختلاف کی

صورت میں وضاحت ضروری ہوگی ورنہ معاملہ کالعدم قرار دیا جائیگا(۱۷۶)۔

(۱۴) کاتب وناقل کی شرطیں

جو شخص علوم فقہ' لغت' عربیت اور اصول وغیرہ کی کتابیں نقل کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس نے ان فنون کو پڑھ کر ان میں بصیرت پیدا کی ہو تاکہ وہ غلطی' تحریف و تبدیل سے الفاظ کو غلط پڑھنے' غلط لکھنے سے بچے اور ایک باب کے دوسرے باب سے' سوال کے جواب سے' فصل کے دوسری فصل سے' اصل کے فرع سے' اور فرع کے اصل سے امتیاز کو' تنبیہہ کو فائدہ سے' سوال سائل کو اور معترض کے اعتراض کو خوب پہچانتا ہو مقصد اور آخر کلام تک بات کو سمجھتا ہو' نقل کرتے وقت وہ ایک کلام کو دوسرے کلام سے مختصر فاصلہ پر جدا کر سکے اور دوسرے کے قول کو ایسے اشارہ سے نمایاں کر سکے جو اسکے امتیاز کی طرف رہنمائی کر سکے ورنہ وہ ناقل و ناسخ حاطب لیل ہے جسے معلوم نہیں کہ کس وقت صبح نمودار ہو گئی وہ ایسے سیلاب میں بہ رہا ہے جسے صبح وشام کی خبر نہیں۔

جو تاریخ کی کتابیں لکھنا اور نقل کرنا چاہتا ہے اسے بادشاہوں کے نام' ان کے القاب' ان کے اوصاف اور کنیتوں کو جاننا چاہیے' خاص طور پر عجم' ترک و خوارزم کے بادشاہوں کے' اسلئے کہ ان کے نام عربی نہیں ہیں انہیں نقل کے ذریعہ جانا جاتا ہے اس بناء پر چند رہنما اصول و اشاروں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ملک' شہر' دیہات' قلعے' نواح شہر' قصبے اور اقلیم کے ناموں کو جاننا اور ان اسماء کو جن میں خطی مشابہت ہے اور ان کا تلفظ مختلف ہے یا خطی و لفظی مشابہت ہے اور ان کی نسبت میں اختلاف پایا جاتا ہے جاننا ناگزیر ہے اگر ان میں امتیاز ملحوظ نہیں رکھا جائے گا تو سامع کو الجھن ہوگی اور واقعات سے اچھی طرح واقف نہیں ہو سکے گا' ناسخ و کاتب پر لازم ہے کہ وہ ان باتوں کو واضح کرکے لکھے' ناقل اشعار پر اوزان اور عربیت سے واقفیت بھی لازم ہے (۱۷۷)۔

انہی وجوہ سے عہد عباسی کی نوشتہ کتابوں میں غلطیاں نہیں ملتی ہیں اور اس دور کا ثقافتی ورثہ عام طور پر غلطیوں سے محفوظ رہا ہے۔ جن اقوام نے اپنے علمی ورثہ میں صحت کا اہتمام نہیں کیا ان کا تحریری سرمایہ اغلاط سے پر رہا چنانچہ پندرھویں صدی عیسوی کے وسط تک یورپ کو جو مسودات مہیا تھے وہ اغلاط سے پر تھے (۱۷۸)۔

یہ وہ رہنما اصول ہیں جن سے آج بھی قلمی کتابوں کی نقل میں مفر نہیں۔

باب ششم

دوسرا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆---------- وراقت: کتاب منزل بمنزل

☆---------- سوق الوراقین

☆---------- سوق الوراقین کی کثرت

☆---------- سوق الوراقین کی علمی و ثقافتی حیثیت

☆---------- کتابوں کی نقل انفرادی و اجتماعی

☆---------- مصنف و وراق کی نقل میں فرق

☆---------- فروختِ کتب کے مستقل اور عارضی مرکز

☆---------- کتابوں کی قیمت پر کنٹرول

☆---------- شرحِ کتابت

☆---------- کتابوں کی قیمت کا ضروریاتِ زندگی سے موازنہ

☆---------- گراں قیمت کتابوں کے عوامل

☆---------- سستی کتابوں کے عوامل

☆---------- عہدِ عباسی کے کتب فروش کی خصوصیات

☆---------- کتابیاتی و مختصراتی اور دیگر مراجعاتی مواد

☆---------- عہد عباسی کے معیاری ناشرین

☆---------- اشاعتِ کتب کی صورتیں

☆---------- اشاعتِ کتب کی موڈرن ٹیکنیک کی بنیاد عہد عباسی میں

☆---------- لغو اور مخربِ اخلاق لٹریچر پر پابندی

☆---------- اوائل عہدِ عباسی کے پسندیدہ اور مروجہ علوم

☆---------- تبصرہ کا آغاز

☆---------- انتخاب و خریداری کتب

(دوسرا حصہ)

(۱) وراقت: کتاب منزل بمنزل

عہدِ عباسی میں علوم و فنون کی تدوین اور کتابی صورت میں ان کی اشاعت ایسی تیزی سے کی گئی تھی کہ نقل و اشاعت کے لئے ایک نئی صنعت اور نیا علم "وراقت" وجود میں آگیا تھا۔ صنعت وراقت، کاغذ سازی، جلد سازی، سامان کتابت (تصحیح اور ضبط اعراب) سے عبارت تھی (۱۷۹)۔ جیسا کہ سابق میں بھی اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس صنعت وراقت کا تعلق انسان کے علوم و افکار سے ہے اور اس کے ساتھ مخصوص ہے (۱۸۰)۔ علوم و معارف اور اعلیٰ صنعتیں جو انسان کی فکری کاوشوں کے نتائج ہیں کمال تمدن کی ضامن اور آرائش و زینت کا موجب ہیں (۱۸۱)۔

کتابت، طباعت اور موسیقی وہ فنون ہیں جو بادشاہوں (وزیروں، امیروں) سے ربط و ضبط اور رسائی کا ذریعہ رہے ہیں۔ اسلئے ان فنون کو دوسرے فنون کے مقابلہ میں اہمیت و برتری حاصل رہی ہے (۱۸۲)۔ عہد عباسی اور اس کے بعد بھی مسلمان حکمرانوں کے دورِ عروج میں وراقت و کتابت کی صنعت کو بڑا فروغ حاصل تھا۔ مورخ ابن خلدون کہتا ہے:

> "صنعتِ وراقت" ملتِ اسلامیہ میں عراق سے اندلس تک ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح تھی، متمدن آبادی اور اطرافِ ممالک میں اس کی گرم بازاری تھی، کثرت سے علمی کتابیں لکھی جاتی اور اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں ان کی نقلیں لی جاتی جلدیں بندھوائی جاتی تھیں، کاتب، وراق، نقل، تصحیح، جلد سازی اور دوسرے کاموں میں بڑی مشقت اٹھاتے تھے، یہ صنعت بڑے بڑے آباد شہروں میں خصوصیت سے بہت ترقی پر تھی" (۱۸۳)

اس صنعت کے مرکز توجہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بنی نوع انسان کے علم و دانش میں اضافہ اور معیشت کو مستحکم کرنے کا موثر ذریعہ رہی ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے:

> "صنعتِ کتابت چونکہ متعدد علوم پر مشتمل ہے اس لئے یہ دوسری صنعتوں کے مقابلہ میں زیادہ عقل سکھاتی ہے" کتابت میں جلی حروف سے الفاظ کی طرف اور الفاظ سے معانی کی طرف پھر ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف ذہن کی رسائی ہوتی رہتی ہے اس سے نفس انسانی میں دلائل سے مدلولات کی طرف منتقل ہونے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، یہ ملکہ نظر عقلی سے عبارت ہے، نامعلوم علوم کو حاصل کرنے اور انہیں بار بار سمجھنے سے عقل و دانش میں اضافہ ہوتا اور معاملہ فہمی میں

بصیرت پیدا ہوتی ہے" (۱۸۴)۔

عہدِ عباسی میں صنعتِ وراقت نظری، عملی ہر دو پہلوؤں سے اہل علم کی مرکز توجہ بنی ہوئی تھی چنانچہ مشہور فلسفی ابو زید احمد سہل بلخی ۲۳۵ - ۳۲۲ھ - ۷۴۹ - ۹۳۴ء نے **فضل صناعۃ الکتابہ**، وراقت کی فضیلت میں ایک رسالہ لکھا تھا (۱۸۵)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بلخ اور دوسرے اسلامی شہروں میں صنعت وراقت ایک معزز پیشہ سمجھی جاتی تھی۔ ابو حیان توحیدی المتوفی ۴۰۰ھ نے وراقت کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا تھا جس میں نسخوں کے نقل کرنے کے اصول اور وراقوں کی تصحیف سے بچنے کے قواعد بیان کئے تھے (۱۸۶)۔

(ا) سوق الوراقین

ان وجوہ سے عہدِ عباسی میں صنعت وراقت اور دوسرے اہم مسائل جن کا تعلق اس صنعت اور سوق الوراقین سے رہا ہے ان سے اسلامی قلمرو میں خصوصی اعتناء کیا جاتا تھا۔ سوق الکتب میں جانے کی ترغیب دی جاتی تھی چنانچہ مہلب المتوفی ۸۳ھ اپنے فرزندوں کو تاکید کرتا تھا کہ تم بازاروں میں صرف سوق حرب (جہاں جنگی سامان بکتا ہے) اور سوق الوراقین میں بیٹھا کرو (۱۸۷)۔ اور عربی شاعر کہتا ہے۔

مجالسۃ السوق مذمومۃ
ومنہا مجالس قدتحتسب

بازاروں میں اٹھنا بیٹھنا اچھا کام نہیں ہے۔ اور بازاروں کی بعض بیٹھکیں لائق عزت ہیں۔

فلا تقربن غیر سوق الجیاد
وسوق السلاح و سوق الکتب

لہٰذا تم گھوڑوں، ہتھیاروں اور کتابوں کے بازار کے علاوہ کسی بازار میں نہ بھٹکنا۔

فہاتیک السنۃ اھل الوغی
وھاتیک السنۃ اھل الادب

"کیونکہ گھوڑوں اور ہتھیاروں کا بازار مردانِ کار زار کے سامان کا بازار ہے اور کتابوں کا بازار اہلِ ادب کے سامان کا بازار ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ آباد و پر رونق گھوڑوں،

ہتھیاروں اور کتابوں کے بازار تھے اور عربوں کو اپنے تہذیبی و ثقافتی مراکز و سرمایہ سے بہت دلچسپی و رغبت تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرے میں سیف و قلم کے بازار ہی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور انہی کی طرف لوگوں کو جانے کی ترغیب دی جاتی تھی یہ ترغیب کتب و کتب خانوں کی نشر و اشاعت، تشہیر اور علمی افادہ و استفادہ کا باعث تھی (۱۸۸)۔

(۲) سوق الوراقین کی کثرت

عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو کے ہر شہر میں "سوق الوراقین" ہوتا تھا لیکن مرکزی شہروں کے "سوق الکتب" کو شہرت حاصل تھی ان میں مندرجہ ذیل شہروں کے سوق الکتب کو تاریخ میں زیادہ شہرت حاصل رہی ہے:

(۱) کوفہ (۱۸۹)، (۲) بصرہ (۱۹۰)، (۳) بغداد (۱۹۱)، یہ سوق الوراقین باب البصرہ کے سامنے واقع تھا۔ اس میں سو ۱۰۰ سے زیادہ وراقوں کی دکانیں تھیں (۱۹۲)

(۴) واسط (۱۹۳)، (۵) دمشق (۱۹۴)، (۶) قاہرہ (۱۹۵)

قاہرہ کے محلہ میں فسطاط میں جامع عمرو العاص کے مشرقی گوشہ کی طرف بہت بڑا سوق الوراقین تھا (۱۹۶)، قاہرہ اور (۷) فسطاط دونوں جگہ سوق الوراقین تھا اور یہاں ابو عبداللہ محمد بن ثابت الکیزانی کا دیوان ملتا تھا۔ (۱۹۷)، (۸) بخارا (۱۹۸)۔

(۳) سوق الوراقین کی علمی و ثقافتی حیثیت

یہ سوق الکتب مقامی اربابِ کمال کی نظر میں ہوتے تھے چنانچہ ابو بکر احمد بردیجی المتوفی (۳۰۱ھ - ۹۱۳ء) کا جن کی حفظِ حدیث میں شہرت تھی جب کوفہ میں ورود ہوا اور ابنِ عقدہ سے جنہیں اپنے حفظ پر ناز تھا ملاقات ہوئی تو باتوں ہی باتوں میں ابن عقدہ نے ان سے کہا حدیث کی زیادہ باتیں نہ کیجئے کسی وراق کی دکان پر چلیے، قبان (پیمانہ غلہ) لیجئے اور کتابیں جتنی چاہیں تلوائیے پھر ہم بحث کریں گے تو ان کے ہوش اڑ گئے تھے (۱۹۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں سب سے بڑا عالم وہ سمجھا جاتا تھا جس کی نظر میں اپنے فن سے متعلق سوق الوراقین کی جملہ کتابیں ہوتی تھیں۔ سوق الکتب میں بعض اہلِ علم وراق کی علمی شہرت ایسی ہوتی تھی کہ ان کے تجارتی اوقات میں بھی دکان پر آکر لوگ ان سے کتابوں کی سند لیتے تھے (۲۰۰)۔ بعض میں شعراء کا کلام نقل کیا جاتا تھا (۲۰۱) بعض دکانوں میں علمی مباحثے ہوتے تھے (۲۰۲)، اہلِ علم، وراق کے ذریعہ معلومات فراہم کرتے تھے چنانچہ ابو العلاء معری کا بیان ہے۔

میں مدینۃ السلام بغداد میں تھا وہاں ایک وراق کو دیکھا کہ وہ عدی بن زید کے اشعار

جن کا مطلع تھا۔

بکتر العاذلات فی غلس الصب
ح یعاتبنه اما تستفیق
ودعا بالصبوع فجر انجات
قینته فی یمینیها ابریق

کے قافیہ کے متعلق پوچھتا تھا۔

وراق کا زعم تھا کہ ابن حاجب النعمان نے اس قصیدہ کے متعلق دریافت کیا تھا اور دیوانِ عدی کے نسخے بھی طلب کیے تھے لیکن وہ نہیں ملے، پھر میں نے استرابادی کو سنا کہ اس نے یہ قافیہ دیوان العبادی میں پڑھا تھا لیکن دارالعلم بغداد کے نسخہ دیوان العبادی میں یہ قافیہ موجود نہیں تھا(۲۰۳)۔

علماء و ادباء کی مجلسیں جمتی تھیں اور ناقدانِ فن کے جوہر کھلتے تھے چنانچہ ابو نصر زجاج کا بیان ہے:

”میں سوق الوراقین میں ابوالفرج صاحب الاغانی کے ساتھ ایک دوکان پر بیٹھا ہوا تھا اور قریب ہی وراق ابوالفتح بن الجزار کی دوکان پر ابوالحسن علی بقال شاعر اسے ابراہیم صولی کے شعر سنا رہا تھا، جب وہ مندرجہ ذیل شعر پر پہنچا۔

رای خلتی من حیث یخفی مکانها
وکانت قذی عینیه حتی تجلت

”اس نے میری حاجت پوشیدہ جگہ سے دیکھی۔ وہ اسکی آنکھوں میں تنکے کی طرح کھٹکی فوراً دور ہو گئی۔“

تو اس نے اسکی بہت داد دی ابوالفرج اس منظر کو دیکھ رہا تھا اس نے مجھ سے کہا جاؤ، اس سے پوچھو کہ اس شعر میں خوبی کیا ہے، میں نے جا کر پوچھا تو اس نے کہا شاعر کا قول وکانت قذی عینیہ ہے، ابوالفرج نے کہا جاؤ، کہو کہ شعر کی خوبی کے ادراک میں تم سے غلطی ہوئی ہے اصل خوبی من حیث یخفی مکانھا میں مضمر ہے اس طرح بحث چھڑ جاتی تھی (۲۰۴)۔“

قفطی نے لکھا کہ بغداد میں ابن دواع ازدی المتوفی فی حدود ۲۳۰ھ۔ ۸۴۴ء کی دکان ایسی تھی کہ اس میں عام اہلِ ادب آ کر بیٹھتے، مذاکرہ و مباحثہ کرتے چنانچہ ان دکانوں میں ایسی باتیں حاصل ہوتی تھیں جو دوسری ادبی مجالس میں حاصل نہیں ہوتی تھیں (۲۰۵)۔

”رہا“ میں جو موصل و شام کے مابین ایک شہر ہے سعد وراق کی ایسی ہی ایک دکان تھی

(۲۰۶)۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے مورخین نے سوق الوراقین کو ”مجالسِ علماء و شعراء کا مرکز“ (۲۰۸) اور ”اہلِ علم کا مستقر“ (۲۰۹) قرار دیا ہے۔

سوق الوراقین میں اربابِ فن تقویم کا عمل کرتے، اہلِ کمال کے جوہر کھلتے اور باہم محبت بڑھتی تھی چنانچہ ماہرِ نجوم تقویم ابوالقاسم رضی مصاحب سیفُ الدولہ حمدانی کا بیان ہے میں عضدالدولہ کے زمانہ میں بغداد آیا، علم کو خیرباد کہہ کر تجارت کرنے لگا ایک دن سوق الوراقین سے گزر رہا تھا کہ ابوالقاسم قصری المتوفی ۴۱۳ھ – ۱۰۲۲ء کو تقویم بناتے دیکھا تو کھڑا ہو کر اس کے عمل کو دیکھنے لگا تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا، کیا دیکھتے ہو آگے بڑھو، یہ تمہارے سمجھنے کی چیز نہیں مگر میں دیکھتا رہا جب وہ فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا آپ نے دوہرا عمل کیا دوہری ضربیں لگائیں، اگر اس طرح سے کیا ہوتا تو یہ زحمت نہ کرنی پڑتی اور چلتا ہوا، قصری میرے پیچھے دوڑا، آکر مجھ سے چمٹ گیا، سر کو چوما، معافی مانگی، نام، پتہ پوچھا شہرت کی بناء پر فوراً پہچان گیا اور مکان پر آکر مشکلات حل کرنے لگا“ (۲۰۹)۔

وراق اہلِ علم کی قدر کرتے اگر ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو کتاب نذر کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اہلِ عرب کا مشہور شاعر **متنبی** سوق الوراقین میں زیادہ بیٹھتا اٹھتا تھا اس کا علم انہی کتابوں کا رہینِ منت تھا (۲۱۰) اس نے کسی وراق کے پاس اصمعی کی تیس ۳۰ ورق پر مشتمل کتاب دیکھی لے کر پڑھنے لگا، جب دیر لگی تو وراق بولا: ”آپ کا مقصد اسے یاد کرنا ہے یہ کام ایک مہینہ کے بعد کیجئے گا“ **متنبی** نے کہا یہ یاد ہو گئی کہنے لگا پھر کتاب تمہاری ہے، وراق نے **متنبی** سے کتاب لی اس نے پوری زبانی سنادی وراق نے کتاب **متنبی** کو دے دی وہ آستین میں رکھ کر لے گیا“ (۲۱۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ علم وسائل کی کمی کی وجہ سے سوق الوراقین میں نادر اور اہم رسالے یاد کر لیتے تھے، اس سے ان کا علم بڑھتا اور بعض اوقات کتاب بھی مفت مل جاتی تھی۔ نیز یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ ان کا علم سوق الوراقین کا رہین منت ہوتا تھا۔

عہد عباسی میں کتب اور کتب خانہ کو سماجی زندگی کے لوازم میں سے سمجھا جاتا تھا اس لئے کتابوں کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی۔ تجارتِ کتب کے مستقل و عارضی مرکزوں کی اسلامی قلمرو میں بہتات تھی، ہر قسم کی کتابیں عام بازاروں میں فروخت ہوتی تھیں، کتابوں کا خاص بازار بھی تھا۔ جسے سوق الوراقین (۲۱۲)، سوق **الکتبیین** (۲۱۳) اور سوق الکتب (۲۱۴) کہا جاتا تھا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوق الوراقین دراصل کاغذ سازی، کاغذ فروشی اور سوق **الکتبیین** اور سوق الکتب، کتب فروشی کا بازار تھا البتہ عرفِ عام میں ایک کا دوسرے پر

اطلاق کیا جاتا تھا اس اعتبار سے اس کا یہاں ذکر کیا گیا جو لوگ سوق الکتب وغیرہ میں کتابیں فروخت کرتے تھے انہیں ”کتبی“ کہا جاتا تھا بہت سے اہل علم اس نسبت سے مشہور تھے۔ وراق کو بھی کتبی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے کہ وہ اوراق و کتب کا شغل رکھتا تھا چنانچہ کتبی اور ابن الکتبی سے وراق کی شہرت اس امر کی غماز ہے۔

تیسری صدی ہجری میں بعض شہر جیسے بغداد کا سوق الکتب بازار کتب سینکڑوں دکانوں پر پھیلا ہوا تھا۔ ان دکانوں پر کتابیں سب معیاری ملتی تھیں (۲۱۶) یہ دکانیں عموماً چوک بازار میں کھولی جاتی تھیں تاکہ ہر طرف سے آنے والے کاغذ بہ آسانی خرید سکیں چنانچہ ابو حفص خمار تاش بن عبداللہ کاغذی روحی المسمی بعمر المتوفی ۵۳۱ھ کی نیشاپور میں چوک بازار میں دکان تھی (۲۱۷)۔ یہ دکانیں بالعموم کسی مسجد کے قریب ہوتی اور کتابوں سے بھری رہتی تھیں (۲۱۸) اسلئے خریداروں کو کبھی مایوسی نہیں ہوتی تھی (۲۱۹)۔

اس امر کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی میں نامور اہلِ علم کی کتابیں ان کی حیات میں سوق الوراقین تک پہنچ جاتی تھیں چنانچہ منصور حلاج کی تالیفات اس کی حیات میں سوق الوراقین میں عام ہو چکی تھیں (۲۲۰)۔ پھر سوق الکتب میں وراقوں کا عریف (Leader) ہوتا تھا جس کی نظر سوق الکتب کے تمام ذخائر پر رہتی تھی وہ وراقوں اور خریداروں کی رہنمائی کرتا تھا چنانچہ شرف الدین محاسن بن الصوری المتوفی ۲۲۳ھ قاہرہ کے سوق الکتب کے عریف تھے (۲۲۱)۔

عہدِ عباسی میں مشرقی و مغربی قلمروں کے دارالخلافہ و مرکزی شہر کتابوں کی تجارت کی منڈیاں تھیں۔ یہاں نہ صرف کتابیں بلکہ پورے پورے کتب خانوں کی بھی قیمت اچھی لگتی تھی، مغرب (یورپ) میں قرطبہ اور مشرق (ایشیاء) میں بغداد کو اس امر میں شہرت خاص حاصل تھی تنہا یہی فضیلت شہروں کی برتری کے ثبوت میں کافی سمجھی جاتی تھی چنانچہ مناظروں میں یہاں کے لوگ دوسرے شہر کے رہنے والوں کا یہی بات کہہ کر منہ بند کرتے اور اپنی برتری کا اظہار کرتے تھے۔ ابو الفضل نیفاشی کا بیان ہے

”ایک مرتبہ معارف پرور سلطان مغرب المنصور یعقوب موحدی (۵۵۵ ـ ۵۹۵ھ = ۱۱۲۰ ـ ۱۱۹۹ء) کے دربار میں سنہ ۵۸۰ھ میں مشہور فلسفی و فقیہ ابنِ رشد المتوفی ۵۹۵ھ اور حکیم ابوبکر محمد بن عبدالمالک زہرایادی المتوفی ۵۹۵ھ میں اس موضوع پر مناظرہ ہوا، ابنِ رشد نے ابن زہر سے کہا تم جو فضائل بتاتے ہو میں یہ نہیں جانتا، بس ایک ہی بات جانتا ہوں کہ اگر کوئی عالم اشبیلیہ میں مرتا ہے اسکی کتابیں بکنے کیلئے قرطبہ میں آتی ہیں یہاں ان کی قیمت اچھی ملتی ہے اور اگر کوئی گویا قرطبہ میں

مرتا ہے اسکے گانے بجانے کے سامان کے دام وہاں اچھے ملتے ہیں پھر کہا "قرطبہ اکثر بلاد اللہ کتبا" (۲۲۴)۔ قرطبہ بلادِ اسلامی میں کتابوں کی کثرت میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قلمرو میں کتابوں کا شوق بڑھتے بڑھتے وجہِ افتخار بن گیا تھا۔

بلادِ مشرق میں بھی جب کوئی مرجاتا اس کی کتابیں بغداد میں اچھی قیمت میں بکتی تھیں چنانچہ ابو العباس جعفر بن احمد مروزی کی کتابیں ان کی وفات کے بعد ۲۷۵ھ میں اہواز سے فروخت کے لئے بغداد لائی گئی تھیں اور طاق حرانی میں فروخت کی گئی تھیں (۲۲۴)

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر شہر میں کتابیں بکتی تھیں لیکن مرکزی شہروں میں کتابوں کی قیمت زیادہ ملتی تھی، یہاں چونکہ کتابیں اور کتب خانے فروخت ہوتے تھے اس لئے شائقینِ کتب ان مرکزی شہروں کا بار بار سفر کرتے تھے، ابو نصر سل بن مرزبان المتوفی تقریباً ۴۲۰ھ نے نفیس و نادر کتابوں کی جستجو میں بغداد کا بار بار سفر کیا تھا (۲۲۶)۔ اس سے عوام و خواص میں کتابوں کے شوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے (۲۲۷)۔

رات میں کتب فروش سوق الوراقین میں دکانیں اہل علم کو کرایہ پر دے کر تشنگان علوم کی پیاس بجھاتے، طلب و رسد کے سلسلہ کو پروان چڑھاتے، معاشرے کی علمی اقدار میں اضافہ کرنے کی سعی کرتے تھے۔ چنانچہ سوق الوراقین میں جاحظ کو رات بھر کے لئے دکانیں کرائے پر دی جاتی تھیں (۲۲۸)۔ سوق الوراقین میں نصابی کتابوں کی خرید و فروخت سب سے زیادہ ہوتی تھی (۲۲۹)۔

ہر علم و فن کی کتابیں اتنی بڑی تعداد میں سوق الوراقین میں موجود رہتی تھیں کہ اہل علم کو ہر وقت ان کی ضرورت کی کتابیں دستیاب ہو جاتی تھیں جن کتابوں کی طلب زیادہ ہوتی ان کے نسخے بھی سوق الوراقین میں زیادہ پائے جاتے تھے اور جن کتابوں کی مانگ کم ہوتی یا جن کتابوں کی طرف اہل علم کی رغبت کم ہوتی تھی وہ کتابیں سوق الکتب میں کم ملتی تھیں (۲۳۰)

بازارِ کتب میں لوگ عالموں اور کتابوں سے استفادہ کرنے کے بعد جو کتابیں اپنے مطلب کی پاتے ان کو خرید لیتے تھے جن اہلِ علم کو اساتذۂ فن سے کتابوں کی سند حاصل نہیں ہوتی تھی اور معاشرے میں عالم و مصنف کے روپ میں نمایاں ہونے کی خواہش چٹکیاں لیتی تھی وہ سوق الوراقین سے کتابین خرید کر ان کتابوں پر نامور علماء سے اپنی قرأت و سماعت کی نسبت کر کے روایت کرتے تھے (۲۳۱)۔

یہ سوق الوراقین سے خریدی ہوئی کتابوں کو عام کرنے والے صحفیین کہلاتے تھے معاشرے میں لفظ صحفیین ان کی علمی حیثیت کا تعین کرنے اور ان کے سلسلہ سند کو ناقابل

اعتبار قرار دینے کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا عجب حسنِ اتفاق ہے کہ صحافی اور صحافت کو آج بھی معاشرے میں تحقیق کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

(۴) کتابوں کی نقل انفرادی و اجتماعی

عہدِ عباسی میں اگر کسی کو کئی جلد والی کتاب جلد درکار ہوتی تو اسکے اجزاء اور مجلدات مختلف وراقوں کو دیکر نقل کرائی جاتی تھی اس طرح ضخیم سے ضخیم متعدد جلد والی کتاب بہت جلد اور کم سے کم مدت میں جلد تیار ہو جاتی تھی چنانچہ امین الدولہ ابو الحسن بن غزال نے ایک مرتبہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق جو اسی (۸۰) جلدوں میں تھی، نقل کرانی چاہی تو اسے دس (۱۰) کاتبوں میں تقسیم کرایا ہر کاتب کے حصے میں آٹھ (۸) جلدیں آئیں اور انہوں نے دو برس میں پوری کتاب نقل کرالی تھی (۲۳۲)۔

(۵) مصنف و ورّاق کی نقل میں فرق

عالم، مصنف اور وراق کی لکھائی میں فرق ہوتا تھا۔ وراق کمائی اور خوبصورتی کی خاطر کشادہ لکھتا تھا، عالم اور مصنف کم اوراق میں لکھتا، جگہ کم گھیرتا اور کاغذ بھی احتیاط سے استعمال کرتا تھا پھر اس کا لکھا ہوا وراق سے زیادہ مستند سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابو علی حسین ماسرجسی نے جو مسند ابی بکر دس (۸) جزوں سے زیادہ میں لکھی تھی، وراق نے اس کو ساٹھ (۶۰) سے زیادہ جزوں میں نقل کی تھی (۲۳۳)۔

یہ سوق الوراقین سے پیدا ہونے والی خوبیاں تھیں جو علم و فن کو پھیلا رہی تھیں۔ لیکن کچھ لوگ اس میں ایسے بھی در آئے تھے جو تصنیف و تالیف کی قابل قدر صلاحیتیں رکھتے اور اچھی تصنیف و تالیف کرتے مگر احساسِ کمتری یا نفع اندوزی کی وجہ سے وہ اپنی تخلیقات کسی معروف مصنف کے نام سے فروخت کرنے لگے تو ماہرینِ کتابیات و کتب شناسوں نے ایسے اصحاب کا کھوج لگایا اور ان کو نمایاں کیا تاکہ جعلسازی کی حوصلہ افزائی نہ ہو سکے۔

ابن الندیم نے اس جعلسازی کے تدارک کیلئے "الفہرست" میں ایسے اشخاص و کتب کی جا بجا نشاندھی کی ہے اور یہ نشاندھی کتب خانوں میں کتابوں کے انتخاب میں بڑی ممد و معاون رہی۔

فنِ کتابیات کی تاریخ میں جعلسازی کی نشاندھی کا آغاز ابن الندیم نے کیا ہے۔ ان جعلسازیوں کے اظہار کیلئے وضع، اختلاق، انتحال وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ جعلسازی کی وجہ سے سوق الوراقین کے علمی وقار کو نقصان پہنچا جس کی یادگار اردو زبان میں ایک لفظ سوقیانہ ادب (بازار کے لائق) معرض وجود میں آیا جو انہی جعلسازوں کے

فن کا نتیجہ ہے۔

دورِ عباسی میں وراق اور کتب فروش بھی اہلِ علم کو مستعار بلا معاوضہ (Without any charges) کتابیں مہیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک وراق نے ابن جریر طبری کو صرف قیاس کے موضوع پر چالیس سے کچھ کم کتابیں مستعار مہیا کی تھیں (۲۳۴)۔ جس کا کوئی معاوضہ یا کرایہ نہیں لیا جاتا تھا حالانکہ سوق الوراقین کتابوں کی خرید و فروخت کے مستقل مرکز تھے۔

(ب) فروختِ کتب کے مستقل اور عارضی مرکز

کتابوں کی خرید و فروخت کے عارضی مرکز وہ وقتی مقامات تھے جہاں کسی مجبوری کے تحت کتابوں کا ذخیرہ فوری طور پر بیچا جاتا تھا‘ جیسے علماء کے مکانات جہاں مرنے کے بعد ان کی کتابیں اور ان کا کتب خانہ بکتا تھا۔ کوفہ میں ابن الاعرابی کا کتب خانہ ان کے مکان پر ابو جعفر قمبلی نے خریدا تھا (۲۳۵)۔

کبھی کسی خاص مقام پر خاص دنوں میں فروخت کی جاتی تھیں چنانچہ ابوالفتوح ناصر بن علی انصاری المعروف بابن صورہ المتوفی ۶۰۷ھ اپنے مکان کے دروازہ کی دھلیز پر بیٹھا کرتا اور دو شنبہ و چہار شنبہ کو علماء و رؤسا آتے اور اپنی پسند کی کتابیں خرید کر لے جاتے تھے (۲۳۶)۔ اجزاء اور مجلدات جب ذخیرۂ کتب میں رل مل جاتی تھیں تو کتابیں ناقص ہو جاتی تھیں۔ موصوف فروخت کتب میں پورے اجزاء اور مجلدات کا اہتمام کرتے تھے اس لئے ہفتہ میں دو دن فروخت کرتے تھے (۲۳۷)۔

وزراء‘ رؤساء اور وہ لوگ جو اپنے کاروبار یا علمی کاموں میں انہماک کی وجہ سے سوق الکتب نہیں جاسکتے تھے یا کم جاتے تھے وہ دلالوں کی معرفت جنہیں ”دلال الکتب“ اور ” سمسار“ کہا جاتا تھا کتابیں منگاتے (۲۳۸) اور خریدا کرتے تھے (۲۳۹)۔

بعض اوقات نایاب کتابوں کی جستجو کیلئے جہاں گشت ادباء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں چنانچہ قاضی فاضل نے وزیر ابو نصر احمد بن یوسف منازی المتوفی ۴۳۷ھ کے دیوان کو جو بہت نایاب تھا ”بعض الادباء السفار“ چند جہاں گشت ادیبوں کو مامور کیا تھا لیکن وہ بھی اس کے حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں نایاب کتب کو حاصل کرنے کیلئے کیا کیا تدبیریں اختیار کی جاتی تھیں (۲۴۰)۔ بادشاہوں‘ وزیروں کے گماشتے حصولِ کتب کی خاطر اسلامی قلمرو کے مشرقی و مغربی شہروں میں سفر کرتے رہتے تھے (۲۴۱)۔

عہدِ عباسی میں مصنف یا اہل علم‘ امراء اور قدر دانوں کے یہاں کتاب پہنچاتے تو اسکی قیمت کچھ نہیں ہوتی تھی کتاب انکی طرف سے ہدیہ اور دینار ان کی جانب سے عطیہ ہوتے تھے‘ اس طرح امراء‘ اہلِ علم کی قدر اور ہمت افزائی کر کے کتابیں حاصل کرتے تھے چنانچہ محمد بن عبدالملک زیات کو جاحظ نے کتاب الحیوان کا نسخہ پیش کیا تو اس نے پانچ ہزار (۵‘۰۰۰) دینار اس کو

دیے تھے اور جب ابن ابی داود کو کتاب البیان والتبیین کا نسخہ لیجا کر دیا تو اس نے بھی جاحظ کو پانچ ہزار دینار دئے اور جب اس نے کتاب الزرع والنخل کا نسخہ لے جا کر ابراہیم بن عباس کو پیش کیا تو اس نے اس کو پانچ ہزار دینار دئے تھے (۲۴۲)۔

اس کے علاوہ کتب فروش بھی کتابوں کی خرید و فروخت کیلئے مشرقی و مغربی ممالک میں گھومتے رہتے تھے بعض اوقات صاحب کتب خانہ کسی ضرورت کے تحت اپنی ذخیرہ کتب سے کتابیں ان کو بیچتے تھے (۲۴۳)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تاجر کتب جس طرح کتابیں کتب خانوں میں پہنچاتے تھے اس طرح صاحبِ کتب خانہ سے کتابیں خریدا بھی کرتے تھے۔ یوں حصولِ کتب Retrieval کا عمل جاری رہتا تھا۔

تاجرِ کتب نادر، اہم اور نئی نئی کتابیں بلاد مشرق (ایشیاء و افریقہ) اور مغرب (یورپ) میں بھی لے جاتے، مالکانِ کتب خانہ سے ربط و ضبط بڑھاتے اور انہیں کتابیں پہنچاتے تھے چنانچہ حلب کا ایک تاجر کتب عراق سے بو علی ابن سینا کی کتاب القانون کا نسخہ اندلس لایا، اس سے قبل یہ کتاب اندلس میں نہیں آئی تھی، اس نے ابو العلاء زہر بن عبد الملک اشبیلی المتوفی ۵۲۵ھ کو دکھائی مگر اس بالغ نظر کی نظر میں نہیں سمائی (۲۴۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے تاجرانِ کتب کی تجارت کا دائرہ کتنی وسعت اختیار کر گیا تھا۔

اہلِ علم، علماء سے کتابیں ہی نہیں خریدتے تھے بلکہ ان کا ان سے سماع کرتے اور سند بھی لیتے تھے، چنانچہ ابو عبداللہ محمد المعروف بابنِ زوج الحرہ المتوفی ۴۲۸ھ سے خطیب بغدادی نے جو کتابیں خریدی تھیں ان کا موصوف سے سماع بھی کیا تھا (۲۴۵) یہ عہد عباسی میں کتابوں کے استعمال کا شاہد عدل ہے۔

تجارت صرف تیار مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے یا ایک فرد و جماعت سے لیکر دوسرے فرد یا جماعت کو بیچنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم میں لین دین میں تعاون کے رشتہ کو استوار کرنا اور اس میں نظم و نسق قائم رکھنا بھی داخل ہے یہ نظم اور انتظام و انصرام سرکار کی زیر سرپرستی ہو یا نہ ہو وراقوں اور تاجروں کی برادری میں اس کا شعور ضرور موجود تھا یہ شعور ہی تھا جو بغداد کے سوق الوراقین سے اسپین تک بستی بستی میں کتابوں کو پھیلا رہا اور تجارت کتب کو فروغ دے رہا تھا، اس طرح ابلاغ و ترسیل Dissemination کے عمل کو جاری رکھنے میں آسانیاں بہم پہنچ رہی تھیں۔

(۱) کتابوں کی قیمت پر کنٹرول

عہدِ عباسی ہی نہیں بلکہ اس کے بعد کے دور میں بھی کتابوں کی قیمت کے بڑھنے اور گھٹنے پر نظر رکھی جاتی تھی گو حکومت سرکاری طور پر کوئی اقدام نہیں کرتی تھی لیکن صاحب تصانیف اس میں اخلاقی دباؤ ڈالتے تھے اور اگر تاجرانِ کتب نے کبھی کتابوں کی قیمت مناسب نہیں رکھی اور انہیں بیجا نفع اندوزی واستحصال پر مصر ہوتے دیکھا گیا تو انہوں نے ایسی صورت میں اس کتاب کا بہتر بدل لانے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیمت معمول پر آگئی۔

(۲) شرحِ کتابت

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں عام طور پر وراق ایک درھم میں دس (۱۰) ورق لکھتا تھا۔ پانچ (۵) ورق فی درھم اجرت بہت گراں سمجھی جاتی اور گوارا نہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ فراء نے جب کتاب المعانی املاء کرائی تو وراق پانچ ورق فی درہم نقل کے طلب کرنے لگے اسے معلوم ہوا اس نے انہیں بیجا نفع اندوزی سے روکا مگر یہ نہ مانے آخر اس نے کتاب المعانی کو شرح مزید کے ساتھ املاء کرانا شروع کیا ابھی سو (۱۰۰) ورق املاء کرائے تھے کہ وراق دس (۱۰) ورق فی درہم پر راضی ہو گئے (۲۴۶)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماءِ اربابِ فن علوم و فنون کی نشر و اشاعت، علم کی خدمت اور عوام کی سہولت کے پیشِ نظر کتابوں کی قیمت پر نظر رکھتے تھے، وراقوں تاجروں کو کتابوں کی معمول سے زیادہ قیمت وصول کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ایک جزء تین درہم میں لکھا جاتا تھا چنانچہ ابو عتبہ احمد بن الفرح کندی حمصی المعروف بالحجازی المتوفی ۲۷۱ھ کے تذکرہ میں محمد بن عوف کا بیان ہے کہ "میں نے ابو الیمان شعیب کی بیشمار کتابیں نقل کی تھیں، میں ایک جزء تین درھم میں لکھتا تھا" (۲۴۷)۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ایک جزء ایک درہم میں بوقتِ ضرورت بہ آسانی فروخت کیا جا سکتا تھا چنانچہ ابراہیم حربی (۱۹۸ - ۲۸۵ھ ۸۱۵ - ۸۹۸ھ) سے ان کی دختر نے تنگ دستی کی شکایت کی انہوں نے اس سے یہی کہا تھا کہ جس کے پاس بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) جزء لغت کے موجود ہوں اسکے پاس بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) درہم ہیں وہ فقیر نہیں ہوتا میرے مرنے کے بعد ہر جز ایک درہم

میں بیچ سکتی ہو(۲۴۸)

جزء کی مقدار ہر دور میں تقریباً مختلف رہی ہے لیکن تیسری صدی ہجری میں پچاس (۵۰) ورق کی کتاب کو لفظ جزء سے تعبیر کیا جاتا تھا چنانچہ مورج کا بیان ہے:

”ابو محکم بغدادی نے مجھ سے ایک جزء مستعار لیا تھا اسکی مقدار تقریباً پچاس ورق تھی“ (۲۴۹)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں بارہ (۱۲) ورق فی درہم اجرت نقل تھی۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبداللہ قنطری زاہد المتوفی (۲۶۰)۔ جامع سفیان ثوری کا نسخہ سترہ (۱۷) درہم میں لکھتے تھے (۲۵۰) بعض خاص اسباب کے تحت بعد کے زمانے میں بھی جزء اس حساب سے فروخت ہوا چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں اسعد بن الیاس المتوفی ۵۸۷ھ کے تیار کئے ہوئے خلاصے بولی لگنے پر ایک درھم فی جزء کے حساب سے بکے تھے (۲۵۱) تاہم نامور مصنف کا اپنا لکھا ہوا ایک جزء تقریباً ایک دینار میں بکتا تھا چنانچہ خلیل بصری کی کتاب العین جو اڑتالیس (۴۸) جزء میں تھیں پچاس دینار میں فروخت ہوئی تھی (۲۵۲)۔

مدینۃ السلام بغداد میں کتابت مذکورۂ بالا اجرت پر کی جاتی تھی لیکن دوسرے اسلامی ممالک میں بعض وجوہ سے کتابت کا نرخ مختلف تھا بعض اوقات شناسانِ کتب کو اجرت کتابت زیادہ ادا کی جاتی تھی چنانچہ تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں ابو زرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ نے مصر میں جب امام شافعی کی تصانیف نقل کرائیں تو اجرت کتابت فی کاغذ تقریباً ایک درہم ادا کی تھی‘ موصوف کا بیان ہے۔

میں ۲۳۲ھ میں حج کرتے ہوئے مصر کی طرف نکلا وہاں ٹھہرنے کا بہت کم خیال تھا لیکن علم و استفادہ کا یہاں چلن زیادہ دیکھا تو پندرہ (۱۵) مہینے ٹھہرا‘ امام شافعی کی کتابوں کے سب سے زیادہ واقف کو ڈھونڈا تاکہ ان کا ذخیرہ کتب نقل کرایا جائے۔ اس نے اسی (۸۰) درہم اجرت مانگی‘ میرے دیبا کے دو (۲) کپڑے تھے‘ میں نے انہیں ساٹھ ۶۰ درہم میں بیچا‘ دس ۱۰ درہم میں سو ۱۰۰ ورق کاغذ خرید کر اسے دیا اور کتابیں نقل کرائیں (۲۵۳)

اس دور میں گویا امام مجتہد کا پورا ذخیرہ تصانیف نوے ۹۰ درہم میں فراہم کیا جاتا تھا۔

عہد عباسی میں جوں جوں معیارِ زندگی بلند ہوتا گیا اشیاءِ صرف کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوا اور وراقت اور کتابت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں چنانچہ چوتھی اور پانچوں صدی ہجری میں تقریباً ایک ورق ایک درہم میں لکھا جاتا تھا۔ مشہور ادیب اور قاضی ابو سعید سیرانی المتوفی ۳۶۸ھ مجلس قضاو درس سے قبل ہر روز دس ۱۰ ورق جس کی اجرت دس درہم تھی لکھ کر اٹھتے

تھے (۲۵۴)۔

ابو علی حسن عکبری المتوفی ۳۲۵ھ پانچ درہم کا کاغذ خریدتے جو اتنا ہوتا تھا کہ اس میں متنبی کا دیوان لکھ لیا جاتا تھا (تقریباً متوسط قلم سے موجودہ متوسط تقطیع کے تین سو ۳۰۰ صفحات) وہ لکھنے کے بعد کم از کم ڈیڑھ سو ۱۵۰ درہم ورنہ عموماً دو سو ۲۰۰ درہم میں فروخت کرتے تھے۔

موصوف زود نویس تھے تین ۳ دن میں ایک دیوان لکھتے تھے جو زود نویس نہ ہوتا وہ ہفتہ میں لکھ لیتا تھا۔ اس سے عکبری نے پچیس ۲۵ ہزار درہم کمائے تھے (۲۵۵)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زود نویس کاتب تقریباً پچاس (۵۰) درہم یومیہ اور غیر زود نویس کاتب پچیس (۲۵) درہم یومیہ سے زیادہ پیدا کرتا تھا اس سے وراقت، کتابت کے پیشے میں کمائی کا وراقوں اور کاتبوں کی خوشحالی اور ان کے معیارِ زندگی (Status) کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کتابوں کی قیمت کا ضروریاتِ زندگی سے موازنہ

عہدِ عباسی میں کتابوں کا ذخیرہ بڑھانے اور کتب خانے بنانے پر جو رقم خرچ کی جاتی تھی وہ ضروریاتِ زندگی اور روزانہ استعمال کی اشیاء کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ اس امر کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

"مشہور محدث شعبہ ابن الحجاج (۸۲ ـ ۱۶۰ھ ۷۰۲ ـ ۷۷۶ء) کے مرنے کے بعد ان کے خچر، زین، لگام، بدن کے کپڑے اور جوتے سولہ درہم میں بکے تھے" (۲۵۶)۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں خچر، اس کا ساز و سامان، سوار کا جوڑا اور جوتا سولہ (۱۶) درہم میں آتا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء عہدِ عباسی میں عام پڑھے لکھے انسان کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت اس معمولی رقم سے ہو جاتی تھی اسلئے کہ اس دور میں خچر پانچ (۵) درہم میں، سستی قمیص چار (۴) درہم میں اور عمدہ قمیص آٹھ (۸) درہم میں ملتی تھی (۲۵۷)۔ بعض اوقات ایک امامِ فن ہی کی تصانیف پر ساٹھ دینار خرچ آتا تھا (۲۵۷)۔

مذکورۂ بالا تاریخی شہادت اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ عہد عباسی میں اہلِ علم اور شائقینِ کتب سب سے زیادہ رقم کتب اور کتب خانوں پر خرچ کرتے تھے جو ان کی علمی اور مادی ضرورت کی شاہدِ عدل ہے۔

(۴) گراں قیمت کتابوں کے عوامل

عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو میں کتابیں عام نرخ پر ملتی تھیں لیکن حسب ذیل خصوصیات سے آراستہ کتابیں صحت و ندرت کی وجہ سے عام طور پر گراں قیمت پر دستیاب ہوتی تھیں۔

(۱) معنت یا شارح کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب جیسے خلیل بصری کی کتاب العین جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ مصنف کا اپنا نسخہ تھا پچاس (۵۰) دینار میں بکا تھا (۲۵۵)۔

(الف) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کا اپنا لکھا ہوا نسخہ

(ب) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کا صحت کردہ نسخہ

(ج) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کے تلمیذِ خاص کا نسخہ

(د) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کا صحیح کیا ہوا یا اس سے پڑھا ہوا نسخہ

(ہ) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کے وراق کا لکھا ہوا نسخہ

(و) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کے نسخہ سے منقول و مقابلہ کیا ہوا نسخہ

(ز) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کی آخری عمر کا نسخہ (بشرطیکہ حافظہ' درست رہا ہو)

(خ) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار سے قریب العہد نسخہ

(۲) اہلِ علم کا تصحیح کیا ہوا نسخہ (۲۶۱)

(۳) نامور وراق کا لکھا ہوا نسخہ

(۴) عالم یا علماء کے زیرِ مطالعہ نسخہ

(۵) عالم یا عالم کے حواشی سے آراستہ نسخہ (۲۶۲)

(۶) مشہور صحیح نویس کا لکھا ہوا نسخہ جیسے یوسف بن خرز النجیرمی المتوفی ۴۲۳ھ کا لکھا ہوا دیوانِ جریر و طبقات الشعراء ابنِ سلام میں سے ہر ایک مصر میں بیس (۲۰) دینار میں فروخت ہوتا تھا (۲۶۳)۔

(۷) نامور خطاط کا لکھا ہوا نسخہ

(۸) عمدہ کاغذ پر خوشخط لکھا ہوا نسخہ

(۹) کسی وزیر، امیر کبیر، عالم یا بادشاہ یا بزرگ کے خزائنِ کتب کا نسخہ (۲۶۴) اکثر شاہی کتب خانہ کی کتابوں پر "رسم خزانۃ الملک" کے الفاظ لکھے ہوتے تھے (۲۶۵) یا کسی وزیر، امیر یا بزرگ کا یا کسی کے کتب خانے کی کتابوں پر ان میں سے کسی کا نام لکھا ہوتا۔

(۱۰) بادشاہ، وزیر، عالم و صاحب فن میں سے کسی کے نام معنون کیا ہوا نسخہ

(۱۱) ان مذکورہ بالا شخصیات میں سے کسی کیلئے تیار کیا ہوا یا کرایا ہوا نسخہ

(۱۲) کسی کتاب کا مشکول (اعراب لگایا ہوا) نسخہ

(۱۳) نقش و نگار سے آراستہ کتاب، **مطلا** و مذہب نسخہ

(۱۴) خوشنما مجلد نسخہ (۲۶۶)

(۱۵) مصور نسخہ (۲۶۷)

(۱۶) امہات الکتب۔ ہر فن کی امہات الکتب بھی گراں قیمت میں دستیاب ہوتی تھیں۔

(۱۷) فنی کتابیں (Technical Books)۔ چنانچہ بطلیموس کی فن ہیئت میں مشہور کتاب **المجسطی** کا نسخہ چوتھی صدی ہجری میں بیس (۲۰) دینار میں فروخت ہوا تھا (۲۶۸)۔ یا مثلاً ابو علی بن ابو الہیثم بصری المتوفی ۲۳۰ھ کی نقل کردہ اقلیدس، کتاب المتوسطات اور کتاب **المجسطی** کا نسخہ ڈیڑھ سو (۱۵۰) دینار سے کم میں فروخت نہیں ہوتا تھا (۲۶۹)۔

(۱۸) دائرۃ المعارف کی قسم کی کتابیں۔ چنانچہ ابو نعیم اصفہانی کی کتاب الحلیہ (جو صوفیاء و تصوف کا دائرۃ المعارف ہے) ان کی حیات میں نیشاپور پہنچی تو چار سو (۴۰۰) دینار میں بکی تھی (۲۷۰)۔

(۱۹) غیر زبانوں سے ترجمہ شدہ کتابیں، اس قسم کی کتابوں کی قیمت عربی کتب کی نسبت زیادہ ہوتی تھیں، ہاتھوں ہاتھ نکلتی اور مملکتوں میں تاجروں کے ذریعہ دور دور تک پہنچ جاتی تھیں (۲۷۱)۔

(۲۰) وہ کتابیں جن کا چلن کم ہوتا یا جن کی طرف اہلِ علم کی رغبت کم ہوتی تھی وہ بھی گراں قیمت پر ملتی تھیں۔

(۲۱) کسی کتاب کا پہلا نسخہ جب کسی دیار میں پہنچتا تو گراں قیمت میں فروخت ہوتا تھا چنانچہ کتاب الرسالہ جو مالکی فقہ کے چار ہزار (۴۰۰۰) مسائل اور چار سو (۴۰۰) حدیثوں پر مشتمل مختصر و مقبول رسالہ ہے افریقہ سے ایشیا میں آیا اور مرکزِ خلافت بغداد میں ابن ابی زید قیروانی کا نسخہ فقیہ ابو بکر ابہری المتوفی ۳۷۵ھ کے حلقہ درس میں بیس (۲۰) دینار میں بکا تھا (۲۷۲)

(۲۲) مشاہیر اہلِ علم کی مہروں یا دستخطوں سے آراستہ نسخہ

(۲۳) قدیم الخط نسخہ مثلاً ایشیائی رسم الخط جیسے کوفی، بصری، بغدادی، نیشاپوری افریقی جیسے قیروانی، مراکشی یا اندلسی خط میں لکھا ہوا۔

(۲۴) حواشی سے آراستہ ابواب و فصول سے ممتاز نسخے

قلمی کتابوں کی اہمیت و ندرت کی وجہ سے گراں قیمت ہونے کے یہ وہ عوامل ہیں جو عہد عباسی میں کار فرما تھے اور کم و بیش آج بھی ان پر عمل کیا جاتا ہے اور یہی وہ اساسی اصول ہیں جن کو مسلمانوں نے قلمی نسخوں کی علمی تحقیقات میں بنیاد بنایا۔ ان کے یہ قیمتی اصول آج بھی تحقیقِ متن میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں اور کتب خانوں کی عظمت و شہرت کا باعث ہیں ان اصول سے ابن الندیم کی کتاب الفہرست میں اعتناء کیا گیا ہے البتہ تاریخِ کتب خانہ میں پہلی مرتبہ ان کا احاطہ اور انہیں منضبط کیا گیا ہے۔

(۵) سستی کتابوں کے عوامل

کتابیں عام طور پر مروجہ نرخ پر ملتی تھی لیکن بعض اوقات حسبِ ذیل اسباب کی وجہ سے کتابیں سستی بھی بل جاتی تھیں۔

(۱) حملہ ہوتا اور فوج کشی سے جب تباہی آتی، مدرسے، کتب خانے اور علمی خانوادے برباد ہوتے، وزیروں، امیروں کے محلات لٹتے، اوباش کتابیں لے جاتے اور انہیں کوڑیوں کے مول بیچتے تھے۔ سنہ ۵۹۸ھ میں عراق پر حملہ ہوا تو نیم دانگ (۲۷۳) میں ایک من کتابیں تول کے حساب سے بکی تھیں (۲۷۳)۔

(۲) کبھی ناواقف لوگ فی الفور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کتاب سستی بیچتے اور خریدار بلا طلب سستے داموں خرید لیتے تھے۔ ابن سینا کو ایک ضرورت مند سے بلا طلب ابو نصر فارابی کی کتاب **مابعد الطبیعہ** اسی طرح کوڑیوں میں ہاتھ آئی تھی (۳۷۵)۔

(۳) جب کوئی عالم مرتا اس کے ذخیرۂ کتب کی کتابیں نسبتاً سستی فروخت ہوتی تھیں اس لئے اہلِ علم گنجائش نہ ہونے کے باوجود زیادہ تعداد میں کتابیں خریدتے تھے۔ چنانچہ ابن طرخان کے ترکہ سے ابو حیان توحیدی نے ۳۷۰ھ میں بہت سی کتابیں خریدی تھیں (۲۷۶)۔

(۴) ناقص و عیب دار کتابیں سستی فروخت ہوتی تھیں، کتابوں کے شوقین بعض نادار یا بخیل یا عیار اور کتاب شناس شوقین عالم جب کتابوں کے ڈھیر سے کوئی کتاب نکالتے وراق اس کتاب کی اہمیت و ندرت کو پالیتا اور اسی لحاظ سے وہ کتاب کے دام مانگتا تھا مگر یہ کتابیں سستی خریدنے کی غرض سے غیر اخلاقی حرکت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے کتاب دیکھتے دیکھتے اس کو پھاڑ دیتے ورق نکال لیتے اور کسی نہ کسی طرح کتاب میں نقص پیدا کرکے اسے کم قیمت میں خرید لیتے تھے۔ چنانچہ مشہور نحوی ابن الخشاب المتوفی ۵۶۷ھ اس طرح کتاب خریدتا تھا (۲۷۷)۔ ابوالخیر

مسیحی بن ابی البقا المتوفی ۶۰۸ھ کا بھی یہی وطیرہ تھا(۲۷۸)۔

(۵) شریف خاندان کی بعض مصیبت زدہ خواتین اپنا بھرم قائم رکھنے اور ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے نیز بدنامی سے بچنے کے لئے خاندانی ذخیرے چوری چھپے اونے پونے بکواتی تھیں اس طرح لوگوں کو سستی کتابیں مل جاتی تھیں۔ چنانچہ ہندو شاہ نخجوانی کا بیان ہے کہ ایک عورت اوراق دکراریس اور بڑے کاغذات کا پلندہ بیچنے کے لئے میرے پاس لائی اور بہت سستا دے گئی میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ابن مقلد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک دفتر تھا(۲۷۹)۔

(۶) بعض وہ لوگ جنہیں ترکہ میں کتابیں ملتی تھیں وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے تھے یہ لوگ کھڑے کھڑے سوق الوراقین میں دلالوں سے بولی لگوا کر کتابیں نکال دیتے تھے۔ اس قسم کی کتابیں بھی سستی مل جاتی تھیں (۲۸۰)۔

(۷) کال (قحط) پڑتا اور لوگوں کے پاس کھانے کو نہیں رہتا تو بھی لوگ کتابیں سستی بیچ کر پیٹ کی آگ بجھاتے تھے۔

تاتاریوں نے بغداد کو تباہ کیا' اہل بغداد دانے دانے کو ترس گئے اہلِ حلہ و اہلِ کوفہ بغداد میں کھانے کا سامان لا کر بیچتے اس کے عوض قیمتی کتابیں بہت ہی سستی خرید کر لے جاتے' اس طرح ذخیرہ اندوزی سے وہ بہت جلد مالدار بن بیٹھے تھے (۲۸۱)۔ گویا قحط سالی نے زرعی معیشت کے کارکنوں (کسانوں) کے گھروں میں بھی کتابیں پہنچا دی تھیں۔ کتابوں کے سستا ہونے کے مذکورۂ بالا عوامل آج بھی اس طرح کار فرما ہیں جس طرح عہدِ عباسی میں کار فرما تھے۔

(ج) عہدِ عباسی کے کتب فروشوں کی خصوصیات

(۱) اس دور میں کتب فروش اور وراق عام طور پر عالم ہوتے تھے۔ وہ کتابیں صحیح نقل کر کے مناسب داموں پر فروخت کرتے قدر دانوں اور ضرورت مندوں کی علمی ضروریات کی تکمیل کرتے، پسندیدہ کتابیں مہیا کرتے تھے، طلب و رسد کے فروغ اور علوم و فنون کی نشرو اشاعت کی غرض سے دلالِ کتب، اہل علم، اہلِ خیراور شائقینِ کتب کے مکانوں پر کتابیں پہنچاتے تھے۔ چنانچہ وراقوں کی جماعت ابو نصر سہل بن مرزبان نزیل نیشاپور کے محل سرا میں کتابیں دکھانے آتی تھی (۲۸۲) یاقوت رومی، جمال الدین قفطی کو کتابیں پہنچاتے تھے (۲۸۳) اہلِ علم جہاں کہیں جاتے کتابیں نقل کرنے کے لئے وراقوں کی جماعت ساتھ لے جاتے تھے (۲۸۴)۔

(۲) عہد عباسی میں بعض کتب فروش اور وراق کتابوں کی تجارت ہی نہیں کرتے بلکہ گوناگوں موضوعات پر تحقیقی، علمی کتابیں بھی تصنیف و تالیف کرتے تھے جیسے یاقوت رومی وغیرہ۔

(۳) دورِ عباسی میں بعض کتب فروشوں نے تجارتِ کتب کے ساتھ علم کتاب داری کو بھی بہت ترقی دی چنانچہ بقول بعض ابن الندیم وراق نے چوتھی صدی ہجری میں عربی زبان کی قومی کتابیات (National Bibliography) "الفہرست" مرتب کرنے کی کوشش کی جس میں عباسی قلمرو کے علمی و تحقیقی سرمایہ خاص طور پر دارالخلافہ بغداد، موصل وغیرہ کا جائزہ پیش کیا اور ان کتابوں کا جو اس کی نظر سے گزری تھیں کہیں اجمالی اور کہیں تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ مصنفین کے حالات بھی قلمبند کئے جس سے چوتھی صدی ہجری تک گوناگوں علوم و فنون اور ہر علم کے مختلف شعبوں میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کے متعلق بیش قیمت معلومات ملتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ گوناگوں اصناف علوم پر کتنی تالیفات ہو چکی تھیں۔

(۴) عہدِ عباسی کے بعض وراق نے وراقت کے پیشہ کے ساتھ علوم و فنون کا نہایت مبسوط دائرۃ المعارف بھی ترتیب دیا تھا۔ چنانچہ ابو الوفا علی بن عقیل بغدادی المتوفی ۵۱۳ھ نے اسلامی تاریخ میں کتاب الفنون کے نام سے نہایت جامع دائرۃ المعارف تالیف کیا تھا جس کے متعلق اربابِ تذکرہ کا بیان ہے کہ یہ دو سو سے آٹھ سو مجلدات کے مابین تھا (۲۸۵)۔

(۵) عہد عباسی کے وراق ابن الندیم وغیرہ کتابوں کے اندرونی اسرار و خزائن سے بھی اچھی طرح واقف ہوتے تھے اور اپنی کتابیات کے ذریعہ اہلِ علم کو بھی باخبر رکھتے تھے (۲۸۶)۔

وراق و کتب فروش عالم کے علمی و ادبی ذوق سے اس کی اولاد خاندان بھی متاثر ہوتا تھا۔ چنانچہ اندلس میں چوتھی صدی ہجری میں تاجرِ کتب ایاد بن عبداللہ عوفی وادی اشی کی دو بیٹیاں حمدہ

اور زینب بلند پایہ شاعرہ تھیں۔ حمدہ خنساء مغرب کے لقب سے ممتاز تھیں اور دیگر اصناف علوم میں بھی ماہر تھیں (۲۸۷)۔

(۶) گشتی اشاعت، عہد عباسی کے وراقوں نے گشتی اشاعتِ کتب (Moveable Publishing) کا آغاز کیا چنانچہ وراقوں کی جماعت اہل علم کے ہمراہ جاتی اور کتابیں نقل کر کے شائع کرتی تھی (۲۸۷)۔ ازمنۂ قدیمہ و متوسطہ میں یہ تو ہوتا تھا کہ ایک منزل پر کوئی معبد و محل یا ادارہ ہوتا اس میں کاتب از خود اپنے فن کا مظاہرہ کرتا تھا لیکن ان ادوار قدیمہ و متوسطہ میں کہیں ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کاتب و خوشنویس (Scribe) جماعتوں کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنا کام کرتے ہوئے جاتے ہوں اور منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے اپنا ہنر جاری رکھتے ہوں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تحریک ابلاغ علم و کتب کی ابتداء اسلام سے ہوئی اور مسلمانوں نے علم کی تلاش میں کوچہ، شہر، ملک ہی نہیں براعظموں کو بھی چھان مارا تھا۔ ان کا یہ سیر و سفر خالی نہیں ہوتا تھا وہ اگر خود خطاط نہیں ہوتے تھے تو اپنے ساتھ وراق و خطاط رکھتے تھے۔ یہ جگہ جگہ کتابیں نقل کرتے رہتے اس طرح ان کے فن کی بھی نمائش ہوتی رہتی تھی (۲۸۸)۔

عہدِ عباسی میں تجارتِ کتب فن کی حیثیت سے اتنی ترقی کر چکی تھی کہ بقول بعض ابن الندیم کو بک سیلر کیٹلاگ (Book-seller Catalogue) تیار کرنا پڑا تھا اور اس کیٹلاگ کے اسباب و علل میں صرف تجارت، و نفع اندوزی ہی کار فرما نہ تھی بلکہ علم کتاب داری کی تاریخ میں بک سیلر کیٹلاگ کی ابتداء اسی "الفہرست" سے ہوتی ہے۔ ابن الندیم نے اس میں بعض کتب اور مصنفین کے متعلق بیاض چھوڑی تھی اور ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ اس کے تجربہ و مشاہدہ میں نہیں آئے تھے ان مقامات پر نہ وہ خود جا سکا تھا نہ وہ ان مصنفین سے مل سکا تھا، نہ ان کتابوں کو دیکھ سکا تھا، نہ وہ ان کے متعلق اپنے دوستوں سے معلومات حاصل کر سکا تھا، لہٰذا دیانتدارانہ طور پر اس نے ان مقامات کو چھوڑ دیا تھا (۲۹۰)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات کی ترتیب میں دیانتداری کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ہمارے مذکورۂ بالا (اخذ کئے ہوئے) نتائج کی تصدیق وان کریمر بھی کرتا ہے وہ ابن الندیم کے متعلق کہتا ہے۔

"اسلام سے پہلے کی تاریخ میں یہ باتیں ہمیں کسی کتب فروش کے بارے میں نہیں ملتی ہیں" (۲۹۱)۔

عہدِ عباسی کے کتب فروش اور وراقوں کی یہ وہ خصوصیات و کارنامے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی کے تاجروں میں ضابطۂ اخلاق وغیرہ بھی پایا جاتا تھا جس کا سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ضابطۂ اخلاق (Code of Ethics) گو آج مرتب شکل میں ہمارے پاس موجود نہیں ہے لیکن وہ کوڈ (Code) ہی تھا جس کی وجہ سے جعلسازیاں منظرِ عام پر آتی تھیں۔ اور ایک تاجر سے دوسرے تاجر کو اس کی خبریں پہنچتی تھیں چنانچہ وہ اس قسم کے کام کے لئے خاص الفاظ جیسے وضع، تزید، اختلاق، انتحال اور ایسے افراد کے لئے ”واضع““ **مختلق، منتحل** اور متزید وغیرہ کی الفاظ اور اصطلاحات بول کر ایک دوسرے کو صورتِ حال سے باخبر کرتے تھے۔ محدثین اور وراقوں میں ان کا استعمال زیادہ پایا جاتا ہے اس طرح اہلِ علم اور وراقوں کو جلد ہی ان جعلسازوں اور ان کی جعلسازیوں کا علم ہو جاتا تھا حالانکہ اس دور میں آج کے سے ذرائع ابلاغ یکسر مفقود تھے (۲۹۲)۔

(۲) تحقیق اور جائزہ (Need of research and Surveys) فنِ کتب فروشی میں تحقیق و جائزہ کی ابتداء مسلمانوں نے کی تھی وہ اس دور میں کتب خانوں کا جائزہ لینے کی بھرپور کوشش کرتے تھے، جن کا مظاہرہ ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ جو وہ کتب خانوں کے ذخائر کی کمیت و کیفیت کی نشاندہی کے لئے استعمال کرتے تھے یہ نشاندہی جائزے کے بغیر ناممکن تھی، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جائزہ کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے جس کی تفصیل باب اول میں گزر چکی ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ یہ جائزہ صرف اہلِ علم و شائقین کتب ہی نہیں لیتے تھے بلکہ وراق و کتب فروش بھی یہ کام کرتے تھے چنانچہ اہل علم و شائقینِ کتب کے مرنے کے بعد ان کے ذخائر و کتب کی تعداد کے بارے میں ان کے پاس معلومات ہوتی تھیں اس لئے انہیں سودا کرنے میں آسانی ہوتی تھی (۲۹۳)

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی کے وراقوں میں اس امر کا شعور موجود تھا کہ وہ کاروباری اصول کے تحت فنِ کتب فروشی ہی پر نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ کتابیاتی نقطۂ نگاہ سے بھی ان کی نظر اتنی گہری ہوتی تھی کہ جعلسازوں سے جلد واقف ہو جاتے تھے اور ان کے استحصال کا تدارک کرنے کے لئے اہلِ علم کو اس صورتِ حال سے آگاہ کرتے تھے۔ جعلسازی اور جعلسازوں کے لئے ان کے اصطلاحی الفاظ اس امر کا بین ثبوت ہیں۔

(د) کتابیات و مختصرات اور دیگر مراجعاتی مواد

NEED OF BIBLIOGRAPHIES, HAND-BOOKS AND OTHER REFERENCE MATERIALS

(۱) عہدِ عباسی میں ذخائر کی وسعت کے پیشِ نظر ان کا احاطہ کرنے کے لئے کتابیات کی داغ بیل پڑ چکی تھی، مصنف وار کتابیات (Author-wise Bibliography) کا رواج عام ہو گیا تھا۔ یونین کیٹلاگ بھی تیار کیا جانے لگا تھا جس کا ایک ابتدائی نمونہ ابن الندیم کی الفہرست ہے۔ مصطلحاتِ فن پر علیحدہ مختصر ہینڈ بک لکھی جانے لگی تھیں، جیسے ابنِ سینا کا رسالة الحدود فن طب کی، اور فقہ کی مصطلحات میں ابوالبرکات نسفی کی طلب الطلبہ اور متداول علوم کی مصطلحات میں خوارزمی کی مفاتیح العلوم طبع ہو چکی ہیں نیز ہر قسم کی معلومات کے لئے دائرۃ المعارف بھی مرتب کئے جاتے تھے۔

(۳) اجتماعی تشہیر (Cooperative Adveritsement) عہدِ عباسی میں املاء و روایت کے ذریعے اجتماعی تشہیر کی جاتی تھیں اس کا مرکز مسجدیں، املاء کی مجالس اور درسگاہیں تھیں (۲۹۴)۔ سوق الوراقین کے وراق، گماشتے اور دلال کتب متون اور شرحوں کے متعلق تبصرے کرتے تھے ان سے کتابوں کی تشہیر ہوتی تھی اور ان مراکز میں اہتمام سے گماشتوں، وراقوں، دلالوں کی آمدورفت اجتماعی تشہیر کا باعث تھی، محل سرا اور دربار میں وراق خبریں اور کتابیں پہنچاتے تھے (۲۹۵)۔

اس طرح وراقوں کی معرفت کتابوں کی انفرادی و اجتماعی تشہیر کا سلسلہ جاری تھا۔

(۴) مختلف مسلک و نظریات رکھنے والی جماعتیں جیسے معتزلہ، ناصبیہ، حشویہ وغیرہ حکومت کے تعاون سے فنِ تجارت کتب کو بڑھانے کے لئے تعاون کرتی تھیں۔ چنانچہ معتزلہ کے ہمنوا فرمانروا ان کے مسلک کو فروغ دیتے، ان کی سرپرستی کرتے اور ان کے مسلک کی کتابیں خرید کر جمع کرتے تھے (۲۹۶)

(۵) ہم مذاق بادشاہوں، وزیروں کی وجہ سے انہیں ایک گونہ سرکاری سرپرستی حاصل ہوتی تھی۔ (۲۹۷)

(۶) حکومت کتابیں خرید کر شاہی خزانة الکتب میں ذخیرہ کرتی، پھر عوامی کتب خانوں، نامور عالموں کو کتابیں اور مصحف پہنچاتی تھی۔ (۲۹۸)

(۷) حکومت خود کتابیں اور شرحیں لکھواتی ان پر وظائف دیتی تھی۔ (۲۹۹)

(۸) ان کی مرویات اور کتب کو وقف عام کراتی تھی (۳۰۰) چنانچہ فراء کو بیت الحکمہ میں کتابیں املاء کرانے کے لئے رکھا گیا تھا (۳۰۱) ابو اسحاق زجاج کو "جامع المنطق" کی شرح لکھنے پر تین مدوں سے وظیفہ جاری کیا گیا تھا (۳۰۲) "مئوطا" کی تالیف پر منصور نے سرکاری تعاون کی یقین دہانی کرائی تھی (۳۰۳) لیکن امام موصوف نے اپنے مسلک کا سب کو پابند کرنے سے گریز کیا اور سرکاری پیشکش کو قبول نہیں کیا تھا (۳۰۴) بقی بن مخلد کو ان کے مشرق (ایشیاء) سے لائے ہوئے علمی ذخیرے کو وقف عام کرنے کا حکم دیا گیا تھا (۳۰۵)۔

(۲) عہدِ عباسی کے معیاری ناشرین

عہد عباسی میں اسلامی قلمرو میں حسب ذیل قسم کے ناشرین کو معیاری و مستند ناشرین کی حیثیت حاصل تھی ان کی لکھی ہوئی اور شائع کی ہوئی کتابوں کو صحت و ضبط میں استناد کا درجہ حاصل تھا ان کی لکھی ہوئی کتابوں پر لوگ ٹوٹ پڑتے تھے (۳۰۴)۔

(۱) مصنفین و شارحین اپنی کتابوں کے مستند ناشر تھے جو کتابیں وہ املاء کرتے تھے یا ان کی تصنیفات اور شرحیں جو ان کی زیرِ نگرانی نقل کی جاتی تھی یا ان پر ان کے دستخط ثبت ہوتے تھے وہ جامع، معیاری و مستند کتب اور نسخے سمجھے جاتے تھے (۳۰۵)۔

(۲) صاحبِ طرز خوشنویس، جیسے ابن مقلہ، ابن البواب وغیرہ۔

(۳) نامور خوشنویس و کاتب (۳۰۸)

(۴) درست نویس (۳۰۹)۔

(۵) علماء و مصنفین کے وراق (۳۱۰)

(۶) اچھے ضابط (مشکل الفاظ پر صحت کے ساتھ اعراب لگانے والے) اور مصحح۔

(۷) راویانِ کتب (Narrators of the Books) جیسے امام بخاری کے شاگرد فربری وغیرہ کے نسخے (۳۱۱) یا ابو عبیدہ کی کتابوں کے اصمعی کے ایڈیشن، ابو عبیدہ معمر کے تلمیذ ابو غسان کے ایڈیشن۔

(۸) خاص خاص اصنافِ علم کے ناشر، جیسے ابو سعید حسن بن حسین سکری المتوفی ۲۷۵ھ دواوینِ عرب کا ناشر تھا، یہ جس کا دیوان لکھتا اس کے کلام کا کوئی حصہ چھوڑتا نہ تھا (۳۱۲) ابو یحیٰ زکریا بن یحیٰ جاحظ کی کتابوں کا ناشر تھا (۳۱۳)۔

(۹) وہ اربابِ تدریس جن کے پاس اہل علم سفر کر کے آتے تھے وہ اپنی مرویات اور اپنے اساتذہ کی تالیفات کے مستند ناشر تھے ان کے تلامذہ میں بعض ان کتابوں کے ناشر ہوتے

تھے وہ کتابیں لکھتے اور نقل کر کے بیچتے بھی تھے۔

عہد عباسی میں اسلامی قلمرو میں فروغِ تجارت کتب کے عوامل حسب ذیل تھے۔

(۱) مسلمانوں کے کتاب و سنت سے جذباتی لگاؤ نے کتابی صورت میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت کا ان میں بے پایاں جذبہ پیدا کیا تھا۔

(۲) روز افزوں تعلیمی حلقوں کی وسعت اور نصابی و غیر نصابی کتب کی طلب۔

(۳) علمی و تحقیقی ضروریات کی تکمیل کے لئے کتابوں کی ضرورت۔

(۴) وقف کے ترقی پذیر سلسلے کی فراوانی۔

(۵) ہدایا۔

(۶) جمع کتب کا شوق۔

(۷) بڑے پیمانے پر کتب خانوں کے قیام کا اہتمام۔

(۸) مکانی زیب و زینت کے لئے کتابوں کی احتیاج

(۹) وراقت و کتابت کا سود مند ذریعۂ معاش کی حیثیت اختیار کر جانا

(۱۰) وراقت و کتاب کا معاشرہ میں منفعت بخش کاروبار کے علاوہ تحقیق و تسکین ذوق کا بھی اہم ذریعہ بن جاتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں وان کریمر کا یہ کہنا کہ ”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص تجارتی نقطہ نظر سے کتابوں کی تجارت کتنی تھی اور اس نے کتنی ترقی کی تھی“ (۳۱۴)۔ ہمارے اخذ کئے ہوئے نتائج کی تصدیق کرتا ہے۔

(۵) اشاعتِ کتب کی صورتیں

اوائلِ عہدِ عباسی میں کتابوں کی نشرواشاعت کی منجملہ اور صورتوں کے ایک صورت یہ بھی تھی کہ مولف اپنی تالیفات خود خواہشمندوں تک پہنچاتا تھا۔ چنانچہ ابو عمرو اسحاق بن مرار شیبانی المتوفی ۲۱۰ھ نے اسی (۸۰) سے اوپر شعراء عرب کا کلام مدون کیا تھا۔ موصوف کا معمول تھا کہ جس قبیلے کے شاعر کا کلام قلمبند کرتے اسے اسی قبیلہ میں پہنچاتے تھے۔ اس سے اس کے دیوان کی خوب اشاعت ہوتی تھی (۳۱۵)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اوائلِ عہدِ عباسی میں اسی قبیلوں میں سے ہر قبیلہ میں کتب خانے کے قیام کیلئے موصوف کی بے نظیر خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

عہدِ عباسی میں کتابوں کی توسیع واشاعت میں اجازت روایت کتب نے بھی نہایت اہم کردار ادا کیاہے۔ "اجازہ" قابلیت کی سند واجازت جو استاد کی علمی املاک پر تصرف کو ثابت کرتی تھی!

(۱) کبھی زبانی
(۲) کبھی تحریری ہوتی
(۳) کبھی وراثتاً
(۴) کبھی بالواسطہ پہنچتی تھی۔

یہ کبھی اول کتاب میں، کبھی جداگانہ ورق پر لکھی جاتی تھی اس پر استاد کے دستخط ثبت ہوتے تھے۔ محدثین نے اجازہ کی جو گوناگوں صورتیں روا رکھی ہیں ان سے علوم وکتب کی مستند نشر واشاعت ہوئی۔

محدثین نے "اجازہ" کی جو صورتیں بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) شیخ کتابوں کو سن کر یا پڑھ کر یا پڑھوا کر طالب کو زبانی روایت کتاب کی اجازت دے یہ اجازت بالمشافہ ہے (۳۱۶)

(۲) شیخ اگر لکھ کر اجازت دے تو اسے اجازت بالمکاتبہ کہا جاتا ہے۔

(۳) شیخ اگر اپنا اصلی نسخہ یا اس کی نقل طالب کو دے یا طالب کے پاس جو اصلی نسخہ شیخ کا ہو اسے لے کر طالب کو دے تو اسے مناولہ کہا جاتا ہے خواہ مالک بنائے خواہ عاریتاً دے تاکہ طالب اسکو نقل کر کے مقابلہ کر لے (۳۱۷)

(۴) کسی طالب کو اگر کوئی ایسی کتاب کہیں سے مل گئی جس کا کاتب کوئی معلوم محدث ہو تو اسے وجادہ کہا جاتا ہے اس میں طالب **وجدت بخط فلاں** (میں نے فلاں کے قلم سے لکھا ہوا پایا) کہہ کر روایت کر سکتا ہے ایسی صورت میں **اخبرنی فلاں** (مجھے فلاں نے خبر دی) کے الفاظ سے روایت کرنا جائز نہیں (۳۱۸)۔

(۵) کسی محدث نے بوقتِ وفات یا بوقت سفر کسی کو وصیت کی کہ میری یہ کتاب یا کتابیں فلاں شخص کو دی جائیں تو اسے وصیتہ بالکتاب کہا جاتا ہے۔ متقدمین میں سے ایک فریق صرف وصیت سے موصی لہ‘ کے واسطے ان کتابوں سے روایت کرنا جائز سمجھتا ہے مگر جمہور اسکی اجازت نہیں دیتے (۳۱۹)۔

(۶) اگر کسی شخص نے یہ کہا ”میں نے فلاں شہر والوں کو اجازت دی“ اس میں چونکہ ایک قسم کا انحصار ہے اس بناء پر اس شہر والوں کو اس سے روایت کرنا درست ہے (۳۱۲)۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ محدثین نے غیر معمولی احتیاط کے ساتھ ہر ممکن صورت میں علم کے ابلاغ اور کتاب کی نشرواشاعت کی سعی بلیغ کی ہے اس لئے محدثین کے یہاں کتب خانوں کی تعداد سب سے زیادہ رہی ہے۔

عہدِ عباسی کے ابتدائی دور میں زنادقہ کے تخریبی ادب سے بھی کتابوں کی اشاعت بڑھی تھی زندیقوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملحدانہ نظریات کی اشاعت کیلئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کی خاطر کتابیں نہایت نفیس کاغذ پر بہترین سیاہی و بہترین خط سے لکھوا کر کھلی مارکیٹ میں لانے لگے تاکہ ان کی کتابیں نفاست‘ خوبصورتی حسنِ خط کی وجہ سے بازار کتب‘ کتب خانوں اور شائقین کتب کے گھروں میں پہنچیں اور اہلِ علم کی مرکز توجہ بنیں‘ اس طرح سے ان کے افکار و نظریات کی تشہیر ہوتی تھی۔

(۱) اشاعتِ کتب کی موڈرن ٹیکنیک کی بنیاد عہد عباسی میں

اس ترقی یافتہ دور میں کتابوں کی نکاسی کے موثر ذرائع‘ کامیاب ترین ٹیکنیک‘ بہتر کاغذ کا استعمال‘ بہتر سیاہی‘ بہتر کتابت وطباعت اور دیدہ زیب گیٹ اپ (Get-up) خوبصورت وپائیدار جلد کی داغ بیل عہدِ عباسی کے اوائل میں زنادقہ کی سرگرمیوں سے معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھی‘ جاحظ کا بیان ہے کہ:

(۱) زنادقہ کی کتابیں بہترین سفید کاغذ پر نہایت عمدہ سیاہی سے بہت نفیس خط میں لکھی جاتی تھیں (۳۲۱) حالانکہ ان کی کتابیں علوم وحکمت سے خالی ہوتی ہیں نہ ان میں کوئی کہاوت ہوتی ہے نہ

کوئی اچھی بات ملتی ہے نہ کوئی ادبی صفت پائی جاتی ہے اور نہ کوئی حکمت وفلسفہ ہوتا ہے نہ کوئی کلامی مسئلہ ان میں نظر آتا ہے نہ کسی صنعت کی تعریف ہے نہ کسی اوزار کے بنانے کی ترکیب لکھی ہے نہ کھیتی باڑی کی تعلیم ہے نہ فنِ حرب کی تدابیر سے بحث ہوتی ہے نہ مذہبی مناظروں سے کوئی تعرض ہوتا ہے وہ کفر وظلمت کے ذکر سے بھری ہوتی ہیں، شیاطین کی افزائش نسل کی داستان جن بھوت کے جھتی کے طریقوں کے بیان سے پر ہوتی ہیں یہ سب فضول، بیکار باتیں ہیں، خرافات ہیں، ہنسی ٹھٹھے کے قصے ہیں، ان میں نہ کوئی اچھی نصیحت ملتی ہے نہ کوئی دلچسپ خبر، نہ معاش کی تدابیر سے بحث ہوتی ہے نہ سیاستِ عامہ کا ذکر اور نہ کوئی خاص ترتیب پر وہ مبنی ہوتی ہیں اب دیکھو کونسی کتاب سب سے زیادہ جاہل رکھنے والی ہے" (۳۲۲)۔

(۲) لغو اور مخربِ اخلاق لٹریچر پر پابندی

اسلامی تعلیمات پر مبنی ادب کی حفاظت، اسکی ذخیرہ سازی شریعت کی رو سے نہایت پسندیدہ اقدام ہے۔ یہ حالات کے پیشِ نظر کبھی فرض واجب کبھی مستحب اور کبھی مباح ہوتی ہے (۳۲۳) جس ادب سے قوم میں تفرقہ واختلاف رونما ہونے کا خطرہ ہو یا وہ اخلاق پر برا اثر ڈالتا ہو اسے پروان چڑھانے کی اسلام میں گنجائش نہیں، ایسے گمراہ کن ادب پر پابندی لگائی جاتی ہے اسے کوئی تباہ کرتا ہے تو اس پر شرعاً جرمانہ نہیں (۳۲۵)۔ اس قسم کے لٹریچر سے معاشرہ بگڑتا ہے لوگوں کی اخلاقی حالت برباد ہوتی ہے اس وجہ سے علماء زنادقہ کے لغو، مخرب اخلاق اور تخریبی لٹریچر پر پابندی کا حکومت سے مطالبہ کرتے تھے پھر حکومت ان کتابوں کو نذرِ آتش کراتی تھی۔

یہی وہ زریں ورہنما اصول ہیں جن کی بنیاد تیسری صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانوں نے رکھی تھی اور آج بھی دنیا میں ان پر عمل کیا جاتا ہے چنانچہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی سوقیانہ ادب و مخربِ اخلاق کتابون کی اشاعت کی حکومت اجازت نہیں دیتی بلکہ ایسی کتابیں قابلِ ضبطی قرار دیتی ہے پڑھا لکھا طبقہ بھی اس کو ناقابلِ التفات سمجھتا ہے کیونکہ یہ خرافات کا پلندہ ہوتا ہے۔ اس سے معاشرتی زندگی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اسلام نے مسلمانوں کو ان باتوں سے روکا ہے۔

(۳) اوائلِ عہدِ عباسی کے پسندیدہ اور مروجہ علوم

اوائلِ عہدِ عباسی میں حدیث، فقہ، ادب، فلسفہ و حکمت اور صنعت وحرفت سے متعلق علوم کا چرچا تھا اور اس قسم کی کتابوں کو پسند کیا جاتا تھا اس امر کا اندازہ ایک نامور ناقد پاکستانی ابراہیم بن السندی کے زنادقہ کی کتابوں پر تبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"زنادقہ کی کتابیں ان انواعِ علوم ومعارف سے خالی ہوتی ہیں جن کا عوام میں چلن

اور مانگ ہے وہ:

(۱) حکمت کی

(۲) فلسفہ کی

(۳) فقہ و حدیث کی

(۴) ادب کی اور

(۵) رہنمائی کی کتابیں ہیں اور

(۶) ایسی کتابیں پسند کی جاتی ہیں جن کا تعلق لوگوں کی صنعت و حرفت، تجارت۔

(۷) اور کامرس سے

(۸) ریاضیات و

(۹) ارتفاقات سے ہے یہ عوام میں بیدار مغزی اور آداب کا موجب ہیں۔ (۳۲۶) ان انواعِ علوم کے علاوہ دوسری کتابوں پر رقم خرچ کرنا مفید اور سود مند نہیں سمجھا جاتا تھا (۳۲۷) جو کتابیں مذکورۂ بالا معلومات کی حامل نہیں ہوتی تھیں انہیں غیر مفید، مضر اور مخرب اخلاق کتابیں تصور کیا جاتا تھا (۳۲۸) اور آج بھی ناقابلِ التفات سمجھا جاتا اور ان پر پابندی عائد کی جاتی ہے۔"

(و) تبصرہ کا آغاز

اسلام میں ائمۂ جرح وتعدیل نے تبصرہ کا آغاز کیا، انہوں نے اہلِ علم کے اخلاق اور ان کے علمی کارناموں پر سب سے پہلے نقد و تبصرہ کیا تاکہ جس حد تک ان سے استفادہ ممکن ہو کیا جا سکے۔ عہدِ عباسی میں بالغ نظر واقفانِ فن، تبصرہ نگاروں کا مختصر تبصرہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا اسے تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں نقل کیا جاتا تھا جیسا کہ ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل، خطیب کی تاریخِ بغداد، سمعانی کی کتاب الانساب، معاجم واثبات شیوخ اور کتبِ فہارس سے عیاں ہے۔

یہ تبصرے اجمالی بھی کئے جاتے تھے اور تفصیلی بھی، اجمالی مثلاً علم اور جملہ تالیفات کے متعلق ایک آدھ فقرہ، اس نوع کے تبصرے اور تعارف انتخاب کتب کے لئے خریداری اور اضافہ کتب کی نشاندہی میں رہنمائی کرتے تھے۔

اربابِ فن اور ان کے علمی کارناموں پر ابراہیم حربی کا یہ تبصرہ کہ "اہلِ بصرہ اہلِ عربیت ہیں، ان میں اصحابِ اہوا ہیں مگر چار اصحابِ سنت ہیں۔

(۱) ابو عمرو بن العلاء
(۲) خلیل بن احمد
(۳) یونس بن حبیب
(۴) اصمعی (۳۲۹)۔

اس قسم کے تبصرہ سے اہلِ سنت ان کو سند سمجھتے، ان کی تالیفات سے اعتناء کرتے انہیں جمع کرتے اور کتب خانوں کی زینت بناتے تھے۔

حافظ حمیدی کا علوم وکتب پر تبصرہ کہ:

علم علل کے موضوع پر سب سے بہتر دار قطنی کی کتاب اور علم المؤتلف والمختلف پر بہترین تصنیف امیر ابن ماکولا کی ہے، وفیات الشیوخ کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے میں نے چاہا کہ میں اس موضوع پر کتاب لکھوں تو امیر ابن ماکولا نے اس کو حروفِ معجم پر ترتیب دیکر سنین پر مرتب کر دیا (۳۳۰)۔

انفرادی کتاب پر اجمالی تبصرہ مثلاً خطیب کا بیان ہے کہ:

"میں نے کتاب التاریخ ابن ابی خیثمہ سے زیادہ فوائد کے اعتبار سے کوئی کتاب نہیں دیکھی" (۳۳۱) یا مثلاً عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ۔ ۷۹۷ء کا قول ہے کہ ابو حمزہ محمد سکر المتوفی

۱۶۷ھ اور ابن طمان صحیح الکتب تھے (۳۳۲) یا مثلاً صاعد بن احمد جیانی کا قول ہے کہ قدیم وجدید علوم میں فن کی جامع تین کتابیں ہیں ایک بطلیموس کی ہیئتِ افلاک میں دوسری ارسطاطالیس کی علومِ منطق میں تیسری سیبویہ بصری کی الکتاب ہے (۳۳۳)۔ یا مثلاً ابو علی حسن بن داود المتوفی کہتے تھے کہ اہل بصرہ کو حسب ذیل چار کتابوں پر ناز ہے۔

(۱) جاحظ کی کتاب البیان والتبیین اور اس کی کتاب الحیوان

(۲) سیبویہ کی الکتاب

(۳) خلیل کی کتاب العین

(۴) حرام وحلال کے ستائیس ہزار (۲۷،۰۰۰) مسائل جنہیں امام محمد نے قیاس عقلی سے لکھا اور لوگوں کو ان سے چارہ نہیں اور فراء اور ابن الاعرابی کی تصانیف (۳۳۴)۔

(ا) انتخاب و خریدارئِ کتب

عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی اور عوامل ومحرکات کتب خانہ کے گزشتہ مباحث سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کتابوں کی خریداری کی معاشرہ میں حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ تحصیلِ علم کے زمانے میں جب کہ جامعات میں ہر طالب علم کو کتب خانے سے مطالعہ کے لئے درسی وغیر درسی کتابیں مفت مہیا کی جاتی تھیں۔ طلبہ کو درسی کتابیں خریدنے کی ترغیب دی جاتی اور خرید کتب کے جذبہ کو ابھارا جاتا تھا (۳۳۵)۔

علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی کتاب خریدنے کی استطاعت رکھتا ہے تو کتابیں نقل کرنے میں وقت صرف نہیں کرنا چاہئے اور نہ کتاب عاریت پر لینا چاہئے (۳۳۶)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درسی کتب کو خریدنے کے اصول کی بنیاد عہد عباسی میں رکھی گئی تھی۔

عہدِ عباسی میں اہلِ علم کو کتابیں خریدنے سے قلبی مسرت ہوتی وہ کتابوں پر "ملکتها ولله الحمد" (اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے اس کتاب کا مالک بنایا اور والنسخة عندی ولله الحمد کے الفاظ لکھ کر اس علمی نعمت کے ملنے پر خدا کا شکر ادا کرتے اور چند توصیفی کلمات کہہ کر اپنے شوق اور روحانی مسرت کا اظہار کرتے تھے (۳۳۷)۔

کوئی عالم اگر کسی اچھے خطاط وضابط کی لکھی ہوئی کتاب کا مالک ہو جاتا تو گویا وہ شاہ آلِ بویہ سے مقابلہ کرتا تھا (۳۳۸)۔ یہ کتابوں کی خریداری سے اعتناء کی دلیل ہے (۳۳۸)۔

کتابوں کی خریداری کوئی اپنے لئے کرے یا کسی ادارے کے لئے خریدے وہ ان اصول کو

ملحوظ رکھتا تھا جن کا تذکرہ "گراں قیمت کتب" کے زیرِ عنوان کیا گیا ہے۔ انتخاب اور خریداری میں انہی اقسام کی کتابوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ ذاتی، سرکاری و عوامی کتب خانوں میں بعض کتابوں کے کئی کئی، بعض کے دھائیوں (۳۴۰) اور بعض کے سینکڑوں کی تعداد میں نسخے جمع کئے جاتے تھے (۳۴۱)۔

عہدِ عباسی میں دوسری صدی ہجری میں کتابوں کی خریداری اتنی بڑھ گئی تھی کہ کتابوں کے خریدنے سے (Acquisition) پہلے پانچ رہنما اصول سامنے رکھے جاتے تھے۔

(۱) ان کے اول و آخر اور درمیانی حصے کو دیکھا جاتا تھا۔

(۲) ابواب اور کراسوں کی جانچ پڑتال کی جاتی تھی چنانچہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ/ ۸۲۰ء فرماتے تھے کہ: کتاب و کاتب کو دیکھا کرو اس میں:

(۳) الحاق

(۴) اصلاح

(۵) صحت کے آثار پاؤ تو یہ اس کی صحت کی دلیل ہے اور بعض علماء کہتے تھے کہ کتاب میں روشنی اصلاح و درستی سے آتی ہے (۳۴۲)۔

مذکورۂ بالا وجوہ سے عہد عباسی میں صحت و ضبط، الفاظ کا درست املاء اور صحیح اعراب ہی قلمی کتابوں کی صحت کا صحیح معیار تھا۔ تذکرہ نگار ایسے فنکاروں کے تذکرے میں ان کی اس فنکارانہ مہارت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انتخابِ کتب میں اس پہلو کو پیش نظر رکھا جاتا تھا چنانچہ بعض بلاد کے اہلِ علم کا ضبط پست و کمزور ہوتا تو اس کی نشاندھی کی جاتی تھی چنانچہ ابن الفرضی نے محمد بن احمد قیروانی المعروف بابن الخراز المتوفی ۳۵۹ھ کے متعلق تصریح کی ہے:

"کان خطه ضعیفا وضبطه کضبط القرویین" (۳۴۳) موصوف کا خط زوردار نہیں تھا ان کا ضبط بھی اہل قیروان کا سا پست درجہ کا ضبط تھا۔

اس لئے اس امر کی تصریح بھی کی جاتی تھی کہ فلاں فلاں کی تصحیح کردہ کتابیں حجت و سند میں اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں مثلاً ابن بشکوال نے ابو علی حسین غسانی قرطبی المتوفی ۴۹۸ھ کے متعلق لکھا ہے:

"صحح من الکتب مالم یصححه غیره من الحفاظ، کتبه حجة بالغة" (۳۴۴) موصوف نے کتبِ حدیث کی اتنی تصحیح کرائی ہے کہ حفاظ میں سے ان کے علاوہ کسی نے نہیں کرائی ان کی درست کرائی ہوئی کتابیں غایت درجہ مستند و حجت ہیں۔ یا مثلاً ابن الفرضی نے ابو عمر یوسف بلطی المتوفی ۳۳۴ھ کے متعلق لکھا ہے:

"کان حسن الخط جید الضبط، امامًا فی ھذا الفن " (۳۴۵)
موصوف اچھے خوشنویس تھے الفاظ کو اچھی طرح ضبط کرتے تھے اور اس فن میں امام تھے۔

انتخاب و خرید کتب میں مدد کی غرض سے اربابِ تذکرہ صاحب طرزِ خطاطوں کے طرز خط سے واقفیت کی بناء پر ان اربابِ کمال کی نشاندھی کرتے تھے جو استادانِ فن کی تحریریں اور نمونہ ہائے خط اپنے ذخائر میں جمع کرتے تھے تاکہ وقتِ ضرورت مقابلہ کر کے خط کو دیکھا جا سکے چنانچہ **ثعالبی** نے ابو محمد یحییٰ بن عبداللہ ارزلی بغدادی کے متعلق جو ادیب و شاعر تھے تصریح کی ہے کہ موصوف کے پاس بغداد میں اس قسم کا ذخیرہ محفوظ تھا(۳۴۶)۔

صاحبِ طرز خطاط کی لکھی ہوئی کتاب کو بھی پسند کیا جاتا تھا اور یہ گراں قیمت میں ملتی تھی اس لئے کہ صاحبِ طرز خطاط اگر کوئی رقعہ بھی کسی امیر کبیر کو لکھ کر پہنچا دیتا تو انعام سے سرفراز ہوتا تھا۔ چنانچہ فاطمہ بنت علی المعروف بنتِ اقرع المتوفیہ ۴۸۰ھ جو ابن البواب کی روش پر لکھتی تھی ایک مرتبہ ایک رقعہ لکھ کر **عمید الملک** کو بھیجا تو اس نے انہیں ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار بھیجے تھے (۳۴۷

اس وجہ سے تذکرہ نگار بسا اوقات صاحبِ طرز اور زود نویس خطاط کی لکھی کتابوں کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں تاکہ ان کی بکثرت لکھی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر انتخاب و خرید کے موقعہ پر شک نہ ہو چنانچہ عبدالرحمٰن بن احمد شیرازی المعروف **بعطار** المتوفی ۵۴۸ھ کے متعلق تصریح کی گئی ہے:

"موصوف نے اپنے قلم سے ایک ہزار مجلدات لکھی تھیں" (۳۴۸) ابو العرب محمد بن احمد تمیمی المتوفی ۳۳۳ھ حافظ حدیث، فقیہ، زود نویس اور بسیار نویس نے ساڑھے تین ہزار (۳۵۰۰) کتابیں اپنے قلم سے لکھی تھیں (۳۴۹)۔

صاحبِ طرز خطاط ہونے کے ساتھ ادیب، لغوی و نحوی ہوتا تو اس کی نقل کی ہوئی کتاب کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ اس کے خریدار زیادہ ہوتے تھے چنانچہ ابو الحسن علی بن نصر برنیقی مصری المتوفی ۳۸۴ھ کا لکھا ہوا **الجمہرہ** ابن درید کا نسخہ جمال بجلی بغدادی کے ترکہ میں محکمہ وظائف مصر کے نگران **منقذ** تبریزی نے مصر میں بیس دینار میں خریدا تھا اور یہ بھی انہیں اس منصب پر ممتاز ہونے کی وجہ سے سستا مل گیا تھا ورنہ اسکی قیمت زیادہ ملتی (۳۴۵)۔ یا مثلاً یاقوت موصلی المتوفی ۶۱۸ھ کا جو اپنے وقت کا نامور ادیب و صاحبِ طرز خطاط تھا نسخ میں صحاح جوھری کا لکھا ہوا نسخہ سو (۱۰۰) دینار میں بکتا تھا(۳۵۱)

اس وجہ سے ادیبوں کے ساتھ صاحب طرز و نامور خوشنویسوں کا تذکرہ بھی کیا جاتا

تھا(۳۵۲) اور جو اربابِ کمال مشرقی و مغربی خطوں میں خوب لکھتے تھے جیسے ابو الحکم ابن غلندو اشبیلی المتوفی ۵۸۱ ان کی نشاندھی کی جاتی تھی(۳۵۳) جو اہلِ علم اور وراق قابلِ خواندگی خط میں لکھتے تھے مثلاً قاضی ابی جعفر محمد بن اسحاق بن علی بحاثی زوزنی المتوفی ۴۲۳ھ ادب کی صحیح اور قابلِ خواندگی خط میں کتابیں نقل کرتے تھے (۳۵۳) چنانچہ مورخ عبدالغافر فارسی نے موصوف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ثعالبی کی یتیمۃ الدھر کا نسخہ دیکھا تھا جو تیس (۳۰) دینار نیشاپوری میں فروخت ہوا تھا حالانکہ وہ اس سے زیادہ قیمت کا تھا(۳۵۵)۔

مذکورۂ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو اہل علم حدیث یا فقہ یا لغت وادب یا اور کسی فن کی کتابیں لکھنے میں ممتاز ہوتے تھے ان کی اس خصوصیت کی طرف بھی تذکرہ نگار اشارہ کرتے تھے اس لئے کہ یہ باتیں انتخاب و خرید کتب (Acquisition) میں اہل علم اور خازنوں کی رہنمائی کرتی تھیں۔ نقطے اور اعراب کو بھی انتخاب و خرید کتب میں ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ جو ارباب کمال اس فن میں ممتاز ہوتے تھے انہیں الناقط کہا جاتا تھا(۳۵۶)

نقطے اور اعراب کے لگانے سے کتاب کی زینت و آرائش بڑھ جاتی تھی اسلئے وہ گراں قیمت میں فروخت ہوتی تھی اور انتخاب میں اسے ترجیح حاصل رہتی تھی چنانچہ کتبِ تاریخ و سیر میں اہل علم وارباب کمال کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا تھا(۳۵۷)۔

اس طرح مصور کتاب سے بھی کتاب کی زیب و زینت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے اسے بھی انتخاب میں ترجیح حاصل تھی چنانچہ محمد بن احمد المعروف بابن صابر المتوفی ۶۲۸ ھ دواوین کو باتصویر شائع کرتے تھے (۳۵۸) لیکن بد خط (سقیم الخط) غلط نویس، بسیار غلط نویس اہلِ علم کی نقل کردہ کتاب کو پسند نہیں کیا جاتا تھا اس لئے اسے عالم، ادیب اور نحوی کی اس کمزوری کی طرف بھی اربابِ تذکرہ اشارہ کر جاتے ہیں (۳۵۵) اس طرح جو عالم و کاتب نقل میں جملے اور عبارت چھوڑ جاتا تھا اس کی اس کوتاہی کا بھی ذکر کر جاتے ہیں(۳۶۰)۔

عہدِ عباسی میں کتب خانوں میں انتخاب و خریدِ کتب میں کتابوں کے کامل نسخوں کی خریداری پر زور دیا جاتا تھا لیکن بعض شوقین اور قدردانِ علم وفن (سوراخ زدہ کٹی ہوئی اور معیوب) کتابیں بھی خرید کر محفوظ کر لیتے تھے کیونکہ بعض اوقات محقق کو تحقیق طلب امور ان میں بھی مل جاتے تھے اور مکمل نسخوں کی غیر موجودگی میں ناقص نسخے بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتے تھے اس غرض سے قاضی فاضل نے اپنے کتب خانے میں مخرومات کو خرید کو محفوظ کر دیا تھا(۳۶۱)۔ لیکن یہ عمل دائمی نہ تھا اگر کتاب صحیح وسالم اور نقائص سے پاک میسر آنے کا امکان ہوتا تھا تو مخروماتِ بوسیدہ کو نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔

عہد عباسی میں انتخاب و خرید کتب کی یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی ہم نے تاریخی شواہد کی روشنی میں پہلی مرتبہ نشاندھی کی، ان کا احاطہ کیا اور انہیں مرتب کیا ہے یہ وہ خصوصیات اور رہنما اصول ہیں جن میں سے بعض کو اس دور میں (Aquisition) اہمیت حاصل ہے (۳۶۲)۔

مذکورۂ بالا امور سے ثابت ہوتا ہے کہ انتخاب و خریدِ کتب (Acquisition) میں مذکورۂ بالا رہنما اصول کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ مندرجہ بالا مباحث سے عہد عباسی میں کاغذ سازی، خوشنویسی، کتاب سازی، بازارِ کتب کی علمی و ثقافتی حیثیت، تجارتِ کتب کے فروغ کے اسباب، عہدِ عباسی کے معیاری و مستند ناشرین، ارزاں و گراں قیمت کتابوں کے عوامل، انتخابِ کتب کے اصول و مبادی سے بحث کی گئی ہے جن سے عہدِ عباسی میں کتاب سازی کے ان مراحل کا بخوبی علم ہو جاتا ہے جن سے کتاب کو کتب خانہ میں پہنچنے سے پہلے تیاری میں گزرنا پڑتا تھا اس سے عہدِ عباسی میں کتاب سازی کے معیار پر روشنی پڑتی ہے۔ جس کی استفادی و تحقیقی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت بھی نمایاں ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی صنعتِ کاغذ سازی نے علوم کے ذخائر کو عام کیا اور کتابیں عوام کے پاس ارزاں اور مناسب داموں میں پہنچنے لگیں، جہالت کی تاریکیاں چھٹنے لگیں تعصب واوہام پرستی کا خاتمہ ہوا۔

مسلمانوں نے علم کو مقدس فریضہ سمجھا، صنعت وراقت کو عبادت کا درجہ دے کر پروان چڑھایا اور ٹیکس سے آزاد کر کے ہر کہ ومہ کے استفادہ کے لیے کھلے بازاروں میں فروخت کیلئے رکھا اس سے کتابوں کی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ علم گھر گھر پہنچ سکا اور بلا امتیازِ مذہب و ملت ہر ایک کو اس سے فائدہ پہنچا۔ بنی نوع انسان کی علمی اور تحقیقاتی سرگرمیاں پروان چڑھتی رہیں، علمی وثقافتی ورثہ بہ آسانی نسلاً بعد نسلِ تیزی سے سینوں سے سفینوں میں منتقل ہوتا، اقلیموں شہروں میں پھیلتا اور پروان چڑھتا رہا۔

عہدِ عباسی میں اس کی کثرت ہو گئی تو کتب خانوں میں اس کو جدا جدا رکھنے کے لئے انہیں مختلف درجوں میں تقسیم کر کے رکھا گیا تا کہ اس سے استفادہ آسان ہو سکے اور ذخائر میں ہم آہنگی کے ساتھ ترتیب قائم رہے اس ضرورت کے لئے عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو میں وقتاً فوقتاً علوم میں جو درجہ بندیاں کی گئیں اور علوم کو حسبِ ضرورت جن اہم شعبوں میں تقسیم کیا گیا تعمیم و تخصیص، تنویع و تقسیم کا جو عمل رونما ہوا وہ درجہ بندی (Classification) کے نام سے موسوم ہے۔

باب ہفتم میں عہدِ عباسی کی انہی علمی تقسیموں سے بحث کی گئی ہے۔

فہرستِ ماخذ

(۱) The Encyclopaedia Americana, 1968 ed., Vol. 21,/p.258

(۲) محمد بن احمد البیرونی، کتاب البیرونی فی تحقیق ماللھند فی العقل او مرذولہ (حیدر آباد الدکن، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۷ھ) ص ۱۳۳

(۳) ابن الندیم، ص ۳۱---القلقشندی، ج ۲، ص ۴۸۸---چشتی، ص ۳۶-۳۷

(۴) البیرونی، ص ۱۳۳

(۵) ابن الندیم، ص ۳۱---البیرونی، ص ۱۳۳---ابو ظفر ندوی، "کاغذ سازی" ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے (اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۳۸۳ھ) ص ۲۴۱-۲۴۲---القلقشندی، ج ۲، ص ۲۸۵-۲۸۶

(۶) ابن الندیم، ص ۳۱ و ۳۳۴

(۷) البیرونی، ص ۱۳۳

(۸) الجاحظ رسالۃ الجد والہزل تحقیق عبد السلام محمد ہارون، القاہرہ مکتبہ الخانجی، ۱۳۸۴ھ، ۲۰۳-۲۰۴

(۹) ابن الندیم، ص ۳۱

(۱۰) Dozy, Supplement anx Dictionnaires arabes leide GI- devant, (E. J. Brill 1927. p 331)

(۱۱) الخطیب، ج ۲، ص ۹۱

(۱۲) الزمخشری، مقدمتہ الادب، ص ۲۶۷---احمد بن محمد امیدانی النیشابوری، السامی فی الاسامی، تحقیق محمد موسیٰ ہنداوی، بیروت محمد موسیٰ ہنداوی، ۱۹۷۷ء، ص ۲۹

(۱۳) الثعالبی، لطائف المعارف، ص ۵۴۳---البیرونی، ص ۱۳۳

(۱۴) الثعالبی، لطائف المعارف، ص ۱۶۱، ۲۱۸ (لہ) ثمار القلوب، ص ۵۴۳

(۱۵) الزبیدی، ج ۲، ص ۴۸۶

(۱۶) دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۷، شمارہ حرف کاف ۳، ص ۲۱۰

(۱۷) السمعانی، ورق ۴۴۵

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً

(۲۰) طہ الولی، الکتاب فی الاسلام، الفکر الاسلامی، شمارہ ۲۲ (کانون الاول ۱۹۷۱ء)

(۲۱) القلقشندی، ج ۲، ص۴۷۸-۴۸۲

(۲۲) بدرالدین چینی، چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج (کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۹ع) ص۳۶۲

(۲۳) The Encyclopaedia Americana , 1968ed. Vol.21, p.258

کرد علی، خطط الشام، ج ۴، ص ۲۴۳

Encyclopaedia of Library and Information Science (New York, Mareel Dckker, Inc. , 1977) Vol. 21, p.45-46, 335)

(۲۴) ابن الندیم، ص۶۱

(۲۵) ایضاً، ص۱۳۱--- محمد طہ الحاجزی، "الورق والوراقہ فی الحضارۃ الاسلامیہ) مجلہ المجمع العلمی العراقی، شمارہ ۱۲(۱۳۸۴) ص۱۳۵

(۲۶) ایضاً

(۲۷) کرد علی، خطط الشام، ج ۴، ص ۲۴۲

(۲۸) احمد بن یحی البلاذری، فتوح البلدان، تحقیق عبداللہ انیس الطباع، عمر انیس الطباع (بیروت، دار النشر للجامعین، ۱۳۷۷ھ) ص۲۹۲---یاقوت، معجم البلدان، ج ۳، ص۲۴۸

(۲۹) عبدالحی الکتانی، التراتیب الاداریہ، والعمالات والصناعات، المتاجر و الحالہ العلمیہ التی کانت علی عہد تاسیس المدینہ الاسلامیہ فی المدینہ المنورۃ الطیبہ، (بیروت، احیاء التراث العربی، ب، ت) ج ۲، ص ۲۴۲---چشتی، ص ۱۲۴-۱۲۵

(۳۰) ابن الندیم، ص۶۱

(۳۱) الکتانی، ج ۲، ص ۲۴۲---چشتی، ص ۱۲۴-۱۲۵

(۳۲) استرنج، بلاد فلسطین وشام ترجمہ سید ھاشمی فرید آبادی (حیدر آباد الدکن، مطبع سرکار عالی، ۱۳۵۱ھ) ص۲۱--- کرد طی، خطط الشام، ج ۴، ص ۲۴۳

(۳۳) استرنج، بلاد فلسطین وشام، ص۴۱

(۳۴) مز، ج ۲، ص ۲۶۹--- عنایت اللہ "کاغذ کا رواج، تاریخ کی روشنی میں" مجلہ جامعہ عباسیہ، بھاولپور، شمارہ ۱ (۱۳۸۴ھ) ص ۹۵

(۳۵) الثعالبی، ثمار القلوب، ص ۵۴۳ (لہ) لطائف المعارف، ص ۲۱۸---البیرونی، ص ۱۳۳---القزوینی، ص ۵۳۶---مز، ج ۲، ص ۲۶۹---دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۷، شمارہ حرف ک، ص ۲۱۱---ابی حامد محمد بن عبدالرحیم الغرناطی، تحفہ الالباب نخبۃ الاعجاب، (ایمری نیشنل پریس، ۱۹۲۵ء) ص ۲۰۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۲، ص ۱۳۷۸

(۳۶) ایضاً

(۳۷) اصطخری، ص ۱۶۲

(۳۸) وان کریمر (Alfred Von Kremer) مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت، تجارت (الہ آباد، کتابستان، ۱۹۳۴ع) ص ۱۷---وان کریمر نے الملامح البرزۃ لتاریخ الثقافۃ فی الاسلام، لیزک، ۱۸۷۳ع میں جو مقالہ مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت و تجارت پر لکھا تھا اس کا ترجمہ محمد جمیل الرحمن نے مذکورہ بالا عنوان سے کیا تھا۔

(۳۹) ابو حامد الغرناطی، ص ۲۰۲

(۴۰) الحاکم، تاریخ نیشاپور، ص ۷۸ (طہران)

(۴۱) الغرناطی، ص ۲۰۲

(۴۲) ابن خلدون، المقدمہ، ص ۷۵۵-۷۵۶---دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۳، شمارہ ک ۳، ص ۲۱۴---القلقشندی، ج ۲، ص ۴۷۵-۴۷۶

(۴۳) الصولی، اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ، ص ۲۶۰

(۴۴) یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۴۲۲---ابن عبدالحق، ج ۱، ص ۵۰۷

(۴۵) وان کریمر، ص ۶۷

(۴۶) الخطیب، ج ۳، ص ۴۶

(۴۷) محمد مہدی بدری، العامہ ببغداد فی القرن الخامس الہجری، بحث تاریخی فی الحیاۃ الاجتماعیۃ لجماھیر (بغداد، مطبعہ الارشاد، ۱۳۸۷ھ) ص ۵۸

(۴۸) مصطفیٰ جواد، "المواد الضائع من معجم الادباء" ص ۱۶۲

(۴۹) کرد علی، خطط الشام، ج ۴، ص ۲۴۳---القلقشندی، ج ۲، ص ۲۸۷--- ابو البقا عبداللہ بن محمد البدری الدمشقی، نزہۃ الانام فی محاسن الشام (مصر، المطبعہ السلفیہ، ۱۳۴۱ھ)

ص ۳۴۴

(۵۰) استرنج، بلاد فلسطین وشام، ص ۲۰---مز، ج ۲، ص ۲۶۹

(۵۱) المقدسی، ص ۱۸۰---مز، ج ۲، ص ۲۶۹---علی سامی، "اختراع کاغذ" ھنر و مردم، شمارہ ۱۱۵
(اردی بہشت، ۱۳۵۱ف) ص ۲۵-۲۶

(۵۲) کرد علی، ج ۴، ص ۲۴۲

(۵۳) ایضاً

(۵۴) ایضاً، ص ۲۴۴

(۵۵) ایضاً، ص ۲۴۲

(۵۶) ناصر خسرو، سفرنامہ، تحقیق محمد دبیر سیاقی و تہران، کتب فروشی زوار، ۱۳۵۳ف، ص ۱۵---
مز، ج ۲، ص ۲۶۹

(۵۷) احمد بن واضح الیعقوبی، البلدان، ط: ۳ (النجف، المطبعہ محمدیہ، ۱۳۷۷م) ص ۲۹

(۵۸) المقریزی، الخطط، ج ۱، ص ۲۹۷

(۵۹) ایضاً، ج ۲، ص ۲۳۲

(۶۰) یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۴۰۷---ابنِ عبد الحق، ج ۱، ص ۴۹۲

(۶۱) الغرناطی، ص ۲۰۲

(۶۲) دہخدا، شمارہ حرف ۳، ص ۲۱۵

(۶۳) یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۳۰۹---مز، ج ۲، ص ۲۶۹

(۶۴) وال کریمر، ص ۶۳

(۶۵) مز، ج ۱، ص ۲۲۶---دہخدا، شمارہ حرف ک ۳، ص ۲۱۵

(۶۶) ابن الندیم، ص ۳۲

(۶۷) الثعالبی، لطائف المعارف، ص ۲۱۸

(۶۸) رضی الدین محمد قزوینی، رسالہ خط، پرویز اذکائی، ھنر و مردم، شمارہ ۸۵، (ابان ماہ ۱۳۴۸
ف) ص ۵۱

(۶۹) وان کریمر، ص ۲۷

(۷۰) بریفالٹ، ص ۲۳۰-۲۳۱

(۷۱) ایضاً، ص ۳۲۳

(۷۲) جوزف ھیل، عربوں کا تمدن، ترجمہ نذیر نیازی (دھلی، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۲۷ع)

ص ۲- ۱۰۳

(۷۳) وان کریمر، ص ۶۳ و ۶۵

(۷۴) ایضاً

(۷۵) ایضاً

(۷۶) محمد بن محمد العبدری الفاسی امیر الحاج، المدخل، (مصر، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۶۰ع) ج ۴، ص ۸۶- ۸۸

(۷۷) حضریکوس لامنس، فرائد اللغہ فی الفروق (بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیۃ لاباء الیسوعیین، ۱۸۸۹ع) ص ۲۹۳--- الراغب، ص ۴۱۲--- الفیروز آبادی، ج ۴، ص ۲۹۴- ۲۹۴ (قلم)

(۷۸) السمعانی، ادب الاملاء والاستملاء، ص ۱۵۸ و ۱۲۳- الصولی، ادب الکتاب، تحقیق محمد بجہ الاثری (بغداد، المکتبۃ السلفیہ، ۱۳۴۱ھ) ج ۲، ص ۹۵

(۷۹) ایضاً

(۸۰) رضی الدین قزوینی، ص ۶۷--- عبداللہ بن علی الھیتمی، العمدۃ، تحقیق ہلال ناجی (بغداد، مطبعہ المعارف، ۱۹۷۰ع) ص ۸- ۹- عبدالرحمن بن یوسف بن الصائغ، تحفۃ اولی الالباب فی صناعۃ الخط والکتاب، تحقیق ہلال ناجی (تونس، دار بو سلامۃ للنشر والتوزیع، ۱۹۶۷ع) ص ۵۴- ۵۷

(۸۱) الخطیب، ج ۱۲، ص ۳۸۶

(۸۲) ابن عساکر، ج ۶، ص ۳۶۰

(۸۳) الصولی، ادب الکتاب، ج ۲، ص ۱۰۱

(۸۴) ایضاً، ج ۲، ص ۱۰۳

(۸۵) القلقشندی، ج ۲، ص ۴۷۰ و ۴۷۵--- دہخدا، شمارہ مسلسل ۲۴ و شمارہ حرف ح، ج ۳، ص ۱۰۲

(۸۶) ایضاً

(۸۷) الصولی، ادب الکتاب، ج ۳، ص ۹۵--- السمعانی، ادب الاملاء، ص ۱۶۳

(۸۸) عبدالنبی احمد نگری، جامع العلوم الملقب بدستور العلماء (حیدر آباد الدکن، مطبعہ

(۸۹) دائرہ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۹ھ) ج ۲، ص ۸- ۱۹ تمیمی، ج ۳۸۶

(۹۰) ابن الندیم، ص ۴۱

(۹۱) السمعانی، ادب الاملاء، ص ۱۵۱

(۹۲) یاقوت، ج۳، ص۱۳۶

(۹۳) ذوالفقار علی نقوی، قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب (آگرہ، مطبع مفید عام ۳۱۶) ص۳۹

(۹۴) السمعانی، ورق ۵۸۰ ب

(۹۵) الخطیب، ج۷، ص ۳۵۳

(۹۶) الزرنوجی، ۴۹

(۹۷) ایضاً، ج، ص ۳۵۳--- السمعانی، ج۴، ص ۴۴--- ابن الاثیر، اللباب، ج ۱، ص۳۳۶--- ابن حجر، تبصیر المتنبہ، ج۱، ص ۳۹۳--- ۳۶۴، ۳۶۵

(۹۸) السمعانی، ج۴، ص۲۶--- ابن الاثیر اللباب، ج۱، ص ۳۳۴

(۹۹) الذھبی، ج۳، ص۹۸۵، ۱۲۴۹

(۱۰۰) محمد بن ابراھیم بن ساعد، ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد (مصر، مطبعہ الموسوعات، ۱۳۱۸ھ) ص۳۰

(۱۰۱) الالوسی، روح المعانی، ج۱۵، ص۱۱۸

(۱۰۲) الصائغ تحفہ اولی الالباب، ص۲۶-۲۷

(۱۰۳) عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدّارمی (دمشق، مطبعہ الاعتدال، ۱۳۴۹ھ) ج۱، ص۱۲۵--- الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، (الریاض، مکتبۃ النصر الحدیث، ب، ت) ج۱، ص۱۰۵-۱۰۶--- ب عبدالبر، جامع بیان العلم، ج۱، ص۷۱--- الخطیب، تقیید العلم، ص۴۷--- ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث، ص۳۶۵--- عیاض، الالماع، ص۱۷۶-۱- ابن حجر، فتح الباری، ج۱، ص۱۸۵

(۱۰۴) الرامھرمزی ۳۶۹ (حدیث نمبر ۳۳۱)، مجمع الزوائد، ج۱، ص۱۵۱--- علی المتقی، منتخب کنز العمال ۴، ص۵۸

(۱۰۵) الرامھرمزی، ص۳۶۵ (حدیث نمبر ۳۱۸ و ۳۲۷)، الخطیب، ج۱۰، ص۴۶ (لہ) تقیید العلم، ص۳۶۹--- علی المتقی منتخب کنز العم کنز العمال، ج۴، ص۶۹--- یوسف النبہانی، الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر (مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۱ھ) ج۲، ص۳۰۶

(۱۰۶) ابن منظور، لسان العرب، ج۲، ص۱۹۳ (کتب)

(۱۰۷) ابو داؤد السجستانی، سنن ابی داؤد، ج۲، ص۱۲۹--- چشتی، ص۲۳--- عبد الفتاح عبادہ، انتشار الخط العربی فی العالم الشرقی والغربی (مصر، مطبعہ ھندیہ: ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۲

(۱۰۸) ابن سعد، طبع بیروت، ۳، ۶۱۳

(۱۰۹) ابن الندیم‘ ص۹--- معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ رسمِ خط سریانی رسم خط کے انداز پر ترقی کرتے رہے چنانچہ سریانی رسمِ خط میں بھی ایک قسم التحریر المخفف‘ تھی جسے خطِ مدور کہتے تھے (ابن الندیم ص۱۸)

(۱۱۰) الزرقانی‘ ج۱‘ ص۳۵۶

(۱۱۱) عبداللہ بن جعفر بن درستویہ ‘کتاب الکتاب‘ تحقیق دیویلس شیخو‘ ط:۲ (بیروت‘ المطبعۂ الکاثولیکیتہ‘ ۱۹۶۷ء) ص۷--- احمد طاش کبری زادہ ‘مفتاح السعادہ و مصباح السیادہ‘ تحقیق کامل کامل بکری‘ عبدالوہاب ابوالنور (القاہرۃ دار الکتب الحدیثیہ ‘۱۹۶۸ء) ج۱‘ ص۹۴

(۱۱۲) ابراھیم عبداللطیف‘ الھدایہ الی ضوابط الکتابتہ (القاہرہ‘ شرکتہ مرکز کتب الشرق الاوسط‘ ۱۹۷۲ء) ص۱۱ و ۱۳

(۱۱۳) ابن الاندیم‘ ص۹

(۱۱۴) ایضاً‘ ص۱

(۱۱۵) ایضاً

(۱۱۶) عبدالمحمد ایرانی‘ پیدائش خط‘ خطاطان (مصر‘ چاپخانہ چہرہ نما‘ ۱۳۶۵ھ) ص۸۶-۸۷--- حبیب‘ خط وخطاطان (قسطنطنیہ‘ مطبعہ ابو الضیاء‘ ۱۳۵۰ھ) ص۳۷--- سہیل انور‘ الخطاط البغدادی‘ علی بن الھلال المشہور بابن البواب‘ ترجمتہ محمد بجتہ الاثری‘ عزیز سامی البغدادی (بغداد‘ مطبعہ المجمع العلمی العراقی‘ ۱۳۷۷ھ) ص۱۶

(۱۱۷) ابن الندیم‘ ص۱۰-۱۱

(۱۱۸) عبدالمحمد ایرانی‘ ص۸۶-۸۷--- حبیب‘ ص۳۷--- سہیل انور‘ ص۱۶--- عبادہ‘ ص۱۴

(۱۱۹) ابن الندیم‘ ص۱۱-۱۲

(۱۲۰) ایضاً ص۱۳

(۱۲۱) ایضاً ص۱۲

(۱۲۲) ایضاً--- عبادہ‘ ص۳۳

(۱۲۳) ابن الندیم‘ ص۱۲---۱۵

(۱۲۴) ایضاً ص۱۳

(۱۲۵) ایضاً

(۱۲۶) ایضاً

(۱۲۷) الثعالبی‘ ثمار القلوب‘ ص۲۱۰--- ابن خلکان‘ ج۲‘ ص۶۱--- الصفدی‘ ج۳‘ ص۱۰۹

(۱۲۸) سہیل انور، ص ۱۶

(۱۲۹) ایضاً--- عبادہ، ص ۱۵

(۱۳۰) بدیع اللہ دبیری نثر (سیر خوشنویسی در قرن پنجم ہجری وظہور ابن بواب" ھنر و مردم، شمارہ ۱۳۱ (آبان ماہ، ۱۳۵۱ف) ص ۵۳ و ۵۴--- علی راہجری، تذکرہ خوشنویسان معاصر (تہران، کتابخانہ ابن سینا، ۱۳۳۶ف) ص ۱۵

(۱۳۱) راہجری نے تذکرۂ خوشنویسان معاصر (ص ۱۵) میں مصرعہ اخیرہ ان الفاظ سے منقول (فلیس لہ قدر بمقدار درھم)

(۱۳۲) عبادہ، ص ۳۳

(۱۳۳) سید عبداللہ "دورِ اسلامی میں ابتدائی تعلیم کا انداز" چٹان (۲۹ جنوری ۱۹۷۳ع) ص ۶

(۱۳۴) بدیع اللہ دبیری نژاد، "یاقوت مستعصمی، ھنر خوشنویسی" ھنر و مردم، شمارہ ۱۰۶ (مردار ماہ، ۱۳۵۰ف) ص ۳۵--- عبدالرحمن یوسف، ص ۳۴-۳۶

(۱۳۵) Thomas Arnold , "Islamic Art and its influence on Painting in Europe" میراث، ص ۱۵۵

(۱۳۶) ابن الابار، التکملہ، ج ۱، ص ۳۸۴ (نمبر ۱۰۶۸)

(۱۳۷) Arnold j. Toynbee, A Study of History (London, Oxford University Press 1939) , Vol . 4, pp. 51-53

(۱۳۸) الباخرزی، ص ۶۴

(۱۳۹) الزرکلی، ج ۶، ص ۲۱۲

(۱۴۰) الازھری، تہذیب اللغہ، ج ۱، ص ۳۳

(۱۴۱) ایضاً ص ۳۴

(۱۴۲) ایضاً

(۱۴۳) ایضاً

(۱۴۴) ایضاً

(۱۴۵) ایضاً ص ۴۰

(۱۴۶) عیاض، الالماع، ص ۱۵۰-۱۵۲--- السخاوی، الاعلان بالتوبیخ، ص ۱۰۱--- روزنتھال مناھج العلماء فی البحث العلمی، ترجمہ انیس فریحہ (بیروت، ۶۶ دار الثقافۃ ۱۹۶۱ء) ص ۴۲ و ۴۳

(۱۴۷) عیاض، الالماع، ص ۱۵۷

(۱۴۸) ابن درستویہ، ص ۵۴

(۱۴۹) مورج بن حمزہ سدوسی انساب حذف من نسب قریش تحقیق صلاح الدین القاهرة مکتبہ دار العروبیہ ۱۹۶۰ء ۱۵

(۱۵۰) عیاض، الالماع، ص ۱۵۸-۱۶۰

(۱۵۱) ایضاً ص ۱۶۲

(۱۵۲) ایضاً ص ۱۶۵

(۱۵۳) ایضاً

(۱۵۴) ایضاً ص ۱۶۹

(۱۵۵) ایضاً ص ۱۷۰-۱۷۱--- الرامہرمزی، ص ۶۰۶-۶۰۷- روزنتھال، ص ۴۴-۴۵

(۱۵۶) یاقوت، ج ۶، ص ۱۹۸

(۱۵۷) القفطی، ج ۴، ص ۱۵۵

(۱۵۸) الصولی، اخبار ابی تمام، تحقیق خلیل محمود عساکر، محمد عبدهٔ عزام، نظیر الاسلام الهندی (بیروت، المکتب االتجاری، ب، ت) ص ۷۰

(۱۵۹) ابن حجر، فتح الباری، ج ۲، ص ۸۸--- روزنتھال، ص ۷۳

(۱۶۰) یاقوت، ج ۳، ص ۱۴

(۱۶۱) القفطی، ج ۳، ص ۶۳ و ۷۱

(۱۶۲) محمد ابن خیر الاشبیلی، فہرست مارواہ من شیوخه من دواوین المصنفه فی ضروب العلم وانواع المعارف، ط:۲ (القاهرة، موسسة الخانجی، ۱۳۸۲ھ) ص ۶۳

(۱۶۳) اسیوطی، الاتقان (الطبعة الثالثة، ۱۹۵۱ع)، ص ۱۱۳

(۱۶۴) ابو السعادت المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر (مصر، المطبعة العثمانیہ، ۱۳۱۱ھ) ج ۱، ص ۴ و ۶

(۱۶۵) یاقوت، ج ۵، ص ۴۲۱

(۱۶۶) ایضاً ص ۴۲۰

(۱۶۷) ایضاً ص ۴۲۰ و ۴۲۱

(۱۶۸) روزنتھال، ص ۴۶

(۱۶۹) ایضاً ص، ۴۷

(۱۷۰) ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ (مصر، المطبعہ الوهبیہ، ۱۳۸۰ھ) ج ۱، ص ۸

(۱۷۱) رضی الدین محمد قزوینی، شمارہ ۸۵ (آبان ماہ، ۱۳۴۸ف) ص ۵۱

(۱۷۲) دیبی پرشاد بدایونی، ارژنگ چین، (کانپور، مطبع نظامی، ۱۲۹۲ھ) ص ۱۷-۳۱

(۱۷۳) الخطیب، ج ۳، ص ۴۳۱

(۱۷۴) ابو الحسن بن عبد اللہ النباھی المالقی، تاریخ قضاۃ الاندلس (القاہرہ، دار الکاتب المصری، ۱۹۴۸ع) ص ۸۸

(۱۷۵) السبکی، معید النعم لمبید النقم، تحقیق محمد علی النجار وغیرہ (القاہرہ، دار لکتاب العربی، ۱۹۳۸ع) ص ۱۳۲

(۱۷۶) ایضاً ص ۱۳۱-۱۳۲

(۱۷۷) شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب النویری، نہایۃ الادب فی فنون الادب (القاہرۃ مطبع دار الکتب المصریۃ، ۱۳۵۱ھ) ج ۹، ص ۲۱۴-۲۱۸

(۱۷۸) The Encyclopaedia Americana , 1968 edn., Vol . 2, p 590.

(۱۷۹) ابن خلدون، المقدمہ، ص ۷۵۵--- القلقشندی، ج ۲، ص ۴۷۸-۴۴۲ السمعانی، ورق ۵۷۹ ب

(۱۸۰) ابن خلدون، ص ۷۱۳-۷۱۵

(۱۸۱) ایضاً ص ۷۲۲-۷۲۳

(۱۸۲) ایضاً

(۱۸۳) ایضاً ص ۷۵۵

(۱۸۴) ایضاً ص ۷۶۸--- الماوردی، ادب الدنیا والدین، تحقیق مصطفیٰ السقاء ط: ۲ (مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۵ھ) اویس وفاء بن محمد الارزنجانی، منہاج الیقین شرح ادب الدنیا والدین (آستانہ، محمود بک، مطبعہ ی، ۱۳۲۸ھ) ص ۳۷۰

(۱۸۵) یاقوت، ج ۱، ص ۱۴۳

(۱۸۶) ایضاً ص ۵، ص ۱۳

(۱۸۷) ابن عبد ربہ، ج ۳۱۰۲

(۱۸۸) المقریزی، ج ۲، ص ۱۰۲

(۱۸۹) الخطیب، ج ۵، ص ۱۶--- السمعانی، وورق ۳۹۴

(۱۹۰) الخطیب، ج ۳، ص ۱۷۲--- القفطی، ج ۲، ص ۳۷۱

(۱۹۱) الیعقوبی، ص ۱۳--- ابن الجوزی، مناقب بغداد، ص ۳۶

(۱۹۲) نامی معروف، الدخل فی تاریخ الحضارۃ العربیہ، بغداد، مطبعہ المعارف ص ۱۸۰

(۱۹۳) القرشی، ج ۲، ص ۱۵۵--- معطفی جواد، "معجم مواضع واسط" مجلۃ المجمع العلمی العراقی، المجلد
الثامن (۱۹۶۱ع) ص ۱۵۹ـ ۱۶۰، ۱۷۱

(۱۹۴) ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۰--- المقدسی، ص ۱۵۸--- شبلی، ص ۲۹ مدینۃ دمشق عند الجغرافیین
والرحالین المسلمین، ص ۷

(۱۹۵) المقریزی، ج ۲، ص ۱۰۲

(۱۹۶) عبدالرحمٰن زکی، نہضتہ العلوم فی قاہرہ الفاطمیین المجلۃ مجل الثقافۃ الرفیعہ، القاہرہ شمارہ
۱۴۸، اپریل ۱۹۶۹ء

(۱۹۷) محسن حامد العیادی، ابن سعید الاندسی حیاتہ وتراثہ الفکری والادبی
(۶۱۰ ـ ۶۸۵ = ۱۲۱۷ ـ ۱۲۹۴ء) (مقاہرۃ مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ۱۹۷۲ء ۱۴۹

(۱۹۸) البیہقی، تتمہ صوان الحکمۃ، ص ۴۲

(۱۹۹) الخطیب، ج ۵، ص ۱۶--- السمعانی ورق ۳۹۴--- ابن الجوزی،

(۲۰۰) الخطیب، ج ۳، ص ۱۷۲--- القفطی، ج ۲، ص ۳۷۰ ـ ۳۷۱

(۲۰۱) المنذری، ج ۲، ص ۱۱۹

(۲۰۲) ابن خلکا..ن، ج ۲، ص ۲۱۰

(۲۰۳) ابو الملاء المعری رسالتہ الغفران، ط ۵ دار المعارف ۱۴۶ـ ۱۴۷

(۲۰۴) یاقوت، ج ۵، ص ۱۵۷--- یاقوت نے محاکہ کیا کہ دونوں کا قول درست ہے البتہ ابو الفرح
کا قول زیادہ بہتر ہے۔

(۲۰۵) القفطی، ج ۲، ص ۱۳۴

(۲۰۶) یاقوت، ج ۲، ص ۳۳

(۲۰۷) ایضاً، ج ۳، ص ۳--- الصفدی، نکت الہمیان، ص ۱۳۴

(۲۰۸) ابن الجوزی، مناقب بغداد، ص ۲۶

(۲۰۹) المقریزی، ج ۲، ص ۱۰۲

(۲۱۰) القفطی، ص ۴۲۹ـ ۴۳۰

(۲۱۱) الخطیب، ج ۴، ص ۱۰۳

(۲۱۲) ابنِ حجر، لسان المیزان، ج، ص ۱۶۰

(۲۱۳) ابن الندیم، ص۲۰۹--- الخطیب، ج۱۱، ص۳۹۹--- مذ، ج۱، ص۲۶۹

(۲۱۴) المقریزی، ج۲، ۱۰۲

(۲۱۵) یاقوت، معجم البلدان، ج۳، ص۱۴۵--- المقریزی، ج۲، ص۲۰۱--- ابن خلدون، المقدمہ، ص۷۵۵--- کرد علی، خطط الشام، ج۶، ص۱۹۵

(۲۱۶) وان کریمر، ص۷۵

(۲۱۷) اسمعانی، التحبیر، ج۲۷۲

(۲۱۸) ایضاً

(۲۱۹) ایضاً

(۲۲۰) محمد بن عبد الملک الہمدانی، تکملہ تاریخ الطبری تحقیق البرٹ یوسف کنعان ط:۲ بیروت الکانولیکیتہ ۱۹۶۱ ۲۵

(۲۲۱) ابو شامہ، الذیل علی الروضتین، ص۲۳۶

(۲۲۲) ابن الندیم، ص۱۴۱ (فلوگل)

(۲۲۳) یاقوت، ج۵، ص۶۷

(۲۲۴) المقری، ج۱، ص۱۴۷

(۲۲۵) ابن الندیم، ص۲۱۴---۲۱۵

(۲۲۶) الثعالبی، یتیمۃ الدہر، ج۴، ص۲۸۶

(۲۲۷) وان کریمر، ص۷۵

(۲۲۸) ابن الندیم، ص۱۶۹--- یاقوت، ج۶، ص۵۶

(۲۲۹) الرامہرمزی، ص۲۱۷--- ابن جماعۃ، ص۱۶۴

(۲۳۰) علی بن عبد العزیز الجرجانی الوساطۃ بین المتنبّی و خصومہ تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم و علی محمد البجاوی، القاہرۃ مطبعہ عیسی البابی الحلبی ۱۳۸۶ ص۵۱

(۲۳۱) الخطیب، ج۸، ص۳۶۷

(۲۳۲) ابن ابی اصیبعہ، ج۳، ص۳۸۶

(۲۳۴) یاقوت، ج۶، ص۴۵۳

(۲۳۵) یاقوت، ج۶، ص۴۵۳

(۲۳۶) ابن خلکان، ج۱، ص۶۳

(۲۳۷) ابو شامہ، ج۱، ص۶۲۸--- المقریزی، السلوک، ج۱ ص۳۷۷--- ابن تغری بردی، ج۲،

ص۳۳۳

(۲۳۸) المقریزی‘ ج۲‘ص۳۲۷

(۲۳۹) یاقوت‘ ج۵‘ص۴۸۴--- الطباخ‘ ج۴‘ص۴۲۱

(۲۴۰) الصفدی‘ ج۸‘ص۲۸۵

(۲۴۱) ابن الابار الحلۃ السیراء‘ ج۱‘ص۲۰۲--- ابن خلدون‘ ج۴‘ ص۳۱۷--- المقری‘ ج۱‘
ص۲۶۲

(۲۴۲) یاقوت‘ ج۶‘ص۷۶

(۲۴۳) ابن ابی اصیبعہ‘ ج۳‘ص۱۷۴-۱۷۵

(۲۴۴) ایضاً‘ ص۱۰۳-۱۰۴

(۲۴۵) الخطیب‘ ج۲‘ص۱۷۳-۱۷۴

(۲۴۶) ایضاً‘ ج۱۴‘ص۱۵۰

(۲۴۷) ایضاً‘ ج۴‘ص۳۴۱

(۲۴۸) ایضاً‘ ج۶‘ص۳۳

(۲۴۹) ابن الندیم‘ ص۶۹

(۲۵۰) الخطیب‘ ج۳‘ص۲۹۳

(۲۵۱) ابن ابی اصیبعہ‘ ج۳‘ص۲۹۳

(۲۵۲) ابن الندیم‘ ص۶۴

(۲۵۳) ابن ابی حاتم مقدمہ کتاب الجرح والتعدیل ۳۴۰

(۲۵۴) ابن الانباری‘ ص۳۷۹--- القفطی‘ ج۱‘ ص۳۱۳-۳۱۴--- القرشی‘ ج۱‘ ص۱۹۶‘ ج۲‘
ص۲۲۶--- ابن خلکان‘ ج۱‘ص۱۳۰--- ابن حجر‘ لسان المیزان‘ ج۲‘ص۲۱۸

(۲۵۵) الخطیب‘ ج۷‘ص۳۱۹-۳۲۰--- السمعانی‘ ورق ۳۹۵

(۲۵۶) الخطیب‘ ج۹‘ص۴۲۶

(۲۵۷) ایضاً‘ ص۲۶۱

(۲۵۸) ابن ابی حاتم الرازی‘ ج۱‘ص۱۶۳--- ابن حجر‘ توالی التاسیس‘ ص۷۶

(۲۵۹) ابن الندیم‘ ص۶۴

(۲۶۰) روزنتھال‘ ص۶۳-۶۴

(۲۶۱) ایضاً

(۲۶۲) ایضاً

(۲۶۳) القفطی، ج ۴، ص ۶۷

(۲۶۴) ابن الندیم، ص ۶۴

(۲۶۵) ابرج افشار، "نسخ خطی اسلامی و سابقہ تاریخ آنہا" ھنر و مردم، شمارہ ۱۱۲ (آذر ماہ، ۱۳۵۱ف) ص ۴

(۲۶۶) المقری، ج ۲، ص ۱۰-۱۱

(۲۶۷) یاقوت، ج ۶، ص ۱۴۷-۱۴۸

(۲۶۸) مصطفیٰ جواد، "الثقافہ العقلیتہ والحالتہ الاجتماعیتہ فی عصر الشیخ ابو علی بن سینا" مجلۃ المجمع العلمی العراقی، ج ۴، شمارہ ۱۰ (۱۳۷۵ھ) ص ۵۰۲

(۲۶۹) ابن ابی اصیبعہ، ج ۳، ص ۱۵۰-۱۵۱

(۲۷۰) الذھبی، ج ۳، ص ۱۰۹۲

(۲۷۱) ابن الندیم، ص ۴۶۱

(۲۷۲) عبدالرحمٰن بن محمد الدباغ، معالم الایمان فی معرفتہ اہل القیروان المطبعہ التونسیہ تونس

(۲۷۳) رانگ کا معرب دانق ھے یہ چھ رتی وزنی چاندی کا سکہ تھا۔

(۲۷۴) محمد بن علی بن سلیمان الراوندی، راحتہ الصدور و آیتہ السرور، تحقیق محمد اقبال (لیدن، ای، جے بریل، ۱۹۲۱ع) ص ۳۳

(۲۷۵) القفطی، ص ۴۱۵-۴۱۶

(۲۷۶) ابو حیان علی بن محمد التوحیدی، اخلاق الوزیرین ص ۵۲۱

(۲۷۷) یاقوت، ج ۴، ص ۲۸۶-۲۸۷

(۲۷۸) القفطی، اخبار الحکماء ص ۳۳۲---۳۳۳

(۲۷۹) نخجوانی، ص ۲۶۲

(۲۸۰) القفطی، ص ۴۱۵-۴۱۶

(۲۸۱) ابن الفوطی، ص ۳۳۱

(۲۸۲) الثعالبی، ج ۲، ص ۲۹۲

(۲۸۳) یاقوت، ج ۵، ص ۴۸۴

(۲۸۴) السمعانی، ورق ۳۵۳ الف

(۲۸۵) ابن رجب، ج ۱، ص ۱۵۶

(۲۸۶) میمن، عبدالعزیز، تقریظ بر مقالہ عہد رسالت سے دور اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ، ارتقاء، از چشتی

(۲۸۷) یاقوت، ج۳، ص۲۴۴---الکتبی، ج۱، ص۲۸۹---المقری، ص۳۳، ۳۵---الکحالہ، اعلام النساء، ج۱، ص۲۹۲ـ ۲۹۳، ج۲، ص۶۵--- شبلی، ص۳۰

Ameer Ali, A Short History of the Saracens
(London, **Macmillan • Co. Ltd.** 1961) p. 569

(۲۸۸) السمعانی، ورق ۳۵۳ الف، ۳۵۶ ب

(۲۸۹) ایضاً---الذہبی، ج۲، ص۵۷۹

(۲۹۰) ابن الندیم، ص۲۲۹، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۲، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۲، ـ ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۱، ۳۸۳، ۲۸۶، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۰۲، ۲۹۸، ـ ۳۰۲،، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۸۱، ۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۵، ۴۱۳، ۴۱۴،

(۲۹۱) وان کریمر، ص۷۶ـ۷۷

(۲۹۲) ابن الندیم، ص۱۲۶ و ۳۵۵ (فلوگل)

(۲۹۳) القفطی، ج۲، ص۶۴

(۲۹۴) الخطیب، ج۱۴، ص۱۵۰

(۲۹۵) یاقوت، ج۵، ص۴۸۴---الطباخ، ج۴، ص۴۲۱

(۲۹۶) الخوارزی، رسائل الخوارزی، ص۲۱۹---المقریزی، ج۲، ص۳۵۷

(۲۹۷) الخطیب، ج۱۰، ص۶۷ ابن طیفور ۱۸۱ ابن تغری بردی ۳۱۳، ۳۱۸ ـ ۲۲۴ الطبری ج۷ ۱۹۰ ومابعد

(۲۹۸) سبط ابن الجوزی، ج۸، ق ۲، ص۷ ۱۳، ۳۹۷---الصفدی، ج۲، ص۹۶

(۲۹۹) ابن الندیم، ص۹۰---یاقوت، ج۱، ص۵۸---القفطی، ج۱، ص۱۶۴

(۳۰۰) الحمیدی، ص۱۱، ۱۲---ابن عذاری، ج۱، ص۵۲---الصفدی، ج۳، ص۲۲۵

(۳۰۱) الخطیب، ج۱۴، ص۱۵۰

(۳۰۲) ابن الندیم، ص۹۰---یاقوت، ج۱، صا القفطی، ج۱، ص۱۶۴

(۳۰۳) عیاض، ترتیب المدارک، ج۱، ص۱۹۱ـ ۱۹۲

(۳۰۴) ایضاً---ابنِ عبدالبر، جامع بیان العلم، ج۱، ص۱۳۲---السیوطی،

تزیین الممالک، ص۴۶

(۳۰۵) الحمیدی، ص۱۱ و ۱۳---ابن عذاری، ج۱، ص ۵۲---الصفدی، ج ۳، ص۲۲۵

(۳۰۶) القفطی، ج۲، ص ۳۲۳

(۳۰۷) یاقوت، ج۲، ص ۶۲

(۳۰۸) ابن الانباری، ص۲۱۸---القفطی، ح ۲، ص۳۱۹---یاقوت، ج۵، ص۴۲۱

(۳۰۹) یاقوت، ج۳، ص ۱۳۷

(۳۱۰) الصفدی، ج۲، ص ۳۴۴---یاقوت، ج۶، ص۷۵ و ۷۶

(۳۱۱) ابن حجر، فتح الباری، ج، ص۸۸

(۳۱۲) یاقوت، ج۲، ص۷۵

(۳۱۳) ایضاً، ج۶، ص۷۵

(۳۱۴) وان کریمر، ص۸۲

(۳۱۵) الخطیب، ج۶، ص ۳۳۰

(۳۱۶) عیاض، الالماع، ص۶۹-۷۹--- الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص۲۵۶-۲۶۱ الرامہرمزی، ص۴۲۰--- ابن الصلاح، ص ۱۴۳-۱۴۷--- احمد محمد شاکر، الباعث الحثیت، ص۱۱۹-۱۲۱--- الامیر الصنعانی، توضیح الافکار، ج۲، ص۲۹۵-۲۹۸

(۳۱۷) عیاض، ص۸۸--- الخطیب، الکفایۃ، ص۳۳۰--- الامیر، ج۲، ۳۲۹

(۳۱۸) الرامہرمزی، ص۴۳۵-۴۵۸--- عیاض، ص۷۹-۸۳--- ابن الصلاح، ص۱۶۰-۱۶۴ اور ۱۶۷--- احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث، ص۱۲۷--- السیوطی، تدریب الرادی، ح ۲، ص۴۰-۴۴--- الامیر الصنعانی، ج۲، ص ۳۴۳

(۳۱۹) عیاض، ص۱۱۵ و ۱۱۶، --- عمر المیانشی، مالا یسع المحدث جہلہ تحقیق صبحی سامرائی (بغداد، شرکۃ الطبع والنشر الاھلیۃ، ۱۳۸۷ھ) ص۷--- ابن الصلاح، ص۱۶۶-۱۶۸--- الرامہرمزی، ص۴۵۹-۴۶۰--- ابن کثیر، ص۱۲۶--- السیوطی، تدریب الراوی، ج۲، ص۴۰-۴۴ الخطیب، الکفایہ ص۳۵۲

(۳۲۰) عیاض، ص۱۰۴

(۳۲۱) الجاحظ، کتاب الحیوان، ج۱، ص۵۵--- احمد امین، ضحی الاسلام،

(۳۲۲) الجاحظ، ج۱، ص۵۴

(۳۲۲) ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ ص ۱۰۳، تحقیق محمد جمیل

غازی

(۳۲۴) ایضاً ۴۰۰

(۳۲۵) ایضاً ۳۹۹

(۳۲۶) الجاحظ، ج ۱، ص ۵۴

(۳۲۷) ایضاً ج ۱، ص ۵۶

(۳۲۸) ایضاً ج ۱، ص ۵۷

(۳۲۹) الخطیب، ج ۱، ص ۴۱۸

(۳۳۰) ابن بشکوال، ج ۱، ص ۵۶۰ --- یاقوت، ج ۷، ص ۵۹ --- الذھبی، ج ۴، ص ۱۳۲۰

(۳۳۱) الخطیب، ج ۴، ص ۱۶۳

(۳۳۲) ایضاً، ج ۳ ص ۲۶۷-۲۶۹

(۳۳۳) یاقوت، ج ۶، ص ۸۲

(۳۳۴) الخطیب، ج ۲، ص ۱۷۷ ابن الاثیر، اللباب، ج ۳، ص ۲۹۱

(۳۳۵) ابن جماعہ، ص ۱۶۴

(۳۳۶) ایضاً، ص ۱۶

(۳۳۷) القفطی، ج ۴، ص ۱۵۰-۳۷

(۳۳۸) ایضاً، ص ۱۴۹

(۳۳۹) ابن جماعہ، ص ۱۶۴

(۳۴۰) المقریزی، ج ۲، ص ۳۶۷

(۳۴۱) ایضاً

(۳۴۲) ابن جماعہ، ص ۱۷۲-۱۷۳

(۳۴۳) ابن الفرضی، ج ۲، ص ۱۱۴

(۳۴۴) ابن بشکوال، ج ۱، ص ۱۴۲

(۳۴۵) ابن الفرضی، ج ۲، ص ۲۰۵

(۳۴۶) الثعالبی، تتمۃ الیتیمۃ، ج ۲، ص ۱۰۲

(۳۴۷) ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۳۴

(۳۴۸) الکتبی، ج ۱، ص ۵۵۷-۵۵۸

(۳۴۹) ابو العرب محمد القیروانی، طبقات علماء افریقہ وتونس، تحقیق علی الشابی ونعیم حسن البانی

(بیروت، الدار التونسیۃ، ۱۹۶۸) ص ۳۴ (المقدمہ)---ابن فرحون، ص ۲۵۰

(۳۵۰) القفطی، ج ۲، ص ۳۲۳---یاقوت، ج ۵، ص ۴۳۲---۴۳۳--- (لہ) معجم البلدان، ج ۲، ص ۳۰۷---السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۲، ص ۲۱۱

(۳۵۱) ابن خلکان، ج ۲، ص ۳۰۷---ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۹۶---ابن العماد، ج ۵، ص ۸۳

(۳۵۲) ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۰---الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۲۶

(۳۵۳) یاقوت، ج ۴، ص ۱۳۱

(۳۵۴) ایضاً ج ۶، ص ۴۰۸

(۳۵۵) ایضاً

(۳۵۶) السمعانی، ورق ۵۵۱

(۳۵۷) الکتبی، ج ۱، ص ۲۱۰---الذہبی، العبر، ج ۵، ص ۲۶

(۳۵۸) الصفدی، ج ۲، ص ۱۱۳

(۳۵۹) یاقوت، ج ۴، ص ۲۴۲

(۳۶۰) ایضاً، ص ۶، ص ۳۰۳

(۳۶۱) المقریزی، کتاب السلوک، ج ۱، ص ۳۷۹

(۳۶۲) Wright Howch, "A Rare Book its essential qualification" Library Trends Vol.5 No.4 April 1957 p.493.

بابِ ہفتم

تنظیم و ترتیبِ علوم اور درجہ بندی

بابِ ششم میں عہدِ عباسی میں کتاب سازی کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی تھی، صنعت وراقت، کتاب سازی، کاغذ فروشی، کتابت و خوشنویسی، سامانِ کتابت، سوق الکتب اور انکی علمی وثقافتی حیثیت، کتابوں کی تجارت، ارزاں و گراں قیمت کتابوں کے عوامل، معیاری ناشرین، اشاعتِ کتب کے ذرائع، تبصرہ و انتخابِ کتب سے بحث کی گئی تھی اور دورِ عباسی میں کتاب کی منزل بمنزل تاریخ کو بیان کیا گیا تھا جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صنعتِ وراقت نے کتابوں کی ترقی کی رفتار کو تیز سے تیز تر کر دیا تھا ہر موضوع پر بازارِ کتب میں کتابیں بکثرت بہ آسانی مل جاتی اور کتب خانوں میں پہنچتی رہتی تھیں ان روز افزوں ذخائرِ کتب کو قابو میں رکھنے اور ان سے افادہ کو سہل تر و عام تر کرنے کیلئے ان ذخیروں کو درجہ بدرجہ رکھنے کی ضرورت تھی اس اہم ضرورت کی تکمیل کی غرض سے علوم کی ترتیب و تقسیم عمل میں آئی۔

علماء، فلاسفہ، مسلم مفکرین اور دانشوروں نے اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً جو کوششیں کی ہیں ان کا تحقیقی جائزہ باب ہفتم میں پیش کیا گیا ہے۔

اس غرض سے اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصے میں علمی درجہ بندی کا بیان ہے دوسرے حصے میں کتابیاتی، کتابی و افادی درجہ بندی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس سے عہدِ عباسی میں متداول علوم کی نہیں بلکہ علوم اوائل کی توسیع و تنویع کی جو کوششیں کی گئی ہیں ان کا خاکہ ذہن میں مرتسم ہو جاتا ہے۔ عہد عباسی میں جن علوم سے اعتناء رہا اور ذخائرِ علوم کو جن شعبوں میں تقسیم کیا گیا ان سے علوم میں ترتیب و تنظیم اور ہم آہنگی کا بھی پتہ چلتا ہے، چنانچہ علمی تقسیموں میں چوتھی صدی ہجری میں فارابی و خوارزمی کی، پانچوں صدی ہجری میں رسائلِ اخوان الصفا، ابنِ سینا، ابنِ حزم کی، اور چھٹی صدی ہجری میں راغب اصفہانی، ابو حامد غزالی اور ساتویں صدی ہجری میں فخر رازی اور ابن ابی الربیع کی، علمی تقسیموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتابیاتی تقسیم میں ابن الندیم کا، کتابی تقسیم میں ابن الکوفی کا، افادی اور مصنوعی درجہ بندی میں اصولی وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے علمی دنیا میں درجہ بندی و تنسیقِ علوم میں

جتنا متنوع کام کیا اور جس ژرف نگاہی کا ثبوت دیا ہے اسکی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

کتابی درجہ بندی کی بنیاد علمی درجہ بندی پر قائم ہے اس لئے علم کی درجہ بندی اور اسکی فلسفیانہ تقسیم میں مسلمانوں کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں جو نہایت دور رس نتائج کی حامل رہی ہیں، ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اس طرح علوم کے انواع و اقسام کی کثرت و تنوع سے کتابی درجہ بندی میں سہولت پیدا ہوئی۔

کتابیاتی درجہ بندی میں سب سے پہلا کام ابن الندیم ہی کا کہا جا سکتا ہے اس سے پہلے کسی کتابیاتی درجہ بندی کا کوئی نمونہ دنیا میں اب تک ہمیں نہیں مل سکا۔

اس طرح کتابی درجہ بندی کا جو علمی نمونہ ہمیں ابن الکوفی کے یہاں ملتا ہے وہ اس دور میں درجہ بندی کی تاریخ میں کتابی درجہ بندی کی پہلی مثال کہی جا سکتی ہے۔

افادی درجہ بندی کا سلسلہ تو مسلمانوں میں بہت عام رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علمی درجہ بندی کی جو کوششیں مسلم فلاسفہ نے کی ہیں وہ ایسی ٹھوس بنیادیں ہیں جو بیکن وغیرہ کی ترتیب علوم اور درجہ بندی کا سبب قرار دیجا سکتی ہیں۔

بابِ ہفتم

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆------------ علمی درجہ بندی

☆------------ فارابی کی تقسیمِ علوم

☆------------ خوارزمی کی تقسیمِ علوم

☆------------ اربابِ اخوان الصفا کی تقسیمِ علوم

☆------------ ابن سینا کی تقسیمِ علوم

☆------------ ابنِ حزم کی تقسیمِ علوم

☆------------ ابنِ عبدالبر کی تقسیم

☆------------ راغب اصفہانی کی تقسیمِ علوم

☆------------ غزالی کی تقسیمِ علوم

☆------------ ابنِ ابی الربیع کی تقسیمِ علوم

☆------------ امام فخرالدین رازی کی تقسیمِ علوم

(ا)

علمی درجہ بندی

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو حقائق اشیاء کی تعلیم دی تھی جیسا کہ آیتِ شریفہ "**وعلم ادم الاسماء کلھا**" (البقرہ ۔۳۱) اور اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے ' سے عیاں ہے کہ یہ آیت "تسمیہ اشیاء" چیزوں کے نام رکھنے اور اقوامِ عالم کی مختلف زبانوں کی ترویج و اشاعت کی بنیاد ہے،(۱)۔ Whitman Walt نے کہا ہے کہ الفاظ سے زیادہ روحانی کوئی چیز نہیں ہے (۲)۔

اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء کے پہچاننے ' انکے خواص جاننے ' ان میں درجہ بندی کرنے کی قدرت انسان کو حاصل ہے اور انہیں قابو میں لانے کی صلاحیت اس میں بدرجہ اتم موجود ہے اس وجہ سے انسان کو سرفرازی حاصل ہوئی ہے اور وہ کائنات کی ہر چیز کو پہچان کر درجہ بندی کر کے اپنی گرفت میں لایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مذکورۂ بالا تعلیم نے انسان کو علوم و معارف کی کان بنایا ہے۔

چنانچہ مفکرِ اسلام راغبِ اصفہانی نے کہا ہے۔

"انسان علوم و معارف کی کان ہے علم و حکمت اسکی فطرت میں ودیعت کیے گئے ہیں یہ اس میں ایسے ہی مخفی ہیں جیسے کہ آگ پتھر میں ' کھجور کا درخت گٹھلی میں ' سونا پتھر میں اور پانی زمین میں لیکن اس تک رسائی ڈول اور رسی کے بغیر نہیں ہوتی بعض مخفی انواع ایسی ہیں کہ انہیں نکالنے کیلئے کھدائی اور سخت محنت کرنی پڑتی ہے پھر انہیں پایا جاتا ہے ورنہ وہ بیکار دبی پڑی رہتی ہیں اس طرح علوم و حکم نفوسِ انسانی میں پائے جاتے ہیں ' بعض نفوسِ قدسیہ کو بغیر جدوجہد حاصل ہو جاتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام کہ ان پر علوم و حقائق کا ملاء اعلیٰ سے فیضان ہوتا رہتا ہے بعض کو تھوڑی سی تعلیم سے حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض کو بہت مشکل سے حاصل ہوتے ہیں جیسے عوام الناس کا حال ہے" (۳)۔

راغبِ اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے مذکورۂ بالا آیتِ شریفہ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم میں بولنے کی صلاحیت و استعداد رکھی ہے (۴) اس سے انہوں نے اشیاءِ عالم میں فرق و امتیاز کیا اور انہیں جدا جدا نام سے پکارا ہے۔

اس سے یہ حقیت واضح ہو گئی کہ بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت بخشی ہے کہ وہ ہر نوع کے افراد میں فرق و امتیاز ملحوظ رکھ سکتا اور بخوبی درجہ بندی کرنے کا اہل ہے ہم شکل و یکساں اشیاء میں ترتیب و تنظیم نہایت ناگزیر ہے اسکی خوبی یہ ہے کہ اس تنظیم سے ان چیزوں کو اٹھانے دھرنے، رکھنے، لیجانے میں سہولت ہوتی ہے اور وقت برباد نہیں ہوتا ہر شے اپنے اصل مقام پر رہتی ہے یہ بات تنظیم Classification کی جان ہے۔

جاحظ کہتا ہے:

"یکساں و ہم شکل چیزوں میں تنظیم و ترتیب مناسب (وناگزیر امر) ہے ترتیب و تنظیم، اجزاء میں خوبی کو فزوں تر کرتی ہے، جب (کتابیں) جانی پہچانی، معلوم و مرتب صورت میں رکھی ہوتی ہیں تو قمطروں (بوروں) کو کثرت کے باوجود الٹ پلٹ کرنے کی حاجت پیش نہیں آتی اور صندوقوں کو مختلف جگہوں پر رکھنے کے باوجود تلاش کرنے کی زحمت نہیں ہوتی، ان کی حفاظت آسان ہوتی ہے ان کی فکر تم پر بوجھ نہیں بنتی اور یہ اس امر میں تمہاری قوت کو بعض دیگر امور کی طرح متوجہ رہنے کے باوجود، آئندہ پیش آنے والی دشواریوں کے لئے محفوظ رکھتی ہے یہ امر تمہاری کتاب سازی و علم سے محبت کی سب سے بڑی دلیل ہے[۵۵]یہی Classification کی حقیقت ہے۔

عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ کلاسیفکیشن اسکیم، لائبریری آف کانگریس کلاسیفکیشن .L.C اور یونیورسل ڈیسی مل کلاسیفکیشن (U.D.C) کی ترقی کے ہر مرحلہ و سلسلہ میں یہی حقیقت کارفرما ہے اس لئے کہ ان میں کتاب کی انفرادی شان بھی باقی رہتی ہے۔

علم جس سے اول لمحہ انسان کو نوازا گیا تھا یہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ میں سے ایک صفت ہے انکی کوئی نہایت نہیں (٦) اسکی وسعتیں اور پہنائیاں لامحدود ہیں اسلئے انسان کی فطرت و شعور میں یہ صلاحیت رکھی گئی اور اسکے بیان و قلم کو یہ قوت بخشی گئی کہ وہ عقل و خرد سے کام لیکر علوم و معارف کے سمندر بہا سکے ہر شعبۂ علم میں وسعت، تنوع و کثرت پیدا کر سکے اور امتیاز و فرق برقرار رکھ سکے اس کی اس صلاحیت اور زورِ بیان کی طرف بھی قرآن نے رہنمائی کی وہ کہتا ہے۔

" ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت کلمٰت اللہ' ان اللہ عزیز حکیم " (لقمان-٢٧)

زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہونگی بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے

"قل لوکان البحر مداد الکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا" (۱۰۹-الکہف)

آپ کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں' بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔

بنی نوع انسان کو کسبی علوم میں تنوع' کثرت' وسعت و امتیاز کی جو اجتہادی صلاحیت بخشی گئی ہے وہ اس لئے تاکہ وہ ان کے تعاون سے وحی کے اسرار کو سمجھے اور اپنے یقین و بصیرت میں اضافہ کرے۔

آیاتِ شریفہ میں (کلمات اللہ) سے "علوم و معارف" اور "حقائقِ اشیاء" مراد ہیں چنانچہ مشہور مفسر ابو جعفر نحاس المتوفی ۳۳۸ھ کا بیان ہے "فقد تبین ان الکلمات ھھنا یراد بھا العلم و حقائق الاشیاء" (۷)۔ ان آیاتِ شریفہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ "کلمات سے علم اور حقائقِ اشیاء مراد ہیں"۔

حقائقِ اشیاء "ہی ثقافتی مظاہر کی اصل بنیاد ہیں' ان ہی حقائقِ اشیاء پر فلسفہ زندگی مرتب ہوتا ہے اور اس کتابی مواد کا نام کتب خانہ ہے' آیتِ شریفہ کی تفسیر میں قفال نے بھی نحاس کی ہمنوائی کی ہے اور کہا ہے۔

"انما الغرض الاعلام بکثرہ معانی کلمات اللہ وھی فی نفسھا غیر متناھیہ" (۸) یہاں اللہ تعالیٰ کے کلمات کے معانی کی کثرت سے آگاہ کرنا ہے جن کی کوئی نہایت نہیں ہے۔

بنی نوع انسان کو سمجھانے کی غرض سے اسکی غایت کثرت کو اس طرح تعبیر کر کے بتایا گیا ہے ورنہ حق تعالیٰ شانہٗ کے علم کی کوئی نہایت نہیں ہے اس کے علم کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہمیں ملا ہے۔

"وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" (الاسراء-۸۵) اور تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

اس آیتِ شریفہ نے علم کے جذبۂ تجسس کی طلب کو بیدار رکھا اور بتایا ہے کہ اس قلت میں کثرت' وسعت اور تنوع مضمر ہے۔ ان ہی "حقائقِ اشیاء" سے حاصل کی ہوئی معلومات پر مبنی فلسفۂ زندگی قوم کا سرمایۂ حیات سمجھا جاتا ہے اس تہذیبی ورثہ کو جب کبھی کتابی صورت میں استفادہ و تحقیق کیلئے کتب خانوں میں نظم و ترتیب سے رکھا جانے لگا وہ ترتیبِ علمی و عملی تقسیم پر مبنی رہی

ہے یہی مختلف علمی درجہ بندیاں آگے چل کر کتابی درجہ بندیوں کی اساس بنی ہیں اسلئے عہدِ عباسی میں نامور مفکرین، علما و فلاسفہ اور فہرست نگاروں نے ان مقاصد کے تحت وقتاً فوقتاً علوم کی تقسیم اور علمی درجہ بندیاں کی ہیں ان کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

فارابی کی تقسیمِ علوم سے پہلے متمدن اقوام میں جن علوم و فنون کا چرچا تھا وہ حسبِ ذیل تھے۔

(۱) علومِ اھل ھند (۱) ریاضیات (۲) فلکیات و نجوم (۳) طب
(۴) الہیات (۵) موسیقی (۶) اخلاقیات (۹)۔

(۲) علومِ اہل فارس طب، نجوم (طلسمات)، فلکیات (۱۰)۔

(۳) علومِ اہل یونان علوم فلسفہ، طبیعات، الٰہیات، ریاضیات، اخلاقیات، منطق (۱۱)۔

(۴) علومِ اہلِ روم و اہلِ مصران کے علوم اہلِ یونان کے علوم تھے (۱۲)۔

(۵) علوم یہود علومِ شریعت و انبیاء (۱۳)۔

(۶) علومِ عرب لغت، شاعری، خطابت، ہیئت، طب (۱۴)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امِ سابقہ میں صرف تین اقوام، ھندی، رومی اور یونانی میں علومِ و فنون کا زیادہ چلن تھا ان میں بھی یونانی سب سے فائق تھے۔ ان کے علوم میں تنوع و کثرت تھی ان متمدن اقوام میں یونانیوں میں سب سے پہلے ارسطو نے فلسفیانہ انداز میں علوم کی تقسیم کی اور اسے حسبِ ذیل دو شعبوں میں تقسیم کیا تھا۔

عملی Practical اور علمی Theoretical ۔ (نظری)

پھر عملی Practical کی حسبِ ذیل قسمیں۔

۱۔ معاشیات Economics

۲۔ سیاسیات Politics

۳۔ قانون Law

یا سیاستِ خاص Proper Politics

۴۔ تخلیقی آرٹ Creative Art

یا صنائی آرٹ Productive Art

اور علمی (نظری) Theoretical کی دو قسمیں کی ہیں۔

Physice Mathematics

ارسطو نے پوری دنیا کے علوم کو سات شعبوں میں محدود کیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی متمدن اقوام کا عموماً اور یونانیوں کا خصوصاً بیشتر علمی کام ان ہی شعبوں میں محدود تھا۔ مسلم فلسفیوں اور دانشوروں نے بھی اس اصول کے تحت علوم کی تقسیم کی مگر اس میں بڑی وسعت، تنوع، استحکام و جامعیت ہے، کتابی درجہ بندی کی اساس علوم کی فلسفیانہ تقسیم و علمی درجہ بندی پر مبنی ہے اس لئے مسلم مفکرین کی علمی تقسیم کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

فلاسفہ میں غالباً سب سے پہلے جابر بن حیان المتوفی ۱۶۰ھ نے علوم کی تقسیم سے اعتناء کیا۔ اس کی تقسیم کا ذکر اس کی دو کتابوں "الحدود" اور کتاب "اخراج مافی القوۃ الی الفعل" میں ملتا ہے یہ دونوں رسالے "رسائل المختارات من رسائل جابر بن حیان" بول کراوس کی تحقیق کے ساتھ قاھرہ سے شائع کئے گئے ہیں اس نے درجہ بندی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

هوالاحاطه بجوهر المحدود على الحقيقه حتى لايخرج منه ماهوفيه، ولايدخل فيه ماليس فيه" (۱۷)

یہ حقیقت میں جوہر محدود کا اپنے "افراد اور شعبوں کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ جو چیز، افراد اور شعبے" اس سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس میں داخل رہیں اور جن کا اس سے تعلق نہیں، وہ اس میں داخل نہ ہوں۔

یہ گویا جنس و فصل کے ساتھ درجہ بندی کی تعریف ہوئی جابر نے اجمالاً علوم کو بنیادی طور پر دو شعبوں میں تقسیم کیا شرعی علوم اور عقلی علوم اس اسکیم کا خاکہ درج ذیل ہے۔

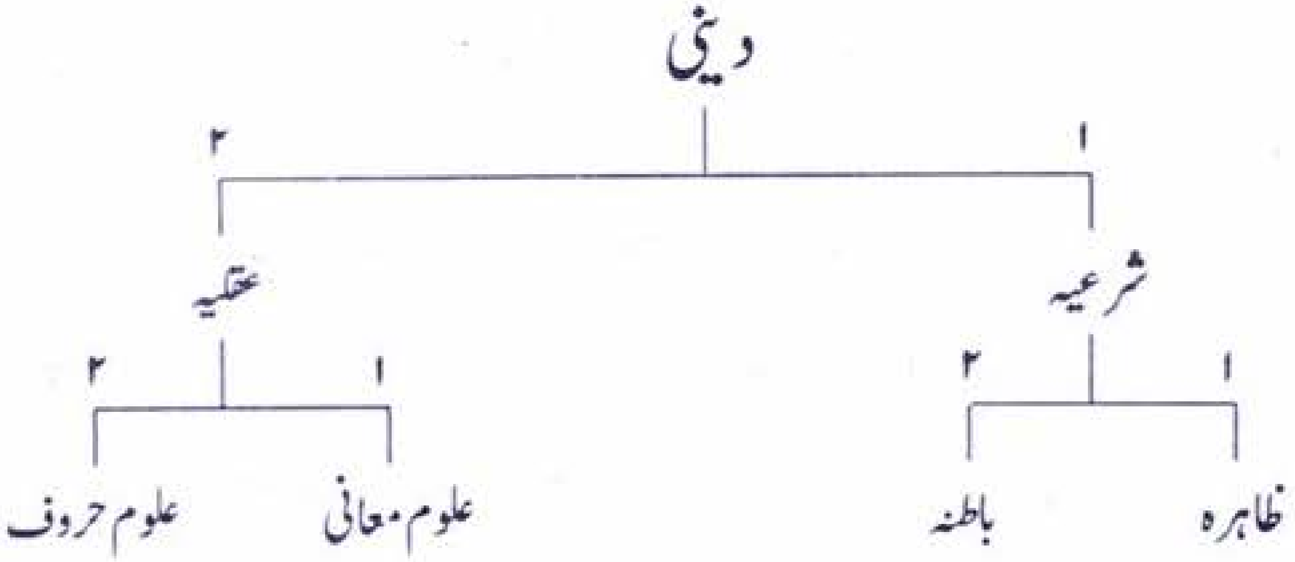

جو چیزیں قوت سے فعل کی طرف جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

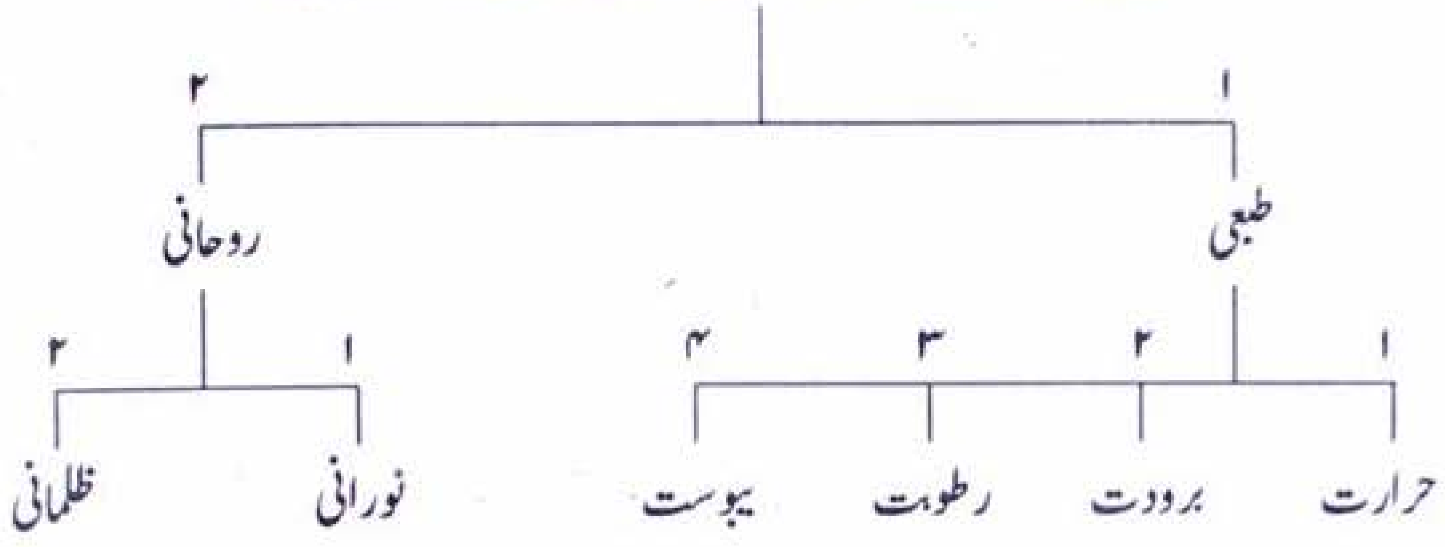
۱
طبعی
۱
حرارت
۲
برودت
۳
رطوبت
۴
یبوست
۲
روحانی
۱
نورانی
۲
ظلمانی

علوم معانی، علوم فلسفہ والٰہیہ سے عبارت ہے۔ (۱۸)

علوم دنیویہ

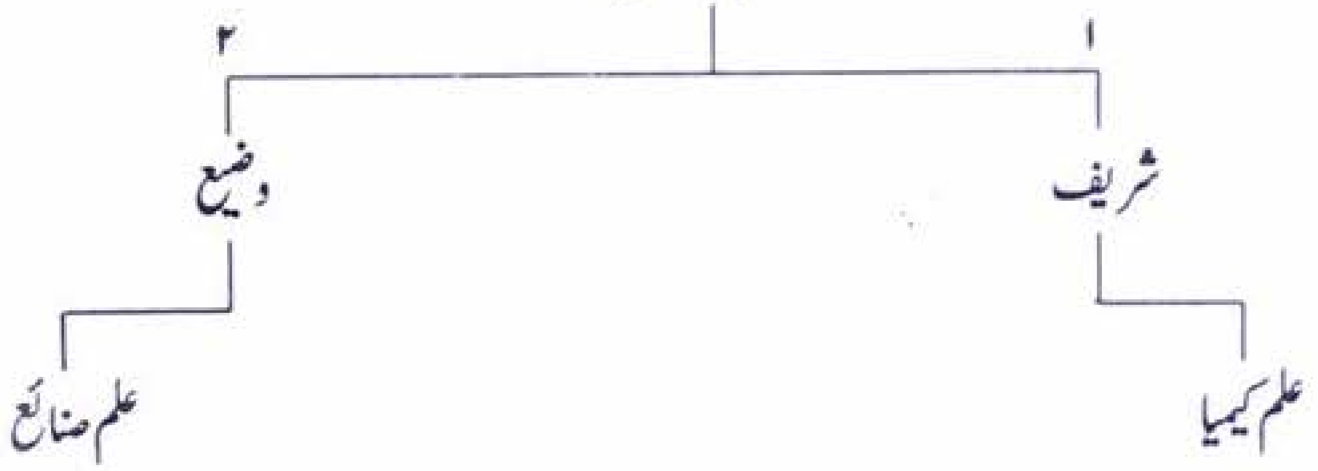
۱
شریف
علم کیمیا
۲
وضیع
علم صنائع

دوسری تقسیم

علوم سات قسم کے ہیں

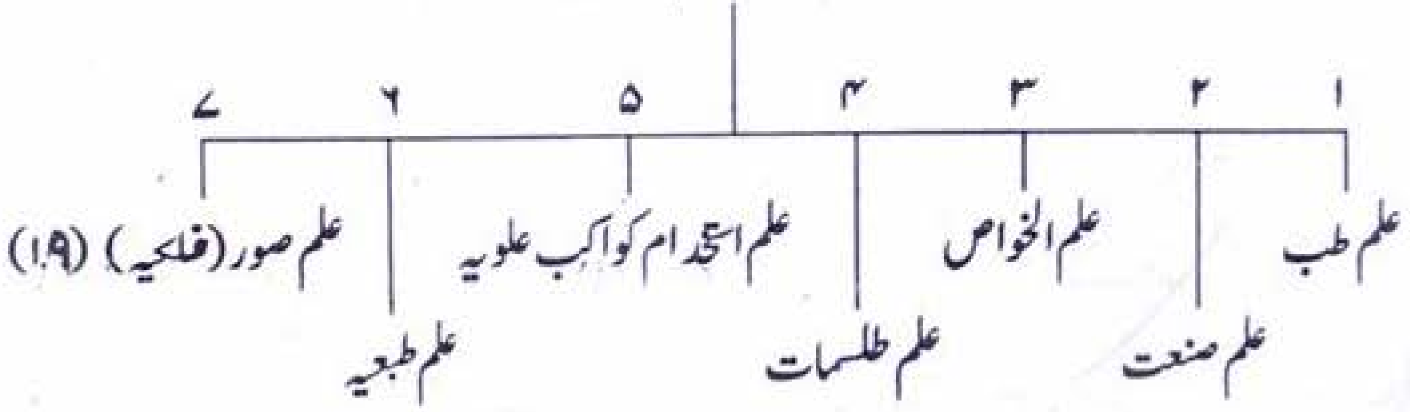
۱
علم طب
۲
علم صنعت
۳
علم الخواص
۴
علم طلسمات
۵
علم استخدام کواکب علویہ
۶
علم طبعیہ
۷
علم صور (فلکیہ) (۱۹)

یہ تقسیم افلاکیہ کے اعتبار سے کی گئی ہے۔

کندی پہلا فلسفی ہے جس نے علمی دنیا میں پہلی مرتبہ تقسیم علوم میں ایک انقلابی نظریہ پیش کیا کہ علم کی دوبنیادی قسمیں ہیں۔

(۱) علوم فلسفہ (دنیویہ)' (۲) علوم دینیہ۔

علوم دنیویہ کی چھ انواع اور علوم دینیہ کی دو قسمیں ہیں جن کا نقشہ درج ذیل ہے۔

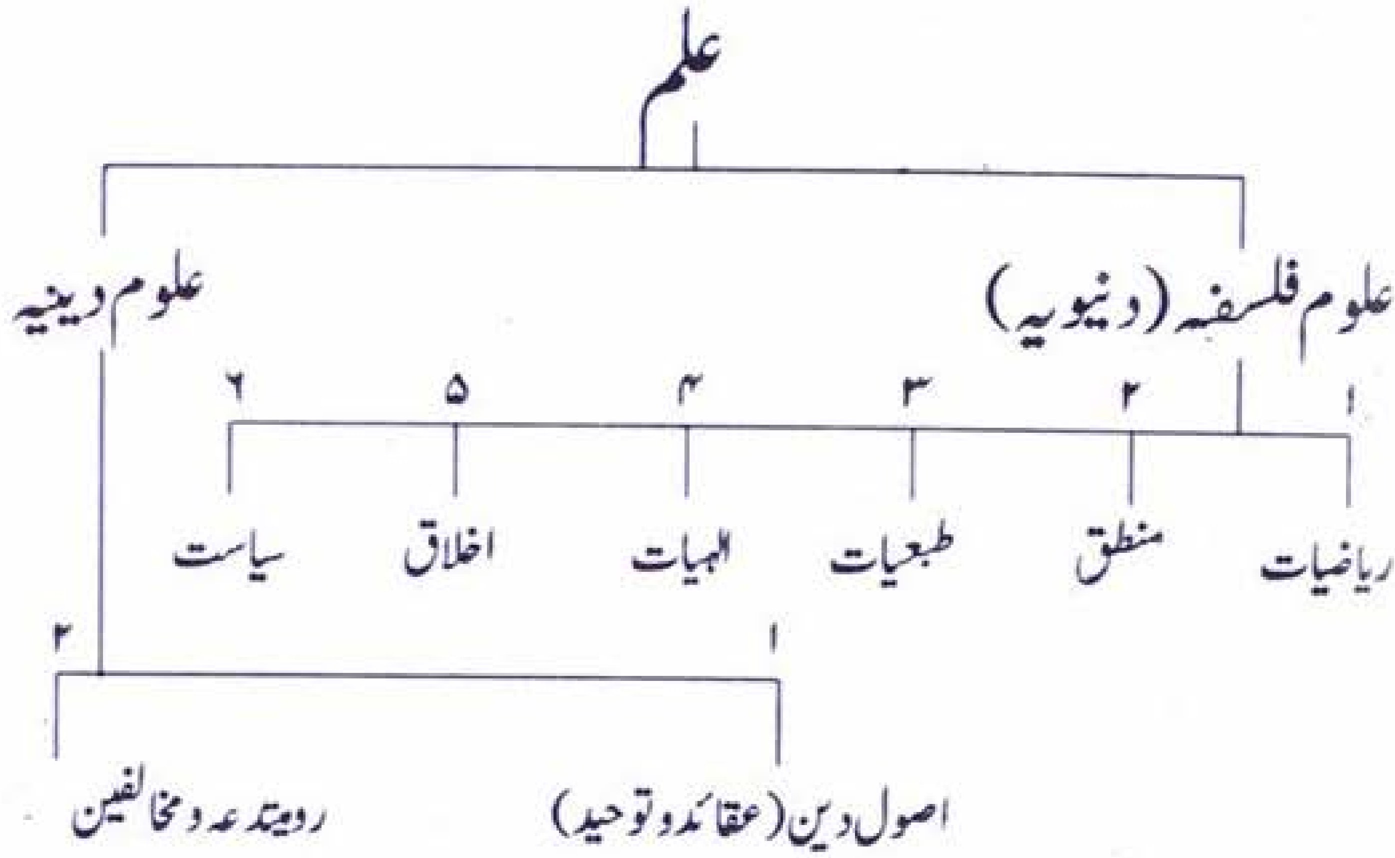
علم
علوم فلسفہ (دنیویہ)
علوم دینیہ
۱
ریاضیات
۲
منطق
۳
طبعیات
۴
الٰہیات
۵
اخلاق
۶
سیاست
۱
اصول دین (عقائد و توحید)
۲
رد مبتدعہ و مخالفین

کندی نے تقسیمِ علوم ارسطو کی تالیفات کے پیشِ نظر کی تھی۔ اس لیے علومِ دینیہ کی مزید انواع نہیں کی گئیں۔

اس تقسیمِ علوم سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بنیادی طور پر علوم کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک علومِ دنیویہ دوسرے علومِ دینیہ اور فلسفہ بھی علومِ دنیویہ کا ایک شعبہ ہے(۲۰)

اس موضوع پر سب سے پہلے فیلسوف عرب یعقوب بن اسحاق کندی المتوفی (سن ۲۶۰ھ - ۸۷۲ء) نے کتاب لکھی تھی۔

مذکورۂ بالا دو علوم کو علوم الٰہیہ اور علومِ انسانیہ کے نام سے بھی یاد کیا جا سکتا ہے یہ کندی کی وہ پہلی تقسیم ہے جس میں یونانی فلاسفہ کی تقلید کو چھوڑ کر تقسیمِ علوم کی نئی طرح ڈالی گئی اور بعد کے اسلامی مفکرین کے لئے رہنما اصول بنی۔

کندی سے پیشتر عیسائی فلاسفہ یونانیوں کے زیرِ اثر جو دین کو اخلاق کا ایک شعبہ سمجھتے تھے وہ علومِ دینیہ کو فلسفہ کے تحت داخل کرتے تھے۔

ابو نصر فارابی المتوفی ۳۳۹ھ - ۹۵۰ء نے احصاءِ علوم (۲۱) اور محمد بن احمد خوارزمی المتوفی ۳۸۷ھ - ۹۹۷ء نے مفاتیح العلوم میں کندی کے طریقہ کو اپنایا (۲۲) اور ان کو مستقل و جداگانہ علم کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

اسلامی عہد میں سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری کے نصف اول میں مسلمان مورخ ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۵ھ نے متمدن اقوام کے علوم و فنون کی تاریخ پر مندرجہ ذیل دو کتابیں لکھی تھیں۔

(۱) فنون المعارف وما جری فی الدھور السوالف
(۲) ذخائر العلوم وما کان فی سالف الدھور۔

یہ کتابیں آج دستیاب نہیں اسلئے ان پر تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) فارابی کی تقسیمِ علوم

چوتھی صدی ہجری کے نصف اول میں سب سے پہلے معلمِ ثانی ابو نصر فارابی المتوفی ۳۳۹ ھ نے تقسیمِ علوم کے موضوع پر قلم اٹھایا اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "احصاء العلوم" لکھا جس میں تمام متداول علوم کو بیان کیا۔ فارابی کی تقسیمِ علوم سے قبل متمدن اقوام میں جن علوم کا چرچا تھا اس کا تذکرہ اوپر گزر چکا۔

ابو نصر فارابی نے تقسیمِ علوم کے متعلق "احصاء العلوم" میں جس فکر کی طرف آغاز بحث میں اشارہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے یہاں علمی تقسیم میں تنظیم و تنسیق Classification سے حسبِ ذیل معنی مراد ہیں وہ کہتا ہے۔

"تقسیمِ علوم مشہور علوم کو فرداً فرداً بیان کرنے اور ہر علم کے تحت اس اقسام کی، اقسام کے ساتھ انواع واصناف کی نشاندہی کرنے اور ان کے مابین جو خصوصی یا عمومی ربط و تعلق قائم ہے اس کی طرف رہنمائی کرنا مقصود ہے۔"

فارابی نے احصاء العلوم کو پانچ فصلوں پر مرتب کیا ہے اور اس میں حسبِ ذیل آٹھ علوم سے بحث کی ہے اور ان آٹھ علوم کی ثانوی تقسیم میں ۳۵ علوم کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) علم اللسان
(۲) علم المنطق
(۳) علمِ ریاضی
(۴) علمِ طبعی
(۵) علمِ الٰہی
(۶) علمِ مدنی (سیاسی)
(۷) علمِ فقہ
(۸) علم کلام

(۱) علم اللسان

اس کی حسبِ ذیل سات قسمیں کی ہیں:۔

(۱) الفاظ مفردہ۔ لغت، دخیل الفاظ، غریب الفاظ
(۲) الفاظ مرکبہ۔ ضرب الامثال، محاورات وغیرہ
(۳) علمِ قوانینِ الفاظِ مفردہ، علمِ صرف، علمِ اشتقاق
(۴) علمِ قوانین الفاظ مرکبہ۔ نحو
(۵) قوانینِ تصحیحِ کتاب۔ املاء
(۶) تصحیح قرأت۔ نقطے اور اوقاف
(۷) قوانینِ اشعار۔ عروض وغیرہ، اس کی مزید تین قسمیں کی ہیں ۲۳۱ ۔

(۲) علمِ منطق

اس کی حسبِ ذیل آٹھ قسمیں کی ہیں۔

(۱) مقولات‘ قاطیغوریاس (Calegoriace)

(۲) عبارت‘ ماری ارمنیاس (Hermeniace)

(۳) قیاس‘ انولوطیقا (AnalyticaPriora)

(۴) برھان‘ انولوطیقا ثانی (AnalyticaPasteria)

(۵) جدل‘ طوبیقا (TOPICA)

(۶) مغالطات‘ سوفسطیقا (Sophistica)

(۷) خطابت‘ ریطوریقا (Rhetorica)

(۸) شعر( ) بوطیقا (Potica)(۲۴)

(۳) علمِ تعالیم (ریاضیات)

اس کی حسبِ ذیل سات انواع کی ہیں۔

(۱) علمِ عدد (۲۵)

(۲) علمِ ھندسہ (۲۶)

(۳) علمِ مناظر (۲۷) اسکی متعدد قسمیں ہیں۔

(۴) علمِ نجوم (۲۸) ایضاً

(۵) علمِ موسیقی (۲۹) ایضاً

(۶) علمِ جر ثقیل (۳۰)

(۷) علمِ حیل (۳۱)

(۴) علمِ طبعی‘ طبعیات۔ اس کی متعدد قسمیں کی ہیں (۳۲)

(۵) علمِ الٰہی‘ الٰہیات۔ ایضاً (۳۳)

(۶) علمِ مدنی (سوشل سائنس) اسکی تین حسبِ ذیل انواع کی ہیں۔

(۱) سیاستِ مدن

(۲) تدبیرِ منزل

(۳) اخلاقیات (۳۴)

(۷) علمِ فقہ (۳۵) نظری و علمی

(۸) علمِ کلام (۳۶) نظری و علمی

علم طبعی کی آٹھ قسمیں کی ہیں۔

(۱) اجسام طبعیہ بسیطہ و مرکبہ مبادی و اعراض (یعنی مادہ و صورت غایت)

(۲) ایضاً (باعتبار تعداد اجزاء و مادہ)

(۳) کون و فساد

(۴) آثارِ علویہ

(۵) متشابہ و مختلف الاجزاء اجسامِ مرکبہ

(۶) معدنیات

(۸) نباتیات

(۹) حیوانیات

علوم لسانیہ اور اسکی فروع

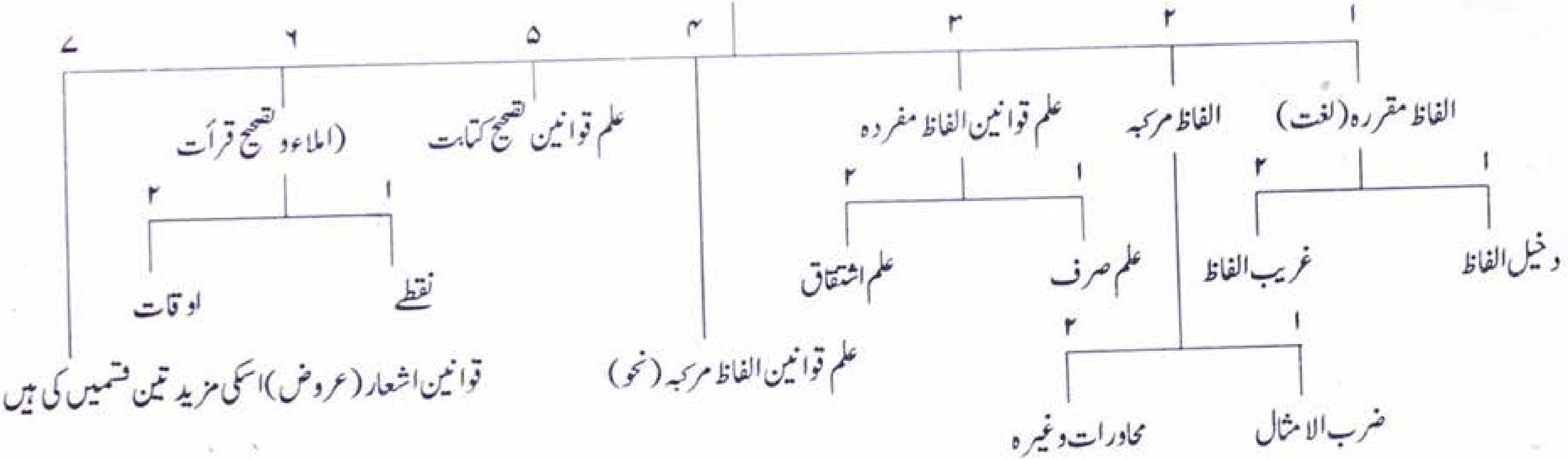
١
الفاظ مقررہ (لغت)
١
دخیل الفاظ
٢
غریب الفاظ
٢
الفاظ مرکبہ
١
ضرب الامثال
٢
محاورات وغیرہ
٣
علم قوانین الفاظ مفردہ
١
علم صرف
٢
علم اشتقاق
۴
علم قوانین الفاظ مرکبہ (نحو)
۵
علم قوانین تصحیح کتابت
٦
(املاء و تصحیح قرأت
١
نقطے
٢
اوقات
٧
قوانین اشعار (عروض) اسکی مزید تین قسمیں کی ہیں

فارابی نے ان علوم کو قوانین کے لفظ سے تعبیر کیا اس لئے کہ علوم کو اس وقت علوم کہا جاتا ہے جب وہ قواعد و قوانین کے تحت منضبط ہو جاتے ہیں۔

منطق اسکی فروع

اس کا آغاز مقولات اور اختتام شعر پر ہوتا ہے۔

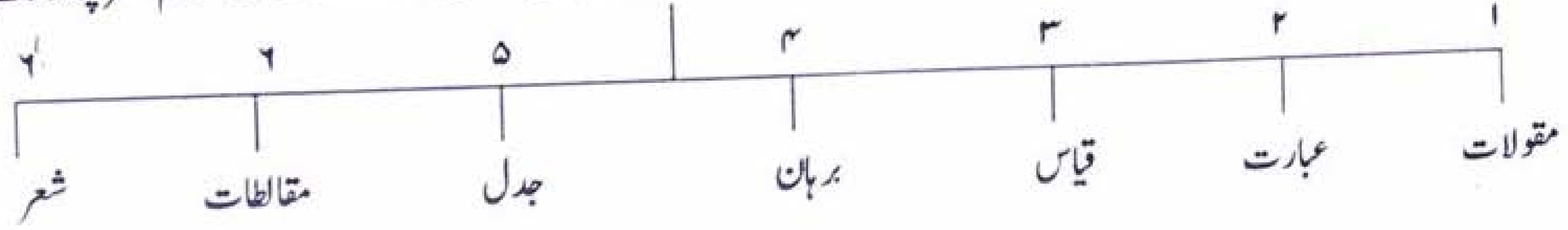
١
مقولات
٢
عبارت
٣
قیاس
۴
برہان
۵
جدل
٦
مقالطات
٧
شعر

(۳) ریاضیات

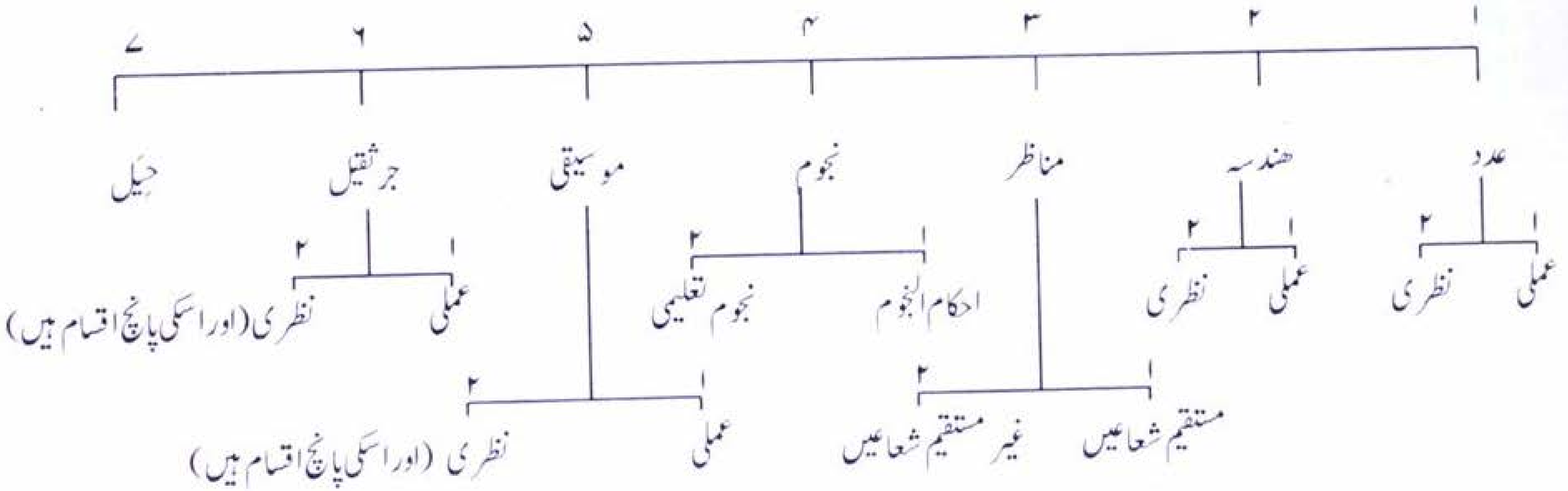
۱
عدد
۱
عملی
۲
نظری
۲
ھندسہ
۱
عملی
۲
نظری
۳
مناظر
۱
مستقیم شعاعیں
۲
غیر مستقیم شعاعیں
۴
نجوم
۱
احکام النجوم
۲
نجوم تعلیمی
۵
موسیقی
۱
عملی
۲
نظری (اور اسکی پانچ اقسام ہیں)
۶
جرثقیل
۱
عملی
۲
نظری (اور اسکی پانچ اقسام ہیں)
۷
حیل

(۴) علم طبیعی

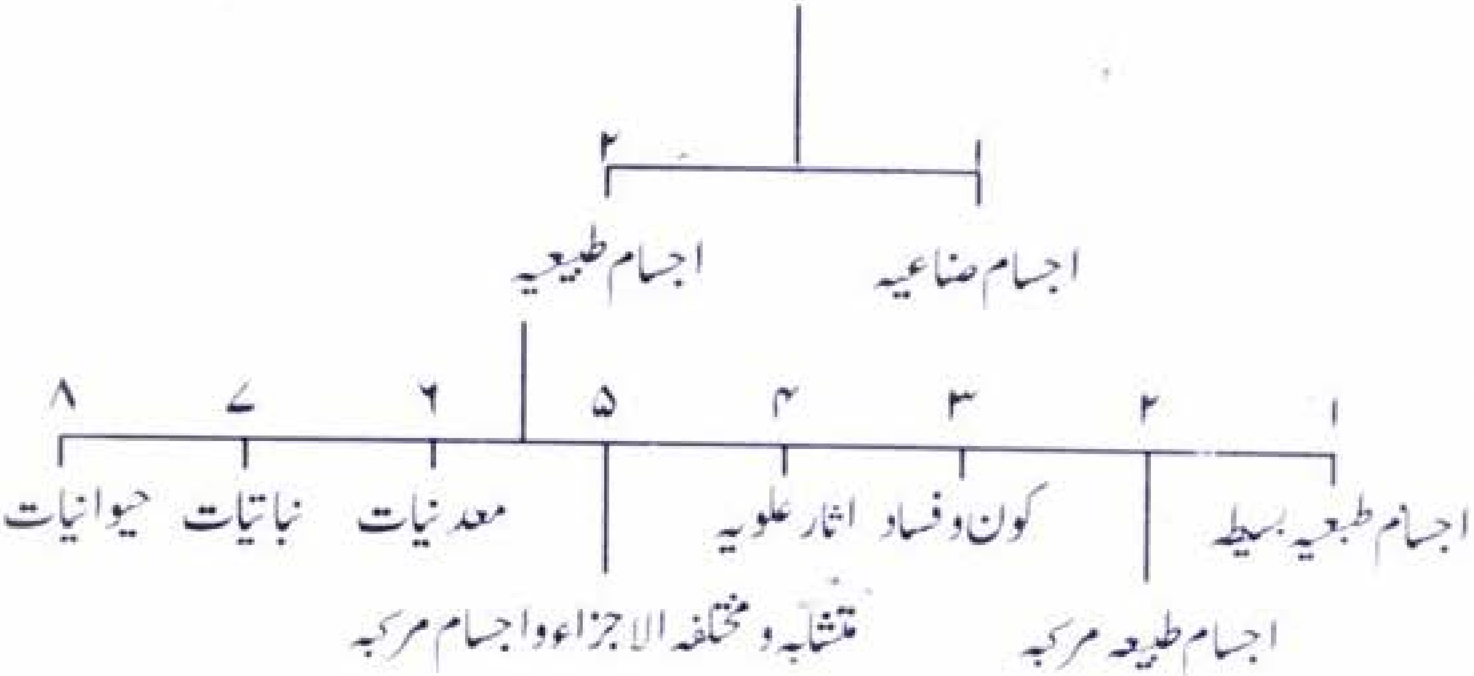
۱
اجسام صناعیہ
۲
اجسام طبیعیہ
۱
اجسام طبعیہ بسیطہ
۲
اجسام طبیعہ مرکبہ
۳
کون و فساد
۴
اثار علویہ
۵
متشابہ و مختلفہ الاجزاء و اجسام مرکبہ
۶
معدنیات
۷
نباتات
۸
حیوانیات

(۵) علم الٰہی

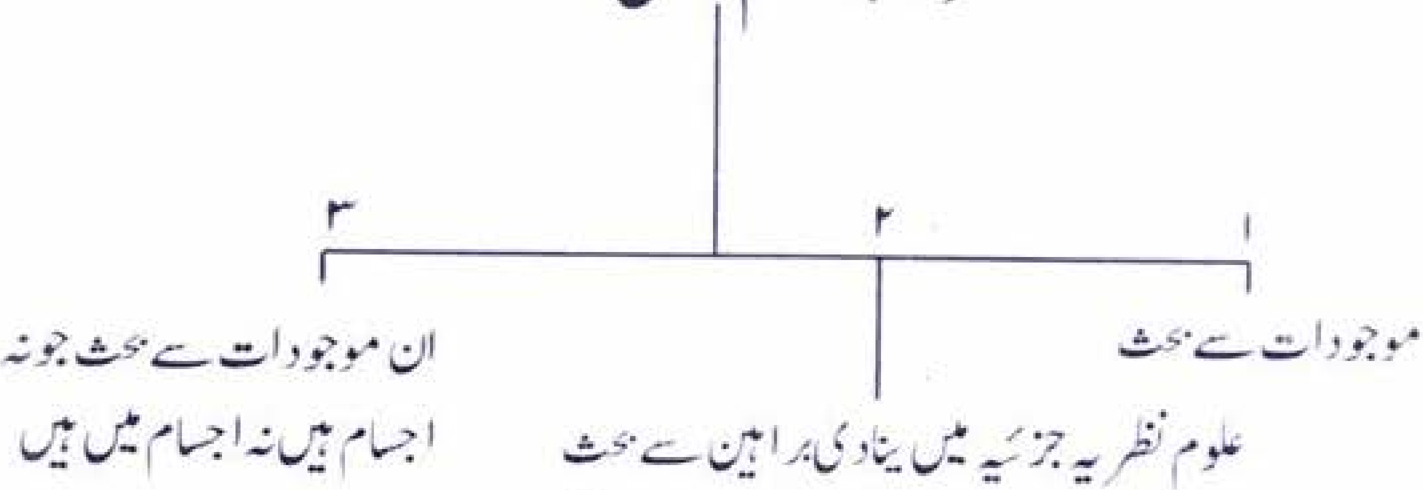
۱
موجودات سے بحث
۲
علوم نظریہ جزئیہ میں بنیادی براہین سے بحث
۳
ان موجودات سے بحث جو نہ
اجسام ہیں نہ اجسام میں ہیں

(۶) علم مدنی (سوشل سائنس)

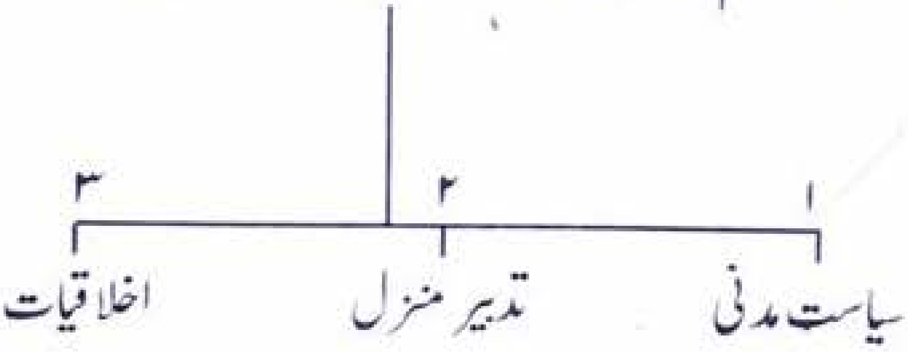
۱
سیاست مدنی
۲
تدبیر منزل
۳
اخلاقیات

(۷) فقہ

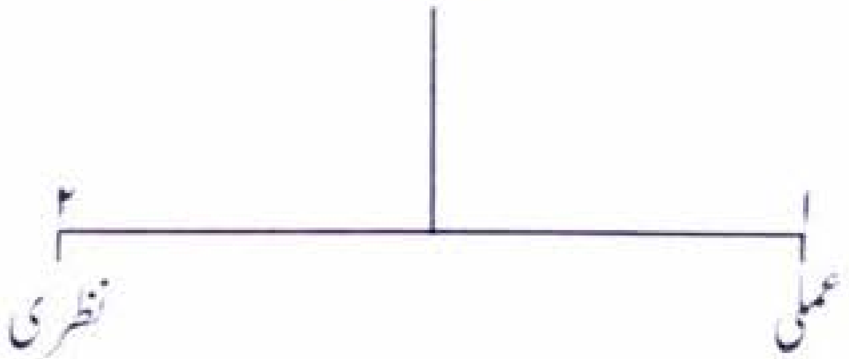
۱
عملی
۲
نظری

(۸) علم کلام

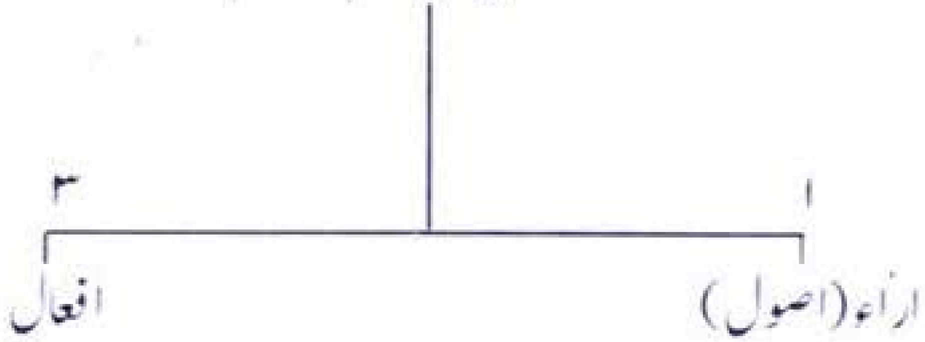
۱
اراء (اصول)
۳
افعال

فارابی کا کمال ہے کہ اس نے متمدن اقوام کے علوم کو بالعموم اور اہلِ یونان کے علوم کو بالخصوص نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ اپنی تقسیم علوم میں سمیٹا ہے۔ اس کو موزوں ترتیب کے ساتھ مکمل نظام کی صورت میں پیش کیا جس کے ابتدائی و انتہائی سلسلوں میں ہر جگہ ربط و ترتیب اور توفیق و تطبیق کار فرما ہے۔ اس سے اس اسکیم کی اہمیت' افادیت' تنوع و جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ علم لسان کو بقیہ علوم پر مقدم گیا کہ یہ علم ہر قوم کی زبان میں تصحیحِ الفاظ و عبارت کی موزونیت کا ذریعہ ہے(۳۷)۔

اس تقسیم کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں منطقی ترتیب کو ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ زبان و بیان اور اس کے ضوابط و قواعد کو ایک ہی سلسلہ و طبقہ (Class • Division) میں یکجا بیان کیا' اس کے بعد ادب کو قریب ہی جگہ دی گئی ہے زبان و ادب میں فصل نہیں کیا گیا اس اسکیم کی یہ بھی خوبی ہے کہ اس میں پہلے آلاتِ فلسفہ کا پھر علمِ فلسفہ کا ذکر کیا گیا' اس میں طبعی ترتیب کو نظر انداز نہیں کیا گیا چنانچہ فارابی نے آلاتِ فلسفہ (منطق) کو پہلے بیان کیا' علوم فلسفہ میں ریاضیات کو مقدم رکھا پھر طبیعیات کو بعد ازاں مابعد الطبیعیات (الٰہیات) کو بیان کیا' طبیعیات اور مابعد الطبیعیات میں گہری مناسبت ہے' اس کے بعد اعمالِ فلسفہ (اخلاقیات) کو بیان کیا جو اس کے باہم ربط و تعلق کو بتاتا ہے اس لئے کہ علم کے بعد عمل ہی کا درجہ ہے۔

فارابی کی اسکیم کی یہ بھی بڑی خوبی ہے کہ اس میں سائنسی علم کا زیادہ احاطہ کیا گیا بلکہ بعض انواع علوم کا اس میں مزید اضافہ کیا ہے چنانچہ معلم ثانی سے پہلے علومِ ریاضیہ کی چار انواع (علمِ عدد' علمِ ھندسہ' علمِ نجوم' علمِ موسیقی) شمار کی جاتی تھیں۔

علمی دنیا میں فارابی پہلا مفکر ہے جس نے علومِ ریاضیہ کی انواع میں تین اہم علوم' ۱۔ علم مناظر ۲۔ علمِ جر اثقال ۳۔ علم حیل کا اضافہ کر کے انہیں علوم ہفتگانہ کا درجہ دیا' لیکن علمِ طب اور علمِ کیمیا جیسے اہم و مفید علوم کو علوم ہی کے زمرہ میں شمار نہیں کیا حالانکہ دورِ عباسی میں ان علوم کا بہت چرچا تھا' سینکڑوں کتابیں ان موضوعات پر شائع ہو چکی تھیں (۳۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے اس دور میں سائنسی علوم کا زیادہ چلن تھا۔ لیکن اسلامی علوم میں صرف فقہ و کلام کا ذکر کیا ہے اور اس کے ماخذ قرآن و سنت کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ بالفاظ دیگر اصول کو چھوڑ کر فروع کا ذکر کیا ہے حالانکہ فارابی کے زمانے میں اسلامی علوم' تفسیر' حدیث' سیر و مغازی اور تاریخ کی بڑی گرم بازاری تھی' کثرت و تنوع اور وسعتِ علوم کے اعتبار سے تفسیر' حدیث' تاریخ و سیر کی تالیفات و نشریات کا دائرہ ان تمام علوم سے جن کا ذکر فارابی نے تقسیم علوم میں کیا ہے کہیں زیادہ ہے۔

ان علوم کا جن کا ذکر فارابی نے تقسیم علوم میں کیا ہے ہم ان کو "ان کنو بولا" (Incunabula) دور کی یادگار کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ اس وقت وہ متمدن اقوام جن کو ان علوم سے شغف تھا کاغذ کے نام سے بھی واقف نہ تھیں۔ ان میں مصنف معدودے چند ہی ہوتے تھے، ان کے یہاں سامانِ کتابت پارچمنٹ (Parchment) اور پپائرس (Papyrus) کی اتنی فراوانی نہ تھی جیسی اسلامی دور میں کاغذ کی تھی۔

اس لحاظ سے اس اسلامی دور کو نشر واشاعت کا دور کہا جا سکتا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ جن انقلابی علوم سے تمام انسانی علوم کو تحفظ 'بقا اور دوام حاصل ہوا' علوم وفنون میں تنوع و کثرت پیدا ہوئی ان کا معلم ثانی ابو نصر فارابی کے قلم سے رہ جانا بہت ہی حیرت و تعجب کی بات ہے۔

فارابی کی مذکورۂ بالا تقسیم میں اگر فقہ وکلام سے عام معنی مراد ہیں جیسا کہ اس کے کلام سے مترشح ہے اور اس میں قانون والٰہیات جو ارسطو کی اساسی تقسیم میں ملحوظ ہے داخل ہے تو اسلامی اصطلاحات سے گریز لازم تھا۔

اب ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ فارابی کی یہ تقسیم بین الاقوامی علومِ متداولہ کی تقسیم ہے اس کا الہامی شرعی اور اسلامی علوم سے کوئی تعلق نہیں ہے دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ علومِ **عقلیہ** کی تقسیم ہے، علومِ **نقلیہ** کی نہیں، بہرحال عالم میں اپنے دور کی سب سے زیادہ متمدن مسلم قوم کے متداول علوم کو نظرانداز کرنے کی کوئی معقول توجیہ نہیں ہو سکتی، یہی اس اسکیم کی سب سے بڑی خامی ہے کہ اس میں بنیادی اسلامی علوم سے تعرض نہیں کیا گیا۔ اس لئے یہ تقسیم علوم فلاسفہ میں محدود ہو کر رہ گئی ہے اس مقام پر اس امر کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ قرآن نے صناعات کو علوم کے زمرہ میں شمار کیا ہے ارشادِ باری تعالٰی ہے۔

وعلمناه صنعه لبوس لكم ۸۰۔ الانبیاء

اور اس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہار الباس

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نے صناعات کو علم قرار دیا ہے۔ یونانی معاشرہ میں طبقاتی تقسیم قائم تھی۔ اس میں صناعات کا تعلق غلاموں اور بازاری لوگوں سے تھا۔ اس لئے فلاسفۂ یونان نے صناعات کو علوم کے زمرہ میں شمار نہیں کیا لیکن فارابی اور دیگر فلاسفۂ اسلام نے صناعات کو بھی علوم میں شمار کیا ہے۔ (۳۹)

ہمیں حیرت ہے کہ ابو نصر فارابی نے تقسیمِ علوم کے متعلق کتاب احصاء **العلوم** میں کسی فلسفیانہ فکر کی وضاحت نہیں کی ہے۔

(۲) خوارزمی کی تقسیمِ علوم

خوارزمی ادیب تھا۔ اس نے دانشوروں اور ادیبوں کیلئے پہلی مرتبہ متداول علوم وفنون کی علمی وفنی مصطلحات کا نہایت مختصر دائرہ معارف تیار کیا اور ایک ادیب کے نقطہ نگاہ سے ادیبوں کی ضروریات کے پیشِ نظر فلسفیانہ التزام سے آزاد ہو کر پہلی مرتبہ علوم کو عربی و عجمی دو طبقوں میں تقسیم کیا۔ اس اعتبار سے یہ پہلی طبقاتی تقسیم کہی جاسکتی ہے اس تقسیمِ علوم کا تعلق علم کی بہ نسبت عمل سے زیادہ ہے اس لئے اس میں ارسطو فارابی کی اسکیم سے زیادہ تنوع و وسعت گہرائی پائی جاتی ہے۔ یہ تقسیم عربی، شرعی اور ادبی سب ہی علوم کو حاوی ہے خوارزمی نے پہلے ان ہی علوم سے بحث کی ہے۔ (۴۰) مشہور فلسفی دی بویر (De Boer) نے اس تقسیم کو بہت سراہا ہے۔ تبتیس (Tibbetts) نے بھی اس کی دادِ تحقیق دی ہے (۴۱)۔

خوارزمی نے پہلے مقالہ میں علومِ عرب کو چھ علوم (۱) فقہ (۲) کلام (۳) نحو (۴) کتابت (۵) شعر وعروض (۶) اخبار (تاریخ) میں تقسیم کیا۔ پھر ہر ایک کو ابواب وانواع میں تقسیم کیا ہے اور علومِ عجم کو فلسفہ، منطق، طب، علومِ عدد، علم ھندسہ، موسیقی، حیل، کیمیا میں تقسیم کیا پھر ان میں سے ہر ایک کو متعدد انواع واقسام میں تقسیم کیا۔ چنانچہ علومِ عرب کی مزید ابواب کی تفصیل و تقسیم درج ذیل ہے۔

علم فقہ کو مزید گیارہ ابواب میں (۴۲)
کلام کو سات ابواب میں (۴۳)
نحو کو بارہ ابواب میں (۴۴)
کتابت کو آٹھ ابواب میس (۴۵)
شعر کو پانچ ابواب میں (۴۶)
اخبار کو نو ابواب میں (۴۷)

خوارزمی نے علومِ عجمیہ کو نو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) فلسفہ کو تین ابواب میں
(۲) منطق کو نو ابواب میں
(۳) طب کو آٹھ ابواب میں (۴۸)
(۴) ریاضیات کو پانچ ابواب میں (۴۹)
(۵) ہندسہ کو چار ابواب میس (۵۰)

(۶) نجوم کو چار ابواب میں (۵۱)

(۷) موسیقی کو تین ابواب میں (۵۲)

(۸) حیل کو دو ابواب میں (۵۳)

(۹) کیمیا کو تین ابواب میں (۵۴)

خوارزمی کی مذکورۂ بالا تقسیمِ علوم کے خاکہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ پہلا مسلمان محقق ہے جس نے طب اور کیمیا کو علوم فلسفہ میں شمار کیا اور انہیں علوم فلسفہ کا ایک مستقل شعبہ قرار دیا، موصوف کی تقسیمِ علوم کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے نیز خوارزمی نے اپنی تقسیم علوم میں رباعیہ (منطق ۲۔ طبعیات ۳۔ ریاضیات ۴۔ الہیات کا التزام نہیں کیا بلکہ اس نے فلسفہ میں علوم کو ہشت گانہ قرار دیا ہے (۵۵)۔

خوارزمی نے بھی فارابی کی طرح علومِ شرعیہ میں فقہ و کلام کو مستقل علم کی حیثیت سے ذکر کیا لیکن قرآن و سنت کا مستقل علم کی حیثیت سے ذکر نہیں کیا۔ شرعی علوم کی تقسیم میں قرآن و سنت کو نظرانداز کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ موصوف نے لسانی اور ادبی علوم میں مناسبتِ طبعی کا خیال رکھا ہے اس لئے ان کو ساتھ ذکر کیا ہے لسانی علوم کے بعد تاریخ کو مستقل علم کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

عجمی علوم میں فلسفہ و منطق کی منطقی و طبعی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے چنانچہ طب کو ریاضیات سے اور موسیقی کو حیل و کیمیا سے مقدم رکھا اور حیل و کیمیا کو سب سے مؤخر کیا ہے۔

(۳) اربابِ اخوان الصفا کی تقسیم علوم

یہ تقسیم علوم مسلمان فلاسفہ (۱) ابو سلیمان محمد بن معشر بستی مقدسی (۲) ابو الحسن علی بن ھارون زنجانی (۳) ابو احمد مہرجانی (۴) محمد بن احمد عوفی نہراجوری اور (۵) زید بن رفاعہ کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے (۵۶) اور باون رسالوں پر مشتمل ہے۔ چودہ تعلیمی ریاضیات پر (۵۷)، سترہ طبیعیات پر (۵۸)، دس عقلی نفسیات پر (۵۹) اور گیارہ رسالے الہٰیات پر ہیں (۶۰)۔ ان رسائل میں علوم کی تقسیم زیادہ تفصیل سے کی گئی ہے۔ ان فلاسفہ نے پہلی بار ان علوم کو جنہیں بنی نوع انسان حاصل کرتے ہیں حسبِ ذیل تین اہم شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) علومِ ریاضیہ
(۲) علومِ شرعیہ وضعیہ
(۳) علومِ فلسفیہ حقیقیہ

فارابی ابنِ سینا کی تقسیمِ علوم سے یہ تقسیمِ علوم اس اعتبار سے قطعی مختلف ہے کہ اس میں علومِ ریاضیہ اور علومِ شرعیہ وصنعیہ کا اضافہ ہی نہیں کیا گیا بلکہ انہیں علومِ فلسفیہ حقیقیہ کا مقابل وقسیم ٹھرایا گیا ہے، اس طرح ان فلاسفہ نے علوم فلسفہ کے علاوہ سولہ علوم کو مستقل علم کی حیثیت سے علیحدہ شمار کیا ہے جس میں زبان وادب، کیمیا، حیل، صنعتیں اور حرفتیں، تجارت، کھیتی باڑی، افزائشِ نسل اور علم تاریخ وسیر کو علومِ ریاضیہ کے انواع میں اور علم تنزیل کتب سماویہ، تاویل و تفسیر، روایات، فقہ، زُھد و تصوف کو علومِ شرعیہ وصنعیہ میں شمار کیا ہے لیکن علم کلام کو علومِ شرعیہ کے بجائے علوم فلسفہ میں داخل کیا ہے۔

علومِ طبعیہ کی تقسیم میں بہت زیادہ بسط و تفصیل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں سائنسی علوم کا زیادہ چرچا اور شہرہ تھا۔ اسی تنوع وکثرتِ علوم کی بناء پر دی بوئر نے رسائل اخوان الصفاء کو علومِ اوائل اور قدماء کے علوم وعقائد کا دائرۃ المعارف قرار دیا ہے۔ (۶۱)

علومِ ریاضیہ (۶۲) کو حسبِ ذیل ۹ انواع میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ علومِ ریاضیہ

(۱) کتابت و قرأت
(۲) لغت و نحو
(۳) حساب و معاملات
(۴) شعر و عروض
(۵) زجر وفال

(٦) سحر و عزائم (تعویذات)

(۷) کیمیا و حیل (جر اثقال میکانیکی)

(۸) حرفتیں اور صنعتیں

(۹) تجارت، کھیتی باڑی اور افزائش نسل

(۱۰) علم سیر و اخبار (٦۳)

۲۔ علوم شرعیہ (٦۴)

(۱) علم تنزیل۔ ان علوم کے ماہرین قراء، حفاظ، مفسرین کی سوانح کو آتی کے ساتھ رکھا ہے۔ (٦۵)

(۲) تاویل۔ ائمہ و انبیاء (٦٦)   (۳) روایات و اخبار۔ محدثین (٦۷)

(۴) فقہ و سنن و احکام۔ فقہاء (٦۸)

(۵) زھد و تصوف، تذکرہ و مواعظ صوفیہ، زھاد، رھبان (٦۹)

(٦) تعبیر رویا۔

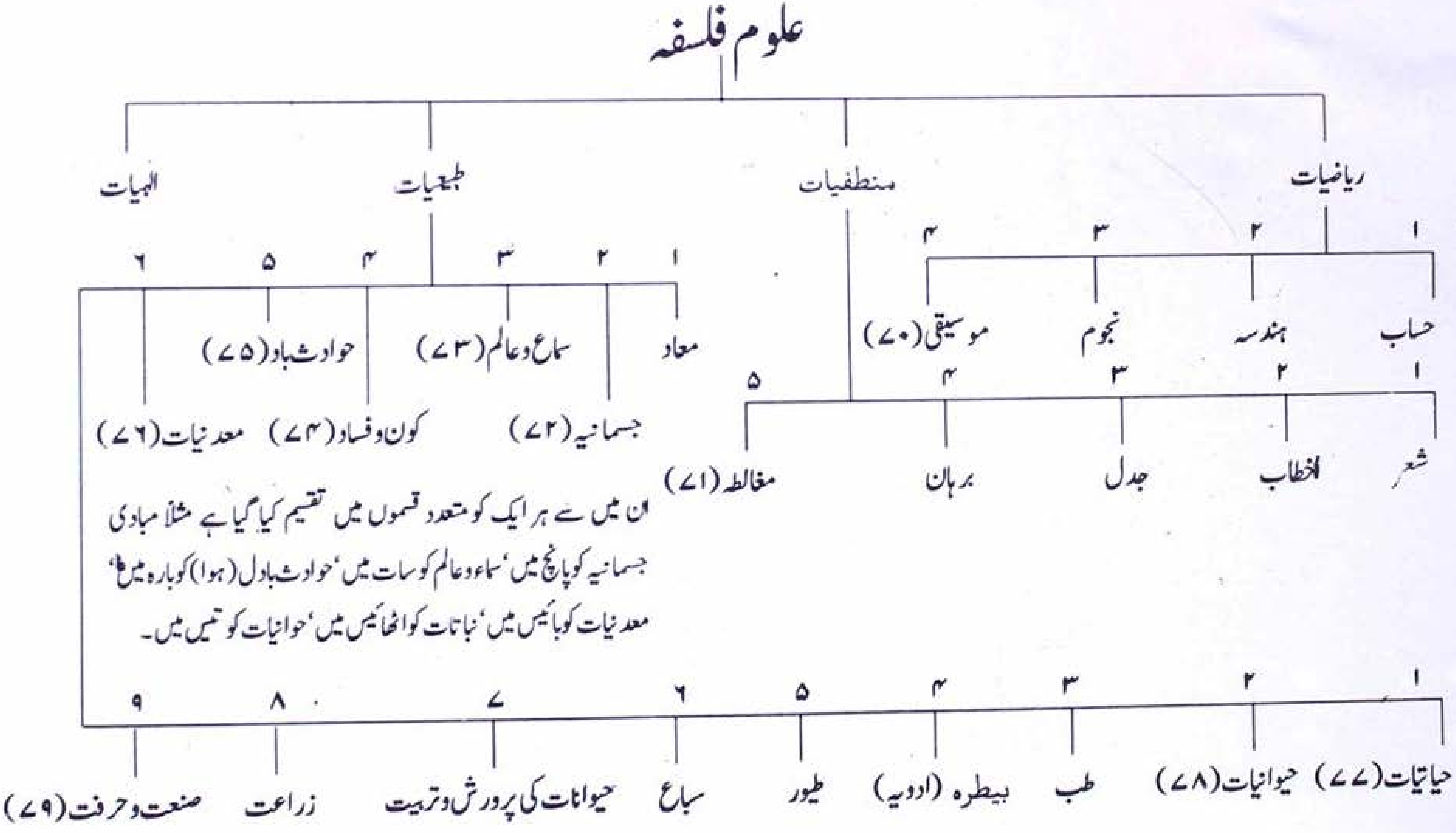
علوم فلسفہ
ریاضیات
منطقیات
طبعیات
الہیات
۱
۲
۳
۴
حساب
ہندسہ
نجوم
موسیقی (۷۰)
۱
۲
۳
۴
۵
شعر
الخطاب
جدل
برہان
مغالطہ (۷۱)
۱
۲
۳
۴
۵
۶
معاد
جسمانیہ (۷۲)
سماء وعالم (۷۳)
کون وفساد (۷۴)
حوادث باد (۷۵)
معدنیات (۷۶)
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
حیاتیات (۷۷)
حیوانیات (۷۸)
طب
بیطرہ (ادویہ)
طیور
سباع
حیوانات کی پرورش وتربیت
زراعت
صنعت وحرفت (۷۹)

ان میں سے ہر ایک کو متعدد قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً مبادی جسمانیہ کو پانچ میں، سماء وعالم کو سات میں، حوادث بادل (ہوا) کو بارہ میں، معدنیات کو بائیس میں، نباتات کو اٹھائیس میں، حوانیات کو تیس میں۔

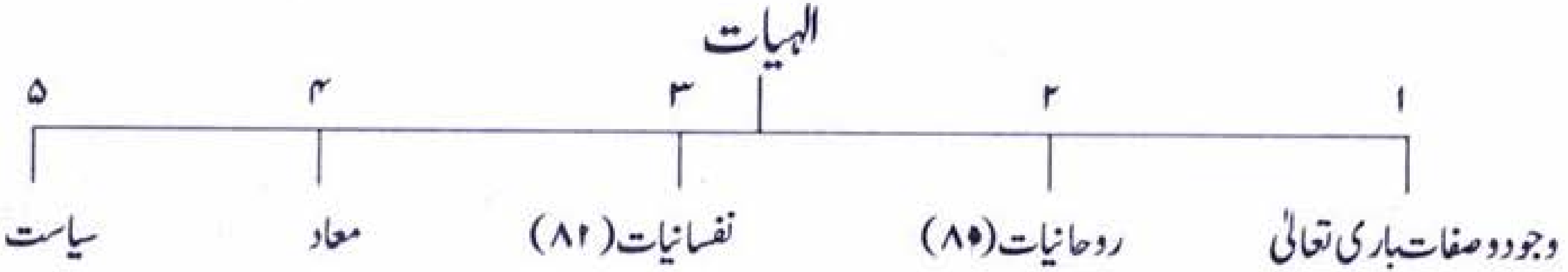
الہیات
۱
۲
۳
۴
۵
وجود و صفات باری تعالیٰ
روحانیات (۸۵)
نفسانیات (۸۱)
معاد
سیاست

ان میں سے ہر ایک کو متعدد قسموں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ ان کی مزید تقسیم ممکن ہے مثلاً سیاست کو حسب ذیل درج قسموں تقسیم کیا گیا۔

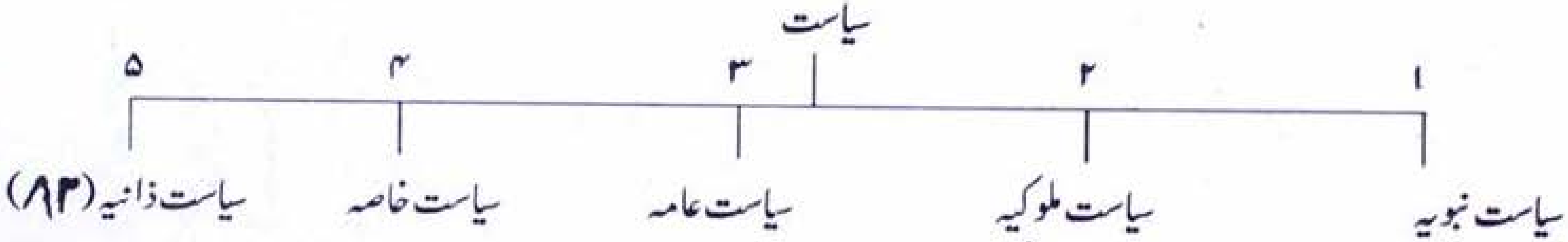
سیاست
۱
۲
۳
۴
۵
سیاست نبویہ
سیاست ملوکیہ
سیاست عامہ
سیاست خاصہ
سیاست ذاتیہ (۸۴)

مثلاً سیاستِ ملوکیہ ‘ احیاءِ سنت امر بالمعروف ‘ نہی عن المنکر ‘ اقامتِ حدود ‘ انذار احکام ‘ ردِ مظالم ‘ بیخ کنی اشرار ‘ نصرتِ اخیار کی معرفت سے عبارت ہے۔ ان آٹھ ڈویژن میں سے ہر ایک ڈویژن کو سب ڈویژنوں میں آسانی سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اربابِ اخوان الصفا کو فلسفیانہ انداز پر شرائع کی اصلاح مقصود تھی اس لئے انہوں نے سیاسیات کو مذکورۂ بالا انواع میں تقسیم کیا تھا۔

(۴) ابنِ سینا کی تقسیمِ علوم

شیخ بو علی سینا کی علوم کی تقسیم اسکی تین کتابوں "کتاب الشفا" (جو علومِ فلسفہ کا نہایت مبسوط دائرہ المعارف ہے) (۸۳) میں، اس کے خلاصہ "کتاب النجاۃ" اور "رسالہ فی العلوم العقلیہ" میں ملتی ہے، یہ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے علوم کی تقسیم ہے اور علومِ منطقیہ، ریاضیات، طبعیات، الہیات اور اخلاقیات وغیرہ کو جامع ہے۔

فارابی اور ابنِ سینا کی تقسیم علوم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فارابی کے یہاں علوم کی تقسیم میں جو ایک نوع کا عموم پایا جاتا ہے وہ ابنِ سینا کے یہاں یکسر مفقود ہے جیسا کہ علوم حکمیہ اور رسالہ فی اقسام العلوم العقلیہ میں (۸۴)، حکمیہ و عقلیہ کی قید سے ظاہر ہے اور اس لئے شیخ ابنِ سینا کے یہاں تقسیم علوم میں علمِ فقہ اور علمِ کلام کا نام تک نہیں ہے جبکہ فارابی کی تقسیم میں اجمال و تفصیل کا فرق بھی ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فلاسفہ کی تقسیمِ علوم کا تمام تر تعلق فلسفیانہ اور عقلی علوم سے ہے اس لئے وہ شرعی علوم سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔

مسلم فلاسفہ میں فارابی، ابنِ سینا اور مصنفین رسائلِ اخوان الصفا نے تقسیمِ علوم میں ارسطو کے نظریہ تقسیمِ علوم سے زیادہ موافقت کی ہے چنانچہ عصرِ حاضر کے نامور مستشرق کارلو نلینو (Carlo Nallino) کہتا ہے کہ فلسفہِ ارسطو کے پانچویں چھٹی صدی عیسوی کے یونانی شارح امونیوس (Ammonias) اور سمپلیقوس (Simplikios) نے اس کی کتابوں سے قواعد کا استخراج کیا پھر ارسطو (۳۸۴-۳۲۲ ق م) کی رائے پر علوم کی تقسیم کی (۸۵) اس لئے انہوں نے علمِ ہیئت اور علمِ احکام نجوم میں فرق کیا، احکام نجوم کو طبعیات کی فروع میں شمار کیا حکمت ریاضیہ سے شمار نہیں کیا گویا اس کا علم آثار و علامات پر طبعی دلالت سے ہوتا ہے حساب کے اصول سے نہیں (۸۶)۔ یہ صرف ارسطو اور اس کے شارحین کے افکار کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

فلاسفۂ یونان کی پیروی کی طرف روزنتھال (FranzRosenthal) نے بھی اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

یونانی علوم کے ترجمہ کے دور میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ مختلف اقسامِ علم میں مرتب و منظم درجہ بندی کو سمجھا اور اس موقعہ پر انہیں علم ہوا کہ تاریخ، علوم حقیقیہ کے شعبوں Schedules میں داخل نہیں ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ یونانی علوم کی درجہ بندی جسے عربوں نے اختیار کیا اس میں تاریخ کو کوئی درجہ (۸۷) نہیں دیا گیا ہے اس لئے فارابی اور ابنِ سینا نے تاریخ

کا تقسیمِ علوم میں تذکرہ نہیں کیا ہے(۸۸) کامل بکری اور عبدالوھاب ابو النور کی رائے بھی یہی ہے کہ وہ فلاسفہ کے علوم ہی کو علوم سمجھتے اور اسکے علاوہ دوسرے علوم کو علوم ہی نہیں گردانتے تھے اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلا کہ عربی فلسفہ کی درجہ بندی یونانی علوم کی تقسیم سے بیحد متاثر ہوئی اور عربوں کے خالص علوم (لسانی و ادبی) جو یونانیوں اور غیر یونانیوں سب میں مشترک تھے تفریق نہیں کی گئی علوم کی درجہ بندی میں ان کا مسلک ارسطو کے فلسفیانہ افکار کا تابع رہا لیکن وہ اہل علم جو فلسفی نہ تھے جیسے خوارزمی اور ابن الندیم انہوں نے عربی اور عجمی علوم کی درجہ بندی کی ہے(۸۹)۔

ابنِ سینا نے کتاب الشفاء میں علوم فلسفہ کو حسبِ ذیل چار علوم میں منحصر مانا ہے۔

۱۔ منطق ۲۔ طبیعیات ۳۔ ریاضیات ۴۔ الٰہیات

ان مذکورۂ بالا علوم کو علومِ فلسفہ قرار دیا اور اس اعتبار سے ان کی تقسیم کی ہے

طبیعیات

طبیعیات کی دو قسمیں کی ہیں اصلیہ اور فرعیہ ' اصلیہ کی متعدد قسمیں ہیں اور حکمتِ فرعیہ طبیعیہ کو حسبِ ذیل شعبوں میں تقسیم کیا ہے

حکمتِ فرعیہ طبیعیہ

ابن سینا کی تقسیم علوم کا خاکہ یہ ہے

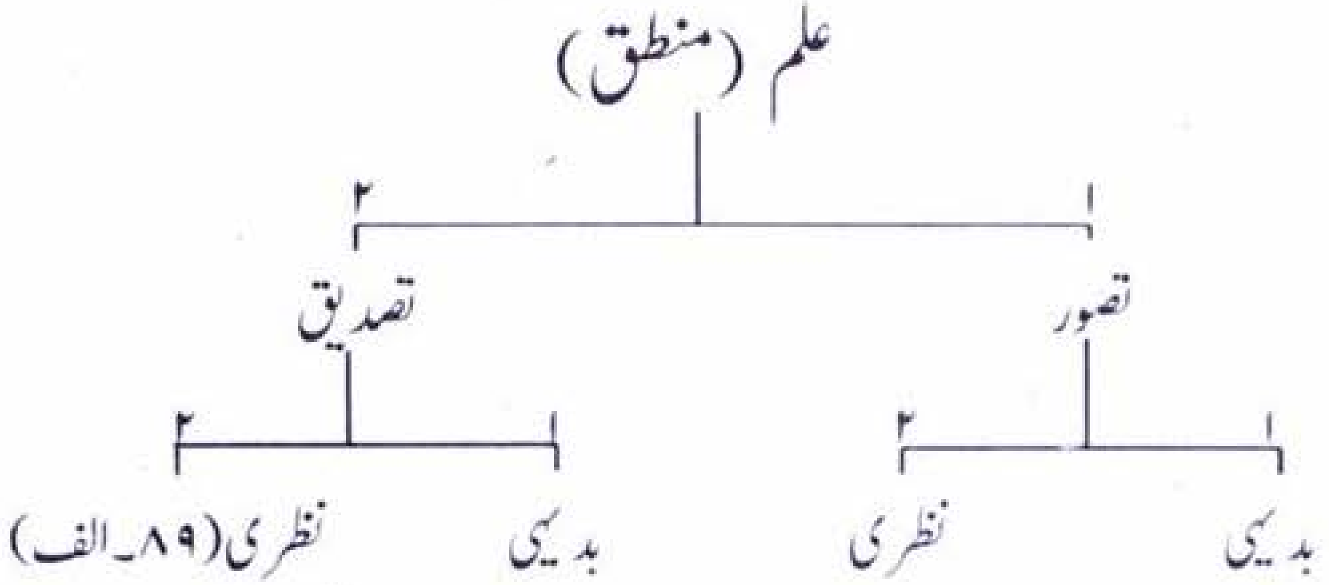
علم (منطق)
۱
۲
تصور
تصدیق
۱
۲
بدیہی
نظری
۱
۲
بدیہی
نظری (۸۹۔الف)

ہر تصور الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اس لئے لفظ کی تقسیم کی گئی ہے

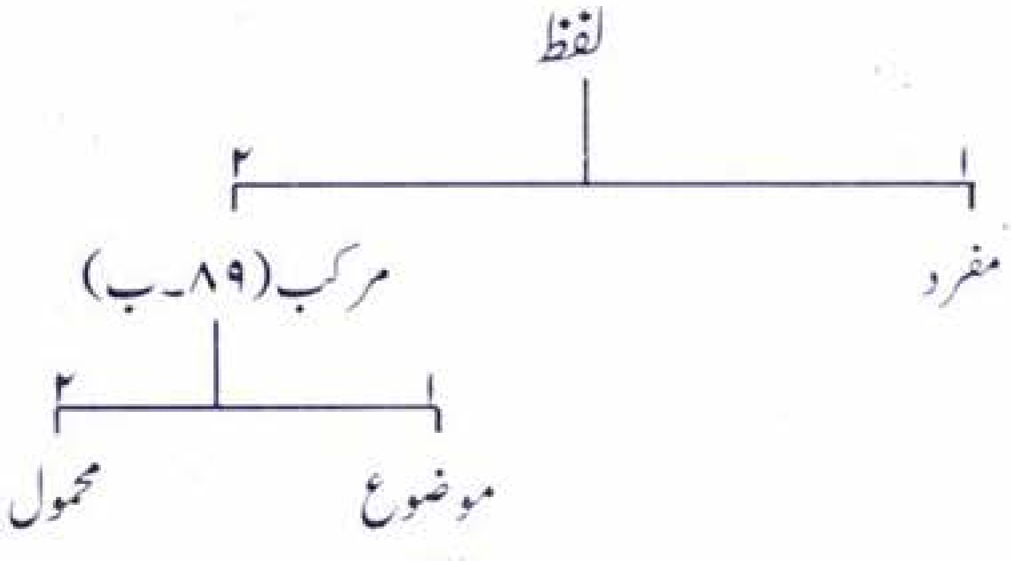
لفظ
۱
۲
مفرد
مرکب (۸۹۔ب)
۱
۲
موضوع
محمول

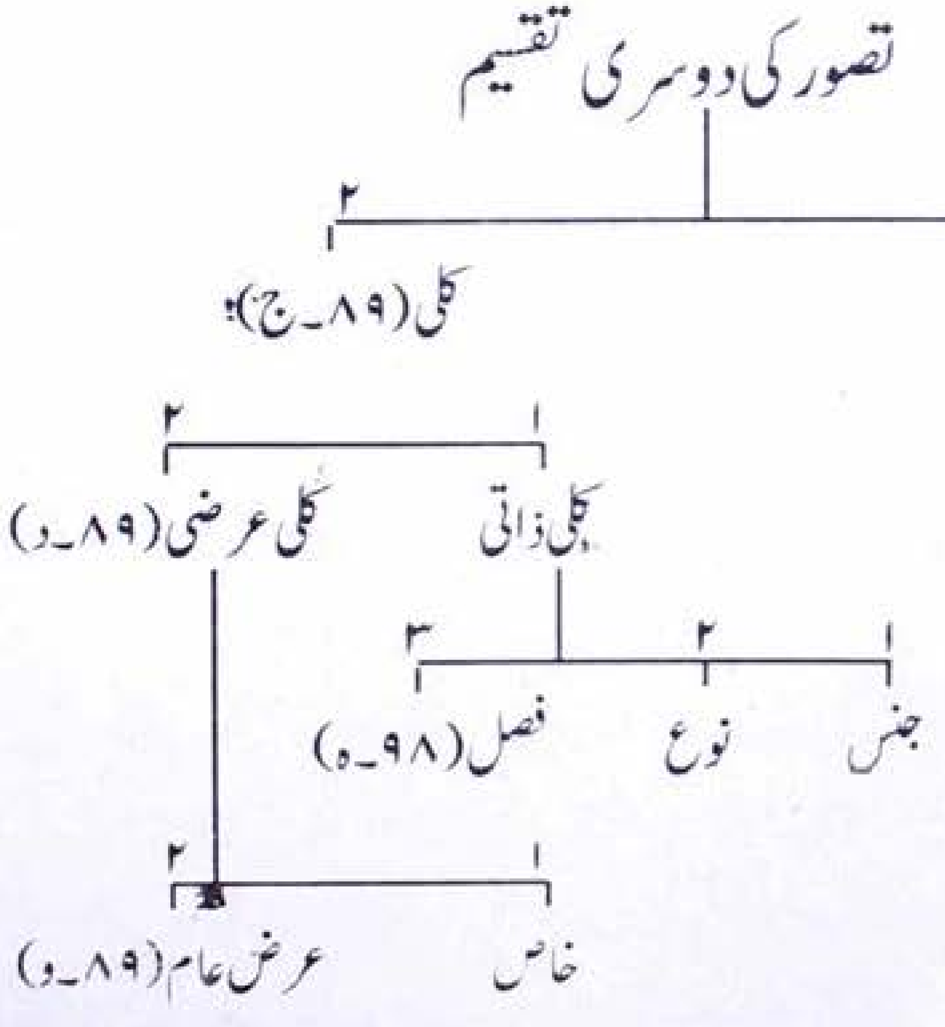
تصور کی دوسری تقسیم
۱
۲
جزئی
کلی (۸۹۔ج)؛
۱
۲
کلی ذاتی
کلی عرضی (۸۹۔د)
۱
۲
۳
جنس
نوع
فصل (۹۸۔ہ)
۱
۲
خاص
عرض عام (۸۹۔و)

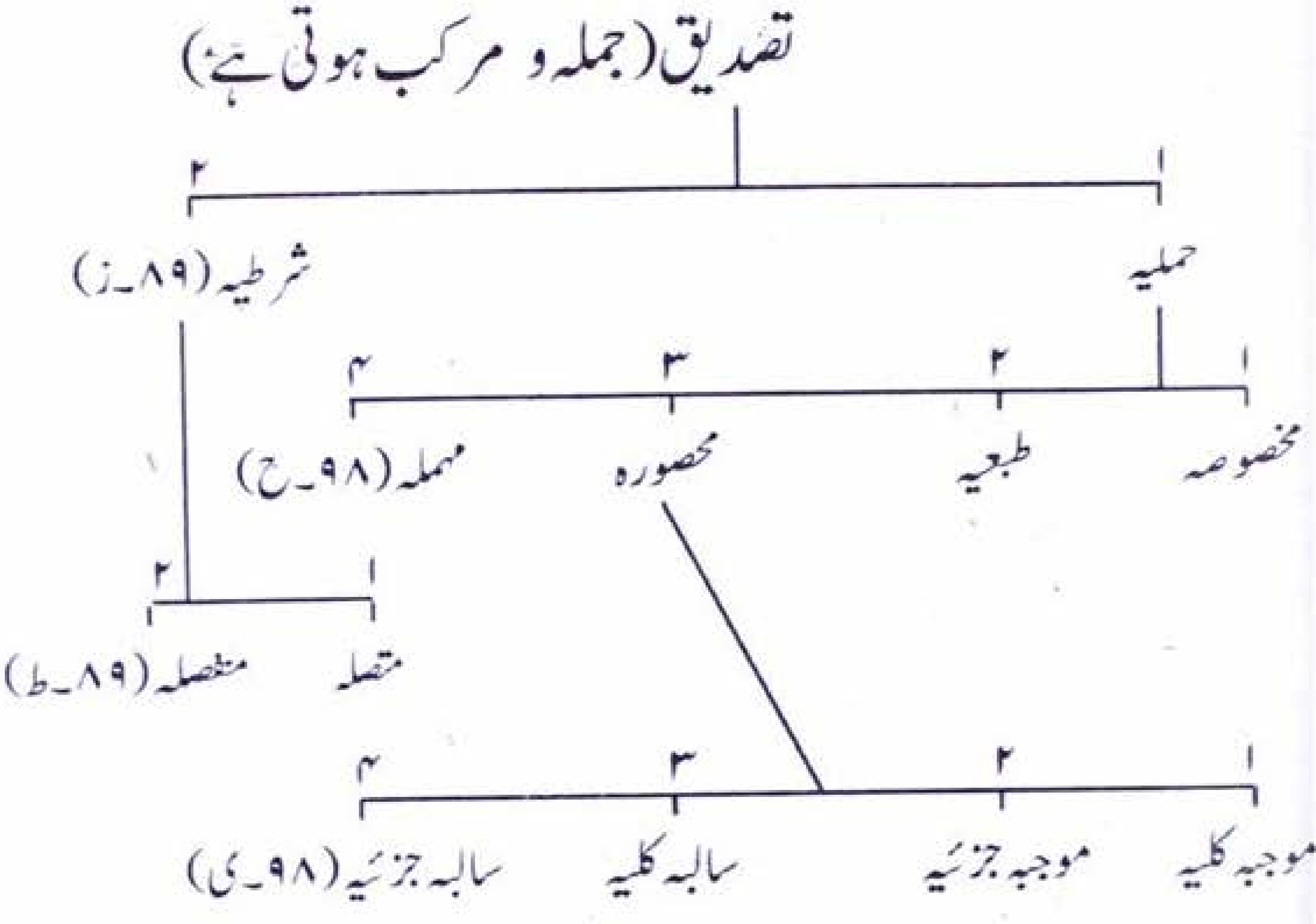
تصدیق (جملہ و مرکب ہوتی ہے)
۱
حملیہ
۲
شرطیہ (۸۹۔ز)
۱
مخصوصہ
۲
طبعیہ
۳
محصورہ
۴
مہملہ (۹۸۔ح)
۱
متصلہ
۲
منفصلہ (۸۹۔ط)
۱
موجبہ کلیہ
۲
موجبہ جزئیہ
۳
سالبہ کلیہ
۴
سالبہ جزئیہ (۹۸۔ی)

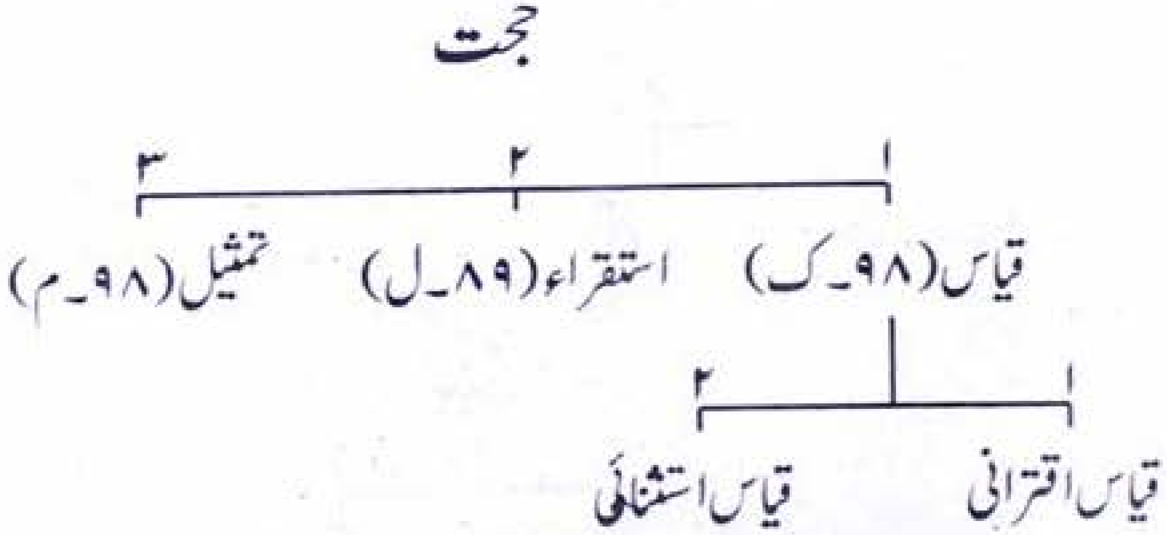
حجت
۱
قیاس (۹۸۔ک)
۲
استقراء (۸۹۔ل)
۳
تمثیل (۹۸۔م)
۱
قیاس اقترانی
۲
قیاس استثنائی

۲

حکمت فرعیہ طبیعیہ

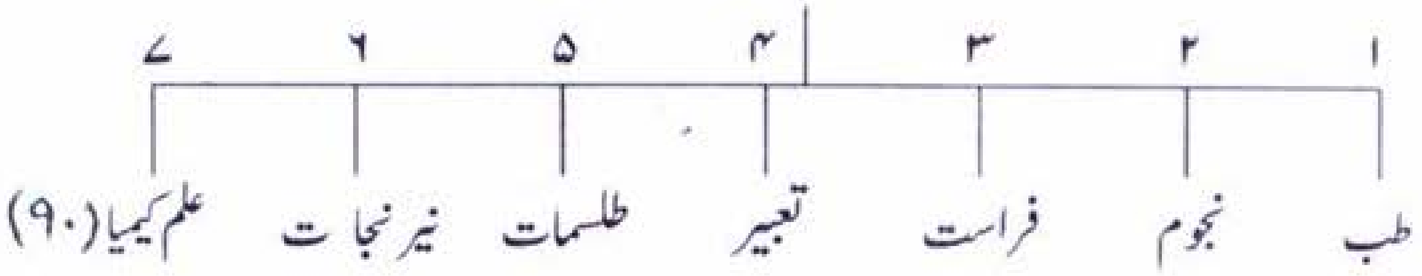
۱
طب
۲
نجوم
۳
فراست
۴
تعبیر
۵
طلسمات
۶
نیرنجات
۷
علم کیمیا (۹۰)

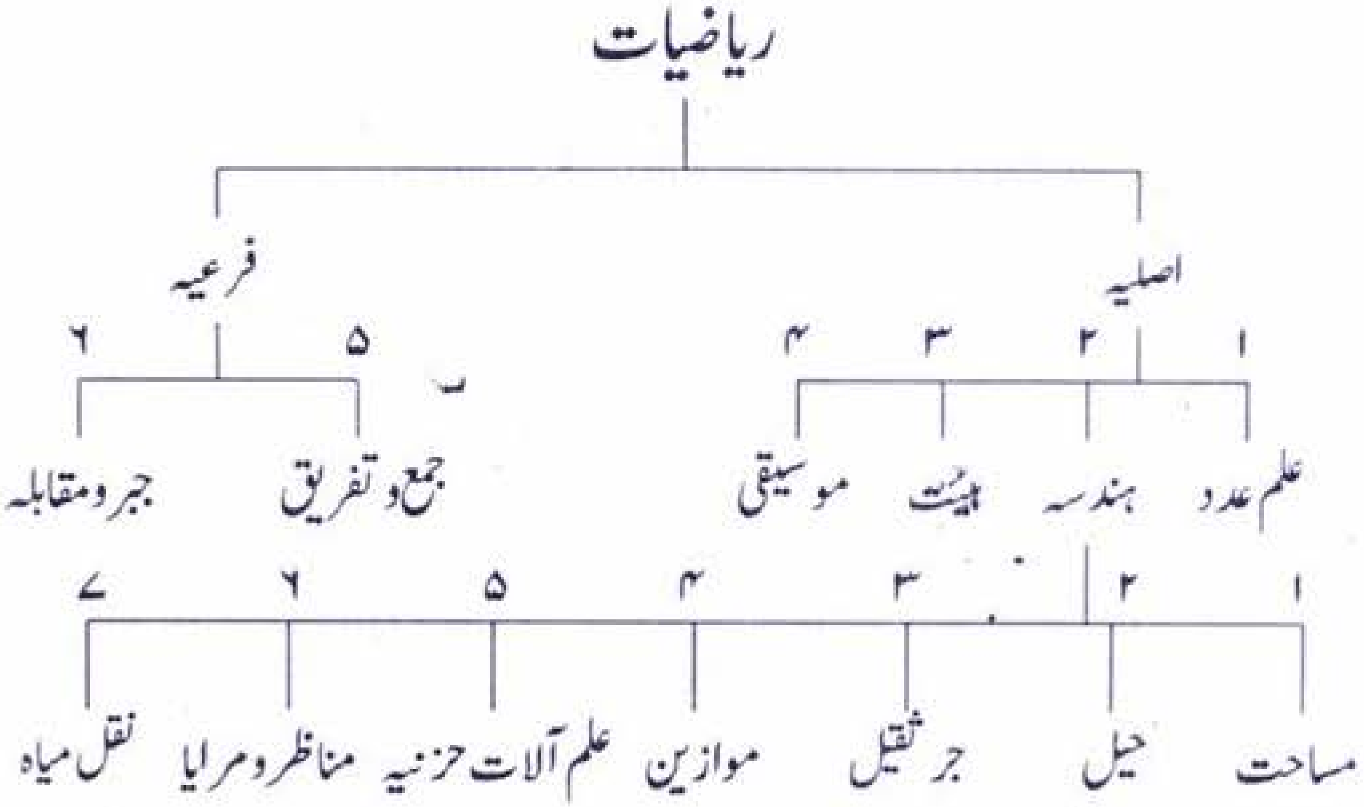
ریاضیات
اصلیہ
فرعیہ
۱
علم عدد
۲
ہندسہ
۳
ہیئت
۴
موسیقی
۵
جمع و تفریق
۶
جبر و مقابلہ
۱
مساحت
۲
حیل
۳
جر ثقیل
۴
موازین
۵
علم آلات حزبیہ
۶
مناظر و مرایا
۷
نقل میاہ

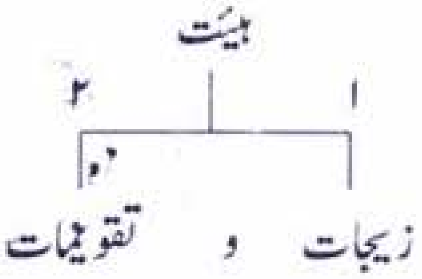
ہیئت
۱
زیجات
و
۲
تقویمات

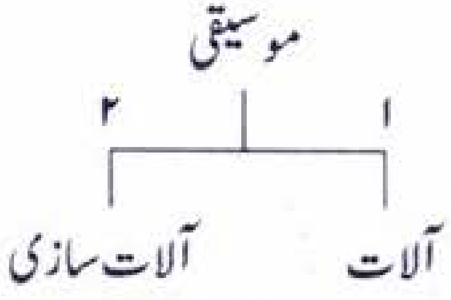
موسیقی
۱
آلات
۲
آلات سازی

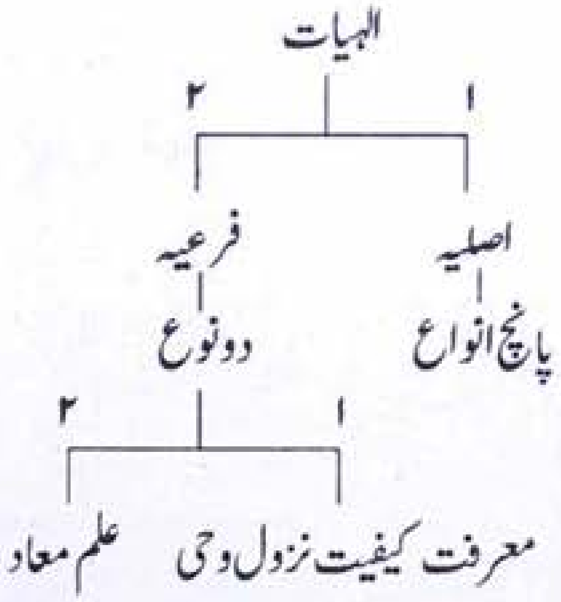
الہیات
۱
اصلیہ
پانچ انواع
۲
فرعیہ
دو نوع
۱
معرفت کیفیت نزول وحی
۲
علم معاد

منطق کی نو قسمیں بیان کی ہیں

ابن سینا بخارا میں صوان الحکمہ کا مہتمم رہا ہے وہ کتب خانہ کی ضروریات کو سمجھتا تھا اور جملہ علوم اس کی نظر میں تھے لیکن فلسفہ میں انہماک کی وجہ سے دوسرے علوم کے شعبوں کو تقسیم میں نظرانداز کر گیا ہے۔

(۵) ابنِ حزم کی تقسیمِ علوم

ابنِ حزم فلسفیانہ علوم میں ارسطو اور فارابی کا ہم پلہ نہ سہی لیکن فلاسفہ کے علوم کا خوب شناسا ہے اور اسلامی علوم میں فارابی و ابن سینا کا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ خود بھی صاحب خزانۃ الکتب تھا اس نے فارابی کی طرح تقسیم علوم پر "مراتب العلوم" کے نام سے مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تقسیم علوم کے متعلق نہایت اصولی اور بہت مفید معلومات پیش کی ہیں جو اس کے پیشروؤں میں کسی کے یہاں ہمیں نہیں ملتی ہیں۔

ابنِ حزم پہلا اسلامی مفکر اور عالم ہے جس نے تقسیم علوم کی بحث میں علم کی تعریف کی ہے وہ کہتا ہے "تحقیق اور صحتِ نظر کی رو سے ہر وہ بات جس کو سیکھا جائے وہ علوم میں داخل ہے"(۹۲)۔

علم کی مذکورۂ بالا تعریف علوم و صنائع دونوں کو جامع ہے کتب خانہ علوم کی درجہ بندی میں علوم و صنائع دونوں کا جامع، محافظ اور امین ہوتا ہے۔ کتاب خانہ کے نقطۂ نظر سے علم کی یہ تعریف نہایت جامع و مانع ہے۔

اس تعریف کے پیشِ نظر علوم اور علوم کا لفظ ہفت گانہ علوم کو (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) بولا جاتا ہے اس لحاظ سے علم بیوپار، سلائی، بنائی، کشتی رانی، کشتی سازی، کھیتی باڑی، درختوں کی پیوندکاری، شجرکاری، عمارت سازی وغیرہ بھی علوم میں داخل ہیں، فرق اتنا ہے کہ یہ خالص بنیادی علوم ہیں جن کی **احتیاج معاشی زندگی میں** رہتی ہے اور علومِ شرعی کا مقصد آخرت تک رسائی ہے اس لئے وہ تقدیم و تفصیل کے مستحق ہیں (۹۳)۔

ابنِ حزم کی تقسیم علوم، کئی لحاظ سے اہم ہے یہ پہلا عالم و مفکر ہے جو تمام علوم کو مدارج ہفت گانہ میں منحصر مانتا ہے۔ تین مدارج میں اقوامِ عالم کو باھم ممتاز اور مدارجِ اربعہ میں مشترک قرار دیتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

(۱) ہر قوم کی ایک شریعت اور ایک عقیدہ ہے جس کا تعلق کسی شئے کے اثبات یا ابطال سے ہے۔

(۲) ہر قوم کا علم تاریخ ہے۔

(۳) ہر قوم کا علم لغت ہے۔

اقوام ان ہی تین علوم سے باہم ممتاز ہوتی ہیں بقیہ چار علوم (۱) علمِ نجوم (۲) علمِ عدد (۳) علمِ طب (۴) علمِ فلسفہ میں متفق و متحد ہیں (۹۴) یہ علوم کے وہ اقسام ہیں جن پر عہدِ قدیم میں علم اور

علوم کا لفظ بولا جاتا تھا(۹۵)۔

اس کے بعد ابنِ حزم نے شرعی علوم کو حسب ذیل چار اہم شعبوں میں تقسیم کیا ہے (۱) علم القرآن (۲) علم الحدیث (۳) علم الفقہ (۴) علم الکلام۔ پھر ان میں سے ہر علم کی مزید انواع واقسام بیان کی ہیں۔

ابن حزم نے شرف رتبی کی بناء پر شرعی علوم کو لسانی علوم سے مقدم بیان کیا اور اس نے سب سے پہلے غیر شرعی علوم میں تاریخ کے بین البراعظمی (Continental)، سنین وار (Chronological) شہر وار و ممالک (Country-Wise) اور طبقات وار تقسیم کی طرف اشارہ کیا ہے (۹۶) پر اسلامی تاریخ میں تہذیب و تمدن دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ (۹۷)

علم طب میں طبِ نفسانی سے علاج کو جداگانہ شعبہ علم کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ ابن حزم نے زبان وادب کو دو شعبوں میں ایک کو دوسرے سے بہت دور رکھا ہے ممکن ہے "مراتب العلوم" کے لاطینی ترجمہ کی وجہ سے ڈیوی (Dewey) نے اس امر میں ابن حزم کی اتباع کی ہو۔ ابن حزم نے "رسالہ التوقیف علی شارع النجاہ باختصار الطریق" میں علوم اوائل وفلسفہ سے بحث کی ہے اور کہا ہے کہ "حقائق کو غیر حقائق سے تمیز کرنے میں اس علم کی افادیت مسلم ہے" (۹۸)۔ علمِ عدد، علمِ مساحت، علمِ ہیئت، علمِ طب کو اچھا اور مفید علم قرار دیا ہے نیز کہا ہے کہ ان تمام علوم کا تعلق دارِ دنیا سے ہے(۹۹)۔

۳

علوم شرعیہ

- ۱ علم القرآن
  - ۱ قرأت
  - ۲ معانی قرآن
- ۲ علم حدیث
  - ۱ متون حدیث
  - ۲ رواۃ حدیث
- ۳ علم فقہ
  - ۱ احکام قرآن
  - ۲ احکام الحدیث
  - ۳ اجماعی مسائل متفقہ و مختلفہ
  - ۴ معرفت وجوہ دلالت
  - ۵ وجوہ دلالت صحیح و غیر صحیح
- ۴ علم کلام
  - ۱ معرفت مقالات متکلمین
  - ۲ دلائل متکلمین
  - ۳ کلام کی دلائل سے صحیح ثابت شدہ باتیں
  - ۴ کلام کی دلائل سے غلط ثابت شدہ باتیں

علوم لغت (۱۰۰)

- ۱ علم نحو
  - ۱ مسموع قدیم
  - ۲ علل محدثہ
- ۲ علم لغت
- ۳ علم اخبار (تاریخ)

بقیہ اگلے صفحے پر دیکھیں

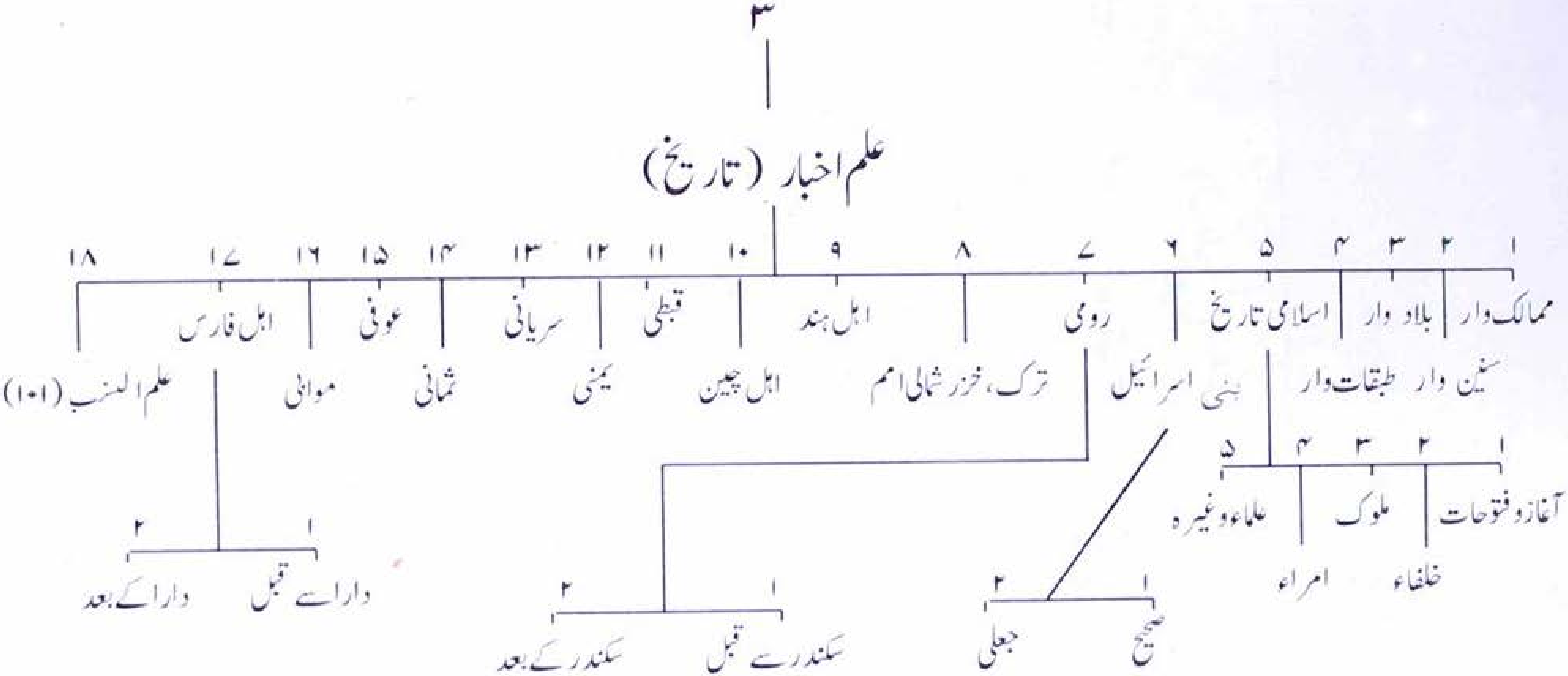
۳
علم اخبار (تاریخ)
۱ ممالک وار
۲ بلاد وار
۳ سنین وار
۴ طبقات وار
۵ اسلامی تاریخ
۶ بنی اسرائیل
۷ رومی
۸ ترک، خزر شمالی امم
۹ اہل ہند
۱۰ اہل چین
۱۱ قبطی
۱۲ یمنی
۱۳ سریانی
۱۴ ثمانی
۱۵ عوفی
۱۶ موائلی
۱۷ اہل فارس
۱۸ علم النسب (۱۰۱)
۱ آغاز و فتوحات
۲ خلفاء
۳ ملوک
۴ امراء
۵ علماء وغیرہ
۱ صحیح
۲ جعلی
۱ سکندر سے قبل
۲ سکندر کے بعد
۱ دارا سے قبل
۲ دارا کے بعد

۵

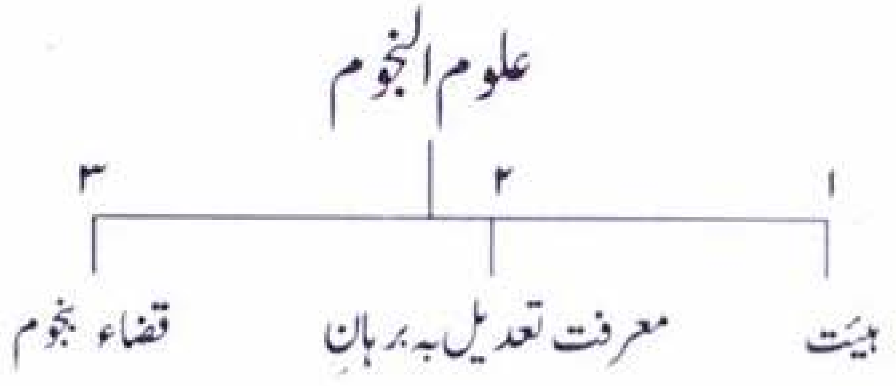
علوم النجوم
۱
ہیئت
۲
معرفت تعدیل بہ برہان
۳
قضاء بخوم

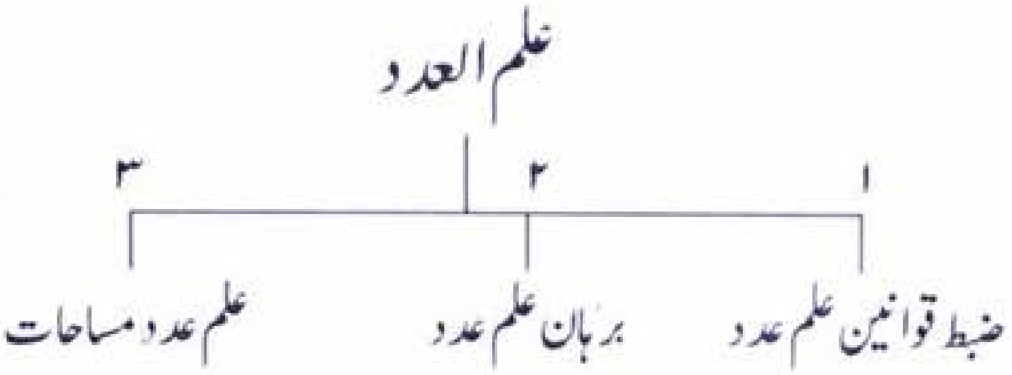
علم العدد
۱
ضبط قوانین علم عدد
۲
برہان علم عدد
۳
علم عدد مساحات

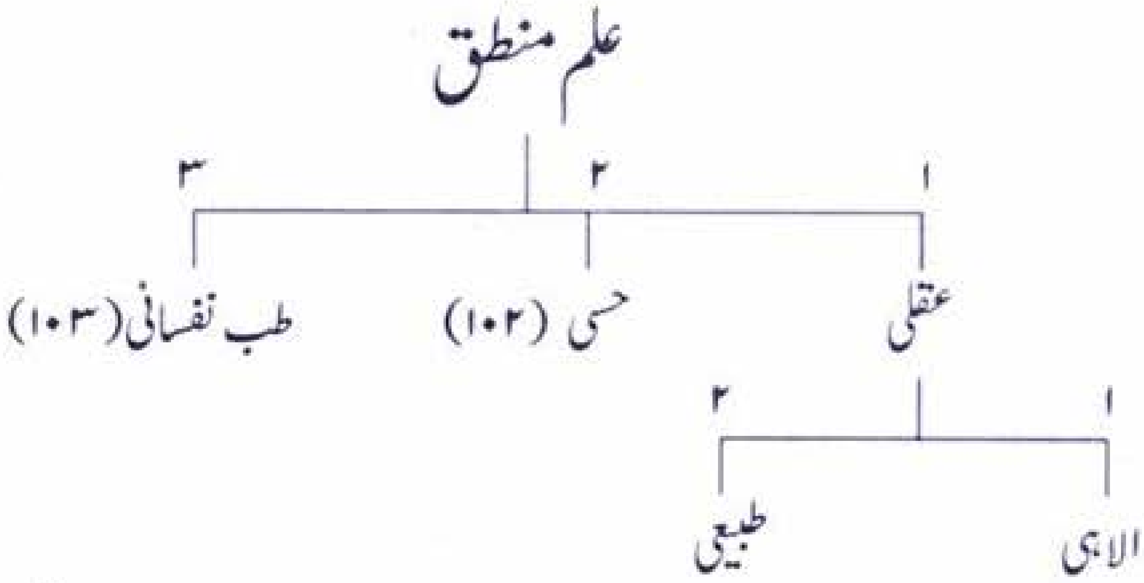
علم منطق
۱
عقلی
۲
حسی (۱۰۲)
۳
طب نفسانی (۱۰۳)
۱
الاہی
۲
طبیعی

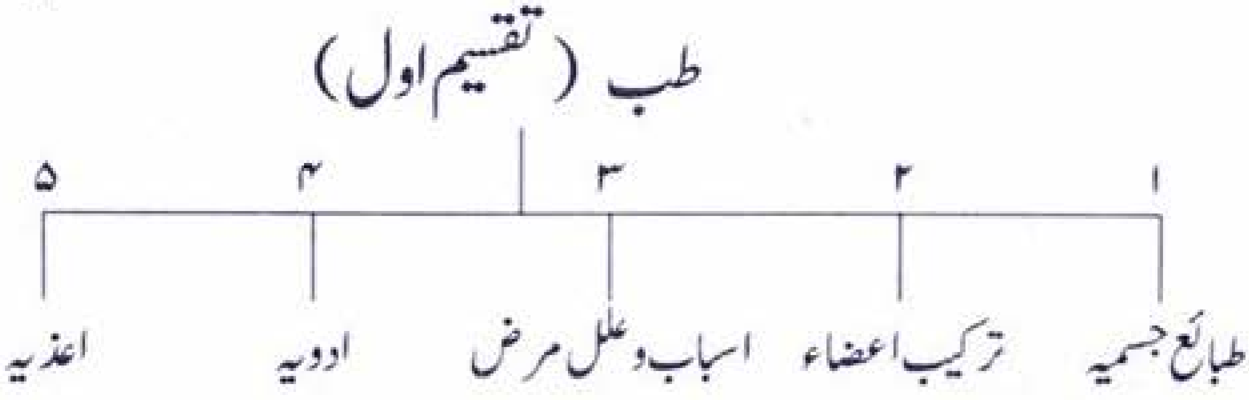
طب (تقسیم اول)
۱
طبائع جسمیہ
۲
ترکیب اعضاء
۳
اسباب وعلل مرض
۴
ادویہ
۵
اغذیہ

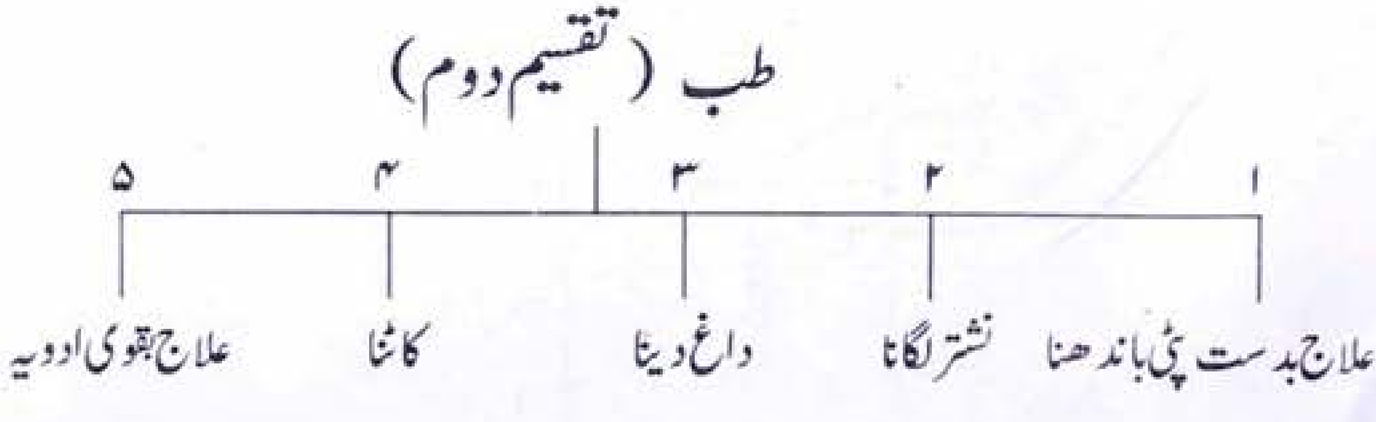
طب (تقسیم دوم)
۱
علاج بدست پٹی باندھنا
۲
نشتر لگانا
۳
داغ دینا
۴
کاٹنا
۵
علاج بقوی ادویہ

طب (تقسیم سوم)

- ۱ حفظان صحت
- ۲ مرض کو برداشت کرنا اور
- ۳ اس کا تدارک کرنا

علم شعر

- ۱ روایت شعر
- ۲ معانی شعر
- ۳ محاسن شعر
- ۴ معائب شعر
- ۵ اقسام شعر
- ۶ وزن شعر
- ۷ نظم شعر
- ۸ بلاغت
- ۹ علم تعبیر رویا

(۶) ابنِ عبدالبر کی تقسیمِ علوم

ابنِ حزم کے استاد، نامور حافظ و فقیہ، ابنِ عَبدالبر نے علم کی تقسیم بدیہی اور نظری کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہا ہے کہ علوم کی تین قسمیں ہیں علمِ اعلیٰ، علمِ اوسط، علمِ ادنیٰ یہ تمام اہم ادیان و ملل اور فلاسفہ کے یہاں علمِ اعلیٰ سے علومِ علویہ مراد ہیں جو طبعیات فلکیات سے بھی بالاتر ہیں۔ جن کا ادراک حواس سے نہیں کیا جا سکتا ہے علمِ اوسط سے جس میں ایک شی کی معرفت سے اسکی نظیر کا علم حاصل ہوتا ہے جیسے طب وغیرہ دنیوی علوم ہیں۔ علمِ اسفل، صناعات و اعمال سے عبارت ہے یہ مشق سے حاصل ہوتے ہیں جیسے خطاطی، تیراکی وغیرہ پھر ان میں سے ہر ایک کی متعدد انواع ہیں۔

ابنِ عبدالبر کی تقسیم اس لحاظ سے کہ اس تقسیم میں اہلِ ادیان و فلاسفہ کے نقطہ نظر کو سمیٹا گیا ہے ایک عمدہ کوشش ہے (۱۰۴)۔

(۷) راغب کی تقسیمِ علوم

راغب اصفہانی بلند پایہ ادیب ولغوی اور بقول امام رازی ”ائمۂ اہل سنت میں حکماء اسلام میں امام غزالی کے معاصر تھے“ (۱۰۵) موصوف کا علوم کی تقسیم کے متعلق ایک خاص نظریہ ہے چنانچہ وہ علوم کو لفظ و معنیٰ کے اعتبار سے تین انواع میں منحصر مانتے ہیں۔

(۱) نوعِ اول وہ جس کا تعلق لفظ سے ہے۔
(۲) نوعِ ثانی وہ جسکا تعلق لفظ و معنیٰ دونوں سے ہے۔
(۳) نوعِ ثالث جس کا تعلق صرف معنیٰ سے ہے۔

پہلی دو انواع میں راغب نے لسانی وادبی علوم کے اہم شعبوں کا احاطہ کیا ہے۔ تیسری نوع کی دو قسمیں نظری و عملی کی ہیں نظری میں الٰہیات، معرفت عقل، نفس، مبادی امور وغیرہ کو داخل کیا ہے عملی میں سیاسیات، عبادات، معاہدات، معاملات کو شامل کیا اور پوری شریعت کو ان عملی علوم میں سمیٹا ہے۔

راغب اصفہانی کی اسکیم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خبر کی بنیاد حواسِ خمسہ، سمع وبصر اور عقل ووحی پر رکھی گئی (۱۰۶)۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ علم عقل کی رہنمائی اور حس کے ٹکراؤ سے عبارت ہے۔
۲۔ کبھی نظر سے یا عقلی مقدمات کی ترتیب سے یا محسوسات کی ترتیب مقدمات سے۔
۳۔ کبھی لوگوں کی خبر سے زبانی سن کر یا کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہوتا ہے البتہ خبر کو علم اسی وقت کہا جاتا ہے جب وہ 'یقین' کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور
۴۔ کبھی وحی سے اور اسکی قسموں سے حاصل ہوتا ہے (۱۰۷)۔

راغب اصفہانی کی تقسیمِ علوم کا تعلق زیادہ تر لسانی ادبی و عقلی علوم سے ہے جیسے فارابی اور ابنِ سینا کی تقسیمِ علوم کا تعلق عقلی علوم فلسفہ سے تھا۔

علم

امام راغب اصفہانی نے ایک اور موقعہ پر شرعی علوم کو چھ انواع میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اعتقادات
(۲) عبادات
(۳) مشبہات
(۴) معاملات
(۵) زاجرات
(۶) آداب خلقیات

پھر ان میں سے ہر ایک کی متعدد قسمیں کی ہیں۔ اب اس امر کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ موصوف نے بڑی دقت نظر اور جامعیت کے ساتھ شرعی علوم کا احاطہ کیا تھا۔

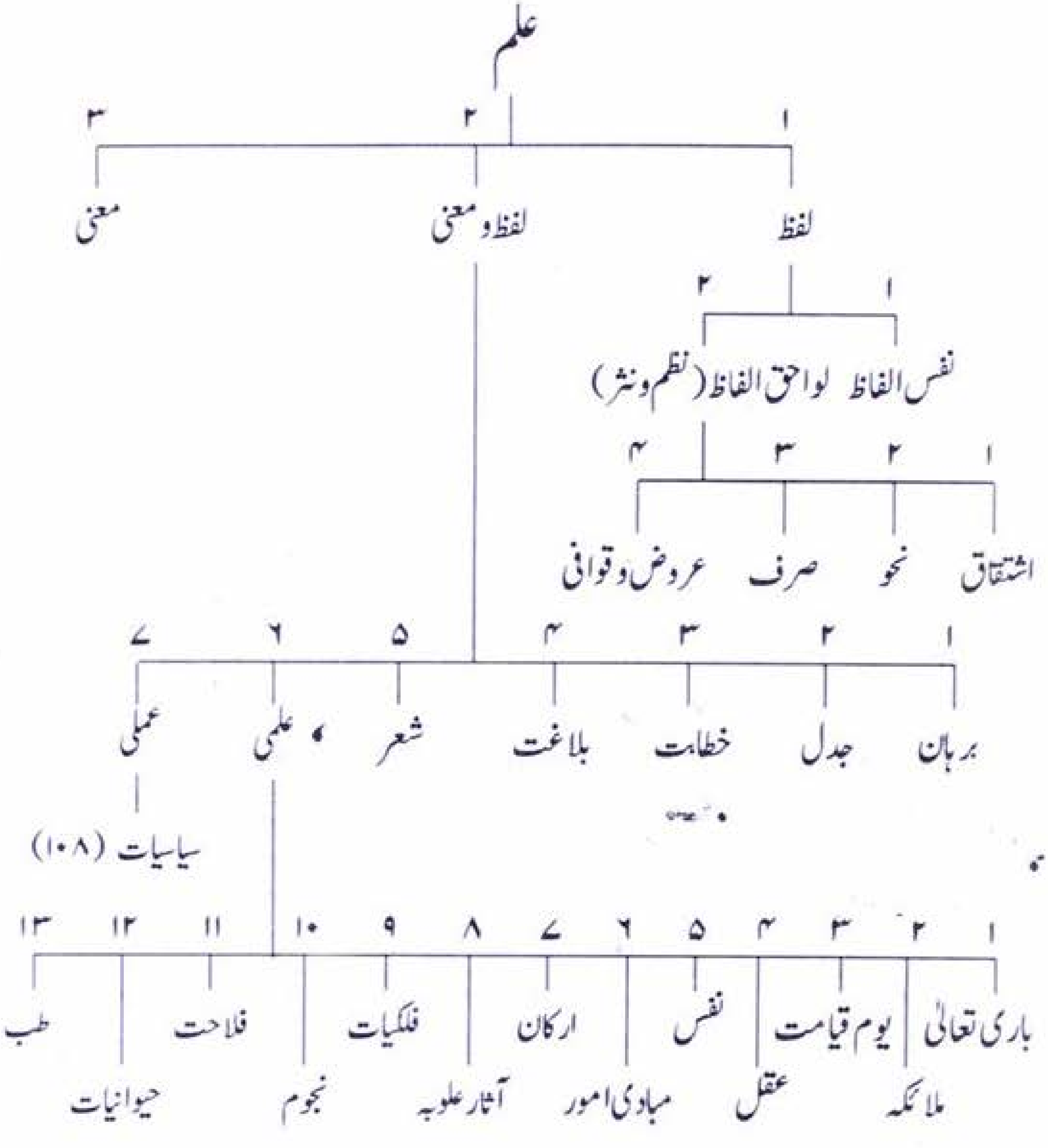
علم
۱
۲
۳
لفظ
لفظ و معنی
معنی
۱
۲
نفس الفاظ
لواحق الفاظ (نظم و نثر)
۱
۲
۳
۴
اشتقاق
نحو
صرف
عروض و قوافی
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
برہان
جدل
خطابت
بلاغت
شعر
علمی
عملی
سیاسیات (۱۰۸)
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
باری تعالیٰ
ملائکہ
یوم قیامت
عقل
نفس
مبادی امور
ارکان
آثار علویہ
فلکیات
نجوم
فلاحت
حیوانیات
طب

(۱)

اعتقادات

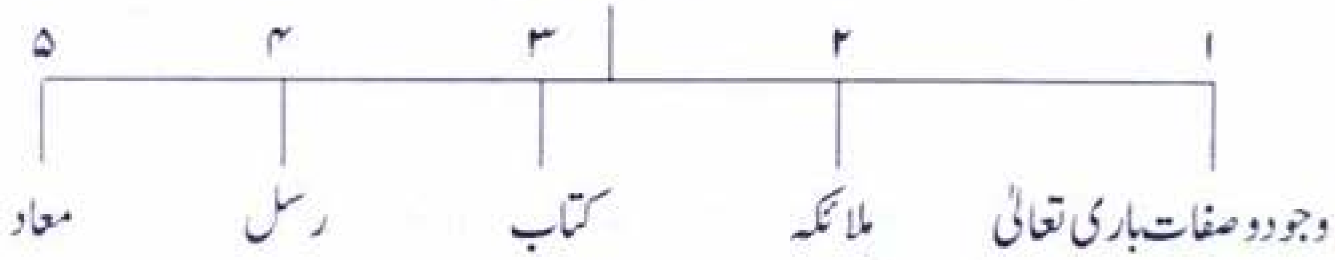
۱
۲
۳
۴
۵
وجود و صفات باری تعالیٰ
ملائکہ
کتاب
رسل
معاد

(۲) عبادات

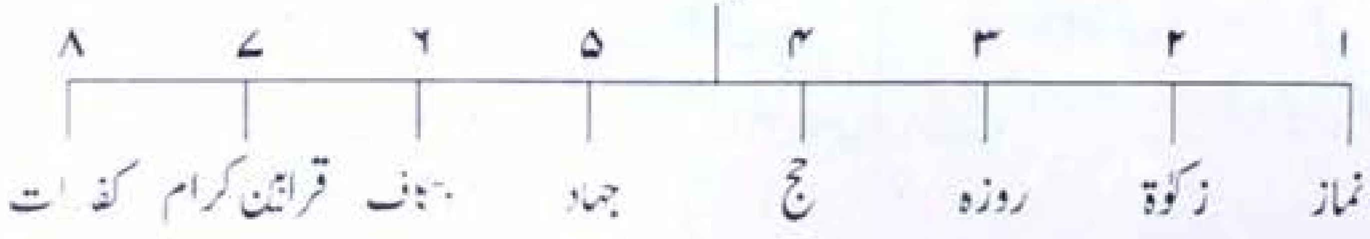
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
نماز
زکوٰۃ
روزہ
حج
جہاد
ف
قرآنِ کرام
کفارات

(۳)
مشتہیات

- ۱ ماکولات
- ۲ مشروبات
- ۳ منکوحات
- ۴ ملبوسات

(۴)
معاملات

- ۱ معاوضات بیع وشراء واجارہ وغیرہ
- ۲ مخاصمات دعاوی
- ۳ امانات ودیعت وعاریت
- ۴ ترکات وصایا ومواریث

(۵) زاجرات

- ۱ دفظ نفس قصاص ودیت
- ۲ حفاظت آبرو حد قذب
- ۳ حفاظت نسب کوڑے اور سنگساری
- ۴ حفاظت مال ہاتھ کاٹنا اور سولی چڑھانا
- ۵ حفاظت مملکت مرتد وباغیوں کا قتل

(۶) آداب خلقیات

- ۱ اصلاح اخلاق
  - ۱ علم
  - ۲ حلم
  - ۳ سخاوت
  - ۴ عفت
  - ۵ شجاعت
  - ۶ وفا
  - ۷ تواضع
- ۲ اصلاح معاشرہ
  - ۱ والدین کیساتھ سلوک
  - ۲ صلہ رحمی
  - ۳ پڑوسیوں کے حقوق
  - ۴ غریبوں کی دلجوئی
  - ۵ دادرسی
  - ۶ مظلوم کی مدد (۱۰۹)
- ۳ اصلاح حکام

(۸) غزالی کی تقسیمِ علوم

امام غزالی نے پہلی مرتبہ علوم کی تقسیم شرعی نقطہ سے کی۔ چنانچہ انہوں نے علم کی پہلے دو قسمیں محمودہ (پسندیدہ) اور غیر محمودہ (ناپسندیدہ) کیں پھر محمودہ کی دو قسمیں فرضِ عین فرضِ کفایہ کیں، فرض کفایہ کی پھر دو قسمیں علومِ شرعیہ اور علمِ دنیویہ کیں، علوم شرعیہ کی تین قسمیں (۱) تفسیر (۲) حدیث (۳) فقہ کیں پھر ان کی متعدد قسمیں کی ہیں۔

علومِ دنیویہ کی بھی دو قسمیں مذموم و مباح کی ہیں محمودہ میں طب، حساب اور صنعتی علوم کو، مذموم میں سحر، شعبدہ تلبیسات کو، مباح میں شعر و تاریخ کو داخل کیا ہے اس طرح اس تقسیم میں دینی اور دنیوی علوم کو سمیٹا ہے۔

امام غزالی نے سب سے پہلے دنیاوی علوم میں علوم کی تقسیم مذموم کی طرف کی مگر تصریح کی ہے کہ علم میں بندوں کی طرف نسبت سے ذم کا پہلو آیا ہے علم اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم اور برا نہیں، وہ علم چونکہ صاحبِ علم یا غیر صاحب علم کے حق میں ضرر پر منتج ہوتا ہے اس لئے مذموم کہا جاتا ہے جس طرح مطلق ضرر مذموم ہے اسی طرح وہ چیز بھی جس کی وجہ سے ضرر پہنچتا ہے مذموم کہلاتی ہے چنانچہ جادو ٹونہ اور جادوگر اسی قبیل سے ہے۔

امام غزالی کی تقسیم علوم میں علم کلام اور فلسفہ کو کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ اس لئے کہ موصوف کا نظریہ یہ ہے کہ علم کلام دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔ دلائل قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں تو محمود ہے ورنہ مذموم ہے اس لئے اس کا شمار بدعات میں کیا ہے نیز فلسفہ کی نسبت غزالی کی رائے یہ ہے کہ فلسفہ کوئی مستقل علم نہیں ہے یہ چار اجزاء (۱) ریاضیات (۲) منطقیات (۳) طبعیات (۴) الٰہیات سے مرکب ہے (۱۱۰)۔ یہ مفرد علم نہیں ہے اس لئے فلسفہ تقسیمِ علوم کے دائرہ سے خارج ہے۔

اس تقسیم سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ فقہاء نے علوم کے شعبوں میں سے ہر شعبہ علم کا دوسرے شعبہ علم سے عقلی وطبعی ربط کا ہر موقعہ پر فلاسفہ سے زیادہ خیال رکھا ہے، اس نوع کے علوم کی تقسیم کا آغاز دوسری تیسری صدی ہجری میں ہو چکا تھا اس تقسیم کا تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا ہے جس سے شرعی علوم میں سے صرف ایک علم فقہ کی وسعت، تنوع وجامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ تقسیم موضوعات کی سرخیوں (Subject Heading) کی تعیین وتوضیح کے لئے بھی بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

مذکورۂ بالا علمی تقسیموں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی میں مسلمانوں کو علمی درجہ بندیوں سے کیسا شغف رہا انہوں نے کن پہلوؤں سے علمی درجہ بندی کی اور ہر علم کے انواع، اقسام واصناف سے کتنا اعتناء کیا، ان میں کیسی کچھ ہمہ گیری، لچک، تنوع اور وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے عہد عباسی کی علمی درجہ بندیوں کا صدی وار ارتقاء بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

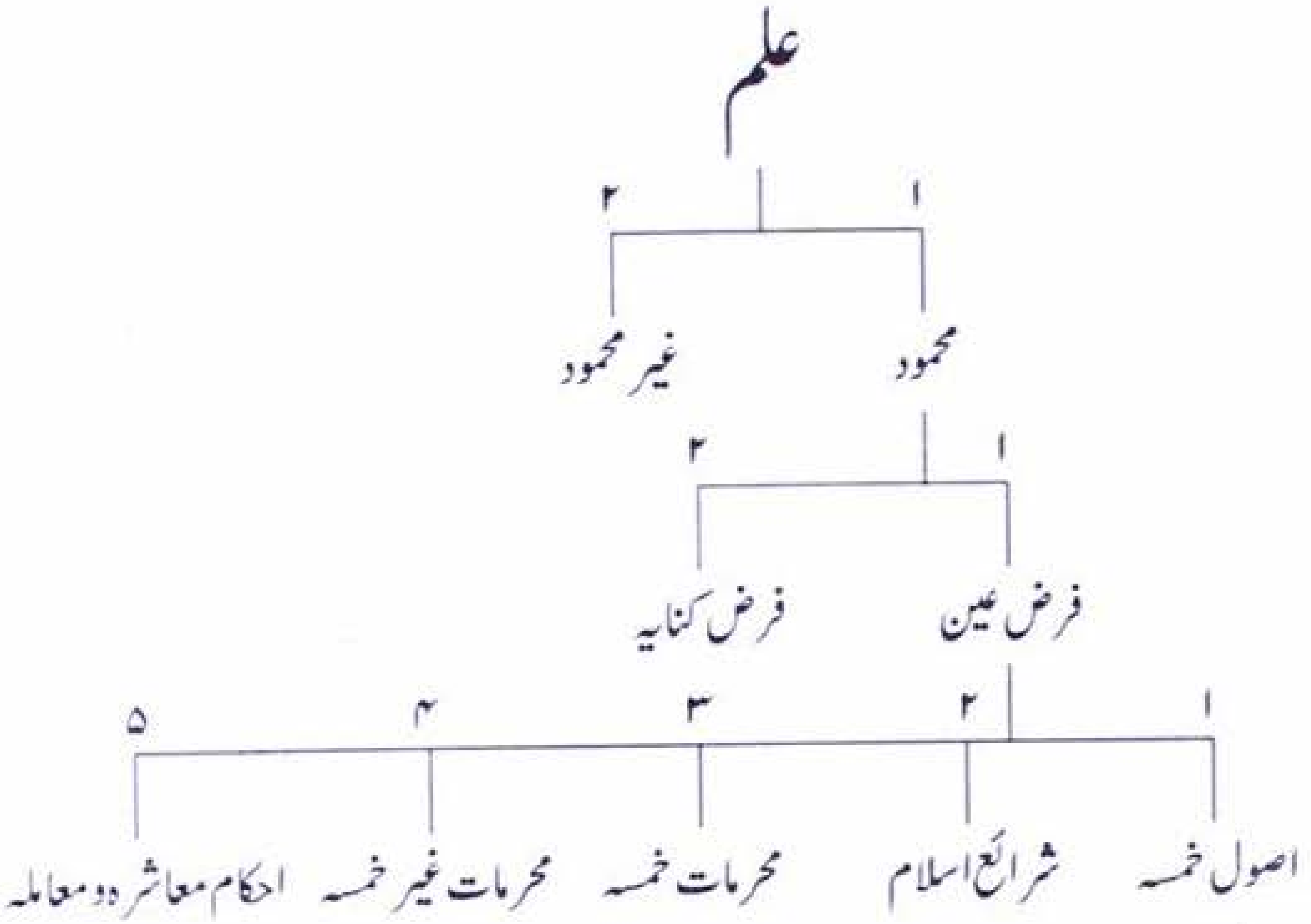
علم
۱
۲
محمود
غیر محمود
۱
۲
فرض عین
فرض کنایہ
۱
۲
۳
۴
۵
اصول خمسہ
شرائع اسلام
محرمات خمسہ
محرمات غیر خمسہ
احکام معاشرہ و معاملہ

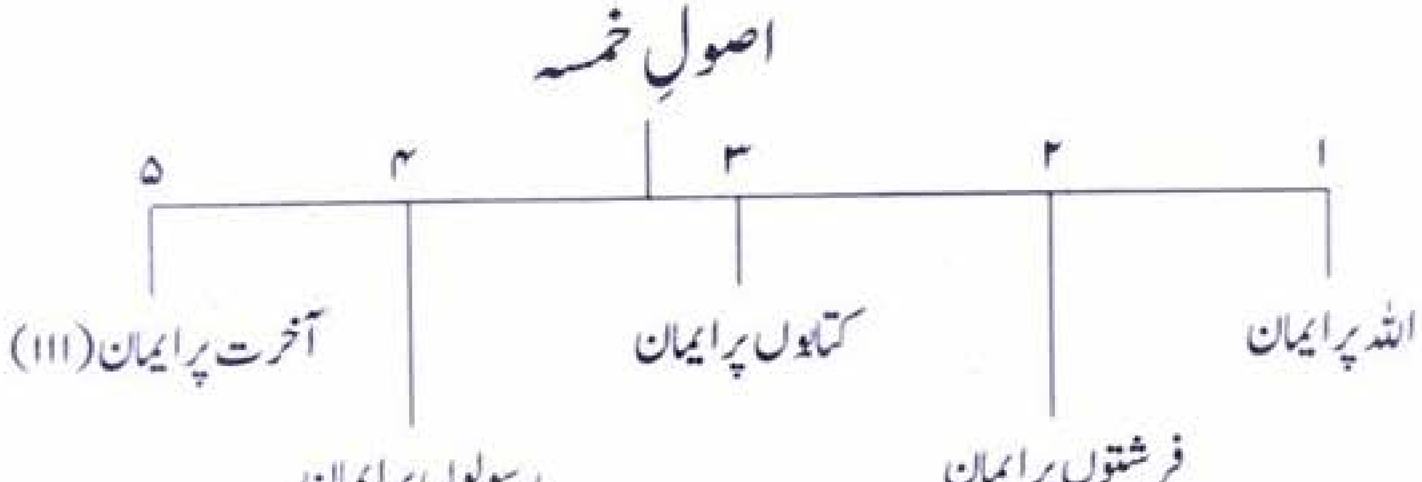
اصولِ خمسہ
۱
۲
۳
۴
۵
اللہ پر ایمان
فرشتوں پر ایمان
کتابوں پر ایمان
رسولوں پر ایمان
آخرت پر ایمان (۱۱۱)

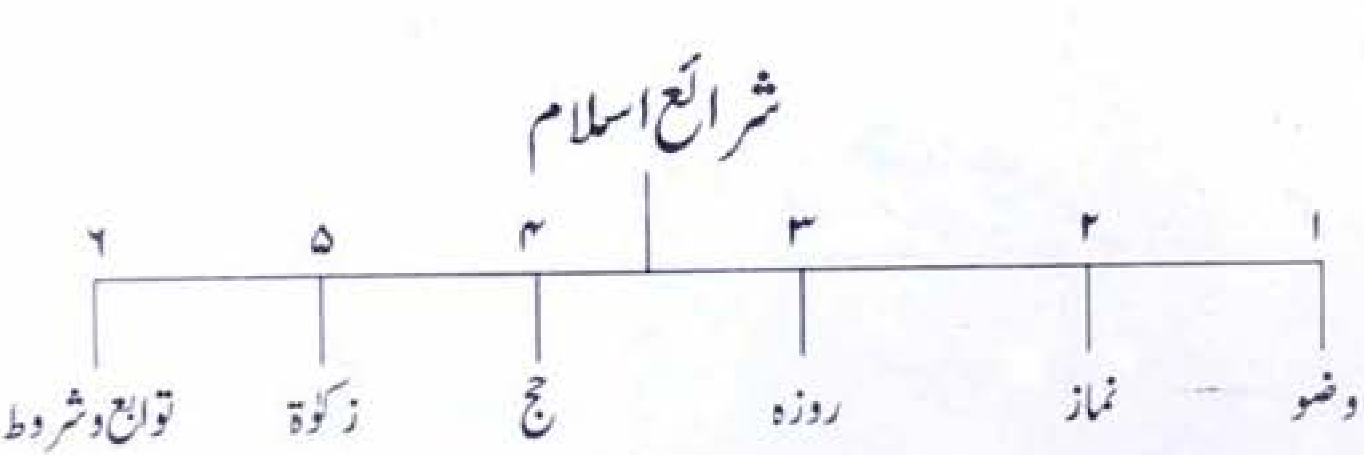
شرائع اسلام
۱
۲
۳
۴
۵
۶
وضو
نماز
روزہ
حج
زکوٰۃ
توابع و شروط

۱

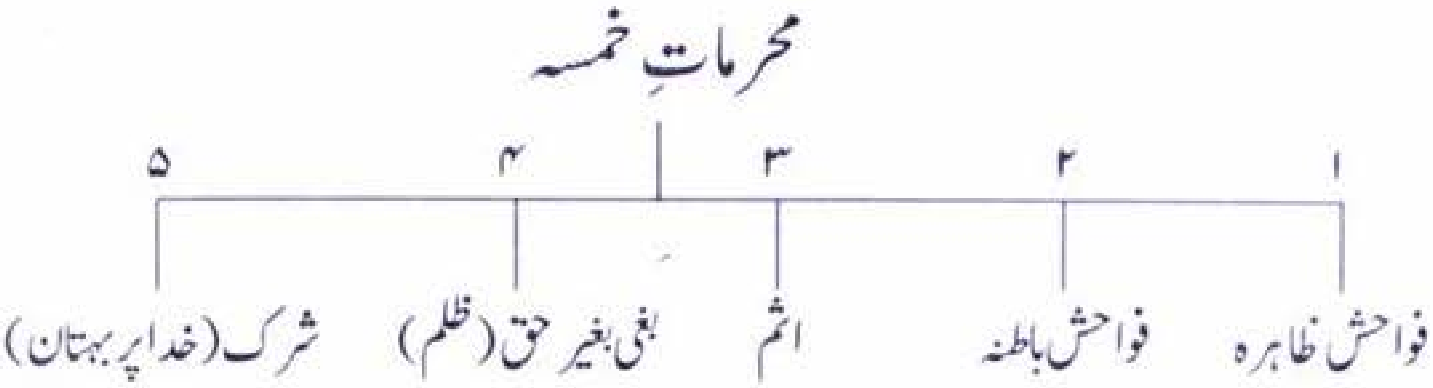
محرماتِ خمسہ
۱ فواحش ظاہرہ
۲ فواحش باطنہ
۳ اثم
۴ بغی بغیر حق (ظلم)
۵ شرک (خدا پر بہتان)

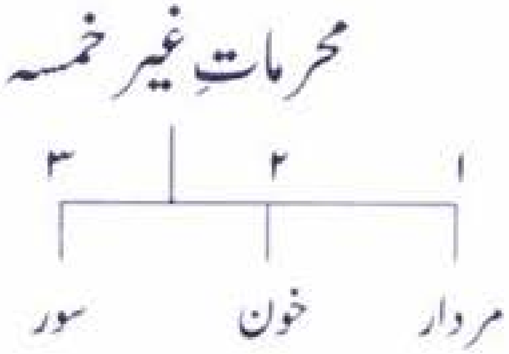
محرماتِ غیر خمسہ
۱ مردار
۲ خون
۳ سور

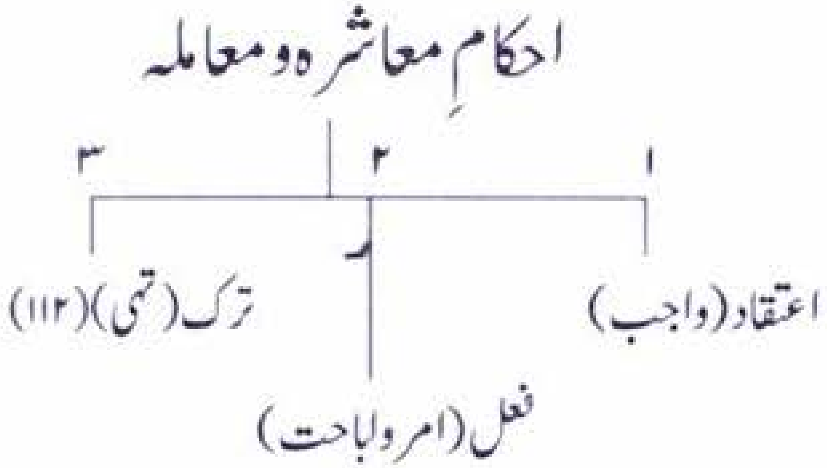
احکامِ معاشرہ و معاملہ
۱ اعتقاد (واجب)
۲ فعل (امر و اباحت)
۳ ترک (نہی) (۱۱۲)

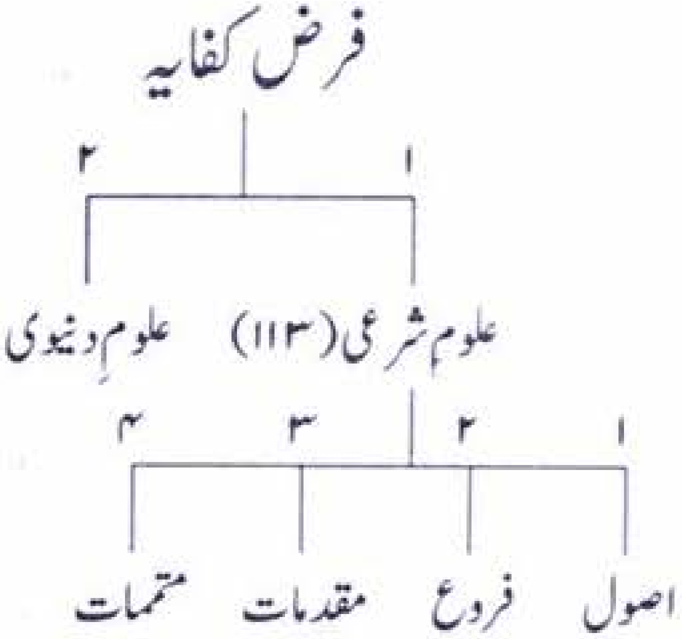
فرض کفایہ
۱ علومِ شرعی (۱۱۳)
۲ علومِ دنیوی
۱ اصول
۲ فروع
۳ مقدمات
۴ متممات

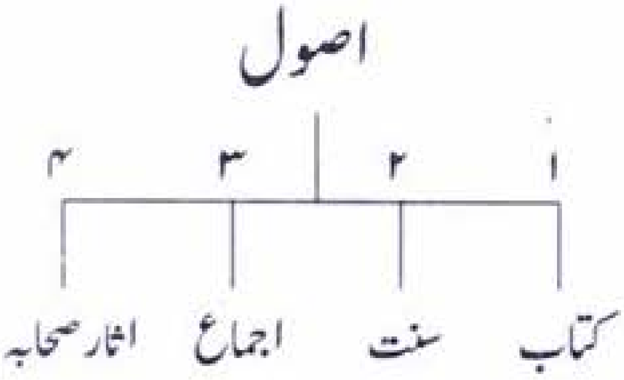
اصول
۱ کتاب
۲ سنت
۳ اجماع
۴ اثار صحابہ

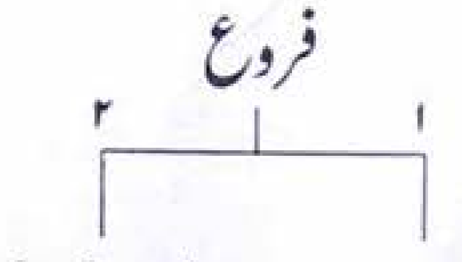
فروع
۱ فقہ
۲ مکاشفہ (۱۱۴)

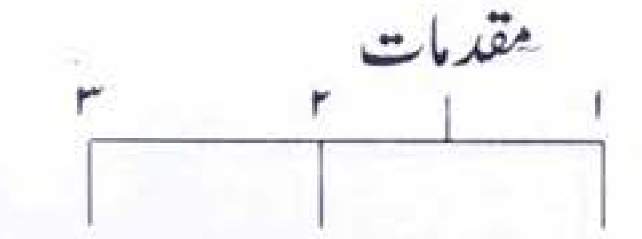
مقدمات
۱ لغت
۲ نحو
۳ کتابت وغیرہ

متممات

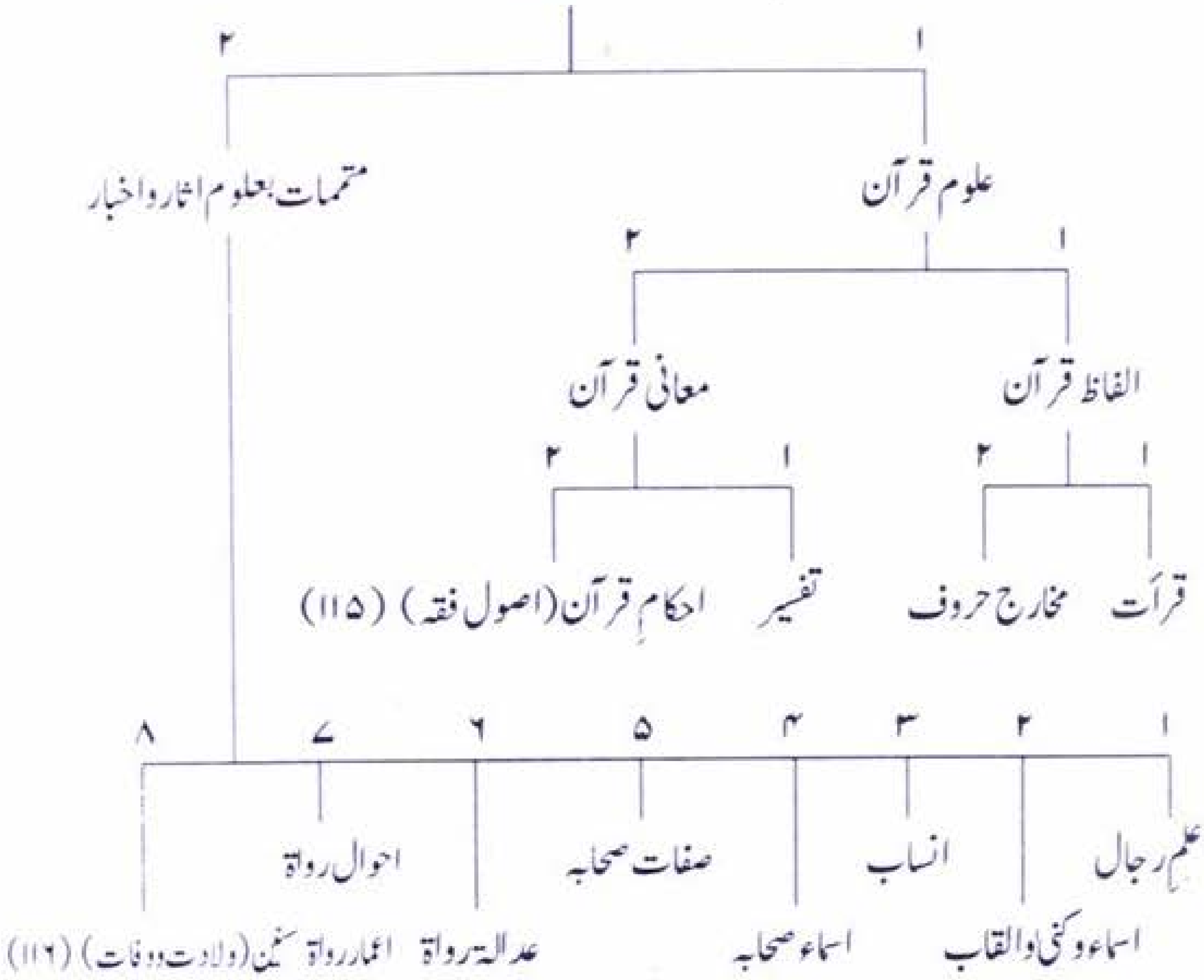
۱
۲
علوم قرآن
متممات بعلوم اثار واخبار
۱
۲
الفاظ قرآن
معانی قرآن
۱
۲
۱
۲
قرأت
مخارج حروف
تفسیر
احکامِ قرآن (اصول فقہ) (۱۱۵)
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
علمِ رجال
اسماء وکنی والقاب
انساب
اسماء صحابہ
صفات صحابہ
عدالۃ رواۃ
احوال رواۃ
اعمار رواۃ
سنین (ولادت ووفات) (۱۱۶)

علومِ دنیوی

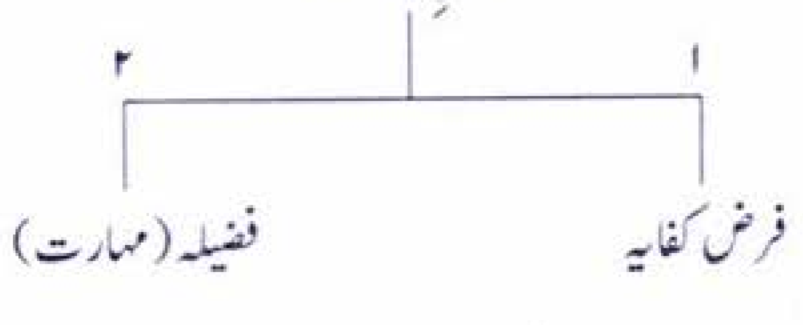
۱
۲
فرض کفایہ
فضیلہ (مہارت)

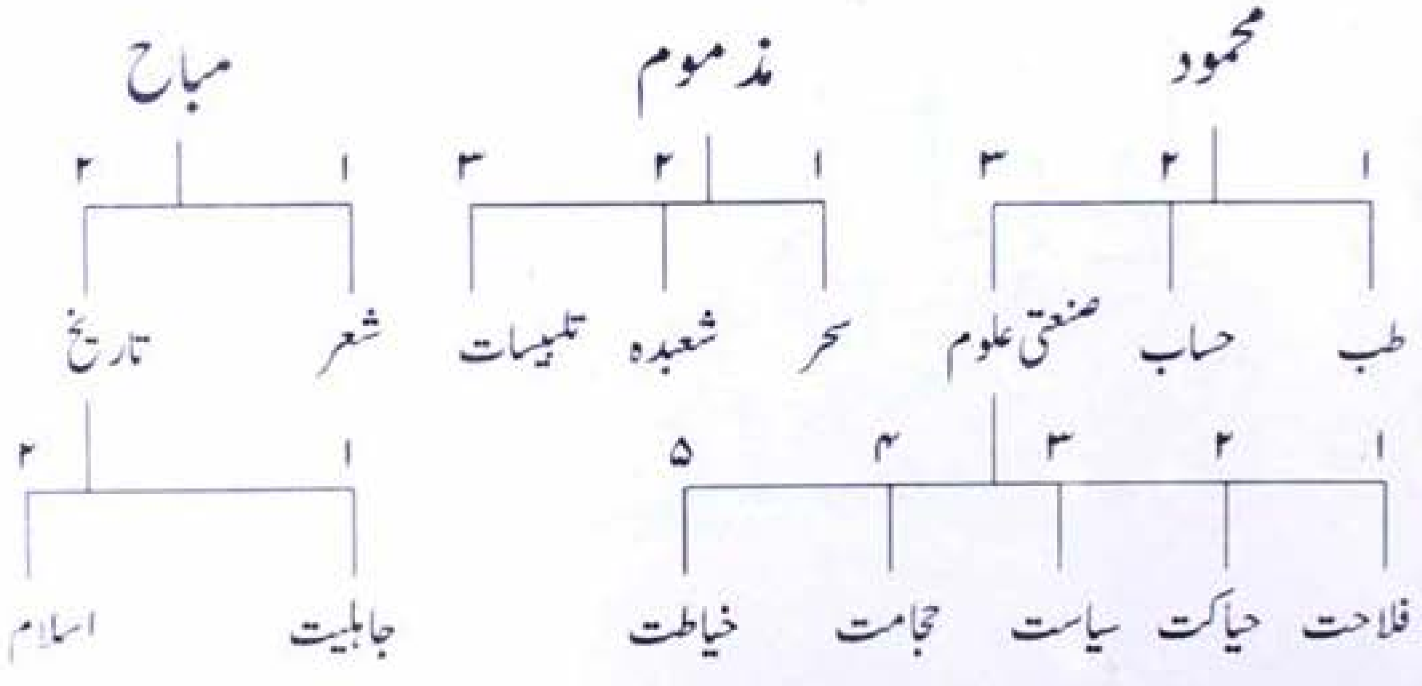
محمود
مذموم
مباح
۱
۲
۳
طب
حساب
صنعتی علوم
۱
۲
۳
۴
۵
فلاحت
حیاکت
سیاست
حجامت
خیاطت
۱
۲
۳
سحر
شعبدہ
تلبیسات
۱
۲
شعر
تاریخ
۱
۲
جاہلیت
اسلام

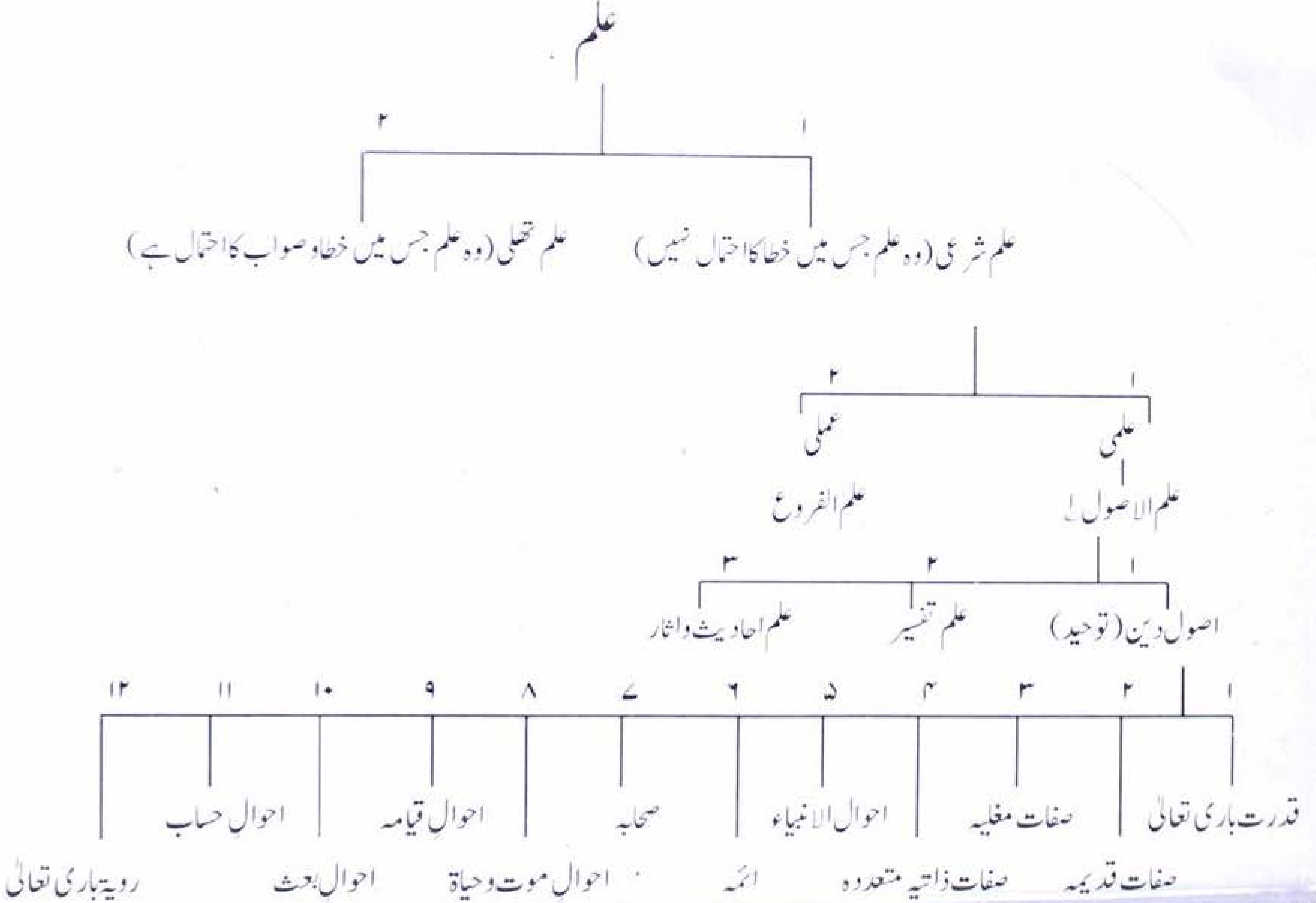
علم
۱
۲
علم شرعی (وہ علم جس میں خطا کا احتمال نہیں)
علم عقلی (وہ علم جس میں خطا و صواب کا احتمال ہے)
۱
۲
علمی
عملی
علم الاصول یا
علم الفروع
۱
۲
۳
اصول دین (توحید)
علم تفسیر
علم احادیث و اثار
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
قدرت باری تعالیٰ
صفات قدیمہ
صفات فعلیہ
صفات ذاتیہ متعددہ
احوال الانبیاء
ائمہ
صحابہ
احوال موت وحیاۃ
احوالِ قیامہ
احوالِ بعث
احوال حساب
رویۃ باری تعالیٰ

امام غزالی نے الرسالۃ اللدنیہ میں علوم کی تقسیم باعتبار احتمال صواب و خطا کی ہے اس تقسیم میں موصوف نے بنیادی طور پر علوم کو دو ۲ شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا شعبہ شرعی علوم سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے نقطہ نظر سے ان میں خطا کا احتمال نہیں ہے۔ دوسرا شعبہ عقلی علوم سے تعلق رکھتا ہے جن میں صواب و خطا کا احتمال ہے۔ پھر علوم شرعی کی دو ۲ قسمیں کی ہیں : علمی و عملی۔

علمی کو مزید تین انواع میں تقسیم کیا ہے :

۱۔ علم اصول دین
۲۔ علم تفسیر
۳۔ علم احادیث وآثار

پھر علم اصول دین کو بارہ ۱۲ انواع میں، علم تفسیر کو سات (۷) انواع میں تقسیم کیا ہے، لسانی وادبی علوم، علم تفسیر کے سمجھنے کا ذریعہ ہیں اس لئے ان کو علوم تفسیر کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

غزالی نے علم وتاریخ کو اسلامی علوم میں شمار نہیں کیا ہے اسے آثار کے تحت ذکر کیا ہے عملی یعنی علم فروع کی تین (۳) قسمیں کی ہیں :

۱۔ عبادات
۲۔ معاملات
۳۔ اخلاق

عبادات کو نو ۹ اصناف میں معاملات کو چھ میں اور اخلاق کو دو ۲ انواع میں تقسیم کیا ہے۔

علوم عقلی کے تین اہم شعبے : ۱۔ ریاضیات، ۲۔ طبعیات، ۳۔ الہیات کئے ہیں۔ ریاضیات کو چار ۴ انواع میں، منطق کو چھ ۶ انواع میں اور طبعیات ادنی کو سات ۷ انواع میں، طبعیات اوسط کو چار ۴ انواع میں اور اسکی پانچویں نوع طب کو آٹھ انواع میں تقسیم کیا ہے۔ الہیات کی پہلی قسم چھ ۶ اصناف میں اور دوسری تقسیم بارہ ۱۲ اصناف میں کی ہے۔

تصوف کو علوم عقلیہ مرکب میں شمار کیا ہے اور اسکی چودہ ۱۴ انواع بیان کی ہیں اس تقسیم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں علوم کی تقسیم ایک نئے نقطہ نظر احتمال خطاء وصواب کے اعتبار سے کی ہے، علوم سیر و تاریخ اور جغرافیہ کو کوئی مقام نہیں دیا ہے اور علوم تصوف کو علوم عقلیہ مرکبہ میں شمار کیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اس تقسیم علوم میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کلام اللہ کی تفسیر اور احادیث کی تاویل کیلئے ۱۔ لغت، ۲۔ نحو، ۳۔ صرف، ۴۔ معرفت اودات یعنی
(ا) کلمات مفردہ (ب) معرفت افعال، ثلاثی و رباعی، (ت) معرفۃ اشعار عرب دور جاہلی و دور اسلامی فروعی ہیں۔ لغت کے لئے صرف و نحو بطور میزان ہیں۔

جو کوئی زبان نہ جانے گا وہ علوم کی تحصیل نہیں کر سکتا اور کوئی بغیر زینہ کے اوپر نہیں چڑھ سکتا اس اعتبار سے لغت بڑا وسیلہ ہے۔ اسی لئے علم لغت اصل الاصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا علم لغت تفسیر کلامِ اللہ اور تاویل احادیث رسول اللہ کا راستہ ہے اور قرآن و حدیث علم توحید کی دلیل ہے، جو مقصود بالذات ہے۔ یہ علم الاصول کی تفصیل ہے۔

امام غزالی کے نزدیک علم الاصول کی ثبوت کے اعتبار سے دوسری تقسیم کا گراف

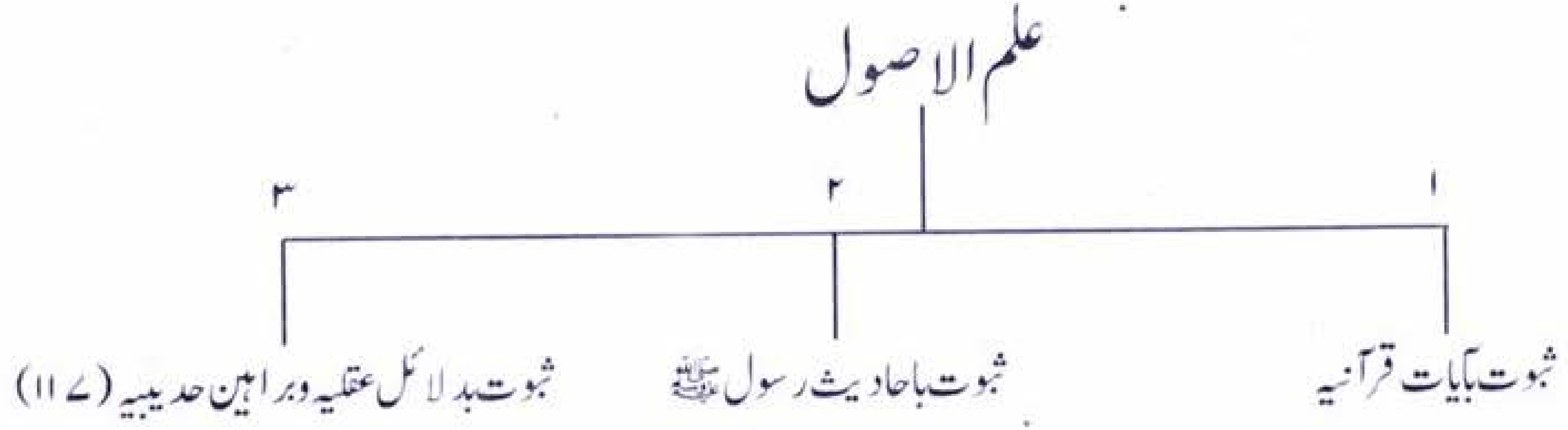
علم الاصول
۱
۲
۳
ثبوت بآیات قرآنیہ
ثبوت باحادیث رسول ﷺ
ثبوت بدلائل عقلیہ وبراہین حدیبیہ (۱۱۷)

۲

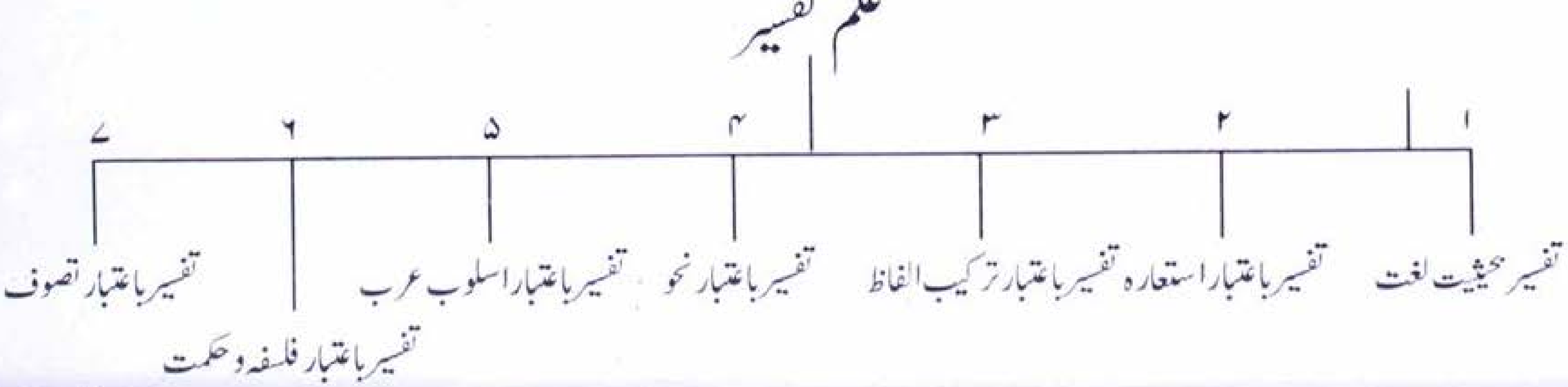
علم تفسیر
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
تفسیر بحیثیت لغت
تفسیر باعتبار استعارہ
تفسیر باعتبار ترکیب الفاظ
تفسیر باعتبار نحو
تفسیر باعتبار اسلوب عرب
تفسیر باعتبار فلسفہ وحکمت
تفسیر باعتبار تصوف

علم الفروع (فقہ)

- ۱ حقوق اللہ (عبادات)
  - ۱ طہارت
  - ۲ صلوٰۃ
  - ۳ زکوٰۃ
  - ۴ حج
  - ۵ جہاد
  - ۶ اذکار
  - ۷ اغیار
  - ۸ جمعہ
  - ۹ فرائض روائل
- ۲ حقوق العباد (معاملات)
  - ۱ بیع
  - ۲ شرکۃ
  - ۳ ہبہ
  - ۴ دین (قرض)
  - ۵ قصاص (تمام ابواب دیات)
  - ۶ معاہدہ
    - ۱ نکاح
    - ۲ طلاق
    - ۳ عتاق
    - ۴ رقاق
    - ۵ مواریت
- ۳ حقوق النفس (علم اخلاق)
  - ۱ محمودہ
  - ۲ مذمومہ (۱)

ان کی تفصیل قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

علم عقلی

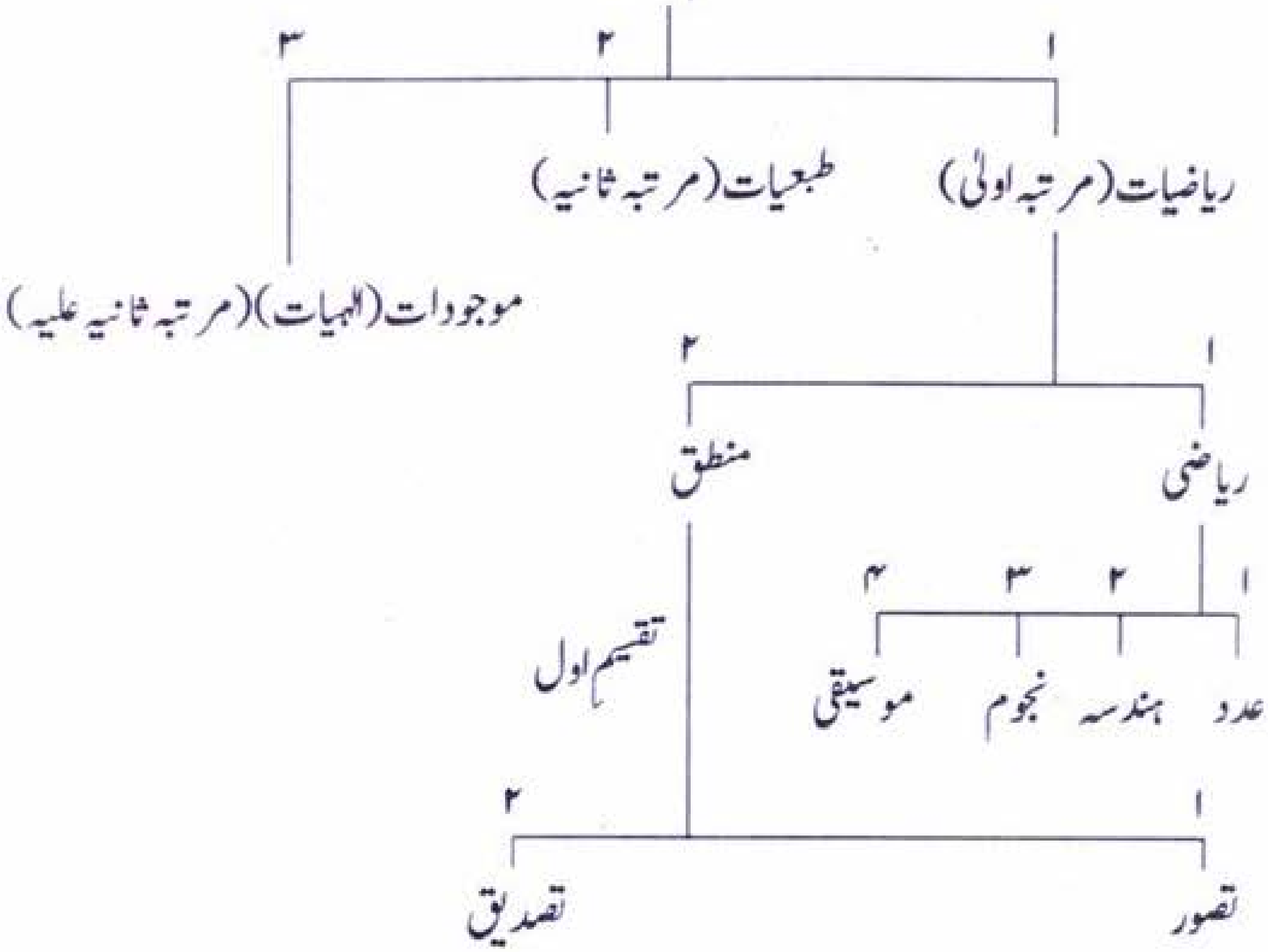
۱
۲
۳
ریاضیات (مرتبہ اولیٰ)
طبعیات (مرتبہ ثانیہ)
موجودات (الٰہیات) (مرتبہ ثانیہ علیہ)
۱
۲
ریاضی
منطق
۱
۲
۳
۴
عدد
ہندسہ
نجوم
موسیقی
تقسیم اول
۱
۲
تصور
تصدیق

علم منطق کی تقسیم ثانی

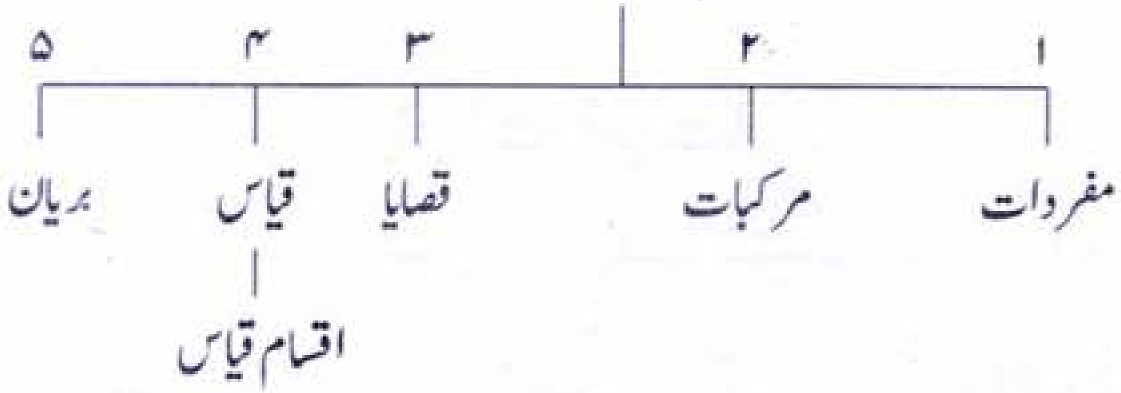
۱
۲
۳
۴
۵
مفردات
مرکبات
قضایا
قیاس
بریان
اقسام قیاس

طبعیات اولیٰ

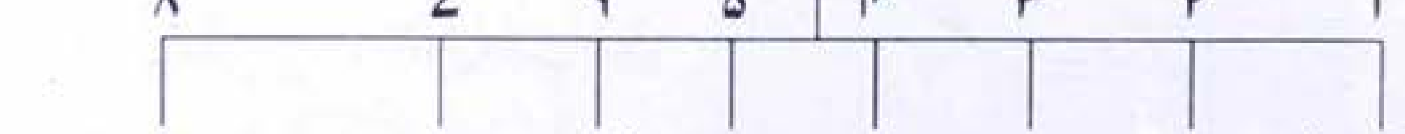
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
جسم مطلق
ارکان عالم
جواہر
اعراض
حرکت
سکون
احوال سماوات و
اشیاء فعلیہ وانفعالیہ

طبیعیات اوسط

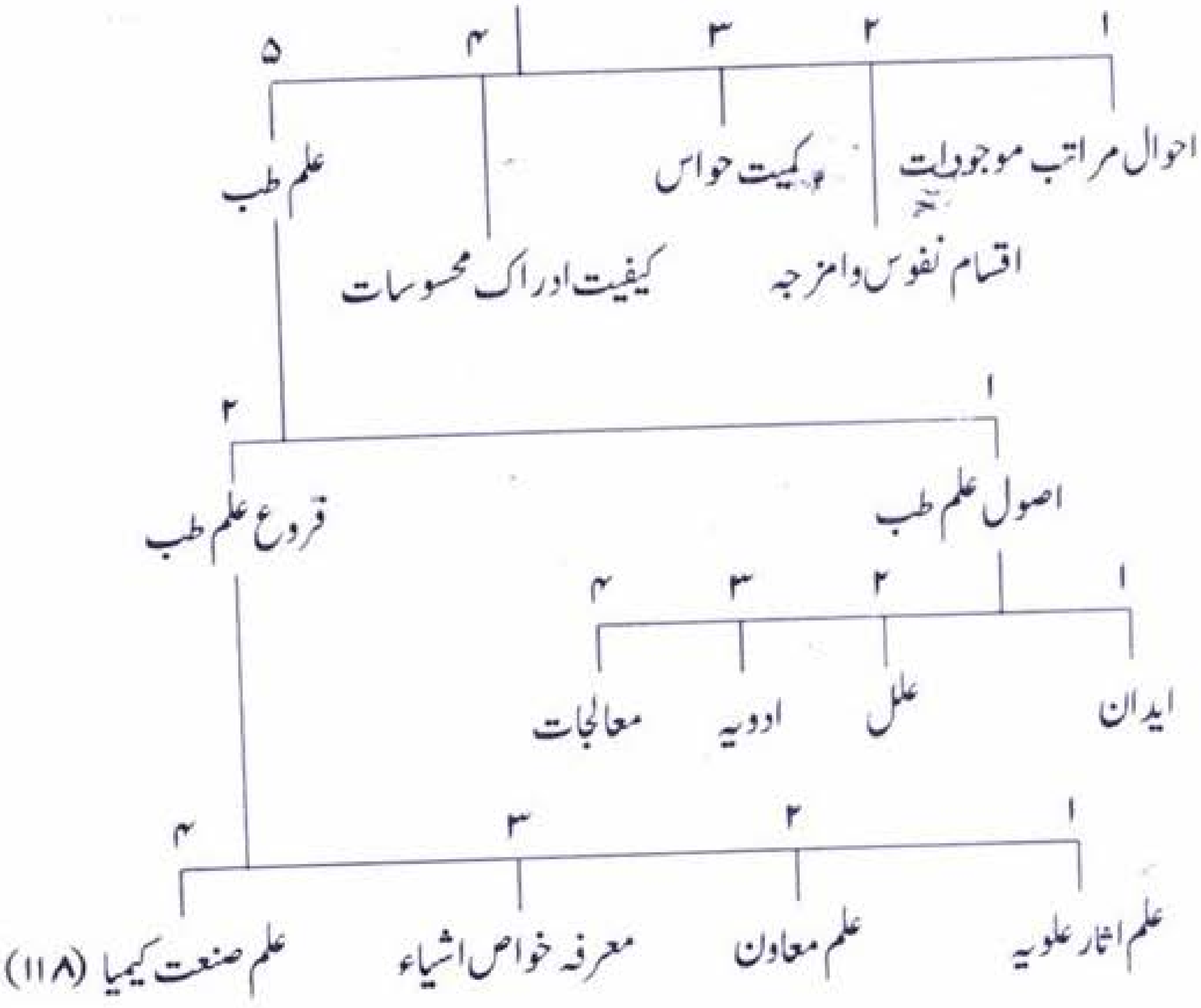
۱ احوال مراتب موجودات
۲ اقسام نفوس وامزجہ
۳ کمیت حواس
۴ کیفیت ادراک محسوسات
۵ علم طب
۱ اصول علم طب
۲ فروع علم طب
۱ ابدان
۲ علل
۳ ادویہ
۴ معالجات
۱ علم اثار علویہ
۲ علم معادن
۳ معرفہ خواص اشیاء
۴ علم صنعت کیمیا (۱۱۸)

موجودات (الہیات)

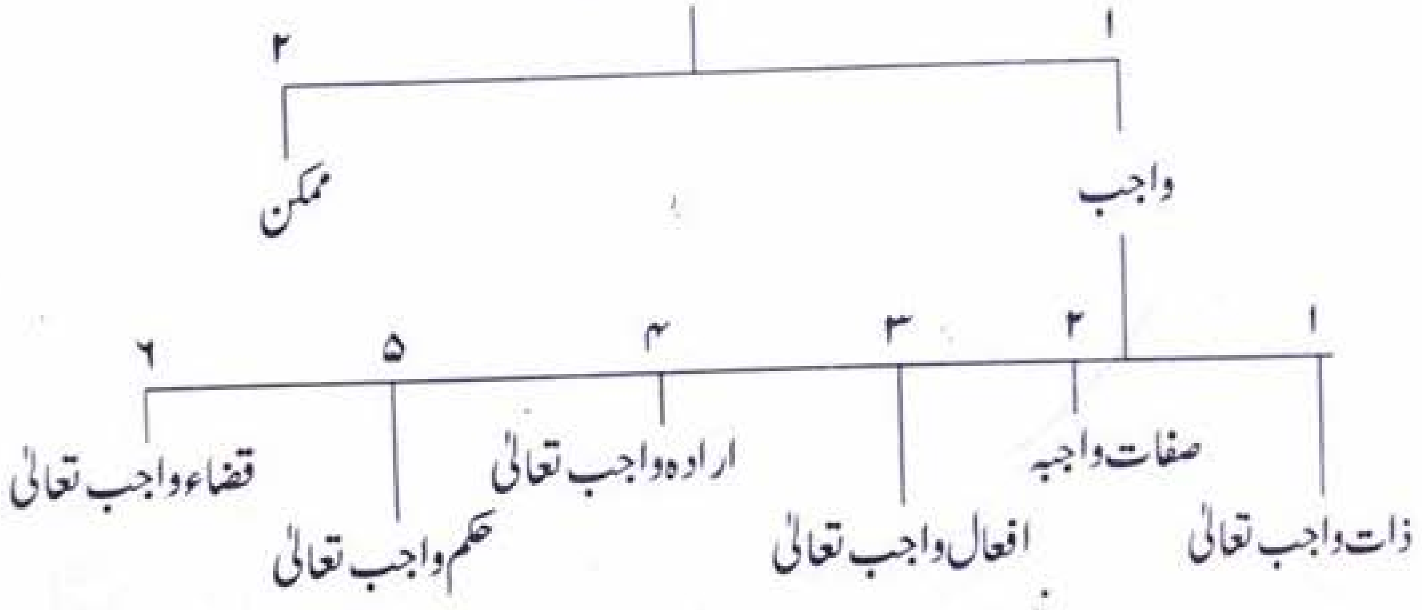
۱ واجب
۲ ممکن
۱ ذات واجب تعالیٰ
۲ صفات واجبہ
۳ افعال واجب تعالیٰ
۴ ارادہ واجب تعالیٰ
۵ حکم واجب تعالیٰ
۶ قضاء واجب تعالیٰ

تقسیم ثانی

۱ علویات
۲ جواہر مفردہ
۳ عقول مفارق
۴ نفوس کاملہ
۵ احوال ملائکہ
۶ احوال الشیاطین
  ۱ علم طلسمات
  ۲ نیرنجات
۷ علم نبوت
۸ معجزات
۹ کرامات
۱۰ احوال نفوس
۱۱ اعمال قوم یقظہ (بیدار)
۱۲ **مقامات رویاء (۱۱۹)**

علم تصوف

۱ حال
۲ سماع
۳ شوق
۴ سکر
۵ صحو
۶ اثبات
۷ محو
۸ فقر
۹ غناء
۱۰ ولایت
۱۱ ارادہ
۱۲ شیخ
۱۳ مرید (۱۲۰)

(۹) ابنِ ابی الربیع کی تقسیم علوم

ابنِ ابی الربیع کے متعلق مشہور مستشرق روزنتھال کی تحقیق یہ ہے کہ موصوف آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے دور کے کاتب وفاضل تھے اس خلیفہ کیلئے سلوک المالک فی تدبیر الممالک لکھی تھی (۱۲۱) اس میں علوم کی جو تقسیم کی گئی ہے وہ ابنِ سینا کی طرح اعلیٰ‘ اوسط اور اسفل کے نام سے موسوم ہے۔ اعلی الٰہیات سے عبارت ہے اس میں قرآن وعلومِ قرآن‘ حدیث‘ علومِ حدیث اور علومِ فقہ کو داخل کیا ہے۔ فلاسفہ ماوراء الطبیعیات کو اور بعض‘ کہانت اور طلسمات وسحر وغیرہ کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں (۱۲۲)۔ علمِ اوسط میں (ریاضیات) لسانی‘ ادبی اور تاریخی علوم کو شمار کیا ہے (۱۲۳) یہ چونکہ کاتب تھا اس نے لسانی علوم کی درجہ بندی میں زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے (۱۲۴) علم اسفل میں طبیعیات کا احاطہ کیا ہے۔ ابن ابی الربیع نے علومِ شرعیہ اور علومِ فلسفہ کو ان ہی تین شعبوں میں جمع کیا ہے۔

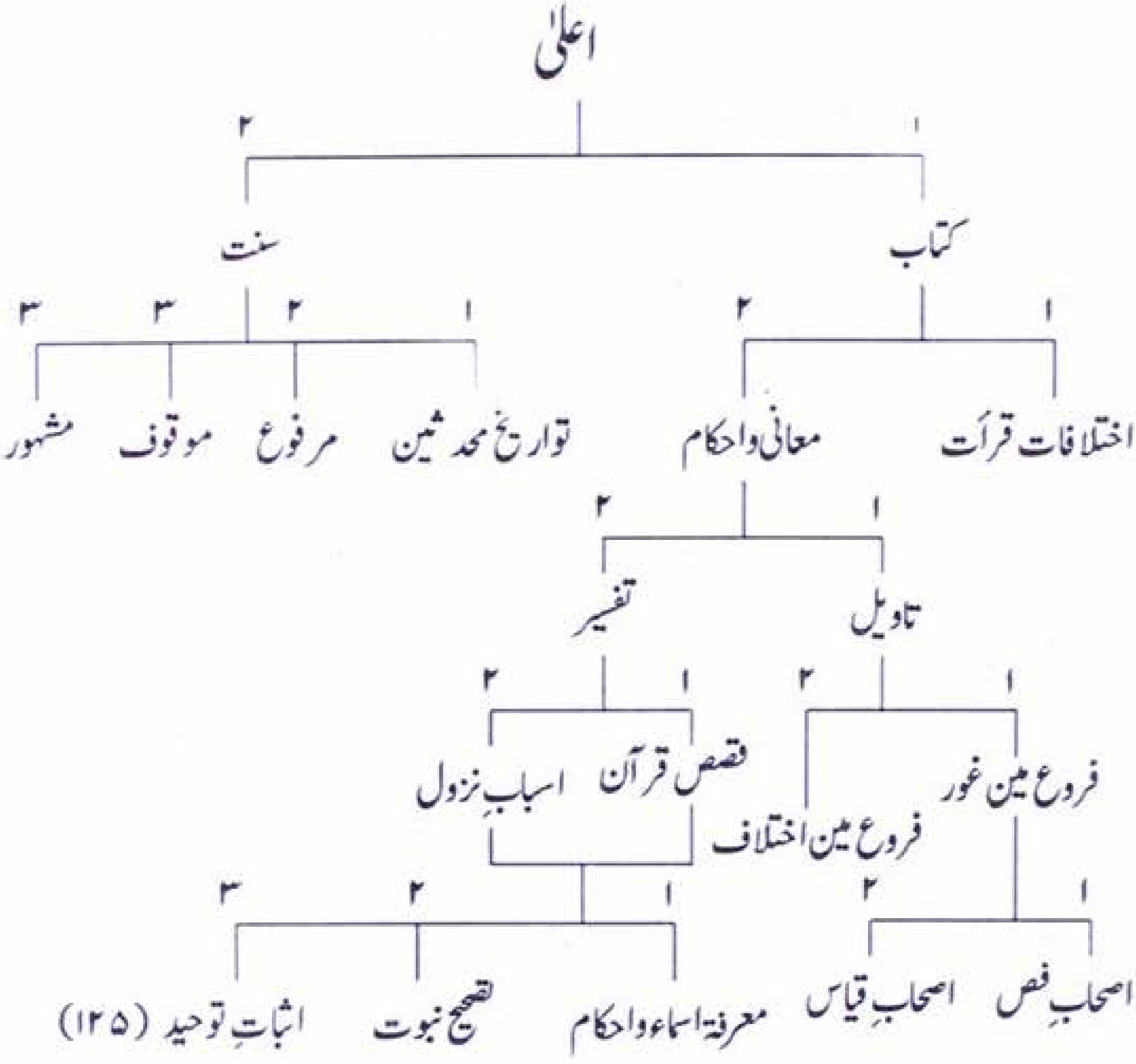
اعلیٰ
۱
کتاب
۲
سنت
۱
اختلافات قرأت
۲
معانی واحکام
۱
تاویل
۲
تفسیر
۱
فروع میں غور
۲
فروع میں اختلاف
۱
اصحابِ فص
۲
اصحابِ قیاس
۱
قصص قرآن
۲
اسبابِ نزول
۱
معرفۃ اسماء واحکام
۲
تصحیح نبوت
۳
اثباتِ توحید (۱۲۵)
۱
تواریخ محدثین
۲
مرفوع
۳
موقوف
۳
مشہور

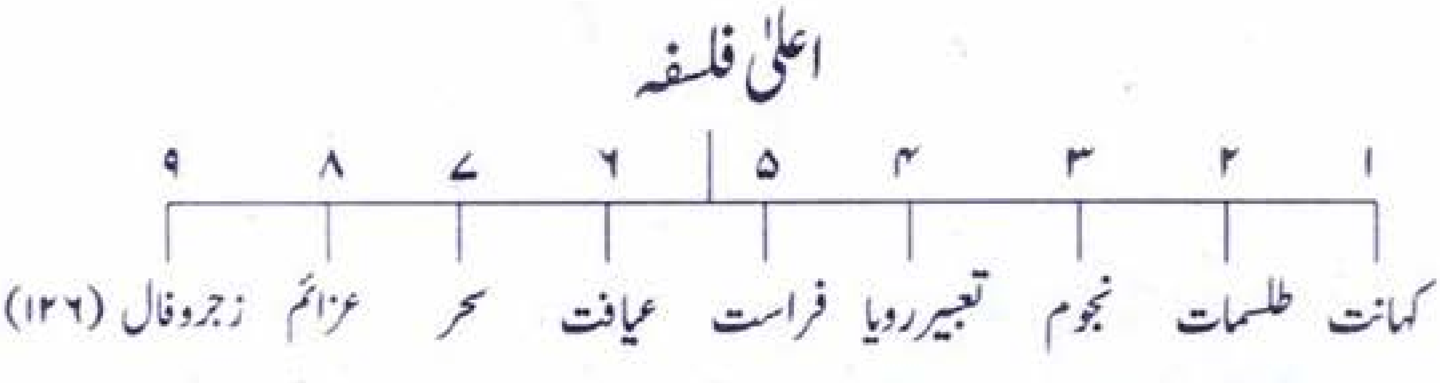
اعلیٰ فلسفہ
۱
کہانت
۲
طلسمات
۳
نجوم
۴
تعبیر رویا
۵
فراست
۶
عیافت
۷
سحر
۸
عزائم
۹
زجر وفال (۱۲۶)

علم اوسط (لسانی علوم)

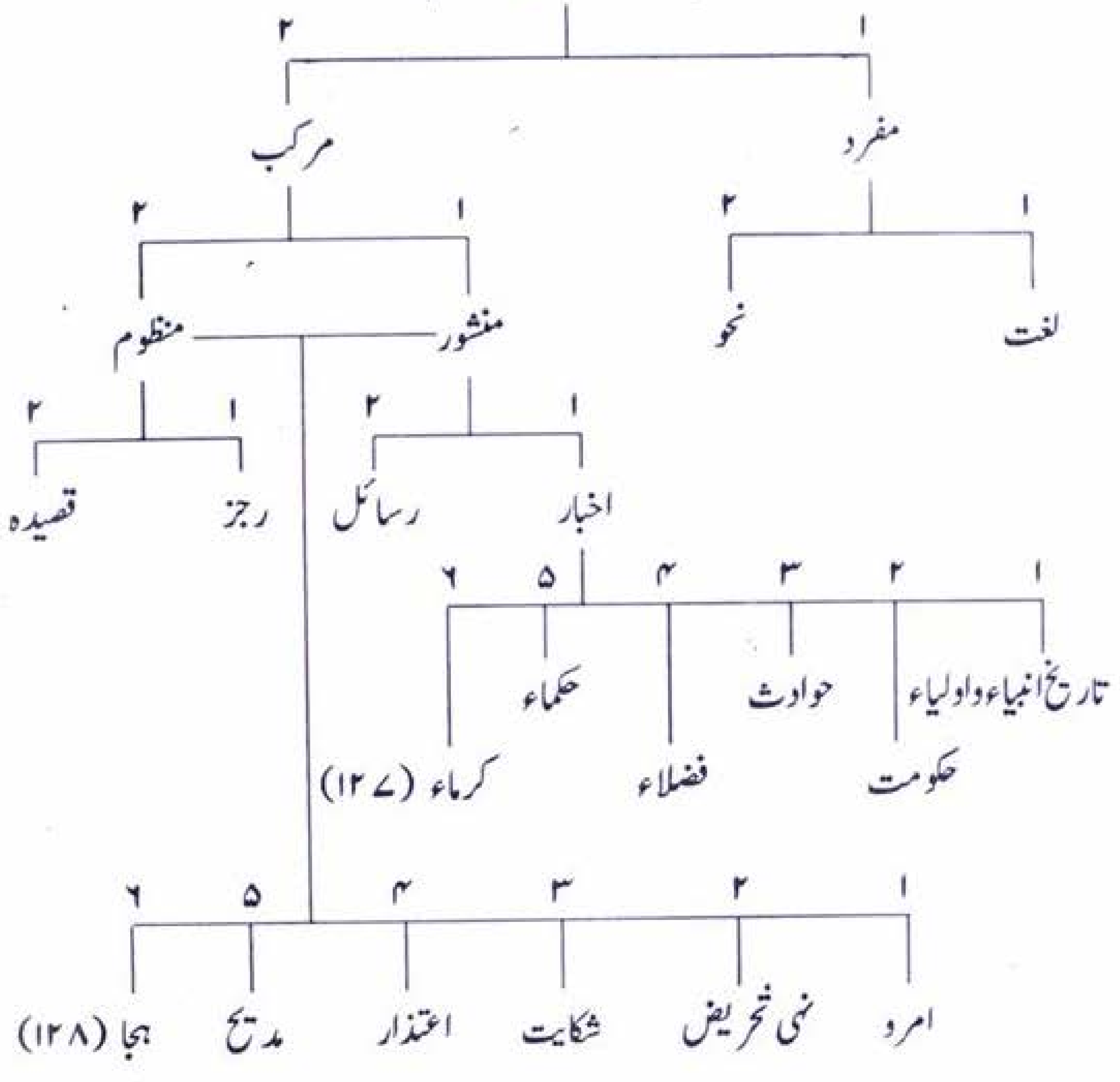
۱
مفرد
۲
مرکب
۱
لغت
۲
نحو
۱
منثور
۲
منظوم
۱
اخبار
۲
رسائل
۱
رجز
۲
قصیدہ
۱
تاریخ انبیاء و اولیاء
۲
حکومت
۳
حوادث
۴
فضلاء
۵
حکماء
۶
کرماء (۱۲۷)
۱
امرو
۲
نہی تحریض
۳
شکایت
۴
اعتذار
۵
مدح
۶
ہجا (۱۲۸)

علم اوسط (تقسیم ثانی)

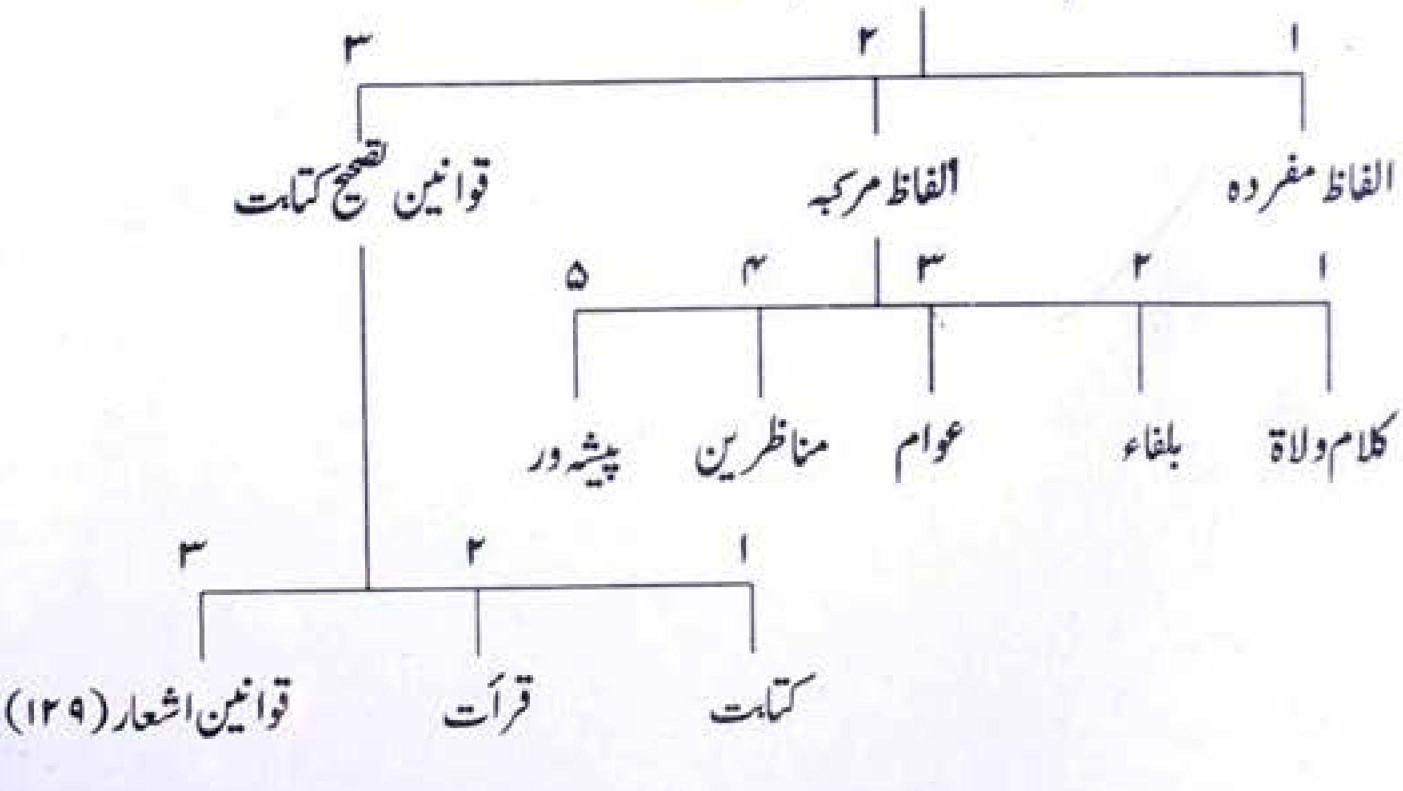
۱
الفاظ مفردہ
۲
الفاظ مرکبہ
۳
قوانین تصحیح کتابت
۱
کلام ولاۃ
۲
بلغاء
۳
عوام
۴
مناظرین
۵
پیشہ ور
۱
کتابت
۲
قرأت
۳
قوانین اشعار (۱۲۹)

لسانی (تقسیم ثالث ' بلاغت)

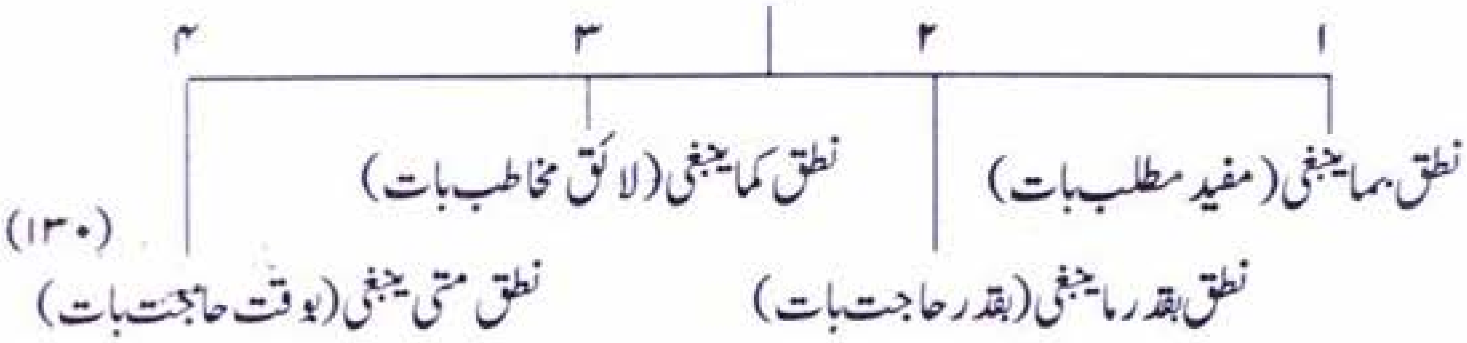
۱
نطق بما ینبغی (مفید مطلب بات)
۲
نطق بقدر ما ینبغی (بقدر حاجت بات)
۳
نطق کما ینبغی (لائق مخاطب بات)
۴
نطق متی ینبغی (بوقت حاجت بات)
(۱۳۰)

منطق

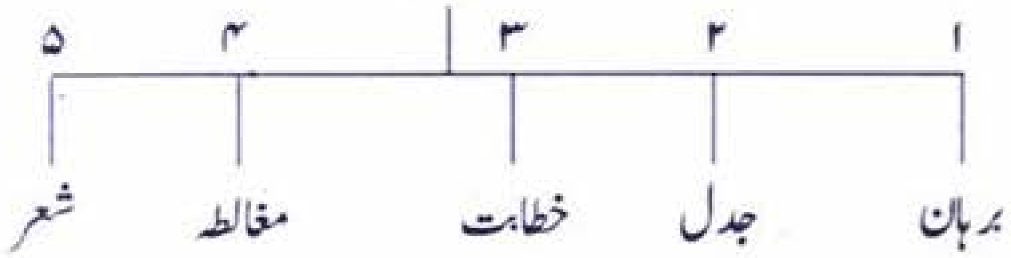
۱
برہان
۲
جدل
۳
خطابت
۴
مغالطہ
۵
شعر

ریاضیات

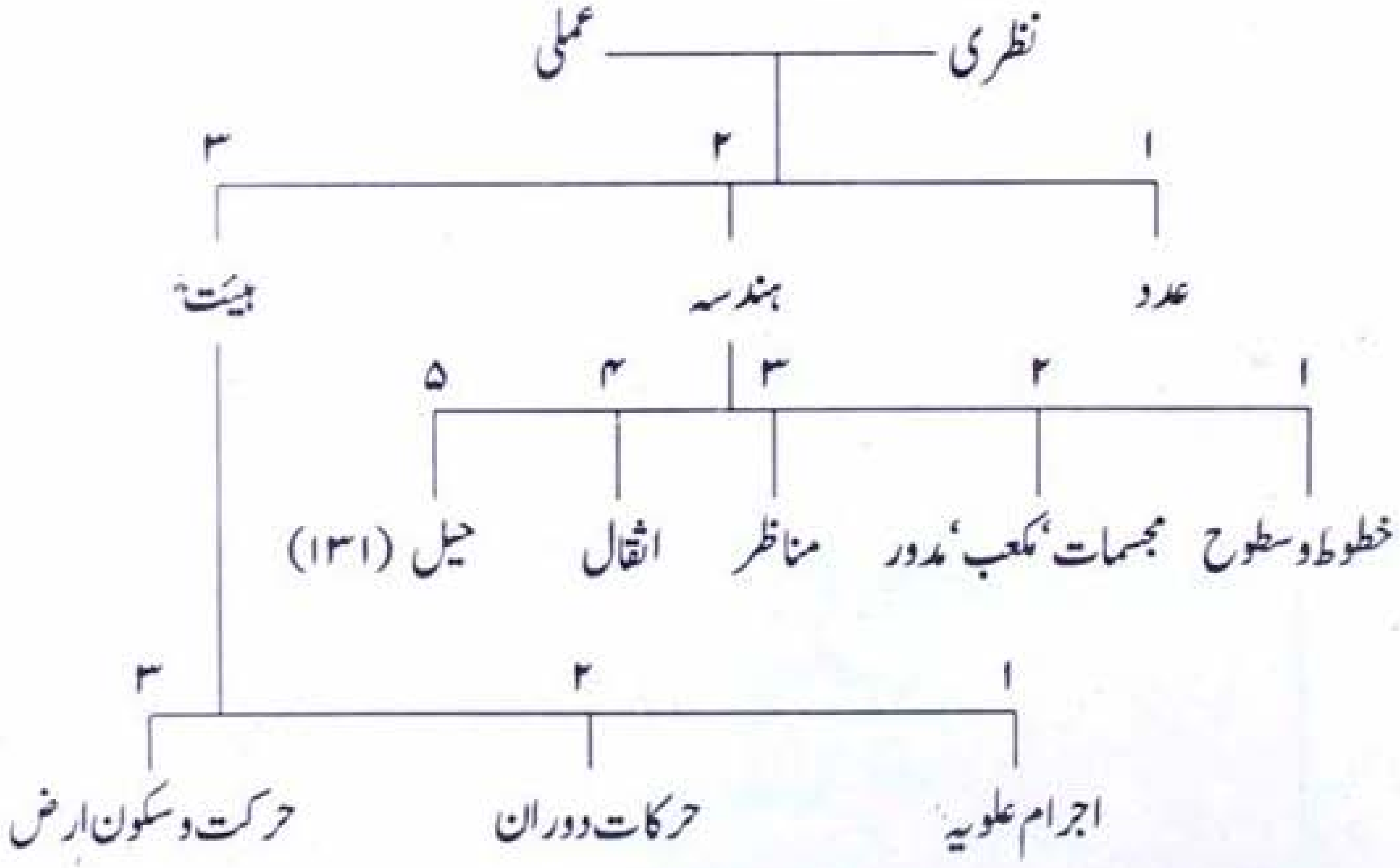
نظری
عملی
۱
عدد
۲
ہندسہ
۳
ہیئت
۱
خطوط و سطوح
۲
مجسمات، مکعب، مدور
۳
مناظر
۴
اثقال
۵
حیل (۱۳۱)
۱
اجرام علویہ
۲
حرکات دوران
۳
حرکت و سکون ارض

موسیقی

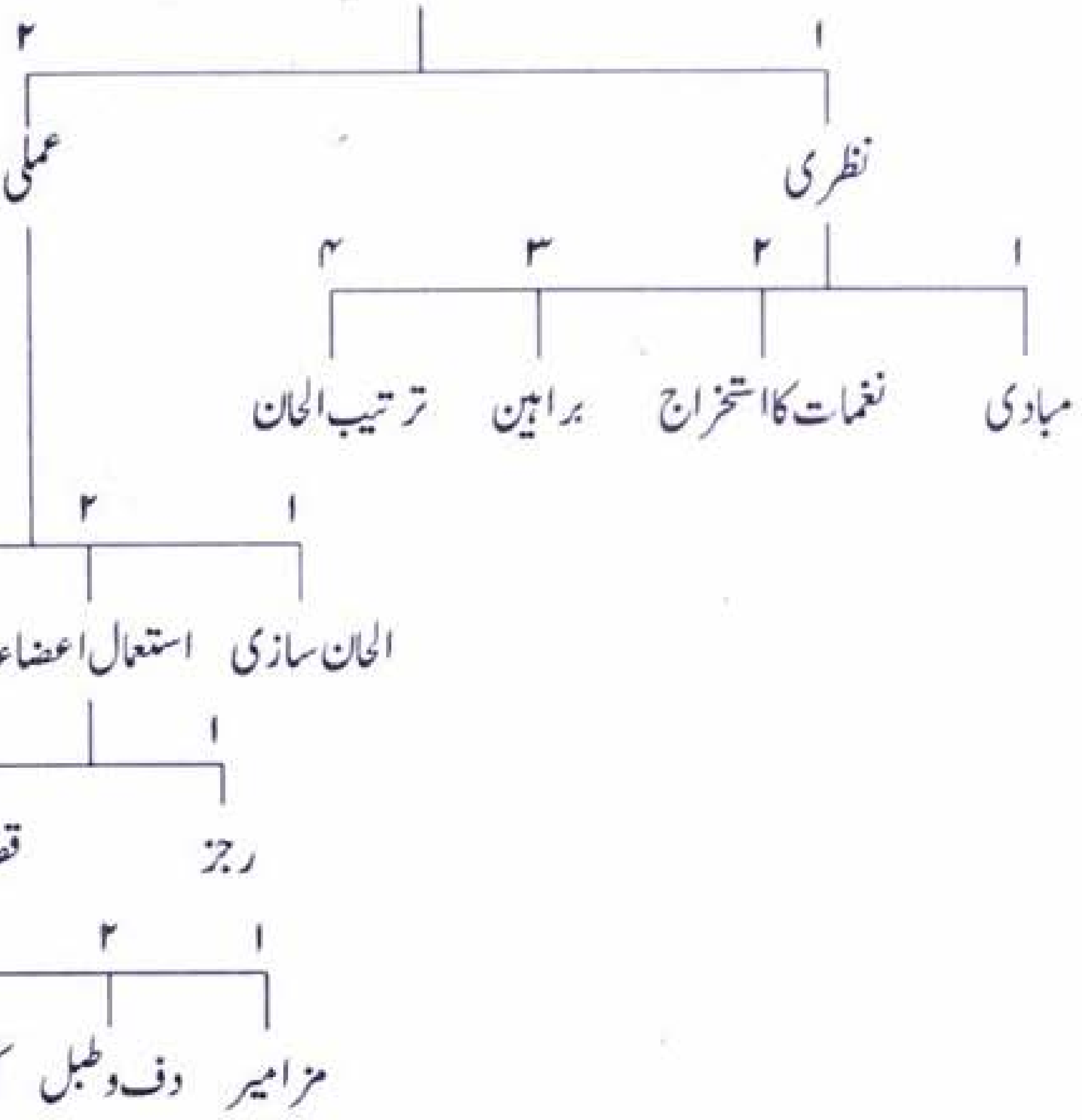
۱ نظری
۲ عملی
۱ مبادی
۲ نغمات کا استخراج
۳ براہین
۴ ترتیب الحان
۱ الحان سازی
۲ استعمال اعضاء
۳ استعمال آلات
۱ رجز
۲ قصیدہ
۱ مزامیر
۲ دف وطبل
۳ کواہ (حلق کیساتھ)

علم اسفل (طبیعیات)

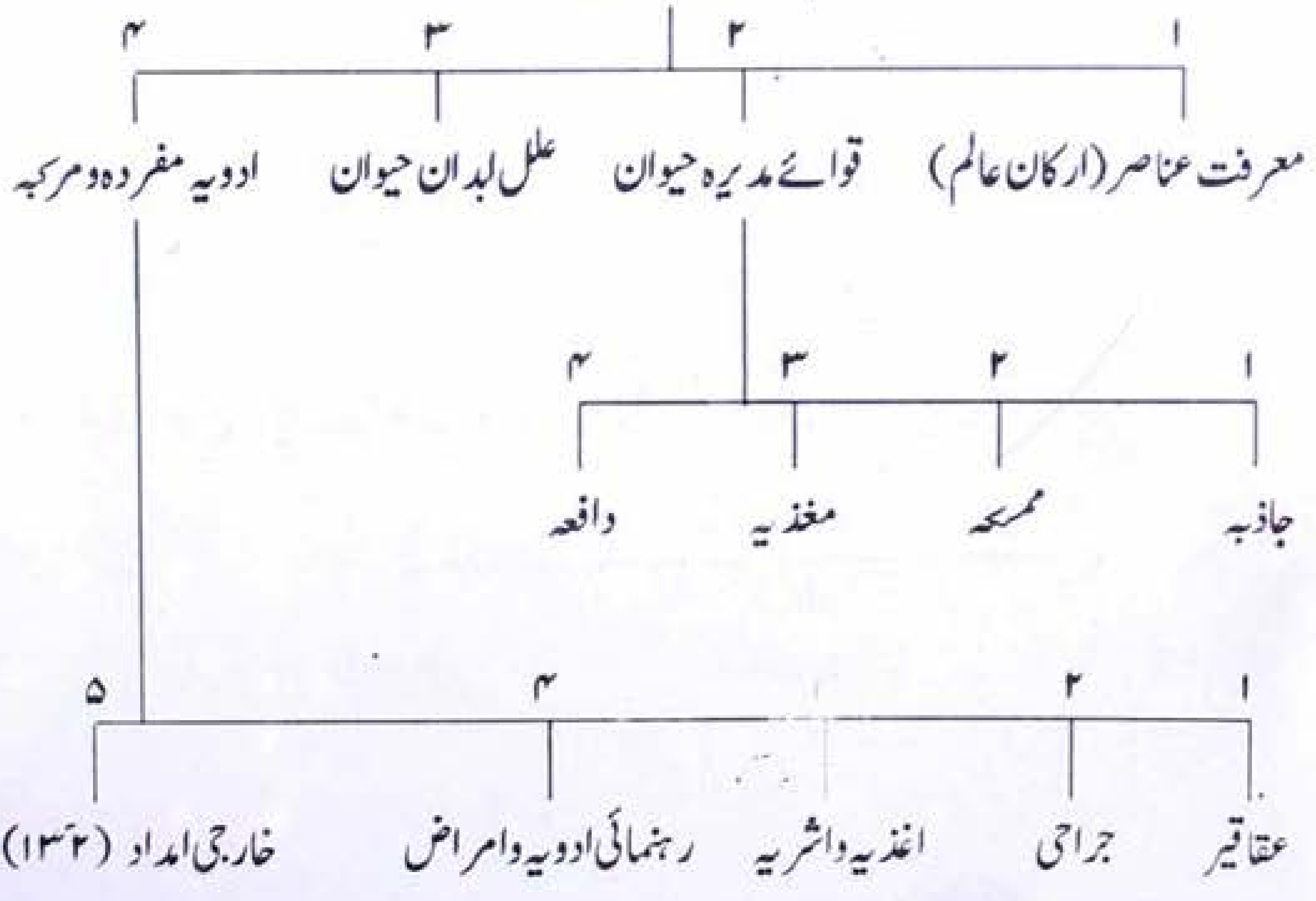
۱ معرفت عناصر (ارکان عالم)
۲ قوائے مدبرہ حیوان
۳ علل ابدان حیوان
۴ ادویہ مفردہ ومرکبہ
۱ جاذبہ
۲ ممسکہ
۳ مغذیہ
۴ دافعہ
۱ عقاقیر
۲ جراحی
اغذیہ واشربہ
۴ رہنمائی ادویہ وامراض
۵ خارجی امداد (۱۳۲)

(۱۰) امام فخر الدین رازی کی تقسیمِ علوم

فخر رازی نے قیامِ خوارزم کے زمانہ میں شاہِ خوارزم ابو المظفر تکش کی فرمائش پر " **حدائق الانوار فی حقائق الاسرار**" کے نام سے علوم پر کتاب لکھی تھی جس میں ساٹھ علوم کا تذکرہ کیا اور ان کے اصول کو بیان کیا ہے جس کا احمد بخش نے اردو میں "جامع العلوم" المعروف بہ **ستینی** کے نام سے ترجمہ کیا جو عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ اس میں موصوف نے علومِ شرعی، لسانی، ادبی طبعیات، ریاضیات، فلکیات، فنونِ لطیفہ، پھر الٰہیات، اخلاقیات اور اجتماعی علوم کا ذکر کیا ہے ہر ایک علم کو متعدد شعبوں میں اور شعبوں کو اقسام میں تقسیم کیا، بہت سے علوم کا احاطہ کیا اور ان میں تنوع کو بیان کیا ہے۔

علومِ شرعیہ میں کلام کو، پھر اصولِ فقہ کو، اسکے بعد فقہ کو، پھر تفسیر و قرأت کو اور اس کے بعد حدیث، علوم حدیث اور سیر و تاریخ کا ذکر کیا، علومِ شرعیہ میں قرآن و سنت کو اصل ماخذ کی وجہ سے مقدم رکھنا چاہئے تھا لیکن رازی نے ایسا نہیں کیا اس طرح تدبیر منزل کے بعد تصوف کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علومِ شرعیہ اور غیر شرعیہ میں موصوفؒ نے کسی منطقی و طبعی ربط کو ملحوظ نہیں رکھا حالانکہ رازی فلسفی و متکلم ہے اور اس تقسیمِ علوم کا یہ بڑا نقص ہے اس لئے صرف پہلی تقسیم (FirstSummary:Class) کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱) کلام
(۲) اصولِ فقہ
(۳) جدل
(۴) خلافیات
(۵) فقہ
(۶) فرائض
(۷) وصایا
(۸) تفسیر
(۹) بیان و اعجاز
(۱۰) قرأت
(۱۱) حدیث
(۱۲) اسماء رجال
(۱۳) تاریخ
(۱۴) مغازی
(۱۵) نحو
(۱۶) صرف
(۱۷) اشتقاق
(۱۸) امثال
(۱۹) عروض
(۲۰) قوافی
(۲۱) بدیع نظم و نثر
(۲۲) معانی
(۲۳) منطق
(۲۴) طبعیات
(۲۵) تعبیر
(۲۶) فراست و قیافہ
(۲۷) طب
(۲۸) علمِ تشریح
(۲۹) صیدلہ (شناخت ادویہ)
(۳۰) خواص ادویہ

(۳۱) کیمیا
(۳۲) جواھر
(۳۳) طلسمات
(۳۴) فلاحت
(۳۵) قلع آثار
(۳۶) فن بیطاری
(۳۷) بازوں کا علم
(۳۸) ھندسہ
(۳۹) مساحت
(۴۰) جرِ اثقال
(۴۱) آلاتِ حرب
(۴۲) حساب ہندسہ (تحریری)
(۴۳) حساب زبانی
(۴۴) جبر و مقابلہ
(۴۵) ارثماطیقی
(۴۶) اعداد وفق
(۴۷) علم معاینہ
(۴۸) موسیقی
(۴۹) ہیئت
(۵۰) نجوم
(۵۱) رمل
(۵۲) عزائم
(۵۳) الھیات
(۵۴) مقالاتِ اھل عالم
(۵۶) اخلاق
(۵۷) سیاست
(۵۷) تدبیرِ منزل
(۵۸) زھد و تصوف
(۵۹) دعوات
(۶۰) آدابُ الملوک

(۱۳۳)

فخر رازی نے آیت شریفہ "الحافظون لحدود اللّٰہ" الخ کی تفسیر کے ضمن میں شرعی علوم میں صرف علم فقہ کی تقسیم کی ہے جس کا خاکہ درج ذیل ہے۔

فقہ

عبادات معاملات

نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، اعتاق، نذور، اعمالِ حسنہ

معاملات برائے جلبِ منفعت معاملات برائے دفعِ مضرت

مقصودِ بالذات مقصودِ بالتبع

مذوقات، ملموسات، مبصرات، مسموعات، مشمومات

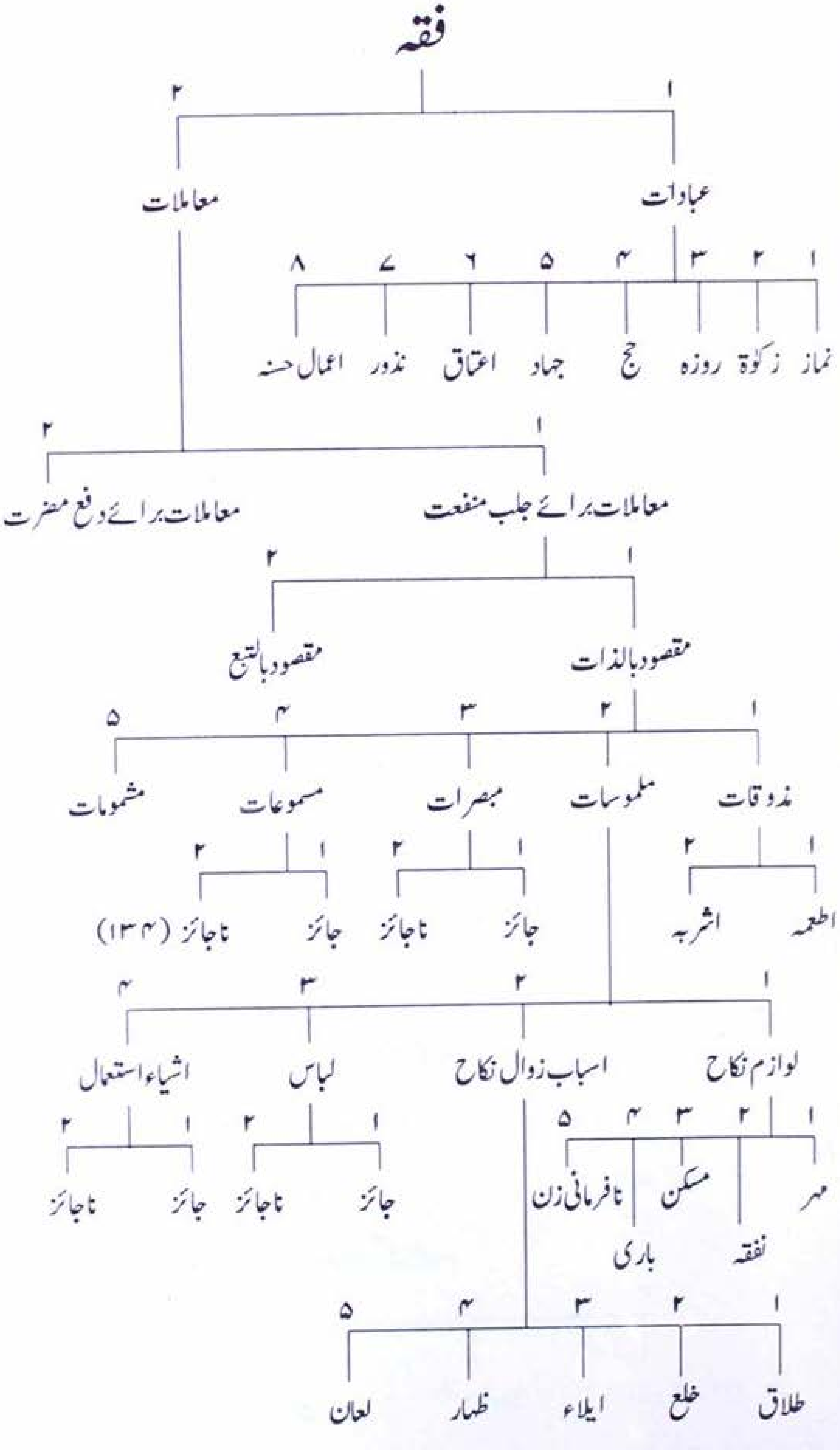
فقہ
۱ عبادات
۲ معاملات
۱ نماز
۲ زکوٰۃ
۳ روزہ
۴ حج
۵ جہاد
۶ اعتاق
۷ نذور
۸ اعمال حسنہ
۱ معاملات برائے جلب منفعت
۲ معاملات برائے دفع مضرت
۱ مقصود بالذات
۲ مقصود بالتبع
۱ مذوقات
۲ ملموسات
۳ مبصرات
۴ مسموعات
۵ مشمومات
۱ اطعمہ
۲ اشربہ
۱ جائز
۲ ناجائز
۱ جائز
۲ ناجائز (۱۳۴)
۱ لوازم نکاح
۲ اسباب زوال نکاح
۳ لباس
۴ اشیاء استعمال
۱ مہر
۲ نفقہ
۳ مسکن
۴ باری
۵ نافرمانی زن
۱ جائز
۲ ناجائز
۱ جائز
۲ ناجائز
۱ طلاق
۲ خلع
۳ ایلاء
۴ ظہار
۵ لعان

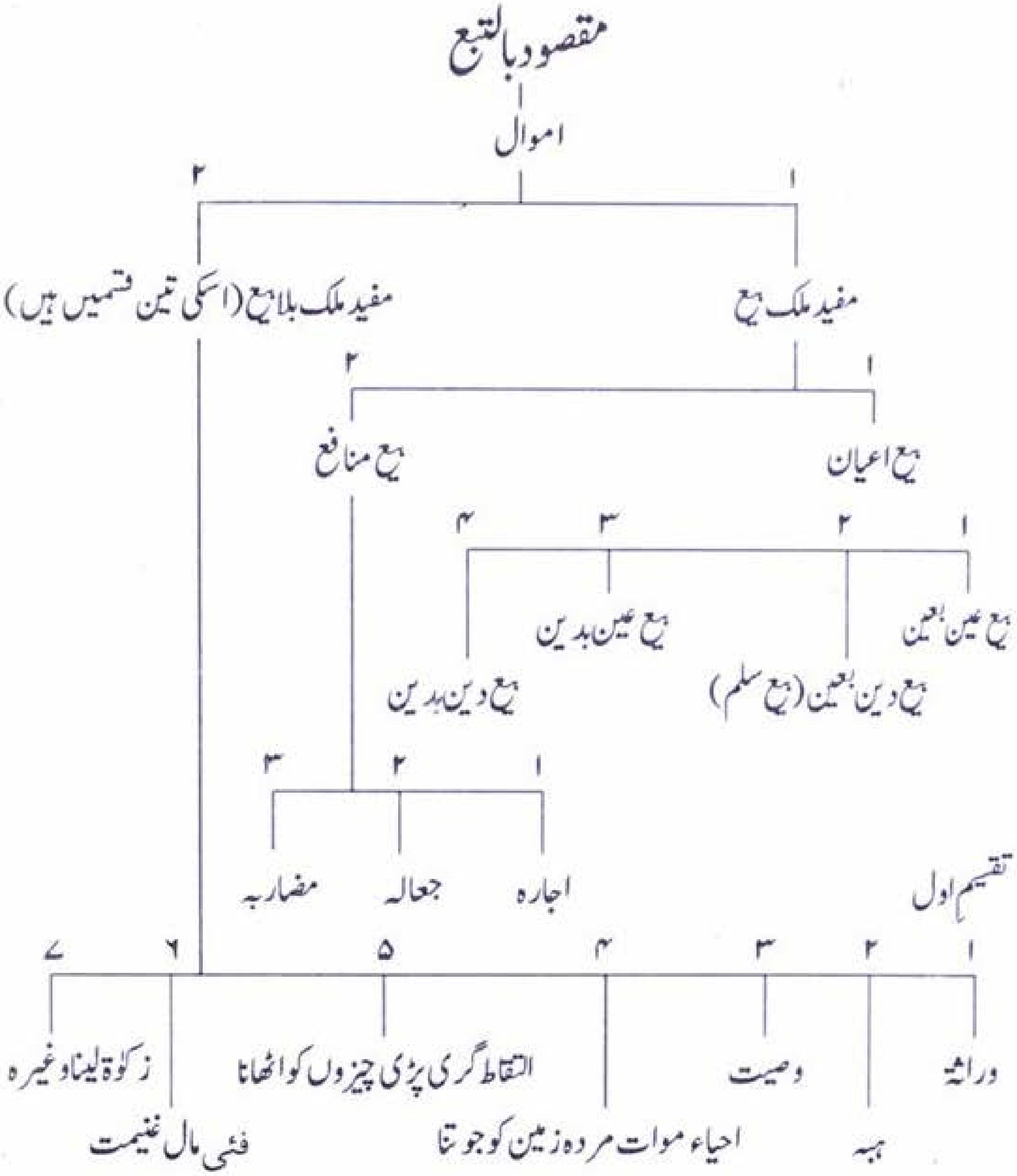
مقصود بالتبع
اموال
۱
۲
مفید ملک بیع
مفید ملک بلا بیع (اسکی تین قسمیں ہیں)
۱
۲
بیع اعیان
بیع منافع
۱
۲
۳
۴
بیع عین بعین
بیع دین بعین (بیع سلم)
بیع عین بدین
بیع دین بدین
۱
۲
۳
اجارہ
جعالہ
مضاربہ
تقسیم اول
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
وراثۃ
ہبہ
وصیت
احیاء موات مردہ زمین کو جوتنا
التقاط گری پڑی چیزوں کو اٹھانا
فئی مال غنیمت
زکوۃ لینا وغیرہ

تقسیم ثانی جو غیر مالک کے تصرف کو واجب کرتی ہیں۔

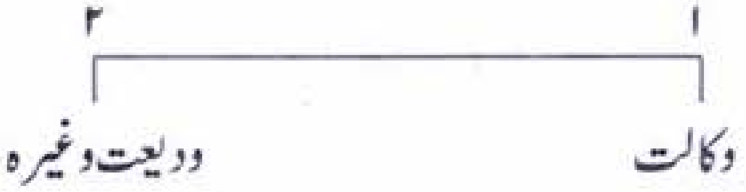
۱
۲
وکالت
ودیعت وغیرہ

تقسیم ثالث جو غیر مالک کو تصرف سے باز رکھتی ہیں۔

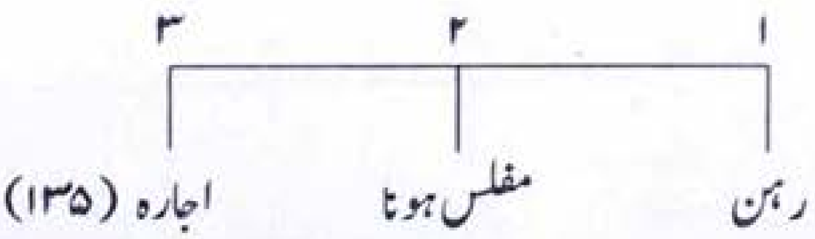
۱
۲
۳
رہن
مفلس ہونا
اجارہ (۱۳۵)

معاملات برائے دفع مضرت

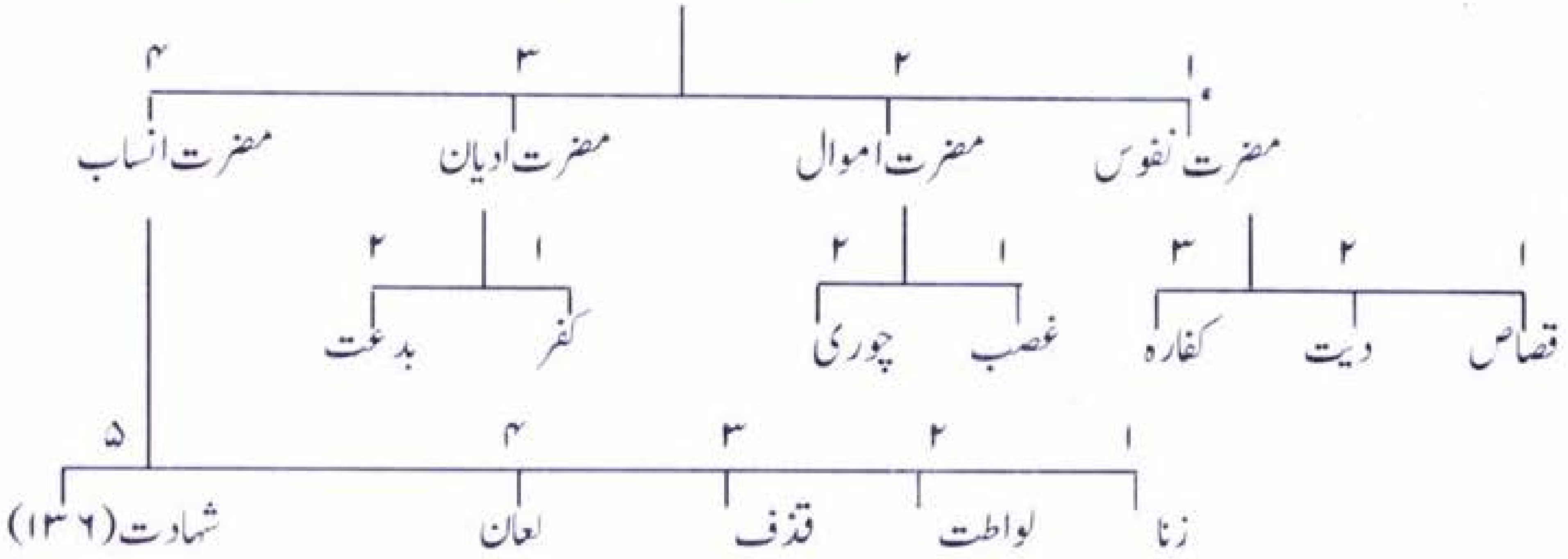
۱ مضرت نفوس
۲ مضرت اموال
۳ مضرت ادیان
۴ مضرت انساب
۱ قصاص
۲ دیت
۳ کفارہ
۱ غصب
۲ چوری
۱ کفر
۲ بدعت
۱ زنا
۲ لواطت
۳ قذف
۴ لعان
۵ شہادت (۱۳۶)

فخر رازی کی فقہ کی مذکورۂ بالا تقسیم اس امر کی شاہد عدل ہے کہ شرعی علوم میں ہر شعبہ علم بہت سے انواع واقسام واصناف علوم کو حاوی ہے اور اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس سے علم کا کوئی تعلق نہ ہو اور علوم فقہ سے اسکا کوئی قریبی ربط نہ ہو۔ نیز فقہ کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ اس کو حاوی نہ ہو۔

اس تقسیم سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ فقہاء نے علوم کے شعبوں میں سے ہر شعبہ علم کا دوسرے شعبہ علم سے عقلی و طبعی ربط کا ہر موقعہ پر فلاسفہ سے زیادہ خیال رکھا ہے۔ اس نوع کے علوم کی تقسیم کا آغاز دوسری تیسری صدی ہجری میں ہو چکا تھا اس تقسیم کا تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا ہے جس سے شرعی علوم میں سے صرف ایک علم فقہ کی وسعت، تنوع و جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ تقسیم موضوعات کی سرخیوں (Subject Heading) کی تعیین و توضیع کے لئے بھی بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

مذکورۂ بالا علمی تقسیموں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی میں مسلمانوں کو علمی درجہ بندیوں سے کیسا شغف رہا انہوں نے کن پہلوؤں سے علمی درجہ بندی کی اور ہر علم کے انواع، اقسام و اصناف سے کتنا اعتناء کیا، ان میں کیسی کچھ ہمہ گیری، لچک، تنوع اور وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے عہد عباسی کی علمی درجہ بندیوں کا صدی وار ارتقاء بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

بابِ ہفتم

دوسرا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆------------- کتابیاتی تقسیمِ علوم

☆------------- ابن الندیم کی تقسیمِ علوم

☆------------- کتابی درجہ بندی

☆------------- افادی درجہ بندی

☆------------- ابن الکوفی کی کتابی درجہ بندی

☆------------- مقاصدِ تنظیم و تقسیمِ علوم

(۲)

کتابیاتی تقسیمِ علوم

(ا) ابن الندیم کی تقسیمِ علوم

ابن الندیم بغدادی معتزلی، فلسفی و ماہر کتاب شناس تھا اس نے کتابیاتی درجہ بندی (Bibliographical Classification) کے متعلق اپنے نظریہ کی کتاب "الفہرست" میں کوئی وضاحت نہیں کی۔ کتاب کے مطالعہ اور موضوعات علوم کی تقسیم سے علوم میں جو ربط و ترتیب سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تقسیم ہر نوع کے ادبی ذخائر و کتابیاتی ضروریات کے پیشِ نظر کی گئی ہے یہ نظری سے زیادہ عملی تقسیم ہے جو اس امر کا نہایت بیّن ثبوت ہے کہ مسلمان مفکرین نے علوم کی محض درجہ بندی نہیں کی بلکہ مختلف علوم و فنون کے ذخائر و موضوعات کے مطابق کتابوں کو ان میں جگہ دی ہے اس دور میں جبکہ وسائلِ کتاب کی کمی کے باعث علوم میں وسعت و تنوع بھی زیادہ نہیں تھا۔ مسلمان علماء و فلاسفہ اور کتاب شناسوں نے تقسیمِ علوم کے ترقی پذیر سلسلہ کو بہت فروغ دیا۔ علوم کے شعبوں کو ہفت گانہ مدارج سے نکال کر علم کی تقسیم کو دھائیوں اور سیکڑوں تک پہنچایا۔

کتابیاتی درجہ بندی کا سہرا ابن الندیم کے سر ہے۔ اسکی یہ تقسیمِ علوم، کتابیاتی دنیا میں پہلی تقسیم ہے۔ ابن الندیم نے علوم کو بنیادی طور پر دس شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔

ابن الندیم نے کتاب الفہرست کو دس مقالات (۱۰ ابواب) پر مرتب کیا اور ہر مقالہ کو مختلف فنون (انواع) پر منقسم کیا ہے اس کی اول و ثانوی تقسیم کا خاکہ درجِ ذیل ہے۔

1- Languages مقالہ اول السنہ و لغاتِ اقوام عالم (اقوام عالم کی زبانیں اور لغات)

لغت (زبان) کتابت و خوشنویسی کتبِ سماوی و انبیاء علیہم السلام قرآن

2- Grammar مقالہ دوم نحو و لغت وائمہ نحو و لغت

ا۔ آغازِ نحو، نحویان و لغویانِ دبستانِ بصرہ، حالات و تالیفات

۷۔ ابو جعفر طبری، تلامذہ، حالات و تالیفات

۸۔ فقہا خوارج حالات و تالیفات

Philasophy مقالہ ہفتم فلسفہ و علوم قدیمہ

۱۔ فلاسفہ طبعیین و منطقیین حالات و تالیفات

۲۔ ریاضی دان، مہندسین، موسیقار منجم، ان کے آلات ساز و اصحابِ حیل و حرکات، حالات و تالیفات

۳۔ آغازِ طب، متقدمین و اطباء دور اموی عباسی حالات و تالیفات

Astronomn مقالہ ہشتم داستانِ جادو ٹونہ اور خرافات

۱۔ داستان سرا سداری حالات و تالیفات

۲۔ جادوگر

۳۔ حالات و تالیفات

۴۔ گمنام مصنفین کی مختلف موضوعات پر تالیفات

نہم Music مقالہ نہم مذاہب و اعتقادات

۱۔ صابئہ، صانیہ، خرمیہ، مزدکیہ، حالات و تالیفات

۲۔ مذاہب ہندو چین و بدھ مت وغیرہ

ابن الندیم نے کتاب الفہرست کو دس مقالات (ابواب) پر مرتب کیا اور ہر مقالہ کو مختلف فنون (انواع) پر منقسم کیا ہے اس کی اول و ثانوی تقسیم کا خاکہ درج ذیل ہے۔

Langvages مقالہ اول اَلسنۃ و لغات اقوام عالم

۱ لغت (زبان) کتابت و خوشنویسی
۲ کتب سماوی و انبیاء علیہم السلام
۳ قرآن

Grammer مقالہ دوم نحو و لغت و ائمہ نحو و لغت

۱ آغاز نحو‘ نحویان و لغویانِ دبستان بصرہ‘ حالات و تالیفات
۲ نحویان و لغویان دبستان کوفہ‘ حالات و تالیفات
۳ دبستان بصرہ و کوفہ کو ہم رنگ کرنیوالے نحوی و لغوی‘ حالات و تالیفات

History مقالہ سوم تاریخ مورخین‘ انساب و سیر و اہل سیر

۱ مورخین‘ رواۃ‘ انساب نگار‘ اہل سیر‘ حالات و تالیفات
۲ تاریخ کلرک‘ منشی و محرر‘ عمال خراج‘ سرکاری حکام‘ حالات و تالیفات
۳ قدیم و مقربان شاہی‘ گوئے لطیفہ گو‘ ہنسانے رلانے والے لوگ‘ حالات و تالیفات

Poetry مقالہ چہارم شعر و شعراء

١ طبقات شعراء، دور جاہلی و دور اسلامی کے وہ شعراء جنہوں نے دور جاہلی دیکھا، ان کے دوادین کے جامع و راوی

٢ شعراء دور اموی و عباسی

Scholarticism مقالہ پنجم کلام و متکلمین

١ آغاز کلام و عقائد، معتزلہ، مرجئہ، متکلمین، حالات و تالیفات

٢ متکلمین شیعہ امامیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، حالات و تالیفات

٣ جبریہ، حشویہ، حالات و تالیفات

٤ خوارج، انکی قسمیں، حالات و تالیفات

٥ سیاح، زہاد، عباد و صوفیہ، حالات و تالیفات

Law مقالہ ششم فقہ و حدیث اور فقہاء محدثین

۱ امام مالک، ان کے تلامذہ، حالات و تالیفات
۲ امام ابو حنیفہ، ان کے تلامذہ، حالات و تالیفات
۳ امام شافعی، ان کے تلامذہ، حالات و تالیفات
۴ امام داؤد ظاہری، ان کے تلامذہ، حالات و تالیفات
۵ فقہاء شیعہ، حالات و تالیفات
۶ فقہاء اصحاب حدیث و محدثین، حالات و تالیفات
۷ ابو جعفر طبری، تلامذہ، حالات و تالیفات
۸ فقہاء خوارج، حالات و تالیفات

Philosophy مقالہ ہفتم فلسفہ وعلوم قدیمہ

۱ فلاسفہ ومناطقہ، حالات وتالیفات

۲ ریاضی داں، مہندس، موسیقار، منجم، ان کے آلات ساز واصحاب حیل وحرکات، حالات وتالیفات

۳ آغاز طب، متقدمین واطباء دور اموی وعباسی، حالات وتالیفات

Astronomy مقالہ ہشتم فلکیات نجوم سے متعلق داستان جادوٹونہ اور خرافات

۱ داستان سرا، مداری، حالات وتالیفات

۲ جادوگر، حالات وتالیفات

۳ گمنام مصنفین کی مختلف موضوعات پر تالیفات

Music مقالہ نہم وہ مذاہب واعتقادات، جن میں گانا بجانا ہے

۱ صائبیہ، مانیہ، خرمیہ، مزدکیہ، حالات وتالیفات

۲ مذاہب ہند وچین وبدھ مت وغیرہ

MEDICINE مقالہ دہم کیمیاگر فلسفی

۱

قدماء کیمیاگر

کتاب الفہرست کے فاضل ترجمہ نگار ڈاکٹر بیارڈ ڈوج (Bayard Dodge) نے انگریزی ترجمہ میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ (۱۳۸) رینالڈ اے نکلسن نے A Literary History of the Arabs ص (۳۶۳) میں ابن الندیم کی کتابیاتی تقسیم کی جن الفاظ میں نشاندہی کی ہے وہ انہی کے الفاظ میں ناظرین کی سہولت کے پیش نظر بریکٹ میں دے دی ہے۔ (۱۳۹)

اس کے ہزار سال بعد بیسویں صدی عیسوی میں Henry Evelyn Bliss نے کتابیاتی تقسیم کی جس میں وسائل کتابت وطباعت کی سہولت وفراوانی اور علوم میں غیر معمولی توسیع وکثرت کے باوجود وہ علوم کو پچیس ۲۵ شعبوں میں تقسیم کر سکا (۱۴۰) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابن الندیم نے چوتھی صدی ہجری میں اس موضوع پر کتنا عظیم اور اہم کارنامہ انجام دیا تھا۔

۲

عہد عباسی کے کیمیاگر (۱۳۷)

دوسری تقاسیم علوم کی طرح اس تقسیم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں عام سے خاص کی اور کل سے جزء کی طرف تقسیم کا عمل جاری ہے یہی تقسیم کی وہ کامیاب واحد اساس ہے جس پر آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی تقسیم کے ترقی پذیر سلسلہ کی بنیاد قائم ہے(۱۴۱)۔

ابن الندیم نے زبان اور آسمانی کتب کو سب سے مقدم رکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کو اپنی زبان اور اپنا مذہب سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ ہر قوم کے دانشوروں کی تخلیقات ان کی اپنی زبان میں جلوہ گر ہوتی ہیں، زبان کے بعد قواعد لغت کو رکھا ہے جن میں طبعی و منطقی ربط موجود ہے۔

ہر قوم کی تاریخ اس قوم کے خصائص، روایات واقدار اور اسکے گذشتہ کارناموں کا مرقع ہوتی ہے اسلئے وہ اس کو زیادہ عزیز ہوتی ہے، غالباً ان ہی وجوہ سے السنہ مذہب اور نحو ولغت کے بعد تاریخ وسیر کا ذکر کیا گیا ہے۔

لسانیات و ادبیات میں جو فصل رکھا گیا ہے وہ مناسب نہیں، عجیب حسن اتفاق ہے کہ انیسویں صدی میں ڈیوی کی ترقی یافتہ اعشاریائی تقسیم کا بھی یہی بڑا نقص ہے۔

کلام کو فقہ سے پہلے رکھا یعنی ایمان اور عمل کو یکے بعد دیگرے ذکر کر کے ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اسلئے کہ ایمان کے بعد عمل کا درجہ ہے۔ اس نے تمام علوم کے شعبوں میں کلام کو اور کلام سے زیادہ فقہ کے شعبوں کو بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس نے کلام وفقہ کو زیادہ اہمیت دی ہے لیکن حدیث کو فقہ کے ضمن میں سمیٹا ہے حالانکہ وہ فقہ کے ماخذ ہونے کی وجہ سے مستقل موضوع کی حیثیت سے ذکر کیے جانے کی مستحق تھی۔

اس اسکیم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ادبی اور اسلامی علوم کے شعبوں کو ایک سلسلہ میں یکجا ومقدم بیان کیا گیا ہے اس کے بعد فلسفہ اور علوم قدیمہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں غیر الہامی عقائد ومعتقدات کو پہلے اور کیمیا وصنعت کہ تجرباتی و عملی چیزیں ہیں موخر بیان کیا گیا ہے گویا اس میں بھی ایک نوع کی مناسبت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ابن الندیم نے اپنی تقسیمِ علوم میں زمانی، منطقی اور علمی اسلوب کو اختیار کیا جو حشو وزوائد سے پاک ہے(۱۴۲)۔

یہ واحد مختصر جامع کتابیات ہے جو عالم کی قدیم متمدن اقوام مولفین، ادباء شعراء، فلاسفہ اور فن کے نامور اربابِ کمال کے علمی کارناموں سے روشناس کراتی اور مفید معلومات فراہم کرتی (۱۴۳)۔

کتابیاتی ترتیب میں جو روش و روایت ابن الندیم نے قائم کی ہے اہمیت و افادیتِ عصر

حاضر کے ترقی یافتہ دور بیسویں صدی عیسوی میں بھی مسلم ہے۔ چنانچہ اس روش و طریقہ کو معمولی تبدیلی سے اس دور کے نامور مستشرق (Carl Brockelmann) نے
Geschichte Ler Arablschen Litterature, (Leiden, 1848)
میں اور C. A. STORY نے
Persian literature and Bio-Bibliographicel Suurvey. London, Luzac. 1953.
میں جاری رکھا ہے۔ (۱۴۴)

(ب) کتابی درجہ بندی (Book Classification)

کتابی تقسیم کا آغاز عہدِ عباسی میں ہوا اور رواج پا گیا اس کے لئے تصنیف کا لفظ بولا جاتا تھا۔ تصنیف کا مادہ صنف ہے۔ امامِ لغت خلیل سے اس کے دو معنی منقول ہیں (۱)

ہر ایک شے کا مجموعہ ہے چنانچہ کہا جاتا ہے "ھذا صنف من الاصناف"

یہ اصناف میں سے ایک صنف ہے (۲)

تمیز الاشیا بعضہا عن بعض، بعض چیزوں کو بعض چیزوں سے ممتاز کرنا۔ ابنِ فارس کا خیال ہے کہ تصنیف کتاب اسی سے بنا ہے اور الغریب المصنف جو لغت کی ایک مشہور کتاب ہے اس کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اسکے ابواب کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا گیا ہے۔ ہر ایک باب کی ایک علیحدہ جگہ مقرر کی گئی ہے (۱۴۵) ۔ اسماعیل بن حماد جوھری تصنیف کے معنی میں رقمطراز ہیں۔

کسی چیز کے اصناف واقسام بتانا اور بعض اصناف کو بعض اقسام سے ممتاز کرنا ہیں (۱۴۶) عرب صنفت الشجر ' اس وقت بولتے ہیں جب درخت اپنے پتے نکالتا اور اتحاد وموافقت کے ساتھ امتیاز وجدائی کو نہیں چھوڑتا ہے تصنیف کے معنی کسی شی کو صنف وار کرنا ہیں (۱۴۷) درجہ بندی اور Classification کی حقیقت بھی یہی ہے۔ Lane صنفۃ کے معنی لکھتا ہے۔

He assorted it; i. e. made it into, or disposed it in, sorts, or species and separated or distinguished, its several parts or portion or constituents, one from another, التصنیف is the separating, or distinguishing, of things, from one another.

یہاں بھی تصنیف کا لفظ اصطلاحی درجہ بندی کی حقیقی روح (۱۴۸) کے زیادہ قریب ہے۔ عہدِ عباسی میں درجہ بندی کے مفہوم کی ادائیگی کیلئے عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔

(۱) تصنیف (۲) تبویب (۳) ترتیب (۴) تبسیق (۵) تقسیم (۱۴۹)

لیکن خاص کلاسیفکیشن (Classification) کیلئے لفظ تصنیف کا زیادہ استعمال کیا جاتا تھا۔ حقیقت میں اس لفظ کو عملی سائنس سے زیادہ اختصاص حاصل ہے چنانچہ تیسری صدی ہجری

کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں اس عملی علم (Practical Science) میں بعض اہلِ علم کی بہت شہرت تھی چناچہ صاحب معجم الشعراء، محمد مرزبانی المتوفی ۳۸۴ھ اپنے استاد ابو بکر صولی المتوفی ۳۳۵ھ / ۹۴۶ھ کے متعلق رقمطراز ہیں:

"کان حاذقاً بتصنیف الکتب ووضع الاشیاء منها مواضعها"

(۱۵۰) صولی کتابوں کی درجہ بندی کرنے اور موضوع کے اعتبار سے انہیں اپنی اپنی جگہ رکھنے میں طاق تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں یہ فن بہت فروغ پاچکا تھا۔ صولی نے اپنے کتب خانے کی جس نوع پر درجہ بندی کی تھی اس کا حال ابو بکر بن شاذان کی زبانی سنئے وہ فرماتے ہیں:

صولی نے کتابوں کی جلدیں مختلف رنگ کی بندھوائی تھیں ایک نوع و قطار دوسری نوع و قطار سے رنگ میں جدا تھی، ایک صنف سرخ رنگ کی جلدوں کی تھی دوسری سبز رنگ کی، تیسری زرد رنگ کی تھی وعلی ھذا القیاس (۱۵۱)۔

افادی درجہ بندی (Utility Classification)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صولی رنگ کو علامت کے طور پر (Notation) کی جگہ استعمال کرتے تھے اور کلاسیفکیشن (Classification) کے مطابق کتابوں کی ترتیب میں امتیاز جلدوں کے رنگوں سے کرتے تھے اسلئے یاقوت نے اسکو "اجمل" بہترین "ترتیب" قرار دیا (۱۵۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں افادی درجہ بندی (Utility Classification) کا آغاز صولی سے ہوا تھا۔ موصوف کے اس انوکھے طریقہ اور عمل کی صدائے بازگشت ہمیں قرطبہ میں بھی سنائی دیتی ہے چنانچہ قاضی ابوالمطرف ابنِ فطیس کا کتب خانہ جس کی پورے اندلس میں دھوم تھی اسی طریقہ پر مرتب تھا (۱۵۳)۔

ابن الکوفی کی کتابی درجہ بندی

مشہور نحوی ابن الکوفی المتوفی ۳۴۸ھ نے اپنے خزائنِ کتب میں کتابوں کی کثرت کی وجہ سے ہر نوع کی کتابوں کیلئے ایک مخصوص جگہ بنا رکھی تھی۔ وہ ہر کتاب کے شروع میں اس کی نوع یعنی درجہ بندی نمبر لکھتے تھے تاکہ جب کتاب طلب کی جائے مل جائے اور جب ضرورت باقی نہ رہے اسے اسکی جگہ پر لوٹا دیا جائے ان کا یہ عمل کتنا اچھا تھا۔ قفطی لکھتے ہیں:

" وقد کانت لکثرتها یعین لکل نوع منها موضعا مخصوصاً مِن خزائنه ویکتبه علی اول الکتاب یجده ازا طلبه ویعیده الی

موضعة المعلوم اذ غنی عنه 'رحمة اللّٰه' فما کان اسنی فعاله" (۱۵۴) خزائنِ کتب میں کتابوں کی کثرت کی وجہ سے ان میں ہر نوع کیلئے ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی وہ علامت اسی جگہ کتاب کے شروع میں لکھتے تھے تاکہ جب اسکو طلب کیا جائے وہ مل جائے اور جب حاجت پوری ہو جائے اسے اس کی مخصوص جگہ پر لوٹایا جائے' اللہ کی اس پر رحمت ہو اسکا کیسا اچھا طریقہ تھا۔

اس "یکتبه علی اول الکتاب" کی تہ میں دراصل وہ سہولت کارفرما تھی جو کتابوں کے مہیا کرنے میں مدِ نظر رکھی گئی تھی اس سہولت کی وجہ سے **قفطی** تحسین و آفرین کہنے پر مجبور ہوئے تھے یہی وہ وظیفہ ہے جو فنِ کتب خانے کی جان ہے۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں چوتھی صدی ہجری کے نصف اول میں علمِ کتاب داری فن کی حیثیت سے اپنے ارتقائی منازل طے کر رہی تھی اور اسلامی شہروں میں علمِ کتاب داری کا شعور پیدا ہو رہا تھا جیسا کہ اس ہدایت کے جاری کرنے سے ظاہر ہے۔

ابن الکوفی کے اس اہتمام سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے فنِ کتب خانے کے اصول کو عملی طور پر اپنایا ہوا تھا وہ کتابوں کی فن وار ترتیب کو قائم و دائم رکھنے کیلئے درجہ بندی پر عمل پیرا تھے اور درجہ بندی میں کتابوں پر علامات (Notation) استعمال کرتے تھے۔ گو اسکی نوعیت کا تعین مشکل ہے اسلئے کہ تذکرہ نگاروں نے اس باب میں کچھ نہیں لکھا اس بناء پر مزید روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔

ابن الکوفی کی ہر کتاب پر ہدایت مذکورہ لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے کتب خانے کے عملی طور پر خود لائبریرین تھے۔ ان کے پاس کوئی عملہ نہ تھا۔ اسلئے انہیں یہ ہدایت جاری کرنا پڑی تھی۔

عباسی خلفاء کے کتب خانوں میں کتابیں موضوعات کے تحت (Subject-Wise) ترتیب سے رکھی جاتی تھیں' اس امر کا اندازہ شاہی طبیب سنان بن ثابت بن قرہ المتوفی ۳۳۱ھ / ۹۴۳ھ کے بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ جو اس کی "کتاب سیرة المعتضد" میں مذکور ہے اور اس کے حوالہ سے مورخ ابن العدیم (۵۸۶-۶۶۰ھ / ۱۱۹۱-۱۲۶۲ء) نے "بغیة الطلب فی تاریخ حلب" میں نقل کیا ہے' کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

امیر المومنین (خلیفہ معتضد عباسی) نے مجھے خزائنِ قدیمہ کی کتابوں اور نجوم کے آلات وغیرہ کو امیر ابن ابی جعفر اور ابو الفضل کے لئے علیحدہ کرنے اور ان کی درجہ بندی کرنے پر مامور کیا چنانچہ میں نے

(۱) کتبِ فقہ (۲) کتبِ لغت
(۳) کتابِ سیر قدیمہ (۴) جدیدہ
(۵) اخبارِ ملوک (۶) ایام الناس (تاریخی واقعات)
(۷) اخبارِ دولتِ عباسیہ،

اس طرح کی کتابوں کی درجہ بندی کی، ہمارے سامنے بہت سی کتابوں کے صندوق رکھے گئے تھے جن میں حسبِ ذیل عنوانات پر تاریخی کتابیں موجود تھیں۔

(۱) رسالتمآب کی ولادت، بعثت، مغازی، زندگی کے حالات، وفات کے واقعات، جن سے سیاسی معاملات اور دشمنوں سے جنگ کے زمانے میں رہنمائی حاصل کی جاتی تھی۔

(۲) خلفاء قریش کی سیرت، ان کی فتوحات، تدابیر، وہ فتن جو خوارج کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے تھے اور دولتِ اموی سے دولتِ عباسیہ تک اقتدار منتقل ہونے تک پیش آئے تھے۔

(۳) ایامِ عرب اور ان کی خانہ جنگیوں پر، جیسے عبس و ذبیان بنی بغیض، قبائل بکر و تغلب، بنی وائل، اوس و خزرج، جمہور قبائلِ عرب کے نسب نامے جن میں فصیح و بلیغ الفاظ واشعار پائے جاتے ہیں۔

(۴) اہلِ فارس کی کتابیں اور ان کی سیر و سوانح جیسے اردشیر بابکان کا عہد، نوشیروان کے خطبات، اسکی سیرت و کارنامے جنہیں سیاسی امور وامور مملکت میں رعایا کی داد رسی میں سامنے رکھا جاتا تھا۔

(۵) مشاہیر کے واقعات، جیسے بادشاہوں کے حالات و کارنامے۔

(۶) شرفاء کی سوانح و سیر جیسے
(الف) علماء (ب) کاتب (ج) فصحاء (د) شعراء
(ہ) سخی (و) بردبار (ز) پاک دامن (ح) وفاشعار (۱۵۵)

خلیفہ راضی باللہ کے کتب خانے میں کتابیں موضوع کے اعتبار سے مرتب رکھی جاتی تھیں (۱۵۶) اس امر سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء کے کتب خانے Classified Order میں رکھے جاتے تھے۔ جامعہ مستنصریہ کے دارالکتب میں بھی کتابیں موضوعی ترتیب سے رکھی گئی تھیں (۱۵۷)۔ ذاتی کتب خانے بھی فن وار مرتب رکھے جاتے تھے جیسا کہ تاج الدین کندی المتوفی ۶۱۳ھ کے کتب خانہ سے عیاں ہے (۱۵۸)۔

(ج) مقاصدِ تنظیم و تنسیقِ علوم

(OBJECTS OF CLASSIFICATION)

کتاب شناسی کے ارکان میں تقسیمِ علوم سے واقفیت ضروری ہے۔ چنانچہ منطق اور اخلاق وفلسفہ کی کتابوں میں اس غرض سے رؤس ثمانیہ یا رؤس **سبعہ** کا ذکر کیا جاتا ہے کندی فارابی، ابن سینا، ابن الہیثم، ابن مسکویہ اور رازی نے اس موضوع پر جداگانہ رسالے لکھے ہیں۔

ابو معشر جعفر بلخی المتوفی ۲۷۲ھ نے "المدخل فی احکام النجوم" (۱۵۹) میں ابن طبری المتوفی ۲۴۰ھ نے "فردوس الحکمہ" میں، (۱۶۰) علی بن عباس مجوسی المتوفی ۴۰۰ھ نے "کامل الصناعہ فی الطب" میں (۱۶۱) اور سعد الدین تفتازانیؒ نے "تہذیب المنطق" (۱۶۲) میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن مقریزی نے کتاب المواعظ والاعتبار اور پھر عبدالعزیز بغدادی نے "فقہ الملوک ومفتاح الرتاج المرصد علی خزانہ" کتاب الخراج میں زیادہ وضاحت کی ہے اور کہا ہے آغازِ کتاب میں قدماء کا رؤسِ ثمانیہ کے ذکر سے مقصد۔

(۱) غرضِ تالیف (۲) عنوانِ کتاب (۳) منفعت، یعنی جن امور سے اس میں بحث کی گئی ہے اسکا فائدہ (۴) ربطِ عقلی یا نقلی سے اسکا تعلق (۵) واضعِ مولف کتاب کا نام اور جن علوم کو ترتیب دیا ہے ان کے مرتبہ وحیثیت کی وضاحت اور جس موضوع پر یہ کتاب لکھی گئی ہے اسکا رتبہ (۶) کس علم سے کتاب کا تعلق ہے (۷) تعدادِ ابواب (۸) علوم کا وہ طریقہ جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے، عقلی نقلی، مشاہداتی یا کوئی اور (۱۶۳)۔

مذکورۂ بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں مصنف کا آغازِ کتاب میں ان باتوں کی وضاحت سے مقصد، موضوع، ابواب، اور اسلوب کے متعلق مستند ترین معلومات فراہم کرنا تاکہ ترتیب وتنظیم کرنے والے Classifiers اور فہرست نگار (Bibliographers) پیشہ ورانہ عمل کو آسانی سے جاری رکھ سکیں۔

اس باب میں عہدِ عباسی میں ترتیب و **تنسیقِ** علوم کے سلسلہ میں جو انفرادی واجتماعی گوناگوں کوششیں کی گئی تھیں ان کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا۔ علوم وفنون کی درجہ بندی کی مختلف انواع علمی درجہ بندی، کتابیاتی درجہ بندی، افادی، مصنوعی درجہ بندی کا تذکرہ کیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے روزافزوں علمی ذخائر کو قابو میں رکھنے اور انکی درجہ بدرجہ ترتیب وربط کو قائم رکھنے میں کن پہلوؤں سے غور کیا اور طلبہ، علماء و

محققین کو کتابوں کے استعمال میں افادہ و استفادہ کی راہ ہموار کرنے کیلئے جن ترقی پذیر مساعی کا سلسلہ شروع کیا۔ اس نے درجہ بندی اور تقسیم علوم کی ایسی ٹھوس بنیادیں فراہم کیں جن سے آئندہ ترقی کے راستے کھلے اور علوم و فنون میں تنوع اور مزید توسیع کا سلسلہ آسان تر ہوتا چلا گیا ان علمی تقسیموں کے نظرے اوجھل رہنے کی وجہ سے مشرقی علوم کی درجہ بندی ٹھٹھر کر رہ گئی اور اس میں اب تک وہ تنوع، توسیع کا سلسلہ شروع نہیں کیا جاسکا جس کا وہ جائز حقدار تھا۔ اگر ان مذکورۂ بالا علمی تقسیموں کو پیشِ نظر رکھ کر آئندہ کے مسائل کا حل ڈھونڈا گیا تو مشرقی علوم میں عصرِ حاضر کی گوناگوں مشکلات پر باسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔

کتاب کی ترتیب و تنظیم اور تعیین موضوع کے بعد کتاب کے علمی مواد کی ذمہ دار شخصیت اور ادارہ کی تعیین کا مسئلہ آتا ہے۔ قاری کی طلب و جستجو کے نقطۂ نظر سے اس کے نام کا اندارج فہرست میں نام کے ایسے مشہور حصے میں ہونا چاہیے جس سے اس کو طلب کرنے والا بآسانی پا سکے۔ اس لئے نام کا اندراج اسکے مشہور ترین حصے میں کیا جاتا ہے۔ اسکو اصطلاح میں فہرست سازی کہا جاتا ہے۔ باب ہشتم میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فہرست ماخذ

(۱) ابنِ عبدالبر، القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم (القاہرہ، مطبعہ السعادہ، ۱۳۵۰ھ) ص ۱۸ و ۱۹

(۲) Ogden, C, K, and Richards, I.A., The Meaning of Meaning. London, Routldge • Kegan Paul, 1952), p.24.

(۳) الراغب، الذریعہ الی مکارم الشریعہ (نجف، مطبعہ الحیدریہ، ۱۳۸۷ھ) ص ۱۷، ۱۸

(۴) الراغب، ص ۳۴۳ ـ ۳۴۴

(۵) الجاحظ رسالۃ فی الجد الھزل ص ۱۳۸۴ھ ۲۴۷

(۶) ابنِ کثیر، تفسیر القرآن العظیم (لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۳۹۳ھ) ص ۱۷ و ۱۸

(۷) القرطبی، ج ۱۴، ص ۶۷ و ج ۱، ص ۶۸

(۸) ایضاً

(۹) صاعد الاندلسی، ص ۱۴

(۱۰) ایضاً، ص ۲۰ ـ ۲۱

(۱۱) ایضاً، ص ۲۶ ـ ۳۷

(۱۲) ایضاً، ص ۴۶، ۴۹، ۵۱

(۱۳) ایضاً، ص ۱۱۴

(۱۴) ایضاً، ص ۵۹ ـ ۶۰

(۱۵) کبری زادہ، ج ۱، ص ۱۸ (مقدمہ المحققاں) ـ محمد شفیع، انتظام کتاب خانہ (کراچی، محمد شفیع، ت ن) ص ۲۴

(۱۶) Sarton, George. Introduction to the history of Science. Ballimaure 1927, Vol p 128.

(۱۷) جابر بن حیان، کتاب الحدود ۹۷، المختارات من رسائل جابر بن حیان تحقیق بول کراوس، القاہرۃ ۱۳۵۴ھ ۹۷

(۱۸) جلال موسیٰ، منہج البحث العلمی عند العرب فی مجال العلوم الطبیعیہ والکونیہ، (بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ب ت) ۱۶-۶۲

(۱۹) احمد فواد الاھوانی، الکندی فیلسوف العرب، القاھرہ موسسہ المصریہ العامہ للطباعۃ والنشر، ب ت ۱۰۵

(۲۰) ابن ابی ایصبعہ (مصر، المطبعہ الوھبیہ، ۱۸۸۲ع) ط: ۲، ج ۱ ص ۲۰۹ محمد بن یوسف العامری، کتاب الاعلام بمناقب الإسلام، تحقیق احمد الحمید غراب (القاھرہ دار الکتاب العربی الطباعۃ والنشر، ۱۳۸۷ھ) ص ۸۳ (حاشیہ المحقق)

(۲۱) ابو نصر محمد الفارابی، احصاء العلوم، تحقیق عثمان امین (مصر، مطبعۃ الاعتماد ۱۹۴۸ء)

(۲۲) محمد بن احمد بن یوسف الخوارزمی، مفاتیح العلوم (مصر، مطبعہ الشرق، ۱۳۴۲ھ) ص ۴

(۲۳) الفارابی، ص ۴۵-۵۲

(۲۴) ایضاً، ص ۷۰-۷۲

(۲۵) ایضاً، ص ۷۵

(۲۶) ایضاً، ص ۷۷

(۲۷) ایضاً، ص ۷۹

(۲۸) ایضاً، ص ۸۴

(۲۹) ایضاً، ص ۸۶

(۳۰) ایضاً، ص ۸۸

(۳۱) ایضا

(۳۲) ایضاً، ص ۹۱

(۳۳) ایضاً، ص ۹۹

(۳۴) ایضاً، ص ۱۰۲-۱۰۶

(۳۵) ایضاً، ص ۱۰۷

(۳۶) ایضاً، ص ۱۰۷-۱۰۸

(۳۷) طاش کبری زادہ، ج ۱، ص ۵۳-۵۴ (مقدمتہ المحققان)

(۳۸) احمد فواد الاھوانی، الکندی فیلسوف العرب، ص ۱۰۵

(۳۹) الاھوانی، ۱۰۵ الفارابی، ۴۵

(۴۰) دی بوئر تاریخ فلسفہ الاسلام، ترجمہ عابد حسین دھلی، مطبع جامعہ ملیہ ۱۹۲۷ع) ص ۲۳

(۴۱) Ibbetts, G. R., "The Classification of Arabic Books" Library Quarterly (July, 1953), P . 175

طاش کبری زادہ، ج ۱، ص ۵۶ مقدمات المحقق

(۴۲) الخوارزمی، ص ۶

(۴۳) ایضاً، ص ۱۷

(۴۴) ایضاً، ص ۲۸

(۴۵) ایضاً، ص ۳۶

(۴۶) ایضاً، ص ۵۱

(۴۷) ایضاً، ص ۶۲

(۴۸) ایضاً، ص ۹۲

(۴۹) ایضاً، ص ۱۰۷

(۵۰) ایضاً، ص ۱۱۷

(۵۱) ایضاً، ص ۱۲۳

(۵۲) ایضاً، ص ۱۳۶

(۵۳) ایضاً، ص ۱۳۶

(۵۴) ایضاً، ص ۱۶۴

(۵۵) الاھوانی، ۱۰۱

(۵۶) محمد لطفی جمعہ، ص ۶۵۵

(۵۷) اخوان الصفا، رسائل اخوان الصفاو خلان الوفاء، تحقیق خیر الدین الزرکلی (بیروت، دار الطباعۃ والنشر، ۱۹۵۲ء) ج ۱، ص ۲۱

(۵۸) ایضاً، ص ۲۶

(۵۹) ایضاً، ص ۳۵

(۶۰) ایضاً، ص ۳۸

(۶۱) دی بوئر، ص ۶۵

(۶۲) علومِ ریاضیہ سے وہ علوم مراد ہیں جو طلبِ معاش واصلاحِ معاش کیلئے درکار ہوتے ہیں۔

(۶۳) رسائلِ اخوان الصفا، ج ۱، ص ۳۲۲

(۶۴) علومِ شرعیہ سے وہ علوم مراد ہیں جو اصلاحِ نفوس اور طلبِ آخرت کیلئے ضروری ہیں۔

(۶۵) رسائلِ اخوان الصفا، ج۱، ص۳۲۲

(۶۶) ایضاً، ج۱، ص۳۲۳

(۶۷) ایضاً، ج۱، ص۳۲۲

(۶۸) ایضاً، ج۱، ص۳۲۲

(۶۹) ایضاً، ج۱، ص۳۲۳

(۷۰) ایضاً، ج۱، ص۲۶۷

(۷۱) ایضاً، ج۱، ص۲۶۸

(۷۲) یہ (۱) ھیولیٰ (۲) صورت (۳) زمان (۴) مکان (۵) حرکت کی معرفت سے عبارت ہے۔

(۷۳) یہ جواھر افلاک و کواکب کی کمیت، کیفیت، ترکیب اور علتِ دوران سے عبارت ہے۔

(۷۴) یہ عناصرِ اربع باد و آتش اور آب و خاک کی معرفت ماھیت سے عبارت ہے۔

(۷۵) تاثیراتِ کواکب سے تغیرات کی کیفیت کا علم (رسائل اخوان الصفا، ج۱، ص۲۷۰)

(۷۶) رسائل اخوان الصفا، ج۱، ص۲۷۰-۲۷۱

(۷۷) ایضاً، ج۱، ص۲۷۱

(۷۸) ایضاً، ج۱، ص۲۷۳

(۷۹) ایضاً ایضاً

(۸۰) یہ جواھر بسیط عقلیہ کی معرفت سے عبارت ہے جیسے ملائکۃ اللہ

(۸۱) یہ نفوس و ازواج کی معرفت سے عبارت ہے جو اقسامِ فلکیہ و طبعیہ فلکِ محیط سے مرکزِ ارض تک جاری و ساری ہے۔

(۸۲) رسائلِ اخوان الصفا، ج۱، ص۲۷۴

(۸۳) لطفی جمعہ، ص۵۵

(۸۴) ابنِ سینا، ابو علی حسین بن عبداللہ بلخی، النجاۃ فی الحکمۃ المنطقیہ والطبعیہ والالٰہیہ، ط: ۲ (مصر، مطبعۃ السعادہ، ۱۹۳۸ء)

(۸۵) کولو نللینو، علم الفلک، تاریخہ عند العرب فی القرون الوسطیٰ (روم، ب، ن، ۱۹۱۱ء) ص۶۷-۲۹

(۸۶) ایضاً ص۲۹--- طاش کبری زادہ، ج۱، ص۵۷ (مقدمتہ المحققان)

(۸۷) روزنتھال، علم التاریخ عند المسلمین، ترجمہ صالح احمد العلی (بغداد، مکتبۃ المثنیٰ، ۱۹۶۳ء) ص۴۷-۴۸

(۸۸) ایضا، ص ۴۸ ۔۔۔ طاش کبری زادہ، ج۱، ص ۵۷۔۵۸ (مقدمۃ المحققان)

(۸۹) ایضا، ص ۵۸

(۸۹۔ الف) ابن سینا، النجاۃ فی الحکمۃ المنطقیۃ و الطبیعیۃ و الالٰہیۃ، ط: ۔ مصر، مکتبۃ مصطفٰی البابی الحلبی ۱۳۵۷ھ، ص، ۳

(۸۹۔ب) ایضا، ص، ۵

(۸۹۔ج) ایضا، ص، ۶

(۸۹۔د) ایضا

(۸۹۔ھ) ایضا، ص، ۹

(۸۹۔و) ایضا، ص، ۱۰

(۸۹۔ز) ایضا، ص، ۱۲

(۸۹۔ح) ایضا، ص، ۱۳

(۸۹۔ط) ایضا

(۸۹۔ی) ایضا، ص، ۱۴

(۸۹۔ک) ایضا، ص، ۳۱

(۸۹۔ل) ایضا، ص، ۳۲

(۸۹۔م) ایضا، ص، ۵۸

(۹۰) ابن سینا، ص ۷۵

(۹۱) ایضا، ص ۷۹-۸۰

(۹۲) ابن حزم، مراتب العلوم، ص ۸۰

(۹۳) ایضا

(۹۴) ایضا، ص ۷۸

(۹۵) ایضا، ص ۸۰

(۹۶) ایضا، ص ۷۸

(۹۷) ایضا، ص ۷۹

(۹۸) ابن حزم، التوقیف علی شارع النجاۃ باختصار الطریق، ص ۴۳

(۹۹) ایضا، ص ۴۵-۴۶

(۱۰۰) ابن حزم، مراتب العلوم، ص ۷۸

(۱۰۱) ایضا، ص ۷۹

(۱۰۲) ایضا

(۱۰۳) یہ علم منطق کا نتیجہ اور اصلاح اخلاق سے عبارت ہے

(۱۰۴) ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲ ص ۳۷-۳۸

(۱۰۵) السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۲ ص ۲۹۷

(۱۰۶) الراغب، الذریعۃ، ص ۱۱۹-۱۲۱

(۱۰۷) ایضا

(۱۰۸) اس میں شریعت، عبادات، معاملات، مطاعم، مناکح، زواجر سب داخل ہیں

(۱۰۹) الراغب، مقدمۃ التفسیر (کراچی، نور محمد اصح المطابع، ب، ت) ص ۵۹۷

(۱۱۰) مرتضی الزبیدی، اتحاف السادۃ المتقین، ج ۱ ص ۱۷۵

(۱۱۱) ایضا، ج ۱، ص ۳۴

(۱۱۲) ایضا، ج ۱ ص ۱۳۲-۱۳۳

(۱۱۳) علوم شرعی ان علوم سے عبارت ہے جن کی طرف شریعت نے رہنمائی کی ہے، عقل، تجربہ اور سماع رہنمائی سے قاصر ہیں جیسے عقل حساب میں، تجربہ طب میں اور سماع لغت

میں رہنمائی کرتا ہے علوم دنیوی سے وہ علوم مراد ہیں جن میں عقل‘ تجربہ اور سماع رہنمائی کرتا ہے (الزبیدی‘ ج ۱‘ ص ۱۴۴

(۱۱۴) غزالی نے علومِ مکاشفہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے (الزبیدی‘ احیاء علوم الدین‘ ج ۱‘ ص ۱۶۳۔۱۶۸)

(۱۱۵) الزبیدی‘ اتحاف السادہ‘ ج ۱‘ ص ۱۵۱

(۱۱۶) روزنتھال‘ ص ۵۶

(۱۱۷) ۱۰۹۔ الغزالی‘ الرسالتہ اللدنیہ‘ ۱۰۹ یہ رسالہ موصوف کے دیگر رسائل العصور الجواہر الغوالی من رسائل الامام الغزالی کے ساتھ مصر سے مکتبتہ الجندی سے شائع کیا گیا ہے

(۱۱۸) ۱۱۰۔ ایضاً ۱۱۰

(۱۱۹) ۱۱۱۔ ایضاً ۱۱۱

(۱۲۰) ۱۱۲۔ ایضاً ۱۱۲

(۱۲۱) ابن ابی الربیع‘ ص ۳۶۔ ۶۳

(۱۲۲) ایضاً‘ ص ۶۵۔۶۶

(۱۲۳) ایضاً‘ ص ۷۰

(۱۲۴) ایضاً‘ ص ۶۲

(۱۲۵) ایضاً‘ ص ۶۴

(۱۲۶) ایضاً‘ ص ۶۵

(۱۲۷) ایضاً‘ ص ۶۶

(۱۲۸) ایضاً

(۱۲۹) ایضاً‘ ص ۶۷

(۱۳۰) ایضاً

(۱۳۱) ایضاً‘ ص ۶۹

(۱۳۲) ایضاً‘ ص ۷۰

(۱۳۳) الرازی‘ جامع العلوم وحدائق الانوار الملقب بہ ستینی‘ ص ۲

(۱۳۴) الرازی‘ ج ۱۶‘ ص ۲۰۵۔۲۰۶

(۱۳۵) ایضاً‘ ص ۲۰۶

(۱۳۶) ایضاً

(۱۳۷) ابن الندیم ص ۳-۵

(۱۳۸) The Fihrist of al-Nedim Tr, by Bayard Dadge (New Yark, Colum bia) Univercity Press, 1978, P.6-843

(۱۳۹) Nicholson, Revnold A literary history of the Arabs, (Cambridge University Press, 1941) p. 363

(۱۴۰) Ignaz Goldziher, The Attitude of Orthodox Islam toward the "Ancient Sciences" p. 185-209 Studies on Islam, Tr and ed by Merlin L. Swarty Oxford. Oxford University Press 1981
Sayers, An Introduction to Library Classification p.155-157

(۱۴۱) عبدالکریم الامین "البـبـلـيـو غـرافـيـا مـشـا كـلـهـا واقـتـراحـاتـهـا فـي حـلـولـهـا" الحلقة الدراسية للخدمات المكتبية و الوراقة البيليوغرافيا والتوثيق والمخطوطات العربية والوثائق القومية (دمشق، مطبعة جامعة دمشق، ۱۳۹۲ھ) ص ۵۴۴

(۱۴۲) ایضاً ص ۵۴۵

(۱۴۳) ایضاً

(۱۴۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ "کتاب خانہ، الفہرست ابن الندیم ص ۱۷-۱۸

(۱۴۵) ابن فارس، ج ۳، ص ۳۱۳-۳۱۴ (مادہ صنف)

(۱۴۶) اسماعیل بن حماد جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، تحقیق احمد عبدالغفور عطار (مصر، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۷ھ) ج ۴، ص ۱۳۸۸ (مادہ صنف) حسن بن محمد الصغانی، التکملہ والذیل والصلہ لکتاب تاج اللغۃ مطبعۃ دار الکتب، ۱۹۷۳ء) ج ۴، ص ۵۱۴۔

(۱۴۷) ابنِ منظور، ج ۱۱، ص ۱۰۰

(۱۴۸) Lane, Book 1, Part 4, P. 1735

(۱۴۹) الیاس انطون، القاموس العصری، انگلیزی، عربی، ط :۱ الیاس موڈرن پریس ۱۹۵۶ع) ص ۱۳۸

(۱۵۰) الرزبانی، ص ۴۳۱۔ الخطیب، ج ۳، ص ۴۲۷

(۱۵۱) ایضاً---یاقوت، ج ۷، ص ۱۳۶---القفطی، ج ۳، ص ۲۳۵

(۱۵۲) یاقوت، ج ۷ ص ۱۳۶

(۱۵۳) ابن فرحون، ص ۱۵۰ و ۱۵۱

(۱۵۴) القفطی، ج ۲، ص ۳۰۶

(۱۵۵) Rosenthal. A History of Muslim Historiography, Franz 2nd, rev. edn., (Leiden: E. J. Bdrill, 1968,) p.545.

(۱۵۶) الصولی، ص ۳۹۔۴۰

(۱۵۷) ابن القفطی، ص ۵۱

(۱۵۸) ابو شامہ، ص ۹۹

(۱۵۹) دانش پترہ "گنجور وبرنامہ او" هنر و مردم (دعا ماہ، ۱۳۵۳ ش) سال دوازدهم شمارہ ۱۳۵، ص ۴۵

(۱۶۰) ابن جریر الطبری، ص ۷

(۱۶۱) علی بن عباس المجوسی، کامل الصناعۃ الطبیعیہ (القاهرۃ، المطبعہ الکبریٰ العامرہ، ۱۳۹۴ھ) ج ۱، ص ۹۔۱۲

(۱۶۲) التفازانی، مجموعہ تحفہ شاہجہانی، شرح تہذیب، (کانپور، مطبع نظامی، ۱۳۱۲ھ)

(۱۶۳) المقریزی، ج ۱، ص ۳ و ۴، محمد عبدالعزیز بن محمد الرحبی الحنفی البغدادی فقہ الملوک ومفتاح الرتاج المرصد علی خزانہ کتاب الخراج تحقیق احمد عبید الکبیسی، بغداد مطبعۃ الارشاد، ۱۹۷۳ء، ص ۱۱۔۱۲ (مقدمہ)

باب ہشتم

(ا) کٹیلاگ سازی

(۱) اسماءِ کنیت، القاب وغیرہ قرآن کی روشنی میں
(۲) عربوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ

(ب) فہرست سازی کی اساس، عَلَم، کُنیت، لقب، نسبت، تخلّص

(۱) اقسامِ علَم
(۲) عَلمِ مرکب
(۳) لقب و اقسامِ لقب
(۴) کنیت
(۵) نسبت

(ج) لقب، کنیت، عَلَم و نسبت کی جمع و ترتیب

(۱) "ابن" کے اندراج کا اصول
(۲) مرکب نام کے اندراج کے اصول
(۳) ترتیبِ اندراج اسماء کے اقسام
(۴) ترتیبِ حروف ہجا میں علماء مشرق و مغرب کا اختلاف
(۵) الف ممدودہ و مقصورہ کی ترتیب میں تقدم و تاخر
(۶) مخفف و مشدد اسماء کی ترتیب
(۷) لفظاً و خطاً اسماء کی ترتیب

(د) عہدِ عباسی کا کیٹلاگ

(۱) فہرست نگاری میں اندراجات کے رہنما اصول
(۲) کتبِ مقدسہ کے اندراج کا رہنما اصول
(۳) (۳)موضوعی کیٹلاگ
(۴) کتابوں کے ناموں میں اختلاف کے اسباب
(۵) اشاریہ سازی کے اصول

باب ہشتم

(ا) کیٹلاگ سازی

کتب خانہ میں کتاب کی درجہ بندی کے بعد اس کو کیٹلاگ کرنے یعنی کتاب کے علمی مواد کی ذمہ دار شخصیت اور ادارہ کا اس طرح سے تعین کرنا کہ کتاب کے جویا اور محققین کو مطلوبہ کتاب آسانی سے دستیاب ہو سکے، عہدِ عباسی میں اس کے لئے جو کوششیں کی گئی ہیں اس باب میں اس کے اساسی اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسماء، کنیت، القاب وغیرہ اور ان کے اقسام ترتیب و اندراج کے اصول، شہرت کی صورت میں نام کے مشہور ترین حصہ کا انتخاب، حروفِ ہجائی ترتیب فہرست (کیٹلاگ) میں کتاب کے متعلق معلومات کی تفصیل، کتابوں کے نام میں اختلاف کے اسباب وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(ا) اسماء، کنیت، القاب وغیرہ قرآن کی روشنی میں

بنی نوعِ انسان کے تشخصِ ذات کے لئے اس کا نام رکھا جاتا ہے اور اس سے اس کو پکارا جاتا ہے، وہی نام اس کے تشخص و شہرت کا باعث بنتا ہے۔ کبھی اس کا تشخص و شہرت نام کے بجائے لقب یا خطاب یا کنیت سے ہوتا ہے تو اسے عَلَم کے بجائے لقب یا خطاب یا کنیت وغیرہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے انبیاء علیہم السلام اور نامور شخصیتوں کے تذکرے میں انہی اصول کی طرف رہنمائی کی اور ان کو ان کے عَلَم، نوح، (علیہ السلام) ابراہیم (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام)، عیسیٰ (علیہ السلام) **محمد**، صلی اللہ علیہ وسلم سے اور شہرت کی صورت میں عَلَم کے بجائے ان کے لقب، خطاب، کنیت، نسبت اور وصفِ غالب سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسے ○ "مزمل"، ○ "مدثر"، ○ "صاحب الحوت"، ○ "سامری"، ○ "فرعون"، ○ "ابولہب" (جس کی کنیت ابو عتبہ اور نام عبدالعزیٰ تھا) یا "ذوالقرنین"۔ خواتین کو عَلَم سے جیسے مریم، شادی شدہ خواتین کو ان کے شوہر کے نام سے جیسے امراۃ فرعون بیگم فرعون، امراۃ العزیز، بیگم عزیز، امراۃ لوط (بیگم لوط) سے یاد کیا ہے۔

کتابوں کی شہرت بھی مصنفین کے ناموں سے ہوتی اور موادِ کتاب کی تمامتر ذمہ داری مصنف، مولف اور ادارہ پر عائد ہوتی ہے اس لئے فہرست سازی میں اندراج بھی عَلَم، لقب، خطاب وکنیت میں سے کسی ایک میں شہرت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا تھا، عَلَم و خطاب ہردو میں شہرت ہو تو

دونوں باتوں کا اختیار تھا۔ افادیت کے پیشِ نظر عَلَم و لقب میں سے جسے مناسب سمجھا جاتا اختیار کیا جاتا تھا چنانچہ قرآن نے کہیں عَلَم سے جیسے یونس سے اور کبھی ان کے لقب ذوالنون سے پکارا یہی وہ رہنما اصول ہیں جنہیں مسلمان فہرست نگاروں، کیٹلاگر اور فہرست سازوں (ببلیو گرافر) نے اندراج لفظ (Word Entry) کے طور پر اختیار کیا تھا۔ گو عہدِ عباسی کا کوئی مکمل کیٹلاگ کتابی صورت میں ہمارے پاس موجود نہیں تاہم اس دور کی ایک دوسری یادگار کتابیات کی صورت میں ابن الندیم کی الفہرست موجود ہے اس میں انہی اصول پر عمل کیا گیا ہے جن کی پابندی کیٹلاگ میں کی جاتی ہے۔

اس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عہد عباسی میں کیٹلاگنگ میں اندراج لفظ کے لئے انہی اصول پر عمل کیا جاتا تھااور ان اصول کی افادیت و اہمیت اس ترقی یافتہ دور میں بھی مسلم ہے۔ چنانچہ کیٹلاگنگ اور ببلیو گرافی میں آج بھی ان اصول پر زور دیا جاتا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان فہرست نگاروں اور فہرست سازوں کے وضع کردہ اصول، فن کتابداری سے کیسی گہری مناسبت و قربت رکھتے ہیں کہ ہزار سال سے اوپر گزر چکے فنِ فہرست سازی کی اساس انہی اصول پر قائم و دائم ہے یہ ان کی اہمیت و افادیت اور ارتقا کی شاہد عدل ہے۔

عہدِ عباسی میں اسماء و اعلام ائمۂ لغت کا خاص موضوع رہا ہے چنانچہ دوسری صدی ہجری سے اس موضوع پر مستقل تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا۔ (۱) لیکن ان میں ابنِ درید صاحب **الجمہرہ** کی کتاب **الاشتقاق** کو زیادہ شہرت حاصل ہے اس میں دور جاہلیت کے قبیلوں، سرداروں، شاعروں، شہسواروں وغیرہ کے ناموں کی شرح اور وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے۔ کتاب کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اسلاف کے ناموں کی تشریح سے کیا گیا ہے۔ (۲) یہ اسماء و اعلام اور کنیت و القاب وغیرہ سے مسلمانوں کے اعتناء کی روشن دلیل ہے (۳)۔

(۲) عربوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ

نیز یہ وجہ بھی ہے کہ بعض وہ لوگ جو عربوں پر زبانِ طعن دراز کرتے تھے، کہتے تھے کہ عرب نام بے تکے اور بے بنیاد رکھتے ہیں حالانکہ یہ ایک بے اصل بات ہے، چنانچہ **عتبی** سے عربوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا۔

"عرب اپنے جگر گوشوں کے نام دشمنوں کو زیر کرنے کی غرض سے اچھے نہیں رکھتے تھے، غلاموں کے نام اپنی خدمت کی بناء پر بہتر سے بہتر رکھتے تھے"۔ مشہور لغوی ابنِ درید المتوفی ۳۲۱ھ کا بیان ہے کہ "اسی بنیاد پر عرب اپنے فرزندوں کے نام مختلف طریقوں سے رکھتے تھے۔

(۱) کبھی دشمنوں کے خلاف نیک شگون کے طور پر جیسے غالب، زبردست، غلّاب، بہت زیادہ غالب رہنے والا، ظالم، عارم، کھال کھینچنے والا، تکلیف پہنچانے والا، منازل مقاتل، معارک، ان تینوں کے معنی میدانِ جنگ میں مقابلہ کرنے والا ہیں۔

(۲) کبھی "مسہر" شب کو نہ سونے والا، چوکنا رہنے والا، مورق، مال غنیمت پانے والا، متنبہ، خبردار کرنے والا، **مُصبح**، شب کی تاریکی میں بیدار رہنے والا اور صبح دم دشمن پر ٹوٹ پڑنے والا، طارق، رات میں شب خون مارنے والا۔

(۳) کبھی قاتل دشمن کو مارنے والا، کامیاب، "وائل" اپنی جگہ بنانے والا، بچ نکلنے والا، "ناج" کامیاب، "مدرک" دشمن کو پانے اور سمجھنے والا، درّاک، خوب سمجھنے اور آواز پر جانے والا، سالم سلیم، جنگ میں صحیح و سالم رہنے والا، مالک، قابض، عامر، آباد، سعد، سعید، مسعدہ، نیک و کامیاب اسعد زیادہ نیک بخت وغیرہ رکھتے، اردو فارسی میں کامران، شیر جنگ، جنگی، دلاور اور شیرافگن وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں۔

(۴) کبھی دشمنون کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کے لئے درندوں کے نام پر نام رکھتے تھے چنانچہ اسد (شیر) لیث، فراس، شیر ببر، ذئب، بھیڑیا، سیہ، بھیڑیا، ضرغام، شیر ببر، عملّس، برق رفتار وغیرہ۔

(۵) کبھی مختلف قسم کے کانٹے دار درختوں کے نام پر نام رکھتے تھے چنانچہ **طلحہ**، سمرہ، سلمہ، قتادہ، ہراسہ، یہ سب بڑے کانٹے دار درختوں کے نام ہیں۔

(۶) کبھی سخت پتھریلی زمین جس پر چلنا دشوار ہوتا ہے اس کے نام پر نام رکھتے تھے، جیسے حجر، حجیر، فہر، جُندل، جردل، حران، خرم، وغیرہ یہ سب ایسی سخت پتھریلی زمینوں کے نام ہیں جن پر قدم رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

(۷) کبھی ایسا ہوتا کہ میاں بیوی گھر سے نکلے اور ماں ابھی بچہ کو دودھ ہی پلاتی ہوتی ہے کہ راستہ میں جو جانور انہیں پہلے دکھائی دیتا اس کے نام پر اس کا نام رکھتے جیسے **ثعلب** (روباہ نر)، **ثعلبہ** (لومڑی)، **ضَبّ** (گوہ نر)، **ضبعہ** (گوہ مادہ)، خزز (خرگوش)، ضبع (بجو)، **کلب** (کتا)، **کلیب** (چھوٹا سا کتا)، حمار (گدھا)، قرد (بندر)، خنزیر (سور) **جحش** (گدھے اور گھوڑے کا بچہ)۔

(۸) یا کبھی جو پرندہ پہلے ملتا اس کے نام پر نام رکھتے جیسے 'غراب' صرد (لٹورا جو چڑیوں کا شکار کرتا ہے)(۴)۔

اس دینی اور علمی کتابی تہذیب کا یہ اثر تھا کہ اس نے عربوں کی ذہنیت بدلی انہیں اللہ اور رسول کے نام پر پاکیزہ اور بہتر سے بہتر نام رکھنے، ناموں میں مذہبی شعار کے ساتھ تنوع اور سجع کا بھی خوگر بنایا(۵)۔

(ب) فہرست سازی کی اساس۔ عَلَم، کنیت، لقب، نسبت اور تخلّص

فہرست نگاری اور فہرست سازی کا دارومدار (۱) عَلَم (۲) کنیت (۳) لقب اور (۴) نسبت پر ہوتا ہے۔ اس لئے عہدِ عباسی میں ان سے خاص اعتناء کیا گیا تھا اس کا سرسری سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اقسامِ علَم

یہ کبھی مفرد ہوتا ہے جیسے زید، عمر، اسم مفرد کبھی مرتجل ہوتا ہے جیسے مدحج، کبھی منقول پھر منقول کبھی (۱) مصدر سے ہوتا ہے جیسے محمد، فضل کبھی (۲) اسم فاعل سے جیسے صالح کبھی (۳) اسم مفعول سے جیسے مسجد، مسعود کبھی (۴) اسم تفضیل سے جیسے احمد کبھی (۵) صفت سے ثقیف، تجربہ کار، سلول بہت زیادہ بہنے والا کبھی (۶) اسمِ خاص سے جیسے اسد اور کبھی (۷) فعل ماضی سے جیسے ابان، شمر، کبھی (۸) فعلِ مضارع سے جیسے یزید (۹)۔

(۲) عَلَمِ مرکب

۱۔ فعل فاعل سے مرکب ہو جیسے تابط شرا وغیرہ۔

۲۔ مضاف اور مضاف الیہ سے مرکب ہو جیسے عبداللہ وغیرہ۔

۳۔ دو اسموں سے مرکب ہو مگر اسم واحد کے مرتبہ میں ہو جیسے سیبویہ وغیرہ۔

(۳) لقب و اقسامِ لقب

(۱) وہ اسم جو مسمّٰی کی رفعت شان پر دلالت کرتا ہو جیسے الرشید، المامون، سیف الدولہ، جمال الدین، عروۃ الصعالیک، عزالدین، امام الحرمین، حجتہ الاسلام، ملک النحاۃ۔

(۲) وہ اسم جو ذات مسمّٰی کے جز پر دلالت کرے جیسے ابوالعبر، بطہ (ابھرے ہوئے ڈھیلے والا ہونا۔)

(۳) وہ اسم جو مسمّٰی کے کسی خاص واقعہ کی وجہ سے رکھا جاتا ہے جیسے **غسیل الملائکہ** جسے فرشتوں کا غسل دیا ہو، اردو میں قائداعظم، شہیدِ ملت وغیرہ یہ تینوں قسمیں لقب کی ہیں۔

(۴) کنیت

وہ اسم جو کسی مطلق کی تعیین پر دلالت کرے اس کا آغاز لفظ اب یا لفظ اُمّ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ابو القاسم، ابوبکر، ابو الحسن، امِّ کلثوم، اُمِّ سلمہ وغیرہ۔

(۵) نسبت

آدمی کی نسبت حسبِ ذیل اشیاء کی طرف ہوتی ہے۔

(۱) ملک جیسے شامی (۲) شہر جیسے بغدادی (۳) گاؤں جیسے مری (۴) محلہ اور بستی جیسی کرخی (۵) پیشہ جیسے بزاز (۶) صنعت و حرفت جیسے منجنیقی، کاغذی (۷) مسلک جیسے شافعی (۸) عقیدہ جیسے معتزلی (۹) علم جیسے نحوی، فلسفی (۱۰) قبیلہ جیسے زہری (۱۱) ادارہ جیسے ازہری (۱۲) صفات و عیوب: الاعمش (چندھا)، الضریر (نابینا)، الطویل (قد آور)، القصیر (کوتاہ)، (۱۳) ولا (۸) غلامی یا دوستی کی نسبت سے جیسے مولاہم الکوفی۔

(ج) لقب، کنیت، عَلَم و نسبت کی جمع و ترتیب

جن اسماء میں یہ باتیں جمع ہو جاتی ہیں ان میں ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا تھا پہلے (۱) لقب کو پھر (۲) کنیت کو (۳) عَلَم کو اس کے بعد (۴) نسبت کو ذکر کرتے تھے۔ نسبت میں پہلے (الف) مرزبوم (مقام پیدائش) کی نسبت کو پھر (ب) شہری پھر (ج) فقہی پھر (و) اعتقادی اور آخر میں (ہ) علمی نسبت کو ذکر کیا جاتا تھا۔ صنعتی یا خلافتی یا سلطنتی یا وزارتی یا اماراتی یا مشیختی یا جج و حرفہ کی نسبت کو سب پر مقدم رکھا جاتا تھا چنانچہ خلیفہ کی نسبت میں کہتے تھے۔

امیر المومنین الناصرلدین اللہ ابوالعباس احمد السامری (اگر وہ سر من رای میں پیدا ہوا ہو) البغدادی (اور الناصر الاموی شاہ اندلس میں فرق و امتیاز کی خاطر کرتے تھے) الشافعی، الاشعری، پھر کہتے القرشی، الہاشمی، العباسی، وزیروں کی نسبت میں لکھتے الوزیر رکن الدین، ابوالیسر زبیر اور پھر اسی ترتیب سے بقیہ نسبتیں ذکر کرتے تھے۔ قاضیوں میں القاضی اور امیروں میں الامیر....... اور شیوخ و علماء میں العلم العلامہ....... یا الحافظ یا المسند اور آخر میں الاصولی یا النحوی وغیرہ اور اہلِ حرفہ میں البزار........ وغیرہ کہتے تھے۔

نسبی نسبتوں میں جیسے حضرت ابوبکر الصدیق ؓ کی طرف نسبت میں القرشی التیمی البکری کہتے کیونکہ قرشی، تیمی اور غیر تیمی اور تیمی کا بکری اور غیر بکری دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے بکری کا اضافہ کیا جاتا تھا تاکہ اچھی طرح امتیاز کیا جا سکے۔ حضرت عمر ؓ کی طرف نسبت میں القرشی، العدوی، العمری اور حضرت عثمان ؓ کی طرف نسبت میں القرشی، الاموی، العثمانی اور حضرت علی ؓ کی طرف نسبت میں القرشی، الہاشمی، العلوی کہتے ہیں یہی طریقہ اہلِ علم میں رواج پذیر اور معمول و متداول ہے اس کے خلاف اگر کہیں ملتا ہے تو اس کو سہوِ قلم سمجھنا چاہیئے(۹)۔

بعض اوقات معاصرین کی کنیت نام اور باپ کے نام اور شہرت کی نسبت میں اشتراک پایا جاتا اس وقت امتیازِ مشرق و مغرب کے بلاد کی نسبت سے کیا جاتا چنانچہ نہایت نامور محدث و فقیہ ابوالفرج المعافی بن زکریا النہروانی میں نہروان شرق و نہروان غرب سے کیا جاتا تھا۔ حسن بن عبداللہ العسکری المتوفی ۳۲۸ھ صاحب کتاب "التصحیف" اور حسن بن عبداللہ العسکری المتوفی ۳۹۵ھ صاحب کتاب "الاوائل" میں امتیاز کنیت سے کیا جاتا تھا کیونکہ باپ کے نام، نسبت اور عمر سب میں اتفاق و اشتراک ہے لیکن کنیت میں ممتاز ہیں۔ چنانچہ اول الذکر کی کنیت ابواحمد اور ثانی الذکر کی ابو ہلال ہے۔ پہلے کا دادا سعید بن اسماعیل اور دوسرے کا سہل بن سعید ہے اس لئے اہل علم کو اشتباہ

ہو جاتا ہے(۱۰)۔

لقب، کنیت، عَلَم اور نسبتوں کی وضاحتِ و بیان ترتیب کے بعد مندرجۂ بالا اصول و معیار کے پیشِ نظر کتابیاتی نقطہ نظر سے اندراج میں لفظ کی اساس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اگر اس ترتیب سے اعراض یا اغماض کیا گیا تو متقدمین و متاخرین کا وہ علمی سرمایہ جو ثقافت و تہذیب کی نشوونما اور ترقی میں ممد و معاون رہا ہے اس کے اندراج میں یکسانیت پیدا نہیں ہو سکے گی۔

(۱) "ابن" کے اندراج کا اصول

فہرست (کیٹلاگ) اور کتابیاتی اندراج میں اس ترتیب کے ساتھ اس امر کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ عربی میں باپ دادا کے نام کے مابین جو لفظ ابن لکھا جاتا ہے اس کا بھی قاعدہ مقرر ہے۔ دو علموں کے مابین جب اِبن کا لفظ آتا ہے تو لفظ ابن کا الف نہیں لکھا جاتا چنانچہ احمد بن محمد لکھتے ہیں اور اگر دو علموں کے بیچ میں ابن کا لفظ مذکور نہ ہو بلکہ علم اور کنیٰ کے مابین یا کنیت و علم کے درمیان واقعہ ہو تو ابن کا الف لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ محمد ابن ابی بکر اور محمد ابن جمال الدین اور محمد ابن الامیر وغیرہ میں لکھا جاتا ہے(۱۱)۔

(۲) مرکب نام کے اندراج کا اصول

اعلام مرکب میں مضاف و مضاف الیہ کو ایک سطر میں لکھنا چاہئے۔ مثلاً عبداللہ میں عبد کو پہلی سطر کے آخری سرے پر اور اللہ کو دوسری سطر کے پہلے سرے پر نہیں لکھنا چاہئے، مشرق کے علماء کا یہی دستور ہے البتہ اہلِ مغرب مضاف اور مضاف الیہ میں تفریق کو روا رکھتے ہیں(۱۲)۔

اس قاعدہ کو اگر کلیہ قرار دیا جائے تو ہمیں علماءِ مشرق کی پیروی کرنی ہوگی جس میں بہت معقولیت و جاذبیت اور احترام ہے اس کی پابندی کرنا چاہئے۔

(۳) ترتیب اندراجِ اسماء کے اقسام

محدثین، مورخین و تذکرہ نگاروں نے سیر و سوانح کی کتابوں (Biographical Dictionaries) میں ناموں کی ترتیب میں حسبِ ذیل اقسام ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

(۱) ترتیبِ ہجائی (الف، با، تا) (حروف ہجائی)

(۲) ترتیبِ زمانی، سن وار ترتیب، اس اصول کی پابندی امام بخاری نے "التاریخ الاوسط"

میں کی ہے (۱۳)۔

(۳) ترتیبِ کثرتِ عددی، جن کی تعداد زیادہ رہی ان کو مقدم رکھا گیا۔

(۴) ترتیب شرفِ ورتبی، جن کا مرتبہ بلند ہے ان کو مقدم رکھا گیا۔

(۵) ترتیبِ شرفِ نسبی، نسبت کے اعتبار سے تقدیم۔

(۶) ترتیبِ شرفِ فعلی (۱۴) کارناموں کے اعتبار سے تقدیم۔

(۷) ترتیبِ باعتبار مخارجِ حروف، چنانچہ خلیل بن احمد نے "کتاب العین" کو، الازہری نے "تہذیب اللغۃ" کو اور ابنِ سیدہ نے "کتاب المحکم" کو اسی ترتیب پر مرتب کیا ہے اس میں حروفِ حلقی کو مقدم رکھا ہے (۱۵)۔

الف بائی ترتیب میں بیشتر محدثین، مورخین، سیرت نگاروں نے برکت حاصل کرنے اور آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے سرچشمہ علوم ہونے کی وجہ سے الف بائی ترتیب میں بھی کتاب کا آغاز آپ ﷺ کے مبارک نام محمد اور احمد سے کیا چنانچہ امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے التاریخ الکبیر میں (۱۶) اور خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۲ھ نے تاریخ بغداد (۱۷) میں نام محمد ﷺ سے ابتدا کی اور ابنِ عساکر نے تاریخ الشام میں کتاب کا آغاز احمد سے کیا (۱۸) اس نوع کے چند جزئی تصرفات اور مستثنیات کے علاوہ جس کی تصریح مصنفین نے مقدمہ کتاب میں کی ہے الف بائی ترتیب کی پابندی کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے نصف اول سے علماء نے ناظرین و محققین کی سہولت اور مقصود تک رسائی کی خاطر الف بائی ترتیب کو اختیار کیا (۱۹)۔

امام بخاری نے ناموں میں ترتیبِ مذکور کا اتنا خیال رکھا ہے کہ باپ کے نام میں اگر کسی وجہ سے مثنّٰی کی نسبت ذکر کی ہے تو اس میں بھی الف بائی ترتیب کو نظر انداز نہیں کیا چنانچہ عیسیٰ الزرقی کو عیسیٰ میں ان اسماء کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کے باپ کا نام حرف زا سے شروع ہوتا ہے اور اسلام الخیاط کو ان اسماء میں ذکر کیا جن میں باپ کا نام حرف خا سے شروع ہوتا ہے تاہم یہ التزام کلی نہیں ہے۔ کوئی شخص اگر نام اور نسب دونوں سے مشہور ہے تو ایسی صورت میں امام موصوف نے اس کا دونوں جگہ تذکرہ کیا ہے چنانچہ شیخ محمد بن اسحاق الکرمانی جو محمد بن ابی یعقوب سے بھی مشہور تھا اس کا ذکر جلد اول نمبر ۶۶ میں "محمد بن اسحاق ہو ابن یعقوب الکرمانی سنہ ۲۴۴ھ" اور نمبر ۸۵۸ میں محمد ابن ابی یعقوب ابو عبداللہ الکرمانی سے کیا ہے اسی طرح "عبداللہ بن ابی صالح ذکوان"، "عبّاد" کے نام سے بھی مشہور تھے ان کا تذکرہ باب عبداللہ اور باب عباد، دونوں میں کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے شہرت کا خیال رکھا ہے اور ناظرین کی سہولت کی غرض سے نام کا اعادہ کیا ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص دو وصفوں سے مشہور ہے اور اس امر کا احتمال ہے کہ وہ ایک شخصیت ہوں یا دو ایسی صورت میں اگر ترتیب مانع نہیں ہوئی تو دو (۲) تذکرے کئے اور کسی قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہ ایک شخصیت ہے تو دوسرے میں حوالہ "اراہ الاول" میں انہیں پہلا شخص سمجھتا ہوں سے کیا ہے اور اگر ایک مقام پر ذکر کرنے سے ترتیب مانع ہوئی تو ترتیب کے مطابق اس کا تذکرہ دونوں جگہ کیا ہے اور اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا ہے (۲۰)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسماء میں (Cross Reference) کا استعمال تیسری صدی ہجری میں عام ہو چکا تھا۔ مذکورۂ بالا طریقہ کو ابن ابی حاتم نے "کتاب الجرح والتعدیل" میں اپنایا ہے (۲۱)۔ تذکرہ نگار ایسے مشاہیر اہلِ علم کا جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے کنیت کے تحت ذکر کرتے ہیں (۲۲)۔ اور ذی علم عورتوں کا تذکرہ آخر کتاب میں یا آخری جلد میں کرتے ہیں جیسا کہ خطیب کی تاریخ بغداد کی چودھویں جلد اور ابن الاثیر کی اسد الغابہ کی جلد پنجم سے ظاہر ہے۔ راوی نام کے بجائے کنیت سے مشہور ہوتا تو اس کا ذکر کنیت کے تحت کیا جاتا تاکہ خواص کے ساتھ عوام بھی اسے بآسانی پہچان سکیں۔ بہترین تصانیف وہی سمجھی جاتی ہیں جن سے استفادہ سہل ہو اور وہ اشکال سے خالی ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب و انتخابِ اسماء میں نام کے مشہور تر حصہ کو اصل قرار دینے کی غایت سہولت ہے (۲۳)۔

محدثین نے ترتیبِ اسماء میں جن اصول کی پابندی کی ہے اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہی اصول کو فہرست سازی میں بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا کیونکہ فہرست سازی اور کتابیات سازی کے بنیادی اصول میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ناظمین کتب خانہ کو الف بائی ترتیب کے سمجھنے اور فہرست سازوں کو ان اصول پر عمل کرنے میں آسانی اور سہولت پیشِ نظر تھی اس لئے اس کو زیادہ پسند کیا گیا اور یہی طریقہ سب سے زیادہ مقبول و متداول رہا ہے۔

(۴) ترتیبِ حروفِ ہجا میں علماء مشرق و مغرب کا اختلاف

ترتیبِ حروفِ ہجا میں علماءِ مشرق اور علماء مغرب کا اختلاف ہے۔ علماء مشرق کے نزدیک تراجمِ علماء میں سب سے بہتر ترتیب حروفِ ہجا' الف' با' تا' ثا' جیم' حا' خا' دال' ذال' را' زا' سین' شین' صاد' ضاد' طا' ظا' عین' غین' فا' قاف' کاف' لام' میم' نون' ھا' واو' لام الف' یا کی ترتیب ہے۔ بعض علماءِ مشرق اس ترتیب میں واو کو ھا سے پہلے ذکر کرتے ہیں جیسا کہ جوہری نے کتاب

"صحاح اللغہ" میں کیا ہے۔ ایشیاء و افریقہ میں ترتیب کا یہی اصول رائج تھا۔

دیارِ مغرب (اندلس' یورپ) کے مسلمان مغربی علماء مذکورۂ بالا ترتیبِ ہجا میں حرف زاء تک مشرقی علماء کے ہمنوا ہیں۔ زا کے بعد ان کے یہاں ترتیب میں طاء' ظاء' کاف' لام میم' نون' ھاء' صاد' ضاد' عین' غین' فاء' قاف' سین' شین' واو' یاء آتی ہے۔ چنانچہ ابن الابار نے "التکملہ للکتاب الصلہ" میں اسماء کو اسی ترتیب پر ذکر کیا ہے (۲۴)۔

اہلِ مشرق کی ترتیب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں با' تاء' ثاء کے بعد ہم شکل حروف ج' ح' خ اور پھر جوڑے جوڑے حروف' حرف قاف تک آتے ہیں' پھر وہ حروف آتے ہیں جن میں مشابہت نہیں ہے اس اعتبار سے اہلِ مشرق کی ترتیب حروف ہجا اپنی سادگی اور نظم کی وجہ سے زیادہ موزوں اور عالمگیر ہونے کی زیادہ اہلیت رکھتی ہے۔ اب اہلِ اندلس کی کتابیں اس ترتیب پر مرتب کر کے شائع کی جانے لگی ہیں چنانچہ علی محمد بجاوی نے ابن عبد البر کی کتاب الاستیعاب کو تحقیق کے ساتھ شائع کیا تو مشرقی علماء کی ترتیب پر شائع کیا تاکہ اہلِ علم کو تلاشِ اسماء میں سہولت ہو (۲۵)۔

(۵) الفِ ممدودہ و مقصورہ کی ترتیب میں تقدّم و تاخر

الف بائی ترتیب میں ہمزہ کو الف سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ ہمزہ ہمیشہ متحرک ہوتا ہے اور الف ساکن ہوتا ہے اور ساکن سے ابتداء ممکن نہیں۔ علماء و شعراء اشعار کو قافیوں پر مرتب کرتے ہیں وہ بھی ہمزہ کو پہلے اور الف کو بعد میں ذکر کرتے ہیں۔ الف مقصورہ کو بھی اسی زمرے میں شمار کیا جاتا ہے (۲۶)۔

الف ممدودہ اور الف مقصورہ میں الف ممدودہ کو پہلے ذکر کیا جاتا تھا اس لئے کہ اسے دو الفوں کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں الف ممدودہ کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہی نقل کی ہے (۲۷)۔

(۶) مخفّف و مشدّد اسماء کی ترتیب

مخفف حرف کو مشدّد حرف سے پہلے ذکر کیا جاتا تھا اس لئے کہ حرفِ مشدّد دو حرفوں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ سمعانی نے اسیدی کی نسبت کو اسیدی کی نسبت سے پہلے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں ناموں اور نسبتوں کی ترتیب و اشاریہ اور کتابیات سازی میں اس اصول کو پیش نظر رکھا جاتا تھا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اس اصول پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۷) لفظاً و خطاً اسماء کی ترتیب

(۱) متفق (۲) مفترق (۳) موتلف (۴) مختلف (۵) مشتبہ

مذکورۂ بالا اصطلاحات کی شرح سے قبل اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ناموں میں اشتباہ کو ختم کرنے اور انہیں صحیح طور پر قید تحریر میں لانے کے لئے اعراب کا اہتمام کیا گیا تاکہ حقیقت حال واضح ہو سکے چنانچہ ابراہیم بن عبداللہ نجیری فرماتے تھے:

"ناموں کے اعراب کو بتانا اور انہیں ضبط کرنا بہترین خدمت ہے، اس لئے کہ اس میں قیاس کا عمل دخل نہیں ہے اور نہ ان کے اول و آخر میں ایسی کوئی بات پائی جاتی ہے جس سے حقیقتِ حال واضح ہو سکتی ہو" (۲۸) اس امر میں محدثین کی مساعی جمیلہ کا اندازہ حافظ ابن حجر کے حسبِ ذیل بیان سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے مذکورۂ بالا مصطلحات کی وضاحت میں سپردِ قلم کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اگر متعدد مصنفین علماء کے باپ دادا کا نام، کنیت نسبت ایک ہی ہوں اور مسمّیٰ جداگانہ ہوں تو اسے محدثین اور ائمہ لغت کی اصطلاح میں متفق و مفترق کہا جاتا ہے اس علم کا مقصد یہ ہے کہ دو عالموں، مصنفوں کے نام، کنیت اور نسبت میں اشتراک کی بناء پر انہیں ایک نہ سمجھا جائے اور اگر متعدد نام خط میں متفق اور تلفظ میں مختلف ہوں تو اسے موتلف و مختلف کہا جاتا ہے۔ اختلافِ تلفظ کا مدار کبھی نقطوں پر ہوتا ہے جیسے یحی اور نجی میں اور کبھی اختلاف شکل میں ہوتا ہے جیسے حفص و جعفر میں ہے ان اسماء میں تصحیف کا سمجھنا نہایت مشکل کام ہے کیونکہ یہ بات نہ قیاس میں آسکتی ہے اور نہ سیاق و سباق ہی سے سمجھی جا سکتی ہے۔

دو (۲) نام خط اور تلفظ میں متفق ہوں مگر ان کے باپ کے نام بلحاظ تلفظ مختلف اور بلحاظ خط متفق ہوں جیسے محمد بن عقیل اور محمد بن عقیل اول الذکر نیشاپوری اور موخر الذکر فریابی ہیں۔ ہم طبقہ، ہمعصر اور مشہور ہیں یا اس کے برعکس ہو کہ نام بلحاظ تلفظ مختلف اور باعتبارِ خط متفق ہوں اور ان کے باپ کے نام خط اور تلفظ میں متفق ہوں جیسے شریح بن النعمان اور سریح ابن النعمان ہیں اس قسم کا اتفاق و اختلاف اسماء اور نسبتوں میں ہوتا ہے اسے مشتبہ و متشابہ کہا جاتا ہے۔

متفق، موتلف اور متشابہ کے اور اقسام بھی ہیں کیونکہ دو ناموں میں جو اتفاقِ خطی اور اختلافِ لفظی پایا جاتا ہے انکی کئی انواع ہیں

(۱) وہ نوع جو تعدادِ حروف میں مساوی ہو۔

(۲) جو تعدادِ حروف میں مساوی نہ ہو۔ وہ اسماء جو تعدادِ حروف میں مساوی ہوں جیسے محمد بن

سنان اور محمد بن سیار ہیں۔ سنان اور سیار میں اختلافِ لفظی اور اتفاق خطی نون اول و یاء اور نون ثانی اور راء میں ہے اور ایسا ہی محمد بن حُنین اور محمد بن جُبیر میں اور معرف بن واصل اور مطرف بن واصل میں ہے جو اسماء تعدادِ حروف میں مساوی نہیں جیسے حفص بن میسرہ اور جعفر بن میسرہ اور عبداللہ بن زید اور عبداللہ بن یزید میں ایک حرف کم ہے۔ عبداللہ بن یحییٰ اور عبداللہ بن نجی میں بلحاظِ رسم خط ایک حرف کم ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ دو اسموں میں لفظاً اور خطاً اتفاق ہو مگر تقدیم و تاخیر سے دونوں میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہو جیسے اسود بن یزید اور یزید بن الاسود اور عبداللہ بن یزید اور یزید بن عبداللہ میں ہے'(۲۹)۔

مذکورۂ بالا وجوہ میں ضبطِ اسماء کی طرف زیادہ توجہ دی گئی تھی' فنِ کتب خانہ میں فہرست سازی و فہرست نگاری میں فہرست ساز اور فہرست نگار کو ان آلات (Tools) امتیاز و انتخاب کا علم آج بھی ناگزیر ہے۔

(د) عہدِ عباسی کا کیٹلاگ

عہدِ عباسی میں جو کیٹلاگ تیار کئے گئے تھے وہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ خزانہ دارالحدیث الاشرفیہ دمشق کا ایک کیٹلاگ جو ۲۳۵ھ کے بعد تیار کیا گیا تھا، استنبول کے کتب خانہ فاتح میں جس کا نمبر ذیل مجموعہ ۵۴۳۳ حرف میم تک دستیاب ہوا ہے اس کے آخر سے کچھ اوراق غائب ہیں تاہم اس کے مطالعہ سے عہد عباسی کے کیٹلاگوں کے متعلق اہم فنی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں عام کتابوں کی فہرست میں کن باتوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ یہ فہرست ۲۱۱۷ کتب پر مشتمل ہے۔ اور کتابوں کے نام حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کے نام سے کیٹلاگ تیار کرنے کے بجائے کتابوں کے ناموں سے کیٹلاگ تیار کیا گیا اس طرح کتاب کے نام کو مصنف پر ترجیح دی گئی ہے اور اسماءِ کتب (Titles) کا حروف ہجا کی ترتیب پر اندراج کیا گیا ہے یہ کیٹلاگ ابن الندیم کی الفہرست کی ترتیب سے مختلف ہے اس لئے کہ ابن الندیم نے الفہرست میں مصنفوں کو اولیت دی ہے اور مصنفین کے تحت ان کی تصانیف کا اندراج کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف وار ترتیب کا سہرا بھی ابن الندیم کے سر ہے۔

فہرست نگار نے اس کی سرخیاں حرف الالف، حرف الباء، حرف التاء الخ کے عنوان سے دی ہیں۔ پہلے کتاب کا نام پھر مصنف کا نام نقل کیا ہے البتہ جہاں مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا، نہیں لکھا ہے، ہر کتاب کے نسخے بتائے ہیں، کتاب کے اگر دو نسخے ہوئے تو کتاب کا نام پورا نقل کر کے نسخہ ثانیہ لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ کتابوں کو حجم (Size) کے اعتبار سے مرتب کیا ہے (۳۰) چنانچہ پہلے "کتبِ کبار" بڑی کتابوں کا پھر "کتبِ صغار" چھوٹی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں حروف کے مطابق کتابی صورت میں کیٹلاگ تیار کیا جاتا اور کتابوں کو حجم کے اعتبار سے ترتیب دیا جاتا تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کتب خانوں میں ایک کیٹلاگ کو کتابوں کے حجم کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ پہلا حصہ فہرستِ کتبِ کبار اور دوسرا فہرستِ کتب صغار سے موسوم کیا جاتا تھا۔

(ا) فہرست نگاری میں اندراجات (ENTRIES) کے رہنما اصول

فہرست نگار، کتاب کے نام (Title) مصنف (Author) مولف و مرتب

(Compiler) شارح (Commentator) و مترجم (Translator) کے علاوہ وحسبِ ذیل امور کی صراحت بھی کرتا تھا:

(۱)خط کی (۲)اوراق کتاب کی (۳)جلدوں کی (۴)کتاب کے مکمل و ناقص ہونے کی (۵)عیوب کتاب کی (۶) کاتب کے نام کی (۷) حجم کتاب کی (۸) کتاب کا نسخہ کس کو پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ قانون ابنِ سینا سولہ (۱۶) مجلدات متداخلہ میں مختلف خط و مختلف سائز میں ہے' جلد اول منصوری کاغذ پر ہے اس کے آخر میں کیڑے نے سوراخ کر دیئے ہیں' کبھی کسی خاص باب میں کوئی نقص ہوتا ہے تو کہتا ہے باب تعبیرالرویا کے اول میں کیڑے نے سوراخ کیا ہے اور اگر نسخہ ناقص ہوتا ہے تو موجودہ اجزاء کی تعیین و تحدید کرتا ہے کہ یہ کتاب کا چھٹا جز ہے یا اول' ثالث' رابع ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں توضیحی فہرست سازی (Descriptive Catalogue) کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور کتاب کی بہمہ وجوہ شناخت (Identification) کے لئے فہرست میں ممکنہ حد تک تفصیل پیش کی جانے لگی تھی۔ عہدِ عباسی میں کیٹلاگ کتابی صورت میں تیار کیا جاتا تھا اور اس کے اندراجات کی ترتیب اس طرح ہوتی تھی کہ پہلے کامل کتابوں کو' پھر مجموعوں کو اور آخر میں ناقص کتابوں کو ذکر کیا جاتا تھا۔

فہرست نگار تمام کتابوں میں حروف ہجا کی ترتیب کو ملحوظ رکھتا تھا ایک فصل میں مجموعوں کو علیحدہ ذکر کرتا اور آخر میں ناقص اور عیب دار کتابوں کو بتاتا تھا۔ مذکورۂ بالا اصول اگرچہ غیر منظم رہے لیکن فہرست سازی میں نہایت بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اس لئے آج بھی مخطوطات کی فہرست سازی میں انہیں ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ (Advanced Cataloguing) میں ان امور پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے' فہرست سازی (کیٹلاگنگ) کی تاریخ عہدِ عباسی سے قبل دنیا کی کسی متمدن قوم میں ایسی تفصیلی فہرست سازی کا سراغ نہیں ملتا یہ فخر عہدِ عباسی کے فہرست نگاروں کو حاصل ہے کہ انہوں نے فہرست سازی کے فن کو منضبط کیا' وضاحتی فہرست نگاری کی طرح ڈالی اور کیٹلاگ سازی کے ترقی پذیر سلسلہ کو فروغ دیا۔

(۲) کتبِ مقدسہ کے اندراج کا رہنما اصول

عہدِ عباسی میں خصوصی نوعیت کی فہرست سازی (Special Cataloguing) کا بھی رواج ہو چکا تھا چنانچہ فہرست نگار کتب مقدسہ (Sacred Book) کی فہرست خصوصی نوعیت کی بناتے تھے۔ خزانہ کتب قیروان تیونس میں ایک پرانا (کیٹلاگ) سجل قدیم (۳۱) جو ۶۹۳

کتابوں پر مشتمل ہے محفوظ ہے اس میں تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے چمڑے کے مصاحف کی بہت بڑی تعداد مذکور ہے اس میں مصاحف کے کیٹلاگنگ کا جو نمونہ ملتا ہے وہ درج ذیل ہے:

(ختمۃ القرآن) بخط کوفی' فی الرق' مسطرہ خمسہ' فی اول کل جزء' منھا......... فی بیت عدد ربعہ' محلاۃ بالنحاس' المموہ بالذہب فی سبعۃ اجزاء' بالجرم الکبیر' مکتوبۃ الذہب' بخط کوفی' فی رق الحل' السور وعدد لای والاحزاب بالفضہ' مغشاۃ بالجلد المنقوش فوق اللوح' مبطنۃ بالحریر (۳۲)۔

ختمہ (پورا قرآن) اور فتحہ (آغاز قرآن) وغیرہ الفاظ' لفظ قرآن کے اندراج سے پہلے لکھے جاتے تھے اور ان کو ترتیب میں شمار نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ قرآن مجید کا اندراج لفظ قرآن ہی میں کیا جاتا تھا۔ عہد عباسی میں مقدس کتابوں کی اندراج کا رہنما اصول کہ مقدس کتاب کے نام کو اندراج میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لئے اس کا اندراج بھی اس کے نام میں کیا جائے گا۔ مترجم و شارح وغیرہ کے نام میں نہیں' اس رہنما اصول کے وضع کا سہرا بھی مسلمان فہرست نگاروں کے سر ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ارباب فن کا اس پر اتفاق و عمل اس کی اہمیت و افادیت کا نہایت واضح ثبوت ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دیار مغرب میں کیٹلاگ کے لئے سجل کا لفظ بولا جاتا تھا۔ رجسٹر کے معنی میں اس کا استعمال آج بھی عام ہے۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ فہرست نگار مصاحف کی فہرست نگاری میں حسب ذیل امور کی پابندی کرتا تھا۔

(۱) تعداد اجزاء مصحف' جزء واحد' یا زیادہ ہیں۔

(۲) قطع مصحف' سائز' قالب بڑا ہے یا چھوٹا۔

(۳) کاغذ مشرقی ہے یا مغربی۔

(۴) نوع خط' خط کوفی' مشرقی' شکل خط کیسی ہے۔

(۵) قلم موٹا ہے یا باریک۔

(۶) نام خطاط۔

(۷) سطر ورق یعنی صفحہ میں سطروں کی تعداد اس سے مصحف کا حجم بھی معلوم ہو جاتا تھا۔ سات سطری ہے دس سطری ہے۔

(۸) مطلّل ہے تو اول سے آخر تک مطلّا ہے یا پہلا اور آخری صفحہ ہے' طلاکاری کلی ہے یا جزئی ہے' سورتوں کے عنوانات' ربع' عشر اور احزاب پر بھی طلاکاری کی گئی ہے یا نہیں۔

(۹) سورتوں کے نام پر' آیات کی علامات پر جبکہ انہیں چاندی سے لکھا گیا ہو طلائی کام کیا گیا یا

نہیں۔

(۱۰) الوان (رنگوں کی وضاحت) جو مصحف میں ضبطِ کلمات کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً رفع کو سرخ روشنائی سے، فتح کو لاجورد سے یا سورتوں کے نام سرخ و سبز روشنائی سے اور اوقاف کو سبز روشنائی سے مزین کیا گیا ہو۔

(۱۱) مصحف کی حالت کا ذکر کہ وہ کامل ہے یا ناقص مثلاً اس میں خرم و سوراخ ہے سیاہی اڑی ہوئی ہے، چوہے نے کترا ہے۔

(۱۲) تجلید کا وصف، حالت اور رنگ، مثلاً مجلد ہے اور اس پر تانبے کا پتر چڑھا ہوا ہے یا جلد کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہے۔

(۱۳) مصحف وقف ہے یا نہیں۔

(۱۴) مصحف کا خانہ (Case) کس نوع کا ہے (۳۳)۔

عہدِ عباسی میں فہرست سازی کے یہ رہنما اصول تھے جن میں سے بیشتر کی پابندی قلمی کتب و مصاحف کی فہرست سازی میں آج بھی کی جاتی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی میں قرآن مجید کی فہرست نگاری کی وجہ سے فہرست نگاری کا فن کتنا ترقی کر گیا تھا اور اس فن سے مسلمانوں کو کیسی دلچسپی اور شغف تھا۔ عہدِ عباسی میں کیٹلاگ سازی کے یہ رہنما اصول اپنی افادیت کی وجہ سے آج بھی زندہ و تابندہ ہیں۔

کتب خانہ میں فہرست نگاری کا کام بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کتب خانہ کی افادیت کا تمامتر دارومدار، مصنف، کتاب اور موضوع کتاب کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے پر موقوف ہے اس لئے عہد عباسی میں فہرست نگاری کا کام بڑے اہتمام اور احتیاط سے کرایا جاتا تھا اور اس خدمت پر ایسے اہلِ علم کو مامور کیا جاتا تھا جن کی وسعتِ نظر، علمی قابلیت و فنی مہارت مسلم ہوتی تھی۔ چنانچہ خزانۃ الکتب قاہرہ کی فہرست سازی کا کام نجیب الدولہ ابوالقاسم علی بن احمد جرجرائی، المتوفی ۴۳۶ھ نے اپنے کاتبِ خاص قاضی و مورخ ابو عبداللہ محمد بن سلامہ قضاعی المتوفی ۴۵۴ھ اور ان کے معاصر ابن خلف وراق کے سپرد کیا تھا انہوں نے اس کام کو اپنی زیرِ نگرانی کرایا تھا۔ (۳۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں فہرست سازی کا کام علمی (Scholarly) ور فنی (Technically) دونوں جہتوں سے کرایا جاتا تھا علمی اعتبار سے قاضی قضاعی کا نام ہی کافی ہے۔ امیر ابنِ ماکولا کا بیان ہے:

"موصوف گوناگوں علوم میں ماہر تھے۔ میں نے مصر میں ان کے ہم پلہ کوئی عالم نہیں

دیکھا" (۳۵)۔ فنی نقطۂ نگاہ سے ابنِ خلف کی نسبت "وراق" ان کی فنی بصیرت کا بین ثبوت ہے کیونکہ عہدِ عباسی میں وراقوں کی فہرست سازی اور کتابیات سازی میں شہرت مسلم تھی جیسا کہ ابن الندیم ورّاق کے نام سے ظاہر ہے۔

عہدِ عباسی میں ایک کتب خانہ میں ایک مصنف کی جملہ تصانیف کا جداگانہ کیٹلاگ (Author) بھی تیار کرایا جاتا تھا۔ ایک کثیر التصانیف مصنف کی پوری تصانیف کا کیٹلاگ موضوعات کے اعتبار سے (Subject) بھی مرتب کیا جاتا اور محققین کے استفادے کے لئے اس کو کتب خانے میں رکھا جاتا تھا۔ یاقوت نے ابوریحان البیرونی کی تصانیف کی فہرست جامع مرو کے کتب خانے میں تقریباً ساٹھ ورق میں بھرے ہوئے خط میں لکھی ہوئی دیکھی تھی جس میں ان کی علومِ نجوم، ہیئت، منطق، اور حکمت کی تصانیف درج تھیں اور کافی مفصل فہرست تھی (۳۶)۔

(۳) موضوعی کیٹلاگ

(SUBJECT CATALOGUE)

بعض نامور مصنف اپنے کتب خانے کا موضوعی کیٹلاگ خود تیار کرتے تھے۔ جس میں کتابوں کی منجملہ دیگر معلومات کے ہر فن میں کتابوں کی مجموعی تعداد بھی بیان کی جاتی تھی۔ چنانچہ ابوالیمن زید بن الحسن کندی نے اپنے کتب خانے کا موضوعی کیٹلاگ خود تیار کیا تھا اس میں مندرجہ ذیل مختلف موضوعات کی ۷۶۱ کتابیں موجود تھیں۔

(۱) علومِ القرآن..........۱۴۰
(۲) علومِ حدیث..........۱۱۹
(۳) فقہ..........۳۹
(۴) لغت..........۱۴۳
(۵) شعروادب..........۲۲
(۶) نحو و صرف..........۱۷۵
(۷) علومُ الاوائل..........۱۲۳

(۳۷) بیت الحکمہ مامون کا، (۳۸) دارالعلم سابور کا بھی کیٹلاگ تیار کرایا گیا تھا (۳۹)۔ جامعہ نظامیہ بغداد کا کیٹلاگ کتابی صورت میں موجود تھا۔ ابن الجوزی کے مطالعہ سے گزرا تھا (۴۰)۔ قاضی فاضل عبدالرحیم بیسانی کے وقف کردہ کتب خانے (۴۱) کا بھی کیٹلاگ تھا۔

(۴) کتابوں کے ناموں میں اختلاف کے اسباب

عربی زبان میں سجع کی رعایت کے باوجود ایک کتاب کئی ناموں سے ذکر کی جاتی ہے۔ چنانچہ قفطی کی کتاب انباہ الرواۃ کو "اخبار النحاۃ" "تاریخ النحاۃ" اور "اخبار النحویین و انباء الرواۃ" کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے (۴۲)۔ بعض اوقات یہ اختلافِ ناقلین کتاب کی بے توجہی سے یا علماء کے تساہل سے رونما ہوتا تھا اس لئے کہ وہ عام طور پر عوام میں مشہور و معروف نام نقل کرنے پر اکتفاء کرتے اور اصل کتاب کے دیکھنے کی بروقت کوشش نہیں کرتے یا اپنے حافظہ سے موضوع کے لحاظ سے نام لکھتے تھے۔ چنانچہ ابن الجوزی کی "کتاب الاذکیاء" تین ناموں "کتاب الاذکیاء" "الاذکیاء و اخبارھم" اور "اخبار الاذکیاء" کے نام سے طبع ہوئی ہے حالانکہ کتاب کا صحیح نام ○"اخبار الاذکیاء" ہے (۴۳)۔ لفظ کتاب تقریباً ہر تالیف کے شروع میں لگایا جاتا ہے۔ یہ عموماً کتاب کے نام کا جزء نہیں ہوتا۔

اس طرح الرازی المتوفیٰ ۳۱۱ھ کی "کتاب المنصوری" تین ناموں "کتاب المنصوری" "الطب المنصوری" "الکناش المنصوری" سے معروف ہے (۴۴)۔ مورخین نے تاریخ ابن جریر طبری کو اس کے اصل نام "تاریخ الامم و الملوک" (۴۵) اور بقول بعض تاریخ الرسل والملوک واخبارھم (۴۶) کے بجائے تاریخ ابن جریر طبری کے نام سے ذکر کیا ہے' اس نوع کا اختلاف ان نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو مورخین کی نظر سے گزرے تھے۔

مصنف نے کتاب کا خود اگر کوئی نام تجویز نہیں کیا تو پھر کتاب کئی ناموں سے ذکر کی جاتی رہی چنانچہ ابن الندیم کی کتاب الفہرست کو حاجی خلیفہ نے فہرس العلوم کے نام سے ذکر کیا ہے (۴۷)۔ کبھی کتاب کو مصنف کے رکھے ہوئے نام کے علاوہ لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ علی بن جریر الطبری المتوفی ۲۴۷ھ کی کتاب فردوس الحکمۃ اپنے لقب بحر المنافع و شمس الآداب سے بھی مشہور ہے (۴۸)۔

اشاریہ (INDEX) سازی کے اصول

احادیث کے اطراف (اشاریہ رواۃ) کی ترتیب میں حروفِ تہجی کی ترتیب و اصول کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، حافظ ابو مسعود ابراہیم دمشقی المتوفی ۴۰۱ھ اور ابو محمد خلف بن محمد واسطی المتوفی ۴۰۱ھ نے **اطراف الصحیحین** میں اسی طریقہ کو اختیار کیا پھر تمام اطراف نویسوں نے اس اصول کی پابندی کی ہے (۴۹)۔ حدیث کے اطراف کی ضرورت سے اشاریہ کی ترتیب وجود میں آئی اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے محدثین نے اسماء و اعلام اور موضوعات وغیرہ کو بنیاد قرار نہیں دیا تھا بلکہ حدیث کے ابتدائی کلمات کو حروفِ ہجا کے تحت ترتیب دیا تھا اور اس کے ساتھ اسماء، اعلام، کنیٰ وغیرہ کے ابہام کو اجاگر کرنے کا بھی لحاظ رکھا جانے لگا تھا اس لئے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اشاریہ کی ترتیب کی ابتداء کا سہرا بھی محدثین کے سر ہے۔

اس باب کے مذکورۂ بالا مباحث سے عہدِ عباسی میں فہرست سازی کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے چنانچہ فہرست سازی کی اساس اعلام، کنیٰ، القاب وغیرہ کے اقسام اور ان کی جمع و ترتیب کی صورت، اندراج و تعین کے اصول، حروفِ ہجا کی ترتیب، فہرست میں پیش کردہ معلومات کی تفصیل، کتابوں کے ناموں میں اختلاف کے اسباب وغیرہ اس دور میں بھی ان مسائل کے بہترین حل کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان سے عہد عباسی میں فہرست سازی کا نقشہ واضح ہو جاتا ہے۔

کتب خانوں میں کتابوں کے انتخاب اور اہل علم کی علمی سرگرمیوں کو جاری رکھنے اور مطلوبہ موضوع پر قدیم و جدید کتابوں تک رسائی کا واحد ذریعہ کتابیات ہے۔

باب نہم میں کتابیات ہی سے بحث کی گئی ہے۔

فہرستِ ماخذ

(۱) السیوطی، المزہر، ج ۱، ص ۳۱۵

(۲) محمد بن الحسن ابن درید، کتاب الاشتقاق، تحقیق عبدالسلام ہارون (القاہرہ، مطبعہ السنہ المحمدیہ، ۱۹۵۸ء) ص ۳

(۳) ابراہیم السامرائی، الاعلام العربیہ (بغداد، مطبعہ اسد، ۱۹۲۴ء) ص ۳۷

(۴) ابن درید، ص ۴-۶ الثعالبی فقہ اللغہ، مصر، (مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۹۲ھ) ص ۳۶۳

(۵) منذری، مختصر سنن ابی داؤد، ج ۷، ص ۲۵۳-۲۵۹

(۶) الصفدی، ج ۱، ص ۳۳

(۷) ابن الاثیر، اللباب، ج ۱، ص ۸

(۸) السمعانی، ج ۱، ص ۴

(۹) الصفدی، ج ۱، ص ۳۴-۳۵

(۱۰) ایضاً، ص ۳۶

(۱۱) ایضاً، ج ۱، ص ۳۷

(۱۲) ایضاً، ج ۱، ص ۴۰-۴۱

(۱۳) السخاوی، الاعلان بالتوبیخ ص ۲۲۰

(۱۴) ابن عساکر، ج ۱، ص ۱۱

(۱۵) ابن خلدون، المقدمہ (مصر، مطبعہ بولاق، ۱۲۸۴ھ) ص ۴۸۱-۴۸۲

(۱۶) البخاری، التاریخ الکبیر (حیدر آباد دکن، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۶۱ھ) ج ۱، ص ۱۱

(۱۷) الخطیب، ج ۱، ص ۲۱۳

(۱۸) ابن عساکر، ج ۱، ص ۱۱

(۱۹) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، کتاب الجرح والتعدیل، (حیدر آباد الدکن، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۱ھ) ج ۱، ص ۸ - الخطیب، ج ۱، ص ۲۱۳ - سہمی، تاریخ جرجان، ص ۱۸- ابن الاثیر، اللباب، ج ۱، ص ۸

(۲۰) الخطیب، کتاب موضح اوہام الجمع والتفریق، (حیدر آباد الدکن، مطبعہ دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۸ھ) ج ۱، ص ۱۲-۱۳ (مقدمہ عبدالرحمٰن بن یحیی المعلمی)

(۲۱) ابنِ ابی حاتم، کتاب الجرح والتعدیل، ج ۱، ق ۲، ص ۲۹ و ۱۱

(۲۲) ابنِ عساکر، ج ۱، ص ۱۷

(۲۳) النووی، الاشارات الیٰ بیان اسماء المبہمات، (لاہور، المطبع الدخانیہ، ۱۳۴۰ھ) ص ۴

(۲۴) ابن الابار، التکملۃ للکتاب الصلۃ (القاہرہ، عزت العطار الحسینی، ۱۹۵۵ء)

(۲۵) ابنِ عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تحقیق علی محمد ابجاوی، (مصر، مطبع نہضہ
۱۳۸۰ھ) ص ب (مقدمہ المحقق)

(۲۶) الصفدی، ج ۱، ص ۴۲ ـ ۴۳

(۲۷) السمعانی، الانساب، ج ۱، ص ۴

(۲۸) عبدالغنی الازدی، کتاب المؤتلف والمختلف فی اسماء نقلۃ الحدیث، (الہٰ آباد، مطبع انوار
احمدی، ۱۳۲۷ھ) ص ۲

(۲۹) ابنِ حجر، نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۱۰۶

(۳۰) صلاح الدین المنجد، قواعد فہرست المخطوطات العربیہ، (بیروت، دار الکتاب العربی) ص ۲۰
ـ ۲۱

(۳۱) ایضاً، ص ۲۲

(۳۲) ابراہیم شبوح، سجل، قدیم ما لمکتبۃ جامع القیروان، (مجلۃ المعہد المخطوطات العربیہ (نومبر،
۱۹۵۷ء) ج ۲، جز ۲، ص ۳۴۵

(۳۳) المنجد، قواعد فہرست المخطوطات العربیہ، ص ۲۶

(۳۴) القفطی، ص ۴۴۰

(۳۵) السبکی، ج ۴، ص ۱۵۰ ـ ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۶۲ ـ الذہبی، ج ۳، ص ۲۳۳ ـ الصفدی،
ج ۴، ص ۱۱۶ ـ السیوطی، حسن المحاضرہ، ج ۱، ص ۴۰۳

(۳۶) یاقوت، ج ۶، ص ۳۱۱

(۳۷) ابو شامہ، الذیل علی الروضتین، ص ۶۱۳

(۳۸) کرد علی، رسائل البلغاء، ص ۴۸۰

(۳۹) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲

(۴۰) ابن الجوزی، صید الخاطر، ص ۴۴۰

(۴۱) القفطی، ج ۳، ص ۱۸۷

(۴۲) ایضاً، ج ۱، ص ۲۷

(۴۳) ابن الجوزی ‘ اخبار الاذکیاء ‘ تحقیق محمد مرسی (بیروت ‘ المکتبہ البولیسیۃ ‘ ب ‘ ت) صط (مقدمہ محقق)

(۴۴) ابن جلجل ‘ ص ۷۸

(۴۵) الخطیب ‘ ج ۲ ‘ ص ۱۶۳ ـ حاجی خلیفہ ‘ ج ۱ ‘ ص ۲۹۷

(۴۶) یاقوت ‘ ج ۵ ‘ ص ۴۴۳

(۴۷) حاجی خلیفہ ‘ ج ۲ ک ۱۳۰۳

(۴۸) ابن جریہ الطبری ‘ ص ۸ (لہ) الدین و الدولہ فی اثبات نبوۃ النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ‘ تحقیق عادل نویہض ‘ (بیروت ‘ دار الآفاق الجدید ‘ ۱۹۷۳ء) مقدمہ المحقق ‘ ص ۱۹

باب نہم

(اجمالی خاکہ)

☆ (ا) کتابیات

(۱) کتابیات کی تعریف اور اس کے اقسام

(۲) فہرست نگار

(۳) فرقہ جاتی کتابیات

(۴) کتابیات کے اقسام

☆ (ب) دار الخلافہ بغداد میں کتابیاتی سرگرمیوں کا جائزہ

(۱) موضوعی کتابیات

(۲) فہرستِ مضامین کتاب کے لئے "لفظ ثبت" کا استعمال

(۳) مصطلحاتِ فن کتابیات کا استعمال

☆ (ج) کتابوں میں حوالوں کا اہتمام اور کتابیات کا آغاز

(۱) مواد کی حیثیت اور تبصرہ

باب نہم

کتابیات

عہدِ عباسی میں علوم کی کثرت و تنوع نے اہلِ علم کو کتابیات کی تیاری پر آمادہ کیا تا کہ ذخائرِ علوم سے آگاہی کتابوں کی طرف رہنمائی اور کتب خانوں کے ذخائر میں اضافہ و انتخابِ کتب کا سلسلہ قائم رہے۔ مفید ترین کتابوں کو کتب خانوں میں بہ آسانی فراہم کیا جا سکے۔ اہلِ علم و محققین کو اصل ماخذوں تک رسائی و حصولِ مواد میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے‘ افراد و ادارے ہر موضوع سے قدیم و جدید تحقیقات و تخلیقات سے باخبر رہیں اور اپنی علمی سرگرمیاں بسہولت جاری رکھ سکیں۔

عہدِ عباسی میں اس اہم کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے علماء و مصنفین نے خود نوشت کتابیات کا سلسلہ شروع کیا۔ وراقوں نے مختلف کتب خانوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھا کر اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں منتخب کتابیات تیار کیں۔ یہ سلسلہ اتنا پھیلا کہ کتابیات کو مختلف ناموں سے یاد کیا جانے لگا جو عہدِ عباسی پر علماء و محققین کا کتابیات سے اعتناء اور کتابیاتی سرگرمیوں سے انکی دلچسپی کا نہایت بین ثبوت ہے۔

اس باب میں کتابیات کے مختلف نام‘ کتابیات کی تعریف‘ اس کی اقسام‘ نامور کتابیات نگار‘ کتابیاتی سرگرمیاں‘ فہرست عنوانات اور فنِ کتابیات کی اصطلاحات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱) کتابیات کی تعریف اور اس کے نام

عہدِ عباسی کے اوائل میں معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات کا استعمال عام ہو گیا تھا اور اس کے لئے "فہرس" کا لفظ بولا جاتا تھا۔ چنانچہ نامور لغوی خلیل بن احمد بصری (۱۰۰–۱۷۰ھ / ۷۱۸–۷۸۶ء) کا تلمیذِ خاص لیث "ثبت" کے معنی میں لکھتا ہے:

"ھوالکتاب الذی یجمع فیہ الکتب ثبت وہ کتاب ہے جس میں کتابوں کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ "(۱)

اس کے علاوہ جو الفاظ کتابیات کے لئے استعمال کئے جاتے تھے ان میں فہرس اور فہرست کا لفظ تھا جمہور ائمہِ لغت اس کو معرب کہتے ہیں، یہ پھرست کا معرب ہے جس کے معنی فارسی زبان میں ابواب وفصول کتاب کی جدول جو اول یا آخر کتاب میں لگائی جاتی ہے۔ (۲) گویا اہلِ فارس میں یہ لفظ عنوانات کتاب کی فہرست کے معنی میں آتا تھا۔ لیکن عہدِ اسلامی میں اس لفظ کو ایک اصطلاح کے طور پر فن کے لئے استعمال کیا گیا چنانچہ فہرست کے معنی وہ کتاب جس میں کتابوں کے نام درج کئے جائیں۔ (۳)

عربی میں اسکا مصداق کتابی صورت میں کیٹلاگ اور تعمیم کی صورت کتابیات ہے اس لئے لین (Lane) نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"A book, or writing, in which, the names or title or descriptions, of (other) books or writings, are collected."

"وہ کتاب یا نوشتہ جس کے نام یا عنوانات یا دوسری کتابوں اور نوشتوں کی تفصیلات جمع کی جاتی ہیں۔"

لین کے مذکورہ بالا الفاظ کیٹلاگ اور کتابیات دونوں کو جامع ہیں۔

مذکورہ بالا ائمۂ لغت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ فہرس کا لفظ معرب ہے اور عہد عباسی میں یہ کتابیات اور کیٹلاگ دونوں معنی میں مستعمل رہا ہے۔ فہرست یعنی وہ کتاب جس میں اہلِ علم اپنے اساتذہ سے پڑھی ہوئی ان کے زیرِ ہدایت مطالعہ کی جانے والی کتابوں کے نام مصنفین تک شمار کراتے اور کہیں گاہ بگاہ مصنف وکتاب کے متعلق کوئی جملہ یا چند جملے بطور تبصرہ وتعارف لکھ جاتے تھے اس قسم کی فہرستوں کا رواج دیارِ مشرق ومغرب (ایشیاء، افریقہ اور یورپ) تینوں

براعظم میں عام رہا ہے اور ان کے لئے

۱۔ برنامج ۲۔ ثبت ۳۔ فہرس ۴۔ مشیخہ ۵۔ معجم اور ۶۔ تذکرہ و سجل کا لفظ بولا جاتا تھا ان کے جمع برامج اثبات مشیخات ' اور معاجم و سجلات آتی ہے

عہدِ اموی میں ثبت قیمتوں کے گوشوارہ کو کہا جاتا تھا چنانچہ ابو ریحان البیرونی کا بیان ہے کہ میں نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانے کا ثبت دیکھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ دانق ڈھائی قیراط کا ہوتا تھا اور درہم اکیس (۲۱) قیراط کا تھا (۵)۔

الثبت (محرکہ) وہ فہرست جس میں محدث اپنی اور اپنے شیوخ کی مرویات جمع کرتا اور کتابوں کی نشاندہی کرتا ہے یہ گویا ثبت بمعنی حجت سے ماخوذ ہے اس لئے کہ اس کی اور اس کے شیوخ کی اسانید اس کے لئے حجت ہوتی ہیں یہ لفظ محدثین کثرت سے استعمال کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ محدثین کی مصطلحات سے ہے (۶)۔

تحقیق و اضافہ علم اور انتخاب کے لئے کتابیات صحت و سند ہوتی ہیں۔ اس لئے کتابیات کے لئے بھی محدثین کی وضع کردہ اصطلاح ثبت کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جس طرح محدثین میں ثبت کو سند کا درجہ حاصل ہے اسی طرح کتب خانہ میں کتابوں کے متعلق فنی معلومات کتب خانے کے ریکارڈ اور اہلِ علم کی کتابی معلومات کے لیے یہ سند و حجت کی حیثیت رکھتا ہے غالباً اس مناسبت واشتراک کی وجہ سے ثبت کو کیٹلاگ کے معنی میں استعمال کیا گیا تھا۔ چنانچہ ابن الجوزی نے "صید الخاطر" میں ہر جگہ کیٹلاگ کے لیے ثبت کا لفظ استعمال کیا ہے (۷)۔

دیارِ مغرب میں سجل کا لفظ اور دیارِ مشرق میں ثبت و فہرست کا لفظ کیٹلاگ کیلئے زیادہ استعمال کیا جاتا تھا۔ فہرسۃ الکتب میں تاء تانیث وقف میں ہا بن جاتی ہے (۸)

الخوارزمی نے فہرست کے معنی میں وضاحت یہ کی ہے کہ فہرست وہ کتاب و دفتر ہے جس میں عمال کی کارگزاریاں اور چیزوں کے نام درج کئے جاتے ہیں (۹) خفاجی کا بیان ہے "فہرست میں اختصار کے ساتھ اشیاء کے نام شمار کرائے جاتے اور ترتیب سے درج کئے جاتے ہیں۔" (۱۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ فہرست کے لغوی مفہوم میں اسماءِ اشیاء کی ترتیب و تنظیم داخل ہے اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ عالموں ' فہرست نگاروں اور کتابیات سازوں نے جو لفظ کیٹلاک اور کتابیات کے لئے استعمال کیا ہے وہ لغوی و اصطلاحی مفہوم کا بھرپور اظہار کرتا ہے۔'

عہدِ عباسی میں علماء اور محققین نے پورے اسلامی قلمرو مشرق و مغرب (ایشیاء افریقہ اور یورپ) میں اپنے قدیم وجدید ترقی پذیر علمی ورثہ اور ثقافتی مرکزوں کے مواد سے علمی دنیا کو متعارف رانے کیلئے تصنیفات : ایک نیا سلسلہ شروع کیا تھا جسے مشیخہ برنامج، معجم فہرست اور تذکرہ کے نام

سے یاد کیا جاتا تھا۔ برنامج فارسی لفظ برنامہ کا معرب ہے۔ محدثین علماء کی اصطلاح میں یہ وہ کتاب ہے جس میں محدث اپنے اساتذہ و شیوخ سے (مختلف علوم وفنون میں) پڑھی ہوئی کتابوں اور ان کے راویوں کے ناموں کو بیان کرتا ہے (۱۱) برنامج وغیرہ میں عموماً حسبِ ذیل معلومات پیش کی جاتی تھیں۔

(۱) مولف کا نام
(۲) کتاب کا نام
(۳) سلسلۂ سند کتاب
(۴) بعض اوقات مقامِ درس کی وضاحت
(۵) آغاز واختتامِ درس کی تاریخ
(۶) اساتذہ کا علمی مقام

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ Biographical Bibliography تھی۔

برنامج وغیرہ وہ ذرائع ہیں جن میں عہدِ عباسی کے علمی مرکزوں کے مواد اور ثقافتی اداروں کی نشاندھی کی جاتی تھی جن سے اہلِ علم وطلبہ فائدہ اٹھاتے تھے (اور معتبر اصولِ کتب کی طرف رہنمائی کی جاتی تھی) ان سے مسلم معاشرے میں علمی اداروں اور کتابوں سے شغف کا پتہ چلتا ہے نیز معلوم ہوتا ہے کہ ایک موضوع میں سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی تھیں (۱۲)۔

برنامج وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر صدی میں ہر فن کی کون سی کتابیں نصاب کی حیثیت سے معروف تھیں اور فلاں فلاں شہر میں کس فن کی کن کتابوں کا زیادہ چلن تھا اس حیثیت سے یہ برنامج فہارسِ عامہ (General Catalogues) سے ممتاز تھیں (۱۳) ان کو کتابیات کا نقشِ اول کہا جا سکتا ہے۔

برنامج عام طور پر موضوعات و عنوانات کی ترتیب پر مرتب کی جاتی تھیں بعض اہلِ علم ان میں اپنے شیوخ کی شہرت و مہارت کو بھی ملحوظ رکھتے تھے جیسا کہ رُعَینی نے اپنے برنامج میں نامور قراء پھر محدثین پھر نحوی پھر ادباء ولغوی اور شعراء وغیرہ کا ذکر کیا ہے (۱۴)

عبدالحق محاربی المتوفی ۵۴۱ھ نے اپنی فہرست میں فقہاء کے ذکر سے سلسلہ کا آغاز کیا ہے

(۱۵)

ابوبکر محمد خشنی المعروف بابن ابی رکب المتوفی ۵۴۴ھ نے علوم قرآن، قرأت، تفسیر، ناسخ منسوخ احکام وغیرہ سے برنامج کو شروع کیا ہے۔ ۱۶ بعض علماء اپنی فہرست دونوں طرح سے مرتب کرتے ہیں۔ پہلے حصے میں مصنف (Author) شیوخ کے نام، نسب، کنیت، ولادت و وفات اور نمونۂ کلام نقل کرتے اور دوسرے حصہ میں جامع مولفات کو موضوعات و عنوانات کی ترتیب پر ذکر

کرتے تھے جیسا کہ داویاشی نے اپنے برنامج میں کیا ہے۔

اہلِ مغرب میں برنامج اور فہارس میں سب سے زیادہ ابن خیر اشبیلی کی فہرست مارواہ مشہور ہے یہ اہلِ مغرب کی تصانیف کا خصوصاً و اہلِ مشرق کی تصانیف کا عموماً ذکر کرتی ہے۔ یہ فہرست ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) اہم تصانیف (Titles) پر حاوی ہے اور عہدِ عباسی میں تحریک تصنیف و تالیف کی ترقی اور عہد بعہد ارتقاء کی نشاندھی کرتی ہے۔

ابنِ ابی الربیع کا برنامج تعلیم و تدریس کی تحریک پر روشنی ڈالتا ہے (۱۷) اسی طریقہ کو خُشَنی اور ابنِ حجر نے اپنی فہارس میں اختیار کیا ہے (۱۸)۔

برنامج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرتِ نبویہ کے علاوہ تاریخ اپنے انواع کے ساتھ درس میں رائج نہ تھی ابن ابی الربیع کے زمانے تک علوم تاریخ، جغرافیہ، علوم بلاغت، فلسفہ، علوم اوائل، طب، فلکیات، ریاضیات، فلاحت، کیمیا کا سلسلۂ درس و تدریس علماء کے ایک طبقہ تک محدود تھا یعنی ان کو اختیاری مضامین کی حیثیت حاصل تھی لازمی مضامین کی نہیں (۱۹)

معاجم میں مرویات سے قطع نظر تراجم شیوخ و تلامذہ پر بھی معجم کا لفظ بولا جاتا تھا چنانچہ ابن الابار کی معجم الصدفی اس کی اچھی مثال ہے (۲۰)

شاعر و ادیب کا برنامج بھی تیار کیا جاتا تھا جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

ابتدا میں مرویات زبانی نقل کی جاتی تھیں جب تصنیف و تالیف اور تدوینِ علوم کا آغاز ہوا تو پھر مرویات کے ساتھ شیوخ کی تصانیف اور ان کا سلسلۂ سند مصنف تک بیان کیا جانے لگا بعد میں یہ سلسلہ محدثین سے گزر کر موضوعات کے اعتبار سے معاجمِ لغات، طبقات، معاجم شعراء، معاجم ادباء، اور بلدان تک منتہی ہوا (۲۱)۔ چنانچہ یاقوت کی معجم الادباء اور معجم البلدان اسکی بہترین نظیر ہیں جن میں پہلی Bibliographical Dictionary اور دوسری بلادِ اسلامی کی جغرافیائی

(Geographical Dictionary) لغت ہے اسی اعتبار سے کتبِ لغات کو بھی معاجم کہا جانے لگا تھا۔

علمِ حدیث کی وجہ سے محدثین کے یہاں ثبت معجم و مشیخہ کی اصطلاح نکلی اور عام ہوئی۔ لیکن کتبِ حدیث میں معجم ان کی اصطلاح کے مطابق وہ کتاب ہے جس میں صحابہ یا شیوخ یا بلدان وغیرہ کی ترتیب پر حروفِ تہجی کے اعتبار سے حدیثیں مرتب کی جاتی تھیں جیسا کہ طبرانی کی المعجم الکبیر صحابہ کے ناموں پر بترتیبِ حروفِ ہجا مرتب ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی مرویات کی فہرست میں ان معاجم و مشیخات کا ذکر کیا ہے اور مشیخات میں اسکے خلاف بھی ہوتا ہے (۲۲)۔

کتابیات کے یہ گوناگوں نام اور اسکے اقسام میں تنوع مسلمانوں کے اس فن سے اعتناء اور عام دلچسپی کا مظہر ہے۔ اس قسم کی کتابیات میں حسبِ ذیل چار باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔

(۱) ان کو عموماً درسی مضامین

(الف) علومِ قرآن

(ب) علومِ حدیث

(ج) علومِ فقہ

(د) علومِ سیر وانساب

(ہ) علومِ صرف و نحو

(و) علومِ لغت

(ز) علومِ ادب

پر مرتب کیا جاتا تھا۔

(۲) یہ حروفِ تہجی پر مرتب ہوتی تھیں اساتذہ کے نام اور ان سے پڑھی ہوئی کتابوں کی تفصیل پیش کی جاتی تھی جیسے الرعینی کی الفہرست قاضی عیاض المتوفی ۴٧٦ھ کی الغنیہ اور ابنِ عطیہ محاربی المتوفی ۵۴۱ھ کی البرنامج ہے۔

(۳) مذکورۂ بالا دونوں ترتیب کے یکجا امتزاج کی نظیر ابن ابی الربیع کا برنامج ہے۔ (۲۳) اس میں پہلے اساتذہ کے نام اور ان کی سوانح کو پھر مضامین و کتب کو بیان کیا گیا ہے۔

(۴) مصنف اپنے مشاہدات و تجربات بھی فہرست میں نقل کرتا تھا۔

اس قسم کی فہرست جن کا زیادہ تر تعلق روایت اور اسکی اشاعتِ کتب سے تھا، تیار کرنا محدثین و فقہاء کا معمول تھا۔ یہ ان کا ایسا عظیم کارنامہ تھا جو وہ اپنے شاگردوں اور آیندہ آنے والے اہلِ علم کے استفادہ اور تحقیقات کی راہ ہموار کرنے کے لئے چھوڑتے تھے۔ ان فہرستوں کا فائدہ یہ تھا کہ ان سے ہر دور کے نامور اساتذہ و مصنفین کو فن کی امہاتِ کتب اور مشہور و قابلِ اعتماد پسندیدہ و منتخب کتابوں نیز متداول درسی علوم سے بہ آسانی واقفیت ہو جاتی تھی۔ ذخیرہ سازی کتب میں اضافہ کرنے کتب خانے کے ذخیرے کو بڑھانے میں کتابوں کے انتخاب کرنے میں سہولت ہوتی اور موضوعی کتابیات کی ترتیب و تدوین میں مدد ملتی تھی۔ اس طرح اس دور کی تخلیقات اور امہاتِ الکتب اجاگر ہوتی تھیں۔

(۲) فہرستِ نگار

عہدِ عباسی میں برنامج و فہارس کا علماء میں کافی چلن تھا عیاض نے اندلس میں بتیس (۳۲) فہرستِ شیوخ کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲۴) اور ابنِ خیر نے کتاب الفہرست میں کم وبیش چوہتر (۷۴) فہرستوں کا ذکر کیا ہے۔ (۲۵) اس سے برنامج و فہارس کی تصنیف و تالیف اور تدوین کی تحریک و ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں اسلامی قلمروں میں چوہتر (۷۴) نامور ببلیوگرافر (فہرست ساز) گزرے ہیں جن میں مشہور ترین فہرست ساز حسبِ ذیل تھے۔

(۱) ابو الولید سلیمان خلف باجی (۴۰۳ـ۴۷۴ = ۱۰۱۲ـ۱۰۸۱ء)(۲۶)
(۲) حسین بن محمد بن سکرہ صدفی (------ـ۵۱۴ھ = ------ـ۱۱۲۰ء)(۲۷)
(۳) ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن بشکوال (۴۹۴ـ۵۷۸ھ = ۱۱۰۱ـ۱۱۸۳ء)(۲۸)
(۴) یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر (۳۶۸ـ۴۶۳ھ = ۹۷۸ـ۱۰۷۱ء)(۲۹)
(۵) ابنِ حزم اندلسی (۳۸۴ـ۴۰۲ھ = ۹۹۴ـ۱۰۶۴ء)(۳۰)
(۶) ابو بکر خطیب بغدادی (۳۹۳ـ۴۶۳ھ = ۱۰۰۲ـ۱۰۷۲ء)(۳۱)
(۷) ابو طاہر سلفی (۴۷۸ـ۵۷۶ھ = ۱۰۸۵ـ۱۱۸۰ء)(۳۲)
(۸) ابو ذر ہروی (------ـ۴۳۴ھ = ------ـ۱۰۴۳ء)(۳۳)
(۹) ابو القاسم طرابلسی (۳۹۸ـ۴۶۹ء = ۱۰۰۷ـ۱۰۷۷ء)(۳۴)
(۱۰) قاضی عیاض محمد بن موسیٰ یحصبی (۴۷۶ـ۵۴۴ھ = ۱۰۸۲ـ۱۱۴۹ء)(۳۵)
(۱۱) عبد الحق بن غالب غرناطی (۴۸۱ـ۵۴۲ھ = ۱۰۸۸ـ۱۱۴۸ء)(۳۶)
(۱۲) محمد بن خیر اشبیلی (۵۰۲ـ۵۷۵ء = ۱۱۰۹ـ۱۱۷۹ء) کا شمار فہرست نگاروں میں کیا گیا ہے۔

(۳) فرقہ جاتی کتابیات

SECTARIANBIBLIOGRAPHY

شیعی علماء و محدثین بھی اپنے اساتذہ کی کتابوں کی کتابیات مرتب کرتے رہے تھے جن میں حسبِ ذیل مشہور ترین کتابیات تھیں۔

(۱) ابو القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ قمی المتوفی ۳۶۸ھ نے کتابیات مرتب کی تھی، جس ک
نام فہرست مارواہ من الکتب والاصول ہے۔ (۳۷)

ابو القاسم سعد بن عبداللہ قمی المتوفی ۳۰۱ھ نے فہرست کتاب مارواہ (۳۸) ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی المتوفی بعد ۲۹۷ھ نے الفہرست (۳۹)، ابو علی محمد بن احمد کاتب اسکافی المعروف بابن الجنید المتوفی ۳۸۱ھ نے فہرست کتبہ صنفا بابا بابا لکھی تھیں۔ (۴۰)

ابوالحسن علی بن عدوی شمشاطی جزری جو چوتھی صدی ہجری کا شاعر تھا، اسکی تصانیف کی ایک فہرست ابو نصر ریان نے اور دوسری فہرست ابوالخیر سلامہ بن زکریا موصلی نے تیار کی تھی۔ (۴۱) علم الھدی ابو القاسم علی بن حسین بن موسیٰ موسوی المتوفی ۴۳۶ھ نے الفہرست ترتیب دی تھی۔ (۴۲) ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین قمی المتوفی ۳۸۱ھ کی الفہرست میں تقریباً تین سو (۳۰۰) کتابوں کا تذکرہ تھا۔ (۴۳) ابو عبداللہ محمد بن النعمان المعروف بابن المعلم المتوفی ۴۱۳ھ کی الفہرست چھوٹی بڑی تقریباً دو سو (۲۰۰) کتابوں کی کتابیات تھی (۴۴)۔

اس سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ ابن الندیم نے الفہرست کا لفظ کتابیات کے معنی میں بطور اصطلاح استعمال کیا ہے وہ اس کا وضع کردہ نہیں تھا بلکہ قدماء میں بھی اس لفظ کا استعمال عام تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ الفہرست کو مذکورۂ بالا معنی میں سب سے پہلے ابو العباس حمیری نے استعمال کیا تھا اور یہ فہرستیں علماء میں متداول و معروف تھیں۔ لیکن علم کتابیات کے نقطۂ نظر سے اس پر تنقید کی گئی ہے چنانچہ ابو جعفر طوسی فرماتے ہیں:

"ان میں سے ہر ایک کی غرضِ تالیف اپنی مرویات کو بیان کرنا اور اپنے خزائنِ کتب کی کتابیات مرتب کرنا تھا۔ کسی کا مقصد جامعیت و احاطہ نہیں تھا۔ صرف ابوالحسین احمد بن الحسین المعروف بابن الغضائری (جو طوسی کے معاصر تھے) نے بقدرِ استطاعت احاطہ واستیعاب کے مقصد سے دو کتابیات مرتب کی تھیں ایک فہرستہ المصنفات اس میں مصنفات کا ذکر تھا اور دوسری فہرستہ الاصول تھی اس میں (اصولی نسخوں) کو بیان کیا تھا لیکن ہمارے علماء نے اسکی ان فہرستوں کے نسخے نقل نہیں کئے اور اس کا انتقال ہو گیا اسکے ورثاء نے بھی ان دو کتابوں کو اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں کو بھی برباد کر دیا جیسا کہ بعض علماء نے ان کے ورثا کی نسبت کہا ہے" (۴۵)۔

ابو جعفر طوسی کے مذکورۂ بالا بیان کی روشنی میں یہ کہا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں کتابیات کی ترتیب کے اصول و معیار مقرر ہو چکے تھے۔ چنانچہ طوسی مذکورۂ بالا کتابیات کو ان معیار پر جانچتے ہوئے کتابیات کے ذیل میں ان کا ذکر ناپسند نہیں کرتا بلکہ ان کو کیٹلاگ قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات اور کیٹلاگ کے فرق کو سب سے پہلے مسلمانوں نے نمایاں کیا۔

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ راویانِ کتب کے پاس خزانۃ الکتب ہوتے

تھے۔ فن کی اور کتابوں کی طرح کتابیات کے نسخے بھی نقل کئے جاتے تھے اور علماء اپنے خزائنِ کتب کا کیٹلاگ بھی تیار کرتے تھے جو بعض اوقات معاصرین کی بے توجہی اور ورثا کے بخل کی وجہ سے برباد ہو جاتے تھے۔

ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی المتوفی ۴۶۰ھ نے نو سو نو (۹۰۹) ایسے شیعی مصنفین کی منتخب کتابیات (۴۶) مرتب کی ہے جنکی تصانیف کی موصوف کو اجازت روایت حاصل تھی اس کا نام بھی الفہرست ہے۔ یہ حروفِ تہجی پر مرتب ہے لیکن ان میں ہجائی ترتیب کی سختی سے پابندی نہیں کی ہے۔ اس وجہ سے ابراہیم کے بعد بابِ اسماعیل پھر بابِ اسحاق پھر بابِ آدم پھر بابِ ایوب پھر بابِ ابان اور اسکے بعد بابِ احمد وغیرہ کا عنوان قائم کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابِ ابراہیم کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم نام کے جتنے مصنفین ہیں انہیں یکجا بیان کیا گیا ہے لیکن باب کے ناموں میں حروف تہجی کی پابندی نہیں کی گئی ہے چنانچہ ابراہیم بن محمد پہلے اور ابراہیم بن صالح کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے اس طرح سے حروف کا تسلسل اور ان کی ترتیب قائم نہیں رہ سکی ہے تاہم انہیں حرفِ الف میں ہی رکھا گیا ہے۔

منتخب الدین علی بن بابویہ رازی (۵۰۴-۵۸۵ھ) نے فہرستِ طوسی کا ذیل "فہرست اسماء علماء الشیعۃ والمصنفین" کے نام سے نقیب عراق عزالدین یحیٰی المقتول ۵۸۹ھ کے لئے لکھا تھا جسے ان کے شاگرد برھان الدین محمد بن مجد بن علی نے رجب ۶۱۳ھ میں نقل کیا تھا۔ محمد باقر مجلسی نے اس فہرست کو بحار الانوار کی پچیسویں جلد میں نقل کیا ہے۔ (۴۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں ارکانِ ثلاثہ مصنف وار (Author-Wise) کتاب وار (Title-Wise) اور موضوع وار (Sujbject-Wise) کے علاوہ ایک رکن فرقہ وارانہ کتابیات کا بھی تھا۔

(۴) کتابیات کے اقسام

عہدِ عباسی میں علماء نے اپنی تصانیف و تالیفات کی فہارس (کتابیات) کی بہت بڑی تعداد یادگار چھوڑی ہے ان میں جو ہم تک پہنچی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اول عالم خود اپنی تالیفات کے تذکرہ پر کوئی کتاب یا رسالہ لکھتا اور اس میں اپنی مولفات و تصانیف کو نام بنام گنتا۔

(۲) کوئی عالم کسی دوسرے عالم کی تالیفات پر کوئی رسالہ یا کتاب لکھتا اور اس میں اس کی تدوینِ کتاب کے وقت تک تصنیفات و تالیفات کو نام بنام شمار کراتا۔

(۳) مولف اپنی تالیفات کے نام اپنے کسی ''اجازۃ'' میں جو اس سے اجازت روایت چاہتا، لکھتا تھا۔

عہدِ عباسی میں کتابیات کی مذکورۂ بالا اقسام ثلاثہ کا عام رواج تھا اور اس قسم کی کتابیات اس کثرت سے تیار کی گئی تھیں کہ ان کا شمار حد بیان سے باھر ہے۔ نوع اول کی کتابیات میں سے اسماء مولفات ابن ابی الدنیا (عبداللہ بن محمد قرشی المتوفی ۲۸۱ھ / ۸۹۲ء) کا ایک مخطوطہ فہرستِ کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے جس کا مجموعہ نمبر۴۲ ہے یہ فہرست (۵۷-۵۹) یعنی تین صفحات پر مشتمل ہے اسکا نام ''اسماءِ مصنفاتِ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی الدنیا علی حروفِ المعجم'' ہے۔ یہ حروفِ ہجا پر مرتب ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے (۴۸)۔

فہرسِ کتب محمد بن زکریا الرازی المتوفی ۳۱۳ھ اور فہرستِ مولفات ابی ریحان البیرونی المتوفی ۴۲۷ھ ان دو فہرستوں کو سخاؤ نے مقدمتہ الآثار الباقیہ میں نقل کیا ہے (۴۹)۔ جن میں ابو ریحان البیرونی کی حسبِ ذیل موضوعات پر ایک سو تیرہ (۱۱۳) تصانیف کا ذکر موجود ہے۔

(۱)	ھندسہ وفلکیات	۱۸
(۲)	حساب وریاضی	۸
(۳)	اصطرلاب	۵
(۴)	مواقیت وفصول	۵
(۵)	منازلِ قمر	۱۲
(۶)	مذنبات وذوائب	۵
(۷)	نجوم	۷
(۸)	ضوء (روشنی)	۴
(۹)	جغرافیہ	۱۵
(۱۰)	فارسی تصانیف وقصص	۱۳
(۱۱)	ادیان ومذاہب	۶
(۱۲)	وہ تصانیف جن کا نسخہ اس کے پاس موجود نہ تھا۔	۵
(۱۳)	وہ کتابیں جو مکمل نہ ہو سکیں۔	۱۰
	کل	۱۱۳

فہرسِ مولفات ابن الجوزی اسے سبط ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں موصوف کے تذکرہ میں باعتبار موضوعات بعنوان ''ذکر ما وقع الی بالشام من اسامی فہرست مصنفاتہ و مجموعاتہ و مولفاتہ''

نقل کیا ہے (۵۰)۔

فہرست کتب ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ اسے کورکیس عواد نے مجلۃ المجمع العلمی العربی دمشق جلد ۲۹ ۱۹۵۴ء و جلد ۳۰ ۱۹۵۵ء میں شائع کیا ہے (۵۱)۔

ایسی کتابیات جن میں علماء و محدثین نے اپنے اساتذہ سے پڑھی اور سنی ہوئی کتابوں کے ناموں کو سندِ شیوخ کے ساتھ نقل کیا ہے ان میں محمد بن احمد بن محمد مالکی اندلسی کی کتابیات

" فہرس تسمیہ ما رواہ الخطیب البغدادی دمشق من روایۃ من الاجزاء المسموعہ و الکبار مصنفہ وماجری مجراھا سوی الفوائد والامالی المنثورہ"

کا مخطوطہ جو ۴۶۲ھ کا لکھا ہوا ۱۲۶۔ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے اس مجموعہ کا نمبر ۸ ہے۔ اس کتابیات میں صرف ان کتابوں کا نام ذکر کیا گیا جو موصوف نے ۴۶۲ھ میں خطیب بغدادی کی دمشق میں آمد کے وقت ان سے پڑھی تھیں۔ اس کتابیات میں صرف کتاب اور مصنف کا نام ذکر کیا گیا ہے یہ حروفِ تہجی اور موضوعات کی ترتیب پر مرتب نہیں ہے (۵۲)۔

اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الاندلسی نے کتابوں کو استاد سے جس ترتیب سے پڑھا، اسی ترتیب سے انہیں کتابیات میں نقل کیا ہے۔ اس لئے یہ فہرست نہ حروفِ تہجی پر مرتب ہے نہ موضوعات پر حالانکہ اس دور میں دونوں ترتیبوں کا چلن ہو چکا تھا۔ یہ کتابیات چار سو چوہتر (۴۷۴) کتابوں اور مصنفوں کے ناموں پر مشتمل ہے۔

یوسف العش نے الاندلسی کی یہ کتابیات اپنی کتاب "الخطیب البغدادی" میں موضوعات پر مرتب کر کے نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
(۱) علومِ قرآن (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) کلام (۵) زہد و رقائق (۶) علومِ لغت (۷) ادب (۸) تاریخ اسکے متعلقات اور (۹) تشریح اسلام پر حاوی تھی (۵۳)۔

یہ سادہ و عام کتابیات کی مثال ہے اس نوع کی تشریحی کتابیات بھی مرتب کی جاتی تھی۔ عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو میں تشریحی کتابیات (Annotated Bibliography) کا بھی رواج تھا۔ چنانچہ حافظ ابوبکر محمد بن خیر بن عمر اموی اشبیلی المتوفی ۵۷۵ھ نے فہرسہ **"مارواہ عن شیوخہ من الدواوین المصنفہ فی ضروب العلم وانواع المعارف"** لکھی جو موضوعی ترتیب پر مرتب ہے اور اس میں مختلف علوم و فنون کی (چھوٹی بڑی) تقریباً دو ہزار سے زیادہ کتابوں کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ موضوعات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) علوم قرآن قرأت و تجوید وغیرہ میں۔
(۲) حدیث و علوم حدیث
(الف) مصنفات جن میں فقہ صحابہ و تابعین سے بحث کی گئی ہے۔
(ب) مسانید جو صحابہ کے اسماء پر مرتب ہیں۔
(ج) وہ مسانید جن کی تخرج احادیث ائمہ پر کی گئی ہے۔
(د) بقیہ حدیث کی مشہور کتب کا تذکرہ۔
(۳) کتب لغات و معانی حدیث۔
(۴) کتب علل حدیث، کتب تواریخ معرفۃ رجال۔
(۵) کتب سیر و انساب۔
(۶) کتب فقہ مالکی۔
(۷) کتب اصول دین اصول فقہ و فضل علم۔
(۸) کتب اشربہ۔
(۹) کتب فرائض۔
(۱۰) کتب تعبیر رؤیا۔
(۱۱) کتب زہد و رقائق۔
(۱۲) کثیر التصانیف نامور مصنفین کی تصانیف کے نام۔
(الف) تصانیف ابو بکر بن ابی الدنیا
(ب) تصانیف ابو سعید بن الاعرابی
(ج) تصانیف ابو بکر محمد بن حسین اجری
(د) تصانیف ابو ذر عبد بن محمد ہروی
(۱۳) کتب نحو، لغات، اشعار عرب و محدثین
(۱۴) کتب آداب لغات و شروح
(۱۵) تسمیہ کتب الشعراء شاعروں کی کتابوں کے نام اور ان شعراء کی کتابوں کے نام جنہیں ابو علی اسماعیل بغدادی اندلس لائے۔ ان کے علاوہ وہ کتابیں جن کا نام بغدادی نے ذکر نہیں کیا اور وہ جنہیں وہ قیروان لائے تھے۔
(۱۶) وہ کتابیں جن کو ابو مروان بن سراج نے روایت کیا اور اس سے پہلے انکا ذکر نہیں آیا۔
(۱۷) وہ کتابیں جنہیں ابو علی غسانی نے روایت کیا اور جن کی ابی مروان بن سراج سے

روایت کی اجازت ہے اور ان کا ذکر اوپر نہیں آیا۔

(۱۸) ان کتابوں کا ذکر جنہیں ابو الحجاج بن الاعلم نے ابی مروان سے روایت کیا اور اوپر ان کا ذکر نہیں آیا ہے۔

(۱۹) کتب اخبار اور ان کتابوں کا ذکر جنہیں ابو علی بغدادی نے روایت کیا ہے۔

(۲۰) فہارس جامعہ کا ذکر جن میں شیوخ کی روایت سے تصنیفات و تالیفات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲۱) ان شیوخ کے ناموں کا ذکر جن سے موصوف نے روایت کی ملے یا نہ مل سکے اور انہوں نے موصوف کو زبانی یا تحریری طور پر روایت کی اجازت دی۔

اس تشریحی کتابیات کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب و مصنف کتاب کا نام نقل کیا گیا ہے۔

(۲) صاحبِ فہرست نے مصنف کتاب تک اپنا سلسلہ بیان کیا ہے۔

(۳) یہ فہرست موضوعات کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔

(۴) ابنِ خیر نے فہرستِ مارواہ من شیوخہٖ الخ میں فہارس جامعہ کا تذکرہ کیا ہے اس لئے اس کو عہدِ عباسی کی کتابیات کی کتابیات (Bibliography of Bibliographies) بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس فہرست کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں کتابیات کی اتنی بڑی تعداد مرتب ہو چکی تھی کہ دوسرے موضوعات کی طرح "فہارس جامعہ" کے عنوان سے ان کی روایت اور ان کا تذکرہ کیا جاتا تھا نیز اس سے عہدِ عباسی میں کتابیات کی کثرت اہمیت تنوع اور عام دلچسپی کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ اس سے عہدِ عباسی میں کتابیات کے ارتقاء پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

عہدِ عباسی کے ایک عالم کے حدودِ ثقافت کا بھی علم ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ علم و معلومات کتنا وسیع اور متنوع تھا۔

علماء میں خود نوشت کتابیات (Personal Bibliography) کا بہت رواج تھا۔ یہ کبھی خود مصنف تیار کرتا اور کبھی کوئی عالم بناتا۔ اس کا سلسلہ تیسری صدی ہجری سے شروع ہو چکا تھا چنانچہ شیخ الاسلام قاضی ابو العباس احمد بن عمر بن سریج بغدادی شافعی (۲۴۹-۳۰۶ھ / ۸۶۳-۹۱۸ء) کی کتابیات ان کی چار سو (۴۰۰) تصانیف پر مشتمل تھی (۵۴)۔

ابو العلاء معری کی کتابیات کئی کراسوں میں تیار کی گئی تھی (۵۵)۔

ابو عبداللہ محمد سلمی المتوفی ۴۱۶ھ کی کتابیات تھی (۵۶)۔

مسعود ابن ناصر السجزی المتوفی ۴۷۷ھ نے ابنِ حبان بستی کی کتابیات "تذکرہ"

کے نام سے مرتب کی تھی (۵۷)۔

خطیب نے جب اس کا مطالعہ کیا تو ابنِ ناصر سے پوچھا کہ یہ سب کتابیں تمہارے پاس یا تمہارے شہر سجستان میں موجود ہیں؟ انہوں نے کہا بہت تھوڑی، خطیب نے کہا یہ ایسی جلیل القدر تصانیف تھیں کہ کثرت سے نقل کرائی جاتیں ان میں اہل علم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے انہیں لکھتے جلدیں بندھوا کر رکھتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سجستان کی ابنِ حبان بستی کی تصانیف سے ناواقفیت و بے بصیرتی اس سے مانع رہی ہے (۵۸)۔

خطیب کے مذکورۂ بالا بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہلِ علم و شائقینِ کتب انتخابِ کتب اور ذخائرِ کتب میں اضافے نیز تحقیقات کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کرنے کیلئے کتابیات کا مطالعہ نہایت غائر نظر سے کرتے، کتابوں کے متعلق نہایت مکمل معلومات (Upto-date Information) رکھنے اور انہیں شائع کرنے کے شائق تھے۔

عہدِ عباسی میں ان مقاصد کے لئے کتابیات کا استعمال مسلم معاشرے میں عام تھا۔ ابنِ الھیثم المتوفی ۴۳۰ھ کی کتابیات ان کی ۴۲۹ھ تک کی تصانیف پر مشتمل تھی (۵۹)۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصنفین کی انہی کتابیات کی مدد سے بعد کے تذکرہ نگار اور مورخین مصنفین کی تصانیف کو نام بنام گناتے اور ان کی مجموعی تعداد کو بتاتے ہیں (۶۰)۔

(ب) دار الخلافہ بغداد میں کتابیاتی سرگرمیوں کا جائزہ

عہدِ عباسی میں تیسری صدی ہجری میں ہر موضوع پر موضوعی کتابیات کی ترتیب و تدوین شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ یعقوب بن اسحاق کندی المتوفی (۲۶۰ھ / ۸۷۷ء) کی موضوعی کتابیات اٹھارہ (۱۸) موضوعات اور دو سو چھتیس (۲۳۶) کتابوں پر مشتمل تھی ان موضوعات پر کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) فلسفہ (۱۷ کتب و رسائل)
(۲) منطق.....۶۱
(۳) حسابیات.....۱۱
(۴) کرویات.....۸
(۵) موسیقیات.....۷
(۶) نجومیات.....۱۵
(۷) ہندسیات.....۲۳
(۸) فلکیات.....۱۶
(۹) طبعیات.....۲۰
(۱۰) احکامیات.....۱۰
(۱۱) جدلیات.....۱۶
(۱۲) نفسیات.....۵
(۱۳) سیاسیات.....۱۲
(۱۴) احداثیات.....۱۴
(۱۵) البادیات.....۸
(۱۶) تقدمیات.....۵
(۱۷) انواعیات.....۳۳ (۶۱) ۔

(۱) موضوعی کتابیات

موضوعی کتابیات اربابِ فن اور نامور اہل علم سے تیار کرائی جاتی تھیں۔ چنانچہ حنین بن اسحاق (۱۹۴-۲۶۰ھ / ۸۱۰-۸۷۳ء) نے علی بن یحیٰ کیلئے جالینوس کی کتابیات (فہرستِ جالینوس) مرتب کی تھی۔ اسکے مطالعہ کی روشنی میں ابن الندیم نے یہ کہا ہے کہ حنین کے بیشتر ترجمے سریانی میں تھے اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ حبیش اعسم اور عیسیٰ بن یحیٰ نے جن کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ہے وہ بھی حنین سے منسوب کی گئی ہیں (۶۲)۔ ابو بکر محمد رازی المتوفی ۳۳۱ھ / ۹۲۳ء نے اس کتابیات پر استدراک'

"کتاب فی استدراک مابقی من کتب جالینوس مالم یذکرہ حنین ولا جالینوس فی فہرستہ" لکھا تھا۔ (۶۳)

رازی نے پہلی مرتبہ کتابیات کی دنیا میں تحقیق کا دائرہ یہاں تک بڑھایا کہ خود جالینوس سے جن کتابوں کا تذکرہ رہ گیا تھا اسکا کھوج لگایا اور علمی دنیا کو واقفیت کیلئے پیش کیا۔

یحیٰ بن عدی المتوفی ۳۶۴ھ / ۹۷۵ء نے ارسطو (۳۸۴-۳۲۲م) کی تصانیف اور ان کی شروح پر مشتمل "فہرستِ کتب ارسطاطالیس" مرتب کی تھی۔ ابن الندیم نے یہ فہرست یحیٰ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی تھی (۶۴) لیکن خود اس نے یحیٰ کی تصانیف میں اس کتابیات کا ذکر نہیں کیا

(۶۵) اور نہ **القفطی** وغیرہ نے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا۔ (۶۶)

یہ اس امر کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس قسم کی کتابیات اس دور میں تیار کی جاتی تھیں لیکن ہر مقام پر ان کے بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

"فہرستِ **اسماء الخطباء والبلغاء**" یہ ابو علی ابن مقلہ خطاط المتوفی ۳۲۸ھ نے طبقات پر مرتب کی تھی۔ ابنِ الندیم نے اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ فہرست دیکھی تھی۔ اس نے اسی ترتیب و الفاظ کے ساتھ اسے کتاب الفہرست میں نقل کیا ہے (۶۷) مورخ ہشام کلبی المتوفی ۲۰۶ھ اور مدائنی المتوفی ۲۱۵ھ کی تصانیف کی موضوعی فہرست **بخط** ابو الحسن بن الکوفی المتوفی ۳۴۸ھ/۹۶۰ء کو اسی ترتیب و عنوانات کے ساتھ من و عن الفہرست میں نقل کیا ہے (۶۸)۔

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں مصنفین کی موضوعی اور عام ہر دو قسم کی کتابیات تیار کئے جانے کا رواج ہو گیا تھا چنانچہ جابر بن حیان المتوفی ۲۰۰ھ/۸۱۵ء کے نامور شاگرد خرقی کی تصانیف کی دو فہرستیں ایک فہرستِ کبیر (Comprehensive) کیمیا اور دوسرے موضوعات پر تھی اور دوسری فہرستِ صغیر (Abridge) صرف علم کیمیا کی کتابوں پر محیط تھی (۶۹)۔

تیسری صدی ہجری میں ہر موضوع پر کتابوں کی کثرت نے اہلِ علم کو موضوعی کتابیات کی ترتیب پر مائل کیا پھر چوتھی صدی ہجری میں ابو الفرج محمد بن اسحاق الوراق المعروف ابنِ الندیم نے فہرس الفہارس (کتابیات کی کتابیات) ترتیب دی اس دور میں **فہرس الفہارس** کی اصطلاح ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لئے ابنِ الندیم نے اس وسیع مفہوم کو حسبِ ذیل الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ عرب و عجم کی ان تمام (منتخب) کتابوں کی فہرست ہے جو عربی زبان میں لکھی گئی تھیں یا مختلف علوم وفنون سے عربی میں منتقل کی گئی ہیں' (۷۰)

ظاہر ہے ان کا احاطہ کتابیات کے بغیر کیسے ممکن تھا غالباً اس جامعیت کی وجہ سے ابنِ الندیم نے اس کتاب کا نام **سیبویہ** کی الکتاب کی طرح الفہرست رکھا جو اس امر کا غماز ہے کہ یہ کتاب الفہرست علمِ کتابیات کی جملہ مروجہ معلومات ومدونہ کتابیات کو حاوی ہے۔

یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ ابنِ الندیم نے اگرچہ "ھذا فہرست کتاب جمیع الامم من العرب و العجم الخ" کے الفاظ لکھے ہیں لیکن کتاب کے مطالعہ واستقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ "جمیع" کا لفظ کثرتِ کتب کے اعتبار سے لایا گیا ہے اس سے مراد مصنفین وغیرہ کی مشہور و متداول کتابوں کا تذکرہ ہے جیسا کہ ابنِ الندیم نے فقیہ زعفرانی المتوفی ۲۶۰ھ کے تذکرہ میں کہا ہے:

”ہمیں زعفرانی کی روایت کردہ کتابوں کو نام بنام ذکر کرنے کی حاجت نہیں اس لئے کہ وہ زیادہ تر فنا ہو چکی ہیں اور تصنیف کے بعد وہ نقل بھی نہیں کی گئی ہیں (۷۱)۔ بعض کے متعلق کثیر التصانیف ہونے کی تصریح کر کے ان کی چند تصانیف کو بیان کرنا (۷۲) یا کسی مصنف کے بارے میں اس کا ”ومن کتبہ“ الخ (۷۳) کے الفاظ لکھنا پھر فہارس کو موضوعی کتابیات مصنفین کو ہر مقام پر من وعن نقل نہ کرنا بلکہ بعض مقام پر انہی کتابوں کو درج کرنا جن کو خود دیکھا یا معتبر لوگوں سے سنا ہے۔

یہ وہ قرائن ہیں جو تصانیف کے دائرہ کو منتخب ومتداول کتابوں تک محدود رکھنے کی دلیل ہیں۔ اس نے چونکہ اپنے زمانے میں پائی جانے والی کتابوں کا بھی اندارج کیا ہے اس لئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہدِ گذشتہ کی کتابیات ہی (Retrospective Bibliography) نہ تھی بلکہ یہ رواں کتابیات (Current Bibliography) بھی تھی۔

”الفہرست“ میں کتابوں کے اندارج میں کتاب کے معروف وغیر معروف دونوں نام نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا تاکہ کتابیات سے فائدہ اٹھانے والے کو اشتباہ نہ ہو مثلاً ابو عبدالرحمٰن محمد ضبی کی کتاب الزکاۃ کے متعلق کہا ہے کہ یہ کتاب السنن کے نام سے بھی معروف ہے (۷۴) یا وکیع کی کتاب الطریق نواحی کے نام سے بھی مشہور ہے (۷۵)۔

مشتبہ مقام پر ماں باپ کے نام کی نسبت کو بھی ظاہر کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ باپ کا نام نہیں ہے مثلاً محمد بن حبیب کے متعلق کہا ہے کہ حبیب ماں کا نام ہے (۷۶) اور اسماعیل بن علیہ کی نسبت کہا ہے کہ علیہ ماں کا نام ہے (۷۷) کہیں لقب کے معنی اور وجہِ لقب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً قطرب کے معنی حرکت کناں کیڑا اسے چونکہ قرار نہیں تھا یہ سیبویہ کے پاس سویرے ہی آ جاتا تھا اس لئے اس نے اس کا نام ہی قطرب رکھا تھا (۷۸)۔

مصنفین کے علمی مقام کو واضح کرنے اور ان کی تخلیقات کی اہمیت کو بیان کرنے کیلئے امام فن کا قول پیش کیا ہے مثلاً اصمعی کے متعلق کہا ہے کہ ابو العباس مبرد کا قول ہے کہ اصمعی شعر و معانی میں سب سے بلند و برتر ہے یہی حال ابو عبیدہ کا ہے لیکن وہ علمِ نسب میں اصمعی سے بلند تر تھا اور اصمعی علمِ نحو کا اس سے بڑا عالم تھا (۷۹) اس نوع کے تبصرے متعدد مقامات پر کئے ہیں (۸۰)۔ الفہرست کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں تشریحی کتابیات (Annotated Bibliography) کا آغاز ہو چکا تھا۔ چنانچہ ابن الندیم نے الفہرست میں کتاب کے طرز و انداز کو بتایا مثلاً ابنِ قتیبہ کی کتاب ادب الکاتب کے متعلق کہا ہے کہ: ”یہ معارف ابنِ قتیبہ کی طرح ہے“ (۸۱)۔

مصنفین کے طرزِ تصنیف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً کہا کہ فلاں مصنف کو تصنیف کا اچھا سلیقہ تھا (۸۲) فلاں مصنف فلاں انداز پر کتاب لکھتا ہے (۸۳) یا فلاں فلاں میں یہ فرق ہے اور ان میں فلاں زیادہ ماہر ہے (۸۴) مثلاً فراء اپنی تصانیف میں فلاسفہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے (۸۵) ابو زید بلخی کی فلسفیانہ تصانیف فلاسفہ کی بنسبت اہل ادب سے زیادہ قریب ہیں اس لئے ان کا ذکر بھی ادباء کے زمرے میں کیا گیا ہے (۸۶) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں فہرست ساز اسالیب تصانیف پر بھی گہری نظر رکھتا تھا اور الفہرست اس دور کی تصانیف کے اسلوب پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ کوئی کتاب اگر کسی مصنف سے منسوب ہوتی ہے تو اسکی طرف اشارہ کیا ہے (۸۷)۔

کسی مصنف نے بہت سے موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں تو اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی کتابوں کی قدر و قیمت کو کتب خانہ کے نقطہ نظر سے بتایا ہے (۸۸)۔

وہ مصنفین جن کی تصانیف کی طرف اہلِ علم کی توجہ حسنِ ضبط کی (۸۹) یا حسنِ خط کی وجہ سے رہی ہے (۹۰) اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر کسی خاص شہر میں ان کو قبول عام حاصل رہا ہے اسکو بھی بتایا ہے (۹۱)۔

مختلف مرتب دواوین کے اشعار کی تعداد کو بیان کیا ہے (۹۲)۔

کسی مشہور عالم کی کوئی کتاب نظر سے نہیں گزری صرف مسودات ہی مطالعہ سے گزرے ہیں تو اس کی طرف بھی اشارہ کیا گویا علمی و تحقیقی ورثے کو نظر انداز نہیں کیا ہے چنانچہ بلخی فلسفی کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے مسودات اہلِ علم کے پاس بہت دیکھے ہیں لیکن کوئی پوری کتاب نہیں دیکھی یہ کہا جاتا ہے کہ خراسان میں اسکی تصانیف موجود ہیں (۹۳) رازی نے اس کی تصانیف کو اپنی تصانیف قرار دیا ہے (۹۴)۔

مشترک مصنفین کی نشاندھی کی ہے (۹۵)۔

ابنِ الندیم نے جگہ جگہ کتابوں کے اوراق کی تعداد بتائی ہے ایک مقام پر تصریح کی ہے کہ بغیر کسی نسبت کے ورق کا ذکر کیا گیا ہے ان سے ورق سلیمانی مراد ہے جو بیس سطری ہوتا ہے۔ ہر شاعر کے کلام کی تعداد کو اسی ورق میں بیان کیا ہے تاکہ ان کے کلام میں کمی بیشی کی نشاندھی ہو سکے اور جو شخص ان کی کتابیں اور شعر جمع کرنے کا خواہاں ہے وہ علیٰ وجہ البصیرت اس سے آگاہ رہے یہ اندازہ تقریبی ہے تحقیقی نہیں (۹۶)۔ اسی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ عہدِ عباسی میں کتابیات میں (Collation) کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الفہرست کی تدوین کی غایت اہلِ علم میں کتابوں کے متعلق بصیرت افروز معلومات فراہم کرنا اور ذخائرِ کتب میں اضافہ و انتخاب میں مدد اور آسانی پیدا کرنا

تھا انہی مقاصد کے پیش نظر ایک صنف کے نامور مصنفین کو تقدم و تاخر زمانی و مکانی اور ترتیب حروفِ تہجی کا لحاظ کئے بغیر ہر مقام پر ایک ہی جگہ بیان کیا ہے پوری کتاب میں اس کا یہی انداز ہے (۶۷)۔ ابنِ الندیم کے بعد بھی فہرست نگاروں نے مذکورہٌ بالا اصول کو اپنایا ہے جیسا کہ ابنِ خیر کی فہرستِ ماروّاہٗ عن شیوخہ سے ظاہر ہے۔

ابنِ الندیم نے کسی اہم کتاب کا نسخہ کسی کے پاس دیکھا ہے تو اس کی تفصیل پیش کی ہے مثلاً کتاب القبائل والایام محمد بن حبیب اخباری المتوفی ۲۴۵ھ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کتاب موصوف نے فتح بن خاقان کے لئے تصنیف کی تھی اسکا اصل نسخہ ابو القاسم بن ابو الحطاب بن فرات کے پاس دیکھا یہ **طلحی** کاغذ پر تیس (۳۰) سے کم اجزاء پر مشتمل تھا اس نسخہ کی ظاہری ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اصل مقدار سے کم ہے اس کا ہر جزو دو سو (۲۰۰) یا اس سے زیادہ اوراق پر مشتمل تھا۔ اس نسخہ کی فہرست طلحی کاغذ کے پندرہ (۱۵) اوراق پر خط جرک میں تستری بن علی وراق کی لکھی ہوئی ہے اور یہ فہرست قبائل اور ان کی سرگذشتِ ایام پر محیط ہے (۹۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضامینِ کتاب سے اہلِ علم کو روشناس کرانے اور انہی موضوع میں فہرست سازوں اور درجہ بندی کرنے والوں کی رہنمائی کیلئے تیسری صدی ہجری کے نصفِ اول ہی میں فہرست (Table of Contents) کتاب کے شروع میں لگانے کی ابتداء ہو چکی تھی اور اس اہم کام کے آغاز کا سہرا محمد بن حبیب بغدادی کے سر ہے۔

(۲) فہرستِ مضامین کتاب کیلئے لفظ ''ثبت'' کا استعمال

ابن الندیم نے فہرستِ مضامین کتاب کیلئے ''ثبت'' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۲ھ کی کتاب الصفات کے متعلق لکھا ہے کہ ''بڑی کتاب ہے ابو عبید نے غریب المصنف میں اس سے استفادہ کیا ہے میں نے اس کا ثبت ابو الحسن بن کوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے جو من وعن نقل کرتا ہوں پھر ہر جلد کے مضامین کی فہرست پیش کی ہے'' (۹۹)۔

(۳) مصطلحاتِ فنِ کتابیات کا استعمال

ابن الندیم نے مصطلحاتِ فن (Terminology) کو استعمال کیا مثلاً زائدہ ابن قدامہ الشہید المتوفی ۳۶۱ھ کی کتاب السنن کے لئے لکھا کہ یہ انہی ابواب پر مشتمل ہے جن پر کتاب السنن ہوتی ہیں جیسے کتاب الطہارہ صیام وصلاۃ وغیرہ (۱۰۰)۔

الف بائی ترتیب کی وضاحت کے لئے مثلاً دو لفظ ''عملہ علی حروف المعجم'' اور ''علی الحروف'' کی اصطلاح استعمال کی ہے (۱۰۱)۔ اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلم مرتبین کتابیات نے تشریحی اندراجات میں ایسی معلومات پیش کیں جو اہل علم کی ترغیب کا باعث ہوئیں یہی وجہ ہے کہ صرف موضوع ہی نہیں خود کتاب سے آگاہی بھی اس دور میں اہلِ علم کو مطالعۂ کتاب پر آمادہ کرنے کے لئے کافی تھی۔

اس سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ ابن الندیم نے کتابیاتی اندراجات میں موجودہ کتابوں کے نادر نسخوں سے ہی اعتناء نہیں کیا بلکہ قدیم نادر ونایاب کتب کی توجہ اہل علم کی طرف منعطف کرانے کیلئے تشریحی کتابیات پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

ابن الندیم نے کتابوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے میں اپنے ماخذوں کی نشاندھی کی ہے چنانچہ جن کتابوں کو بچشمِ خود دیکھا ہے ان کے کاتبوں کے نام کی تصریح کی ہے (۱۰۲) اور جن علماء سے معلومات حاصل کی ہیں ان کا بھی حوالہ دیا ہے (۱۰۳) کبھی دو فنون کی کتابوں کو ایک مقام پر دو عنوان سے پیش کیا ہے (۱۰۴) بعض موضوع پر ایسی مشہور کتابوں کو جن کے مصنفین کا علم نہیں ہے ان کو بھی فہرست میں جگہ دی ہے (۱۰۵)۔ اپنے معاصر مصنفین کا ذکر شہرت وہمعصر ہونے کی وجہ سے نہایت مختصر کیا ہے (۱۰۶)۔

بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن الندیم نے بعض مقامات پر کتابیں بروقت دستیاب نہ ہونے یا ان کے مولفین کے متعلق معلومات فراہم نہ ہونے کی وجہ سے بیاض چھوڑی تاکہ معلومات مل جانے کی صورت میں ان کا اضافہ کیا جا سکے اس نوع کے اضافہ کا اختیار ناظرین کو

بھی دیا ہے (۱۰۷)

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ کتابیات کی تاریخ میں کتب خانے کے نقطۂ نگاہ سے تبصرے تنقید وجائزے اور تعارفِ کتب کی طرح سب سے پہلے ابن الندیم نے ذاتی عہد عباسی میں کتاب کی ظاہری وباطنی ہیئت کو نمایاں کرنے کی سعی بلیغ کی اگرچہ بعض علمی دشواریوں کی وجہ سے ہر جگہ ان امور کا التزام نہیں کیا جا سکا ہے تاہم جہاں بسہولت ممکن ہو سکا مذکورہ بالا امور کی روشنی میں کتاب کے ہر دو رخ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مخطوطات کی ظاہری وباطنی ہیئت کو نمایاں کرنے کے لئے مذکورۂ بالا امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جو ابن الندیم کے وضع کردہ رہنما اصول کی افادیت واہمیت اور قبولیت وکامیابی کا نہایت بین ثبوت ہے۔

ابن الندیم پہلا ماہرِ کتابیات ہے جس نے چوتھی صدی ہجری میں کتابیاتی اندراج (BibliographicalCitation) میں تنوع ووسعت پیدا کی اور کتابیاتی مواد کے قوام میں ایسے بنیادی اجزاء کو شامل کیا جن کے اندراج کے بعد کتاب کا پورا تعارف وتشخص ہو جاتا اور کتاب کے طلبگار کو کتاب کی ظاہری اور باطنی ہیئت کو سمجھنے میں کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی ہے۔ کتابیاتی مواد کے اندراج میں جن بنیادی اجزاء کو شامل کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) مصنف	(*Author*)
(۲) کتاب	(*Title*)
(۳) ایڈیشن	(*Edition*)
(۴) مقامِ اشاعت	(*Place of publication*)
. وراقتی تفصیل	(*IMPRINT*)
(۵) ناشر	(*Publisher*)
(۶) تاریخِ اشاعت	(*Date of publication*)
(۷) تعداد اوراق	(*Pages*)
(۸) اجزاء ومجلدات	(*Volumes*)
(معروضی تفصیل	(*COLLATION*

اس ترقی یافتہ دور میں ان اجزاء میں (۱) مقام اشاعت (۲) ناشر (۳) تاریخ اشاعت کو Imprint کے نام سے یاد کیا جاتا اور کیٹلاگنگ کے بنیادی اجزاء میں اس کا شمار ہے بقیہ اجزاء کو Collaction میں داخل کیا گیا ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کتابیاتی اندراج اور کیٹلاگنگ دونوں میں قدرے تغیر واصلاح کے ساتھ ابن الندیم کی وضع کردہ اساس پر عمل کیا جاتا ہے جو اسکے کتابیاتی مواد کے اندراجی اجزاء کے انتخاب ساخت اور ان کی صحت نیز اس کی بنائی اور اپنائی ہوئی مبادی کی اہمیت افادیت واستحکام کی نہایت روشن دلیل اور اس کے ذہن کی جدت واختراعِ فنِ کتابیات سے طبعی مناسبت اس فن میں اس کی مجتہدانہ بصیرت کی شاہد عدل ہے۔

(ج) کتابوں میں حوالوں کا اہتمام اور کتابیات کا آغاز

عہدِ عباسی میں جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا اور کتابیں استعمال میں آنے لگیں تو علماء مصنفین اپنی کتابوں میں حسبِ ضرورت ان کے حوالے دینے لگے تھے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری میں غالباً سب سے پہلے ائمہ لغت ابو زید نصاری بصری (۱۲۲-۲۳۹ھ) نے کتاب النوادر فی اللغہ کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ میں نے جو اشعار قصائد میں نقل کئے ہیں وہ مفضل بن محمد ضبی کوفی سے سنے ہیں اور جو لغات ابوابِ رجز میں پیش کئے ہیں اس کا سماع عرب سے کیا ہے (۱۰۸)۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے کتاب العلل میں ائمہ فن کی کتابوں کا حوالہ دینے اور اپنے پیش نظر ماخذوں کی نشاندھی کرنے کا اہتمام کیا تھا چنانچہ موصوف کتاب العلل میں رقم طراز ہیں۔

"جامع ترمذی میں جو باتیں عللِ احادیث رجال و تاریخ کی بیان کی ہیں وہ میں نے بخاری کی التاریخ الکبیر سے لی ہیں اور اقوالِ فقہاء اور علل حدیث کے سلسلہ میں پیشوایانِ فنؑ ہشام بن حسن (المتوفی ۱۴۷ھ) عبد الملک بن عبدالعزیز بن جریج (المتوفی ۱۵۰ھ) سعید بن ابی عروبہ (المتوفی ۱۵۶ھ) مالک بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ) حماد بن سلمہ (المتوفی ۱۶۷ھ) عبداللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (المتوفی ۱۸۲ھ) و وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) عبدالرحمن بن مہدی (المتوفیٰ ۱۹۸ھ) وغیرہ اہلِ ہم علم و فضل کی تصانیف پیش نظر رہی ہیں (۱۰۹)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تصانیف کا سلسلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک عالم دوسرے عالم کی کتابوں کا حوالہ دیتا تھا۔ حوالہ کی صورت بھی ترقی پذیر رہی ہے۔

چوتھی صدی میں جب ہر موضوع پر کتابوں کا ذخیرہ زیادہ فراہم ہو گیا تو مصنفین نے اوائلِ کتاب میں اپنے ماخذوں کی نشاندھی ضروری سمجھی تاکہ قاری کو موضوع سے متعلق مصنف کے پیشِ نظر تحقیق و مستند نسخوں کا علم ہو سکے اور اقتباسات کو سمجھنے میں مدد مل سکے نیز مصنف کی کتاب بھی مستند سمجھی جائے۔ کبھی ایسا کیا جاتا تھا کہ مصنف کتابیات کی وضاحت جداگانہ رسالہ میں کرتا تھا چنانچہ ابو داؤد بجستانی المتوفی ۲۷۵ھ / ۸۸۹ء نے کتاب السنن کی کتابیات ایک مستقل رسالہ میں جو "رسالتہ ابی داؤد الیٰ اہلِ مکہ فی وصفِ سننہ" کے نام سے موسوم ہے بیان کی تھیں (۱۱۰)۔

ان مقاصد کے پیشِ نظر مصنف ابتداء میں کبھی کتابوں کے نام نقل کرتا اور کبھی کتاب کے آخر میں ذکر کرتا اور بعض مواقع پر دورانِ بحث دوسرے مصنفین کی شہادتوں پر اعتماد کر کے حوالوں سے کتاب کو زینت دیتا جو اسکے خزائنِ کتب یا اسکی دسترس میں نہیں ہوتی تھیں تاکہ جب کبھی اور جہاں کہیں قاری کو وہ کتابیں مل سکیں وہ ان سے استفادہ کر سکے۔ چنانچہ ابن فارس المتوفی ۳۹۵ھ نے معجم مقائس اللغہ میں کتابیات کے اس اسلوب کو اختیار کیا اور مقدمہ کتاب میں بنیادی پانچ کتابوں کتاب العین خلیل، کتاب غریب الحدیث، ابو عبید، کتاب المنطق ابن السکیت، کتاب الجمہرۃ ابن درید کو بیان کر کے لکھا کہ ان کے علاوہ لغت کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بھی پیشِ نظر رہی ہیں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کتابوں سے ماخوذ ہے(۱۱۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مصنفین نے تیسری صدی ہجری میں کتاب کے آخر میں اور چوتھی صدی ہجری میں آغازِ کتاب میں کتابیات پیش کرنے کی جو اساس قائم کی تھی اس پر بادنیٰ تصرف آج تک عمل جاری ہے۔ یہ طرزِ علم قاری کی مصنفین اور کتابوں تک رہنمائی میں مدد دیتا ہے اور کتابیاتی مقاصد کو پورا کرتا تھا۔

(۱) مواد کی حیثیت اور تبصرہ

(SURVEYOFRESEARCH)

پانچویں صدی ہجری میں کتابیات کے استعمال کا رواج عام ہو گیا تھا۔ مورخ اسلام ابن عبد البرالمتوفی ۴۶۳ھ نے "الانباہ علی قبائل الرواہ" میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ان کو مقدمہ میں نام بنام شمار کرا کر کہا "میں نے اس کتاب کو انساب کی بنیادی کتابوں سے ترتیب دیا ہے جن میں:

(۱) کتاب ابو بکر محمد بن اسحاق
(۲) کتاب ابی المنذر رہشام بن محمد سائب کلبی
(۳) کتاب ابو عبیدہ معمر بن المثنی
(۴) کتاب محمد بن عبدہ ابن سلیمان
(۵) کتاب محمد بن حبیب
(۶) کتاب نسب قریش ابو عبداللہ احمد بن محمد بن عبید عدوی
(۷) کتاب نسبِ قریش زبیر بن بکار
(۸) کتاب نسبِ قریش مصعب بن عبداللہ زبیری
(۹) کتابِ انساب العرب علی بن کیسان کوفی

(۱۰) کتاب علی بن عبدالعزیز جرجانی

(۱۱) کتاب عبدالملک بن حبیب اندلسی اس کے علاوہ فقرے اور جملے میں نے حدیث و آثار اور کتبِ تاریخ و ادب سے لئے ہیں" (۱۱۲)۔

موصوف نے جب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" لکھی تو اس میں بھی کتابیات کو آغازِ کتاب میں بیان کیا اور کہا "میں نے اس کتاب میں جو لکھا وہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے ابنِ اسحاق کی کتاب سے طبقات واقدی سے (۱۱۳) تاریخ واقدی سے منقول ہے (۱۱۴) بعض کتابیں نہیں مل سکیں ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالے سے نقل کیا ان کو بھی بتا دیا ہے مثلاً ہم نے جو مصعب بن عبداللہ ابو المدائنی اور ابو معشر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کتاب ابنِ ابی خیشمہ سے ماخوذ ہے (۱۱۵)۔ تاریخ بخاری، تاریخ ابو العباس محمد بن اسحاق سراج، ابنِ جریر طبری، ذیل المذیل، ابی البشر دولابی کی کتاب المولدۃ والوفاہ سے استفادہ کیا ہے صحابہ کی جنگ و شہادت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات، اسلام یہ باتیں طبقاتِ کبیر ابن سعد سے لکھی ہیں اسکے علاوہ جو باتیں ہیں وہ ابو علی سعید بن عثمان بن السکن کی کتاب "الحروب فی الصحابہ" (۱۱۶) اور ابو محمد جارود کی کتاب الصحابہ کتاب ابو جعفر عقیلی اور کتاب ابنِ ابی خیشمہ سے منقول ہے۔ میں نے ابنِ ابی حاتم رازی کی کتاب اور ازرق دولابی بغوی کی کتاب الصحابہ کا بھی مطالعہ کیا ہے اس کتاب میں ان کتابوں کے علاوہ بھی معلومات ہیں جو شیوخ سے سنی ہیں (۱۱۷) اور انساب کی کتابوں کا تذکرہ ہم نے کتاب الانباہ میں کیا ہے (۱۱۸)۔

کتب خانہ سازی کتابوں کی تخلیق و تنظیم فہرست سازی ذخیرے میں اضافہ اس سے استفادہ وافادہ کیلئے تربیت یافتہ عملہ کتب خانہ کی عمارت کی تعمیر یہ وہ مراحل ہیں جن کی تکمیل کیلئے مالیات وانتظامیہ کا شعبہ ناگزیر ہے۔ بابِ دہم میں مالیات وانتظامیہ کے شعبہ سے بحث کی گئی ہے۔

فہرست ماخذ

(۱) الصغانی ج ۳ ص ۴۰۵------ الزبیدی، تاج العروس ۸ ج ۴ ص ۲۱۱------ ابن منظور، ج ۸ ص ۴۸------ سعید الشرثوتی اقرب الموارو فی فصح العربیہ والشوارو (بیروت مطبع مرسلی الیسوعیین ۱۸۹۳ء) ج ۳، ص ۱۷ (مادہ فہرس)------ الخفاجی ص ۵۲

(۲) دہخدا شمارہ مسلسل ۷۹ شمارہ ن ف ص ۳۴۶

(۳) ایضاً

(۴) Lane, Arabic English Loxicon. Book 1, Part 6, p.2453 New York: 1956

(۵) البیرونی کتاب الجماہر فی معرفۃ الجواہر (حیدر آباد الدکن مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ۳۵۵(a) ص ۱۳۰

(۶) الزبیدی ج ۱ ص ۵۳۴ مادہ ثبت------ عبدالحی الکتانی فہرس الفہارس والاثبات والمعاجم والمشیخات (فاس المطبعہ الجدیدہ ۱۳۴۶ھ) ج ۱ ص ۳۹------ ۴۰

(۷) ابن الجوزی صید الخاطر ص ۴۴۰------ ۴۴۱

(۸) عمر بن خلف مکی الصقلی تثقیف اللسان و تلقیح الجنان تحقیق عبدالعزیز مطر (القاہرۃ المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ ۱۳۸۶ھ) ص ۵۴

(۹) الخوارزمی مفاتیح العلوم ص ۳۹

(۱۰) الخفاجی ص ۳۰۵

(۱۱) المطرزی ج ۱ ص ۳۲

(۱۲) ابن ابی الربیع، برنامج ابن ابی الربیع (الاہوانی مقدمۃ المحقق) (القاہرۃ مطبع مصر ۱۹۵۵ء) ص ۳------ ۴

(۱۳) ایضاً ص ۴

(۱۴) ایضاً ص ۱۴

(۱۵) ایضاً ص ۱۴

(۱۶) ایضاً ص ۱۶

(۱۷) ایضاً ص ۱۰------ ۱۲

(۱۸) محمد الانصاری الرصاع، فہرست الرصاع، تحقیق محمد العنابی (تونس، المکتبۃ العتیقۃ امحدیثہ ۱۹۶۷ء) ص ک (المقدمہ)

(۱۹) الاھوانی ص ۲۹

(۲۰) ایضاً ص ۸

(۲۱) ایضاً ص ۷

(۲۲) ایضاً

(۲۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۲ ص ۱۰۵۹

(۲۴) ابن خیر ص ۴۳۲

(۲۸) ایضاً ص ۴۲۵-۴۳۸

(۲۶) ایضاً ص ۴۲۶

(۲۷) ایضاً ص ۴۳۰ و ۴۵۵

(۲۸) ایضاً ص ۴۳۲

(۲۹) ایضاً

(۳۰) ایضاً ص ۴۲۹

(۳۱) ایضاً ص ۴۳۴

(۳۲) ایضاً ص ۴۳۰

(۳۳) ایضاً ص ۴۲۸

(۳۴) ایضاً ص ۴۳۱

(۳۵) ایضاً ص ۴۳۷

(۳۶) ایضاً ص

(۳۷) دانش "گنجور و برنامہ او" ہنر و مردم شمارہ ۱۲۸ (فرداد ماہ ۱۳۵۳ ف) ص ۵۱

(۳۸) الطوسی الفہرست ص ۲۴ نمبر (۱۴۱)

(۳۹) ایضاً ص ۱۰۱ نمبر (۳۱۸)

(۴۰) ایضاً ص ۱۲۸ نمبر (۴۴۱)

(۴۱) ایضاً ص ۱۶۰ نمبر (۵۹۰)

(۴۲) آغا بزرگ طہرانی الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج ۱۶ ص ۳۷۶ و ۳۹۴ دانش پژوہ "گنجور و برنامہ او" ہنر و مردم شمارہ ۱۲۶ (فروردین ۱۳۵۲ ف) ص ۹۴

(۴۳) الطوسی ص۱۲۵ نمبر(۴۳۳)

(۴۴) ایضاً ص۱۸۵ نمبر(۷۰۹)

(۴۵) ایضاً ص۱۸۶ نمبر(۷۱۰)

(۴۶) ایضاً ص۲۴

(۴۷) ایضاً ص۴۴۴۷۵۸۶۱۷۱۷۷۱۲۸۱۵۱۲۲۵

(۴۸) دانش پژوہ "گنجور و برنامہ او" ہنر و مردم شمارہ ۱۲۶ ص۹۰

(۴۹) المنجد ص۳۱

(۵۰) البیرونی الاثار الباقیہ عن القرون الخالیہ، تحقیق سخاو (Sachau) (لیزک Otto Harrassowitz, Leipzig ۱۹۲۳ء) ص۳۸-۴۰، ۴۷ ۴ (مقدمہ سخاو)۔ ابحاث الندوۃ العالمیۃ الاولیٰ لتاریخ العلوم عند العرب، المنعقدہ بجامعہ حلب من- ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ الموافق (۵-۳) نیسان (اپریل) ۱۹۸۶م حلب معہد التراث العلمی العربی جامعہ حلب ۱۹۷۷ء ۲۵۴

(۵۱) سبط ابن الجوزی ج۸ ص۴۸۳-۴۸۸

(۵۲) ایضاً ص۳۱

(۵۳) یوسف العش، الخطیب البغدادی مورخ بغداد ومحدثها (دمشق، المکتبۃ العربیۃ ۱۳۶۴ھ) ص۱۲-۱۱۶

(۵۴) الذہبی ج۳ ص۸۱۲------ السندی مقدمتہ کتاب التعلیم ص۲۴۸

(۵۵) القفطی ج۱ ص۵۶

(۵۶) الذہبی ج۳ ص۱۰۴۶

(۵۷) یاقوت معجم البلدان ج۱ ص۴۱۸

(۵۸) ایضاً

(۵۹) ابن ابی اصیبعہ، ج۳ ص۱۶۱

(۶۰) محمد بن عبدالقادر النابلسی اختصار طبقات الحنابلۃ (دمشق، مطبعہ الترقی، ۱۳۵۰ھ) ص۱۶۹

(۶۱) ابن الندیم ص۳۵۸-۳۶۵

(۶۲) ایضاً ص۴۰۳

(۶۳) ایضاً ص۴۱۷

(۶۴) ایضاً ص۳۵۱-۳۵۲

(۶۵) ایضاً ص ۳۶۹
(۶۶) القفطی ص ۳۶۱
(۶۷) ابن الندیم ص ۱۸۱ـ۱۸۲
(۶۸) ایضاً ص ۱۴۰ـ۱۴۷ـ۱۵۲
(۶۹) ایضاً ص ۵۰۰
(۷۰) ایضاً ص ۲
(۷۱) ایضاً ص ۲۹۷
(۷۲) ایضاً ص ۳۰۹
(۷۳) ایضاً ص ۲۰۵
(۷۴) ایضاً ص ۳۱۶
(۷۵) ایضاً ص ۱۶۶
(۷۶) ایضاً ص ۵۵
(۷۷) ایضاً ص ۸۷
(۷۸) ایضاً ص ۸۷
(۷۹) ایضاً ص ۸۳، ۱۳۶، ۱۴۰
(۸۰) ایضاً ص ۸۷، ۲۱۷، ۱۳۷
(۸۱) ایضاً ص ۹۲، ۱۶۶
(۸۲) ایضاً ص ۲۱۲ـ۲۱۳، ۴۶۰ـ۲۲۱
(۸۳) ایضاً ص ۴۷۱و ۴۲۳، ۴۲۸
(۸۴) ایضاً ص ۲۱۰
(۸۵) ایضاً ص ۹۹، ۱۷۳
(۸۶) ایضاً ص ۱۹۸
(۸۷) ایضاً ص ۲۱۴(تذکرہ کسروی)
(۸۸) ایضاً ص ۲۱۴”تذکرہ مروزی ۱۹۰(المرزبانی)
(۸۹) ایضاً ص ۱۲۰
(۹۰) ایضاً ص ۱۱۷ـ۱۱۸
(۹۱) ایضاً ص ۱۱۵، ۱۲۴، ۲۷۵

(۹۲) ایضاً ص ۲۴۱۲۴۰۲۳۵

(۹۳) ایضاً ص ۴۱۶

(۹۴) ایضاً

(۹۵) ایضاً ص ۳۸۵ (تذکرہ بنو الصباح)

(۹۶) ایضاً ص ۲۲۷

(۹۷) ایضاً ص ۲۱۰/ ۶۰‘ ۲۰۹

(۹۸) ایضاً ص ۱۵۵-۱۵۶------یاقوت‘ ج ۶ ص ۴۷۶------ محمد بن الحبیب کتاب المحبر (حیدر آباد الدکن‘ مطبع جمیعہ دائرہ المعارف العثمانیتہ‘ ۱۳۶۱ھ) ص ۵۱۰-۵۱۱ (کلمتہ الختام للکتاب لمحمد حمید اللہ)

(۹۹) ابن الندیم ص ۷۷

(۱۰۰) ایضاً ص ۳۱۶

(۱۰۱) ایضاً ص ۲۰۸‘ ۲۱۳‘ ۲۳۵

(۱۰۲) ایضاً ص ۱۱۷‘ ۴۲۳

(۱۰۳) ایضاً ص ۴۳۲

(۱۰۴) ایضاً ص ۱۳۶

(۱۰۵) الذہبی ج ۴ ص ۲۳۶ (۱۰۵۰) ابو مسلم عمر بن علی بخاری المتوفی ۱۴۶۶ء

(۱۰۶) ایضاً ص ۳۰۸

(۱۰۷) ایضاً ص ۲۷۴ (الزیدیہ)

(۱۰۸) ابو زید الانصاری ۱۲۲-۲۳۹ھ کتاب النوادر فی اللغہ تحقیق محمد عبد القادر احمد بیروت دار الشروق ۱۹۸۱ء ص ۱۴۲

(۱۰۹) الترمذی‘ سنن الترمذی (دھلی مطبع العلوم ۱۲۶۵ھ) ص ۶۴۷

(۱۱۰) ابو داؤد رسالہ ابی داود الی اھل بکۃ فی وصف سننہ تحقیق محمد الصباغ‘ اضواء الشریعہ العدر الخامس (جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ) ص ۲۷۸

(۱۱۱) ابن فارس ج ۱ ص ۳-۵

(۱۱۲) ابن عبد البر الانباہ علی قبائل الرواہ ص ۴۵-۴۶ یہ موصوف کی "کتاب القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم" کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

(۱۱۳) ابن عبد البر‘ الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب ج ۱ ص ۲۰-۲۱

(۱۱۴) ایضاً ص ۲۲
(۱۱۵) ایضاً ص ۲۳
(۱۱۶) ایضاً
(۱۱۷) ایضاً ص ۲۴
(۱۱۸) ایضاً ص ۲۵

باب دہم

انتظامیہ

خزائن کتب سے استفادہ و افادہ اور اس کے عملہ کی سہولت و نگہداشت کے لئے انتظامیہ کا ہونا ایک ناگزیر امر ہے۔ اس لئے باب دہم کا عنوان انتظامیہ رکھا گیا ہے۔ یہ باب دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصے میں کتب خانے کی مالیات، بجٹ، عمارت کتب خانہ، اسٹیک، کتب خانوں میں کاغذ کی درآمد، ذخیرہ اندوزی کا نظام، اندراجِ کتب، ترتیبِ کتب، اوقاتِ کتب خانہ، کتب خانہ میں کتب و سامانِ کتابت کی سہولت، تدوینِ کتب، مجلسِ کتب خانہ، استعارۂ کتب، اجراءِ کتب کا نظام، عاریتاً کتابیں لینے والوں کی اخلاقی ذمہ داریاں اور مستعار کتابوں کے قوانین کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں عملہ، خازن کے فرائض عہدِ عباسی کے مشہور خازن، مشرف و مناول وغیرہ، تحفظِ کتب کی احتیاطی تدابیر، کتابیں رکھنے کے ظروف، کتابوں کی درستی کے لئے مسالوں کا استعمال، جلد سازی، تزئین و آرائشِ کتب اور کتابوں کی تباہی کے داخلی و خارجی اسباب سے بحث ہے۔

باب دہم

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

○ کتب خانہ کی مالیات
○ مالیاتی ذرائع
○ تقابلی میزانیہ
○ عمارتِ کتب خانہ
○ عمارتِ کتب خانہ کی تعمیر میں مصر و یونان کی شہرت
○ انتخابِ زمین
○ تعمیر سے قبل انتخابِ زمین کے اصول
○ کتب خانے کے لئے مستقل عمارت کا آغاز
○ انہدام اور تعمیرِ نو
○ حیز (Steck)
○ کتب کانوں میں کاغذ کی در آمد اور ذخیرہ اندوزی کا نظام
○ اندراجِ کتب کا رجسٹر
○ کتابوں پر مہر لگانے کا رواج
○ ترتیبِ کتب
○ ترتیبِ علوم
○ عہدِ عباسی میں علامات (Notation) نگاری کا آغاز
○ عہدِ عباسی میں ذخائرِ کتب کے ناپ تول کے پیمانے
○ حجم و ضخامت کتاب کی وضاحت کے اصطلاحی الفاظ کا استعمال
○ کتب خانہ کے اوقات
○ کتابوں کی تدفین
○ مجلسِ کتب خانہ (Library Committee)
○ مجلسِ کتب خانہ

○ استعارۂ کتب
○ کتب خانوں سے عاریۃً کتابیں دیہات میں لے جانے کی اجازت
○ اجراءِ کتب کا نظام
○ عاریۃً کتابیں لینے والوں کی اخلاقی ذمہ داریاں
○ مستعار کتابوں کے قوانین

(ا) کتب خانے کی مالیات

ہر سرکاری، نیم سرکاری اور نجی ادارے کو چلانے کے لئے سب سے بڑی قوتِ متحرکہ مالیات ہے۔ یہ انتظامی ڈھانچہ کی کفالت کرتی ہے۔ ان ثقافتی اداروں کی ذمہ دار شخصیتوں پر ان اداروں کے مقاصد کی تکمیل اور کتب خانوں کی ضرورت، ان کے قیام، انتظام و اہتمام کے لئے مالیات کو فراہم کرانا اور اسے کام میں لانے کا فرض عائد ہوتا ہے۔

کتب خانے فوری آمدنی کا ذریعہ نہیں ہیں بلکہ بعض دوسرے اداروں کی طرح خرچ کرنے والا ادارہ ہے۔ یہ ہمہ وقت علم و دانش کو پھیلاتے، لوح و قلم کی پرورش کرتے، ذہنی صلاحیتوں کو ابھارتے اور تعلیم کو فروغ دیتے ہیں۔ ان سے معاشرہ میں علمی ماحول جنم لیتا، قوم سیادت و قیادت سے بہرہ مند ہوتی اور دانشوروں کے تجربات، مشاہدات، تحقیقات و تخلیقات سے پوری علمی دنیا کو فائدہ پہنچتا ہے، قومی تعمیر میں یک جہتی اور استحکام آتا ہے اس لئے کتب خانوں کی مالیاتی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے۔

کتب خانے ایک ترقی پذیر ادارہ (Growing Institution) ہیں۔ کتابوں سے استفادہ کرنے والوں میں روز افزوں اضافے، عمارت اور فرنیچر کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے امداد کے محتاج رہتے ہیں ان کی احتیاج دائمی ہوتی ہے۔ یہ ثقافتی ادارے جب قائم کئے جاتے ہیں تو پھر ہمیشہ انہیں قائم رکھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے مالیاتی تقاضے (Financial Demands) اور ضرورتیں بھی دائمی ہوتی ہیں۔

(ا) مالیاتی ذرائع (FINANCIAL RESOURCES)

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی روز افزوں ضروریات کو بحسن و خوبی پورا کرنے کے لئے مالیاتی نظام قائم کیا جاتا تھا۔ ان کے مستقل اور عارضی مالیاتی ذرائع حسبِ ذیل تھے۔

(ا) **مستقل وقف**، یہ کتب خانہ کی آمدنی کا سب سے بڑا اور موثر و مستقل سرچشمہ تھا جو ہر قسم کی منت پذیری سے بے نیاز تھا۔

(الف) **وقفِ اراضی**، اس کی آمدنی سے عملہ کی تنخواہ و کتب خانے کی ضروریات کو پورا کیا جاتا اور میزانیہ ترتیب دیا جاتا تھا۔

(ب) **وقفِ کتب**

(ج) **وقفِ قلم دوات و دیگر اشیاء۔**

(۲) سرکاری امداد

(۳) عارضی اور ممکنہ ذرائع۔ مخیر حضرات کے عطیات اور امداد و اعانت۔

(۴) نذر

(۵) تاوان و جرمانہ (Fine)

(۶) تحائف (Gifts)

(۲) بجٹ

عہدِ عباسی میں اداروں کو چلانے کے لیے منصوبہ بندی بھی کی جاتی تھی اور کہیں میزانیہ کی بعض مدات کے اخراجات کو نقد و جنس دونوں سے پورا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جامعہ مستنصریہ میں یہی معمول تھا۔ تدریسی اور کتب خانہ کے عملہ کو تنخواہ اسلامی دنیا میں مروجہ سکے، دینار و درہم میں دی جاتی اور اس کے ساتھ جنس (اشیائے خورد و نوش) بھی مہیا کی جاتی تھی جس کا نمونہ درج ذیل ہے

عہدہ	نقد	جنس
خازن (لائبریرین)	۱۰ دینار ماہانہ	۴ رطل (۱) گوشت اور روٹی ضرورت کے مطابق سبزی اور لکڑی رمضان میں تنخواہ دگنی کر دی جاتی تھی
مشرف	۳ دینار ماہانہ	۵ رطل روٹی یومیہ، ۲ رطل گوشت یومیہ
		۲ " " " "
مناول	۲ دینار ماہانہ	۴ رطل گوشت روٹی یومیہ

(۲)

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کا نظام بہت وسعت اختیار کر گیا تھا ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے بجٹ بنایا جاتا اور کتب خانے کے ہر شعبہ کے لیے سالانہ میزانیہ میں رقم مختص کی جاتی تھی، چنانچہ مصر میں خلیفہ الحاکم فاطمی کے کتب خانہ دار العلم کا سالانہ میزانیہ حسب ذیل تھا

میزانیہ ۲۰۷ دینار		جس کا فیصد درج ذیل ہے
کتب	۹۰ دینار	۴۵ فیصد ۴۳ ۱/۲
تنخواہیں	۴۸ دینار	۲۴ فیصد
	۱۵ دینار	۷ ۱/۲ فیصد
	۱۰ دینار	۵ فیصد
فرنیچر	۱۰ دینار	۵ فیصد
	۵ دینار	۲ ۱/۲ فیصد
	۵ دینار	۲ ۱/۲ فیصد
جلد سازی و مرمت کتب	۱۲ دینار	۶ فیصد
اسٹیشنری (کاغذ، قلم، دوات)	۱۲ دینار	۶ فیصد
متفرقات	۱ دینار	۱/۲ فیصد
میزان	۲۰۸	

ہم نے اوپر کسور کو نظر انداز کر کے دو سو دینار میزانیہ قرار دے کر بجٹ پیش کیا ہے حالانکہ میزانیہ کی رقم دو سو ستاون دینار ذکر کی گئی ہے (۴) جس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر بعض مدات کا ذکر کتاب الخطط کے منقول عنہ نسخہ سے ساقط ہو گیا ہے اس لیے الخطط کے مطبوعہ نسخہ میں ان کا تذکرہ نہیں آسکا ہے (۴) تاہم کتب خانوں کی مدوں میں جو رقم بیان کی گئی ہے وہ اولگا پنٹو کے بیان کے مطابق دو سو نو (۲۰۹) (۵) اور ڈاکٹر شلبی کے بیان کے مطابق دو سو سات (۲۰۷) دینار ہے (۶)۔

مسلمانوں کے مذکورہ بالا میزانیہ کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانے کے میزانیہ کی جن مدات میں اخراجات کے لیے سب سے زیادہ رقم مختص کی جاتی تھی وہ صرف دو ہی مدیں تھیں (۱) قابل خواندگی مواد (Reading Materials) (۲) تنخواہیں (Salaries)۔ عصر حاضر میں بھی انہی دو مدات کو سب سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے (۷) اور انہی دو مدوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے عہدِ عباسی میں جن اہم شعبوں کے سالانہ میزانیہ میں مدات رکھی جاتی تھیں آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کم و بیش انہی بنیادی شعبوں پر مشتمل بجٹ بنایا جاتا ہے جو مسلمانوں کے کتب خانہ کے میزانیہ کی حقیقی بنیادوں پر تیاری اور فن کتاب داری میں بصیرت کی روشن دلیل ہے۔

عصر حاضر میں متل (R.L. Mittal) نے کتب خانہ کی مالیات کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے

میزانیہ پر زور دیا ہے لیکن وہ خود اس سے مطمئن نہیں ہو سکا۔ اس لیے اس نے ایک معیاری میزانیہ بھی تجویز کیا ہے جو اس کے وسیع تجربات و معلومات کا نتیجہ ہے یہ تینوں میزانیہ درج ذیل ہیں۔

(۳) تقابلی میزانیے

تقسیم رقم، پنجاب یونیورسٹی کا میزانیہ	نمونہ کا میزانیہ مثل کی نظر میں	قدیم
(۱) کتب	۲۴فیصد	۲۰فیصد ۴۵فیصد
(۲) اخبارات و رسائل	"۱۵	ـ
(۳) تنخواہیں	۵۰"۴۸	"۳۱،۵"
(۴) روشنی، صفائی، کمروں کو گرم یا ٹھنڈا رکھنا	۲"۲،۵۰	"۵"
(۵) جلد سازی و دیگر ٹوٹ پھوٹ	"۵	ـ"۵
بیمہ	۱	ـ ـ"
(۶) متفرقات	۴،۵	"۱/ ۲ـ
(۷) ڈاک خرچ، اسٹیشنری	۱۵	
		مرمت عمارت
(۸) کرایہ اور قرضہ جات	۸	"
(۹) فرنیچر		(۹) "۹.۵

مذکورۂ بالا تینوں میزانیوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جن مدات پر آج زور دیا جاتا ہے مثلاً ذخیرۂ کتب و رسائل عہدِ عباسی میں رسائل کے نہ ہونے کی وجہ سے تمامتر توجہ کتابوں کی مد پر دی جاتی تھی اور فنی عملہ بھی عصرِ حاضر کی طرح مختصر رکھا جاتا تھا۔ البتہ غیر فنی عملہ کی عہدِ عباسی میں وہ کثرت نہ تھی جو آج ہے کیونکہ اس دور میں پیشہ ورانہ اہلِ علم عملہ کو چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں عار نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی خدمات بہت سود مند اور ہر پڑھے لکھے کے لئے جذب و کشش کا باعث تھیں۔ عہدِ عباسی میں کاتبوں اور خطاطوں کی غیر معمولی کثرت ذخیرۂ کتب میں اضافہ کی غرض سے ہوتی تھی کیونکہ اس دور میں طباعت نہ تھی۔

عہدِ عباسی کے ذاتی کتب خانوں کے بعض شعبوں کے اخراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ

ذاتی کتب خانوں کا بجٹ بھی تیار کیا جاتا تھا اور کتب خانوں پر جو رقم خرچ کی جاتی تھی اس کا حساب رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابوبکر احمد بن محمد جراح بغدادی کہتا تھا کہ "میرا کتب خانہ دس ہزار (۱۰،۰۰۰) درہم کی مالیت کا تھا" (۱۰)۔

بنو شاکر کے کتب خانے کے دارالترجمہ کے شعبہ کا ماہانہ خرچ پانچ سو (۵۰۰) دینار تھا (۱۱)۔ ابو حفص عمر شاہین نے چار سو رطل سیاہی پر سات سو (۷۰۰) درہم صرف کئے تھے (۱۲)۔ ابن الضریس نے بصرہ میں کتابوں کی نقل اور ان کی صحت و مقابلہ کی اجرت نو ہزار درہم ادا کی تھی (۱۳)۔ ابو عبداللہ محمد بن سنجر جرجانی مصری المتوفی ۲۵۸ھ نے ایک علمی سفر میں صرف نقلِ کتب پر نو ہزار (۹۰۰۰) دینار خرچ کئے تھے (۱۴)۔

ابو جعفر موصلی اپنے کتب خانے سے استفادہ کرنے والوں کو کاغذ اور قلم دوات کی سہولت کے علاوہ نقد رقم بھی دیتا تھا (۱۵)۔ اس سے ابو جعفر موصلی کے عوامی کتب خانے کے بجٹ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کتنا وسیع تھا۔ المنجم اپنے کتب خانے کے جملہ اخراجات اپنی جیب خاص سے ادا کرتا تھا (۱۶)۔

محمد مرزبانی المتوفی ۳۸۴ھ اپنے کتب خانے سے استفادہ کرنے والوں اور اس میں شب کو قیام کرنے والوں کے لئے پچاس (۵۰) لحاف بھی تیار رکھتا تھا (۱۷)۔ قاضی ابن فطیس اپنے کتب خانے سے اپنے ہی خرچ پر ضرورت مندوں کو کتابیں بھی نقل کرا کر پہنچاتے تھے (۱۸)۔

ایک مد متعین رقم یا مقررہ مد سے خریدی ہوئی اشیاء کی تعداد کے ذکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں ذاتی کتب خانے کا بھی مختلف مدات پر مشتمل مکمل بجٹ بنایا جاتا تھا مگر موقع و محل کی مناسبت سے کبھی کسی ایک مد کا تذکرہ آجاتا تھا۔

ان اخراجات کے پیشِ نظر عہدِ عباسی کے ذاتی اور سرکاری کتب خانوں کا بجٹ آج کے ترقی یافتہ دور کے کتب خانوں کی طرح نہایت ترقی یافتہ بجٹ تھا اس لئے کہ دورِ عباسی میں کتابوں کے علاوہ کتب خانوں کی بعض دوسری مدوں میں اتنا خرچ کیا جاتا تھا جن کے خرچ کا اس دور میں تعین کرنا ہی مشکل ہے اور وہ مدیں آج کے ترقی یافتہ دور میں ترقی یافتہ ممالک کے کسی کتب خانے میں موجود نہیں ہیں۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں کتابوں اور اخبار و رسائل کی خریداری کے لئے میزانیہ میں ۳۵ سے ۴۰ فیصد رقم مختص کی جاتی ہے جو بڑی رقم سمجھی جاتی ہے لیکن عباسی دور میں اگر کتابوں کی خریداری کی مد میں وہ اخراجات بھی شامل کئے جائیں جو اس دور میں ذخیرے کے اضافے کے لئے کئے جاتے تھے جیسے کتابیں نقل کرانا اور دوسری زبانوں سے عربی میں کتابیں ترجمہ کرانا تو عہدِ عباسی

کا میزانیہ اس دور کے بعض میزانیوں سے کم نہیں قرار پائے گا۔

اس ترقی یافتہ دور میں ٹوٹ پھوٹ، رنگ و روغن اور ڈیکوریشن وغیرہ پر میزانیہ میں زیادہ سے زیادہ پانچ فیصد رقم رکھی جاتی ہے لیکن عباسی دور میں صرف رہائش کی سہولتیں اور موسم کے لحاظ سے گرم و سرد سازو سامان مہیا کرنے کا جو اہتمام کیا جاتا تھا اس کا ذکر نہ اولگا پنٹو نے کیا اور نہ مقریزی نے کیا اور نہ عصرِ حاضر کے محققین شلبی و حمادہ نے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے حالانکہ اس اہتمام میں تعمیم پائی جاتی ہے اور میزانیہ کا معتدبہ حصہ اس کے لئے مختص کیا جاتا تھا مثلاً محمد مرزبانی نے کتب خانے میں شب کو قیام کرنے والوں کے لئے پچاس (۵۰) لحاف وغیرہ کا بندوبست کیا تھا جیسا کہ گزر گیا۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے عام لوگوں کو علم سے قریب کرنے اور انہیں خورد و نوش کی جدوجہد سے فارغ رکھنے کے لئے کفالت کی ایک مد قائم کی تھی تاکہ ان کی "انا" کو ٹھیس نہ پہنچے اور طلب و شوقِ علم میں رکاوٹ بھی پیدا نہ ہو چنانچہ انہوں نے "ورق اور ورق" "کتاب و رقم" پیش کرنے کا نہایت سود مند طریقہ ایجاد کیا تھا جس کی مثال آج تک کوئی نظام پیش نہیں کر سکا ہے۔ یہ صرف اسلام کی برکت تھی جس نے لوح و قلم کی پرورش کی اور دانشورانہ فکر کو فروغ دینے کی غرض سے مسلمانوں کو یہ راہ سمجھائی تھی ہمیں تعجب ہے کہ اولگا پنٹو، شلبی، حمادہ نے ان مدات پر خرچ کی جانے والی رقم کو بجٹ میں شمار ہی نہیں کیا ہے اور مقریزی کے پیش کردہ بجٹ کے ہی نقل پر اکتفاء کیا ہے۔

(ب) عمارتِ کتب خانہ

عہدِ قدیم میں معبدوں اور شاہی محلوں میں جہاں کہیں تحریری سرمایہ گلی الواح اور پپائرس رول وغیرہ پر مشتمل ذخیرہ حفاظت و افادہ کی غرض سے رکھا جاتا عمارت کے اس حصہ کو لائبریری کہا جاتا تھا' جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ بڑھا اور مخطوطات کا ذخیرہ بڑھ کر ہزاروں' لاکھوں تک پہنچا تو شاہی محلوں اور معبدوں کی عالیشان عمارتوں میں کتب خانے کے لئے علیحدہ موزوں جگہ کا انتخاب کیا گیا۔

(۱) عمارتِ کتب خانہ کی تعمیر میں مصر و یونان کی شہرت

مصر' یونان ' و روم میں جب (پبلک) کتب خانے (جس سے ایک محدود مخصوص طبقہ ہی سی فائدہ اٹھاتا تھا) عالم وجود میں آئے تو ان کے لئے جداگانہ عمارتیں بھی بنائی جانے لگی تھیں جن کا رخ مشرق کی طرف رکھا جاتا تھا تاکہ سورج کی روشنی میں بآسانی مطالعہ کیا جاسکے۔ آفتاب کی گرمی سے رات بھر کی بند' گندی اور نم آلود ہوا خشک ہو سکے' پپائرس اور پارچمنٹ جلد خراب نہ ہو سکیں (۱۹)۔ قدیم یونانیوں میں فنِ تعمیر کے اصول کو ملحوظ رکھنے کی کوئی شہادت نہیں ملتی ہے۔

ایشیائے کوچک میں پرگامم لائبریری کی عمارت سے جو ۱۹۰ قبل مسیح میں تعمیر کی گئی تھی معلوم ہوتا ہے کہ یونانی مستطیل عمارت کو پسند کرتے تھے جو ایک سو تیس (۱۳۰) فٹ لمبے چار کمروں پر مشتمل ہوتی تھی اور سمندر کی سمت کھلتی تھی اس لئے اس میں تازہ ہوا اور روشنی آتی تھی' یہ غور و فکر کے لئے بہتر ماحول کا سبب تھا' یہی عمارتِ کتب خانہ بعد میں رومیوں کے لئے نمونہ بنی تھی (۲۰)۔ اس زمانے میں ایشیاء میں ہندوستان میں پستک بھنڈار کے نام سے کچھ جگہیں مخصوص کی جاتی تھیں جہاں ثقافتی ورثہ استفادہ و افادہ کے لئے رکھا جاتا تھا (۲۱)۔

(۲) انتخابِ زمین

تہذیب و ثقافت کے سرمایہ کے تحفظ کے لئے دنیا میں اہلِ فارس نے سب سے پہلے کتب خانے کی جگہ کے انتخاب میں جن بنیادی اصولوں کو اساس بنایا تھا ان کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے عقائد و نظریات کے مطابق ان اصولوں کو اپنا کر تعمیرات میں آئندہ نسلوں کی رہنمائی کی۔ ان کی اس حکمتِ عملی سے عمارتوں کی تعمیر و تخصیص میں ایک گرانقدر باب کا اضافہ ہوا۔ اس کے آثار ایشیاء ہی میں نہیں افریقہ اور یورپ میں بھی پائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے

کہ ان اصول کے صحیح خط و خال ہمیں صرف مسلمان مصنفین کی تخلیقات میں ملتے ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد کے ایک گوشہ کو جہاں کتابوں کا ذخیرہ رکھا جاتا تھا کتب خانے کی عمارت کی حیثیت سے یاد کیا جا سکتا ہے، دورِ اموی میں جب کتابوں کا ذخیرہ بڑھا تو شاہی محلات میں اس کے لئے مستقل جگہ خزانۃ الکتب کے نام سے بنائی جانے لگی تھی (۲۲) اور عوامی کتب خانے کے لئے اہلِ علم اپنے مکانوں میں جگہ نکالتے تھے (۲۳)۔

عہدِ عباسی میں فن تعمیر کے نقطہ نظر سے دوسری صدی ہجری میں چار اصول:

(۱) پائیدار (Stability)

(۲) افادیت (Utility)

(۳) خوبصورتی (Beauty) اور

(۴) انفرادیت (Individuality)

کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اس لئے عہدِ عباسی کی عمارتوں میں کہیں یونانی، ایرانی، ہندی، مصری، رومی طرزِ تعمیر کے ہلکے سے امتزاج کے باوجود ہر جگہ اپنے نظریاتی تشخص کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی جسے اسلامی فنِ تعمیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اوائلِ عہدِ عباسی سے کتب خانے نہایت پائیدار، خوبصورت، عالیشان عمارت (محل) میں قائم کئے جانے لگے تھے۔ بیت الحکمۃ، خزانۃ الحکمہ وغیرہ اس کی بہترین مثال ہیں، یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ محلوں میں کتب خانے رکھے جاتے تھے۔ عہدِ عباسی میں علوم میں تنوع کی وجہ سے کتب خانوں کے شعبوں میں اضافہ کیا گیا اور ان شعبوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عمارتوں کی تعمیر ایک منصوبہ کے تحت کی جاتی تھی اور اس میں اصولِ اربعہ:

(۱) کتابیں (Books)

(۲) قارئین (Readers)

(۳) عملہ (Staff)

(۴) شعبہ جات (Departments)

کی ضروریات کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔

عوامی کتب خانے جامع مسجدوں میں، علیحدہ کمروں میں یا اس سے متصل مکان میں بنائے جاتے تھے جیسا کہ جامع ابنِ طولون (۲۴) اور جامع منیعی کے کتب خانے سے ظاہر ہے (۲۵)۔ جو اپنی پائیداری، وسعت، رفعت، نفاست و خوبصورتی میں نظیر نہ رکھتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری میں دار العلوم اور جامعات جو مذکورۂ بالا صفات کا بہترین نمونہ تھیں ان

میں کتب خانوں کے لئے گنجائش نکالی جاتی تھی اور ان کے بعض وسیع و عریض کمرے کتب خانے کے لئے مخصوص کئے جاتے تھے جیسا کہ جامعہ مستنصریہ اور مدارس شرابی کے کتب خانوں کی عمارتوں سے عیاں ہے اس طرح خانقاہوں اور رباطات میں کتب خانوں کے لئے مستقل‘ نہایت موزوں‘ عمارتیں بنائی جانے لگی تھیں۔

(۳) تعمیر سے قبل انتخابِ زمین کے اصول

عہدِ عباسی میں حکمرانوں نے اپنی قیام گاہوں کی تعمیر کی‘ مسلمانوں نے بڑے بڑے مراکز میں دینی فرائض کی ادائیگی کی اور علمی و ثقافتی ورثہ کی حفاظت کی غرض سے کتب خانوں کے لئے گنجائش نکالی اور لائبریریوں کے لئے زمین کے انتخاب میں اہل فارس کے حسبِ ذیل اصول کو اپنایا تھا۔

(۱) بہترین مٹی اور بہترین آب و ہوا کی سرزمین کا انتخاب کیا جاتا تھا۔

(۲) ایسی سرزمین کا انتخاب کیا جاتا تھا جہاں بدبو نہ آتی ہو۔

(۳) ایسی سرزمین کو ترجیح دی جاتی تھی جو دھنسنے والی نہ ہو۔

(۴) ایسی سرزمین کو پسند کیا جاتا تھا جو زلزلہ کے اثرات سے محفوظ ہو۔

(۵) ایسی سرزمین کو پسند کیا جاتا تھا جس کی مٹی لیس دار گارے میں جلد ملنے والی‘ پائیدار اور تعمیر میں عرصہ دراز تک باقی رہنے والی ہو۔

یہ انتخابِ زمین کے وہ بنیادی اصول تھے جنہیں ابو معشر فلکی المتوفی ۲۷۳ھ نے کتاب الزیجات میں نقل کر کے ان کی طرف رہنمائی کی اور تیسری صدی ہجری میں یہ اصول اہلِ علم میں عام ہو گئے چنانچہ ابن الندیم نے ابو معشر کے حوالہ سے مفصلاً اور ابو نعیم اصفہانی نے ذکر اخبار اصفہان میں ان کا ذکر اجمالاً کیا اور لکھا کہ اہلِ فارس کتب خانے کی نہایت پائیدار‘ خوبصورت اور عجیب و غریب عمارت بناتے اور اس میں اپنا ثقافتی ورثہ رکھتے تھے (۲۷)۔

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانوں نے ایرانی رہنما اصول انتخابِ زمین پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ژرف نگاہی سے مزید نئے اصول بھی وضع کئے جو تجربہ و مشاہدہ میں صحیح ثابت ہوئے چنانچہ شفاخانے کی تعمیر کے لئے موزوں ترین اور صحت افزا زمین کے انتخاب میں محمد بن زکریا رازی المتوفی ۳۱۱ھ نے نیا طریقہ کار اختیار کیا انہوں نے گوشت کے چند ٹکڑے بغداد کے مختلف اطراف میں لٹکوائے ان کے تغیر کو دیکھا جس مقام کے ٹکڑوں میں تغیر نہ آیا یا کم سے کم آیا اور گوشت میں جلد بو نہ پیدا ہوئی اس سرزمین کو شفاخانے کے لئے انتخاب کیا (۲۸)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ فارس کے مذکورۂ بالا اصول کے علاوہ ایک اصول مضر

صحت اثرات سے بچانے کے لئے صحت افزا مقام کا انتخاب بھی مدِ نظر رہتا تھا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں اہم اور خاص قسم کی عمارت کی تعمیر کے لئے زمین کے انتخاب میں کس درجہ حزم واحتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسمانی صحت ہی نہیں دماغی جلا، روحانی ترقی اور ثقافتی ورثہ کی حفاظت کے لئے بھی انتخابِ زمین میں اس پہلو کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ تذکرہ نگاروں نے کبھی کتب خانے کی کسی عمارت پر حرف گیری نہیں کی جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ کتب خانوں کی عمارت ہمیشہ موزوں ترین جگہوں پر تعمیر کی جاتی تھی اور اس میں ہوا، روشنی اور صحت افزا مقام کا خیال رکھا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے ان بنیادی اصولوں کی پابندی کتب خانوں کی عمارتوں ہی میں نہیں کی بلکہ سوق الوراقین میں بھی ان کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ غلطی سے کبھی اس کے خلاف اگر کہیں دیکھا جاتا تو اس مقام سے بازار کتب ہٹا کر دوسری جگہ لگایا جاتا تھا، قاہرہ میں قیساریہ میں سوق الکتب میں نمی کی وجہ سے کتابوں کو نقصان پہنچا تو یہ بازار مصر کے سوق الکتب میں بنایا گیا تھا(۲۹)۔

انتخابِ زمین کے بعد اہم اور خاص قسم کی عمارات کی تعمیر کے لئے مہندس و معمار (Architect) کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ وہ سمت کو متعین کرتا نقشہ بناتا اور عمارت کی تعمیر کرتا تھا چنانچہ سنہ ۱۸ھ میں عہد فاروقی میں جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط مصر میں مسجد بنائی جو جامع عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے اس کی سمتِ قبلہ کا تعین اسی (۸۰) صحابہ نے کیا تھا(۳۰)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہم اور خاص قسم کی عمارت کی تعمیر کے لئے ماہرینِ فنِ تعمیر سے مشورہ ہی نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کی عملی خدمات بھی حاصل کی جاتی تھیں اور اجتماعی نقطہ نظر کو سراہا جاتا تھا۔

(۴) کتب خانے کے لئے مستقل عمارت کا آغاز

کتب خانوں کے لئے علیحدہ **مستقل** عمارت کا آغاز بغداد میں ابوالحسن علی منجم (۲۰۱-۲۷۵ھ/۸۱۶-۸۸۸ء) کی مساعی جمیلہ سے ہوا تھا۔ موصوف نے قفص کے اطراف کرکر (بغداد) میں اپنی زمین پر نہایت عالیشان محل تعمیر کیا اور اس میں بہت بڑا کتب خانہ وقف کر کے اس کا نام خزانۃ الحکمہ رکھا تھا، یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علومِ قدیمہ کی درس گاہ اور قیام گاہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا اس عمارت کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے

کہ ہر شہر سے لوگ یہاں آکر ٹھہرتے، کتابوں سے استفادہ کرتے اور اصنافِ علوم کی تحصیل کرتے تھے (۳۱)۔ اس طرح کے کتب خانوں کے لئے علیحدہ عمارتوں کی تعمیر جعفر موصلی المتوفی ۳۲۳ھ نے موصل میں (۳۲) اور ابو علی سوار کاتب المتوفی ۳۷۲ھ نے بصرہ و رامہرمز میں کی تھی (۳۳)۔

(۵) انہدام اور تعمیر نو

عہدِ عباسی میں کھلی زمین (Open Land) ہی پر کتب خانے کی عمارت تعمیر نہیں کی جاتی تھی بلکہ بعض اوقات بنی ہوئی عمارتیں بھی کتب خانوں کے تقاضوں کو پورا نہ کرتیں تو انہیں ڈھا کر ایک منصوبہ کے تحت تعمیراتی مشیروں کے نقطہ نظر کو اہمیت دیتے ہوئے از سرِ نو عمارتیں بنوائی جاتی تھیں اس کی شہادت ہمیں چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں وزیر ابو نصر سابور المتوفی ۴۱۶ھ کے عمل سے ملتی ہے۔ موصوف نے بغداد کے نہایت پر رونق آباد محلہ کرخ میں ایک عالیشان مکان خرید کر منہدم کرایا اور اسے کتب خانے کی ضروریات کے پیش نظر از سرِ نو تعمیر کرایا تھا (۳۴)۔

چھٹی صدی ہجری میں ابو الشیخ **نطنیزی المعروف البراعتین** نے دار الکتب کی نہایت عالیشان عمارت تعمیر کرانی شروع کی تھی جو اگر پوری بن جاتی تو اصفہان کی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوشنما و پائیدار ہوتی مگر ذی البراعتین کی سیاحت اور باہر رہنے کی وجہ سے وہ ہمیشہ بنتی اور ٹوٹتی رہی تھی اور اس واقعہ کی اتنی شہرت ہو گئی تھی کہ ابو فراس عامری المتوفی ۵۷۳ھ نے اس پر شعر بھی کہے تھے۔ (۳۵)

مذکورۂ بالا واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں لوگوں کو کتابیں جمع کرنے ہی کا نہیں بلکہ کتب خانوں کی علیحدہ عمارتوں کی تعمیر کرنے کی ضرورت کا بھی احساس و شوق تھا۔

ابو نصر کے دار العلوم کرخ بغداد کی تعمیر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کتب خانے کی عمارت وسط شہر میں بنائی جاتی تھی اور مرکزی درسگاہ (Central Place) کو پسند کیا جاتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ مستعصم باللہ نے وسطِ بغداد میں **منظرہ الریحانیین** میں کتب خانہ بنوایا تھا۔ اسلامی فنِ تعمیر میں لبِ جو باغ اور خوشنما درخت کا تصور قرآن کے پیش کئے ہوئے جنت کے مناظر سے مسلمانوں کے ذہن میں نقش ہوا تھا اس کی رعایت کتب خانوں کی عمارت کی تعمیر میں بھی کی جاتی تھی چنانچہ کتب خانے کی عمارت کے آس پاس جمالیاتی نقطہ نظر سے آراستگی کی خاطر گلستان اور جوئے رواں کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا تاکہ کتب خانے میں عطر بیز ہوائیں آئیں اور جب نظر باہر جائے اس کو سبزی، شادابی سے طراوت ملے۔

شیراز میں عضد الدولہ کے شاہی کتب خانہ کی عمارت اسی قسم کی تھی، شاہی خزائن الکتب

میں ''دارِ قوراء حسنہ:'' اس کی بہترین مثال ہے' کاتبوں و خوشنویسوں کو اسی دارِ قوراء حسنہ (نہایت وسیع اور خوبصورت مکان) میں ٹھہرایا جاتا جو ہم شکل فرش سے آراستہ ہوتا تھا اس میں کاتب کی نشست رہتی اور سامانِ کتابت رکھا رہتا تھا ایک ذخیرہ گاہ (Store) اس قسم کے سامان سے پر رہتی تھی جب جی بھر جاتا خوشنویس کھڑا ہوتا اور محل میں ٹہلتا' پھر طبیعت میں نشاط آتا آبیٹھتا اور نقل کرتا جب جی چاہتا باغ میں گھومتا پھر آکر لکھتا تھا چنانچہ سیف الدولہ کے خزائنِ کتب میں حسن بن علی بن مقلہ کا جو علی ابن مقلہ المتوفی ۳۲۸ھ کا بھائی تھا یہی معمول تھا (۳۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عہدِ عباسی میں کاتبوں کو اس قسم کی سہولتیں بھی کتب خانہ میں حاصل ہوتی تھیں نیز کتب خانوں میں سامانِ کتابت کا بھی ذخیرہ (Stock) رکھا جاتا تھا۔

خلیفہ مستعصم باللہ نے منظرہ الریحانیین میں دو کتب خانے وسیع باغ کے سامنے تعمیر کرائے تھے (۳۷)۔

مسلمانوں نے دنیا میں سب سے پہلے کتب خانے کی عمارت کو مزین اور مختلف رنگوں سے آراستہ ہی نہیں کیا بلکہ نلکوں میں پانی گزار کر درجہ حرارت کے اعتبار سے معتدل (Air-Conditioned) بنایا تھا۔ شیراز میں عضد الدولہ کا محل اور کتب خانہ جو لداؤ کی دو منزلہ اور تین سو ساٹھ (۳۶۰) کمروں پر مشتمل تھا اس کی بہترین نظیر تھا (۳۸)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کتب خانہ کی عمارت لداؤ پر بنائی جاتی تھی۔ یہ حقیقت بھی محتاج بیان نہیں کہ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی عمارت سازی میں اسلامی تہذیبی خصوصیات زیادہ نمایاں رہی ہیں اور ثقافتی و فنی امتیازات کے باوجود اسلامی تعمیرات کے مشترک اوصاف میں گنبد' مینار اور محرابی پیشانیاں مسلمانوں کی اکثر مذہبی اور غیر مذہبی عمارتوں میں ممتاز ہیں' ان کی ابتداء بھی مسجد سے ہوتی ہے جس کا اعتراف مشہور مستشرق Briggs کو بھی ہے (۳۹)۔

مسجد کے یہ نقوش مسلمانوں کی عمارتوں کی داخلی خصوصیات کا جز بنے رہے ہیں چنانچہ مدرسے' روضے' باغات (اور کتب خانے) کی عمارتوں کا نقشہ تقریباً یکساں ہے اس کے علاوہ وسعت رفعت اور زیبائش کا مسلمانوں کو خاص ذوق رہا ہے اور اس میں انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے (۴۰)۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کتب خانوں کی تعمیر عمارت میں مذکورۂ بالا اصول کے علاوہ جمالیاتی پہلوؤں پر بہت زیادہ زور دیا جاتا' عمارت اور اس کی تزئین کے مابین نازک توازن ہمیشہ برقرار رکھا جاتا تھا چنانچہ ایسے مواقع پر بدیع' جمیل' حسین' عجیب' وغیرہ الفاظ کا استعمال اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے (۴۱)۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں بعض اہلِ علم اپنی سہولت کی خاطر اور گفتگو کے

درمیان حوالے پیش کرنے کے لئے بیٹھک سے قریب وسطی کمرے میں کتب خانہ رکھتے تھے۔ ابن الخشاب نحوی نے غالباً اسی مصلحت سے اپنا کتب خانہ مکان کے وسطی کمرے میں رکھا تھا (۴۲)۔ بعض اربابِ کمال جویانِ علم کی خاطر کتب خانے کی عمارت دہلیز سے متصل بناتے تھے۔ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ نے غالباً اسی وجہ سے کتب خانے کی عمارت اپنے مکان کی دہلیز سے متصل بنوائی تھی (۴۳)۔

(ج) حیر (STECK)

عہدِ عباسی میں ذاتی ذخیرہ گاہ کے لئے حیر کا لفظ بھی بولا جاتا تھا (۴۴) کتب خانوں کے کمروں کی وسعت کا اندازہ خلفاءِ فاطمیہ کے قصرِ شاہی کے کتب خانوں کے کمروں سے کیا جا سکتا ہے جس کے بعض کمروں میں اٹھارہ ہزار کتابیں رکھی جا سکتی تھیں (۴۵)۔

کتب خانے کے شعبوں کی کثرت بیت الحکمہ کے شعبوں سے ظاہر ہے کہ عہدِ عباسی میں چھوٹے بڑے قومی اور عوامی کتب خانوں میں

(۱) دار المطالعہ
(۲) دار المذاکرہ
(۳) ذخیرہ گاہ (Stock)
(۴) دار المقابلہ و النسخ
(۵) دار التجلید
(۶) کاغذ وغیرہ کی ذخیرہ گاہ (Store)
(۷) دار الخازن اور اس کے عملے کے علاوہ کہیں کہیں
(۸) دار الترجمہ کے شعبے بھی قائم کئے جاتے تھے ان شعبوں کی تفصیل شاہی اور عوامی کتب خانوں میں گزر چکی ہے۔

اواخرِ عہدِ عباسی میں جب کسی محل سرا (۴۶) مدرسے' روضے اور کتب خانے کی نئی عمارت بنائی جاتی اس کا افتتاح نہایت شاندار طریقہ پر کیا جاتا تھا شعراء اشعار لکھ کر سناتے اور ان اشعار کو دیواروں پر کندہ کرایا جاتا تھا' چنانچہ خلیفہ مستعصم باللہ عباسی المتوفی ۶۵۶ھ نے جب منظرہ الریحانیین میں کتب خانے کا افتتاح کیا تو ملک الشعراء صفی الدین عبداللہ نے حسبِ ذیل شعر کہے تھے۔

انشاء الخلیفة للعلوم خزانة   سارت بسیرہ فضلہ اخبارھا

خلیفہ نے علوم کے لیے خزانہ کتب بنایا۔ خلیفہ کی فضیلت مآب سیرت کی وجہ سے اس کی داستان دور تک پھیل گئی۔

تجلو عروسا غرائب حسنہا   در النفصں ؛ نعلود نثارھا

فضائل کے موتی اور علوم کی لڑیاں۔ دلہن کے حسن کو نکھار دیتے ہیں۔

اهدی ما فیه لها مستعصم بالله من لالائه انوارها (٤٧)

اس خلیفہ کے لیے اللہ تعالٰی کی حفظ و امان کا طالب ہوں اور علوم و فضائل کے موتی اور انوار کو بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔

ایسا ہی امیر وزیر کے کتب خانوں کی عمارت کے افتتاح میں کیا جاتا تھا جیسا کہ وزیر علقمی کے کتب خانے کی عمارت کے افتتاح سے روشن ہے۔ انہی جمالیاتی پہلوؤں سے متاثر ہو کر حافظ شیرازی نے کہا ہے۔

دو یار زیرک و از بادہ کہن دو منے
فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے
من ایں مقام بدنیا و آخرت ندھم
اگرچہ درپیم افتد ہر دم انجمنے (۴۸)

یہی وہ جمالیاتی پہلو ہیں جن پر آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی زور دیا جاتا ہے جو ان کی اہمیت و افادیت کا بین ثبوت اور جذب و کشش کا باعث ہیں۔

مذکورۂ بالا تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عمارت کی تکمیل کے بعد اس کے جمالیاتی پہلوؤں پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ کتب خانے کے در و دیوار' چھت اور کمروں کی سجاوٹ کی جاتی ان میں رنگوں کی مناسبت کا لحاظ رکھا جاتا دروازوں اور کھڑکیوں میں پردے لٹکائے جاتے' کمروں میں غالیچے بچھائے جاتے' کمروں کی ہوا کو معتدل رکھا جاتا تھا جیسا کہ فاطمیین مصر کے خزائن کتب دار الحکمہ' عضد الدولہ کے خزانہ کتب شیراز' بغداد میں صولی اور قرطبہ میں قاضی ابن فطیس (۴۹) کے کتب خانوں سے عیاں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کتب خانے کی عمارت کی نگہداشت پر زور دیا جاتا تھا۔

(د) کتب خانوں میں کاغذ کی در آمد اور ذخیرہ اندوزی کا نظام

قدیم و نادر کتابوں کی نقل، ذخیرۂ کتب میں اضافے اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے کتب خانوں میں نئے اور پرانے کاغذ کا ذخیرہ رکھا جاتا تھا، نیا کاغذ تیار کرا کر منگایا جاتا تھا، چنانچہ وزیر جعفر بن الفرات کے کتب خانے کے لئے سمرقند سے کاغذ آتا تھا اس کے علاوہ مصر سے بھی ہر سال کاغذ در آمد کیا جاتا تھا اور کاتبوں کی جماعت برابر کتابیں نقل کرتی رہتی تھی، اتفاق سے ایک مرتبہ کسی کاتب نے کام سے سبکدوش ہونے کا اظہار کیا وزیر موصوف نے اس کا حساب کرنے کا حکم دیا اور عذر بھی معلوم کیا جب معقول وجہ معلوم ہوئی تو سو دینار کا اضافہ کیا وہ بدستور کتب خانے میں کام کرنے لگا (۵۰) واضح رہے کہ ابن الفرات کے کتب خانے میں نفیس کاغذ استعمال کیا جاتا تھا چنانچہ محمد بن طاہر مقدسی کا بیان ہے کہ:

"اسحاق حبال **سجزی** جب میرے پاس آئے تو ان کے پاس تقریباً بیس (۲۰) جزء ان کی تالیفات کے پرانے کاغذ پر لکھے ہوئے تھے، میں نے پوچھا یہ کاغذ کہاں سے آیا، بولے یہ وہ سمرقندی کاغذ ہے جو وزیر ابن الفرات کے لئے آتا تھا اتفاقاً اس کتب خانے کے کاغذ کا معمولی حصہ مجھے بھی مل گیا تھا اس میں سے یہ سفید کاغذ بھی ہے (۵۱)۔

سیف الدولہ کے کتب خانے میں بھی پرانے کاغذ کا ذخیرہ محفوظ تھا اور اس ذخیرہ سے کاغذ نکال کر ابن البواب نے ابن مقلہ کے نقل کئے ہوئے قرآن کا جو جزء غائب تھا لکھ کر اس کے خط میں اپنا خط ایسا ملایا تھا کہ امتیاز ہی جاتا رہا تھا (۵۲)۔ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ کو خراسان سے دو بار شتر کاغذ بھیجا گیا تھا (۵۳)۔

ابو الحسن احمد بن تاج بن عبد اللہ المتوفی ۳۵۲ھ جو محدث و وراق تھے، حدیثیں لکھنے کے لئے ایک مرتبہ انہیں ترکہ میں آٹھ سو دینار ملے موصوف نے سب کا کاغذ خریدا تھا (۵۴) لیث ابن سعد نے ابن لہیعہ المتوفی ۱۷۴ھ کو ایک ہزار دینار کا کاغذ بھیجا تھا (۵۵)۔

ابو القاسم علی المعروف بشریف مرتضیٰ المتوفی ۴۳۶ھ نے ایک گاؤں کی اراضی کی آمدنی طلبہ کے استعمال کاغذ کے لئے وقف کی تھی (۵۶)۔ بنی عمار کے دار العلم میں ایک سو اسی کاتب کام کرتے اور تیس کاتب شب و روز لکھتے رہتے تھے (۵۷) اسی طرح کاتب قاضی فاضل کے کتب خانے میں کتاب لکھتے ہوئے تھکتے نہیں تھے (۵۸)۔ ان تاریخی حقائق سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی میں کتب خانوں میں کاغذ کا کتنا عظیم الشان ذخیرہ رکھا جاتا تھا، اس ذخیرہ کو رکھنے کے لئے کتب خانوں کی عمارتوں میں گنجائش رکھی جاتی تھی۔

(٥) اندراجِ کتب کا رجسٹر

عہدِ عباسی میں کتب خانے میں آنے والی ہر کتاب کا خواہ خریدی گئی ہو یا وہ عطیہ میں ملی ہو، رجسٹر میں اندراج (Accession) کیا جاتا تھا اور اس عمل کو "اثبات" (اندراج) کے اور فہرستِ کتب سے مقابلہ کو "اعتبار" کے اصطلاحی الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا (۵۹) اس اندراج کی بنیاد پر تذکرہ نگار کتب خانوں کے ذخائر کی مجموعی تعداد کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں (۶۰)۔

(۱) کتابوں پر مہر لگانے کا رواج

شاہی، عوامی اور ذاتی کتب خانوں میں ہر نئی کتاب کے کتب خانے میں اندراج کے بعد اس پر مہر لگائی جاتی تھی (۶۱) یا مالک اس پر وقف کے الفاظ لکھ کر اپنے دستخط کرتا تھا (۶۲) اس سے ملکیت کا اظہار ہوتا، کتب خانے کی شہرت ہوتی اور سرقہ کی صورت میں کتاب پہچانی اور پکڑی جاتی تھی۔

(۲) ترتیبِ کتب

عہدِ عباسی میں دولتمندوں، منصبداروں، امیروں، وزیروں اور بادشاہوں کے کتب خانوں میں کتابیں نظم و ترتیب سے رفوف (Shelve) لکڑی کی کھلی الماریوں (۶۳)۔ طاقوں (۶۴) اور صندوقوں میں رکھی جاتی تھیں، ذاتی کتب خانوں میں کتابوں کی فراوانی، جگہ اور سرمایہ کی کمی کی وجہ سے ان کے خاطر خواہ رکھنے کی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ تاہم دیمک اور کیڑے مکوڑوں سے بچانے کی غرض سے انہیں مختلف ظروف میں رکھا جاتا تھا جن کی تفصیل تحفظِ کتب کی احتیاطی تدابیر کے عنوان میں مذکور ہے۔

عہدِ عباسی میں کتب خانہ کی عمارت نہایت وسیع ہوتی تھی، ہر کمرے میں کتابیں دیواروں سے متصل الماریوں میں رکھی جاتی تھیں، زمین پر چٹائیاں، فرش پر غالیچے بچھائے جاتے، کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے لگائے جاتے تھے جو مطالعہ کرنے والوں کو دھوپ سے بچاتے تھے، ہر کتب خانے کے صدر دروازے پر مضبوط قسم کا پردہ آویزاں کیا جاتا تھا جو کمروں تک ٹھنڈی ہوا کو جانے سے روکتا تھا جیسا کہ **دارالحکمہ** قاہرہ میں دستور تھا (۶۵)۔

کمروں میں کتابیں فن وار رکھی جاتی تھیں مثلاً ایک کمرے میں علومِ عربیہ تو دوسرے کمرے میں فقہ کی، تیسرے کمرے میں حدیث کی وقس علی ہذا، بعض کمروں میں کئی علوم کی کتابیں بھی رکھی جاتی تھیں (۶۶)۔

(۳) ترتیبِ علوم

پہلے علومِ شرعیہ، پھر علومِ ادبیہ اور پھر علومِ قدیمہ کی کتابوں کو رکھا جاتا تھا، جیسا کہ "الفہرست" ابن الندیم کی تقسیم و ترتیب اور تاج الدین ابوالیمن زین بن الحسن کندی بغدادی ثم دمشقی کی ترتیب و تقسیم علوم سے ظاہر ہے جس کا ذکر باب چہارم اور باب ہفتم میں تفصیل سے کیا جاچکا ہے (۶۷) اسلئے مورخ عمادالدین اصفہانی نے خزائنِ قصر کے متعلق لکھا ہے:

"**خزائنها فی القصر مرتبة البيوت، مقسمة الرفوف "فهرسة الرفوف"** خزائنِ قصر میں ہر بیت کتب مرتب ہوتا تھا، کتابیں الماریوں میں ترتیب سے رکھی جاتی تھی اور معمول کے مطابق فہرستیں الماری میں تیار رکھی جاتی تھیں" (۶۸)۔

کتابیں الماریوں میں منضدہ (تہ بتہ) رکھی جاتی تھیں۔ تنضید کے معانی سامان کو بترتیب رکھنے کے ہیں لین (Lane) لکھتا ہے۔

"Put one upon another, put or set, together in regular order". (69)

بڑی تقطیع کی کتاب سب سے نیچے اور سب سے چھوٹی تقطیع کی کتاب سب سے اوپر رکھی جاتی تھی تاکہ نظم نہ بگڑے اور زیادہ نہ گریں۔

(۴) عہدِ عباسی میں علامات (NOTATION) نگاری کا آغاز

عہدِ عباسی میں کتابوں کی درجہ بندی کے لئے جو بھی اسکیم اختیار کی جاتی تھی اس اسکیم کے تحت علامتیں بھی مقرر کی جاتی تھیں جن کا استعمال عام طور پر کتب خانوں میں پایا جاتا تھا یہ علامتیں نشاندہی کرتی تھیں کہ کتاب فلاں مقام پر رکھی جانی چاہئے، ان علامتوں کو ہر کتاب کی انفرادیت برقرار رکھنے کے لئے نمایاں اور متعین مقام پر لکھا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں کتابوں کو ان کی صحیح جگہ پر رکھنے، نکالنے، واپس ان کی جگہ پر پہنچانے اور رکھنے کی غرض سے کچھ علامات کتابوں پر لکھی جاتی تھیں جیسا کہ ابن الکوفی المتوفی ۳۴۸ھ کے کتب خانے سے ظاہر ہے (۷۰)۔

کتاب کا عنوان، مولف کا نام، صفحات کے مجموعہ، ہر ایک اس طرح سے لکھا جاتا تھا کہ حروف کے سرے کتاب کے سامنے کے حصے پر نمایاں نظر آتے تھے کتابیں الماریوں میں کھڑی نہیں بلکہ لٹا کر تہ بتہ اس طرح رکھی جاتی تھیں کہ ان کے پشتے ہمیشہ دیوار کی طرف اور منہ یعنی وہ حصہ جس طرف سے کتاب کو کھولا جاتا ہے، ناظر کے سامنے رہتا تھا اسی حصہ پر عنوان کتاب اور مولف کا

نام لکھا جاتا تھا۔

ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ مطالعہ کرنے والے انہیں دیکھ کر پہچان لیں اور بآسانی ان سے استفادہ کریں، مزید برآں عنوان کتاب اور مولف کا نام کتاب کے تین ورق (دو ابتدائی اور ایک آخری ورق) کے کناروں پر بھی لکھا جاتا تھا(۷۱) اولگا پنٹو کی تحقیق یہ ہے کہ کتاب کے پشت پر مصنف اور کتاب کا نام لکھا جاتا تھا(۷۲)۔

مذکورۂ بالا امور سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں موضوعِ کتاب کی طرف رہنمائی کے لئے علامات و عنوان نگاری کا کام اور مواد کی ذمہ داری کو نمایاں کرنے اور الماری میں رکھنے میں سہولت کی غرض سے مصنف کا نام کتاب پر لکھنے کا اصول مسلمانوں نے وضع کیا تھا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کچھ تغیر و اختصار کے ساتھ یعنی کتاب کے نام کے بجائے موضوع کتاب کا نمبر اور مصنف کے پورے نام کے بجائے اس کے نام کے ابتدائی تین حرف کتاب کے پشتے (Spine) پر لکھے جاتے ہیں جو عہدِ عباسی کے اس اساسی طریقہ کی پیروی کا ثبوت ہے۔

غیر مجلد نفیس کتاب یا وہ کتاب جس کے اوراق کمزور ہوتے تھے اسے چمڑے یا قوی دبیز کاغذ اور گتے کے بنائے ہوئے بغچے اور صندوقچے میں رکھا جاتا تھا اسی صورت میں عنوان کتاب اور نام مولف بغچے یا صندوقچے کے کنارے پر بھی لکھا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں اسی مقصد سے رنگ برنگ کے نہایت منقش و دلکش بغچے اور صندوقچے تیار کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے بغچوں یا صندوقچوں میں جب کتاب رکھی جاتی تھی تو احتیاط و حفاظت کی غرض سے انہیں ڈوری سے باندھا جاتا تھا اس قسم کے صندوقچے آج بھی قاہرہ کے دارالکتب المصریہ میں اور دمشق کے دارالکتب الظاہریہ میں محفوظ ہیں (۷۳)۔

عہدِ عباسی میں قرآن مجید کے رکھنے کے لئے خاص قسم کا خانہ اور صندوقچہ (Case) تیار کرایا جاتا تھا جسے ربعہ کہا جاتا تھا اس میں مصحف رکھا جاتا تھا(۷۴)۔ کتابوں کے رکھنے کی جگہ کو "تابوت الکتب" کہا جاتا تھا(۷۵)۔

کمروں میں الماریاں کھلی رکھی جاتی تھی، مطالعہ کرنے والا خود وہاں جاکر کتاب نکالتا اور اگر اسے کتاب کے تلاش کرنے میں کسی قسم کی دشواری پیش آتی تو کارکنانِ کتب خانہ اس کی ہر ممکن مدد کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہتے تھے۔ نادر و کمیاب کتابیں جن کے ضائع ہونے کا خدشہ ہوتا یا ان کے اوراق کے گرنے کا خطرہ ہوتا انہیں مقفل الماریوں میں رکھا جاتا تھا ایسی کتابوں کے مطالعہ کے لئے مشرف کی اجازت درکار ہوتی تھی(۷۶)۔

(۵) عہدِ عباسی میں ذخائر کتب کے ناپ تول کے پیمانے

اوائلِ عہدِ عباسی دوسری تیسری صدی ہجری میں ذاتی کتب خانوں میں کتابیں زیادہ تر قمطروں (بوروں) میں رکھی جاتی تھیں، حمل و نقل اور نقل مکانی میں انہیں سہولت رہتی تھی، سفر میں اونٹوں پر قمطر اٹھا کر دھرنے اور لیجانے میں زحمت نہیں ہوتی تھی اس لئے کتابوں کی ناپ تول اور بوجھ جسے دو حمالی اٹھا کر لیجائیں، اور عِدل بعیر، وُقربعیر، حمل بَعِیر، یا حمل جَمل یا حملۃ (بارشتر) کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا تھا، چنانچہ مورخ واقدی کا جب انتقال ہوا اس نے چھ سو قمطر (بورے) کتابیں چھوڑی تھیں (۷۷)

اس دور میں ایک نامور عالم ایک سال میں ایک بار شتر کتابیں اپنے تلمیذ کو بسہولت لکھواتا تھا چنانچہ امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں امام محمدؒ کے پاس سال بھر رہا انہوں نے ایک بار شتر علم مجھے املاء کرایا تھا اس سے کتب خانوں کے ذخائر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حجم و ضخامتِ کتاب کی وضاحت کے لئے اصطلاحی الفاظ کا استعمال

عہدِ عباسی میں کتاب کے حجم و ضخامت کی تشریح کبھی ابواب، اوراق اور کبھی کتاب کے نام کے ساتھ کبیر و صغیر کا صفاتی لفظ بڑھا کر کی جاتی تھی (۷۹) اور کبھی:

(۱) کُرّاسہ (۲) طاقہ (۳) مَنّ (۴) جزء (۵) سِفر (۶) **مجلد** کے اصطلاحی الفاظ سے کتاب کے حجم و ضخامت کو بیان کیا جاتا تھا، لیکن کراسہ، طاقہ، من، جزء اور مجلد کتنے صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اس کا صحیح تعین ہمیں **مصطلحات** فن اور لغت کی کتابوں میں نہیں مل سکا۔ جن اہل قلم اور اربابِ فن نے اسلامی کتب خانوں کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے وہ بھی ان مصطلحات کی تشریح سے قاصر رہے ہیں تاہم دورانِ مطالعہ جو حقائق واضح ہو سکے ہیں وہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) کُرّاسہ

کراسہ، صحیفہ و کتاب کا ایک جز اور حصہ ہوتا ہے۔ عرب بولتے ہیں "**قرات کراسہ من کتاب سیبویہ**" میں نے کتاب سیبویہ کا ایک حصہ پڑھا اور اہل عرب کا محاورہ ہے:

"**التاجر مجدہ فی کیسہ والعالم مجدہ فی کراریسہ**" سوداگر کا مجد و افتخار اس کے روپوں کی تھیلی میں ہے اور عالم کا مجد و افتخار اس کے کراسوں میں ہے (۸۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں کتابوں کا گھر میں رکھنا اور کتب خانہ بنانا مجد و فخر کا باعث تھا، ابو ریحان البیرونی، کا بیان ہے کہ "لفظ توامیہ جڑواں فرو زوج پر، فریدہ و یتمہ ایک فرد

پر بولا جاتا ہے۔ موتی باہم ایک دوسرے سے پیوستہ ایک لڑی میں پائے جاتے ہیں‘ انہیں ہاتھ میں لے کر جدا کیا جائے تو کراس یعنی طرائق کہتے ہیں کراسہ اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک سلسلہ سے وابستہ ہوتا ہے اس لیئے اسے کراسہ کہا جاتا ہے" (۸۱)

(۲) دُفیتِر

عہدِ عباسی میں دَفتَر اور دُفیتِر کا لفظ بھی کراسہ و کتاب کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ چنانچہ اسماعیل بن حماد جوہری المتوفی (۱۰۰۳ء / ۳۹۷ھ) نے الصحاح میں لفظ دفاتر (دفتر کی جمع) کا ترجمہ اور وضاحت لفظ کراریس سے کی ہے۔ امام شافعی المتوفی (۸۲۰ء / ۲۰۴ھ) کا قول ہے "خرجت من مکہ وخلفت فیہا دفیترات‘ میں مکہ سے نکلا تو میں نے وہاں چھوٹے چھوٹے دفتر اور کراسے چھوڑے تھے (۸۳) سادہ دفتر (کاغذ کے دستے) بازار میں عام ملتے تھے چنانچہ قاضی شریک بن عبداللہ نخعی (۹۵-۱۷۷ھ / ۷۱۳-۷۹۴ء) کا بیان ہے کہ میں دودھ بیچتا اور دفتر و طروس (بن لکھے یا لکھ کر مٹائے ہوئے دستے) خریدتا‘ ان پر حدیثیں اور علمی باتیں لکھتا تھا (۸۴)

کراسہ‘ کتنے ورق پر مشتمل ہوتا تھا اس کے تعدادِ اوراق میں اختلاف ہے‘ فہرست ابن خیر دس کراسوں پر مشتمل تھی ان میں سے ہر کراسہ تیس (۳۰) ورق پر مشتمل تھا (۸۵) اس حساب سے اندلس میں ایک کراسہ ساٹھ صفحات پر حاوی ہوتا تھا ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق سات سو کراسوں میں لکھی تھی ہر کراسہ بیس (۲۰) ورق پر مشتمل تھا (۸۶)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں چالیس صفحات کا ایک کراسہ ہوتا تھا‘ عصر حاضر میں بھی ایک کراسہ چونتیس صفحات کے کتابچہ اور رسالے کو کہتے ہیں (۸۷) سولہ اور بیس صفحات کے رسالہ پر بھی کراسہ کا اطلاق کیا جاتا ہے (۸۸)

(۳) "طَاقَہ"

نصف کرایہ کو کہا جاتا تھا "تفصیل" من کی بحث میں آئے گی۔

(۴) جُزء

عہدِ عباسی میں کئی کراسوں کے مجموعے کو لفظ جزء سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ابو علی فارسی کے شاگرد محمد بن طولی قصری نے موصوف سے جن مسائل نحویہ کی تحقیق کی تھی۔ ان کا نام القصریہ رکھا تھا یہ دراصل ابو علی فارسی کی کتاب "التذکرہ" کا اختصار تھا قصری نے یہ کتاب سنہ ۵۷۳ھ میں مکمل کی تھی اس میں موصوف نے دس کراسوں کا ایک جزء قرار دیا تھا۔ پوری کتاب ایک سو پچاس

کراسوں پر پھیلی ہوئی تھی (۸۹) موصوف کی اس تشریح سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خلاف معمول تھا۔ اس لئے احمد بن رضوان نے اس کی تشریح ضروری سمجھی تھی۔

کبھی جزء کتاب کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا تھا لیکن ایسے مقام پر اوراق کی تعداد بتا دی جاتی تھی چنانچہ ابن الندیم نے ابن قتیبہ کی کتاب **التقفیہ** کے متعلق لکھا ہے کہ میں نے اس کے صرف تین جزء دیکھے ہیں جو تقریباً چھ سو ورق میں تھے یعنی بارہ سو صفحات میں "گویا ہر جزء چار سو صفحات پر مشتمل تھا (۹۰)۔

کبھی جزء کا لفظ 'کراسہ کی تعداد اوراق پر بھی بولا جاتا تھا۔ چنانچہ ابوالحسن محمد بن عمر عمری کا بیان ہے "ابوالعباس ابن عقدہ المتوفی ۳۳۲ھ میں میرے والد کے پاس آئے تو انہوں نے موصوف کو ایک جزء دکھایا جس میں صلہ رحم سے متعلق حدیثیں جمع کی تھیں یہ جزء چھتیس ورق یعنی بہتر صفحات پر مشتمل تھا" (۹۱)۔

(۵) سفر

جزء کی طرح ایک لفظ سفر بھی کتاب پر بولا جاتا تھا۔ اس کی جمع اسفار آتی ہے سفر غالباً سو ورق کی کتاب کو کہتے تھے چنانچہ یاقوت نے ابوبکر خالدی کا بیان نقل کیا ہے وہ کہتا تھا کہ دن میں سو سفر یاد رکھتا ہوں ہر سفر میں سو ورق ہیں (۹۲)

(۶) من

کورکیس عواد نے لفظ من کے متعلق کتب خانہ ابن الخفاف کے بیان میں لکھا ہے کہ لفظ "من" کی تعیین مراد سے ہم قاصر ہیں (۹۳) لیکن مورخ ذہبی نے حافظ ابن مندہ کے تذکرہ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ "من" کا اطلاق دس بڑے بڑے اجزاء پر کیا جاتا تھا (۹۴) موصوف نے علامہ سمعانی کی کتاب "الانساب" کے بیان میں ضمناً یہ بات کہی ہے کہ طاقہ نصف کراسہ کو کہا جاتا تھا۔ (۹۵)

اس سے معلوم ہوا کہ طاقہ کراسہ کا آدھا ہوتا تھا اور دو طاقہ کا ایک کراسہ بنتا تھا علامہ سمعانی کی کتاب الانساب کے مخطوطہ کا عکس ۱۹۱۲ء میں لیدن سے شائع ہوا تھا وہ نہایت باریک خط میں ہے اور ۶۰۳ اوراق پر مشتمل ہے اسے عہد عباسی کے اصطلاحی الفاظ میں یوں کہا جاتا تھا کہ کتاب الانساب تین سو پچاس طاقات اور ایک سو پچھتر کراسوں پر مشتمل تھی (۹۶)۔

(۷) مجلد

اوائلِ عہدِ عباسی ایک مجلد دس ورق یعنی بیس (۲۰) صفحات پر محیط ہوتی تھی (۹۷) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب تصانیف کا سلسلہ بڑھا تو مجلد کی تعداد صفحات میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور سو صفحات کی کتاب پر لفظ مجلد کا اطلاق کیا جانے لگا تھا چنانچہ اندلس میں ایک مجلد سو صفحات پر مشتمل ہوتا تھا (۹۸)

مشرق (ایشیاء و افریقہ) میں چوتھی صدی ہجری میں ڈھائی تین سو صفحات کی کتاب پر مجلد کا لفظ بولا جانے لگا تھا چنانچہ مورخ سبکی نے ابن جریر طبری کی مشہور تفسیر "جامع البیان" کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چالیس مجلدات میں تھی (۹۹) یہ مصر سے تیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں ڈھائی تین سو صفحات کی کتاب پر مجلد کا لفظ بولا جاتا تھا۔

علامہ سمعانی کی کتاب الانساب اگر موجودہ ٹائپ میں شائع کی جائے تو ظاہر ہے دس مجلدات سے کم میں نہیں آسکے گی اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجلد کتاب عہدِ عباسی میں ضخیم کتاب ہوتی تھی ہمارے اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ طبرانی کی الجامع الصغیر جو ایک مجلد میں شائع ہوئی ہے مورخ ذہبی نے اسے "فی مجلد" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے (۱۰۰) اس امر کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خطیب کی تاریخ بغداد جو مصر سے شائع ہو چکی ہے اس کی نویں جلد تین سو چوبیسویں صفحے میں محمد حامد فقی نے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ تاریخ بغداد کا جو نسخہ خانقاہ صمیصاطیہ (دمشق) میں تھا اس میں لفظ "معی کتاب" کے الفاظ پر یہ لکھا ہوا ہے کہ مصنف کے اجزاء کتاب میں سے یہاں چونسٹھواں جزء تمام ہوا اور خانقاہ صمیصاطیہ کے نسخہ تاریخ بغداد کی یہ ساتویں مجلد ہے (۱۰۱) تاریخ بغداد کے مطبوعہ نسخے کے صفحات کو شمار کیا جائے تو مذکورۂ بالا صفحات تک ان کی تعداد تین ہزار آٹھ سو اناسی (۳۸۷۹)) ہے اور ہر مجلد موجودہ ٹائپ کے کم و بیش پانچ سو چون (۵۵۴) صفحات پر اور ہر جزء ساٹھ صفحات پر مشتمل قرار پاتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں پانچویں صدی ہجری میں ایک جزء ساٹھ صفحات پر اور اواخرِ عہدِ عباسی میں جزء اتنے ہی صفحات پر مشتمل تھا (۱۰۲) اور ایک مجلد کم و بیش پانچ سو' ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہوتی تھی' چنانچہ ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن محمد دانی المعروف بابن غلام الفرس جامع ترمذی ایک مجلد میں لکھتے تھے (۱۰۳) لہٰذا عصر حاضر کے اہل علم (جیسے کرد علی) کا یہ خیال کہ دورِ عباسی کی مجلدات کی حیثیت موجودہ دور کی چھوٹی چھوٹی کاپیوں سے زیادہ نہ تھی (۱۰۴) تاریخی شواہد کے خلاف ہے۔

(۸) مسرّس

"عہد عباسی" میں "مسرس" شیرازہ بند اجزاء کو جن پر گتا نہ لگایا گیا ہو انہیں مسرس و مشرس کہا جاتا تھا اور انہیں کتب خانہ میں رکھا جاتا تھا (۱۰۵)

(۹) مُدَرَج

لپٹی ہوئی کتاب کو مدرج کہا جاتا تھا۔ (۱۰۶)

(۱۰) تَرکہ اور مُلزَمہ

عہدِ عباسی میں کتابوں کے صفحات پر نمبر ڈالنے کا رواج نہ تھا لیکن ہر ورق کی آخری سطر کے نیچے اگلے ورق کی پہلی سطر کا پہلا لفظ یا پہلا جملہ نقل کرنے کا طریقہ رائج تھا اس کو اصطلاح میں ترکہ اور ملزمہ کہا جاتا تھا چنانچہ قدیم مخطوطات میں صفحات کے نمبروں کے بجائے ترکہ و ملزمہ کتابوں کے اوراق پر ملتا ہے۔ اس سے اوراق کتاب کو مرتب کیا جاتا تھا۔

(۱۱) مُشَرَّسہ

پانچویں صدی ہجری میں مشرسہ تقریباً ایک مجلد کے برابر ہوتا تھا۔ چنانچہ حافظ محمد بن عبدالواحد الدقاق المتوفی ۵۱۶ھ کا بیان ہے۔

الحفاظ الذین شاہدتہم ابو مسلم اللیثی قدم علینا اصیہان وکان احفظ من رایت لکتابین جمع بین الصحیحین فی اربعین مشرسہ کل واحد منہا قریبۃ من مجلد (ص ۱۰۷

میں نے جن حفاظِ حدیث کو دیکھا ان میں ابو مسلم عمر بن علی لیثی (المتوفی ۴۶۶ھ) ہمارے پاس اصفہان آئے صحیحین کے سب سے بڑھ کر حافظ تھے۔ موصوف نے جمع بین ا صحیحین مرتب کی۔ جو چالیس مشرسات میں سمائی تھی اور ہر مشرسہ تقریباً ایک مجلد کے برابر تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُشَرَسہ تقریباً ایک مجلد کے برابر ہوتا تھا۔

(ز) کتب خانہ کے اوقات

عہدِ عباسی میں تعلیم کو فروغ دینے اور علمی و تحقیقی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے عوامی کتب خانے ہر روز کھولے جاتے تھے۔ کسی دن بند نہیں کئے جاتے تھے ' تذکرہ نگاروں کے بیان میں وقت کی تحدید نہیں ہے اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ یہ کتب خانے صبح سے شام تک کھلے رہتے تھے (۱۰۷) درسگاہوں اور مدرسوں کے کتب خانے عصر کے بعد بھی کھولے جاتے تھے (۱۰۸)

(ح) کتب خانوں میں کتب و سامانِ کتابت کی سہولت

عہدِ عباسی میں کتب خانوں میں اہل علم اور شائقین کو کتب و سامانِ کتابت بھی مفت فراہم کیا جاتا تھا (۱۰۹) نیز علماء اور اربابِ خیر کتابیں ہی نہیں سامانِ کتابت ' سیاہی ' قلم ' دوات اور کاغذ بھی وقف کرتے تھے یہ ذخیرہ بھی مدارس کے کتب خانوں میں رکھا جاتا ' طلبہ اور حاجتمندوں کو دیا جاتا تھا (۱۱۰) بلکہ بعض عوامی کتب خانوں میں کتابوں سے استفادہ کرنے والوں کو کتاب و سامان کتابت کے علاوہ نقد رقم بھی دی جاتی تھی (۱۱۱)۔

(ط) کتابوں کی تدفین

عہدِ عباسی میں کتابیں اگر کثرتِ استعمال سے خراب‘ بوسیدہ اور ناقابلِ استعمال ہو جاتیں اور قرآن مجید کے اوراق کثرتِ تلاوت کی وجہ سے پھٹ جاتے تو انہیں زیرِ زمین دفن کیا جاتا تھا چنانچہ ابو قتیبہ کا بیان ہے "ابوالجوزاء کا مصحف بوسیدہ ہو گیا تو میں نے اس کو مسجد ربعہ میں دفن کیا تھا" (۱۱۲) کتابوں کی یہ تدفین احترام کی خاطر کی جاتی تھی اس کا مقصد ان کو بے حرمتی سے بچانا تھا علم کو برباد کرنا نہ تھا‘ معیوب اور قابلِ اعتراض بات قصداً علم کا ضائع کرنا ہے جس کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔

(ی) مجلسِ کتب خانہ

(Library Committee)

عوامی کتب خانوں کی تاریخ میں مقاصدِ کتب خانہ کی نگہداشت‘ مصالح و خدمات کی نگرانی اور انتظامی امور کی دیکھ بھال کے لئے مجلسِ کتب خانہ کی تشکیل کا آغاز وزیر سابور بن اردشیر المتوفی ۴۱۱ھ نے کیا تھا۔ موصوف نے مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے چار رکنی جماعت جس کے نام درج ذیل ہیں نامزد کی تھی۔

(۱) ابوالحسن محمد بن الحسین بن ابی شیبہ

(۲) ابو عبداللہ محمد بن احمد حسنی۔

(۳) قاضی کرخ ابو عبداللہ حسن بن ہارون ضبی (۳۲۰-۳۹۸ھ)

(۴) شیخ ابوبکر محمد بن موسی خوارزمی المتوفی ۴۰۳ھ موصوف کو رئیس اور چیئرمین مقرر کیا گیا (۱۱۳) ابوبکر خوارزمی کے متعلق ذہبی نے لکھا ہے "دارالخلافہ کے اطراف میں مذہب حنفی کی سیادت ان پر ختم تھی" (۱۱۴) اور ابن الاثیر اور محمد طاہر فتنی نے موصوف کو مجددینِ امت میں شمار کیا ہے (۱۱۵)

لائبریری کمیٹی کے مذکورۂ بالا ارکان کی نامزدگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو نصر سابور نے گوناگوں علوم کے جامع افراد کو اس کمیٹی میں شامل کیا تھا۔ مقامی افراد میں قاضی کرک ہارون

ضبی کا کرخ میں خصوصاً اور بغداد میں عموماً بڑا اثر تھا۔ کمیٹی کا نگران اعلیٰ (Chairman) اسلامی دنیا کی بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت ابو بکر خوارزمی کو منتخب کیا گیا تھا(۱۱۶)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لائبریری کمیٹی کے آغاز اور تاسیس کا کام چوتھی صدی ہجری کے اواخر اور دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں بغداد میں شروع ہو چکا تھا اور اس کی تاسیس کا سہرا اسی نیک نام وزیر سابور بن اردشیر کے سر ہے۔

لائبریری کمیٹی کے مقاصد کا تعین مورخ ابن جوزی نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے ”دار العلم کے معاملات“ اس کے مقاصد کی نگہداشت، مصالح کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے مذکورۂ بالا دانشور و معروف شخصیتوں کو مامور کیا گیا تھا۔ اس کمیٹی کے بعد اس دار العلم کے لئے جو نئی کمیٹی بنائی گئی تھی اس کا نگران اعلیٰ شریف مرتضیٰ ابو القاسم علی موسوی (۳۵۵-۴۳۶ء) کو بنایا گیا تھا جن سے خازنِ کتب براہِ راست کتب خانے کے معاملات میں گفتگو کرتا تھا(۱۱۷)

اس سے ظاہر ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کے لیے لائبریری کمیٹی بھی تشکیل دی جاتی تھی۔

(ک) استعارۂ کتب

استعارہ کے معنی عاریتاً طلب کرنا اور اعارۃ کے معنی عاریت پر دینا ہیں۔ اس کا مادہ عور ہے اس لئے شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۴۸۳ھ نے تصریح کی ہے "یہ تعاور سے ماخوذ ہے جس کے معنی باری باری اور نوبت بنوبت کسی کام کو کرنا ہیں عاریتاً چیز دینے والا بھی اپنی چیز سے نفع اٹھانے کے لیے لینے والے کی باری مقرر کرتا ہے جب وہ چاہتا ہے تو اس باری سے لوٹا لیتا ہے" (۱۱۸) اس باری باری اور نوبت بنوبت استفادہ کو عاریت کہا جاتا ہے۔

لین (Lane) لکھتا ہے تعاورنا فلانا ضربا

" We beat such a one by turns. I beating him one time, and other, another time, and a third antother time." (۱۱۹)

ہم نے فلاں کو باری باری مارا ایک وقت میں نے مارا دوسرے کی باری آئی اس نے پٹائی کی پھر تیسرے کا نمبر آیا اس نے ہاتھ صاف کیا۔

اس میں بھی وہی نوبت بنوبت اور باری باری کا مفہوم لفظ کے لغوی معنی کی صحیح تعبیر ہے اس کے برعکس انگریزی زبان میں عاریت دینے اور لینے کے لیے دو لفظ استعمال کیے جاتے ہیں ایک Lend اور دوسرا Borrow۔ یہ دونوں لفظ اپنے لغوی معنی میں اس مفہوم سے یکسر خالی ہیں کتابوں کے باری باری افادہ اور استفادہ اور لینے دینے کے حقیقی مفہوم کو جس طرح عاریت کا لفظ ادا کرتا ہے کوئی دوسرا لفظ ادا نہیں کرتا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عاریت' استعارہ اور اعارۃ کی خدمات کی انجام دہی کے لیے کیسے صحیح الفاظ کا انتخاب کیا ہے شرع میں عاریت بلا عوض کسی کو منفعت کا مالک بناتا ہے (۱۲۰)

بعض اہلِ لغت عاریت کا عار بمعنی شرم و عیب سے ماخوذ قرار دیتے ہیں کسی سے کوئی چیز مانگنا شرم و عیوب کی بات ہے اور اس بناء پر اس کو عاریت کہا جاتا ہے (۱۲۱) لیکن عاریت کا مادہ (عیریائی) ہے اس سے ثابت ہوا کہ عاریتِ کتب کی اصل روح باری باری فائدہ اٹھانا اور فائدہ پہنچانا ہے (۱۲۲)

عوامل و محرکاتِ عاریتِ کتب کم و بیش وہی ہیں جن کا تذکرہ عوامل و محرکاتِ کتب خانہ سازی کے ضمن میں آچکا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلم اور یورپی معاشرہ میں کتابیں عاریتہً دینے کے عوامل و محرکات یکسر مختلف ہیں، عہدِ عباسی میں کتابیں عاریتہً دینے کے عوامل و محرکات مذہبی، علمی، اخلاقی اور سماجی تھے۔ مسلم معاشرہ میں کسی زمانے میں کہیں بھی کسی خاص گروہ کی علم پر اجارہ داری نہیں تھی۔

تعلیم کو عبادت اور مقدس فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ ہمیشہ مفت اور عام رہی ہے اس لئے مسلم معاشرے میں ہر جگہ مذہب، تعلیم، اخلاق اور بہتر سماج موجود رہا۔ معاشرہ میں ہر طرف علم کا چرچا رہا، اخلاقی زندگی میں پاکیزگی و تابندگی تھی۔ سماج میں فلاح و بہبود کے کاموں پر عمل کیا جاتا تھا نیکی اور بھلائی کا ہر طرف چرچا تھا معلمینِ اخلاق سے خانقاہیں آباد تھیں طلبہ سے درسگاہیں بھری رہتی تھیں، مسجدیں یادِ الٰہی سے معمور تھیں۔ دانشگاہیں قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے گونجتی رہتی تھیں۔ کتب خانے جگہ جگہ قائم تھے ان کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ جہاں تشنگانِ علوم اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ معاشی خوش حالی تھی جیسا کہ عہدِ عباسی کی تاریخ سے عیاں ہے۔

اس معاشرے میں عاریتِ کتب کے اصل محرکات "رب زدنی علما" خدایا میرے علم میں اضافہ فرما، فراوانی علم کا جذبہ تھا تاکہ علم و معارف اور حکمت و دانش کے جملہ انواع و اقسام میں روز افزوں ترقی کا سلسلہ پروان چڑھتا رہے اور معاشرہ پھلتا پھولتا رہے۔

آج سے ایک سو اٹھائیس سال قبل تک تمام ترقی یافتہ ملکوں میں کتابیں زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں ان کے یہاں کتابیں کتب خانوں میں سربمہر رکھی جاتی تھیں، علمی دروازوں پر پہرے بٹھائے جاتے تھے عوام کو کتابوں کے چھونے کی اجازت نہ تھی اس لئے یورپ کا معاشرہ بد سے بدتر حالت کو پہنچ گیا تھا ایسی صورت میں ان کے اربابِ دانش نے لوگوں کی توجہ علم کی طرف مبذول کرانے انہیں علم سے مانوس کرنے، اخلاقی پستی سے نکالنے کے لیے ۱۴ اگست ۱۸۵۰ء میں پارلیمنٹ میں پبلک لائبریری ایکٹ پاس کرایا (۱۲۳) اس سے یورپ کی علمی نشاۃ کا آغاز ہوا، علم تک عوام کی رسائی اور عاریتِ کتب کی راہ ہموار ہوئی پہلی مرتبہ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر فرد کے لیے کتاب سے استفادہ کا حق تسلیم کیا گیا اور (Book for all) پر عمل کی طرف رہنمائی ہوئی۔

ہندوستان میں بھی علم برہمنوں کے لئے مخصوص تھا۔ کسی اور کو علم حاصل کرنے کا حق نہ تھا (۱۲۴) اسی طرح یورپ میں بھی مذہبی طبقہ کی کلیساؤں، گرجاؤں اور معبدوں میں پاپاؤں اور پادریوں کی علم پر اجارہ داری قائم تھی، حکمران طبقہ عوام کو علم اور دانشورانہ باخبری (Intelectual awareness) سے باز رکھنے کے لئے کوشاں رہتا تھا اس کے برعکس

مسلمان فرمانروا اور علماء دونوں ہی فروغِ علم اور دانشورانہ باخبری کو استحکام سلطنت کا سب سے موثر ذریعہ سمجھتے اور اس کے فروغ کے لئے سعی پیہم کرتے رہتے تھے شاہانِ عباسی کی مساعی جمیلہ اور نظام الملک طوسی کی تعلیمی سرگرمیاں اس کی نہایت روشن مثال ہیں۔

عہدِ عباسی میں مسلمان فرمانروا زکوٰۃ لیتے، عشر و خراج وغیرہ وصول کرتے اس ٹیکس کے بدلہ میں رعایا کی علمی کم مائیگی کو دور کرنے، ذہنی جلا اور صحتمند معاشرہ برقرار رکھنے کے لئے سرکاری طور پر مدارس قائم کرتے، مسجدوں، مہمانخانوں، باغوں میں عوامی کتب خانے کھولتے اور ان میں سرکاری کتب خانوں سے کتابیں مہیا کرتے تھے جیساکہ مستفئی و مستنصرباللہ کرتے تھے اور اس کے معاوضہ میں علمی شخصیتوں کے وظائف جاری کئے جاتے تھے جیساکہ زجاج کو تین مدوں سے وظیفہ دیا جاتا تھا(۱۲۵)۔

اسلام میں عاریتِ کتب کے اجراء کا نظام عہدِ عثمانی میں قرآن مجید سے ظہور پذیر ہوا سب سے پہلے اس کا اجراء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا قرآن مجید نقلِ مصاحف کے لئے عاریۃً لے کر کیا تھا(۱۲۶)۔

دورِ اموی میں یہ سلسلہ وسعت اختیار کر گیا اور کتابیں ضائع ہونے لگیں، بعض اہلِ علم دلدادگانِ کتب کو عاریۃً کتابیں دینے سے منع کرنے لگے تھے(۱۲۷) امام زہری المتوفی ۱۲۴ھ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور انفرادی ملکیت میں بھی عاریت کتب سے پہلو تہی کرنے کو "غلول" خیانت اور چوری جیسے مذموم الفاظ سے تعبیر کیا(۱۲۸)۔

عہدِ عباسی میں عاریت کتب کے ترقی پذیر نظام کے اصول و قواعد کی تشکیل و تکمیل ہوئی اور یہ سلسلہ اسلامی قلمرو کے ہر شہر اور بڑے چھوٹے قصبے میں پھیل گیا، ذاتی، تعلیمی اور عوامی کتب خانوں میں اس پر عمل کیا جانے لگا تھا۔ امام شافعیؒ امام محمدؒ سے کتابیں عاریۃً لیتے تھے (۱۲۹)۔ امام احمد بن حنبلؒ مورخ محمد بن سعد کاتب واقدی المتوفی ۲۳۰ھ کے کتب خانے سے واقدی کے دو جزء ہر جمعہ کو منگاتے اور دوسرے جمعہ کو پہنچاتے تھے (۱۳۰)۔

حافظ ابوزرعہ المتوفی ۲۶۴ھ کے کتب خانے سے بھی شوقین کتابیں عاریۃً لے جاتے تھے ایک مرتبہ ایک صاحب کتاب لے گئے اور چھ مہینے کے بعد واپس کی موصوف نے کتاب کو دیکھا تو سات جگہ اس میں تبدیلی پائی، یہ کتاب لے کر اس کے پاس پہنچے اور کہا کیا خدا کا ڈر دل سے نکل گیا ہے، تم نے جو تصرف کیا ہے وہ مجھے معلوم ہے بطور مثال ایک جگہ ان کی غلطی انہیں بتائی کہ تم نے یہاں ابن ابی فدیک بنا دیا حالانکہ عن ابی ضمرہ مشہور اور صحیح ہے میں نے جو کچھ اس میں لکھا ہے سینے میں محفوظ ہے اگر مجھے یاد نہ ہوتا تو یہ راز بھی نہ کھلتا(۱۳۱)۔

محمد بن سلام المتوفی ۲۳۱ھ کے ہمشیرہ زادہ ابو خلیفہ فضل بن الحباب جمحی کا بیان ہے کہ عباس بن الفرج ریاشی المتوفی ۲۵۷ھ موصوف کے ماموں جان کے پاس آئے اور ان کی کتاب طبقات الشعراء عاریتہً مانگتے ایک ایک جزو لے کر انہیں دیتا رہتا تھا‘ (۱۳۲)۔

ایک دو کتابیں نہیں سینکڑوں کتابیں ذاتی کتب خانوں سے اہل علم کو عاریتہً مل جاتی تھیں۔

شیخ صفی الدین کا بیان ہے کہ ابو العلاء ہمدانی نے مجھ سے شیخ ابو بکر محمد بن عمر ترمذی ثم بلخی المتوفی ۲۹۴ھ کی تصانیف کے متعلق دریافت کیا میں نے بتایا کہ میں نے دیکھی ہیں اور یہاں بھی میرے پاس موجود ہیں انہوں نے آدمی بھیج کر کتابیں منگوائیں مطالعہ کیا‘ بہت پسند آئیں‘ فرمایا انہیں بیچ دو یا ان کے عوض اور کتابیں لے لو‘ سیم و زر پیش کیا مگر میں نے قبول نہیں کیا اور ایک سفینہ کتابیں ان کے پاس چھوڑ دیں جب رخصت ہونے لگا تو واپس لیں انہوں نے ہر چند بیچنے پر اصرار کیا لیکن دل کتابوں کو جدا کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور میں نے واپس لے لیں (۱۳۳)

تاجر اہلِ علم بھی کتابیں عاریتہً دینے میں ذرا تامل نہیں کرتے تھی (۱۳۴) استاد طلبہ کو کتابیں عاریتہً دیتے ہی تھے (۱۳۵) اس سے معلوم ہوا کہ عام طور پر اہلِ علم ایک دوسرے کو کتابیں عاریتہ دیتے رہتے تھے۔

اوائلِ عہدِ عباسی میں کتابیں انہی اہل علم کے پاس ملتی تھیں جن کو مصنف سے کتابوں کا سماع ہوتا تھا اور دوسروں کے پاس کتابیں مشکل سے دستیاب ہوتی تھیں اگر کوئی عالم کسی کو کتابیں دینے اور نقل کرنے کی اجازت دینے سے گریز کرتا‘ انکار کرتا تو اس سے خواہشمند کی ہمت پست نہیں ہوتی بلکہ یہ انکار اس کے شوق پر مہمیز کا کام کرتا تھا‘ چنانچہ حافظ احد بن سیار شافعیؒ المتوفی ۲۶۸ھ امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ کی تصانیف سب سے پہلے مرو میں لائے حافظ ابو محمد عبدان مروزی المتوفی ۲۹۳ھ نے ان کتابوں کو دیکھا اور نقل کی اجازت مانگی انہوں نے انکار کیا۔

عبدانؒ نے جو جنوجرد میں اپنی زمین و جائیداد فروخت کی مصر آکر امام شافعیؒ کے شاگرد ربیع بن سلیمانؒ اور فقہاء شام و عراق وغیرہ سے پڑھ کر امام موصوف کی تصانیف کو نقل کیا‘ پھر مرو میں احمد بن سیار کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا وہ نقل کی اجازت نہ دینے کی معذرت کرنے لگے‘ عبدان بولے آپ معذرت نہ کریں آپ نے اجازت نہ دے کر مجھ پر احسان کیا آپ اگر کتابیں مرحمت فرما دیتے تو میں انہیں نقل کرنے پر اکتفاء کرتا اور مصر‘ شام و عراق تک نہ پہنچتا۔ امام شافعیؒ کے تلامذہ کو نہ پاتا یہ بات سن کر احمد بن سیار کو خوشی ہوئی (۱۳۶)۔

اہلِ علم یا صاحبِ کتب خانہ سے اصرار کیا جاتا تو وہ کتاب ہی ہدیہ کر دیتے (۱۳۷) یا خود نقل کرا کر دے دیتے تھے۔ چنانچہ قاضی ابن فطیس المتوفی ۴۰۳ھ جن کے کتب خانے کی قرطبہ میں

دھوم تھی کوئی کتاب عاریۃً طلب کرتا اور اصرار کرتا تو اپنے نقل نویس سے کتاب نقل و مقابلہ کرا کر دیتے وہ واپس کرتا تو لے لیتے ورنہ کتاب اس کے پاس چھوڑ دیتے تھے۔ (۱۳۸)

ابوالعباس احمد بن محمد بن خلیل اموی' المعروف .عتاب کے پاس بہت عمدہ کتب خانہ تھا موصوف بعض اوقات اصل نادر نسخہ جس کا ملنا مشکل تھا اشاعتِ تعلیم و رضاءِ الٰہی کی خاطر جویائے کتاب کو دے دیتے تھے (۱۳۹)

خواہشمندوں کو خود کتاب کی اپنے خرچے صرفے پر نقل فراہم کرنا اتنا بڑا ایثار تھا جس کی مثال اس متمدن دور میں ملنا مشکل ہے وہ علماء جن کے کتب خانوں میں مطلوبہ کتاب نہیں ہوتی اور وہ کتاب اپنے خرچ صرفے پر مہیا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو اس کتاب کے نسخے کا کسی عالم کے کتب خانے میں انہیں علم ہوتا تو وہ طالب کی رہنمائی کرتے تھے۔ چنانچہ وراق ابوبکر ابن الخاضبہ المتوفی ۴۸۹ھ اپنے کتب خانے سے اہل علم کو کتابیں عاریۃً دیتے' اگر ان کے کتب خانے میں وہ کتاب نہیں ہوتی اور ان کے علم میں کسی کے پاس اس کتاب کا نسخہ کہیں ہوتا تو اس کی طرف رہنمائی کرتے تھے (۱۴۰)۔

(ل) ۰ کتب خانوں سے عاریۃً کتابیں دیہات میں لے جانے کی اجازت

امیر ابو الفضل میکالی المتوفی ۴۳۶ھ اپنے کتب خانہ سے اہل علم کو باہر دیہات میں کتابیں لے جانے کی اجازت دیتے تھے۔ علامہ ثعالبی جب اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے دیہات میں جانے لگے تو انہیں فقہ اللغہ کی تالیف کے لئے اپنے کتب خانے سے کتابیں لے جانے کی اجازت دی تھی اور ائمہ لغت و ادب کی تالیفات کا نہایت عظیم الشان ذخیرہ (جس کی تفصیل باب چہارم میں موصوف کے کتب خانے کے بیان میں مذکور ہے) انہیں دیہات میں لے جانے کو دیا تھا جہاں گرد و غبار، پانی، چوری اور دیمک سے حفاظت کی خاطر خواہ انتظام بھی نہیں ہوتا ہے۔

علامہ ثعالبی نے امیر موصوف کا عاریۃً کتابیں دینے کی بناء پر اس طبیب سے مقابلہ کیا ہے جو جسمانی امراض کے لئے دوائیں بھی مہیا کرتا اور مریضوں کو غذا بھی بہم پہنچاتا ہے۔ موصوف نے روحانی و دماغی تسکین کے لئے کتب خانہ بنایا۔ طالبوں کی رہنمائی کی ان کی علم تشنگی کو دور کرنے اور ان کے زبان و قلم سے عالم کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ذخیرۂ کتب سے بیش بہا اور نادر کتابیں ان کو شہر ہی میں نہیں دیہات میں بھی لے جانے کے لئے مستعار دیں۔ اس طرح ان کے کتب خانہ سے دور و نزدیک ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا، بستی بستی اس انفرادی کتب خانے سے مستفید ہوتی اور علم کے نور سے روشن ہوتی جا رہی تھی یہ سارا فیض ان کے دیہات میں کتابیں عاریۃً دینے کی وجہ سے تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انفرادی کتب خانے عوامی کتب خانوں سے بھی بڑھ کر کام کرتے تھے (۱۴۱)

امیر ابن حمدون المتوفی ۶۰۸ھ کتابوں کے بہت دلدادہ تھے اور کتابیں دل کھول کر عاریت دینے میں فیاض واقع ہوئے تھے۔ یاقوت رومی کا بیان ہے:

"مجھے ان کے فوراً کتاب عاریت دینے پر تعجب ہوتا تھا ایک دن موصوف نے مجھ سے فرمایا "مابخلت باعارة كتاب قط ولا اخذت عليه رهنا ولا اعلم انه مع ذلك فقدت كتابا في عاريته قط" (۱۴۲) (میں نے کتاب عاریت دینے میں کبھی بخل نہیں کیا اور نہ میں نے اس پر کبھی زرِ ضمانت طلب کیا اس کے باوجود مجھے نہیں معلوم کہ میری کبھی کوئی کتاب کھوئی ہو) میں نے عرض کیا: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے یہ آپ کے خلوصِ نیت کا ثمرہ ہے کہ آپ کی عاریت دی ہوئی کتابوں کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے"۔ (۱۴۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں عاریتاً دینے میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ عموماً زرِ ضمانت بھی طلب کیا جاتا تھا اس لئے یاقوت کو ان کی فیاضی اور ان کی کتابوں کی بازیابی پر تعجب و حیرت ہوتی تھی‘ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بلامعاوضہ کتابیں عاریتاً دینے کا بھی چلن تھا جس پر نہ شخصی ضمانت لی جاتی تھی اور نہ زر ضمانت ہی طلب کیا جاتا تھا‘ عوامی کتب خانوں میں عام طور پر زر ضمانت طلب کئے بغیر کتابیں عاریتاً دی جاتی تھیں۔ کہیں کہیں زر ضمانت بھی طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے خزانہ الکتب سے عاریۃً کتابیں امانت دار کو زرِ ضمانت جمع کرانے کے بعد ملتی تھیں (۱۴۴)

عوامی اور وقف کے کتب خانوں سے اہلِ علم اور محققین کو بیک وقت کتنی کتابیں عاریۃً دی جاتی تھیں اس کا اندازہ مرو کے عوامی کتب خانوں سے کیا جا سکتا ہے۔ یاقوت رومی کا بیان ہے:

”مجھے بیک وقت یہاں کے کتب خانوں سے دو سو دینار کی دو سو (۲۰۰) مجلد کتابیں بغیر طلب زر ضمانت و رہن عاریۃً مل جاتی تھیں (جبکہ پانچ سو (۵۰۰) دینار میں کتب خانہ رہن رکھا جاتا تھا) ان کتابوں کو اپنی قیام گاہ پر لے جا کر استفادہ کرتا اور اقتباس لیتا رہتا تھا (۱۴۵)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عاریۃً کتب کے قواعد و ضوابط (یہ جزوی باتیں ہیں جن کا تعلق انتظامی امور سے ہوتا ہے اس کی تفصیلات موجودہ کتابوں میں نہیں ملتی ہیں) کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علمی شخصیتوں کو ایک ہی وقت میں دو سو (۲۰۰) دینار کی کتابیں جن کی تعداد سینکڑوں جلدوں تک پہنچتی تھی‘ ان میں بھی زیادہ تر حوالے کی کتابیں ہوتی تھیں‘ مستعار دی جاتی تھیں اور اس پر شخصی ضمانت یا زر ضمانت بھی طلب نہیں کی جاتی تھی۔ حالانکہ ۴ اگست ۱۸۵۰ء سے پہلے یورپ میں کتابیں عاریتاً دینے کا کوئی ضابطہ ہی نہ تھا۔ (۱۴۶)

ہندوستان و پاکستان کے کتب خانوں میں شخصی ضمانت اور زرضمانت کی پابندی آج تک عائد ہے۔ نادر‘ حوالے کی کتابیں تو اس ترقی یافتہ دور میں کہیں کسی کتب خانہ میں باہر عاریتاً نہیں دی جاتی ہیں اور اتنی بڑی تعداد میں حوالے کے علاوہ دوسری کتابیں بھی کتب خانے سے باہر استعمال کے لئے کسی ملک و ملت میں دئے جانے کی نظیر کم ملتی ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں نایاب کتابوں کو کتب خانے سے باہر لے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے (۱۴۷)

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

عہدِ عباسی میں اس طرح کتب خانوں میں علمی ورثہ کی حفاظت‘ نشر و اشاعت کی جاتی اور ثقافتی ورثہ سے استفادہ کی سہولت دے کر علم و تحقیق میں اضافہ کیا جاتا تھا اور محققین و طلباء کی اصل ماخذوں تک رسائی میں مدد کی جاتی تھی۔

اجراءِ کتب کا نظام

مذکورۂ بالا اصول و قوانین کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ عاریۃً کتب اور کتابوں کی داد و ستد کے نظام کی اصل روح اہلِ علم کی کتابی ضروریات کو پورا کرنا اور کتب خانے سے انہیں اس سلسلہ میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچانا تھا اس کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا جاتا تھا اس کو اجراء کتب و داد و ستدِ کتب کا نظام اور انگریزی میں (Charging System) کہا جاتا ہے۔ عہدِ عباسی میں اس نظام کا کوئی تحریری نمونہ ہمارے سامنے موجود نہیں لیکن اس سلسلہ میں جن اصول پر عمل کیا جاتا تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی رجسٹر یا کسی کاغذ کے ورق یا پرچے پر مندرجہ ذیل معلومات کا اندراج کیا جاتا تھا:

(۱) مستعیر کا نام
(۲) کتاب کا نام
(۳) مصنف کا نام
(۴) تعداد جلد
(۵) تاریخ اجراء
(۶) کتاب کی واپسی کی تاریخ
(۷) کتابوں کی مجموعی تعداد
(۸) زرضمانت کی مقدار

(۹) مذکورۂ بالا اصول کی روشنی میں ان امور اور معلومات کے اندراج کے بغیر اجراء کتب کا عمل پورا نہیں ہوتا ان باتوں پر عمل ناگزیر تھا۔

(ن) عاریۃً کتابیں لینے والوں کی اخلاقی ذمہ داریاں

سہولت کی خاطر کتاب لینے والے پر حسب ذیل چند پابندیاں عائد کی جاتی تھیں۔ یہ گویا کتاب و سنت سے ماخوذ و مستنبط وہ زریں اصول ہیں جن پر اس ترقی یافتہ دور میں بھی عمل کیا جا رہا ہے:

(۱) بلاوجہ کتاب کو اپنے پاس نہ رکھا جائے، ضرورت پوری ہو جانے کے بعد کتاب واپس کر دی جائے۔

(۲) جب مالک یا (لائبریری) کو ضرورت پیش آئے تو کتاب دے دی جائے۔

(۳) مالک کی بلا اجازت اس میں کسی نوع کا تصرف نہ کیا جائے، اصلاح نہ کی جائے حاشیہ پر کچھ نہ لکھا جائے۔ اول و آخر کتاب کے سادہ اوراق پر کچھ نہ بھرا جائے، اگر مالک کی خوشنودی کا یقین ہو تو لکھ سکتا ہے، یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مسلمان بنی نوع

انسان کو ذہن کی تخلیق و تحقیق سے محروم نہیں رکھنا چاہتے تھے مگر آج کے ترقی یافتہ دور میں کسی کو لائبریری کی کتاب پر کسی قسم کی رائے، تبصرہ یا اغلاط کی تصحیح تک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ببیں رہ تفاوت از کجاست تا بہ کجا

(۴) مستعار کتاب کسی اور کو عاریۃ نہ دی جائے۔

(۵) ضمانت کے طور پر کہیں رہن نہ رکھی جائے۔

(۶) نقلِ کتاب کے لئے مالک کتاب سے اجازت لینا ضروری ہے۔

(۷) اگر کتاب وقف ہے تو اس کی نقل احتیاط سے کرنی لازم ہے۔

(۸) جو کتاب کی اصلاح کا اہل ہو اس کو کتاب کی غلطی کی اصلاح کی بھی اجازت ہوتی تھی لیکن خازن سے اجازت لینا بہتر تھا (۱۴۸) کتاب اگر اغلاط سے پر ہوتی تو اس کے حواشی میں اصلاح نہیں کی جاتی تھی چنانچہ علامہ سمعانی کا بیان ہے میں نے اسماء و القاب کے موضوع پر احمد بن علی المعروف بالبصری المتوفی ۴۴۹ھ کی کتاب ''المضاہاۃ والمضافاۃ'' بخارا میں دیکھی تو حواشی پر اس خیال سے کہ وہ قابلِ اصلاح ہوگی، اصلاح کی جب بہت زیادہ تصحیفات نظر آئیں تو میں نے اصلاح کا خیال ہی چھوڑ دیا (۱۴۹)

(۹) اگر مالک یا خازن کی اجازت سے کتاب نقل کرتا ہے تو بھی کاغذ کو کتاب پر رکھ کر نہیں لکھنا چاہیے نہ دوات اس پر رکھنی چاہیے (۱۵۰)۔

(س) مستعار کتابوں کے قوانین

عہدِ عباسی میں عاریتاً پر لی گئی کتابوں کے استعمال کے لئے مندرجہ ذیل ہدایتیں دی جاتی تھیں اور (By laws) کا یہ جزء ہوتی تھیں۔

(۱) کتاب کو کراسوں کے خانہ میں نہیں رکھنا چاہئے۔

(۲) کتاب کو تھوڑی کے نیچے رکھنے سے گریز کرنا چاہئے۔

(۳) کتاب کو پنکھا نہیں بنانا چاہیے۔

(۴) کتاب کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔

(۵) کتاب کو مسند اور تکیہ بنانا درست نہیں۔

(۶) کتاب پر کھٹمل، پسو اور مکھی وغیرہ مارنا اچھا نہیں۔

(۷) ورق کا کنارہ نہیں موڑنا چاہئے۔

(۸) اوراق کتاب پر لکڑی سے نشان نہیں لگانا چاہئے اور نہ کسی خشک چیز سے کوئی علامت بنانا چاہئے۔

(۹) اگر ناخن لگ جائے تو اسے گہرا نہیں کرنا چاہئے (۱۵۱)

مذکورۂ بالا ہدایات پر عمل کرنا ہر مستعیر کی اخلاقی ذمہ داری تھی۔

دوسرا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆---------- عملہ

☆---------- خازن کے فرائض

☆---------- عہد عباسی کے مشہور خازن

☆---------- دوسری صدی ہجری کے خازن

☆---------- تیسری صدی ہجری کے خازن

☆---------- چوتھی صدی ہجری کے خازن

☆---------- پانچویں صدی ہجری کے خازن

☆---------- چھٹی صدی ہجری کے خازن

☆---------- ساتویں صدی ہجری کے خازن

☆---------- مشرفین کتب خانہ

☆---------- وکیل

☆---------- نساخ

☆---------- کاتب و وراق

☆---------- مصحح

☆---------- جلد ساز

☆---------- مترجم

☆---------- طلاکار

☆---------- مناول

☆---------- فراش

☆---------- حاجب وغیرہ

☆---------- تحفظ کتب کی احتیاطی تدابیر

☆---------- کتابوں کی درستی کے لئے مسالوں کا استعمال

☆---------- اتفاقی حوادث سے بچاؤ

☆---------- جلد سازی

☆---------- تزئین وآرائش کتب

☆---------- کتابوں کی تباہی

☆---------- دیمک

☆---------- چوہے اور کیڑے

☆---------- اختلاف عقائد

☆---------- لشکر کشی

☆---------- سیلاب

☆---------- آگ

☆---------- چوری

(۲)

(ا) عملہ

عہدِ عباسی میں کتب خانے میں فنی اور غیر فنی ہر دو نوع کا عملہ رکھا جاتا تھا۔ فنی عملہ حسب ذیل افراد پر مشتمل ہوتا تھا:

(ا) خازن، درجہ بندی، فہرست سازی و فہرست نگاری کا کام خازن انجام دیتا تھا، لیکن ممکن ہے بعض بڑے کتب خانوں میں ان تینوں کاموں کی انجام دہی کے لئے بعض دوسرے فنی افراد کو بھی رکھا جاتا ہو۔

(۲) مشرف یا وکیل

(۳) نساخ

(۴) کاتب و وراق

(۵) مصحح (تصحیح کرنے والا)

(٦) جلد ساز

(۷) مترجم

(۸) طلا کار

غیر فنی عملہ میں حسب ذیل افراد شامل تھے:

(ا) مناول

(۲) خدام

(۳) فراش

(۴) حاجب و دربان وغیرہ (۱۵۲)

خلافت راشدہ میں عہدِ عثمانی میں جب اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں میں مصاحف پہنچائے گئے تو ان کے ساتھ مقری بھی بھیجے گئے جو خازن کے فرائض ادا کرتے تھے لیکن انہیں قرآن کی نسبت سے خازن کے بجائے مقری کہا جانے لگا تھا۔ عہدِ اموی میں شاہی خزانۃ الکتب میں یہ اختصاص باقی نہیں رہا اس لئے ان کو ان کے اصل لقب خازن کے نام سے پکارا جاتا تھا، دور اموی میں لفظ "خازن" اپنی وسعت میں اضافہ کر چکا تو اس کے لئے منجملہ دیگر الفاظ ایک نیا لفظ "امین" وضع کیا گیا (۱۵۳) جو اپنے معنی و مفہوم اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے بنفسہ امانت کی

صفت سے آراستہ ہے۔ بظاہر انہی کی اتباع میں برٹش میوزیم میں کیپر (Keeper) کا لفظ اسسٹنٹ لائبریرین کے لئے بولا جاتا تھا (۱۵۴)

خلافت راشدہ میں لفظ "مقری" اور عہدِ عباسی میں ناظم و مہتمم کتب خانہ کو

(۱) خازن

(۲) متولی

(۳) حاکم

(۴) صاحب خزانہ

(۵) خازن کتب

(۶) امین

(۷) اور قیم (۱۵۵) کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن خازن کا لفظ سب سے زیادہ عام تھا۔ چنانچہ علامہ سمعانی نے تصریح کی ہے کہ خازن کی نسبت سے ایک جماعت مشہور ہے ان میں بہت سے خازن کتب تھے (۱۵۶)۔

عہدِ عباسی میں خازن کا منصب نہایت معزز و ممتاز رہا ہے اس جلیل القدر منصب پر ہر دور میں سربرآوردہ علمی شخصیتوں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ قاضی القضاء برہان الدین ابن فرحون مالکی نے لکھا ہے:

"کانت عندھم من الخطط الجلیله التی لایعین لھا الاعلیة اھل العلم و اکابرھم"۔ (۱۵۷) (شاہان اموی کے یہاں خازن کتب کا منصب جلیل القدر منصبوں سے تھا اس عظیم منصب پر جلیل القدر علماء و اکابر ہی کا انتخاب کیا جاتا تھا) چنانچہ خلیفہ افتتاح جامعہ کے وقت جب اساتذہ و شیوخ کو خلعت پہناتا تو خازن و مشرف کو بھی خلعت سے سرفراز کرتا تھا۔ خلیفہ مستنصرباللہ نے جامعہ مستنصریہ کے افتتاح پر ایسا ہی کیا تھا (۱۵۸)۔

مذکورۂ بالا عبارت سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں خازن کتب کے ممتاز عہدہ کے لئے علمی و فنی بصیرت کے ساتھ معاشرہ میں اس کی علمی شہرت بھی لازمی شرط تھی۔ اس سے پیشہ کتاب داری کی عظمت و اہمیت اور اس کی قبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مذکورۂ بالا تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہیں کہ پیشہ و فنِ کتاب داری مسلم معاشرہ میں ابتداء ہی سے ہر دلعزیز و قابل فخر پیشہ و فن رہا ہے اور ہر دور میں ممتاز علماء و فضلاء کی ایک جماعت اس لقب سے ممتاز رہی ہے جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ عہدِ عباسی میں مسلمانوں کو پیشہ کتاب داری اور علم کتاب داری سے غیر معمولی دلچسپی رہی ہے۔

(۱) خازن کے فرائض

(۱) دارالکتب کی ہر لحاظ سے دیکھ بھال کرنا۔

(۲) کتابوں کی حفاظت و نگرانی کرنا (۱۵۹)

(الف) وقتاً فوقتاً رجسٹر اور فہرست کے مطابق (Stock-Taking) کرانا اور نقصان کے اسباب کی نشاندہی کرنا بھی اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا چنانچہ شاہی کتب خانے کے ناظم حسن بن موسیٰ طرابلسی سے پوچھا گیا کہ اس کتب خانہ میں کیا تغیر پایا تو فرمایا پہلے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) مخطوطات تھے پھر بیس (۲۰۰۰۰) ہزار رہ گئے اب چھ ہزار (۶۰۰۰) ہیں، اس کا سبب کیا ہے فرمایا! "المطر و ایدی الناس" (۱۶۰) بارش اور لوگوں کے ہاتھ کچھ بارش سے خراب ہو گئیں کچھ کو ہاتھ اڑا لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عہدِ عباسی میں کتابوں کے نقصان کے اسباب کی نشاندہی اور رپورٹ کی جاتی تھی۔ (۱۶۰)

(۳) ناقابل استفادہ کتابوں کو لائق استفادہ کرنا، کتابوں کی جلد بندھوانا، انہیں درست کرانا اور ذخیرہ میں اضافہ کرنا۔

(۴) ضرورتمندوں کو کتابیں دینا۔

(۵) نادار اور ایسے لوگوں کو جنہیں کتابیں حاصل کرنا مشکل ہوں، مالداروں پر ترجیح دینا۔

(۶) واقف کی شرائط کی پابندی کرنا (۱۶۱)

(۷) کتب خانے کے تمام شعبے، دارالمطالعہ، دارالمذاکرہ، دارالنقل و المقابلہ، دارالتجلید وغیرہ کی ذمہ داریاں پورا کرنا اور فرائض منصبی کو انجام دینا۔

مذکورۂ بالا شرائط سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں کتابوں کے صحیح استعمال اور حاجتمندوں کی کتابی ضروریات کی تکمیل پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ نیز مذکورۂ بالا فرائض کی انجام دہی کے لئے کتاب شناسی کا علم اور اس میں بصیرت لازمی تھی۔ اس لئے کتبی اور وراق کو بھی خازن بنایا جاتا تھا۔ چنانچہ علی بن یوسف بن سعد حظیری کتبی کو جامعہ مستنصریہ کے کتب خانہ کا خازن بنائے جانے سے ظاہر ہے (۱۶۳) یا وراق کو ان سے وابستہ رکھا جاتا تھا جیسا کہ قاہرہ میں نجیب الدولہ علی جرجرائی المتوفی ۴۳۶ھ کے قاضی ابو عبد محمد بن سلامہ کے ساتھ خلف وراق کو مامور کرنے سے عیاں ہے (۱۶۴)۔

عہدِ عباسی میں اعزازی اور جز وقتی خازن بھی رکھا جاتا تھا چنانچہ ابوالقاسم سلمان بن ناصر شافعی

کو (جن کا ذریعہ معاش وراقت تھا) مدرسہ نظامیہ نیشاپور کا اعزازی اور جزوقتی خازن بنایا گیا تھا (۱۶۵)

عہدِ عباسی میں خازن کا انتخاب فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ہو کر کیا جاتا تھا چنانچہ ابو عمرو سہل بن ہارون شیعی معتزلی کا خازن بیت الحکمہ کے عہدہ پر انتخاب اس امر کا شاہد عدل ہے۔ (۱۶۶)۔ خازن کے لئے امانت دار ہونے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا اس وجہ سے خازن کو امین کے لفظ سے بھی یاد کیا جاتا تھا (۱۶۷)۔

عہدِ عباسی میں کتب خانے کی وسعت و نوعیت کے لحاظ سے حسب موقعہ و ضرورت ایک کتب خانے میں ایک سے زیادہ خازن اور نائب و معاون خازن رکھے جاتے تھے چنانچہ بیت الحکمہ میں تین خازن' ابو عمرو سہل بن ہارون' سعید بن ہارون' (۱۶۸) اور سلم تھے (۱۶۹) یا بالفاظ دیگر دو معاون خازن سعید بن ہارون و سلم تھے' یا ابو عثمان بن ہاشم خالدی اور اس کا بھائی ابوبکر محمد خالدی خزانۂ کتب سیف الدولہ کے خازن تھے (۱۷۰)۔

عہدِ عباسی میں اگر کتب خانہ لسانی اعتبار سے مرتب کیا جاتا تو خازن کے انتخاب میں عجمی زبانوں میں سے کسی (Foreign Language) کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جاتی تھی جیسا کہ خازنِ بیت الحکمہ کے عہدہ پر ابو عمرو سہل بن ہارون اور سلم وغیرہ جو پہلوی زبان کے ماہر اور نامور مترجم تھے' کے انتخاب سے روشن ہے (۱۷۱)

مذکورۂ بالا حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ خازن کے منصب کے لئے علوم و فنون میں بصیرت' طبقات کتب و رجال سے واقفیت' انتظامی امور میں مہارت' وسعتِ نظر' علمی قابلیت' علمی حلقوں میں اس کا تعارف اور زبردست حافظہ لازمی شرائط میں سے تھے جیسا کہ ابن مسکویہ' ابن سینا' ابو عثمان و ابوبکر محمد خالدی' شابشتی ' خطیب تبریزی وغیرہ کے خازن کتب کے منصب پر تقرر سے ظاہر ہے۔ نیز مختلف کتب خانوں کے لئے ان کے بنیادی مقاصد کے پیش نظر خصوصی بصیرت اور اس فن سے خصوصی مناسبت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا جو علمی لیاقت و فنی بصیرت کے علاوہ مختلف زبانوں پر عبور رکھتے تھے جیسا کہ ابو عمرو سہل بن ہارون اور سلم' خازن بیت الحکمہ وغیرہ کے انتخاب سے ثابت ہے۔

عوامی کتب خانوں میں اس عہدہ پر جامع الصفات شخصیت کو ممتاز کیا جاتا تھا چنانچہ دار العلم سابور بغداد میں عبدالسلام بصری (۱۷۲) اور دار العلوم طرابلس بنی عمار میں حسین بن بشر طرابلسی (۱۷۳) جیسی جامع صفات شخصیات کے خازن کے منصب پر تقرر سے روشن ہے۔

علوم اوائل و فلسفہ کے کتب خانے میں ماہر علوم اوائل و فلسفہ کو یہ اہم عہدہ سپرد کیا جاتا تھا۔

چنانچہ صوان الحکمہ میں جہاں علوم اوائل و فلسفہ کا بہترین ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔ ابن سینا کو اس کا خازن بنایا گیا تھا۔ (۱۷۴)

مدارس کے کتب خانوں میں فقیہ ' محدث و ادیب کو چنا جاتا تھا جیسا کہ ابو یوسف یعقوب بن سلیمان اسفرائنی المتوفی ۴۸۸ھ (۱۷۵) ابوالمظفر محمد بن احمد اموی ابیوردی المتوفی ۵۰۷ھ (۱۷۶) اور ابو زکریا یحییٰ المعروف بخطیب تبریزی المتوفی ۵۰۲ھ کے جامعہ نظامیہ بغداد کا خازن بنائے جانے سے عیاں ہے (۱۷۷) اس طرح صحیح معنی میں کتب خانوں کے مقاصد کو پورا کیا جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عہدِ عباسی میں کتب خانہ کی نوعیت و کیفیت کے لحاظ سے مہتمم کتب خانہ کے انتخاب کا معیار گوناگوں قیود کے ساتھ عمل میں آتا تھا۔

عہدِ عباسی کے انفرادی و خصوصی و علمی کتب خانوں کے جن نامور خازنوں کا تذکرہ مورخین و تذکرہ نگاروں نے کیا یا کتب تاریخ و سیر میں کہیں ضمناً" ان کا نام آگیا ہے ان مشاہیر کی صدی وار نشاندہی کی گئی ہے اس سے بخوبی معلوم ہو سکے گا کہ اس ممتاز عہدے کو کیسے کیسے نامور فضلاء سے زینت حاصل رہی ہے اور عہدِ عباسی میں اس اہم منصب پر کیسی نادرہ روزگار شخصیتوں کا تقرر عمل میں آتا تھا۔

(ب) عہد عباسی کے مشہور خازن (و مہتمم کتب خانہ)

(۱) دوسری صدی ہجری

نام	مقام
۱۔ سعید بن ہارون	بالفاظ دیگر بیت الحکمت میں سہل بن ہارون کا معاون (اسسٹنٹ لائبریرین) تھا (۱۷۸)
۲۔ سلم (سلمہ) حرانی	ایضاً (۱۷۹)
۳۔ ابو عمرو سہل بن ہارون بن راہیون دستیمسانی بصری شیعی معتزلی	بیت الحکمہ اور خزانۃ المامون دونوں کا خازن تھا (۱۸۰)
۴۔ ابو سہل فضل بن نوبخت فارسی المتوفی ۱۹۳ھ	یہ خلیفہ ہارون کے خزانۃ الحکمہ کا خازن تھا (۱۸۱)

(۲) تیسری صدی ہجری

۵۔ ابو العمیثل عبداللہ بن خلید بن سعد الاعرابی المتوفی ۲۴۰ھ	یہ صدر الدین طاہر خراسانی کے خزانۃ الحکمہ کے خازن وامین تھے (۱۸۲)
۶۔ علی بن یحییٰ المنجم المتوفی ۲۷۵ھ	یہ وزیر فتح بن خاقان المقتول ۲۴۷ھ / ۸۶۱م کے کتب خانے میں خازن و مدیر کتب خانہ کے عہدے پر ممتاز تھا (۱۸۳) اس نے قفص کے اطراف میں کر کر (بغداد) میں عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا اس کا مہتمم و خازن رہا (۱۸۴)

(۳) چوتھی صدی ہجری

۷۔ حسن بن مرار صنوبری	یہ مشہور شاعر احمد ضبی المتوفی ۳۳۴ھ کے دار البیوت حکم مامون کے خازن تھے (۱۸۵)
۸۔ ابو عثمان سعید بن ہاشم بن وعلہ خالدی موصلی	یہ دونوں بھائی سیف الدولہ کے خزانۃ الکتب کے خازن تھے (۱۸۶)
۹۔ ابو محمد عبداللہ بن احمد الخازن	یہ صاحب بن عباد المتوفی ۳۳۸ھ کے کتب خانے میں مدیر و خازن تھا (۱۸۷)
۱۰۔ ابوالحسن علی بن محمد اسدی المعروف بابن الکوفی المتوفی ۳۴۸ھ	ابن الکوفی کا نہایت بیش قیمت کتب خانہ تھا یہ حسن ترتیب، صحت و ندرت میں اپنی نظیر آپ تھا یہ اس کا خازن تھا۔ اس نے اس میں (Notation) کا ایسا عمدہ نظام قائم کیا تھا کہ کتاب نکلنے کے بعد اپنی اصلی جگہ پر بآسانی پہنچادی جاتی تھی، وزیر جمال الدین علی بن یوسف القفطی المتوفی ۶۲۴ھ نے اس امر پر اس کی تحسین و آفرین ان الفاظ میں کی ہے : فما کان اسنی فعاله موصوف کا یہ نہایت عمدہ کارنامہ تھا (۱۸۸)
۱۱۔ محمد بن اسحاق الشابشتی المتوفی ۳۹۹ھ	یہ عزیز بن المعز فاطمی حاکم مصر کے کتب خانے میں خازن تھا (۱۸۹)
۱۲۔ ابو بکر محمد بن ہاشم بن وعلہ خالدی موصلی المتوفی ۳۸۰ھ	یہ ابو عثمان خالدی کا بڑا بھائی تھا یہ دونوں بھائی سیف الدولہ کے کتب خانے میں مدیر و خازن تھے (۱۹۰)

۱۳۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ الصولی المتوفی ۳۳۵ھ	ابو بکر صولی نے اپنے کتب خانے میں موضوعات علوم کو رنگوں کی ترتیب پر مرتب کیا تھا۔ چنانچہ اس کتب خانے میں مجلد کتابیں رنگوں کی ترتیب سے رکھی جاتی تھیں اس لئے اس کے کتب خانے کو بہت شہرت حاصل تھی (۱۹۱)
۱۴۔ ابو نصر منصور بن احمد بن محمد الشیرازی	یہ شیراز میں عضد الدولہ المتوفی ۳۷۲ھ کے کتب خانہ میں مدیر و خازن اور صمصام الدولہ بن عضد الدولہ کے کتب خانہ کا خازن تھا (۱۹۲)

(۴) پانچویں صدی ہجری

۱۵۔ ابو صالح احمد بن عبد المالک بن علی نیشاپوری شافعی المتوفی ۴۷۰ھ	یہ مدرسہ بیہقیہ نیشاپور کے خازن تھے (۱۹۲)
۱۶۔ ابو علی احمد بن محمد بن علی بن یعقوب مسکویہ رازی الخازن المتوفی ۴۲۱ھ	ابتداء میں وزیر معز الدولہ ابو محمد مہلبی کے خزانۃ الکتب کا اور وزیر ابن العمید کے کتب خانہ کا اور پھر عضد الدولہ کے کتب خانہ کا خازن رہا تھا (۱۹۳)
۱۷۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد طلیطلی المتوفی بعد ۴۷۸ھ	طرابلس میں یہ دار العلم بنی عمار کا خازن تھا (۱۹۴)
۱۸۔ ابو علی اسماعیل بن محمد بن حسین جاجرمی نیشاپوری المتوفی ۴۵۷ھ	یہ نیشاپور میں اپنے مدرسہ کے خزانۃ الکتب کے خازن تھے (۱۹۵)
۱۹۔ ابو الحسن ثابت بن اسلم بن عبد الوہاب حلبی شیعی المتوفی ۴۶۰ھ	یہ جامع اموی حلب کے کتب خانہ میں خازن تھا (۱۹۶)
۲۰۔ قاضی حسین بن عمر بن علی طرابلسی شیعی	یہ دار العلم بنی عمار کا خازن تھا (۱۹۷)
۲۱۔ ابو علی حسین بن عبد اللہ بن سینا بلخی بخاری المتوفی ۴۲۸ھ	یہ نیشاپور میں شاہان سامانی کے صوان الحکمہ کا خازن تھا (۱۹۸)

۲۲۔ ابو الفضل خداداز (۱۹۹) بن عاصم بن بحران نشوی تبریزی	یہ ابن ماکولا المتوفی ۴۷۵ھ کے استاد اور دار الکتب جنزہ کے خازن تھے (۲۰۰)
۲۳۔ ابو احمد عبد السلام بن حسین بن محمد بصری قرمیسینی ثم بغدادی المعروف باوج گا المتوفی ۴۰۵ھ	بغداد میں وزیر سابور بن اردشیر کے دار الکتب کا خازن تھا (۲۰۱) اسکا اپنا ذاتی کتب خانہ بھی تھا چنانچہ کوئی سائل آ اور اس کے پاس درہم ودنانیر نہ ہوتا تو اسے اپنے کتب خانے سے کتاب نکال کر نذر کرتا تھا
۲۴۔ ابو عمر عبد العزیز بن محمد بن نعمان قیروانی اسماعیلی المتوفی ۴۰۱ھ	یہ دار العلوم قاہرہ میں مدیر و خازن تھا (۲۰۲)
۲۵۔ ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر قضاعی شافعی المتوفی ۴۵۴ھ	خزانۃ الکتب قاہرہ کا خازن بنایا گیا تھا (۲۰۳)
۲۶۔ ابو منصور محمد بن علی بن اسحاق المعروف بکاتب و خازن المتوفی ۴۱۸ھ	اس کو عبد السلام بصری کے بعد بغداد میں دار الکتب سابور کا خازن مقرر کیا گیا تھا (۲۰۴)
۲۷۔ ابو سعید محمد بن علی بن محمد صفار نیشاپوری المعروف خشاب المتوفی ۴۵۶ھ	نیشاپور میں خزانۂ کتب عبد الرحمن سلمی المتوفی ۴۱۲ھ کے خازن و "بندار کتب" تھے (۲۰۵)
۲۸۔ ابو یوسف یعقوب بن سلیمان بن داؤد اسفرائنی نزیل بغداد المتوفی ۴۹۸ھ	یہ مدرسہ نظامیہ بغداد کا خازن تھا (۲۰۶)

(۵) چھٹی صدی ہجری

۲۹۔ ابن الاہوازی المتوفی ۵۲۹ھ	مشہد ابی حنیفہ بغداد کے خزانۃ الکتب کے خازن تھے (۲۰۷)
۳۰۔ ابو الفضل اسعد بن ابی روح رافضی المتوفی قبل ۵۲۰ھ	یہ طرابلس میں دار العلم بنی عمار کا خازن تھا (۲۰۸)
۳۱۔ ابو سہل اکرم الدمین	دار الکتب نظامیہ بغداد کا خازن تھا (۲۰۹)

۳۲۔ ابوالقاسم سلمان بن ناصر بن عمران انصاری نیشاپوری شافعی المتوفی ۵۱۲ھ	مدرسہ نظامیہ نیشاپور کے خزانۃ الکتب کا خازن تھا (۲۱۰)
۳۳۔ عبدالعزیز بن علی خوارزمی المتوفی ۵۶۸ھ	مدرسہ مشہد ابی حنیفہ بغداد کے خازن تھے (۲۱۱)
۳۴۔ ابوالحسن علی بن احمد (عمر) بن احمد بکری بغدادی المتوفی ۵۷۵ھ	دارالکتب نظامیہ بغداد کا خازن تھا (۲۱۲)
۳۵۔ ابوالمظفر محمد بن احمد بن محمد اموی عنبسی معاوی ابیوردی المتوفی ۵۰۷ھ	ایضاً (۲۱۳)
۳۶۔ ابومنصور محمد بن احمد بن طاہر شیعی بغدادی المعروف بخازن دارالکتب القدیمہ المتوفی ۵۱۰ھ	یہ بغداد میں دارالعلم سابور کے خزانۃ الکتب کا خازن تھا (۲۱۴)
۳۷۔ ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد انصاری جیانی اندلسی نزیل حلب المتوفی ۵۶۳ھ	یہ حلب میں مدرسہ نوریہ کا خازن کتب تھا (۲۱۵)
۳۸۔ ابوزکریا یحییٰ بن علی بن محمد المعروف بخطیب تبریزی المتوفی ۵۰۲ھ	جامعہ نظامیہ بغداد میں خازن تھے (۲۱۶)

(۶) ساتویں صدی ہجری

۳۹۔ ابوحامد عبدالحمید بن ہبۃ اللہ بن محمد مدائنی ثم بغدادی معتزلی شیعی المعروف بابن ابی الحدید المتوفی ۶۵۵ھ	بغداد کے خزائن کتب کا نگران بنایا گیا تھا (۲۱۷)
۴۰۔ عبدالرزاق بن احمد بن محمد صابونی بغدادی المعروف بابن الفوطی المتوفی ۷۲۳ھ	یہ سنہ ۶۷۹ھ میں جامعہ مستنصریہ کا خازن بنایا گیا تھا (۲۱۸)
۴۱۔ ابومحمد عفیف الدین عبدالعزیز بن دلف بن ابی طالب حنبلی بغدادی المتوفی ۶۳۷ھ	یہ پہلے جامع زیدی کے کتب خانہ کے خازن رہے پھر جامعہ مستنصریہ کے دارالکتب کے خازن بنائے گئے تھے (۲۱۹)

۴۲۔ محب الدین ابو محمد عبد القادر بن داؤد بن محمد واسطی شافعی المتوفی ۶۱۹ھ	خازن جامعہ نظامیہ بغداد تھے (۲۲۰)
۴۳۔ صفی الدین عبد المومن بن یوسف بن فاخر ارملی المتوفی ۶۹۳ھ	کتب خانہ جامعہ مستنصریہ کے خازن تھے (۲۲۱)
۴۴۔ تاج الدین ابو طالب علی بن انجب بن عثمان بغدادی المتوفی ۶۷۴ھ	پہلے جامعہ نظامیہ کے (۲۲۲) پھر کتب خانہ جامعہ مستنصریہ کے خازن بنائے گئے (۲۲۳)
۴۵۔ علی بن یوسف بن سعد حظیری کتبی	دار الکتب جامعہ مستنصریہ کے خازن تھے (۲۲۴)
۴۶۔ ابو عبد اللہ شرف الدین محمد بن ابراہیم بن ابی القاسم میدومی مصری المتوفی ۶۸۳ھ	خزانۃ الکتب کاملیۃ مصر کے خازن تھے (۲۲۵)
۴۷۔ ابو الفتح محمد بن سعد بن محمد دیباجی مروزی المتوفی ۶۰۹ھ	جامع مرو میں خزانۃ الکتب عزیزیہ کے خازن تھے (۲۲۶)
۴۸۔ فخر الدین ابو بکر محمد بن عبد اللہ محمد تفتازانی نزیل بغداد المتوفی ۷۰۱ھ	کچھ عرصہ جامعہ مستنصریہ میں خازن رہے تھے (۲۲۷)
۴۹۔ ابو الفضل ہبۃ اللہ بن منصور بن الفضل واسطی المتوفی ۶۴۲ھ	خزانۃ الکتب جامعہ نظامیہ میں خازن تھے (۲۲۸)
۵۰۔ جمال الدین یاقوت بن عبد اللہ مستعصمی رومی المتوفی ۶۹۸ھ	جامعہ مستنصریہ کا خازن تھا (۲۲۹)
۵۱۔ محی الدین المجاہد یحییٰ بن ابراہیم بن محمد مخزومی المتوفی ۶۸۲ھ	ایضاً (۲۳۰)

(۲) **مشرفین کتب خانہ** : مشرف (نگران) اس کا کام کتب خانہ کی نگرانی کرنا تھا، یہ شاہی علمی اور عوامی کتب خانوں میں ممتاز عہدہ تھا۔ مشرفوں کی تعداد بھی کتب خانوں میں ان کی وسعت و گنجائش کے مطابق رکھی جاتی تھی، ابو جعفر عمر بن ابی بکر بن عبداللہ شافعی المعروف بدباس المتوفی ۶۰۱ھ نامور ادیب و متکلم تھے۔ نظامیہ بغداد کے دارالکتب **العتیقیہ** میں مشرف تھے (۲۲۸) عمادالدین علی ابن دباس جامعہ مستنصریہ کے کتب خانے میں پہلے مشرف تھے۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے افتتاحِ جامعہ کے وقت (۶۳۱ھ) موصوف کو خلعت سے سرفراز کیا تھا (۲۲۹) مورخ ابن الفوطی بھی اس عہدہ پر ممتاز رہا ہے۔

(۳) **وکیل:** یہ غالباً شاہی کتب خانے میں مشرف کے ہمرتبہ تھا۔

(۴) **نساخ:** کتابیں نقل کرتے، قواعدِ نقل، کاغذ، سیاہی، رنگ کی ہر صفحہ کی سطور وغیرہ کی پابندی کرتے تھے۔

(۵) **کاتب و وراق:** کتب خانہ میں خوش خط کتابیں نقل کرتے تھے۔

(۶) **مصحح:** یہ کتابوں کی تصحیح کرتے، مشکل الفاظ پر اعراب لگاتے تھے اور کتابوں کا مقابلہ کرتے تھے۔

(۷) **جلد ساز:** پرانی اور شکستہ کتابوں کی مرمت کرتے اور نئی کتابوں کی جلد باندھتے تھے۔

(۸) **مترجم:** ذخیرہ کتب میں اضافہ اور علمی سرمایہ میں تنوع کی غرض سے علمی و فنی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ ترجمہ کا سلسلہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک جاری رہا تھا۔

(۹) **طلاکار:** کتابوں پر نقش و نگار بناتے، ان پر طلاکاری کرتے اور ان کی آرائش و زینت بڑھاتے تھے۔

غیر فنی عملہ میں حسبِ ذیل افراد داخل تھے۔

(۱۰) **مناول:** کتابوں کو الماریوں میں لگاتے اور نکالتے تھے۔ جمال الدین ابراہیم بن خلیفہ، کتب خانہ جامعہ مستنصریہ کا پہلا ناول و مددگار تھا۔ جسے خلیفہ مستنصرباللہ نے ۵ رجب ۶۳۰ھ میں کتب خانہ جامعہ مستنصریہ کے افتتاح پر خلعت پہنائی تھی (۲۳۰) محمد بن سعید محمد حداوی بغدادی المتوفی ۶۷۶ھ بھی کتب خانہ جامعہ مستنصریہ میں مناول تھا (۲۳۱) اس سے پیشہ کتاب داری کی عظمت اور خواص کی اس سے دلچسپی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۱) **خدام:** مختلف خدمات انجام دیتے تھے۔

(۱۲) **فراش:** فرش بچھاتا اور صفائی وغیرہ کرتا تھا۔

(۱۳) **حاجب وغیرہ:** یہ دربانی اور چوکیداری کے فرائض انجام دیتا تھا۔

مذکورۂ بالا عملہ کے افراد کی کثرت و قلت کتب خانہ کی نوعیت پر موقوف ہوتی تھی سرکاری عوامی و علمی کتب خانوں اور امیروں کے کتب خانوں میں ان کی تعداد مختلف رہی ہے تاہم عہد عباسی میں عملہ کا یہ تنوع و کثرت کتب خانوں میں گوناگوں خدمات انجام دیئے جانے اور کارکنان کتب خانہ کی حسن کارکردگی کا شاہدِ عدل ہے۔

(ج) تحفّظِ کتب کی احتیاطی تدابیر

کتابیں رکھنے کے ظروف:

عہدِ عباسی میں کتابوں کو گرد و غبار، پانی اور دھوپ سے حفاظت کی خاطر مختلف ظروف میں رکھا جاتا تھا۔ خراج، خرجین، مخلاۃ (تھیلے) اور کم (آستین) (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) شاہی و عوامی کتب خانوں میں صندوق اور لکڑی کی الماریاں استعمال کی جاتی تھیں بقیہ ظروف ذاتی کتب خانوں میں کتابیں رکھنے کے لئے استعمال میں آتے تھے وہ ظروف حسبِ ذیل تھے۔

(۱) جامہ دان۔ یہ فارسی لفظ ہے، کپڑا رکھنے کا بقچہ یہ چمڑے یا لکڑی کا بنا ہوا ہوتا تھا(۲۳۲)

(۲) جِرَاب چمڑے کا تھیلا یہ چھوٹا بڑا ہر قسم کا بنایا جاتا تھا(۲۳۳)

(۳) حُبّ، پانی پینے کا بڑا مٹکا اس کی جمع حِبَاب ہے۔ ابو حاتم اس کو حنب کا معرب بتاتے ہیں(۲۳۴)

(۴) خُرج اور خُرجین، بڑے تھیلے کو کہتے ہیں، سفر میں اس میں کتابیں بھر کر لے جاتے تھے، غالباً اہل مغرب میں اس کا زیادہ استعمال تھا۔ گھر میں پڑی ہر کتاب کا بنڈل بنا کر گھر میں رکھا جاتا تھا۔(۲۳۵)

رِزْمہ گٹھڑی بنڈل اور پیکٹ کو کہتے ہیں رزم جمع آتی ہے۔

(۵) سَفَط، جامہ دار، کھجور کے پتوں کا ٹوکرا، اون یا بالوں کا گون، لکڑی کا چھوٹا تابوت(۲۳۶)

(۶) سَلّہ، ٹوکرا(۲۳۷)

(۷) صنّ، ٹوکرا، یہ بھی سلہ کی طرح ہوتا تھا(۲۳۸)

(۸) صُندُوق، یہ لکڑی وغیرہ کا بنا ہوتا تھا، اس کا استعمال عہد قدیم سے تھا(۲۳۹)

(۹) غَرَرہ، بورا، اس کا استعمال اندلس میں زیادہ تھا(۲۴۰)

(۱۰) قَارُورہ، بوتل اور وہ جزدان، جس میں طلبہ اپنی کتابیں رکھتے تھے، اس کا یہ نام علمی تفریح کے قبیل سے ہے(۲۴۱)

(۱۱) قِمَطْر اور قِمَطْرَ، اس کی جمع قَمَاطِر ہے بوریا، جزدان، بستہ، غلاف(۲۴۲)

(۱۲) قُوصَر، زنبیل خرما، کھجور کا ٹوکرا، بانس کا ٹوکرا(۲۴۳)

(۱۳) لکڑی اور تختے کی الماریاں، عام طور پر کتابیں لکڑی کی الماریوں میں رکھتے تھے (۲۴۴) اور بعض اوقات لکڑی کے تختوں پر رکھ کر بھی گزارہ کرتے تھے۔

(۱۴) کُمّ ‘ آستین ‘ علماء ضروری اور مختصر کتابوں کے رکھنے کے لئے اپنے کرتے کی آستین استعمال کرتے تھے ‘ علماء آستین کشادہ اور لمبی بناتے اس میں بندش کی خاطر تکمہ لگاتے یا اسے ڈوری سے باندھ لیتے تھے اس طرح اس میں ضرورت کی متعدد کتابیں محفوظ ہو جاتی تھیں اور مراجعت کے وقت فوراً اس کو دیکھ لیتے تھے (۲۴۵) اس کے متعلق کہا جاتا تھا۔

من لم یکن له دفتر فی کمه
لم تثبت الحکمه فی قلبه

جس کی آستین میں کتاب نہیں ‘ اس کے قلب میں حکمت نہیں

(۱۵) مِخْلَاۃ ‘ توبڑا ‘ چمڑے کا تھیلا ‘ جس میں دانہ ڈال کر گھوڑے کے منہ پر باندھتے ہیں۔ (۲۴۶)

(د) کتابوں کی درستی کے لئے مسالوں کا استعمال

عہدِ عباسی میں کتابوں کو نمی اور کیڑوں سے بچانے کے لئے انہیں ظروف میں رکھا جاتا تھا دیمک سے بچانے کے لئے ان کی دیکھ بھال کی جاتی تھی، ان سے گرد صاف کی جاتی تھی، اس میں غفلت ہو جاتی تو نقصان ہو جاتا تھا، مرطوب آب و ہوا میں زیادہ عرصہ تک کتابوں کی دیکھ بھال نہ ہوتی تو نمی سے کتابوں کے اوراق باہم چپک جاتے تھے۔ چنانچہ حافظ سلفی کا کتب خانہ اسی غفلت سے تباہی کا شکار ہوا تھا۔ (۲۴۷)

ابن المدینی کے سفر میں رہنے کی وجہ سے ان کی کتاب کو دیمک چاٹ گئی تھی (۲۴۸) اس لئے شاہی، انفرادی، عمومی و خصوصی عوامی اور علمی کتب خانوں میں کتابوں کی دیکھ بھال اور صفائی کی جاتی تھی، کتابوں کو اگر پانی وغیرہ سے نقصان پہنچتا تھا تو کتابوں سے بو آنے لگتی تھی چنانچہ بغداد میں ابن الدہان کے مکان میں سیلاب کا پانی داخل ہو جانے سے کتابیں خراب ہو گئی تھیں (۲۴۹)

عہدِ عباسی میں پانی کے پہنچنے یا بند کمرے میں رکھنے کی وجہ سے کتابوں سے بو آنے لگتی تو لاذ کی جو چند اجزاء سے مرکب تیار کیا جاتا تھا، دھونی دے کر کتابوں کو صاف کیا جاتا تھا، لاذ کی بدبو سے کیڑے مرجاتے اور کتابوں سے بو نکل جاتی تھی۔ لاذ کی دھونی اتنی سخت ہوتی تھی کہ بسا اوقات اس کے دھوئیں سے بصارت زائل ہو جاتی تھی چنانچہ سعید بن المبارک المعروف بابن الدہان کی بصارت اس سے زائل ہو گئی تھی (۲۵۰)

(۲) اتفاقی حوادث سے بچاؤ

عہدِ عباسی میں کتابوں کو اتفاقی حوادث کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے پہلے سے احتیاطی تدابیر کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ۵۱۰ھ / ۱۱۱۶ء میں بغداد میں آگ لگی تو جامعہ نظامیہ کا کتب خانہ فوری طور پر دوسری جگہ منتقل کیا گیا۔ (۲۵۱)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں بنی نوع انسان کی متاع مشترک کے تحفظ اور تحقیقی و تخلیقی ادبیات کی حفاظت کا کس درجہ اہتمام کیا جاتا تھا۔ اتفاقی حوادث سے ذخیرہ کتب کو بچانے کے لئے پہلے سے پیش بندیاں کی جاتی تھیں اور علمی و ثقافتی ورثہ کو بربادی سے بچایا جاتا تھا۔

(ہ) جلد سازی

اسلامی تمدن و ثقافت کا آغاز "الکتاب" سے ہوا جلد سازی بھی اسلامی معاشرہ میں "الکتاب" کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی ہے اس لئے کہ اس کو دیکھ کر پڑھنا اور اس کی حفاظت کرنا دونوں مسلمانوں پر فرض ہے۔

حفاظت کی ظاہری صورت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اس کو بین اللوحین یا بالفاظ دیگر بین الدفتین سی کر رکھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے قرآن کو جمع کرانے کے بعد اسی طرح رکھا تھا اس لئے بعض متاخرین اصولیین نے قرآن کی تعریف میں مابین الدفتین کی قید لگائی ہے (۲۵۲)

آرائش مصاحف کا مسئلہ (۲۵۳) بھی تحفظ و تجلید کے بعد کا مرحلہ ہے جو دور اسلامی کی ابتدائی جلد سازی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرنِ اول و ثانی کی جلد کا نمونہ ابھی تک کہیں ملا نہیں ہے اس لئے اس کی وضاحت نہیں کی جاسکتی لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ابتداء میں چونے سے کمایا ہوا چمڑا جلد سازی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اس میں سختی رہ جاتی تھی۔ اس لئے جلد خوشنما اور دیرپا تیار نہیں ہوتی تھیں آخر ایک کوفی نے کھجوروں سے چمڑا بنانے کا نیا طریقہ ایجاد کیا نرم اور اچھا چمڑا بنایا تو جلدیں مضبوط اور عمدہ تیار ہونے لگی تھیں (۲۵۴)

اس سے معلوم ہوا کہ صاف، ملائم اور چکنے چمڑے کی جلد اچھی تیار کی جاتی تھیں۔

اوراقِ کتاب کو انتشار و بربادی سے بچانے اور ترتیب سے یکجا محفوظ رکھنے کی آسان و بہتر ترکیب تجلید ہے یہ کتب سازی و علم سے محبت کی دلیل ہے **جاحظ** کہتا ہے:

"تو کہتا ہے کہ مجھے اس امر سے تعجب ہے کہ جو شخص اپنے علم کا ذخیرہ منتشر پراگندہ چھوڑتا ہے اور اپنے درس کے کراسے متفرق و غیر منتظم، وہ انہیں کیوں قطع و برید کے لئے پیش کرتا ہے وہ انہیں کیوں انتشار سے نہیں بچاتا باوجودیکہ دفتر کتاب کا جب بندھن کھل جاتا ہے کتابی گٹھڑ بکھر جاتا ہے اس کی ڈوریاں ڈھیلی ہو جاتی ہیں نگہداشت و حفاظت کی کوئی صورت نہیں رہتی ورق جدا ہو جاتے اور اوراق منتشر ہو جاتے ہیں تو انہیں اکٹھا کرنا مشکل ہوتا ہے ان کی تنظیم دشوار ان کی باہم پیوستگی مشکل ہو جاتی ہے بسا اوقات ان کا بیشتر حصہ برباد ہو جاتا ہے اس لئے اوراق کے دونوں طرف پٹھے، انہیں انتشار سے روکتے ہیں ان پٹھوں پہ چمڑا منڈھنا انہیں خوب محفوظ کر دیتا ہے یہ احتیاط ان کے لئے بہت مفید ہے۔ ہم شکل و یکساں چیزوں کے لئے تنظیم و ترتیب مناسب ہے

ترتیب و تنظیم اچھے اجزاء میں خوبی بڑھاتی اور جو ضعف میں برابر ہوں یہ اجتماع ان میں قوت کا باعث ہے' تیری کتاب سازی و علم سے محبت کی سب سے بڑی دلیل ہے (۲۵۵)

عہدِ عباسی میں جلد سازی کا شعبہ کتب خانہ میں قائم کیا جاتا تھا۔ اس میں جلد ساز کتابوں کی جلدیں باندھتے تھے چنانچہ مامون کے خزانة الحکمہ میں ابن ابی الحریش کتابوں کی جلد باندھتا تھا' تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے نامور جلد سازوں میں شقة المقراض' عجیقی ابو عیسیٰ ابن شیران' دمیاتہ الاعسر' ابراہیم' محمد بن ابراہیم اور حسین بن الصفار کا نام سرفہرست آتا ہے۔ (۲۵۶)

شاہی کتب خانوں میں ماہر فن جلد ساز رکھے جاتے تھے چنانچہ مسند عراق ابوبکر محمد بن عبداللہ بغدادی المعروف بابن زاغونی المتوفی ۵۵۲ھ اپنے دور میں فن جلد سازی میں حرف آخر سمجھے جاتے تھے۔ خلیفہ نے ان کو شاہی کتب خانہ کے شعبہ تجلید کے لئے منتخب کیا تھا (۲۵۷)

جاحظ نے فخر السودان علی البیغان (کالوں کی گوروں پر فضیلت) میں عربوں کا قول نقل کیا ہے کہ ''انہوں نے گوروں کو تین چیزیں دی ہیں ایک غالیہ جو سب سے بہتر خوشبو ہے' دوسرے نعض جو خواتین کے لئے سب سے زیادہ ساتر اور حرمت کی محافظ ہے تیسرے مصحف (مجلد کتاب) جو نوشتہ کا نہایت جامع محافظ' بارونق اور سب سے زیادہ خوبصورت شئی ہے'' (۲۵۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں جلد سازی کے اصول ثلاثہ (۱) پائیداری (۲) لطافت اور (۳) خوبصورتی کی پابندی کی جاتی تھی۔

مذکورۂ بالا امور سے ثابت ہوتا ہے کہ بغداد میں اچھی پائیدار جلدیں بنائی جاتی تھیں اور دوسرے اسلامی شہروں میں بھی جلد سازی کا کام اچھا ہوتا تھا فلسطین میں جلد آموزش (سریش) سے باندھی جاتی تھی۔

عدن اور یمن میں کتابوں کی جلدیں کلف لگا کر تیار کی جاتی تھیں' چوتھی صدی ہجری تک اہل عدن و یمن سریش سے واقف نہ تھے۔ یہاں سریش سے باندھی ہوئی جلد کی اجرت دو (۲) دینار خوشی سے دی جاتی تھی (۲۵۹) اور جلد ساز کو وراق بھی کہا جاتا تھا (۲۶۰) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وراق جلد بھی باندھتا تھا۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے عشر اول میں بغداد میں جلد سازی و آرائش کتب کا کام بہت ترقی کر گیا تھا اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ سونے کے پانی سے کتابیں لکھی جاتی تھیں اور انہیں حریر میں لپیٹ کر رکھا جاتا تھا جلدیں نہایت عمدہ چمڑے کی باندھی جاتی تھیں چنانچہ ۳۰۹ھ میں وزیر حامد بن العباس نے حلاج کے مریدوں کی تلاش میں سرگرمی دکھائی اور ابن حماد اور قنائی کے گھر کی تلاشی لی تو بہت سی چینی کاغذ پر لکھی ہوئی اور بعض سونے کے پانی

سے لکھی ہوئی، دیبا و حریر میں رکھی ہوئی، نہایت عمدہ چمڑے کی جلدیں چڑھی ہوئی کتابیں برآمد کی تھیں (۲۶۱)

عہدِ عباسی میں مصاحف کی سب سے زیادہ آرائش کی جاتی اور سب سے زیادہ بہتر اور خوشنما جلد بندھوائی جاتی تھی۔ پھر اشعار اور کتاب کی شان کے مطابق جلد سازی و آرائش کرائی جاتی تھی اگر وہ نسخہ کسی امیر وزیر کو پیش کرنا ہوتا تو اس کی شان کے مطابق اس پر کام کرایا جاتا تھا (۲۶۲) شائقین کتب اپنے مذاق کے مطابق جلد کے لئے رنگوں کا انتخاب کرتے تھے، چنانچہ سری بن احمد کندی نے اپنے دوست کو کتاب کی کالی جلد بندھوا کر تحفہ میں پیش کی تھی۔ (۲۶۳)

الصولی نے اپنے کتب خانے میں کتابوں کو جلدوں کے رنگوں سے ممتاز کر کے رکھا تھا (۲۶۴) مغربی قلمرو میں قرطبہ میں قاضی ابن فطیس نے بھی اپنے کتب خانے میں کتابوں کو رنگوں کی مناسبت سے ترتیب دیا تھا (۲۶۵) مورخین اور تذکرہ نگار ذخائرِ کتب کی نشاندہی مجلدات سے کرتے تھے جو عہدِ عباسی میں فنِ جلد سازی اور عام دلچسپی کا بین ثبوت اور اس کی ترقی کا شاہدِ عدل ہے اس لئے علامہ سبکی کو جلد ساز کے لئے ہدایات لکھنی پڑی تھی (۲۶۶)

جلد سازی چونکہ حفاظتِ علوم کا سبب ہے، علماء و فقہاء نے تجلید (جلد سازی) کی صنعت کو اہم صنعتوں میں شمار کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ کتاب کا جمال، اس کی زیب و زینت اس کا احترام اور قدر و منزلت شرعاً مطلوب ہے لہٰذا کاریگر کو اپنے گھر سے نکلتے وقت اپنے بھائیوں کی (اعانت اور مصاحف کی) حفاظت و نشر و اشاعت کی نیت کرنی چاہیے (۲۶۷)

(و) تزئین و آرائشِ کتب

مسلم معاشرہ میں کتابوں کی زینت و آرائش کا آغاز بھی "الکتاب" کی تزئین و آرائش سے ہوا بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ قرنِ اول میں قرآن مجید کی تزئین و آرائش کی ابتدا ہو چکی تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانے میں تحلیۃ المصاحف (آرائش مصاحف) کا مسئلہ اٹھ گیا تھا (۲۶۸) جو ظاہر ہے حفاظت بین الدفتین کے بعد کا مرحلہ ہے لیکن باقاعدہ طور پر الکتاب کی پہلی تزئین اس کے لحن و تصحیف کی وجہ سے عمل میں آئی۔

ابوالاسودؒ کی مساعی سے نقطہ و اعراب کا نظام شروع ہوا (۲۶۹) اس نے بھی زینتِ حروف کو بڑھایا پھر اس کے تلمیذ نصر بن عاصم المتوفی ۸۹ھ نے نقطوں کا مفرد و مرکب استعمال نکالا۔ (بعض کو نیچے اور بعض کو اوپر لگانا شروع کیا اہل بصرہ نے سکون کے لئے (-) کی علامت استعمال کرنا شروع کی۔ (۲۷۰)

عہدِ عباسی میں جب تہذیب و ثقافت پھیلی تو خلیل نے مروجہ اعراب اور تشدید کے لئے دندانے، اور سکون کے واسطے حرف خ کے سر کو بلا نقطہ اختراع کیا(۲۷۱) اس نے قرآن کی ظاہری زیب و زینت میں اضافہ کیا اور یہی تزئین و آرائش کی بنیاد بنی۔

دورِ اموی میں کتابوں پر نقش و نگار کا عمل شروع ہوا تھا چنانچہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک (۱۷-۱۲۵ھ) کے لئے شاہانِ عجم کی تاریخ اور ان کے اصولِ جہانبانی پر فارسی کتاب کا عربی میں ترجمہ "تاریخ ملوکِ فرس" کے نام سے کیا گیا تھا۔ مورخ مسعودی نے یہ مصور کتاب شہر اصطخر میں دیکھی تھی(۲۷۲)

عہدِ عباسی میں یہ فن کافی ترقی کر چکا تھا چنانچہ صاحبِ طرز خطاط ابن البواب المتوفی ۴۲۳ھ چوتھی صدی ہجری میں خطاطی میں انہماک سے پہلے کتابوں کی تزئین و آرائش کرتا، نقش و نگار اور تصویریں بناتا تھا۔(۲۷۳)

کتابوں میں آلاتِ جراحی وغیرہ کی تصاویر بنانے اور شاعرانہ خیالات کو تصویر میں پیش کرنے کا رواج عہدِ عباسی میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ محمد بن احمد المعروف بابن صابر المتوفی ۲۶۸ھ خوشنویس و مصور تھے، موصوف نے حمزہ اصفہانی کے سامنے دیوان ابونواس اور ابن الهباریہ کے فلک المعانی وغیرہ کو مصور کیا تھا، فلک المعانی کا وہ نسخہ صفدی نے حاصل کیا تھا یہ نسخہ ۶۲۸ھ کا نوشتہ تھا(۲۷۴)

عہدِ عباسی کے آلاتِ جراحی کی تصاویر نے یورپ میں علم جراحی کی بنیادیں استوار کرنے میں مدد کی ہے۔ چنانچہ ماکس میراہوف (Max Meyerhof) لکھتا ہے "ابوالقاسم (خلف بن عباس) زہراوی (المتوفی (۴۲۷ھ/۱۰۳۶) کی "کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف" میں آلاتِ جراحی کی بے شمار تصاویر پیش کی گئی تھیں جن کا دوسرے عرب مصنفین پر بھی اثر ہوا۔ ان سے یورپ میں سرجری کی بنیادیں استوار کرنے میں بڑی مدد ملی۔ (۲۷۵) اور اے، ایچ کرسٹی (A.H.Christie) لکھتا ہے:

"روزانہ استعمال کی ان چیزوں میں جو اپنی ہیئت اپنی تکنیک اور اپنے ڈیزائن کے اعتبار سے مسلمانوں کی ممنونِ احسان ہیں ہماری مطبوعہ کتابیں شاید سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اگرچہ بادی النظر میں ان کا مشرق سے تعلق کچھ بعید سا معلوم ہوتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ کتاب نویسی اور کتاب سازی کے فنون میں ہم نے ازمنۂ متوسطہ کے مسلمانوں کی ہنرمندی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"
(۲۷۶)

کتابوں کی تباہی

کتابوں کی تباہی کے بعض داخلی اور بعض خارجی اسباب ہیں۔ نمی، دیمک، کیڑے مکوڑے، امتداد زمانہ سے سیاہی کا اڑ جانا، کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا وغیرہ داخلی اسباب ہیں۔ آگ لگنا یا آگ لگانا، چوری، دشمنی، رشک و حسد، فوج کشی اور قتل و غارتگری اختلافِ عقائد و تعصب مذہبی، خارجی اسباب ہیں۔

داخلی اور خارجی اسباب میں تباہی کا اصل سبب غفلت ہے۔ اگر کتب اور کتب خانے کو تباہی سے بچانے کا اہتمام کیا جائے تو قومی ورثے کو بڑی حد تک محفوظ کیا جا سکتا تھا لیکن بسا اوقات ذرا سی غفلت بڑی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔

(۱) دیمک

کتابوں کی دیکھ بھال میں اگر کوتاہی ہو جاتی تو انہیں دیمک چاٹ جاتی تھی چنانچہ ابن المدینی کے سفر میں رہنے کی وجہ سے ان کی کتابیں دیمک چاٹ گئی تھی (۲۷۷) اور حافظ سلفی کی کتابیں نمی کی وجہ سے چپک گئی تھیں (۲۷۸)۔

(۲) چوہے اور کیڑے

حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ نے کتابوں کی تباہی کے منجملہ اسباب میں کیڑوں اور چوہوں کو بھی شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ محدثین کی وہ جماعت بھی ہے جس نے حدیث لکھی اس کی تحصیل کی خاطر سفر کیا اس میں شہرت حاصل کی مگر ان کی کتابیں بعض انواعِ ضیاع، حرق (آگ) ہوم (کیڑوں)، نحصب (لوٹ مار) غرق (ڈوبنے) اور سرقہ (چوری) سے ضائع ہوئی تھیں (۲۷۹)

(۳) اختلافِ عقائد

قاضی عبدالجبار کا بیان ہے کہ خلیفہ نزار ابوالقاسم محمد بن عبداللہ فاطمی (۲۷۸-۳۳۴ھ) بہت بدعقیدہ تھا اس نے حاکمِ بحرین و ہجر ابو طاہر سلیمان بن حسن جنابی ہجری قرملی المتوفی ۳۳۲ھ کو مساجد و مصاحف جلانے کا حکم دیا تھا۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے بہت سے کتب خانے برباد ہوئے تھے۔ (۲۸۰) حلب میں شیعہ سنی جھگڑا بہت رہا۔ ۵۷۵ھ میں ان میں ایسی ٹھنی کہ جب اہلِ سنت راستہ بناتے شیعہ اس کو تباہ کر دیتے تھے (۲۸۱) خوارج فقہاءِ اہل سنت کے ذخیرۂ کتب کو "کتب

الرای" قرار دے کر جلدیں اکھاڑتے اوراق پارہ پارہ کر کے تباہ کرتے تھے حالانکہ یہ ذخیرۂ معانی کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی پر مشتمل ہوتا تھا(۲۸۲)

(۴) لشکر کشی

حافظ ابراہیم بن ادرمہ المتوفی ۲۷۰ھ کی کتابیں فتنہ بصرہ کے زمانے میں لٹی تھیں (۲۸۳) ۵۴۸ھ میں جب ترکمان ماوراء النہر نے سلطان سنجر کے لشکر کو شکست دی تو انہوں نے مرو و نیشاپور اور طوس وغیرہ کی مسجدوں' خانقاہوں اور کتب خانوں کو برباد کیا نیشاپور میں چند کتب خانوں کے سوا جتنے بھی کتب خانے تھے سب برباد کر دیئے تھے (۲۸۴)۔

(۵) سیلاب

سیلاب سے بھی کتب خانے برباد ہوئے تھے چنانچہ ۵۵۴ھ میں بغداد میں سیلاب آیا' بہت سے محلے تباہ ہوئے قبریں تک بیٹھ گئی تھیں (۲۸۵) ابن الجوزی کا کتب خانہ بھی غرق ہوا صرف امام احمد بن حنبل کے لکھے ہوئے دو ورق بچے تھے (۲۸۶)

(۶) آگ

سنہ ۵۱۵ھ میں اصفہان میں آگ لگنے سے مصاحف جلے تھے (۲۸۷) ۴۵۲ھ میں کرخ میں آگ لگنے اور لوٹ مار سے دار العلوم سابور کا زیادہ تر حصہ تباہ ہوا تھا (۲۸۸) ۵۱۰ھ میں شرقی بغداد میں آگ لگی تو مدرسہ نظامیہ بھی جل گیا تھا اور کتابیں دوسری جگہ منتقل کی گئی تھیں (۲۸۹) وزیر ابوالفضل نے جو سنیوں کا سخت دشمن تھا کرخ بغداد میں ایسی آگ لگائی جس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آدمی' تین سو (۳۰۰) دکانیں' بہت سے مکانات تینتیس (۳۳) مسجدیں تباہ ہوئیں اور بے شمار مال جلا تھا (۲۹۰)۔

(۷) چوری

کتابوں کی چوری خواہ کسی مقصد کے تحت ہو کبھی اچھی نہیں سمجھی گئی (۲۹۱)

کتابوں کے جلانے' ہوا میں اڑانے' تنور میں جھونکنے' زمین میں دفن کرنے' دریا میں ڈالنے کے سلسلہ میں اہل علم کے مختلف نظریات رہے ہیں۔

(۱) صاحبِ کتب خانہ جب اپنے عمل کو علم کے تقاضوں سے عاری پاتا تو علم و کتب کو بار سمجھنے لگتا اور انہیں اپنے ساتھیوں کے لئے سودمند نہ سمجھتے ہوئے ضائع کرتا تھا۔

(۲) مسلم معاشرے میں کتب خانہ ہمسروں میں داد خواہی' عزت' شہرت و وجاہت کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا تھا۔ بعض طبائع ان اخلاقی رذائل سے اپنے آپ کو پاک رکھنا چاہتی تھیں اس لئے وہ بنائے شہرت و وجاہت ہی کو تباہ کرتی تھیں۔

(۳) علم و کتب جب تک رہنمائی کرتے رہیں وہ رکھنے کے لائق ہیں لیکن وہ جب اس خوبی سے محروم ہو جائیں انہیں پاس رکھنے کی گنجائش نہیں۔

(۴) بعض علماء کی تالیفات کی ناقدری نے ان کے جذبہ جمع کتب کو سرد کیا آخر کار انہوں نے اپنا کتب خانہ نذرِ آتش کر دیا۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے نامور فاضل شیدائی کتب ابو حیان توحیدی نے نوے (۹۰) برس کی عمر میں جب اپنا قیمتی کتب خانہ نذرِ آتش کیا تو اس پر سخت نکتہ چینی کی گئی اس نے اپنے عمل کو درست قرار دینے کے لئے نامور علماء کے مذکورۂ بالا نظریات کو بطور دلیل ثبوت میں پیش کیا اور کہا:

"یہ کتابیں ظاہری و باطنی اصنافِ علوم کی جامع ہیں باطنی علوم میں ایسا کسی کو نہیں پاتا جو برضا و رغبت اس کی حقیقت سے آراستہ ہو اور علوم ظاہری کا حریص' بھی مجھے نہیں ملا' میں نے کتابیں زیادہ تر ہم چشموں میں داد خواہی' عزت' شہرت اور وجاہت کی خاطر لکھی تھیں مگر میں ان سب باتوں سے محروم رہا کتابوں کے جلانے میں بھی میرے لئے ائمہ فن کا قابل تقلید نمونہ موجود ہے۔ چنانچہ علماء میں سے ابو عمرو بن العلاء نے اپنی کتابیں زیر زمین دفن کی تھیں' تاج الامہ داؤد طائی نے جب اپنی کتابیں دریا برد کی تھیں تو فرمایا تھا تم بہترین رہنما تھیں لیکن دلیل سے واقفیت اور اس تک رسائی کے بعد وہ مشقت' ذہول' بلا اور خمول ہیں۔ یوسف بن اسباط نے اپنی کتابیں غار میں پھینکی تھیں جب انہیں اس حرکت پر ملامت کی گئی تو فرمایا تھا علم نے پہلے ہماری رہنمائی کی پھر گمراہی کا سامان کیا تو ہم نے ان کو چھوڑ دیا۔

ابو سلیمان دارانی نے اپنی کتابوں کو تنور میں جھونکا تھا اور فرمایا تھا بخدا میں نے تجھ کو اس وقت تک نہیں جلایا جب تک تو نے میرے جلانے کا سامان نہیں کیا' سفیان ثوری نے ایک ہزار (۱۰۰۰) جزء کے پرزے پرزے کر کے انہیں ہوا میں اڑایا' پھر فرمایا تھا کاش میرا ہاتھ یہاں سے کاٹا گیا ہوتا اور میں نے ایک حرف نہیں لکھا ہوتا۔

ہمارے شیخ سید العلماء ابو سعید سیرافی نے اپنے فرزند سے کہا تھا میں نے تمہارے لئے یہ کتابیں چھوڑی ہیں یہ تمہارے لئے بہترین کمالات کے حصول کا ذریعہ ہیں جب تم دیکھو کہ یہ تمہارے ساتھ خیانت کرتی ہیں تو تم انہیں آگ کا نوالہ بنا دو (۲۹۲)

ابوالحسن میمون المعروف احمد بن ابی الحواری دمشقی المتوفی ۲۴۶ھ نے کتابیں دریا برد کی

تھیں تو فرمایا تھا' "اے علم میں نے یہ تیری توہین یا تیرے حق کی کوتاہی کی بناء پر نہیں کیا میں تجھے رب کی ہدایت کے واسطے طلب کرتا تھا جب ہدایت مل گئی میں تجھ سے مستغنی ہو گیا۔" (۲۹۳)

مذکورۂ بالا نظریات کا تعلق اگرچہ بعض افراد کے انفرادی عمل سے ہے' اس لئے مسلم معاشرے میں اس کا دائرہ عمل نہایت ہی محدود رہا اور چنداں قابلِ التفات نہیں سمجھا گیا لیکن یہ چونکہ بعض اہلِ علم کی ہمت افزائی کا باعث ہوا تھا اور علم و حکمت اور کتب خانوں کے فروغ کے خلاف تھا اس لئے علماء کو بھی کھٹکا اور انہوں نے ان کے افکار اور اعمال کی مختلف توجیہ کی ہیں (۲۹۴)۔

مسلم معاشرہ میں اس قسم کے نظریات کو کبھی قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا اس لئے کہ علم تو افضل عبادات میں سے ہے۔ اسلام حصولِ علم اور اس کی اشاعت پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ علم و کتب کو چھپانا برباد کرنا' ان سے اعراض کرنے کے مترادف ہے جس کی اسلام میں اجازت نہیں۔ اس لئے علماء نے اس کو شیطانی عمل قرار دیا۔ ابن الجوزی نے اس سلسلہ میں جو باتیں پیش کی ہیں وہ اسلامی معاشرے اور ذہن کی صحیح عکاسی کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں:

"یہ ابلیس کا کام ہے اس نے اپنے پیروکاروں کو علم سے اعراض کا حکم دیا اس نے ان کو یہ باتیں سمجھائی ہیں اور گوشہ میں بیٹھ کر عبادت کا راستہ بتایا' خرافات میں مبتلا کیا اور عوام کی توجہ ان کی طرف مبذول کی۔ کاش وہ اس حقیقت کو سمجھ پاتے کہ جب سے انہوں نے اپنی کتابوں کو دفن کیا علم سے اپنا رشتہ توڑا انہوں نے اپنے اس طرزِ عمل سے علم کے روشن چراغوں کو گل کیا ہے (۲۹۵)۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام علم و کتاب کو ہدیٰ و نور (آیت ۴۴' ۴۶' المائدہ) رہنما و روشنی قرار دیتا ہے اس کی روشنی سے بنی نوعِ انسان ہر میدان میں راہ پاتا اور آگے بڑھتا رہا اس کی روشنی سے علم کے نئے چراغ روشن کرتا اور عالم کی رونق دوبالا کرتا رہا ہے یہ علمی چراغ "ذخائر" کتب خانوں سے عبارت ہیں ان چراغوں کو بجھانا اور ان کی رہنمائی سے منہ موڑنا اسلام کی نظر میں مقصدِ علم و کتاب کے سراسر خلاف ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے اس کے متعلق جو باتیں کہی ہیں وہ اسلامی معاشرے اور اسلامی ذہن کی صحیح عکاسی کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں:

"علم نور و روشنی ہے شیطان چاہتا ہی یہ ہے کہ علم کا چراغ بجھا دے تاکہ انسان تاریکی میں پڑا رہے۔ کوئی تاریکی جہالت کی تاریکی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ شیطان کو یہ ڈر ہے کہ یہ لوگ کہیں مطالعہ کتب کے عادی نہ بن جائیں۔ چنانچہ اس نے بارہا اپنے مکائد پر اس طرح دلیل پیش کی ہے کہ انہیں کتابیں دفن کرنا اور انہیں ضائع کرنا بھی گوارا ہو گیا حالانکہ یہ بہت مذموم و ناجائز کام اور

مقصدِ کتب کے خلاف تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم کی اصل قرآن و سنت ہے جب شریعت نے سمجھا کہ ان دونوں کی حفاظت مشکل امر ہے تو اس نے کتابتِ مصحف و کتابتِ حدیث کا حکم دیا چنانچہ قرآن کی جب کوئی آیت اترتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب کو بلاتے وہ اس کو قید تحریر میں لاتے، پتھر، شانہ کی ہڈی وغیرہ جو چیز موجود ہوتی اس پر لکھتے تھے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حفاظت کی خاطر قرآن کو مصحف میں جمع کیا پھر حضرت عثمانؓ بن عفان اور دوسرے اصحابؓ نے اس کو نقل کرایا یہ سب کچھ اس کی حفاظت کی خاطر کیا گیا تھا تاکہ کوئی چیز رہ نہ جائے لیکن سنت کی حفاظت کی دوسری صورت ہے۔

ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو قرآن مجید لکھنے کا پابند کیا اور دوسری کوئی بات لکھنے سے روکا تھا لیکن احادیث کی جب کثرت ہو گئی اور آپ نے قلتِ ضبط کو محسوس کیا تو انہیں لکھنے کی اجازت دی چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے یادداشت میں کمی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ انہوں نے چادر پھیلائی آپ نے اس پر دم کیا اور فرمایا "اس کو سینہ سے لگا لو۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ "اس کے بعد سے میں نے نبی ﷺ سے جو سنا کچھ نہ بھولا ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی یادداشت کے لئے اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھو۔"

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیدوا العلم، علم کو قید کرو، میں نے عرض کیا علم کو کیونکر قید کریں فرمایا اسے قید تحریر میں لاؤ،

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ سے بہت کچھ سنتے ہیں کیا لکھ لیا کریں فرمایا "لکھو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ، حرکات و افعال کو قید تحریر میں لا کر محفوظ کر دیا اور ان روایات پر شریعت کا اتفاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بلغوا عنی" میری باتیں دوسروں تک پہنچاؤ، ایک اور حدیث میں فرمایا "اللہ تعالیٰ اس آدمی کے چہرے کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری بات سنی اسے یاد رکھا اور جیسا سنا ویسا ہی ادا کیا اور پہنچایا۔"

حدیث کو جیسا سنا ویسا ہی پہنچایا۔ بغیر کتابتِ حدیث کے پورے طور پر ممکن نہیں اس لئے کہ حافظہ خیانت کر جاتا ہے چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ حدیث بیان کرتے تو ان سے کہا جاتا کہ ہمیں املاء کرائیں، فرماتے "زبانی نہیں یہ کام کتاب سے کریں گے۔"

علی بن المدینی فرماتے تھے مجھے "امام احمدؒ نے ہدایت کی تھی کہ کتاب سے حدیث بیان کیا کرو۔ " جب صحابہؓ نے سنت کو روایت کیا تابعین نے اسے حاصل کیا محدثین نے اس کی خاطر سفر کیا مشرق و مغرب کو چھانا تاکہ ایک کلمہ یہاں سے اور دوسرا کلمہ وہاں سے حاصل کریں پھر جو صحیح تھا اس کو بتایا جو صحیح نہ تھا اس کی نشاندہی کی، راویوں کی جرح و تعدیل کی، سنن کی ترتیب و تہذیب کی، کتابیں ابواب پر مرتب کیں، اس کے بعد بھی جو انہیں دھوتا ہے وہ اس جانفشانی کو برباد کرتا اور کسی معاملہ میں حکم الٰہی کو معلوم کرنا نہیں چاہتا، کیا یہ شریعت سے عناد کی غمازی نہیں کرتا؟ کیا تم نے پہلے کی شریعتوں میں سے کسی شریعت میں بھی سلسلۂ اسناد ان کے نبی تک پہنچتا ہے سلسلۂ اسناد اس امت مسلمہ کے ساتھ خاص ہے۔

امام احمدؒ جنہوں نے طلب حدیث میں مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا، منقول ہے انہوں نے اپنے فرزند سے پوچھا تم نے فلاں محدث سے کیا لکھا ہے انہوں نے بیان کیا یہ حدیث لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن ایک راستہ سے آتے اور دوسرے راستہ سے جاتے تھے امام احمدؒ نے فرمایا "انا اللہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث نہیں پہنچی تھی" ان کا یہ ارشاد کثرت سے حدیثیں لکھنے اور جمع کرنے کے متعلق تھا جس نے لکھا ہی نہیں یا لکھ کر دھو ڈالا ہو اس کو کیا کہا جا سکتا، ذرا سوچو جب کتابیں دھو ڈالی جائیں یا دفن کی جائیں تو فتووں اور پیش آنے والے واقعات میں کس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔؟

یہ کتابیں جنہیں دفن کیا گیا ہے دو حال سے خالی نہیں یا ان میں حق تھا یا باطل، یا حق باطل کے ساتھ مل جل گیا تھا اگر اس میں باطل تھا تو اس کے دفن پر ملامت نہیں کی جا سکتی اور اگر حق باطل کے ساتھ مخلط ہو گیا تھا کہ تمیز اس کی کسی طرح سے جا سکتی تھی تو اس کے ضائع کرنے کے لئے عذر موجود نہ تھا چنانچہ بعض محدثین نے ثقات سے نقل کیا ہے اور جھوٹوں سے بھی پھر وہ مختلف ہو گیا تو انہوں نے اپنا ذخیرہ دفن کر دیا چنانچہ سفیان ثوریؒ کے دفن کتب کی یہی توجیہہ کی جاتی ہے کہ اگر اس میں حق اور درست اسلامی تعلیمات ہیں تو اس کا ضائع کرنا درست نہیں کیونکہ اس نے علم کو منضبط و محفوظ کیا اور اس پر مال خرچ کیا ہے اگر کوئی اس کو ضائع کرتا ہے تو اس کا فیصلہ معلوم کیا جائے گا اگر وہ کہتا ہے کہ یہ مجھے عبادت سے روکتی ہے تو اسے تین (۳) طرح سے جواب دیا جائے گا۔

ایک یہ کہ کاش تو یہ سمجھتا کہ انہماک علم کے ساتھ ہوتا ہے یا عبادت کے ساتھ۔

دوسرے یہ کہ جو بیداری آتی ہے وہ ہمیشہ رہنے والی نہیں تو گویا تجھے ابھی آئی ہے تو نے جو کیا ہے تو اس ذخیرے کے ضائع ہو جانے کے بعد پچھتائے گا خوب سمجھو قلوب ان صفات پر ہمیشہ

قائم نہیں رہتے ان پر میل آتا ہے وہ جلاء کے محتاج ہوتے ہیں ان پر جلا کتابوں کے مطالعہ سے آتی ہے یوسف ابن اسباطؒ نے اپنا ذخیرہ کتب دفن کیا لیکن وہ حدیثیں بیان کرنے سے باز نہ رہ سکے اپنے حافظہ سے حدیثیں بیان کرنا شروع کیں روایات میں خلط ملط ہوا'

تیسرے یہ کہ ہم مان لیتے ہیں کہ تمہیں پوری بیداری حاصل ہو گئی اس پر مداومت بھی حاصل ہے اور ان کتابوں کی تمہیں حاجت بھی نہیں رہی ہے پھر تم نے یہ کتابیں کسی مبتدی طالب علم کو کیوں نہیں ہبہ کیں۔ جو ابھی تمہارے مقام تک نہیں پہنچا ہے یا ان سے استفادہ کرنے والوں پر وقف کیوں نہیں کیں یا انہیں فروخت کیوں نہیں کیا اور ان کی قیمت کو صدقہ کیوں نہیں کیا ان کو ضائع کرنا کسی حالت میں درست نہیں تھا۔

امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ ایسا شخص جو اپنی کتابیں دفن کرنے کی وصیت کرتا ہے کیا حکم ہے فرمایا مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ علم کو دفن کیا جائے کتابوں کے دفن کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ موصوف نے ایک اور مقام پر لکھا ہے:

"موجودات میں کوئی چیز علم سے اشرف نہیں ہے اور کیونکر ہو سکتی ہے علم دلیل و رہنما ہے جب علم نہ ہو گا تو گمراہی ہو گی شیطان کے سربستہ مکائد میں سے یہ بات ہے کہ انسان میں جذبہ عبادت کو مزین کر دکھاتا ہے تاکہ اس کو افضل عبادت علم سے روکے (۲۹۶)۔ قدماء کی ایک جماعت کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کتابیں دفن کیں' دریا میں ڈالیں' میرا ان سے حسن ظن اس بات کو چاہتا ہے کہ میں ان کی بابت یہ کہوں کہ وہ اپنے ذخیرۂ کتب کو اور اپنی تالیفات کو اپنی آراء سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں آراء کی صحت پر شرعاً اطمینان نہیں تھا۔ اس عذر شرعی کی بناء پر وہ اس علم کو پھیلانا نہیں چاہتے تھے (اور برباد کر کے اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے تھے) ورنہ جب کتابوں میں علم مفید و صحیح ہو اور ان باتوں کا اندیشہ نہ ہو اس کو برباد کرنا مال کو ضائع کرنا ہے جو حلال نہیں" (۲۹۷)

علامہ ابن الجوزی کی مذکورۂ بالا تصریحات کی روشنی میں ان بزرگوں کے عمل کی معقول توجیہہ ہو جاتی ہے۔

بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان نظریات کے حامل اہل علم کا اپنے کتب خانوں کو تباہ کرنے کے باوجود علم و کتب سے ان کا رشتہ منقطع نہیں ہوتا تھا چنانچہ ابو حیان توحیدی جس نے اپنے کتب خانہ کو نذر آتش کرنے کے بعد مذکورۂ بالا تمام نظریات اپنی تائید میں پیش کئے وہ نکتہ چینوں سے کہتا ہے۔

"دفینہ جل گیا علم سینہ میں باقی ہے میرے سینے میں وہ علم ہے جو کاغذ پر کاغذ بھرتا چلا جائے گا

اور زندگیاں ختم ہوتی رہیں گی لیکن یہ علم فنا نہیں ہوگا' یہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر بڑی نعمت ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں کہ میری آنکھ اس کے بعد بھی سیاہی' ورق' جلد' قرأت' مقابلہ' تصحیح اور نوشت و خواند سے نہیں تھکی ہے' سلف نے دین میں بلند مراتب' نیک اعمال حسنِ اعتقاد اور دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے پائے ہیں جس نے دنیا پر نظر رکھی اس نے دھوکا کھایا ہے (۲۹۸)

خواتین بھی کتب خانہ کی رقیب رہی ہیں۔ ان کی جلن بھی بسا اوقات کتابوں اور کتب خانوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی رہی ہیں۔ امیر ابو الوفا مبشر بن فاتک المتوفی ۵۰۰ھ کا شاندار کتب خانہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیگم نے محض اس لئے محل سراء کے حوض میں ڈلوایا تھا کہ ان کا خاوند زندگی میں بیشتر وقت ان کتابوں کے ساتھ گزارتا تھا (۲۹۹)

کتابوں پر کچھ کم آفتیں نہیں ٹوٹتی رہی ہیں انہیں بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اس لئے عہدِ عباسی میں ان کی بہت دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ابو بکر محمد بن العباس خوارزمی (۹۳۵ - ۹۹۳ء / ۳۲۳ - ۳۸۳ھ) نے کتابوں کی نئی آفتوں کا تذکرہ کیا اور غالباً دنیا میں پہلی مرتبہ کتاب کی آفتوں کو شیشے کی آفتوں سے بھی زیادہ نازک قرار دیا' چنانچہ وہ کہتا ہے:

”کتاب کو ایک پیش پا افتادہ چیز سمجھا گیا ہے اس کی اچھی طرح حفاظت نہیں کی جاتی' حالانکہ قصور وار ہاتھ اس کی طرف جلدی بڑھتا ہے اس کو ناگہانی آفتیں پیش آتی ہیں' پانی اس کو ڈبو دیتا ہے' آگ اس کو جلاتی ہے' ہوا اس کو اڑا لے جاتی ہے' مرورِ ایام سے اس میں تغیر آتا ہے' دھواں اس کی سفیدی کو سیاہ کرتا ہے' سرکہ اس کی سیاہی کو سفیدی سے بدلتا ہے' نمی اس کو نقصان پہنچاتی ہے' زیادہ خشکی اس کو فائدہ نہیں کرتی ہے' اس کی آفتیں اور مصیبتیں شیشے کی آفتوں سے زیادہ بڑھ کر ہیں وہ جلد ٹوٹتا اور مشکل سے جڑتا ہے' کتاب کے حوادث بکریوں کے حوادث سے بھی زیادہ ہیں جو ہر غنیم کی ملکیت بن جاتی ہیں اور ہر درندے کا شکار ہو جاتی ہیں' کتاب کی کم سے کم آفت یہ ہے کہ وہ جاہل' خائن کی خیانت کا شکار ہو جاتی ہے۔ مطالعہ کرنے والے کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے۔ فاتحوں کے کاندھوں پر چلی جاتی ہے اور کارواں اسے لے اڑتے ہیں (۳۰۰)

کتب خانوں کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ یہ گزشتہ ادوار میں اور آج کے ترقی یافتہ دور میں ان تمام مراحل سے گزری اور گزرتی رہتی ہے۔

فہرستِ ماخذ

(۱) ایک رطل تقریباً پانچ چھٹانک کا ہوتا ہے۔

(۲) ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریہ، (بغداد، مطبعۃ العالی، ۱۳۷۹ھ) ص ۲۷۴

(۳) المقریزی، ج ۱، ص ۴۵۹

(۴) ایضاً

(۵) محمد اسد طلس، التربیة والتعلیم فی الاسلام (بیروت، دارالعلم للملایین، ۱۹۵۷ء) صفحہ ۱۰۵

(۵) اولگا پنٹو، ص ۲۸

The Encyclopaedia of Islam (First edn.) Vol.2 p.1047

(۶) شبلی، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ترجمہ محمد حسین (لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۱۹۶۳ء) ص ۸۱

(۷) Joseph L, Wheeler and Harbert Goldhor, Practical Administration of Public Libraries, New York, Harper and Row Publishers, 1962, p. 118-119

(۸) R.L, Mittal, Library Administration: Theory and Practice, (Delhi, Metropoliton Book Company Ltd. 1964,) p.109.

(۹) ایضاً، ص ۱۰۰

(۱۰) الخطیب، ج ۵، ص ۸۲------ ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۶۵------ الصفدی، ج ۸، ص ۸۰، ------ ابن تغری بردی، ج ۴، ص ۳۸۱------ عواد، ص ۳۲۳

(۱۱) القفطی، ص ۳۰-۳۱------ ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص ۱۸۲

(۱۲) الخطیب، ج ۱۱، ص ۲۶۷

(۱۳) الذہبی، ج ۲، ص ۴۶۳------ ابن العماد، ج ۲، ص ۲۱۶

(۱۴) السمعانی، ورق ۴۵۶ب ------ السیوطی، حسن المحاضرہ، ج ۱، ص ۳۴۸

(۱۵) یاقوت، ج ۲، ص ۴۲۰ ------ عواد، ص ۱۳۷، ۲۱۵

(۱۶) یاقوت، ج ۵، ص ۴۶۷

(۱۷) الخطیب، ج ۳، ص ۱۳۶، ------ الذہبی، میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۶۷۲

(۱۸) ابن الآبار، ج ۱، ص ۳۱۰-۳۱۱

(۱۹) Encyclopaedia Americana, Vol. 17, p. 318-320

(۲۰) Anthony Thompson, Library Building of Brilain and Europe, London, Butterworths, 1961, p.63

(۲۱) ابو ظفر ندوی، سید، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے (اعظم گڑھ، دار المصنفین معارف پریس، ۱۳۸۳ھ) ص ۲۶۳

(۲۲) ابن جلجل، ص ۶۱ ------ ابن کثیر، ج ۹، ص ۳۴۴

(۲۳) ابن سعد، ج ۶، ص ۷۶

(۲۴) احمد عیسیٰ بک، تاریخ البیمارستان فی الاسلام، ص ۳۹ و ۱۷۱

(۲۵) الفارسی، منتخب السیاق، ورق ۲۱۷ ------ السمعانی، ورق ۲۵۴

(۲۶) ابن الندیم، ص ۳۲۵

(۲۷) ابو نعیم، ذکر اخبار اصبہان، ج ۱، ص ۳۷-۳۸

(۲۸) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۳۴۳

(۲۹) المقریزی، ج ۲، ص ۱۰۲

(۳۰) یاقوت، معجم البلدان، ج ۴، ص ۲۶۵ ------ ابن فضل اللہ العمری، مسالک الابصار فی ممالک الامصار، تحقیق احمد ذکی پاشا، (القاہرہ، مطبعہ دار الکتب المصریہ، ۱۳۴۲ھ) ج ۱، ص ۲۰۹ ------ السیوطی، حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۱۳۲ ------ ۱۳۳

(۳۱) یاقوت، ج ۵، ص ۴۶۷ ------ مز، ج ۱، ص ۲۴۵

(۳۲) یاقوت، ج ۲، ص ۴۲۰ ------ ایضاً، ص ۲۴۸

(۳۳) المقدسی، ص ۴۱۲ ------ ابن الندیم، ص ۱۳۹، ------ مز، ج ۱، ص ۳۴۹

(۳۴) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۳۱۲

(۳۵) عماد الاصفہانی، ج ۱، ق ۱، ص ۳۰، (مقدمہ) و ق ۲، ص ۱۶۷

(۳۶) یاقوت، ج ۲، ص ۱۵۱-۱۵۲

(۳۷) ابن عبدالحق، ج ۳، ص ۱۳۲۳ـ عواد، ص ۱۲۲ـ ۱۲۵

(۳۸) المقدسی، ص ۳۴۹ـ ۳۵۰

(۳۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۸۱۴

(۴۰) سید عبداللہ تعلیمی خطبات (لاہور مجلس ارادتمندان سید، ۱۹۶۶ء)

(۴۱) ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریہ، ج ۲، ص ۴۰۳------ابن کثیر، ج ۱۳ ص ۱۳۹------
ابن الاثیر، التاریخ الباہر فی الدولتہ الاتابکیہ (بالموصل) تحقیق عبدالقادر احمد طلیحات
(القاہرہ، دار الکتب الحدیثہ، ۱۹۶۳ء) ص ۱۷۰

(۴۲) ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۱۷------یاقوت، ج ۴، ص ۲۴۶، ------القفطی، ج ۲، ص ۹۹

(۴۳) ابن الجوزی، ج ۶، ص ۳۱۲------عواد، ص ۲۱۶

(۴۴) الخطیب، ج ۶، ص ۳۲------القفطی، ج ۱، ص ۱۵۶------۱۵۷

(۴۵) المقریزی، ج ۱، ص ۴۰۸

(۴۶) ابن الفوطی، ص ۱۵۷------ابن الطقطقی، ص ۳۳۷، ------الصفدی، ج ۱، ص ۱۸۴

(۴۷) ابن الفوطی، ص ۱۸۴

(۴۸) شمس الدین محمد حافظ شیرازی، دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی (طہران، چاپخانہ
مجلس، ۱۳۲۰ف) ص ۳۳۸

(۴۹) المالقی، ص ۸۸

(۵۰) یاقوت، ج ۲، ص ۴۱۲

(۵۱) ہلال المحسن الصابی، تحفتہ الوزراء فی تاریخ الوزراء، تحقیق عبدالستار احمد فراج، (القاہرہ،
عیسٰی البابی الحلبی، ۱۹۵۸ء) ص ۴۷

(۵۲) یاقوت، ج ۵، ص ۲۴۶

(۵۳) الخطیب، ج ۶، ص ۳۲

(۵۴) ایضاً، ج ۴، ص ۳۵۵

(۵۵) ایضاً، ج ۱۳، ص ۱۰

(۵۶) الخوانساری، ج ۴، ص ۲۲

(۵۷) اونگا پنشو، ص ۳۱ و ۳۲

(۵۸) المقریزی، ج ۲، ص ۳۶۷------ابن المعاد، ج ۴، ص ۳۲۵

(۵۹) ابن الفوطی، ص ۵۴

(۶۰) ابن الجوزی، ج ۸، ص ۲۱۶------ ابن ابی اصیعہ، ج ۳، ص ۳۸۶

(۶۱) ایضاً، ج ۲، ص ۱۴۴

(۶۲) ابن الامشی، ج ۱، ص ۹۶------ مصطفیٰ جواد، ص ۲۵۵

(۶۳) الکاشغری، ص ۳۵۹

(۶۴) الزمخشری، مقدمتہ الادب، ج ۱، ص ۱۲۹

(۶۵) عجاج الخطیب، ص ۶۲

(۶۶) ایضاً

(۶۷) A. Moid, An Elevnth Century (A.D.) Itemization of Islamic Sciences, (ND), p.6 (Memogragphed)

(۶۸) ابو شامہ، ج ۱، ق، ص ۶۸۶

(۶۹) Lane, Book 1, Part 8th, P.2807

(۷۰) القفطی، ج ۲، ص ۳۰۶

(۷۱) عجاج الخطیب، ص ۶۲-۶۴

(۷۲) پشتو، ص ۲۶

(۷۳) عجاج الخطیب، ص ۶۳-۶۴

(۷۴) الزبیدی، ج ۵، ص ۳۴۳ (مادہ ربع) ------ عواد، ص ۱۶۳

(۷۵) الذہبی، ترجمہ الامام احمد بن حنبل، ص ۵۹

(۷۶) عجاج الخطیب، ص ۶۴

(۷۷) ابن الندیم، ص ۱۴۴ الذھبی، ج ۳ ص ۸۴

(۷۸) ایضاً، ص ۲۸۵

(۷۹) ابن الندیم، ص ۷۷ (فلوگل)

(۸۰) الزبیدی، ج ۴، ص ۲۳۲ (مادہ کرس)

(۸۱) البیرونی، کتاب الجماہر، ص ۱۰۸

(۸۲) الجوہری، ج ۲، ص ۱۵۹ (مادہ دف ر)

(۸۳) المطرزی، ج ۱، ص ۱۸۱ (مادہ دف ر)

(۸۴) الخطیب، ج ۸، ص ۲۲ و ج ۹، ص ۲۸۰

(۸۵) ابن خیر، ص ل (مقدمتہ المحقق)

(۸۶) ابن عساکر، تاریخ مدینتہ دمشق، تحقیق صلاح الدین المنجد (دمشق، مجمع العلمی العربی، ۱۹۵۱ء) ج ۱، ص ۳۲ (مقدمہ المحقق)

(۸۷) وحیدا، شمارہ مسلسل / ۱۰، شمارہ حرف ک، ج ۳، ص ۴۰۶-۴۰۷

(۸۸) الشرتوتی، ج ۲، ص ۱۰۷۷

(۸۹) القفطی، ج ۳، ص ۱۵۴

(۹۰) ابن الندیم، ص ۷۷ (فلوگل)

(۹۱) یاقوت، ج ۴، ص ۲۳۷

(۹۱) الخطیب، ج ۵، ص ۱۷

(۹۲) یاقوت، ج ۴، ص ۲۳۷

(۹۳) عواد، ص ۲۳۲

(۹۴) الذہبی، ج ۳، ص ۱۰۳۴

(۹۵) الزرکلی، ج ۴، ص ۱۷۹

(۹۶) ایضاً

(۹۷) یاقوت، ج ۲، ص ۲۹۶

(۹۸) ابن حزم، جمہرہ انساب العرب، ص ۱۰۰

(۹۹) السبکی، ج ۵، ص ۱۲۱

(۱۰۰) الذہبی، ج ۳، ص ۹۱۳

(۱۰۱) الخطیب، ج ۹، ص ۳۲۴

(۱۰۲) الکتانی، فہرس الفہارس ج ۱، ص ۲۵۷

(۱۰۳) ابن الابار، التکملہ، ج ۲، ص ۴۷۶

(۱۰۴) کرد علی، خطط الشام، ج ص

(۱۰۵) مسکویہ، ج ۲، ص ۲۴۶------ ابن الاثیر، ج ۶، ص ۳۱۴ و ج ۸، ص ۵۸۴-۵۸۴------ مز، ج ۱، ص ۲۴۶

(۱۰۶) ابن الندیم ص ۴۱۶------ ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۲۴۵

(۱۰۷) الذہبی، ج ۴، ص ۲۴۶

(۱۰۷-الف یاقوت، ج ۲، ص ۴۲۰

(۱۰۸) الفارسی، ورق ۲۹ ب

(۱۰۹) المقریزی، ج ۱، ص ۴۵۹

(۱۱۰) الفارسی، ورق ۲۱، ب------ یاقوت، ج ۱، ص ۲۲۰

(۱۱۱) یاقوت، ج ۲، ص ۴۲۰

(۱۱۲) السمعانی، ج ۶، ص ۷۷

(۱۱۳) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲------ ابن العماد، ج ۳، ص ۱۰۴

(۱۱۴) الذہبی، ج ۳، ص ۸۷

(۱۱۵) محمد طاہر الفتنی، مجمع بحار الانوار، ج ۱، ص ۱۷۷

(۱۱۶) ابن الجوزی، ج ۷، ص ۱۷۲------ ابن العماد، ج ۳، ص ۲۰۴

(۱۱۷) ابن الجوزی، ج ۹، ص ۱۸۹------ یاقوت، ج ص ۳۵۹------ ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۱۸۰

(۱۱۸) عبدالنبی الاحمد نگری، ج ۲، ص ۲۹۳

(۱۱۹) Lane, Book 1. Part 5th, p.2194

(۱۲۰) عبدالنبی، ج ۲، ص ۲۹۳

(۱۲۱) المطرزی، ج ۲، ص ۶۳

(۱۲۲) الراغب، ص ۳۵۳

(۱۲۳) Munford, W.A. Penny Rate, London, The Library Association, 1951, p.23.

(۱۲۴) البیرونی، کتاب الہند، ص

(۱۲۵) ابن الندیم، ص ۹۰------ یاقوت، ج ۱، ص ۵۸------ القفطی، ج ۱، ص ۱۶۴

(۱۲۶) عجاج الخطیب، لمحات فی المکتبہ، ص ۶۸

(۱۲۷) ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۳

(۱۲۸) ابن کثیر، ج ۹، ص ۳۴۵

(۱۲۹) ایضاً، ج ۱۰، ص ۲۰۲------ ۲۰۳------ ابن جماعہ، ص ۱۶۸

(۱۳۰) الخطیب، ج ۵، ص ۵۲۲

(۱۳۱) ابوالطیب، ج ۵، ص ۵۲۲

(۱۳۲) ایضاً، ج ۱۰، ص ۳۳۱

(۱۳۳) واعظ بلخی، ص ۲۶۳

(۱۳۴) العلیمی، ج ۲، ص ۳۵۱

(۱۳۵) ابن ابی اصیبعہ، ج ۳، ص ۲۹۳

(۱۳۶) یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۱۷۳------ السمعانی، ج ۳، ص ۲۵۷

(۱۳۷) ابن کثیر، ج ۱۰، ص ۲۰۳

(۱۳۸) ابن بشکوال، الصلۃ، ج ۱، ص ۳۱۰-۳۱۱

(۱۳۹) ابن الخطیب، ج ۱، ص ۱۵-۶۱۶

(۱۴۰) الذہبی، ج ۴، ص ۱۴۰۶

(۱۴۱) الثعالبی، فقہ اللغہ، ص ۹-۱۰

(۱۴۲) یاقوت، ج ۳، ص ۲۱۶، ۲۱۷

(۱۴۳) ایضاً

(۱۴۴) ابن الساعی، ج ۹، ص ۲۳۶------ عواد، ص ۱۵۲

(۱۴۵) یاقوت، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۱۴

(۱۴۶) Munford, W.A., Penny Rate, P. 23.

(۱۴۷) Pierre Breillate, "The Rare Book Section in the Library", UNESCO Bulletin For Libraries , Vol. XIX, No. 5, September, October, 1965. P.254-2632.

(۱۴۸) ابن جماعۃ، ص ۱۶۸

(۱۴۹) السمعانی، ج ۱، ص ۳۵۶

(۱۵۰) ابن جماعہ، ص ۱۶۹

(۱۵۱) ایضاً، ص ۱۷۲

(۱۵۲) المقریزی، ج ۱، ص ۴۵۸

(۱۵۳) ابن حجر، رفع الاصر عن قضاۃ مصر، ج ۱، ص ۱۷۰-۱۷۱------ السیوطی حسن المحاضرہ، ج ۱، ص ۳۰۸

(۱۵۴) Encylopaedia of Library Information Science, Vol. 21. P. 311.

(۱۵۵) Louis Fagan, A Life of Sir Anthony Panizi K.C. London, Remington, 1880

(۱۵۶) ابن الاثیر، ج ۱، ص ۴۱۱------ حسن پاشا، ج ۱، ص ۴۵۱

(۱۵۷) ابن فرحون، ص ۴۹

(۱۵۸) الخطیب، ج ۱۱، ص ۵۸------ ابن الابناری، ۲۳۲------ ابن الجوزی، ج ۷۷، ص ۲۴۷------ القفطی، ج ۲، ص ۱۷۵

(۱۵۹) ایضاً

(۱۶۰) عبداللہ بن محمد احمد التجانی، رحلہ التجانی تحقیق حسن حسنی عبدالوہاب تونس، المطبعہ الرحمیہ، ۱۳۷۷ھ ص ۲۷۴-۲۷۶

(۱۶۱) السبکی، معید النعیم، ص ۱۱۱

(۱۶۲) ابن الفوطی، ص ۱۵۶

(۱۶۳) ابن عساکر، ج ۶، ص ۲۱۲------ السبکی، ج ۴، ص ۲۲۳------ ابن العماد، ج ۴، ص ۳۴------ ابن ہبتہ اللہ، طبقات الشافعیہ، ص ۷۳

(۱۶۴) القفطی، ص ۴۴۰

(۱۶۵) الفارسی، ورق ۲۹ ب

(۱۶۶) ابن الندیم، ص ۱۸۲------ یاقوت، ج ۴، ص ۲۵۸، کرد علی، امراء البیان، ج ۱، ص ۱۶۱

(۱۶۷) ابن حجر، رفع الاصر، ج ۱، ص ۱۷۳------ السیوطی، حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۱۴۴

(۱۶۸) ابن الندیم، ص ۱۷۴------ اسماعیل پاشا، ہدیۃ العارفین، ج ۱، ص ۳۸۸، کرد علی، امراء البیان، ج ۱ص ۱۷۲

(۱۶۹) ابن الندیم، ص ۱۷۴------ کرد علی، امراء البیان، ج ۱، ص ۱۷۲

(۱۷۰) الکتبی، ج ۲، ص ۵۳۶------ الصفدی، ج ۵، ص ۱۴۹

(۱۷۱) ابن الندیم، ج ۲، ص ۱۷۴------ کرد علی، امراء البیان، ج ۱، ص ۱۷۲

(۱۷۲) الخطیب، ج ۱۱، ص ۵۷ و ۵۸------ ابن الانباری، ص ۲۳۱-۲۳۲------ ابن الجوزی، ج ۷، ص ۲۷۳-۲۷۴------ القفطی، ج ۲، ص ۱۷۵ و ۱۷۶------ الذہبی، معرفۃ القراء الکبار، ج ۱، ص ۳۰۳------ ابن الجوزی، ج ۱، ص ۳۸۵------ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ ج ۲، ص ۹۵

(۱۷۳) ابن حجر، لسان المیزان، ج ۲، ص ۲۷۵

(۱۷۴) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۴۲

(۱۷۵) السبکی، ج ۵، ص ۳۵۹------ یاقوت، ج ۶، ص ۳۴۳------ الاسنوی، ج ۱، ص ۹۶-۹۷------ ابن الفوطی، ج ۴، ق ۲، ص ۷۸------ اسماعیل پاشا، ہدیۃ العارفین، ج ۲، ص ۵۴۵

(۱۷۶) یاقوت‘ ج ۶‘ ص ۱۴۱‘ ۳۴۱‘ ۳۴۳‘ ۲۴۶------ القفطی‘ ج ۳‘ ص ۹------ ابن الصابونی‘ ص ۴۵۶-۴۵۷

(۱۷۷) یاقوت‘ ج ۷‘ ص ۲۸۷------ القزوینی‘ ص ۳۴۰------ السیوطی‘ بغیتہ الوعاۃ‘ ج ۲‘ ص ۳۳۸

(۱۷۸) ابن الندیم، ص ۱۸۲- اسماعیل پاشا، ہدیۃ العارفین، ج ۱، ص ۳۸۸

(۱۷۹) ابن الندیم، ص ۱۷۴- کرد علی، امراء البیان، ج ۱، ص ۱۷۲

(۱۸۰) ابن الندیم، ص ۱۷۴- یاقوت، ج ۴، ص ۳۵۸- کرد علی، امراء البیان، ج ۱، ص ۱۶۱،

(۱۸۱) ابن الندیم، ص ۳۸۲- صفا، تاریخ علوم عقلی، ص ۵۹

(۱۸۲) الامدی، ج ۱، ص ۲۰

(۱۸۳) ابن الندیم، ص ۱۲۹ (فتح بن خاقان) عمل لہ خزانۃ - یاقوت ج ۵ ص ۴۵۹ (۷۱)

(۱۸۴) یاقوت، ج ۵، ص ۴۶۷، (۷۱) خزانة كتب عظيمة نسميها خزانة الحكمة، (المنجم)

(۱۸۵) الصفدی، ج ۷، ص ۹۷۲ (۳۷۳۳) احمد بن محمد بن حسن المعروف بالصنوبری- الکتبی، ج ۱ ص ۱۲۲ (۴۸)- الذہبی، العبر، ج ۲ ص ۲۳۷- ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، تحقیق ریاض عبد اللہ مراد، بیروت، دار الفکر ۱۹۸۴، ج ۳ ص ۲۳۷ (۲۶۴) - ابن العماد، ج ۲، ص ۲۳۵

(۱۸۶) الثعالبی، ج ۲، ص ۱۸۳- یاقوت، ج ۳، ص ۳۳۶ (۱۰۹)- الکتبی، ج ۲، ص ۵۲ (۱۶۹)، ابو عثمان سعید خالدی،

(۱۸۷) الثعالبی، ج ۳، ص ۳۲۱ (ابو محمد الخازن)

(۱۸۸) القفطی، ج ۲، ۳۰۶ (۴۸۳) ابن الکوفی

(۱۸۹) یاقوت، ج ۶، ص ۴۰۷ (۱۴۰) الشابشتی

(۱۹۰) الثعالبی، ج ۲، ص ۱۸۳- الصفدی، ج ۵، ص ۱۴۹ (۲۱۶۸)- الکتبی، ج ۲ ص ۵۳۶، ابو بکر محمد خالدی

الف(۱۹۰) الخطیب، ج ۳، ص ۴۳۱-۴۳۲ (۵۶۶) المکتبۃ الصولی- یاقوت، ج ۷، ص ۱۳۶ (۸۷)- الصفدی، ج ۵، ص ۱۹۰-۱۹۱ (۲۲۴۳)

(۱۹۱) یاقوت، ج ۶، ص ۱۹۸ (۵۳) تذکرۃ قاسم بن محمد الدیمرتی

(۱۹۲) الفارسی، منتخب السیاق، ص ۱۳۳ (۲۳۸)، ابو صالح المؤذن- الذہبی، ج ۴، ص ۱۱۶۳ (۱۰۲۲)- العبر، ج ۲، ص ۲۷۲- یاقوت، ج ۱، ص ۲۱۹ (۵۱)- ابن کثیر، ج ۱۰، ص ۱۰۸- ابن تغری بردی، ج ۵، ص ۳۷۰- الصفدی، ج ۷، ۱۵۷ (۳۰۸۰)

(۱۹۳) مسکویہ، ج ۲، ص ۲۸۶ ومابعد، مز، ج ۱ ص ۲۳۳۶- القفطی، ص ۳۳۱-۳۳۲

(۱۹۴) ابن منقذ، کتاب الاعتبار، ص ۲۰۸،

(۱۹۵) الفارسی، منتخب السیاق، ص ۱۹۵ (۳۳۴)، ابو علی الجاجرمی- ابن الجوزی، ج ۹، ص ۱۳۹، (۲۱۹)- ابن العماد، ج ۳، ص ۴۰۵، ثابت بن اسلم

(۱۹۶) السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۱، ص ۴۸۰ / ص ۲۰۹، طبعۃ الجانجی، طولی خزانۃ الکتب بحلب لسیف الدولۃ- الطباخ، ج ۳، ص ۱۹۸

(۱۹۷) ابن حجر، لسان المیزان، ج ۲، ص ۲۷۵ (۱۱۴۳)، قاضی حسین

(۱۹۸) ابن کثیر، ج ۱۱، ص ۴۲، (وفایات ۴۲۸)، ابن سینا

(۱۹۹) یاقوت نے معجم البلدان، ج ۵، ص ۲۸۷، میں موصوف کا نام حداد نقل کیا

(۲۰۰) السمعانی، ج ۵، ص ۳۹۰- النشوی، ابن الاثیر، اللباب، ج ۲، ص ۳۲۵

(۲۰۱) الخطیب، ج ۱۱، ص ۵۷-۵۸ (۷۱۳۹)- ابن الانباری، ص ۲۳۱- ابن الجوزی، ج ۷، ص ۲۷۳- القفطی، ج ۲، ص ۱۷۵- الذہبی، معرفۃ القراء الکبار، ج ۱، ص ۲۰۳- السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۲، ص ۹۵، عبدالسلام

(۲۰۲) ابن حجر، رفع الاصر، ج ۲، ص ۲۶۲و۳۶۱- الکندی، ۴۹۵ / ۴۹۶

(۲۰۳) القفطی، ص ۴۴۰

(۲۰۴) الخطیب، ج ۳، ص ۹۳ / ۹۴ (۱۰۹۰)- السمعانی، ج ۲، ص ۳۰۷ (الخازن)

(۲۰۵) الفارسی، منتخب السیاق، ص ۵۴ (۱۰۲) ابن الخشاب

(۲۰۶) السبکی، ج ۵، ص ۳۵۹ - یاقوت، ج ۶، ص ۳۴۳ (۱۳۰) الاسفرائنی، بضمن تذکرۃ محمد بن احمد الابیوردی - الاسنوی، ج ۱، ص ۹۶ (۸۳) - ابن الفوطی، ج ۴، ق ۲، ۷۸

(۲۰۷) ابن الجوزی، ج ۱۰ ص ۲۴۸ (۳۴ۓ) - ابن کثیر، ج ۱۲ ص ۲۸۶ - عماد عبد الرؤف، ص ۴۲ (ابن الاہوازی)

(۲۰۸) ابن حجر، لسان المیزان، ج ۱ ص ۳۸۶ (۱۲۱۲) (اسعد بن ابی روح)

(۲۰۹) عواد، ص ۱۴۹، (ابو سہل اکرم الدین خازن دار الکتب النظامیہ)

(۲۱۰) ابن عساکر، ج ۶ ص ۲۱۲ - السبکی، ج ۴ ص ۲۲۳ (بیروت دار المعرفہ) (ابو القاسم سلمان الانصاری) - ابن ہبۃ اللہ ص ۷۳ - ابن العماد، ج ۴ ص ۳۴

(۲۱۱) القرشی، ج ۱ ص ۳۲۰ (عبد العزیز الخوارزمی) (۸۵۴)

(۲۱۲) یاقوت، ج ۵ ص ۱۰۴-۱۰۵ (۴۴) -- القفطی، ج ۲ ص ۲۹۳، (ابو الحسن علی بن احمد بن عبد الباقی البحری المتوفی ۵۷۵ھ)

(۲۱۳) یاقوت، ج ۶ ص ۳۴۳ (ابو المظفر محمد بن احمد الابیوردی)

(۲۱۴) ابن الجوزی، ج ۹ ص ۱۸۹ (۳۲۳) - ابن کثیر، ج ۱۲ ص ۱۸۰ - القفطی، ج ۳ ص ۴۸ - یاقوت، ج ۶ ص ۳۵۹ (۱۳۰) - السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۱ ص ۲۷ (ابو منصور محمد بن احمد بن طاہر خازن دار الکتب سابور)

(۲۱۵) المقری، نفح الطیب، المطبعۃ الازہریۃ، ۱۳۰۲ھ ج ۱ ص ۳۹۵-۳۹۶

(۲۱۶) یاقوت، ج ۷ ص ۲۸۷ (۱۷۷) (خطیب تبریزی) - السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۲ ص ۳۳۸

(۲۱۷) اردو دائرۂ معارف اسلامیۃ، ج ۱ ص ۴۰۷ ابن حبۃ اللہ البغدادی

(۲۱۸) الکتبی، ج ۱ ص ۱۷۲ - ج ۲ ص ۳۱۹ (۲۷۰۲) (ابن الفوطی) - ابن کثیر ج ۱۴ ص ۱۰۶ - ابن تغری بردی ج ۹ ص ۲۶۰ - ابن العماد ج ۶ ص ۶۰-۶۱

(۲۱۹) ابن رجب، ج ۲ ص ۲۱۸ (۳۲۳) - الذہبی، العبر، ج ۵ ص ۱۵۷ - (ل،

معرفۃ القراء الکبار، ج ۲ ص ۴۹۹ - ابن الفوطی ص ۵۴ - ابن الجزری ج ۱ ص ۳۹۳ - ابن العماد ج ۵ ص ۱۸۴ - ناجی معروف، علماء المستنصریہ، ص ۲۷۶ - مصطفی جواد، ص ۱۶۸-۱۶۹ (عبد العزیز بن دلف)

(۲۲۰) ابن الفوطی، ص ۵۴، ابو محمد عبد القادر الواسطی

(۲۲۱) ابن الطقطقی، ص ۳۳۳، صفی الدین عبد المؤمن ارملی

(۲۲۲) محمد بن رافع السلامی، تاریخ علماء بغداد المسمی منتخب المختار، تحقیق عباس العزاوی، مطبعۃ الاہالی، ۱۳۵۷ھ ص ۱۳۸ تاج الدین بن انجب

(۲۲۳) ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریۃ، ص ۲۷۹-۲۸۲ - ابن الفوطی، ص ۳۸۹ - الذہبی، ج ۴ ص ۱۴۶۹ (۱۱۶۱) - ابن کثیر، ج ۱۳ ص ۲۷۰

(۲۲۴) ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریۃ، ص ۲۷۹-۲۸۲ ابن سعد الحظیری

(۲۲۵) الصفدی، ج ۲ ص ۳ (۲۶۴) - السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ج ۱ ص ۱۲ شرف الدین میدومی

(۲۲۶) ایضا، ج ۳ ص ۸۹ (۱۰۱۳) - ایضا ج ۳ ص ۱۱۱ (۱۰۰۸) - ابن سعد، ج ۳ ص ۸۹ محمد بن سعد الدیباجی المروزی

(۲۲۷) ابن الفوطی، ج ۴ ق ۴ ص ۳۳۳ - ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریۃ، ص ۳۰۱-۳۰۲ ابو محمد التفتازانی

(۲۲۷ - الف) الفاسی، العقد الثمین، ج ۷ ص ۳۶۶ (۲۶۲۸) ابو الفضل ہبۃ اللہ الواسطی

(۲۲۷ - ب) ابن الفوطی، ج ۴ ق ۴ ص ۸۳۲ جمال الدین یعقوب مستعصمی

(۲۲۷ - ج) ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریۃ، ص ۲۸۲ یحییٰ المخزومی

(۲۲۸) ابن الساعی، ص ۱۶۰

(۲۲۹) ابن الفوطی، ص ۵۵-۵۶ - ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریۃ، ص ۳۰۲

(۲۳۰) ابن الفوطی، ص ۳۰۳ - ناجی معروف، تاریخ علماء المستنصریۃ، ص ۳۰۲

(۲۳۱) ایضا، ایضا

(۲۳۲) یاقوت، ج ۵ ص ۱۲۹ (علی بن الحسن المعروف بشمیم الحلی) (۶۲)

(۲۳۳) الخطیب، ج۳ ص۴۳۸ - ج۶ ص۳۶۴

(۲۳۴) ابن المنظور، ج۱ ص۲۸۷ (مادہ حب) - الخطیب ج۱۴ ص۱۸۳ (۷۴۸۴) (یحیی بن معین)

(۲۳۵) ابن الفرضی، ج۱ ص۳۰۰

(۲۳۶) المطرزی، ج۱ ص۲۵۳ - السمعانی، ورق ۷۴ ب - الخطیب ج۴ ص۳۷۴ - ابن الجوزی، ج۸ ص۸۰ (۸۹) احمد البرقانی المتوفی ۴۲۵ (ثقہ وصدوق) - الذہبی، ج۳ ص۱۰۷۴ - ابن حجر، ج۱۱ ص۲۸۲ - الجاحظ، کتاب الحیوان، ج۱ ص۶۱

(۲۳۷) القفطی، ج۴ ص۵

(۲۳۸) الصفدی، ج۲ ص۱۹۰ (۵۵۴) (ابن مندہ)

(۲۳۹) الخطیب، ج۴ ص۳۷۴-۳۷۵ (ابوبکر البرکانی) (۲۲۷۴) (ثقہ و صدوق)

(۲۴۰) ابن الفرضی، ج۱ ص۳۱۳

(۲۴۱) یاقوت، ج۲ ص۱۰ - مز، ج۲ ص۱۹۰

(۲۴۲) الخطیب، ج۲ ص۷۱ - ج۳ ص۱۵-۱۸ (قماطر و قمطر) - ج۴ ص۲۶۴ ج۷ ص۷۱ - ج۱۰ ص۲۳۰-۲۳۱ - ج۱۱ ص۴۶۲ - ج۱۴ ص۱۸۳ - یاقوت، ج۲ ص۳۲۶ - ج۶ ص۱۳۷ - ابن الندیم، ص۱۴۴

(۲۴۳) ابن منظور، ج۶ ص۴۱۶ - الخطیب، ج۷ ص۷۱ (بشر بن الحارث المعروف بالحافی) (۳۵۱۷) - ابن عساکر، ج۲ ص۲۳۱

(۲۴۴) المقریزی، کتاب السلوک، ج۱ ق۱ ص۲۴۲

(۲۴۵) الخطیب، ج۹ ص۵۸ (۴۶۳۸) (ابوداود السجستانی) - ص۱۴۱ - ج۱۲ ص۷۹ - السمعانی، ادب الاملاء والاستملاء، ص۱۱۷ - ابن حجر، لسان المیزان، ج۱ ص۱۶۰

(۲۴۶) السمعانی، ص۱۱۷ - یاقوت، ج۷ ص۲۸۶ - ابن خلکان، ج۲ ص۲۳۳-

الدلجی، ص ۸۹ - السیوطی، ج ۲ ص ۱۹۵ - ابن عساکر، ج ۴ ص ۲۵ - الاصفہانی، کتاب الاغانی، تحقیق ابراہیم الابیاری، القاہرۃ، دار الشعب، ۱۳۸۹ھ، ج ۱۷ ص ۲۲۴۶

(۲۴۷) الذہبی، ج ۴ ص ۳۰۳ - السبکی، ج ۶ ص ۳۹

(۲۴۸) الخطیب، ج ۱۱ ص ۴۱۲ - ابن حجر، ج ۷ ص ۳۵۲

(۲۴۹) القفطی، ج ۲ ص ۴۸ (ابو محمد بن الدہان) (۲۷۵)

(۲۵۰) ایضا، ص ۴۳۸ - یاقوت ج ۴ ص ۲۴۲ (۱۱۵) ابن الدہان - ابن خلکان، ج ۲ ص ۲۰۹ - الصفدی، ص ۱۵۹ - السیوطی، ج ۱ ص ۵۸۷

(۲۵۱) ابن الاثیر، ج ۱۰ ص ۵۲۳ - ابن کثیر، ج ۱۲ ص ۱۷۹ (حوادث ۵۱۰ھ) - عواد، ص ۱۴۶

(۲۵۲) ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی، نکت الانتصار لنقل القرآن، تحقیق محمد زغلول، سلام (اسکندریہ، منشئۃ المعارف ۱۹۷۱ء) ص ۳۱۵ و ۳۵۳ و ۳۵۴

(۲۵۳) ابن ابی داود، ص ۱۵۱

(۲۵۴) ابن الندیم، ص ۲ ۲ - وان کریمر، ص ۴۷

(۲۵۵) الجاحظ، رسالۃ فی الجد والہزل، ص ۲۴۶-۲۴۷

(۲۵۶) ابن الندیم، ص ۱۴

(۲۵۷) الذہبی، العبر، ج ۴ ص ۱۵۰ - ابن العماد، ج ۴ ص ۱۲۴ (ابوبکر بن الزاغونی المتوفی ۵۵۲ھ)

(۲۵۸) الجاحظ، رسائل الجاحظ، تحقیق عبد السلام ہارون، (القاہرۃ، مکتبۃ الخانجی ۱۳۸۴ھ) ص ۲۰۲

(۲۵۹) المقدسی، ص ۱۰۰

(۲۶۰) ایضا، ص ۴۳-۴۴

۲۰) عریب بن سعد، صلۃ تاریخ الطبری (لیدن، مطبعۃ بریل، ۱۸۹۷ء) ص ۱۰۲-۱۰۵

(۲۶۲) مز، ج ۱ ص ۲۴۸

(۲۶۳) ابن الندیم، ص ۱۷ (سری بن احمد الکندی)

(۲۶۴) الخطیب، ج ۳ ص ۴۳۱

(۲۶۵) المالقی، ص ۸۸

(۲۶۶) السبکی، معید النعم، ص ۱۳۲

(۲۶۷) امیر الحاج، ج ۴ ص ۹۳

(۲۶۸) ابن ابی داؤد، ص ۱۵۱

(۲۶۹) ابن الندیم، ص ۶۰ - الدانی، المحکم فی النقط، تحقیق عزۃ حسن (دمشق وزارۃ الثقافت والارشاد القومی ۱۳۷۹ھ) ص ۳-۴

(۲۷۰) الدانی، ص ۵ - الطاہر احمد المکی، نشأۃ الخط و تطورہ، اللسان العربی، العدد السادس (۱۹۶۹ء) ص ۵۲

(۲۷۱) ایضا، - الدانی ص ۷ س

(۲۷۲) المسعودی، کتاب التنبیہ والاشراف (بیروت، مکتبۃ خیاط، ۱۹۶۵ء) ج ۱ ص ۱۰۶

(۲۷۳) یاقوت، ج ۵ ص ۲۴۶

(۲۷۴) الصفدی، ج ۲ ص ۱۱۳ (۴۴۶) (ابن صابر السلمی الکاتب)

(۲۷۵) آرنولڈ، میراث اسلام، ص ۴۶۲

(۲۷۶) A. H. Chrisitie, "Islamic Art and its Influence on Painting in Europe."

(۲۷۷) آرنولڈ، میراث اسلام، ص ۲۰۰

(۲۷۸) الخطیب، ج ۱۱ ص ۴۶۲

(۲۷۹) الذہبی، العبر، ج ۴ ص ۳۰۲ - السبکی، ج ۶ ص ۳۹

(۲۷۹ـالف) الحاکم، کتاب المدخل فی اصول الحدیث، (حل المطبعۃ العلمیۃ ۱۳۵۱ھ) ص ۲۱

(۲۸۰) ابن تغری بردی، ج ۳، ص ۳۸۷ - ابن خلکان، ج ۲ ص ۲۷ - الزرکلی، ج

۷ ص ۱۴۰

(۲۸۱) ابو شامہ، الروضتین، ج۱ ص ۲۳۸

(۲۸۲) الشاطبی، الاعتصام، القاہرۃ، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، ب، ت، ج ۲ ص ۲۲۶

(۲۸۳) الخطیب، ج۶، ص ۴۲

(۲۸۴) ابن الاثیر، ج۱۱ ص ۲۸۱-۲۸۲

(۲۸۵) ابن کثیر، ج ۱۲ ص ۲۴۰

(۲۸۶) ابن مفلح، ج ۲ ص ۱۳

(۲۸۷) ابن الجوزی، ج۹ ص ۲۴۴ - سبط ابن الجوزی، ج۸ ق ۱ ص ۹۶

(۲۸۸) ابن الجوزی، ج۸ ص ۲۱۶ - ابن کثیر، ج۱۲ ص ۱۷۹

(۲۸۹) سبط ابن الجوزی، ج ۸ ص ۶۲ - ابن کثیر ج۱۲ ص ۱۷۵

(۲۹۰) ابن الاثیر، ج۸، ص ۶۲۸

(۲۹۱) یاقوت، معجم البلدان، ج۲، ص ۱۷۸ (جوبق)

(۲۹۲) یاقوت، ج۵، ص ۲۸۶-۳۹۲

(۲۹۳) النابلسی، ص ۴۳

(۲۹۴) حاجی خلیفہ، ج۱، ص ۵۴

(۲۹۵) ابن الجوزی، صید الخاطر، ص ۲۲۷

(۲۹۶) ابن الجوزی، نقد العلماء والعلم، ص ۳۱۳-۳۱۶

(۲۹۷) ایضاً، صید الخاطر، ص ۹۶

(۲۹۸) ایضاً، " " ، ص ۹۷

(۲۹۹) ابن ابی اصیبعۃ، ص ۵۶۰، مبشر بن فاتک

(۳۰۰) الثعالبی، ج۴، ص ۲۰۰-۲۰۱

باب یازدہم

ثمرات‘ نتائج تحقیق

اسلام دین و دنیا کا جامع ضابطہ حیات ہے۔ وہ دنیا کو بھی دین ہی بناتا اور ان میں تفریق کو روا نہیں رکھتا‘ اس کے تمدن کے اساس الکتاب کی تعلیمات ”ایمان و ایقان“ اور ”علم و عرفان“ ہے اس ضابطہ حیات کی بنیادیں وحی اور کتاب پر رکھی گئی ہیں۔ اس نے حقائق اشیاء میں غور و فکر‘ قرأت و کتابت بالقلم کو ایک فریضہ قرار دیا جو علم و معرفت کے حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اور بقدر استطاعت تحصیلِ علم کا ہر شخص کو پابند کیا اس باب میں فرضِ عین و فرض کفایہ کی تقسیم بھی اس امر کی غماز ہے۔ ”الکتاب“ نے علم و کتاب کے ابلاغ و اشاعت کی ذمہ داری بھی بقدر استطاعت ہر ایک پر عائد کی ہے اس لئے نماز کے بعد اسلامی قلمرو کی مسجدوں اور خانقاہوں میں تعلیمی و تربیتی حلقے قائم کئے جاتے‘ ان میں دینی ادبی‘ طبعی علوم پڑھائے جاتے‘ اخلاق و کردار سنوارے جاتے اور مثالی انسان ڈھالے جاتے تھے جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اسلامی تمدن و ثقافت‘ دین‘ دنیا‘ عقیدہ و شریعت سے عبارت ہے اس کی غایت بنی نوع انسان کی ثقافتی و روحانی دنیا کو سدھارنا اور اسے ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنا ہے (۱)۔

یہ الکتاب کی دینی‘ علمی و کتابی تہذیب تھی جس کی وجہ سے صحرائے عرب کے گلہ بانوں اور خانہ بدوشوں نے امامتِ اقوام کا فرض ادا کیا اور دنیا کی متمدن اقوام کو اپنے رنگ میں رنگا‘ ان کے تمدنی مرکزوں میں علم و دانش کے ایسے چراغ روشن کئے جن کی روشنی سے آج یورپ کا ہر گھر روشن ہے۔ اس کتابی تہذیب نے علوم و فنون کا احیاء کیا اور اپنی قلمرو کی رعایا کو کتب اور کتب خانوں کا جویا و پاسبان بنایا۔ ان میں حریت‘ مساوات‘ انصاف‘ احسان‘ درس و تدریس‘ تزکیہ نفس‘ تحقیق و تجربہ کا ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کیا جس نے ان کے ہر زیر نگیں خطہ کو اصلاح و ارشاد‘ علم و عرفان کا سرچشمہ اور خزائنِ کتب کا معدن و مرکز بنا دیا جہاں جا کر انسان اہل و عیال ہی کو نہیں خانہ خدا کو بھی کبھی کبھی بھول جایا کرتا تھا۔ ان علم کے شہروں نے علوم و فنون‘ صنعت و حرفت‘ تہذیب و تمدن اور فکرِ انسانی کی تاریخ میں ایسے نمایاں اور تعمیری کردار ادا کئے ہیں جس کے تذکرے کے بغیر انسانیت کی تاریخ کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ ان کی مہیا کی ہوئی تحقیقات‘ ایجادات و انکشافات نے بنی نوع انسان کی ثقافتی دنیا بدل کے رکھ دی ہے۔

اگر اس دینی، علمی و کتابی تہذیب کا دنیا میں وجود نہ ہوتا تو نہ امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی جیسے مقننِ اعظم پیدا ہوتے، نہ امام بخاری و مسلم جیسے ائمۂ حدیث کا وجود ہوتا، نہ خلیل و سیبویہ کا نام نحو لغت میں یادگار رہتا۔ نہ ادب میں جاحظ و ابو الفرج کا، نہ فلسفہ و طب میں فارابی و ابن سینا و رازی سے کوئی واقف ہوتا۔ نہ کوئی ابن مقلہ، ابن البواب جیسے صاحب طرز خطاط کو جانتا، نہ کوئی بایزید بسطامی و جنید بغدادی اور امام احمد کو یاد کرتا، نہ کوئی متنبی و معریٰ کے گن گاتا، نہ کسی بزار "بزاز" بقال، حداد، خصاف وغیرہ کو فقہ، میں اشعری، ماتریدی اور غزالی و باقلانی کو کلام میں، ابن سعد، ابن ہشام کو سیر و مغازی میں طبری و زمخشری کو تفسیر میں امامت کا فخر حاصل ہوتا، نہ بلاذری، اصطخری و مقدسی کی جغرافیہ نویس کی حیثیت سے شہرت ہوتی، نہ ہارون الرشید کا دربار جمتا، نہ کوئی سیف الدولہ کو پوچھتا، نہ کسی کو محمود غزنوی یاد آتا، نہ بغداد آباد ہوتا نہ بخارا، سمرقند، شیراز و اصفہان اور مصر و قاہرہ لو رشکِ بغداد بننا نصیب ہوتا، نہ بیت الحکمہ، دار العلم، خزانۃ الحکمہ اور دار الترجمہ، جامع ازہر، جامعہ نظامیہ، جامعہ مستنصریہ کی روشنی سے دل و دماغ روشن ہوتا، نہ اسلام کی کتابی تہذیب سے یورپ بیدار ہوتا نہ انسان چاند پر پہنچتا۔

آج کے ترقی یافتہ ممالک کی علمی و ثقافتی ترقی، اسلامی دینی، علمی اور کتابی تہذیب کا فیضان ہے۔ اس کتابی تہذیب نے عہد عباسی میں نشو و نما اور ترقی کی جو منازل طے کی تھیں ان کے ثمرات و نتائج صرف مملکتِ عباسیہ میں محدود و مسدود ہو کر نہیں رہ گئے تھے اس کتابی تہذیب کے خرمن کے خوشہ چیں مشرق و مغرب میں ان کے اثرات و نتائج سے دنیا کو بہرہ مند کرتے رہے عہد عباسی میں مشرق میں یہ عمل کتابی تہذیب کا عمل ہی تھا جس نے جہالت کی تاریکیوں میں خوابیدہ یورپ کو جگایا اس تاریخی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے جو اہم ذریعہ ہیں وہ علمی ذخائر کی تحصیل و ترسیل کے مراکز "کتب خانے" ہیں اور یہ تحقیقی مقالہ کا مرکزِ بحث ہیں۔

اس سے عظیم ترین تہذیبی و ثقافتی حلقوں کی تخلیق ہوئی، علوم و فنون کے تیز رو قافلے آگے بڑھے، بنی نوع انسان کی فکری تگ و تاز ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچی اور نہایت مہذب و پاکیزہ معاشرہ وجود پذیر ہوا تھا۔ یہ دینی علمی اور کتابی تہذیب ایک زندہ اور متحرک قوت تھی وہ جہاں گئی اس نے زندگی کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا جب اس کے لشکر پیش قدمی کرتے تو اس کے علمی و تعلیمی نظریات اور ثقافت و تہذیب کے علمبردار قافلے بھی ہم رکاب ہوتے، جس سرزمین کو وہ فتح کرتے یہ بھی وہیں اپنے جھنڈے گاڑتے تھے اور لوگوں میں روح جہاد اور قوتِ اجتہاد پیدا کر کے قلب و نظر کو بدلتے اور علمی میدانوں میں انہیں سرگرم عمل کرتے تھے۔ اس اعتبار سے اس دور کی تاریخ کی یہ سب سے گرانقدر علمی تحریک تھی جس نے اقوامِ عالم میں علمی بیداری کی نئی روح

پھونکی اور انھیں بنی نوع انسان کے متاعِ گم گشتہ کا گرویدہ و محافظ بنایا علوم کے ترقی پذیر سلسلہ کے احیاء کا جذبہ ان کے قلب و نظر میں اتارا ان میں مدارس اور کتب خانے بنائے پھر ان سرزمینوں سے علمی تحریکیں اٹھیں، علوم و فنون کے سرچشمے پھوٹے اور اسلامی قلمرو کا کم و بیش ہر شہر مرکزِ علم بنا گیا تھا جیسا کہ کتاب "الانساب" سمعانی اور یاقوت کی "معجم البلدان" سے ظاہر ہے۔

اس تحقیقی مقالہ کا موضوع اسلامی کتب خانے ہیں جو پورے عہدِ عباسی پر محیط ہے اس کے حدودِ مملکت بہت وسیع تھے چنانچہ ابن حوقل المتوفی ۳۸۰ھ کا بیان ہے

"ہمارے زمانے میں اسلامی مملکت کا طول فرغانہ کے حدود سے خراسان، جبال، (میڈیا) عراق اور دیارِ عرب سے ہوتا ہوا ساحل یمن تک پہنچتا ہے یہ تقریباً پانچ ماہ کی مسافت ہے اس کا عرض ملک روم (بیزنطینی سلطنت) سے شروع ہو کر شام، عراق، فارس اور کرمان ہوتا ہوا بحیرہ فارس (بحرِ ہند) کے ساحل پر المنصورہ کے علاقے تک چلا جاتا ہے جو تقریباً چار ماہ کی مسافت ہے۔ میں نے اسلامی قلمرو کے طول میں مغرب (شمالی افریقہ) اور اندلس (ہسپانیہ) کو اس لئے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ ایک قبا کی آستین کی طرح ہے"۔

ابنِ حوقل نے چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی کے وسط میں اسلامی قلمرو کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ربعِ مسکون کا زیادہ تر حصہ ان ممالک پر مشتمل تھا جو مسلمان فرمانرواؤں کے زیرِ نگیں تھے اور وہاں اسلامی تہذیب کا بول بالا تھا۔ اگرچہ یہ ممالک سیاسی طور پر متحد نہ تھے لیکن ان کے مابین مذہبی، ثقافتی، اور اخلاقی اقدار کے مشترک بندھن اتنے مضبوط تھے کہ عالمِ اسلام کے باشندے اپنے آپ کو ایک وسیع سلطنت کا شہری سمجھتے تھے جس کا مذہبی مرکز مکہ معظمہ اور ثقافتی و سیاسی اور علمی مرکز بغداد تھا۔

یہ مدینتہ السلام و قبہ اسلام کہلاتا تھا۔ ہر فن کے اربابِ کمال کا مرجع تھا تیسری صدی ہجری میں بغداد متمدن دنیا سے عبارت تھا۔ چنانچہ امام شافعی المتوفیٰ ۲۰۴ھ نے اپنے شاگرد یونس بن عبدالاعلیٰ المتوفی ۲۶۴ھ سے پوچھا بغداد گئے ہو؟ کہا "نہیں" فرمایا "تم نے نہ دنیا دیکھی اور نہ دنیا والوں کو دیکھا"۔

چوتھی صدی ہجری میں اربابِ کمال کی فہم و فراست، علمی بصیرت و آگہی کا امتحان بغداد و نامورانِ بغداد کے متعلق سوالات سے کیا جاتا تھا، چنانچہ ابن العمید المتوفی ۳۶۰ھ/۹۷۰ء نے صاحب ابن عباد المتوفی ۳۸۵ھ کی بغداد سے واپسی پر بغداد کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا "بغداد، بلاد میں ایسا ہے جیسے شاگردوں میں استاد" اس کے بعد ابن العمید نے جاحظ کی تالیفات کے متعلق پوچھا تھا۔

پانچویں صدی میں شیخ زاہد ابو اسحاق ابراہیم فیروز آبادی المتوفی ۴۷۶ھ فرماتے تھے۔ جو صحیح العقل، صحیح المذاق بغداد آگیا وہ یہاں سے مرکر نکلا یا یہاں مرنے کی تمنا دل میں لے گیا۔ مشہور ادیب و فلسفی ابو العلاء معریٰ المتوفی ۴۴۹ھ کہتا تھا بغداد بہت بڑا شہر ہے یہاں تم ہر آن نئے ارباب فضل و کمال کو دیکھو گے جن کو اس سے پہلے دن نہ دیکھا تھا۔

ابنِ حزم نے بغداد کو دنیا کی بستی اور کانِ فضیلت قرار دیا اور یہاں کے باشندوں کے متعلق کہا ہے کہ "یہ علوم میں دقتِ نظر، لطافتِ اخلاق، فطانت و ذکاوت اور فکرِ رسا و ذہنِ رسا میں سب سے طاق ہیں"۔

ائمۂ فن کے مذکورۂ بالا اقوال عراق عرب (جس کا پایہ تخت بغداد تھا) اس کے بارے میں علمی، دینی، تمدنی و ثقافتی ترقی کے شاہد عدل ہیں۔

اس اقلیم کے شہروں میں بصرہ بھی ان تمام فضائل و کمالات کا جامع تھا جن سے بغداد معمور تھا اس لئے اسے قبہ اسلام و چشمِ عراق کہا جاتا تھا۔ خلیل بصری المتوفی ۷۷۹ء/۱۷۰ھ نے عربی زبان کی پہلی لغت کتاب "العین" اور اس کے نامور شاگرد سیبویہ المتوفی ۷۹۶ء/۱۸۰ھ نے سب سے پہلے نحو میں "الکتاب" یہیں مدون کی تھی۔

تصوف و کلام کا بھی یہ مرکز تھا، حسن بصری نے اسی سرزمین میں ان علوم کی آبیاری کی تھی۔

بصرہ میں محدثین، مورخین، عروضی، و ائمہ لغت کی کثرت کے متعلق نضر بن شمیل کی بصرہ سے خراسان کی طرف روانگی کا مشہور واقعہ اس دعوے کی نہایت روشن دلیل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ میں خصوصی و فنی کتب خانوں کی کثرت تھی۔

کوفہ علومِ اسلامی کا صدیوں سے مرکز رہا تھا اسے دار الفضل و الفضلاء، قبۂ اسلام، دار ہجرۃ المسلمین کہا جاتا تھا۔

امام اعظم ابو حنیفہ اس کو معدنِ علم و فقہ کہتے تھے۔ کوفہ و بصرہ نحو و لغت کا گہوارہ تھے۔ چنانچہ لغت و نحو کی کتابوں میں ان دو مقامات کے علاوہ عام طور پر کسی اور جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا، امام اعظم نے فنِ حدیث کی تبویب اور فقہ حنفی کی تدوین کوفہ میں کی تھی۔ قراء سبعہ میں سے تین قاری عاصم المتوفی ۷۴۵ء/۱۲۷ھ، حمزہ المتوفی ۷۷۴ء/۱۵۶ھ اور کسائی المتوفی ۸۰۵ء/۱۸۹ھ کوفی تھے۔ کوفی رسمِ خط یہیں پروان چڑھا تھا۔

محدثین کا بھی یہ مرکز تھا۔ یونس بن بکیر المتوفی ۸۱۵ء/۱۹۹ھ نے کوفہ میں سات سو (۷۰۰) شیوخِ حدیث کو دیکھا تھا جن میں سب سے کمتر اعمش المتوفی ۱۴۸ھ تھے۔

حضرت انس بن سیرین المتوفی ۷۲۹ء/ ۱۱۰ھ کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں آیا تو یہاں چار ہزار (۴۰۰۰) طلبہ حدیث دیکھے ان میں چار سو (۴۰۰) فقیہ ہو چکے تھے۔ شاذ کونی المتوفی ۲۳۴ھ فرماتے تھے میں کوفہ میں بیس (۲۰) سے زیادہ مرتبہ حدیث لکھنے آیا تھا۔

مذکورۂ بالا تاریخی شواہد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوفہ عربی رسم خط‘ قرأت‘ فقہ‘ لغت و نحو اور فضلاء و محدثین کا منبع و مخرج تھا اور دیگر علوم و فنون کے علاوہ یہاں کم از کم سات سو (۷۰۰) ذخائر حدیث اور محدثین کے انفرادی کتب خانوں کا بھی اشارۃً ثبوت ملتا ہے۔

اقلیمِ خراسان‘ بہت مردم خیز خطہ تھا۔ وزیر فقیہ ابو عبید بکری المتوفی ۴۸۷ھ خراسان کے متعلق رقمطراز ہیں!

”خراسان میں اتنے علماء‘ فضلاء‘ محدثین و مرتاض بزرگ ہوئے ہیں کہ اگر تم ہر شہر کے محدثین تلاش کرو تو ان میں آدھے خراسانی ملیں گے‘ حکومت کے بیشتر رجالِ کار خراسانی تھے“۔

یاقوت خراسان کے متعلق لکھتا ہے ”برامکہ‘ قحاطبہ‘ طاہریہ‘ سامانیہ اور علی بن ہشام وغیرہ جن کی نظیر اقوام عالم میں نہیں‘ خراسانی تھے۔

علم کے شہسوار‘ سردار اور نامور اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام بخاری‘ مسلم‘ ابو عیسیٰ ترمذی‘ اسحاق بن راہویہ‘ احمد بن حنبل‘ ابو حامد غزالی‘ امام الحرمین جوینی‘ حاکم نیشاپوری وغیرہ ائمہ حدیث و فقہ جن کی نظیر نہیں۔ اس سرزمین کے رہنے والے تھے۔ فارابی صاحب دیوان الادب‘ الہروی‘ عبدالقادر جرجانی‘ ابوالقاسم زمخشری جیسے ادباء و شعراء جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا خراسان سے تعلق رکھتے تھے اور عبدالرحمٰن بن زید عدوی المتوفی ۱۸۲ھ کا بیان ہے۔

عبادلہ کا جب انتقال ہوا تو تمام شہروں میں فقہ کا مرجع موالی بن گئے تھے۔ چنانچہ مکہ میں عطاء بن ابی رباح‘ یمن میں طاؤس‘ یمامہ میں یحییٰ بن کثیر‘ بصرہ میں حسن بصری‘ کوفہ میں نخعی‘ شام میں مکحول اور خراسان میں عطاء خراسانی‘ صرف مدینہ میں بالاتفاق سعید بن المسیب عرب تھے“۔

علامہ تقی الدین سبکی خراسان کے چار شہر مرو‘ نیشاپور‘ ہرات اور بلخ کے متعلق فرماتے ہیں!

”اگر تم انہیں اسلام کے شہر کہو تو بھی درست ہے۔ اس عہد میں یہیں مختلف علوم و فنون کے دربار جمے تھے‘ بادشاہت‘ وزارت اپنی عظمت کے ساتھ یہیں جلوہ گر رہی تھی۔ یہاں آج (۷۷۰ھ) تک علماء موجود ہیں اور عزو شرف سے ممتاز ہیں ان کی نظیر تمام بلاد میں نہیں ہے۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہیں کہ خراسان عہدِ عباسی میں علم و فن کا مرکز رہا۔ یہاں ہر نوع و صنف کے ذخائر اور کتب خانوں کی بہت کثرت تھی۔ حال میں ایران سے ”کتابخانہ ہائے استان خراسان از آغازِ اسلام تا عصرِ حاضر شامل کتابخانہ ہائے عمومی و خصوصی

آموزشِ شخصی" شائع ہوئی ہے گو وہ زیادہ وقیع نہیں تاہم کتب خانوں کی کثرت کی شاہد اور ہمارے مذکورۂ بالا خیال کی موید ہے۔

ان اقالیم کے بلاد ہی کا نہیں قصبات کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔ مثلاً زوزن جو نیشاپور و ہرات کے مابین ایک قصبہ تھا۔ فضلاء، ادباء اور اہلِ علم کی کثرت کی وجہ سے بصرہ صغریٰ کہا جاتا تھا۔ دیگر اقالیم کے بلاد بھی ایسی ہی شہرت رکھتے تھے چنانچہ فسطاط مصر کو تاج بغداد و فخر اسلام کہا جاتا تھا، اقلیمِ فارس میں غندجان ایک چھوٹا سا شہر ہے، یاقوت نے اس کے متعلق بصراحت لکھا ہے کہ اس بستی سے ادیب اور ہتھیار بند ہی نکلتے ہیں۔

یاقوت کی مذکورۂ بالا تصریح کے پیش نظر یہ کہنا کہ یہاں ادب کے خصوصی ذخائر اور کتب خانے تھے کچھ بے جا نہیں۔

جغرافیہ نویسوں کی ان تصریحات سے کہ فرغانہ میں ہر علم و فن کے علماء اور علوم کی ہر نوع کی کثرت و شہرت رہی ہے اس سے یہ بات بھی اشارۃً معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ہر علم و فن کے کتب خانے تھے، جہاں کہیں انہوں نے تخصیص کی ہے مثلاً ان کا یہ کہنا کہ طبرہ، طبرستان کا بڑا شہر ہے اس کے نواح میں اہلِ علم، اہلِ ادب، اہلِ فقہ کی اتنی کثرت ہے کہ شمار سے باہر ہے، سے یہ بات بھی اشارۃً نکلتی ہے کہ ان اطراف میں ادب و فقہ کے خصوصی اور علم و فن کے عمومی ذخائر و کتب خانوں کی کثرت تھی، یہی حال کم و بیش دوسری اقالیم ماوراء النہر، شام، مصر اور ان کے بلاد و قصبات وغیرہ کا تھا چنانچہ ان بلاد کی تاریخ، ان میں اربابِ فن، اہلِ کمال کی کثرت، علوم و فنون کی گرم بازاری، ذخائرِ کتب، کتب خانوں کے وجود کی واضح دلیل ہے نیز افراد کے نام سے ان معاشرتی توانائیوں کا جو اس وقت سرگرمِ عمل تھیں اظہار مقصود ہے۔

عہدِ عباسی میں اس علمی، دینی اور کتابی تہذیب کی برکت سے اسلامی شہروں کا تمدن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ غیر مسلم فرمانرواؤں کو جراح، ماہرِ تعمیرات، درزی یا ماہر موسیقار کی ضرورت پیش آتی تو قرطبہ سے بلایا جاتا تھا۔

چنانچہ جے، بی، ٹرینڈ (J.B.Trend) لکھتا ہے "دسویں صدی (عیسوی) میں قرطبہ یورپ میں سب سے زیادہ مہذب شہر تھا، دنیا بھر کے لوگ اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے اور اس کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوتے تھے اس میں ستر (۷۰) کتب خانے اور نو سو (۹۰۰) حمام تھے، جب کبھی لیون (Leon) نوار (Navarre) یا بارشلونا (Barulona) کے حکمرانوں کو کسی جراح، کسی ماہر تعمیرات، کسی اعلیٰ درجے کے خیاط یا استادِ موسیقی کی ضرورت پیش آتی تو وہ قرطبہ کی طرف رجوع کرتے تھے" (۲)۔

اس شاندار تمدنی ترقی کے باوجود ان اقالیم کے باشندوں کی زندگی تکلف سے بری، سادہ، مختصر اور شیریں تھی۔ الفرڈ گلوم (Alfred Guillaums) کہتا ہے

"مسلمانوں کو چار صدیوں سے زیادہ مدت تک حیثیتِ مقتدرہ حاصل رہی اور اس دور میں تمام علوم میں مذہبی اور فلسفیانہ تحقیق کی روح جاری و ساری رہی۔ اس زمانے کی تصانیف میں مشرقی ذہن کا مخصوص رنگ و آہنگ اب تک واضح نظر آتا ہے، جب ہر تاجر شاعر اور ہر شاعر تاجر ہوا کرتا تھا۔ سیاحت اور مطالعہ، جنگ و عشق، سب نعمِ الٰہی میں شمار ہوتے تھے زندگی بلاشبہ مختصر تھی لیکن اس کی شیرینی میں کوئی کلام نہ تھا" (۳)۔

سارٹن (G.Sarton) لکھتا ہے "عرب نے دس سال کی قلیل مدت کے اندر ۶۵۰ء میں شام، مصر، ایران کو اپنا زیرِ نگیں کر کے دنیا کی دو نہایت قدیم اور ترقی پذیر تہذیبوں کے مرکز، شام، مصر، ایران کو ایسا حلقہ بگوش اسلام کیا کہ وہ (ابتک) اسلامی علوم و فنون اور ثقافت کے روشن مینار بنے ہوئے ہیں" (۴)۔

یہی عہدِ عباسی کا علمی سرمایہ ان کا مرجع بنا رہا تھا چنانچہ ارنیٹ بارکر (Ernat Barker) لکھتا ہے!

"طلیطلہ کی مسجدی لائبریری جو ہسپانیوں کی فتح کے وقت اس کے قبضے میں آئی، اہل علم کا مرجع بن گئی اور ہسپانیہ میں ارسطو کی تصانیف کے جو ترجمے ہوئے وہ تیرھویں صدی میں علم و فضل کے سرچشمے قرار پائے" (۵)۔ مستشرق موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

"سائنس اور فلسفہ کے دوائر میں جن عربوں نے لاطینی مغرب کو مالا مال کیا وہ مشرق کے عرب نہ تھے بلکہ ہسپانیہ کے عرب تھے البتہ ریاضیات کے متعلق کسی قدر مشرق سے بھی حاصل ہوا" (۶)۔

عہدِ عباسی میں جو تحقیقی کام بغداد سے شروع ہوا اس سے یورپ بھی مستفید ہوا چنانچہ جے، بی ٹرینڈ (J.B.Trend) کہتا ہے۔

"مغرب کو یونانی فکر و تحقیق سے آشنا کرنے کا کام بغداد میں شروع ہوا وہاں سے یہودی اور مسلمان اہلِ قلم نے اس کو مسلمانانِ ہسپانیہ تک پہنچایا اور پھر یہودیوں ہی کی وساطت سے مسیحی یورپ کے جہاں گرد اہل علم اس سے متمتع ہوئے" (۷)۔

ابنِ حوقل اور سارٹن کے مذکورۂ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صرف مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے مراکز نے یورپ کی سرحدوں کا احاطہ کیا ہوا تھا اور اس قربت نے یورپ کو جہالت سے نکالا، اس کی علمی و تحقیقی بیداری میں اہم کردار ادا کیا چنانچہ قرونِ وسطیٰ کے

عبقریوں، جابر بن حیان، الخوارزمی، الرازی، الفارابی، ابن سینا، ابن رشد، الغزالی کی معرکتہ الآراء تصانیف ان کی جامعات میں داخلِ درس رہیں ان کی کتابوں کے تراجم سے ان میں دقتِ نظر پیدا ہوئی۔ عربوں ہی کے تجربات و مشاہدات کو اہل یورپ نے اپنی تحقیقات کی اساس بنایا اور اس پر اپنے افکار کی تعمیر کی۔ گویا مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے کھنڈرات پر یورپ نے اپنی مملکتِ افکار کی تعمیر کی۔ اس تعمیر و تخریب کے عمل نے مسلمانوں کو اپنے ماضی سے کاٹ کے رکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلام کا مسلمان آج اپنی متاعِ علمی کو یورپ ہی کا سرمایہ سمجھتا ہے حالانکہ یورپ کی علمی بیداری اور سائنسی ترقی کی اساس انہی مراکز سے وابستہ ہے انہی تحقیقات و تخلیقات سے اہل یورپ نے فائدہ اٹھایا اور اپنی تعمیرِ نو کی ہے چنانچہ بریفالٹ کہتا ہے!

عربوں نے یورپ میں اپنی تین ایسی ایجادیں رائج کیں جن میں سے ہر ایک نے دنیا میں عجیب انقلاب پیدا کیا، اول ناخداؤں کی قطب نما جس کی برکت سے یورپ دنیا کے کناروں تک پھیل گیا۔ دوم بارود جس نے زرہ بکتر پہننے والے نائٹوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ سوم کاغذ جس سے اشاعت و طباعت کا رستہ صاف ہوا، کاغذ کے رواج نے جو انقلاب پیدا کیا وہ اہمیت میں طباعت کی ترویج سے کم نہ تھا۔

چوتھی چیز جسے بریفالٹ بھول گیا وہ صفر کی ایجاد اور اعشاریاتی نظام Decimal System ہے جس نے ریاضیات کی دنیا میں انقلاب برپا کیا کہ اس سے آج سارا عالم فیض یاب ہے۔ موجودہ ٹیکنالوجی اور سائنس پر یہ عربوں کا وہ احسان ہے جسے علمی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

عہدِ عباسی کے محققین و اربابِ فکر و نظر کا مطمحِ نظر علم کو آسان تر بنانا ان کے موضوعات و انواع میں عقلی ربط و توازن برقرار رکھنا اور اس پایہ کی تحقیقی کتابیں لکھنا تھا جو جامعات میں بخوبی پڑھائی جاسکیں۔ چنانچہ بارن کرادیوس (Baron Chrrade Vauk) کہتا ہے!

"عہدِ عباسی کے ان تمام اہل علم (الخوارزمی، الفرغانی، ابو الوفاء، العتابی، البیرونی، الکندی، فارابی، ابو علی بن سینا، الغزالی، عمر خیام، ابن رشد، حنین، اسحاق بن حنین، قسطا بن لوقا، ثابت بن قرہ) میں بعض خصوصیات یقیناً" مشترک تھیں۔ ان کا مقصد علم کو سادہ و سلیس بنانا تھا وہ ہر علم کے موضوعات کی تقسیم و ترتیب میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کی طبقہ بندی اور ترتیب بالکل منطقی ہوتی تھی اور یہی امر ان کی ترقی کا شاہد ہے۔

ان کا طرزِ تعلیم یونانیوں کی مانند نہ تھا کہ تحصیلِ علوم کو بعض مخصوص اشخاص تک محدود کر دیں۔ بلکہ چاہتے تھے کہ علم سے ذہین طالب علم مستفید ہو سکے، ان کی کتابوں کو پڑھ کر احساس

ہوتا ہے کہ وہ ثانوی مدارس یا یونیورسٹی میں درسی کتابوں کی حیثیت سے بخوبی استعمال ہو سکتی ہیں۔ عرب تاجر تھے' سیاح تھے اور مقنن تھے' ان کا ذہن بالکل مثبت اور ایجابی تھا۔ لہٰذا ان کی سائنس کے مقاصد بھی عملی تھے۔ علم حساب اس لئے تھا کہ تجارت کی ضرورت اور تقسیمِ اراضی میں کام دے سکے" (۸)۔

پھر عرب عملی تھے انہوں نے مثبت و ایجابی کام کئے چنانچہ مستشرق موصوف لکھتے ہیں!

"عرب ہمیشہ عمل کو ترجیح دیتا ہے اور کبھی خیال پرستی کا شکار نہیں ہوتا' عربی زبان خشک بلیغ و مختصر ہے یہ زبان شاعرانہ فصاحت و بلند پروازی کے بجائے دقیق' مثبت علوم کے بیان کے لئے زیادہ موزوں ہے اس کے علاوہ اس میں ایک اور خوبی ہے کہ اس میں علمی اصطلاحات نہایت آسانی سے وضع کی جا سکتی ہیں۔ عرب اہلِ علم اپنی کتاب نثر میں لکھتے تھے' وہ قطعی اور ایجابی علوم میں یونانیوں سے زیادہ علمی تھے" (۹)۔

اس عہد میں مسلمانوں نے اپنی روایات کی حفاظت کی' انہیں ترقی دی اور دوسرے ممالک میں پھیلایا چنانچہ تھامس ارنولڈ (Thomas Arnold) لکھتا ہے!

"جن فنون میں ان (مسلمانوں کی ذہانت) کو جوہر دکھانے کا موقع ملا' ان میں ان کی کامیابی ازمنہ وسطیٰ میں بے نظیر اور عدیم المثال ہے۔ اسلام قدیم صناعی کی بہت سی روایات کا براہ راست وارث تھا اور مغرب ان روایات سے بالکل نا آشنا تھا جس طرح مسلمان اہل علم نے علومِ قدیمہ کا بے اندازہ ذخیرہ آئندہ نسلوں کو بخشا اسی طرح مسلمان صناعوں اور کاریگروں نے فنون کی روایتی ہنرمندی کو جو مشرق میں مروج تھی محفوظ رکھا' ترقی دی اور دوسرے ملکوں میں پھیلایا" (۱۰)۔

انہی مذکورۂ بالا وجوہ سے یورپ ان کی کتابی تہذیب سے متاثر ہوا اور ان کے علوم کا دلدادہ تھا چنانچہ بین کیرادیوکس (Baron Curra Vaux) لکھتا ہے!

"علومِ عربیہ کے ساتھ ہمارے شغف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں (عربوں) نے مغرب پر گہرا اثر ڈالا جس زمانے میں مسیحی مغرب بربریت کے خلاف جنگ و جدال میں مصروف تھا ان دنوں عربوں نے بلند تر علمی زندگی اور سائنسی مطالعہ کی شمع کو روشن رکھا' بلاشبہ ان کی سرگرمیوں نے نویں اور دسویں صدی میں اوجِ کمال حاصل کیا لیکن ان کا سلسلہ پندرہویں صدی تک برابر جاری رہا' بارہویں صدی سے یہ کیفیت تھی کہ مغرب میں ہر وہ شخص جو سائنس کا ذوق اور نوعِ علم کی خواہش رکھتا تھا' مشرق کی طرف یا موروں کے مغرب ہی کی طرف رجوع کرتا تھا یہی وہ زمانہ تھا جب عربوں کی کتابیں اس طرح مغرب میں ترجمہ کی جانے لگیں جس طرح انہوں نے اس سے قبل یونانی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا گویا عربوں نے وہ بندھن تیار کیا اور وہ لڑی مہیا کی جس نے قدماء کی

ثقافت اور زمانۂ حاضر کی تہذیب کو باہم وابستہ کر دیا، جب نشاۃِ ثانیہ کے وقت روحِ انسانی علم کے ذوق و شوق سے معمور ہو گئی اور شرار عبقریت نے اس کو تحریک بخشی تو وہ لوگ فوراً تصنیف و تالیف اور اختراع و ایجاد میں کیوں مصروف ہو گئے؟ اس کے باعث عرب تھے جنہوں نے علم کے مختلف شعبوں کی حفاظت و تکمیل کر دی تھی، تحقیقاتِ علمی کی روح کو زندہ و سرگرم رکھا تھا اور اس کو آئندہ مزید انکشافات کے قابل بنا دیا تھا" (۱۱)۔

اہلِ یورپ نے فلکیات و ریاضیات ہی میں مسلمانوں کی وضع کی ہوئی مصطلحات کو نہیں اپنایا بلکہ ان کی تعلیم میں بھی ان کی مصطلحات کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ راشدل (Rashdall) لکھتا ہے!

"جب شیخ الجامعہ کسی متعلم کو اجازتِ قرأت و تدریس دے دیتا تو وہ فارغ التحصیل مستند عالم سمجھا جاتا تھا اس "اجازہ" میں سماعت و قرأت کی اصطلاحات استعمال کی جاتی تھیں یہی مغربی یونیورسٹیوں میں رائج تھیں۔ ایک پر اسرار اصطلاح (Baceularcus) ہے اگر اس کے عربی ماخذ کا پتہ چلایا جائے تو شاید یہ ہمارے مفید مطلب ہو۔ یونیورسٹی میں "بیچلر" (Bachelor) اس طالب علم کو کہتے تھے جس کو کسی استاد کے مدرسے میں تدریس کی اجازت دی جاتی تھی، اگرچہ مجھے کسی عرب مصنف کی تحریر میں یہ اصطلاح نظر نہیں آئی لیکن ایک اصطلاح ضرور رائج ہے "بحق الروایہ" یعنی (کسی دوسرے کی سند پر تدریس کا حق) یہ لفظ (Bacealaurcate) سے مشابہ ہے اور دونوں میں صوتی ہم آہنگی موجود ہے اگر اس تخمینے اور قیاس کو پایہ ثبوت تک پہنچایا جا سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ "بیچلر" کا ماخذ عربی ہے" (۱۲)۔

یہ اس امر کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے کہ اسلامی علوم سے استفادہ کرنے میں یورپ کو اصطلاحات بھی عربوں سے لینا پڑی تھیں لیکن امتدادِ زمانہ کی وجہ سے اصطلاحات میں بگاڑ پیدا ہوتا گیا اور مسلمانوں کے لئے وہ مصطلحات آج اجنبی ہو کر رہ گئیں جن کی وجہ سے مسلمان یورپ سے آئی ہوئی ہر چیز کو حیرت کی نظر سے دیکھتا ہے حالانکہ یہ اس سرچشمہ سے آتی ہے جس کا وہ خود مالک تھا۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں کی اسی علمی و صنعتی ترقی کی وجہ سے مشہور مستشرق (Sedfillot) خلاصۃ تاریخ العرب میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔

"افکارھم العزیزہ و مخترعاتھم النفیسہ تشھد انھم اساتذہ اھل اروبا فی جمیع الاشیاء" (۱۳)

بلاشبہ عربوں کے غیر معمولی نتائجِ افکار اور ان کی نفیس ایجادات اس امر کی شاہدِ عدل ہیں

کہ وہ تمام چیزوں مین اہل یورپ کے استاد ہیں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں اہل یورپ کا علمی ذخیرہ ہی کچھ نہ تھا ان کے علمی ذخائر کی تعداد سینکڑوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی چنانچہ آدم مز لکھتا ہے!

"اس دور میں یعنی نویں صدی عیسوی میں مغربی (یورپ) کے اندر جرمنی کے ایک شہر کونسٹنز (Konstanz) کی گرجا کی لائبریری میں صرف چھیانویں کتابیں تھیں" (۱۴) بلکہ پندرھویں صدی عیسوی تک یورپ میں کتابوں کے ذخائر کی تعداد زیادہ نہ تھی اور جو تھی اس ذخیرے سے کسی کو کتاب ملتی نہ تھی اگر کسی کو اس ذخیرے سے کتابیں مطلوب ہوتی تھیں تو اسے زرِ ضمانت داخل کرنے کے بعد بھی ہفت خواں طے کرنے پڑتے تھے۔ بریفالٹ لکھتا ہے!

"کتابوں کی انتہائی نایابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ چرمی جھلی بہت کمیاب تھی، ہمیں معلوم ہے کہ قدیم مسودات کے متن بار بار مٹا دیئے جاتے تھے تاکہ اولیائے مسیحی کی عبادتی کتابیں اور روایتیں لکھنے کے لئے کاغذ مہیا کیا جا سکے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج گیارہویں صدی سے زیادہ پرانا کوئی مسودہ مشکل ہی سے دستیاب ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کتابیں بے انتہا مہنگی ہوتی تھیں، وینجو کی ایک کاؤنٹس (نواب بیگم) نے پند و نصائح کی ایک کتاب کے لئے دو سو (۲۰۰) بھیڑیں اور گندم، رائی اور باجرے کے پانچ پانچ پیمانے بطور قیمت ادا کئے یہاں تک کہ لوئی یازدہم کے عہد میں بھی یہ حال تھا کہ جب شہنشاہ نے الرازی کی جتنی تصانیف پیرس یونیورسٹی کے کتب خانے سے عاریتہ" حاصل کیں تو بطور ضمانت نقدی و طلائی مہروں کی خاص تعداد بھی دینی پڑی اور اپنے ساتھ ایک امیر کے دستخط بھی ضمانت نامے پر کرنے پڑے تاکہ کتابوں کی واپسی بالکل متعین ہو جائے" (۱۵)۔

حقائقِ اشیاء سے فراہم کی ہوئی معلومات پر ہر ایک قوم اپنے علمی، معاشرتی، تاریخی اور ثقافتی نظریات کی تعمیر و تشکیل اور اپنا نظامِ فکر و عمل مرتب کرتی ہے۔ اسی تہذیبی و ثقافتی سرمایہ کی جہاں تحصیل و ترسیل کی جاتی ہے۔ وہ اہم اور مرکزی مقام کتب خانہ ہے۔ یہی وہ آئینہ و پیمانہ اور کسوٹی ہے جس سے کسی قوم کی ذہنی ترقی فکری و علمی نشوونما کی تاریخ کو دیکھا، ناپا تولا اور جانچا پرکھا جا سکتا ہے، اس آئینہ میں اگر دیکھا جائے تو اس سنہری دور میں عالم میں اقوامِ عالم کے کتب خانوں میں صرف عباسی دور کے کتب خانے ہی اپنے ذخائر کتب سے علم کی روشنی ہر جگہ پھیلاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے متمدن دنیا مسلمانوں کے ثقافتی رنگ میں رنگتی چلی گئی۔ اس تمدن و ثقافت کی خوشہ چینی میں فخر محسوس کرتی تھی عہدِ عباسی کے تحقیقاتی ثمرات و نتائج ہی یورپ کے مفکروں دانشوروں کے لئے سنگ میل بنے رہے ہیں۔

عباسی خلفاء نے دنیا میں پہلی مرتبہ ذہنی کاوش اور تحقیقاتی سرگرمیوں کو سونے کے بھاؤ خرید کر ملت و مذہب کے اربابِ تحقیق کی ہمت افزائی کی اور انہیں عربی میں منتقل کرا کر حفاظت کی، وقف عام کر کے علمی و تحقیقاتی سرمایہ میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ان کی یہ مساعی جمیلہ عہدِ عباسی میں علمی بقا و ارتقاء کا موثر ذریعہ رہی ہیں۔ اس فیض رسانی کے باوجود اس دور کے کتب خانوں پر معدودے چند مضامین اور ایک آدھ کتاب کے سوا کچھ ہمیں نہیں ملتا۔

عصرِ حاضر کے نامور مورخین کو شکوہ ہے کہ متقدمین نے اس موضوع کو نظر انداز کر دیا اور کتب خانوں کے مختلف پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی۔ ہمارا خیال ہے کہ متقدین نے اس موضوع کے ساتھ پورا انصاف کیا ہے لیکن عصرِ حاضر کے مورخین اس باب میں متقدمین اربابِ سیر کے اشاروں کنایوں کے ادراک سے قاصر رہے ہیں حالانکہ ان اشاروں، کنایوں کے قرائن موجود ہیں جن کا سرسری احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرائنِ حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) ابنِ ابی ذئب (۸۰-۱۵۷ھ / ۷۰۰‘۷۷۵ء) ابن ابی حازم (۱۰۷-۱۸۴ھ / ۷۲۵-۸۰۰ء) اور محمد بن اسحاق (۰۰-۱۵۱ھ / ۰۰-۷۶۸ء) اور امام مالک (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۲-۷۹۵ء) کا ایک دوسرے کی کتابوں پر سیر حاصل بحث اور تنقید کرنا اس امر کا غماز ہے کہ ان کے پاس ذاتی ذخائر موجود تھے۔

(۲) امام اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ / ۷۰۷-۷۷۴ء) کا امام ابو حنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ / ۶۹۹-۷۶۷ء) کی کتاب السیر کی تردید میں کتاب لکھنا ایک عالم کے ذخیرۂ کتب کی دوسرے عالم کے پاس موجودگی کی دلیل ہے کہ ان میں سے ہر ایک ذاتی خانہ رکھتا تھا اور ان کے ذخیروں میں تنوع بھی پایا جاتا تھا۔

(۳) ائمہ فن اور علماء کا ایک دوسرے سے کتابیں عاریتہً لے کر پڑھنا۔

(۴) ائمۂ فن اور اکابر علماء کا اہلِ علم کو دوسرے ائمہ فن کے ذخیرۂ علمی کو پیش نظر رکھنے کی ہدایت و تاکید کرنا۔

(۵) تحصیلِ علم اور حصولِ کتب کے لئے سفر کرنا۔

(۶) ہر طالب علم کا اپنے استاد کی امالی اور اس کے ذخیرہ علم کو قید تحریر میں لا کر اس کی حفاظت و اشاعت کرنا وہ جذبہ تھا جس نے ان میں کتب و ذخیرۂ کتب کی ضرورت و اہمیت کا شعور پیدا کیا تھا۔

(۷) مناولہ، شیخ کا اصل نسخہ نقل کے لئے شاگرد کو عاریتہً دینا، یا مالک بنا دینا، طلبہ کو کتابیں جمع

کرنے‘ ان کی حفاظت و اشاعت کرنے کا پابند و خوگر کرتا تھا۔

(۸) عہدِ عباسی میں اپنے نوشتہ کے علاوہ بیان کرنا بھی عالم کی غلطی سمجھی جاتی تھی اس وجہ سے بھی ذاتی کتب خانوں کو بہت فروغ ہوا تھا۔

دورِ عباسی میں جن ائمہ فقہ و حدیث اور ائمہ لغت کے متعلق اربابِ تذکرہ لکھتے ہیں کہ ان کی ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی وہ بھی ذاتی کتب خانوں سے مستغنی نہ تھے یہ ایسے قرائن اور تاریخی شواہد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سنہری دور میں کم و بیش ہر ایک عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہوتا تھا۔ مورخ واقدی المتوفی (۷۶۸ء/۱۵۱ھ) جس کا کتب خانہ ایک سو بیس (۲۰) بار شتر کتابوں پر مشتمل تھا‘ کا بیان ہے۔

”میرے معاصرین میں کوئی ایسا نہیں جس کی کتابیں اس کے حفظ سے زیادہ ہوں‘ البتہ میرا حفظ میری کتابوں سے زیادہ ہے“ موصوف کے ہزاروں معاصرین کے پاس اتنے بڑے کتب خانہ ہونے کی نہایت قوی شہادت ہے۔

مورخین و تذکرہ نگاروں کو کسی عالم کے حدود استفادہ و افادہ اور حلقہ اثر کو بیان کرنا اور اس کے سرمایہِ علمی اور ذخیرۂ کتب سے اس خطہ کے اہلِ علم کے فائدہ اٹھانے کی صراحت کرنا کتب اور کتب خانوں کے بنانے میں ان کی مساعی جمیلہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۴ھ نے کتاب الانساب میں (۴۵۲۶) نسبتوں کا ذکر کیا ہے صرف ابتدائی (۸۴) نسبتوں میں دو سو (۲۰۰) نامور علماء و اربابِ فن کا ذکر ہے۔ اس طرح یہ تقریباً گیارہ ہزار سے زیادہ کتب خانوں کی موجودگی کی غماز ہے۔ اگر ہر نسبت میں صرف ایک ہی کتب خانہ مانا جائے تو بھی چھٹی صدی ہجری میں اسلامی قلمرو میں کم از کم ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) شاہی‘ عوامی‘ فنی اور ذاتی“ کتب خانوں کی نشاندہی ہو جاتی ہے اس دور میں جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر رہی ہے۔

شاہانِ عباسی کی عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی نے عربوں کی تخلیقات کو قلمبند کرنے میں بہت مدد کی۔ چنانچہ ان میں جب تدوین علوم اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو پورے اسلامی قلمرو میں تیزی سے کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا پھر کتب خانہ مسلمانوں کی تمدنی زندگی کا لازمی جزو بن گیا۔ اس لئے غیر معمولی اور مشہور ترین کتب خانوں کے سوا کسی کتب خانہ کی نشاندہی کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ شاہانِ عباسی میں سے ہر ایک خلیفہ کے پاس ایسا عظیم الشان کتب خانہ رہا جس کا عوام و خواص میں چرچا تھا‘ لیکن تذکرہ نگاروں نے بیت الحکمہ اور خزانہ الحکمہ کے سوا کسی کا ذکر نہیں کیا‘ ان کے کتب خانوں کا عوام و خواص میں چرچا عوام و خواص کے کتب خانوں سے شغف کا بین ثبوت ہے۔

عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو کے بعض شہروں میں ایسے عوامی کتب خانوں کی تعداد جو بیک وقت بلا زرِ ضمانت طلب کئے محققین کو دو سو (۲۰۰) مجلدات گھر پر لیجانے کو دیتے تھے، دس تک پہنچ گئی تھی۔ معاشرہ میں کتب خانوں کا قیام شرف اور مسابقت کا باعث تھا، اس کارِ خیر کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اس دور میں ہر بڑی مسجد اور جامع مسجد میں تعلیم کا انتظام کیا جاتا تھا، تعلیمی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس میں کتب خانہ بھی بنایا جاتا تھا جس سے علمی کتب خانوں کی تعداد اسلامی قلمرو میں بہت بڑھ گئی تھی۔

طلبہ، زمانۂ طالب علمی سے کتابوں کے لکھنے، جمع کرنے اور کتب خانہ بنانے میں لگ جاتے تھے۔ اس دور میں کتابوں سے تطہیرِ قلب و نظر اور تزکیہ ذہن و فکر کے علاوہ آرائشِ مکیں و مکان کا بھی کام لیا جانے لگا تھا اس لئے پڑھے لکھوں کے علاوہ بے پڑھے لکھے بھی اپنے پاس کتب خانہ رکھتے تھے۔ پھر مسلم معاشرہ کی ذہنی سطح اتنی بلند ہو چکی تھی کہ قیادت و سیادت پر اپنا بھرم رکھنے کے لئے ہر متمول کو اپنے گھر میں کتب خانہ رکھنا پڑھتا تھا، باپ کو اپنے بیٹوں کی مادی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ذہنی ترقی اور جلاء کے لئے بھی کتب خانہ بنا کر دینا پڑتا تھا گویا اہل علم اپنے ہی لئے نہیں اپنی اولاد کے لئے بھی کتب خانہ بناتے تھے۔

ذاتی کتب خانوں کو ان کی ہیئت و خدمات نے عوامی کتب خانوں کا ہمسر بنا دیا تھا۔ اس لئے ایسے صاحبِ کتب خانہ کا مقابلہ ثعالبی نے اس طبیب سے کیا ہے جو مریض کو دوا ہی نہیں غذا بھ اپنے پاس سے دیتا ہے۔

عہدِ عباسی میں کتب خانہ رشتہ ازدواج کے انتخاب میں وجہ انتخاب بن گیا تھا۔ اس دو میں عقد نکاح شرعی اور سماجی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ وہ ایک علمی ضرورت بھی بن تھی۔

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی اہمیت و افادیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ علم کے جویا مجبو معذور بھی حکمت کے خزانوں کی تلاش میں سفر کرنے لگے تھے اور کتابوں کی اہمیت و افادیت اہل علم کے دل و دماغ میں ایسی بیٹھ گئی تھی کہ وہ اپنی جان پر بیوی بچوں کی جان پر فقرو فاقہ بردا کرتے لیکن کتابوں کی جدائی کو گوارا نہیں کرتے تھے۔

عہدِ عباسی میں کتابیں زرِ خالص کی حیثیت اختیار کر چکی تھیں اور یہ ایسا بیش قیمت ذخیر جسے گروی رکھا جاتا تھا، چور چراتے اور اوباش لوٹا کرتے تھے۔ کتب خانوں کی نہایت شاندار عمار تعمیر کی جاتی تھی۔ سائنسی تجربات کے لئے رصد گاہ کا سامان بھی کتب خانہ میں رکھا جاتا تھا۔ اہل ع

عسرت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود قابلِ رشک کتب خانہ بناتے تھے۔

عہدِ عباسی میں فکری قوتوں کو پروان چڑھانے اور دماغی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا منبع کیف و سرور اور سیرو تفریح کا مرکز کتب و کتب خانہ بن گئے تھے اور یہ تفریح طبع کا سامان بھی فراہم کرنے لگے تھے۔ عوام و خواص کو معاشرتی توانائیوں میں حصہ لینے کا شوق پیدا کرتے اور انہیں پھلنے پھولنے کا موقعہ بھی فراہم کرتے تھے۔ بادشاہ اور امیر بھی علماء اور ائمہ فن کے کتب خانوں کے حاصل کرنے کے آرزومند و کوشاں رہتے تھے' مگر مشکل ہی سے کامیابی ہوتی تھی۔

کتب خانہ جو اجتماعی و انفرادی ہر حیثیت سے بنی نوع انسان کا ایک نہایت قیمتی تمدنی و ثقافتی ورثہ ہے انسان اس کی حفاظت بنی نوع انسان کا مقدس فریضہ سمجھ کر کرتا ہے۔ اگر کسی عالم کا ذخیرہ حوادث کی نذر ہو جاتا تو اس کی تعزیت کے لئے پورا شہر امنڈ آتا تھا ہر ایک اسے جگ بیتی نہیں آپ بیتی سمجھتا تھا۔

عہدِ عباسی میں عوامی کتب خانوں میں عالم کی متمدن اقوام کا ایسا نادر علمی ذخیرہ جمع کیا گیا تھا کہ شائق علم و کتب اسے دیکھ کر وطن و اہل و عیال ہی کو نہیں حقیقی کعبہ کو بھول کر کتب خانوں کا ہو رہتا تھا۔

کتابوں کی ترقی اور علمی کارناموں کی وجہ سے مشرقی و مغربی قلمرو کے نامور خلفا میں باہمی موازنہ و مقابلہ کیا جاتا تھا اور ایک کو دوسرے کا مثیل و نظیر بتایا جاتا تھا۔ علم و کتاب کی اشاعت' اسلام کی اشاعت سے عبارت سمجھی جاتی تھی اس لئے اصحاب الکتب اور اصحاب الکتائب میں مقابلہ و مسابقت رہتی تھی۔ اولاد کو بازارِ کتب میں جانے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ یہی ترغیب کتب اور کتب خانوں کی نشرو اشاعت اور شہرت کا باعث تھی۔

تاریخوں میں عالم' جاہل' امیر' غریب' بادشاہ' فقیر کے کتب خانہ کے ذخائر کی کیفیت و کمیت کا بیان بھی عوام و خواص میں کتب خانوں کے قیام کا محرک رہا ہے۔ روز افزوں تعلیمی ضروریات کے پیشِ نظر مدارس و جامعات کی اسلامی قلمرو میں کثرت ہوئی تو کتب خانوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ہونا ایک لازمی بات ہو گئی تھی۔

اہلِ علم اپنی تخلیقات کو اس لئے بھی وقف کرتے تھے کہ وہ محفوظ ہو جاتی تھیں اور انہیں ان کے ضائع نہ ہونے اور آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے رہنے کا اطمینان ہو جاتا تھا اس عہد میں مسلمانوں کو کتب اور کتب خانوں سے والہانہ محبت تھی۔ وہ ان کو اسی طرح حرزجان بنائے رکھتے تھے' جس طرح انسان عقیدے کو حرزجان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے اس دور کو کتابی تہذیب کے دور سے یاد کیا جاتا ہے۔ اہلِ علم کو تحقیق' تصحیح و نقل کی سہولت فراہم کرنے کے

لئے بادشاہوں کے خزانۃ الکتب ہی میں نہیں بلکہ عام طور پر امیروں وزیروں کے کتب خانوں میں بھی ایک ایک کتاب کے متعدد نسخے رکھے جاتے تھے۔

کتب خانہ سازی کی اس عالمگیر تحریک نے امیر‘ غریب‘ چھوٹے بڑے‘ عورت مرد ہر ایک کو متاثر کیا اور ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کے پروان چڑھانے میں حصہ لیا یہ تحریک ایشیاء‘ افریقہ اور یورپ تک بار آور ہوئی۔ بادشاہ کے محل سے فقیر کا جھونپڑا تک اس کا مسکن رہا۔

مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے عہدِ عباسی کے کتب خانوں کا ذکر تین وجوہ سے کیا ہے

(۱) کوئی غیر معمولی کتب خانہ ہوا

(۲) کسی خاص واقعہ کے ضمن میں اتفاقا" کتاب میں "کتب خانے کا ذکر آگیا

(۳) کسی عالم‘ امیر‘ وزیر یا بادشاہ کے کتابوں سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے۔ اس کے کتب خانہ کا ذکر کر دیا گیا۔

کتابی تہذیب کے عباسی دور میں کتب خانوں کی شناخت حسبِ ذیل اصول کی روشنی میں کی گئی ہے۔

(۱) تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں کسی ذخیرۂ کتب کے متعلق خزانہ یا اس کے ہم معنی لفظ کا اطلاق۔

(۲) کسی شخصیت کے متعلق کتابوں کے جمع کرنے کی صراحت۔

(۳) کسی کے متعلق علمی ذخیرہ جمع کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کی غرض سے خود کتابیں نقل کرنے یا باجُرت نقل کرانے کا ذکر۔

(۴) کتابوں کا شیفتہ ہونے اور ہمہ وقت مطالعہ میں منہمک رہنے کی طرف اشارہ۔

(۵) مقدارِ کتب کی صراحت۔

(۶) ذخیرۂ کتب کی تعداد کی تصریح۔

(۷) ذخیرۂ کتب کی قیمت کی تصریح۔

(۸) اصلی نسخوں کے ہونے کی صراحت۔

(۹) کسی کا ذخیرۂ کتب میں اضافہ کے لئے کتابیں خریدنا۔

(۱۰) زندگی میں اپنا ذخیرۂ کتب فروخت کرنا۔

(۱۱) کسی خاص خطہ زمین کے اہلِ علم کو کسی نامور عالم کے ذخیرہ سے پہلی مرتبہ روشناس کرانا۔

(۱۲) کسی صاحبِ کتب خانہ یا کثیر التصانیف عالم کی کتابوں کا اس کے پاس محفوظ ہونا۔

(۱۳) وارثوں کے لئے کتابیں چھوڑ جانا۔

(۱۴) کسی کے حق میں اپنے ذخیرۂ کتب کی وصیت کر جانا۔

(۱۵) کسی کا اپنے پاس کاتب و وراق رکھنا یا کسی کا وراق ہونا۔

(۱۶) کسی کا اپنے ذخیرہ علمی سے کتابیں عاریتہً دینا۔

(۱۷) کسی کا اپنے یہاں کسی کو کتابوں کی نقل کی سہولت دینا۔

(۱۸) کسی عالم کا سفر میں کتابیں ساتھ رکھنا۔

(۱۹) کتابتِ علم کے ساتھ کسی کے متعلق کثیرالتصانیف ہونے کی تصریح۔

(۲۰) کسی خانوادۂ علمی میں علم و فضل کا نسلاً بعد نسلِ منتقل ہونا۔

(۲۱) کتابیں وقف کرنا۔

(۲۲) کسی کے متعلق آثارِ حسنہ اچھی یادگاریں چھوڑ جانے کا ذکر۔

(۲۳) کسی شوقین کی کتابوں کا چرایا جانا۔

(۲۴) کسی شائقِ کتب کی کتابوں کا لوٹا جانا۔

(۲۵) کسی عالم کی کتابوں کا جلنا یا جلایا جانا۔

(۲۶) کسی عالم کی کتابوں کو زیر زمین دفن کرنا۔

(۲۷) کسی عالم کی کتابوں کا پانی میں ڈوب جانا یا دریا برد ہونا یا کیا جانا۔

(۲۸) کتابوں کا دھو ڈالنا۔

(۲۹) کتابوں کو محو کرنا۔

(۳۰) کتابوں کو غار میں پھینکنا۔

(۳۱) کتابوں کو پھاڑ کر ہوا میں اڑانا۔

(۳۲) ذخیرۂ کتب میں اضافہ کے لئے بہت بڑی تعداد میں سامانِ کتابت خریدا جانا۔

مورخین نے عہدِ عباسی میں کتابوں کی تعداد بیس ۲۰ لاکھ تک بیان کی ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں عوامی کتب خانوں کا آغاز کم از کم ایک ہزار (۱۰۰۰) اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار (۱۰۰۰۰) مجلدات سے ہوا بعد میں واقف کی حیثیت سے زیادہ اس کے شوق اور مذاق کی نوعیت پر تعدادِ کتب کا مدار رہا۔ شاہی کتب خانوں سے اہلِ علم اور عوامی کتب خانوں کو کتابیں دی جاتی تھیں اس لئے اس میں کتابوں کا ذخیرہ اور ایک ہی کتاب کے متعدد نسخے بڑی تعداد میں رکھے جاتے تھے۔ ذاتی کتب خانوں میں کتابوں کی اوسط مقدار ایک بار شتر بھی کافی سمجھی گئی تھی، ذاتی کتب خانوں کے سلسلہ میں کم سے کم مقدار کتب جس پر خزانہ کا اطلاق کیا گیا ہے وہ قمطر کبیر ہے۔

عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی اہمیت و افادیت کی شناخت کا اصول، استنادی حیثیت کے نسخوں کی اساس پر مبنی تھا یہ حوالہ جاتی کتب ہوتی تھیں اور الاصول کے نام سے پکاری جاتی تھیں، نادر اساسی و بنیادی کتب کے ذخیرہ کو المخطوط المنسوبہ کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا، یہ توضیح بھی محققین اور اہل قلم کو کتب خانہ کی طرف رہنمائی کی غرض سے کی جاتی تھی تاکہ کتب خانوں کی خدمات سے سب ہی بہرہ مند ہوں۔

"ارسالِ رسل" اور "تنزیلِ کتب" نے بنی نوع انسان میں روشن خیالی پیدا کی فلسفہ زندگی کے لئے ہر نوع کے کتابی مواد کو جنم دیا، ادبی سرمایہ کو بڑھایا اس کا ریکارڈ کرنے، رکھنے اور استعمال کرنے کا خوگر بنایا، اس کے نور سے عبادت گاہیں منور ہوئیں، علم کا نشوونما ہوا، تحریکِ احیاءِ علوم کا آغاز ہوا، کتب مقدسہ، صحفِ ابراہیم، تورات، زبور، انجیل اور قرآن کی حیثیت کتب خانہ ساز کتب کی رہی۔ اس لئے تاریخِ کتب خانہ میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے کتب خانوں کی نشاندہی کی جاتی لیکن مورخینِ کتب خانہ نے اس سے ماخوذ ادبیات و فلسفہ زندگی پر مبنی کتب خانوں کا ذکر تو کتابوں میں کیا مگر الہامی کتب سے اعتناء نہیں کیا جو شیوہ تاریخ نگاری کے خلاف ہے۔ ہمیں تعجب و افسوس ہے کہ تاریخِ کتب خانہ میں الہامی کتب کا یہ شاندار باب تاریخ نگاروں کی نظر سے کیوں اوجھل رہا اور کیوں یہ ان کے اعتناء و توجہ کا مستحق نہ ہو سکا حالانکہ اسلام میں کتب خانہ کا نام الہامی کتاب "الکتاب" کی نسبت سے شروع میں "مکتب" اور "مکتبہ رکھا گیا" بعد میں بائبل کی نسبت سے ببلیو تھک (Bibliothaque) مشہور ہوا، انہی وجوہ سے فروغِ کتب و کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا گیا اور ان پر اتاری گئی کتب و صحف کے اثرات کو بیان کیا گیا کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غایت ہی تعلیم کتاب و حکمت، تزکیہ اور ابلاغِ علم و کتاب رہی ہے جس کی وجہ سے بنی نوع انسان میں استعدادِ علمی پیدا ہوئی اور وہ خلافتِ ارضی کے فرائض انجام دینے کا اہل بنا۔ انبیاء کے ارسال اور کتابوں کی تنزیل کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر قائم رہنا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ عہدِ قدیم سے ہر شہر اور بستی میں کتاب اور کتب خانہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔

اس بحث سے تہذیب و تمدن کے تاریخ نگاروں کے اس خیال کی کہ "انسان جاہل پیدا ہوا تھا اور امتدادِ زمانہ کے بعد وہ علم سے آشنا ہوا" تردید ہو جاتی ہے البتہ ان ادوار میں کتابوں کا ہیولیٰ، ہیئت، نوعیت، کمیت و کیفیت تمدن کے تدریجی ارتقاء کے لحاظ سے مختلف رہی کبھی کتاب دیواروں پر لکیروں کی صورت میں، کبھی پتھروں اور کچی پکی اینٹوں کی صورت میں، نمایاں ہوئی کبھی ہڈی، پتے،

کبھی پپائرس کبھی چمڑے اور کبھی کاغذی پیرہن میں نمودار ہوئی' اب پلاسٹک کی صورت میں ظاہر ہونے کے لئے بے چین ہے یہ جہاں کہیں بیٹھ کر فیض بخشیاں کرنے لگی ہیں وہی کتب خانہ کہلایا ہے۔

شرقِ اوسط کی طرف بھیجے گئے انبیاء علیہم السلام کے علم و کتاب اور فروغِ کتاب کی سرگرمیوں کا ذکر قرآن میں اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ خطہ زمین انسانی تمدن و ثقافت کے ارتقاء اور علم و فن کی ترقی کا مرکز رہا ہے اسی سرزمین پر ادیانِ سماوی کا ظہور ہوا یہیں تعمیر افکار کے قدیم ترین ذرائع کا سراغ لگا اور حروفِ ابجدی کی معرفت حاصل ہوئی اور اس خطہ سے یہ علوم جگہ جگہ پہنچے ہیں' کتب و کتب خانہ "بیان" کا مرہونِ منت ہیں' بیانِ اختیاری کے ارتقائی مدارج تین ہیں۔

(۱) اشارہ اس میں صوری ارتقاء' تصویری خط' جدولی خط' آثاری خط' رواں خط اور معنوی ارتقاء میں حقیقی تعبیرات' مجازی تعبیرات داخل ہیں۔

(۲) نطق' میں حروفِ تہجی کی تکمیل اور زبان کی تشکیل۔

(۳) خط' تحریر کے فن کی تشکیل و تکمیل' کی طرف ہزار سال قبل فلاسفہِ اسلام میں جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ اور راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے آیتِ شریفہ علمہ البیان کی تشریح میں اشارہ کیا تھا۔

قرآن مجید بنی نوع انسان کی ہدایات کے لئے اتارا گیا ہے۔ وہ جملہ علوم و فنون اور صنائع کو بھی روشنی مہیا کرتا ہے اس نے قدیم ابتدائی خط' خطِ منحنی کی طرف بھی بایدی سفرہ میں اور لفظ سجل سے جو سنگ و گل کا معرب ہے گِلی کتب خانہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رسالتمآب ﷺ سے قبل ہر رسول کی بعثت ایک مخصوص خطہ اور قوم میں ہوئی تھی اس لئے علوم و کتب کے فروغ کا دائرہ بھی اسی قوم و خطہ تک محدود رہتا تھا۔ اگر عہدِ قدیم کے تمام شہپارے اور تحقیقاتی ذخیرے ہمیں مل جاتے تو اس بے پایاں علوم و کتب کو رکھنے کے لئے ایک ملک درکار ہوتا لیکن نبی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اس قوم کے علوم و معارف پر ایک خاص پڑھے لکھے طبقہ کی اجارہ داری قائم ہو جاتی تھی۔ یہ اپنے آپ کو اور اپنے علوم و فنون کو برتر سمجھ کر اس خطہ میں آباد دوسری اقوام کو نہ وہ علوم سکھاتا اور نہ ان سے کچھ سیکھتا تھا۔ حق کو چھپانا' کتب الٰہی میں لفظی و معنوی تحریف کر کے فروغِ علم کی راہ کھوٹی کرتا رہتا تھا اس لئے بنی نوع انسان کا عظیم ثقافتی ورثہ سینہ کا دفینہ ہو کر رہ جاتا تھا۔

عربوں کی فتوحات کا دائرہ جب وسیع تر ہوا اور اقوامِ عالم فوج در فوج حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگیں تو قرآن کو صحیح پڑھنے پڑھانے کے لئے لفظوں کا نظام رائج کیا گیا اور اس میں مزید

بہولت کی خاطر اعراب (زیر و زبر وغیرہ) کا طریقہ ایجاد کیا گیا تاکہ اس سلسلہ کو استوار بنیادوں پر قائم رکھا جا سکے اس سے متنِ کتاب کی صحت کا نظام عمل میں آیا جسے امت نے قرآن و سنت ہی میں محدود نہیں رکھا بلکہ اس کا دائرہ اس سے پیدا شدہ علوم تک وسیع کیا اس کی وجہ سے تحریف لفظ و تصحیف کے راستوں کو مسدود کرنے کا علمی دنیا میں نیا طریقہ ایجاد ہوا جس سے دوسرے علوم کی کتابوں کے لئے بھی تصحیف سے تحفظ حاصل کرنے کا راستہ نکل آیا کتابوں میں صحت کا التزام و اہتمام کیا جانے لگا اور مسلم معاشرے کا یہ اصول ایک مسلمہ حقیقت بن گیا کہ جو کتاب صحت سے خالی ہو وہ کتاب کہلانے کی مستحق نہیں۔ صحتِ کتاب کے متعلق یہ بنیادی تصور اس الکتاب کے مذکورہَ بالا اہتمام سے منصئہِ شہود پر جلوہ فگن ہوا۔

الکتاب کے معانی کی صحت اور آیاتِ قرآنی سے استنباط احکام کی وجہ سے اوقاف کے نظام کی بنیاد پڑی، سنتِ رسول کو بھی اسلام میں قرآن کی طرح ماخذ شریعت ہونے کی حیثیت حاصل ہے اس لئے محدثین نے اس بنیادی طریقہ کو اساس بنا کر اس میں تنوع پیدا کیا تاکہ حدیث کی کتابوں کو استفادہ کا درجہ حاصل رہے اور کتاب کی استنادی حیثیت کسی طرح مجروح نہ ہو سکے، قرآن و سنت کے طفیل اس کا دائرہ وسیع ہو کر اسلامی دور کے تمام علوم و فنون کو محیط ہو گیا۔

"سندِ قرأت" اور "اجازتِ روایت" سے کتاب کی توسیع و اشاعت اور اس کی استنادی حیثیت کو علمی دنیا میں پہلی مرتبہ استقلال و صحت کی ضمانت ملی اور اس طرح کتابوں کی روز افزوں اشاعت سے کتابی دنیا میں انقلاب رونما ہوا۔

الکتاب کی قرأت و کتابت نے عربوں کی یاد رکھنے اور نہ لکھنے کی عادت و ذہنیت کو بدل کے رکھ دیا۔ انہیں پڑھنے لکھنے کا ایسا خوگر والہ و شیدا بنایا کہ ان کا کوئی سینہ اور کوئی گھر الکتاب سے خالی نہیں رہا۔

عہدِ رسالت میں سنت رسول ﷺ کی تدوین سے عربوں کے کتابی ذخیرے اور انفرادی کتب خانوں کے ترقی پذیر نظام کے سلسلہ کا آغاز ہوا جس کی شہادت ہمیں خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے ذخیرہ سے ملتی ہے (۱۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کے ذاتی کتب خانے اس سلسلہ کی نمایاں کڑی ہیں۔ جس کا ذکر ہم نے "عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء" میں تفصیل سے کیا ہے (۱۷)۔

قرنِ اول کے بعد جب روایت بالمعنی کی جانے لگی تو احادیث کے ذخیرہ میں غیر معمولی اضافہ ہوا، سنت کے ذخیرے میں بہت زیادہ توسیع ہوئی اور انفرادی ذخائر کی تعداد عہدِ صحابہ میں بہت بڑھ گئی علمی ورثہ اور کتب خانہ سے محبت و شغف اس حد تک پہنچ گیا کہ اس کی بربادی و تباہی گھربار اور

اہل و عیال کی تباہی سے زیادہ شاق گزرنے لگی تھی (۱۸)۔

دورِ اموی میں ابن ابی لیلیٰ انصاری المتوفی ۸۲ھ اور عبد الحکم جمحی کی مساعی سے عوامی کتب خانوں کی تشکیل عمل میں آئی۔ اسی دور میں کتابوں سے مانوس کرنے اور شرحِ خواندگی میں اضافہ کرنے کی خاطر کتابوں کے ساتھ کتب خانہ میں تفریحِ طبع کا سامان بھی رکھا جانے لگا تھا۔

حضرت معاویہ ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سرکاری کتب خانہ کی اساس رکھی، پھر شاہانِ اموی کے شاہی کتب خانے پروان چڑھتے رہے۔ حضرت معاویہ ؓ کے پوتے خالد بن یزید نے تخت و تاج سے دستبردار ہو کر کتب خانہ قائم کیا اس میں سائنسی کتب کا عربی میں ترجمہ کرا کر ذخیرہ فراہم کیا اور معمل، تجربہ گاہ بھی بنائی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں جب حکومت کی زیرِ سرپرستی کتابی صورت میں تدوینِ سنت کے احکام جاری کئے تو ائمہ فن زہری اور مکحول وغیرہ نے نہایت محنت سے یہ مہم سر کر کے کتب خانہ شاہی میں علمی سرمایہ محفوظ کرایا اور حکومت کی زیرِ نگرانی کتب خانوں میں سینٹرا لائزیشن (Centralization) ایک مرکز کے تحت کتابوں کی تحصیل و ترسیل (dissemination and Retieval) کا عمل شروع کیا (۱۹)۔ دورِ اموی میں شاہی کتب خانوں کا ذخیرہ اتنی وسعت اختیار کر گیا تھا کہ اسے خچروں پر منتقل کیا جاتا تھا (۲۰)۔

قرآن و سنت کی وجہ سے مسلمانوں میں جتنے بھی علوم و فنون پروان چڑھے اور جس قسم کا بھی ادب پھیلا خواہ کسی زبان میں بھی ہو اس ادب میں اسلامی تہذیب کار فرما رہی ہے چنانچہ ہر کتاب کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے کیا گیا اور کتاب کا آغاز حمد و نعت سے ہوا۔

عہدِ عباسی میں جو ادب پروان چڑھا بقول سید عبد اللہ اس کی نمایاں خصوصیات دو ہیں۔ اول ...... سجع اور قافیہ کا ذوق اور کتابت کا شوق۔ دوم، رمزیت اور ایمائیت، دونوں صفات جن میں سے ایک کا تعلق صوت سے ہے اور دوسری کا تعلق طرز ادا سے، مسلمانوں کے تمام ادبوں میں موجود ہے ان میں سجع اور قافیہ کا وسیع ذوق خود قرآن مجید کے زیر اثر تھا (۲۱)۔

قرآن و سنت نے مسلمانوں میں علم کی جستجو اور ادراکِ حقائق کا جو ذوق پیدا کیا تھا۔ اس نے انہیں نظری سے زیادہ عملی بنایا تھا، یہی وجہ ہے کہ مجرد بحث و نظر عربوں کے مذاق کی چیز نہیں تھی وہ تجربہ و مشاہدہ پر زور دیتے تھے۔ اس لئے عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے ایسی ایجادات (قطب نما، بارود، کاغذ اور اعشاریہ نظام) کیں جن سے علمی و تجرباتی دنیا میں انقلاب آگیا۔ یہی ایجادات و تحقیقات بعد میں یورپ کی ترقی کی بنیاد بنیں۔

مسلم معاشرہ میں کتب خانوں کے قیام کے فکری، مذہبی، اخلاقی، سماجی اور ثقافتی مثبت و منفی

عوامل و محرکات میں علم کو عبادت و فضیلت کا درجہ دینا علم کو میراث انبیاء قرار دینا، گھر میں کتاب رکھنا، نبی کو مہمان رکھنا، علم کو امانت اور اس کی پاسداری و ادائیگی کو ایک مقدس فریضہ سمجھنا، فروغِ علم و کتاب کو علم کی اولین برکات میں شمار کرنا، ابلاغ علم کو بہت ہی بڑے اجر کا کام سمجھنا، کتابوں کی حفاظت کرنا انہیں ضائع نہ کرنا، فراوانی علم کی طلب کا جذبہ، دائمی اجر و ثواب کی خاطر صدقہ جاریہ کے طور پر کتب و کتب خانوں کا قیام و اہتمام، وصیت، عاریت، ہبہ، ہدیہ، جودو سخا، ایثار، احسان، تعاون نیز دوسروں کی مدد کر کے مثالی انسان بننا، انفاق اور کتابوں پر خرچ کرنا سماج سے علمی افلاس کا خاتمہ کرنا، علم و کتاب میں بخل و اکتناز کہ دوسروں کو ذخیرہِ علمی کی ہوا نہ لگنے دینا اور کتمانِ علم سے باز رکھنا، کتب خانے کی عزت و شہرت کا، ذہنی جلا کا، سجاوٹ و زینت کا، تعلیمی و تحقیقی ضروریات کی تکمیل کا باعث ہونا، اس کا زر خالص کی حیثیت اختیار کر جانا، رشتہِ ازدواج میں وجہِ انتخاب بننا، فکری قوتوں کو پروان چڑھانے اور دماغی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا منبع، کیف و سرور اور سیرو تفریح کا مرکز قرار پانا، اسلامی سماج میں قیادت و سیادت کے بھرم کا موجب ہونا، کتب خانے کے قیام کو ایسا طبیب سمجھا جانا جو مریض کو دوا کے ساتھ غذا بھی دیتا ہے نیز کتب خانوں کے قیام کا مشرق و مغرب کی علمی دنیا میں موازنہ اور فخر کا موجب ہونا اسلام میں قیام کتب خانہ کے ایسے عوامل ہیں جن کا اس سے پہلے ہمیں کسی اور معاشرہ میں سراغ نہیں ملتا۔ یہ عوامل و محرکات نہایت سادہ متنوع و جامع، قید زبان و مکان سے بالاتر اور دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ مگر تاریخ کتب خانہ میں ان عمومی و خصوصی عوامل کی نہ کہیں نشاندہی کی ایسی کوشش کی گئی ہے اور نہ ان سے استنباط کر کے وہ اجزاء پیش کئے گئے جو جذبہ انسانی کو ابھارنے میں معاون ہوتے ہیں پہلی مرتبہ اس تحقیقی مقالہ میں ان کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ”ارسال“ اور ”تنزیلِ کتب“ کا ترقی پذیر سلسلہ بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح اور اس کی روحانی و ثقافتی ترقی کے لئے قائم کیا تھا لیکن اہلِ کتاب صحیح معنی میں نہ ان کتب و صحف کی حفاظت کر سکے جو انہیں دی گئی تھیں اور نہ کتابی مذہب پر مبنی ثقافتی ورثہ ہی کو محفوظ رکھ سکے، جب نبی امی فداہ ابی وامی کی بعثت ہوئی اور غارِ حراء سے ”اقرا“ کے نور نے دنیا کو علم کی روشنی سے روشن کیا تو سرزمینِ عرب میں از سرِ نو علمی دور کا آغاز ہوا پھر رفتہ رفتہ یہ ظلمت کدہ بقعہ نور بن گیا۔

رسالتمآب ﷺ نے الکتاب کا پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض کر کے اس حقیقت کو واضح کیا کہ ”الکتاب“ ہی بنی نوع انسان کی روحانی اور مادی زندگی کا دستور العمل ہے پھر سنتِ رسول ﷺ کو بھی شریعت کا دوسرا ماخذ ہونے کی حیثیت حاصل ہوئی اس لئے

"کتاب اللہ" اور "سنت رسول اللہ" کی (۱) کتابت (۲) قرأت (۳) حفاظت (۴) اشاعت' کو امتِ مسلمہ نے نہایت اہم فریضہ سمجھا۔ چنانچہ عقائد کی تشریح اور نظام فرائض کی بجا آوری کے لئے عہدِ عباسی میں مجتہدین فن نے نقلی (شرعی) علوم اور ان کے معاون علوم کی تدوین و ترتیب کی۔ ان نقلی علوم کو مسلم مَعاشرے میں عظیم الشان اہمیت حاصل ہوئی مفکر ابن خلدون نے اس بناء پر علوم کو دو شعبوں "علومِ نقلیہ" اور "علومِ طبعیہ" میں تقسیم کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ علوم و فنون کی تدوین و ترتیب اس "الکتاب" کی مرہون منت ہے۔

رسالتمآب ﷺ نے الکتاب کو صحابہؓ کے صفحاتِ قلب ہی پر نقش نہیں کرایا بلکہ متداول پائیدار اجزاء پر لکھوا کر اس کی ظاہری حفاظت کا سامان بھی کیا پھر خلیفہ راشد حضرت ابو بکرؓ نے عہدِ صدیقی میں اسے قرطاس پر نقل کرا کر کتابی صورت میں حفاظت کی راہ امت کو دکھائی' عہدِ عثمانی میں حضرت عثمانؓ نے اس سرٹیفائیڈ (Certified) نسخہ کی مزید کاپیاں تیار کرا کے اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں کی مرکزی مساجد میں بھیجیں۔ ان مصاحف سے استفادہ و نقل کے لئے ان مرکزی مساجد میں نامور قراء کو بھیج کر عوامی کتب خانوں کی بنیاد ڈالی۔

قرآن کی کتابت کے لئے اس دور میں جو خاص رسم الخط رائج ہوا وہ "جزم" کے نام سے موسوم ہوا' پھر الکتاب کی کتابت سے اسلام میں فنِ خوشنویسی کی ابتداء ہوئی قواعد کتابت و خوشنویسی کی تدوین و تربیت عمل میں آئی اور خط و خطاطی نے فروغ پایا۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مسلمانوں میں "الکتاب" کی وجہ سے عربی رسم الخط کے ترقی پذیر سلسلہ کا آغاز ہوا اور قرآن مجید کو حفاظت کی خاطر "بین الدفتین" رکھا گیا جس سے اسلام میں تجلید کی ابتداء ہوئی' نیز طلا کاری و گل کاری اور آرائش و زیبائش کتاب کے وسیع نظام کی تشکیل ہوئی۔

اسلامی نظامِ تعلیم کا یہ اثر تھا کہ عہدِ اموی میں تعلیم اور علم و کتاب سے کوئی گھر خالی نہ رہا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اصطلاحی مدارس کا رواج نہیں ہوا پھر بھی اسلامی قلمرو میں شہر اور بستی میں ضرورت کے مطابق تعلیم کا سلسلہ بحسن و خوبی جاری تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں روشن دماغ اربابِ کمال ماہرینِ فن کی جماعت تیار ہو کر نکلتی اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح پوری کرتی رہی تھی جیسا کہ طبقات' انساب و بلاد کی تصانیف کتب سے عیاں ہے۔

عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو میں مساجد کی تعلیمی حیثیت مدارس سے مختلف رہی۔ مسجد میں علوم کی تدریس پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ تدریسی منصب میں قابلیت کے علاوہ حسب و نسب کی کبھی رعایت نہیں کی گئی اس لئے ہر فن کا ادبِ عالیہ مساجد میں پھلا پھولا اور تعلیمی معیار بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں

مدارس و جامعات کا سلسلہ شروع ہوا ان میں تعلیم اختصاصی نوعیت کی رہی بعض مدارس قرآن کی، بعض حدیث کی، بعض فقہ کی تعلیم کے ساتھ مخصوص رہے اس سے مخصوص علوم کی ترویج ہوئی اور خاص خاص نوع کا ادب کتابی صورت میں پھیلا۔

عہدِ عباسی میں بیت الحکمہ کے قیام سے اجنبی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ بعض حلقہ درس میں استاد عربی و فارسی دونوں زبانوں میں پڑھاتا تھا۔ ایک ایک جامع میں پچاس پچاس اربابِ کمال کے حلقہ درس جدا جدا قائم تھے اور ایک استاد ایک جامع میں مختلف اوقات میں مختلف موضوعات پڑھاتا تھا، اساتذہ کی ہردلعزیزی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ان کا ورود کسی مرکزی شہر میں ہوتا تو طبل بجا کر ان کا استقبال کیا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں تعلیمی حلقوں کی وسعت و عظمت و اہمیت کا اندازہ، اربابِ کمال کو، املا کرانے والے کے الفاظ کو نقل کرنے والوں، نگرانوں، دروازے پر کھڑی ہوئی سواریوں سے کیا جاتا تھا یا جن کے ہاتھوں میں دواتیں ہوتی تھیں ان کو یا، جو لوگ امتیازی لباس زیب تن کر کے آتے یا حلقہ درس میں شریک ہوتے ان سب کو شمار کر کے کیا جاتا تھا۔

طریقہ تعلیم، روایت و درایت، سماع و املاء، قرأت و عرض نے کتابوں کو بہت پھیلایا اور ان کتب خانوں کے ذخائر میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

عہدِ عباسی ۷۵۰-۱۲۵۸ھ / ۱۳۲-۶۵۶ھ) جس میں (۳۷) خلیفہ گزرے ہیں ان کی حکومت بحرِ اوقیانوس سے وادی سندھ تک کم و بیش پانچ ہزار (۵۰۰۰) میل کے طویل و عریض رقبہ پر محیط تھی۔ انہوں نے ۲۴ برس حکومت کی، یہ طویل زمانہ چار ادوار پر منقسم ہے، جس میں پہلا دور (۱۳۲-۲۳۲ھ / ۷۵۰-۸۴۷ء) معاشی خوشحالی، علمی و ادبی ثروت، تمدنی و ثقافتی ترقی کا دور ہے۔ جس کے تحقیقی و تخلیقی کارناموں کو آئندہ نسلوں کے لئے اساسی ماخذ کی حیثیت اور اس دور کی تصانیف کو ادبِ عالیہ کا مقام حاصل ہے۔

ان کے پورے دور میں اسلامی قلمرو میں عربی کو سرکاری اور علمی زبان کی حیثیت حاصل رہی اور کم و بیش بڑے چھوٹے شہر و قصبہ میں تعلیم کے لئے مدرسے، مطالعہ کے لئے کتب خانے، بعض مرکزی شہروں میں مشاہدات کے لئے رصد گاہیں اور علاج و تجربات کے لئے شفاخانے قائم کئے گئے تھے صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ حاصل تھا۔ چنانچہ اسلامی قلمرو کے شہروں کی شہرت و عظمت اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ فلاں فلاں بادشاہ کے دار الخلافہ تھے بلکہ ان کی عظمت و شہرت کی بنیاد ہی یہ تھی کہ ان شہروں میں علم و فن پروان چڑھتا رہا تھا، ان میں اہلِ علم کی علمی ضروریات کی تکمیل کے لئے بڑے بڑے کتب خانے قائم تھے اور وہ کتابی تہذیب کا گہوارہ تھے۔

شاہانِ عباسی نے اقوام عالم کے برباد شدہ تمدنی و ثقافتی ورثہ کے حصول، پاسبانی اور فیض رسانی کے لئے بیت الحکمہ قائم کیا اور غیر زبانوں کی تعلیم و ترویج کے لئے علیحدہ مدرسہ کھولا، اقوامِ عالم کے علوم و فنون کی تحصیل، پاسبانی و قدردانی کا دائرہ کار اسلامی علوم کے علاوہ علوم اوائل تک پھیلایا اور یہ ذوقِ کتب خانہ سازی ان میں نسلاً بعد نسل قائم رہا، مشرقی و مغربی قلمرو میں اس روش پر سب کا عمل رہا۔

عہدِ عباسی میں وزیر و عامل بھی تحقیق علم کی خاطر علم و فن کے قدردان تھے وہ بادشاہوں کی روش پر چلتے، کتب خانہ سازی میں ان کی ریس کرتے، کتابوں کے بہتر سے بہتر اور متعدد نسخے اپنے کتب خانوں میں رکھتے، اہلِ علم کی سرپرستی کرتے، کتابیں لکھواتے، مصنفین کو ان کے نام کتابیں معنون کرنے پر انعام دیتے، وراق کتب خانوں میں ان کے لئے کتابیں نقل کرتے اور ترجمہ نگار فنی کتابوں کا ترجمہ کر کے ان کے ذخائر علم میں اضافہ کرتے تھے، اہلِ علم کی مجالس سے لطف اندوز ہوتے اور عام لوگوں کی طرح کتب خانے خریدنے جاتے تھے۔ علم و کتب کی نشر و اشاعت اور کتب خانوں کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے کتب خانوں میں خازن و عملہ رکھتے کتابوں کا کیٹلاگ بنواتے اپنے نامور اہلِ علم سے کتابوں کی تصحیح کراتے۔ بعض وزیر عوامی کتب خانے قائم کرتے، مدرسے اور کتب خانے بنواتے، اس طرح دیگر حکام بھی صاحبِ سیف و قلم اور صاحب کتب خانہ بنتے رہتے تھے۔

عہدِ عباسی میں قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، قضاۃ، متکلمین، صوفیہ، ائمہ نحو و لغت، ادباء، شعراء، واعظ، مورخین، ماہرین انساب، اطباء، اتالیق، وراق و خوشنویس، خازن، فنکار، تاجر و دولتمند سب ہی ذاتی کتب خانہ رکھتے۔ علوم کی نشر و اشاعت تصنیف و تالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے چنانچہ ان میں سے بعض رات میں کھڑے ہو کر کتابیں لکھتے، سفر میں کتابوں کا پشتارہ اپنے ساتھ رکھتے تھے گویا حضری کتب خانے کے علاوہ سفری یا گشتی کتب خانہ ان کے ساتھ رہتا، ذخیرۂ کتب میں اضافہ کی خاطر سفر و حضر میں کتابیں خریدتے تھے۔ ان کے ذخیروں کی ندرت و کثرت اور استفادہ کی نوعیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ذخائر کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں مرتب ہوتا تھا۔ مفسرین کا کتب خانہ کم از کم پندرہ (۱۵) علوم کا جامع ہوتا تھا۔ کسی محدث کو صحتِ کتب کے بغیر چارہ نہ تھا۔ کتابوں کو جمع کرنا ان کی حفاظت و اشاعت کرنا بھی ان کے فرائض میں سے تھا۔ اس لئے محدثین میں سے کم و بیش ہر ایک کے پاس ذاتی کتب خانہ رہتا تھا اور محدثین کے کتب خانوں کی کثرت کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔ ائمہ مجتہدین کی اس ہدایت نے کہ ہمارے قول پر فتویٰ دینا اس کو روا ہے جسے ہمارے قول کی اساس کا علم ہو، فقہاء کو ائمہ فقہ کا خصوصی ذخیرہ رکھنا لازمی کر دیا تھا۔

متکلمین کا ذخیرۂ کتب علوم کلام کے علاوہ ان کے اساتذہ کی گوناگوں تصنیف کا بھی جامع ہوتا تھا اور ان میں یہ بات مشہور تھی کہ جس نے تخلیقی قوتوں کو کام میں لاکر کوئی تحریر نہیں چھوڑی اس نے اسلام کی چاشنی کا مزہ چکھا ہی نہیں۔ اس سے علوم و فنون میں بہت زیادہ وسعت اور تصنیفی ذخائر میں اضافہ ہوا تھا۔ عہدِ عباسی میں صوفیہ کتابیں ہی نہیں پڑھتے تھے۔ کتابوں کا ذخیرہ رکھتے اور کتب خانہ بھی بناتے تھے، بعض صوفیہ کتابوں کے ایسے دلدادہ تھے کہ اپنے ساتھ وراقوں کی جماعت لے کر نکلتے، مقابلہ کی اجرت پچاس (۵۰) دینار تک ادا کرتے اور کتب خانے میں ہمیشہ باوضو داخل ہوتے تھے۔

بعض نحویوں کا ذخیرۂ کتب اتنا وسیع تھا کہ اس کی ترتیب و سہولت کی خاطر انہیں نوٹیشن (علامت) ایجاد کرنا پڑی تھی، کتابیں خراب ہو جاتی تھیں، تو انہیں مسالا لگا کر درست کرتے اور ذخائر کو احتیاط سے رکھتے تھے۔

بعض ائمہ لغت کی تالیفات کا ذخیرہ بیس ہزار (۲۰۰۰۰) درہم سے کم نہیں ہوتا تھا، ادیبوں اور دانشوروں نے لسانی اور ادبی علوم کی ترتیب و تدوین کی اور اتنا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ اس سے ان کا گھر بھر گیا تھا۔

مورخین کا ذخیرۂ علوم تاریخ، خطوط و جغرافیہ پر ہی مبنی نہیں ہوتا تھا بلکہ دیگر اسلامی علوم کا بھی جامع ہوتا تھا، بعض مورخین نے اتنا اہم ذخیرہ جمع کیا تھا کہ ان کے یہاں شائقینِ کتب کا رات میں بھی کثیر تعداد میں قیام رہتا تھا۔ اس غرض سے انہوں نے پچاس پچاس لحاف بنا کر رکھے ہوئے تھے۔ مسلم فلاسفہ کے کتب خانوں میں فلسفہ و اخلاق کے علاوہ لسانیات، ادبِ عالیہ، اسلامی علوم اور علومِ اوائل، طب، ریاضی، ہندسہ، نجوم، ہیئت و موسیقی کے جامع ہوتے تھے بلکہ بعض کتب خانوں میں یونانی و سریانی زبانوں کی کتابوں کا بھی قابلِ رشک ذخیرہ محفوظ ہوتا تھا۔ بعض مہندسوں کے کتب خانوں کی دور دور تک دھوم تھی۔ چنانچہ جب حملہ ہوتا اوباش مشہور کتب خانوں کو لوٹ لیتے تھے، بنو شاکر فنی کتابوں کے ترجموں پر لاکھوں دینار سالانہ خرچ کرتے تھے، اطباء کے کتب خانے بیس بیس ہزار مجلدات پر مشتمل ہوتے تھے۔

تاجر عہدِ عباسی میں نہ صرف تجارت میں مصروف رہتے بلکہ وہ پڑھنے لکھنے کے لئے بھی وقت نکالتے اور اپنے علم و آگاہی میں اضافہ کی خاطر کتب خانے بناتے تھے، یہ تاجر اپنے ذخیرۂ کتب کو منجمد نہیں رکھتے تھے۔ وہ اگر سیر و سیاحت کے لئے نکلتے تو کتب خانہ بھی جو کئی بار شتر کتابوں پر مشتمل ہوتا تھا، ساتھ لے کر نکلتے تھے۔ یہ عہدِ عباسی میں تاجروں کے کتب و کتب خانوں سے شغف و شیفتگی کی نہایت بین دلیل ہے۔

دورِ اموی میں مکہ میں عبدالحکم جمحی کی کوشش سے عوامی کتب خانہ کا آغاز ہوا تھا۔ عہدِ عباسی میں تیسری صدی ہجری میں مساجد سے علیحدہ بھی عوامی کتب خانوں کی داغ بیل پڑ گئی تھی اور ان میں کتابوں سے فائدہ اٹھانے والوں کو ورق (کتاب) اور ورق (نقد رقم) دینے کا نیا طریقہ رواج پا گیا تھا۔ موجودہ دور میں پبلک لائبریری کا صحیح مفہوم ٹیکس سپورٹیڈ اور ریٹ سپورٹیڈ میں نکلتا ہے۔ لیکن عہدِ عباسی میں سرکاری یا فرد واحد یا چند افراد کسی مخصوص طبقہ یا عام اہلِ علم یا عوام کے استعمال کے لئے کتب خانے وقف کرتے تھے وہ عوامی کتب خانے کہلاتے تھے۔ ان کتب خانوں کے دروازے بلامعاوضہ بلاامتیازِ مذہب و مسلک اور قوم و فرقہ، مقامی و بیرونی ممالک کے عوام و خواص پر کھلے ہوتے تھے۔ اس حیثیت سے عہدِ عباسی کے عوامی کتب خانے موجودہ دور کے ترقی یافتہ عوامی کتب خانوں سے زیادہ وسیع، زیادہ متنوع، زیادہ سودمند اور زیادہ سہولت بخش ہوتے تھے۔

عہدِ عباسی میں وقفِ کتب خانہ کے محرکات بہت متنوع ہیں۔ چنانچہ

(۱) کتب خانہ کے قیام کا شوق
(۲) ذخائرِ کتب میں غیر معمولی اضافہ
(۳) جمعِ کتب کے بعد وسائل کی کمی
(۴) ضیاع کا خطرہ
(۵) نگہداشت میں کوتاہی
(۶) ذخائرِ کتب سے خود استفادہ کرنے سے قاصر ہونا
(۷) اہلِ علم اور محققین کی کتابی ضروریات کی تکمیل کا شوق
(۸) شہرت و ناموری
(۹) ان مقاصد کا پورا ہونا یا نہ ہونا جن کے تحت ذخیرۂ کتب مہیا کیا گیا تھا۔
(۱۰) معاشی نقطۂ نظر سے افادیت، مناسبت اور مصلحت کے پیش نظر کتب خانہ وقف کرنا،

مذکورۂ بالا وجوہ سے وقف کے کتب خانوں کا سلسلہ بڑھتا ہی رہا تھا، وقف کی امتیازی شان برقرار رکھنے کے لئے کبھی واقف کتابوں پر اپنے دستخط ثبت کرتا کبھی منتظم کتب خانہ واقف کے نام کی تختی آویزاں کرتا تھا، وقف کی ہوئی کتابوں کا کیٹلاگ کتابی صورت میں علیحدہ تیار کیا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں علوم و فنون کی تدوین اور کتابی صورت میں اس کی اشاعت ایسی تیزی سے ہوئی تھی کہ نقل و اشاعت کے لئے ایک نئی صنعت اور نیا فنِ وراقت (کتاب سازی) وجود میں آیا تھا۔ صنعتِ وراقت، کاغذ سازی، جلد سازی، سامانِ کتابت، تصحیح و ضبطِ اعراب سے عبارت تھی، یہ

ملتِ اسلامیہ میں عراق سے اندلس تک ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح تھی۔ اسلامی قلمرو میں اس کی بہت گرم بازاری تھی۔ کثرت سے علمی کتابیں لکھی جاتی تھیں، اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں ان کی نقلیں لی جاتی، جلدیں بندھوائی جاتی تھیں، یہ علم و دانش میں اضافہ اور معیشت کو مستحکم رکھنے کا نہایت موثر ذریعہ تھا۔ اس لئے اسلامی معاشرے میں سیف و قلم کے بازار ہی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ہر مرکزی شہر میں سوق الوراقین سو سو دکانوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ سوق الوراقین کا ذخیرہ اربابِ کمال کی نظر میں رہتا تھا۔ اس میں شعراء کا کلام نقل کیا جاتا، علمی مذاکرے ہوتے اور ایسے ایسے نکتے ہاتھ آتے تھے جو کسی اور جگہ مشکل ہی سے ملتے تھے۔ اربابِ فن تقویم کا عمل کرتے، اہلِ کمال کے جوہر کھلتے، باہم محبت بڑھتی تھی، وراقِ اہل علم کی قدر کرتے، انہیں کتابیں نذر کرتے، ذخائر کتب سے استفادہ کے لئے دکانیں رات بھر کے لئے کرایہ پر دیتے تھے، ہر علم و فن کی کتابوں سے بازار کتب بھرا رہتا تھا اور اہل علم کی طلب کو پورا کرتا تھا۔

کاغذ کی صنعت نے سلطنتوں کو چاندی سونے کے سکوں کے بوجھ سے ہلکا کرنے کے لئے زر کاغذی مہیا کیا اور اس سے علمی و ادبی دنیا میں ایک انقلاب آگیا۔ کاغذ نے قدیم و جدید علمی سرمایہ کو منتقل کرنے، محفوظ رکھنے، اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے، پروان چڑھانے میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔ مسلمانوں نے جب اس صنعت سے دنیا کو روشناس کرایا، علمی و ثقافتی ورثہ برابر اس پر منتقل ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا” کاغذ ہی وہ مواد کتابت ہے جس نے ناپائیداری کے باوجود اپنی ارزانی و فراوانی کے سبب ہر نوع کے قدیم و جدید علمی سرمایہ کو ہم تک بہ آسانی منتقل کیا، تحریکِ احیاء علوم و فنون، تحریکِ کتب خانہ سازی کو حیات جاوید عطا کی اور گھر گھر کتب خانہ بنایا، کاغذی، قراطیسی، کرارِیسی کی نسبت اتنی مشہور ہوئی کہ افراد اور گھرانے اس نسبت سے جانے پہنچانے جاتے تھے۔ یہ شہرت کاغذ سازی و کتاب سازی سے دلچسپی کی نہایت واضح دلیل ہے۔

علوم و فنون کی عام اشاعت اور اس کی ترویج کا سہرا عربوں کے سر ہے، علوم کی اشاعت بڑھتی رہی اور ان کا لگایا ہوا یہ پودا اس قدر بار آور ہوا کہ اس کی وجہ سے مذہبی تعصب، اوہام پرستی، بے جا تحکم کا خاتمہ ہوا اور تمدن کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

اسلام نے دستکاری کے فضائل و فوائد بیان کر کے دستکاری و تجارت کو بھی عبادت بنا دیا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی نئی چیز ملی۔ انہوں نے اس کو اپنا کر مزید وسعت دی اور نشوونما بنائی، نہایت اچھا اور سستا کاغذ فراہم کر کے علوم و فنون اور ادب کے فروغ کا سامان کیا، ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں علوم و فنون کی ترقی” کتابوں کی اشاعت، اور کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کے احیاء و استحکام کی خاطر اسلامی قلمرو میں کاغذ کی تجارت و صنعت پر کبھی کسی قسم کا ٹیکس اور

ڈیوٹی نہیں لگائی گئی۔ اس صنعت کی وجہ سے مسلمانوں نے یورپ کے بازاروں میں اپنا سکہ بٹھایا اور علم و فن کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا۔

عہدِ عباسی میں جب کاغذ سازی کے کارخانے اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں میں قائم ہوئے اور امت مسلمہ کا عبقری طبقہ اسلامی علوم کی تدوین و ترتیب میں منہمک ہو گیا تو خلفاء عباسیہ نے بین الاقوامی علمی ورثہ کو عربی زبان میں منتقل کرانا شروع کیا، انہوں نے ترجمہ کی تحریک پر زرِ کثیر صرف کر کے عجمی اقوام کا علمی و ثقافتی ورثہ عربی میں منتقل کرا کر مسلمانوں کے خزائنِ کتب کو حکمِ قرآن و حکمت یونان سے بھر دیا وہ علمی ورثہ جو بنی نوع انسان کا متاعِ مشترک تھا اس ذخیرہ سے دنیا میں پہلی مرتبہ بلا امتیازِ مذہب و ملت ہر طبقہ کے لوگوں کو عوامی سطح پر استفادہ کر موقعہ ملا۔

عہدِ عباسی میں علم کی قدر دانی، تعلیم کی فراوانی اور کاغذ کی ارزانی نے ذخائر علوم و کتب میں غیر معمولی اضافہ کیا اور انسان اس لائق ہوا کہ لکھی ہوئی کتابوں سے وسیع پیمانہ پر علم و آگہی حاصل کر سکے اس کی ایجاد سے پہلے معدودے چند لوگ علم سے بہرہ ور ہوتے تھے، عام لوگوں تک علم کاغذ سازی کی ترویج و اشاعت کے بعد پہنچا۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ قوموں کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی ترقی میں کتابوں کا نہایت گرانقدر حصہ ہے۔ شفاخانوں میں طبی کتابوں کے ذخائر، رصد گاہوں میں فلکیات و نجوم پر ذخیرے مساجد و مدارس میں مذہبی اور قانونی کتابیں اور بڑی بڑی درسگاہوں میں متنوع ذخائر فراہم کئے جانے لگے تھے اس عمل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ درسگاہوں کے کتب خانوں کو ترقی دینے میں مسلمانوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا، یہ سب کچھ اسلامی قلمرو میں امراء، علماء اہلِ خیر کی سرپرستی سے ہوا تھا، عہدِ عباسی میں ثقافتی و فنی اعتبار سے کتب خانے قابلِ رشک مقام پر پہنچ گئے تھے۔

عہدِ عباسی میں کاغذ کی ایجاد کے بعد تحقیقات و تخلیقات کی توسیع و اشاعت کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی تھی۔ اس لئے آئندہ نسلوں کے لئے گزشتہ نسلوں کے علمی ورثہ سے فائدہ اٹھانا اور اسے دوسروں تک منتقل کرنا بہت آسان ہو گیا تھا نیز نئی نسل کے لئے اپنے تحقیقی کام کو بلند تر سطح سے شروع کرنے کی راہ ہموار ہو گئی تھی اس لئے عہدِ عباسی کی تحقیقات کا پایہ ہر علم و فن میں بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا تھا۔

عہدِ عباسی میں یہ روز افزوں علمی ترقی اور ذخیرۂ معلومات اور تحقیقی کارناموں کی بڑھتی ہوئی وسعت نے اربابِ فکر و نظر کو اسے مختلف مرکزی اور ذیلی شعبوں میں تقسیم کرنے پر آمادہ کیا تاکہ تخصیص کی وجہ سے علمی و ثقافتی ورثہ کا بہ آسانی تحفظ کیا جا سکے اور اس سے عملاً استفادہ آسان ہو جائے نیز اس کی مزید توسیع میں سہولت ہو۔

انہی سرگرمیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ علوم و فنون کو متعدد شعبوں میں تقسیم کیا جانے لگا اور ہر شعبہ مختلف انواع میں منقسم ہوتا رہا۔ ہر نوع کی متعدد انواع اور ہر قسم کی متعدد اصناف ہوتی گئیں پھر ان کی مزید ذیلی شاخیں نکلتی رہیں، اس طرح علم سینکڑوں ذیلی شاخوں میں منقسم ہوتا رہا اور تقسیم در تقسیم کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ عہدِ عباسی میں علوم قرآن و سنت میں کتنا تنوع ہو چکا تھا اس امر کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں علامہ احمد بن جعفر المعروف بابن المنادی المتوفی ۳۳۶ھ نے علوم قرآن کے موضوع پر چار سو سے زیادہ عنوانات پر کتابیں مرتب کی تھیں (۲۳) علوم حدیث میں جتنا کچھ تنوع ہوا تھا اس کے متعلق حازمی المتوفی ۵۸۴ھ کا یہ بیان ہی نقل کرنا کافی ہے کہ "انواع علوم حدیث کی تعداد سو تک پہنچ گئی ہے" (۲۴)۔

اس سے عہدِ عباسی میں دوسرے علوم کی وسعت و تنوع کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عہدِ عباسی میں علوم و فنون کی بڑھتی ہوئی وسعت و ترقی کے پیشِ نظر فلاسفہ و علماء کو اہم اور بنیادی علوم کا احاطہ کرنا پڑا چنانچہ فارابی کی "احصاء العلوم" خوارزمی کی "مفاتیح العلوم" ابن الندیم کی "الفہرست" "رسائلِ اخوان الصفاء" ابن حزم کی "مراتب العلوم" وغیرہ اس کی نہایت روشن مثال ہیں۔

عہدِ عباسی کی انہی علمی سرگرمیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ اس دور میں مختلف علوم و فنون کے ادبی سرمایہ کی فنی ترتیب بجائے خود ایک مستقل و جداگانہ علم و فن کی صورت اختیار کر گئی تھی جس کے لئے عہدِ عباسی میں تصنیف کا لفظ بولا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا فلان کان حاذقاً فی التصنیف، فلاں شخص علوم و کتب کی فنی ترتیب کتب اور کتابداری میں ماہر تھا۔

کتابوں کے ذخائر کی کثرت اور ان ذخائر سے عوام و خواص کو فائدہ پہنچانے، کتابوں کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے کے لئے شاہی، عوامی، علمی اور انفرادی کتب خانوں میں فہرست (کیٹلاگ) سازی کے ترقی پذیر نظام کی تشکیل کی گئی، کتاب کے نام سے، مصنف کے نام سے، اور موضوع کے اعتبار سے کتابوں کی فہرست سازی شروع ہوئی جس کی وجہ سے عہدِ عباسی میں اسماء، کنیٰ، القاب اور نسبت میں اندراج کا نظام رائج ہوا اور گوناگوں ترتیبوں کا نظام عمل میں آیا۔

عوام و خواص کی سہولت اور استفادہ کے لئے حروفِ تہجی کی ترتیب اور موضوع ترتیب پر فہرستیں کتابی صورت میں کتب خانوں میں رکھی جاتی تھیں وقف کی کتابوں کا اور انفرادی ذخیرے کا کیٹلاگ جداگانہ بنایا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں موضوع کتاب کی تعیین، مصنف کی شناخت اور کتاب کی انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے تاریخ میں پہلی مرتبہ پشتِ کتاب پر علامات (نوٹیشن) نگاری کے ترقی پذیر سلسلہ

کا آغاز ہوا۔ ہماری تحقیق کے مطابق عہدِ عباسی میں سب سے پہلے امام ترمذی اور ابوداؤد بجستانی نے کتاب میں ان ماخذوں کی جن سے انہوں نے استفادہ کیا تھا، نشاندہی کی بنیاد رکھی اور حوالوں سے دوسری کتابوں کی طرف رہنمائی کی طرح ڈالی، جو آگے چل کر ایک علم و فن کی حیثیت اختیار کر گئی۔ بعد میں کتاب کی علمی و استنادی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے کتاب کے ابتداء میں کتابیات بیان کرنے کا طریقہ رائج ہوا اس طرح اسلاف کی ایک موضوع پر مستند تصانیف سے تعارف حاصل کرنے کا نیا طریقہ دنیا کے علم میں آیا۔

عہدِ عباسی میں ہر موضوع پر کتابوں کی فراوانی نے تحقیق، انتخاب اور خریداری کے مسائل حل کرنے کے لئے اہلِ علم کو کتابیات کی تدوین کی طرف متوجہ کیا، ہر علم و فن کی مشہور و متداول کتابوں کے متعلق مستند معلومات کے لئے کتابیات کے ترقی پذیر سلسلہ کی تشکیل ہوئی، ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے سینکڑوں علماء نے اس اہم خدمت کو انجام دیا لیکن مشرق میں اس امر میں سب سے زیادہ شہرت ابن الندیم کی "الفہرست" کو اور مغرب میں ابنِ خیر کی "فہرست مارواہ" کو حاصل ہے۔

ہر موضوع و مضمون پر اہل علم کی تخلیقات کی خوبیاں اور خامیاں اجاگر کرنے اور ان کی تحقیقات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے "تبصرہ و تنقید" کے ترقی پذیر نظام کی تاسیس ہوئی جس سے کتب خانوں کے ذخائر کی ثروت میں غیر معمولی اضافہ ہوا نیز کتابیات کی تاریخ میں تبصرہ و تنقید نے تنقیدی کتابیات (Critical Bibliography) کے تصور کو پہلی مرتبہ متعارف کرایا۔

کتب خانہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نہایت متوازن میزانیہ ترتیب دیا گیا اور اس کی مدات میں کتابوں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم ۴۵، اور تنخواہوں کے لئے ۳۱ فیصد مختص کی گئی جس سے کتب خانوں میں بجٹ سازی کا سلسلہ شروع ہوا اور کتابوں اور تنخواہوں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم مختص کئے جانے پر زور دیا جانے لگا۔

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی تعمیر کے لئے زمین کے انتخاب میں صحت افزا مقام کو اہمیت دی گئی، نہر اور باغ کے کنارے بلند و بالا وسیع عمارتوں کی تعمیر کا آغاز ہوا، کتب خانوں کی اندرونی اور بیرونی سجاوٹ اور تراوٹ کا سامان مہیا کرنے کے وسیع تر سلسلہ کی بنیادی رکھی گئی اور کتب خانوں میں مزید جذب و کشش پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

کتب خانہ کے کمروں کو موسم گرما و سرما میں معتدل رکھنے کے لئے (Air-Conditioning) کا طریقہ ایجاد کیا گیا تاکہ کتب خانہ سے استفادہ کرنے والے

آرام سے مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہ سکیں اور خشکی و نمی سے کتابوں کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے۔

مدرسہ‘ جامعہ اور کتب خانہ کی عمارت کی افتتاحی تقریب بڑی شان و شوکت سے منائی جانے لگی تھی‘ شعراء اس تقریب میں اپنے اشعار سناتے۔ اعیانِ مملکت‘ قضاۃ‘ علماء‘ مدرسین‘ محققین اس میں شرکت کرتے تھے۔ ایسی تقریبات سے کتب خانہ کی شہرت ہوتی۔ حاضرین میں معارف پروری کا جذبہ ابھرتا اور وہ ان کی تعمیرات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ تقریب اہل علم کو نئے کتب خانوں کے ذخائر سے استفادہ کی دعوت دیتی تھی۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ کتب خانہ کی ترقی‘ اس کی بڑھتی ہوئی ضروریات و مقاصد کی تکمیل کے لئے لائبریری کمیٹی کی تشکیل کی بنیاد رکھی گئی۔

طلبہ‘ شائقینِ کتب‘ محققین کی اندرون کتب خانہ علمی ضروریات کی تکمیل اور بیرون کتب خانہ ان کی تحقیقاتی سرگرمیاں جاری رکھنے اور کتب خانہ سے باہر کتابیں لے جانے میں سہولت کے لئے اجراءِ کتب اور عاریتِ کتب کے ترقی پذیر نظام کا آغاز ہوا۔ ایک ایک محقق کو بیک وقت دو سو (۲۰۰) مجلد لے جانے کی سہولت تک دی گئی تاکہ کتابوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جاسکے اور تخلیقات کا روز افزوں سلسلہ اشاعت پذیر رہے۔ کتب خانہ میں کتابوں کی حفاظت کے لئے انہیں گوناگوں ظروف میں رکھ کر تحفظِ کتب کے اس دور کے جدید طریقوں کو اپنایا گیا۔

موضوعات کی کثرت نے کتب خانوں کے شعبوں میں تنوع اور وسعت پیدا کی چنانچہ دار المطالعہ‘ دار المقابلہ والتصحیح‘ دار الترجمہ‘ دار النقل‘ دار التجلید وغیرہ کے شعبوں کی تنظیم عمل میں آئی‘ ذخائر کی کثرت نے ان میں تنظیم و ترتیب قائم رکھنے کے لئے وسیع انتظامیہ کی تشکیل کو ناگزیر بنایا۔ کتب خانہ میں خدمات کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے اور ذخائر کو Upto-date رکھنے اور شرح خواندگی کو بڑھانے کے لئے خازن‘ مشرف‘ وکیل‘ مناول‘ فراش‘ مصحح‘ وراق‘ خوشنویس‘ کاتب‘ مترجم‘ مجلد‘ مذہب پر مشتمل عملہ متعین کیا جانے لگا تھا عہدِ عباسی میں کتابوں کی فراوانی‘ ان کا کثرت سے استعمال‘ عملہ کی خدمات اور فنی مہارت‘ کتب خانوں کی حسنِ کارکردگی کا نہایت بین ثبوت ہے۔

تعلیمی ضروریات کے پیشِ نظر نصابی کتب کی تدوین کا آغاز اوائلِ عہدِ عباسی میں ہو چکا تھا اور متداول علوم میں مختصر و جامع کتاب تعلیم کے لئے پسند کی جانے لگی چنانچہ فقہ و سنن کے موضوع پر امام اعظم ابو حنیفہ کی "کتاب الآثار" امام مالک کی "الموطاء" سفیان ثوری کی "الجامع" اسی امر کی غماز ہیں‘ خلیفہ منصور عباسی کا اپنے ولی عہد مہدی کے لئے ابن اسحاق سے "مختصر السیر" تیار کرانا‘ ادب کے موضوع پر مفضل ضبی کا "المفضلیات" کے نام سے منظوم عربی ادب کا نمونہ

مرتب کرنا، سیبویہ کا الکتاب لکھنا، تفسیر قرآن میں قراء کا "معانی القرآن" املاء کرانا اصول فقہ میں امام ابو یوسف کا "اصول الفقہ" اور امام شافعی کا کتاب "الرسالہ" ترتیب دینا، تاریخ و سیر میں ابن قتیبہ کا کتاب المعارف تالیف کرنا، امام اعظم ابو حنیفہ کا علم کلام میں "الفقہ الاوسط" اور "الفقہ الاکبر" لکھنا، طب میں علی بن سہل طبری کا "فردوس الحکمۃ" مدون کرنا مذکورۂ بالا دعوے کی نہایت روشن دلیل ہیں۔

طلبہ، اساتذہ و محققین کی تعلیمی اور تحقیقی ضروریات کی تکمیل ہر فن میں مختصر، متوسط اور مطول کتابوں کا سلسلہ سب سے پہلے امام محمد نے فقہ میں "الجامع الصغیر" "الجامع الکبیر" اور "المبسوط" تصنیف کر کے کیا تھا۔ پھر عہدِ عباسی میں یہ سلسلہ بہت زیادہ پھیلا اور ہر فن میں یہ طریقہ رواج پا گیا اس سے ذخائر کتب میں ہینڈ بک (Hand-Book) اور دائرۃ المعارف کی تدوین عمل میں آئی۔

(Max Meyerhof) لکھتا ہے "اربابِ فن اور اہل علم ترجمہ نگار تراجم کتب کے علاوہ خاص خاص فن میں مختصر رسائل بھی تیار کرتے تھے جو فن کی جملہ معلومات پر حاوی ہوتے تھے، چنانچہ اس دور کے نامور اطباء نے علم طب میں ایسے خلاصے تیار کئے جن میں تمام عوارض جسمانی سے بحث تھی اور وہ سر سے پاؤں تک تمام امراض کو جامع تھے" (۲۵)۔

عہدِ عباسی میں جب مسلمانوں کا دوسری اقوام سے ربط و ضبط بڑھا اور ان کے ملحدانہ افکار و نظریات کا اثر پھیلنے لگا تو خلیفہ مہدی نے ۱۵۸ میں مانی، ابن ابصان اور مرقیسوں، ابن العوجاء، حماد عجرد، یحیٰ بن زیاد اور مطیع بن ایاس وغیرہ کے افکار کی تردید میں لکھنے کا فرمان جاری کیا (۲۶)۔

اس کی وجہ سے علماء نے زندیقی ادب کا مزید مطالعہ کیا، سرکاری طور پر اسلام میں کلامی ادب کی تدوین ہوئی اور یہ موضوع ایسی وسعت اختیار کر گیا کہ اس موضوع پر ایک ایک عالم سینکڑوں کتابیں لکھنے لگا تھا (۲۷)۔ اس طرح کتب خانوں کے ذخائر میں کتب کا روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

تیسری صدی ہجری میں تصنیفی اور تحقیقی معیار اتنا بلند ہو چکا تھا کہ شرعی علوم اور ادبی موضوعات کے علاوہ سائنسی اور فنی علوم میں بھی تربیت (Training) حاصل کی جاتی تھی، قدماء کی کتابیں پڑھ کر تحقیق (Research) کی جاتی اور فن میں اختصاص (Specialization) کے بعد کسی موضوع پر قلم اٹھایا جاتا تھا چنانچہ مشہور حکیم ابوالحسن علی بن ربن طبری المتوفی ۲۴۷ھ/ ۷۶۱ء نے جب طب میں "فردوس الحکمۃ" لکھی تو آغاز کتاب میں تصریح کی کہ "میری یہ کتاب بقراط، جالینوس وغیرہ اطباء کی کتابوں ارسطو اور دیگر فلاسفہ کی طب میں

کتابوں سے اور ہمارے زمانے کے شاہی طبیب یوحنا بن باسویہ حنین وغیرہ کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

صناعتِ طب میں جو تجربہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اساتذہ فن کی صحبت اختیار کرنا اور قدماء کی کتابیں پڑھنا چاہئیں، میں نے حکما کی کتبِ کثیرہ کی جستجو کی، ان کے ثمرات و نتائج کو جمع کیا اور زیادہ سے زیادہ فوائد کو اس میں پیش کرنے کی سعی کی ہے، ایک مقالہ سنسکرت کی کتابوں سے ماخوذ ہے، میں نے اس کتاب کا ترجمہ سریانی زبان میں بھی کیا ہے اور اس کے "نسخ کثیرہ" کو مشرق و مغرب میں پھیلایا ہے اس لئے کہ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ کسی مولف نے دوسرے کی تالیف کو اپنے نام سے بھی شائع کیا ہے جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ کی پھٹکار کا مستحق ہوتا اور لوگوں کی سب و شتم کا نشانہ بنتا ہے، اس کی مثال کتے کی سی ہے جو شیر کے چھوڑے ہوئے بچوڑے ہوئے شکار کو کھا کر خوش ہوتا اور اتراتا ہے" (۲۸)۔

ابن ربن طبری کے مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں اختصاص حاصل کرنے کے لئے ماہرین سے تربیت حاصل کرنا، مصنفین کی کتابوں پر تحقیقی نظر ڈالنا اور بیرونی زبانوں سے واقف ہونا لازمی شرط تھی، شروع کتاب میں کتابیات نقل کرنے اور اپنی تخلیقات کو مشرق و مغرب میں پہنچانے کا رواج ہو چکا تھا، مصنف کا مذاق اعلیٰ ہوتا تھا کہ وہ کتاب میں اپنی تحقیقات پیش کر کے خوش ہوتا اور دوسروں کی تحقیقات نقل کر کے اتراتا نہ تھا جو مولف کسی دوسرے عالم کے علمی مواد کو ترتیب دے کر اپنے نام سے پیش کرتا تھا وہ اپنے آپ کو اس کتے کا مصداق بناتا تھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

ابن ربن طبری نے اخلاقی اور تصنیفی حس کو بیدار کرنے کے لئے جو غیرت مندانہ الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ عباسی میں تحقیق و تدوین میں کس درجہ حزم و احتیاط سے کام لیا جاتا تھا، اس سے عہدِ عباسی کی تخلیقات و تحقیقات کے اعلیٰ معیار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے یہی وہ علمی تفوق ہے جس کا آج بھی مستشرقین کو اعتراف ہے۔

ایڈیٹنگ (Editing) ترتیب کتاب کے جدید تصور کا آغاز اوائلِ عہدِ عباسی میں ہو چکا تھا، چنانچہ ماکس مرہوف (Max Meyerhof) لکھتا ہے!

"عہدِ عباسی میں غیر زبانوں سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرتے وقت ایک مترجم کتاب کے کم از کم تین ایڈیشن سامنے رکھنے کی کوشش کرتا تھا چنانچہ حنین بن اسحاق (۱۹۴-۳۶۰ھ / ۸۲۰-۸۷۳ء) کا بیان ہے "میں ترجمہ کرتے وقت یونانی کتاب کے کم از کم تین نسخے سامنے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں" (۲۹)۔

عہدِ عباسی میں فن طب سے تحقیقی مقالہ نگاری کا آغاز ہوا چنانچہ ۳۱۹ء/۹۲۱ھ میں کسی طبیب کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے ایک مریض چل بسا تو خلیفہ مقتدر باللہ عباسی نے سرکاری طور پر اطباء کے لئے طب کا امتحان پاس کرنا لازمی قرار دے دیا جب یہ پابندی عائد کی گئی تو شاہی اطباء کے علاوہ صرف بغداد میں آٹھ سو (۸۰۰) سے زیادہ اطباء نے امتحان دیا تھا (۳۰)۔

اس امتحان میں پاس ہونے کی سند اس وقت دی جاتی تھی جب وہ فن طب کے موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ پیش کرتا اور طبی تحقیقی بورڈ اسے دیکھ کر مطمئن ہو جاتا تھا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقی مقالہ نگاری اور ڈاکٹریٹ کی سند کا آغاز عہدِ عباسی میں ہوا تھا (۳۱)۔

عہدِ عباسی میں جن علوم و فنون کا چلن تھا ان کے کسی چھوٹے موضوع پر بھی کوئی محقق قلم اٹھاتا تو جو تصانیف اس موضوع پر ہوتی تھیں ان سے استفادہ کرتا تھا چنانچہ امام محمد بن جریر طبری نے جب قیاس کے موضوع پر لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک وراق نے انہیں اس موضوع پر ۲۹ کتابیں فراہم کی تھیں۔ بعض مصنف سو (۱۰۰) کتابیں مطالعہ کرنے کے بعد داد تحقیق دیتا تھا چنانچہ ابو بکر ابن الانباری اور صاحب ابن عباد نے کتاب "الوقف والابتداء" اسی طرح ترتیب دی تھیں (۳۲)۔

مذکورۂ بالا مثالیں اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ عہدِ عباسی میں چھوٹے سے چھوٹے موضوع پر تصانیف کے مطالعہ کا سلسلہ تیزی سے جاری تھا اور ہر موضوع پر مصنف کو لکھنے کے لئے ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا جو اس دور میں اہلِ علم و اہلِ قلم کے کثرت مطالعہ' تصنیفی شغف' اور جذبہ اشاعتِ علم ہی کا نہیں بلکہ ہر موضوع پر کتابوں کی کثرت' ان کی سہولت دستیابی اور کثرت استعمال کا بھی نہایت واضح ثبوت ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں لغت و علومِ لغت کا ذخیرہ اتنی وسعت اختیار کر چکا تھا کہ صاحب ابن عباد المتوفی ۳۸۵ھ کے کتب خانہ میں ساٹھ بار شتر کتابیں خاص اس موضوع پر موجود تھیں (۳۳)۔

علامہ سیوطی نے کتاب "المزہر" میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بیشتر کتابیں چونکہ تاتاریوں کے ہاتھوں برباد ہو گئیں اس لئے لغت میں متقدین و متاخرین کی جو تصانیف ملتی ہیں وہ ایک بار شتر کے برابر بھی نہیں ان میں بھی زیادہ تر وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے صحیح لغات جمع کرنے کا التزام نہیں کیا' صحیح و غیر صحیح سب کچھ جمع کر دیا ہے (۳۴)۔

اسی ایک واقعہ سے دوسرے علوم و فنون میں جن کا ذکر علوم کی درجہ بندی کے زیر عنوان کیا گیا ہے ہر موضوع اور اس انواع و اقسام و اصناف میں کتابوں کی کثرت' ذخیرہ کی وسعت و ثروت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے اپنی تالیفات میں علومِ اوائل کی ایسی قیمتی معلومات فراہم کی

ہیں جو کلاسیکی ماخذوں میں بھی نہیں ملتی ہیں۔ چنانچہ ماکس مرہوف لکھتا ہے!

"ابن القفطی کی کتاب تاریخ الحکماء" میں ۴۱۴ یونانی، شامی اطباء، ہیئت دانوں اور فلسفیوں کی سوانح عمریاں ہیں۔ عربوں کو یونانی ادبیات کا جو علم حاصل تھا اس کے متعلق یہ کتاب معلومات کی ایک کان ہے اور اس میں یونانی قدامت کے متعلق ایسا مواد موجود ہے جو کلاسیکی ماخذوں میں نہیں پایا جاتا ہے" (۳۵)۔

عہدِ عباسی میں بادشاہوں، وزیروں، امیروں نے تخلیقات پر مائل کرنے کے لئے تمام مناسب طریقوں سے کام لے کر مصنفین و محققین اور ائمہ فن سے اعلیٰ درجہ کی معیاری تخلیقات کرائیں اور علمی ثروت کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا، چنانچہ جاحظ، ابن قتیبہ، الخوارزمی، الفارابی، الرازی، البیرونی، ابن سینا جیسے عبقریوں کی تخلیقات و تحقیقات جن کی اہمیت و افادیت اور قدر و قیمت دائمی ہے اور وہ عربی زبان و ادب کا لافانی سرمایہ ہے، غرض مذہب، اخلاق، فلسفہ، قانون، نظام حکومت، زبان، ادب، سائنس، طب، صنعت و حرفت، فلکیات، تاریخ و سیر، وغیرہ کے موضوع پر سینکڑوں کتابیں اس دور کے اہلِ ثروت، حکام اور حکمرانوں کی ترغیب، امداد و اعانت سے علم و ادب کی آبیاری ہوتی رہی، کتب خانوں کے مواد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

عہدِ عباسی میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت اور تصنیف و تالیف کا ذوق اہلِ علم میں ایسا رچ بس گیا تھا کہ قید و بند کی سختیاں بھی ان کو ابلاغ اور علم کی خدمت سے نہ روک سکیں۔ ان کی املاء کا سلسلہ جس طرح مسجد کے صحنوں اور مدرسوں کے ایوانوں میں جاری رہتا تھا اسی طرح کنوؤں کی تاریکی و قید تنہائی میں بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا چنانچہ شمس الائمہ ابی سہل سرخسی المتوفی ۴۸۱ھ پر ایک دورِ ابتلاء آیا کہ حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے حاکم بخارا نے ناراض ہو کر انہیں اور جند کے ایک کنویں میں قید کر دیا موصوف نے کنویں کے اندر سے علماء کو من پر بٹھا کر زبانی فقہ کی کتابیں املاء کرائیں جن میں سے ایک نہایت ضخیم کتاب "مبسوط" بھی ہے جو مصر سے تیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس لئے صاحبِ فضائل بلخ نے لکھا ہے۔

"آن حبس سبب نشر علم اوشد فابی اللہ الا ان یتم نورہ" (۳۶) موصوف کی گرفتاری بھی علم کی نشر و اشاعت کا سبب ہوئی، اللہ تعالیٰ کو ان کے نورِ علم کی روشنی پھیلانا منظور تھا۔ موصوف کا یہ جذبہ و عزیمت کتب و کتب خانہ کے مواد کے اضافہ کا باعث ہوا۔

عباسی خلفاء کے دورِ اقتدار میں جو ادب تخلیق ہوا اس کا بیشتر حصہ اس دور کے معاشی، معاشرتی، سیاسی و ثقافتی اثرات کا حامل تھا وہ بامقصد، مفید اور جذبہ قومیت سے سرشار تھا۔ اس ادبی ذخیرے کا دائرہ صرف قومی زبان عربی تک محدود نہیں رہا بلکہ صوبائی زبانوں یعنی فارسی وغیرہ تک

پھیل گیا اس طرح [illegible] زبانیں بھی مالا مال ہوتی چلی گئیں اور ذخیرۂ کتب میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

علوم کے مراحلِ اربعہ کی نشوونما، ترقی اور نکھار عہدِ عباسی میں ہوا۔

(۱) علوم دینیہ اور علومِ لغویہ کی تدوین

(۲) بین الاقوامی علمی ورثہ کے ترجمہ کی تحریک اور عربی زبان میں اس کی منتقلی۔

(۳) اختراع و ایجاد، اضافہ و تنقید۔

(۴) تلخیص و تشریح۔

مذکورۂ بالا مراحل سے گزر کر علوم و ذخائر کتب میں تنوع و توسیع اور کثرت پیدا ہوئی۔

مذکورۂ بالا وجوہ سے مسلمان گزشتہ تمام اقوام عالم اور اپنی تمام معاصر اقوام سے جملہ علوم و فنون میں ممتاز تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تمیمہ فرماتے ہیں!

"اللہ تعالیٰ نے تمام معارفِ انسانی اور انواعِ علوم کے طریقے مسلمانوں کے لئے مہیا فرمائے تھے کیونکہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک اہلِ کتاب اور دوسرے غیر اہلِ کتاب فلاسفہ و ہنود اور علم کا ادراک حس، عقل سے اور کبھی دونوں سے کیا جاتا ہے مگر وحی انبیاء علیہم السلام سے جو حاصل ہوتا ہے حس و عقل سے بالاتر ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ علم کی تحصیل کے تین طریقے ہیں۔

بصرو خبر، حس و عقل اور وحی، اہلِ کتاب غیر اہلِ کتاب سے علوم نبوت میں ممتاز اور علوم **حسیہ و عقلیہ** میں بھی ان سے ممتاز ہیں، جنہیں وہ نہیں جانتے تھے اور جو علوم عقلیہ انہیں گزشتہ اقوام سے پہنچے ہیں ان کو بھی انہوں نے لفظاً" و معنیً" سنوارا، ان میں علوم و حقائق کا اضافہ کیا ہے جن میں انہیں امتیاز حاصل رہا اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو علوم نبوت ان کو دیئے ہیں گزشتہ اقوام ان سے محروم رہی ہیں جو کوئی قرآن اور تورات و انجیل کا بغور مطالعہ کرے گا اس پر علومِ قرآن کی فضیلت عیاں ہو کر رہے گی (۳۷)۔

علامہ موصوف ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں!

"مسلمان اقوامِ عالم کے تمام علوم میں سب سے زیادہ حاذق اور ماہر ہیں تاآنکہ ان علوم میں بھی جن کا تعلق نبوت و علومِ آخرت سے نہیں ہے جیسے علمِ طب، علوم ریاضی وغیرہ یہود و نصاریٰ دونوں سے مسلمان زیادہ ماہر ہیں۔

ان کی تصانیف ان دونوں کی تصانیف سے زیادہ کامل اور علمی اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں، قدماء جن کا منتہائے کمال ہی یہ علوم تھے ان سے زیادہ واضح بیان ان کا ہے اور ان علوم میں بھی وہ جو دعوائے اسلام کے باوجود اپنے الحاد و نفاق کی وجہ سے مسلمانوں میں پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھے

جاتے اور مسلمانوں کے دل میں ان کی کوئی قدر نہ تھی لیکن اپنی مہارتِ فن کی بناء پر مسلمانوں کا یہ کوڑا کرکٹ بھی قدمائے یونان سے بازی لے گیا تھا۔

علومِ الہیہ، معارف انسانی کو علوم نبوت میں جن کی خبر انبیاء نے دی ہے جیسے عرش، ملائکہ، جن، جنت، دوزخ، اور معاد کی تفصیل، تو جو کوئی مسلم علماء اور یہود و نصاریٰ کے کلام میں غور کرے گا وہ مسلمانوں کا کلام زیادہ کامل زیادہ جامع پائے گا یہ بدیہی بات ہے کہ اہلِ کتاب کا علم غیر اہل کتاب سے بڑھا ہوا ہے، البتہ عبادات، زہد، اخلاق، سیاست، ملوکیت، و مدنیت میں موازنہ و بحث معرفت مقصد پر موقوف ہے، چنانچہ لوگوں کا خیال ہے کہ عبادات کا مقصد نفوسِ انسانی کی تہذیب اور ان میں اعتدال پیدا کرنا ہے تاکہ ان علوم کی استعداد پیدا ہو جائے مذہب فی نفسہ مقصود نہیں ہے اس لئے وہ مذہب کو اخلاق کا شعبہ قرار دیتے ہیں یہی فلاسفہ یونان کا عقیدہ ہے اور اسی بات کے قائل ملاحدہ و اسماعیلیہ وغیرہ مسلمان فلاسفہ جیسے فارابی، ابن سینا وغیرہ ہیں، یہی نظریات ان کے ہمنوا متکلمین، غزالی، سہروردی، مقتول، ابن رشد الحفید، ابن عربی اور ابن سبعین کی تصانیف سے ظاہر ہیں لیکن غزالی کبھی ان کی ہمنوائی کرتے ہیں اور کبھی ان کی مخالفت کرتے ہیں یہی بات ابن سینا اور اس کے جیسے فلاسفہ نے کی ہے جن کا مقصد تعلیماتِ انبیاء اور فلسفہ مشائین ارسطو میں مطابقت پیدا کرنا ہے اس لئے انہوں نے آیات و خوارقِ عادات میں بحث کی ہے اور ان کے اسباب ثلاثہ قوائے فلکیہ، قوائے نفسانیہ، قوائے طبیعیہ قرار دیے ہیں، انہی کو اس عالم میں موثر مانا ہے، انبیاءؑ و غیر انبیاء کے معجزات، کرامات اور جادوگروں کے عجائبات کو قوائے نفسانیہ کا سبب قرار دیا ہے اور ان دونوں میں فرق بھی بتایا ہے کہ ایک کا مقصد خیر اور دوسرے کا مقصد شر ہے، یہ عقلاء کا سب سے زیادہ خراب و فاسد مذہب ہے اس لئے کہ یہ ملائکہ اور جن کے انکار کا، اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کے انکار کا، اور اس کی مشیت و قدرت کے انکار کا موجب ہے" (۳۸)۔

عہدِ عباسی کے ان شاندار تہذیبی و ثقافتی مراکز ‘کتب خانوں’ نے بنی نوع انسان کو تعصب، اوہام، جہالت اور اخلاقی پستی سے نکالا، اس کے فکر و نظر کی تطہیر کی، علم و عرفان کی روشنی سے ذہن انسانی کو روشن کیا، تحقیق، مشاہدہ و تجربہ کی راہ پر ڈالا اور اسے افلاک پر پہنچایا، دور حاضر کی یہ علمی، صنعتی، تعمیری اور فنی تحقیقات، ایجادات اور علمی انکشافات جن سے پوری دنیا محوِ حیرت ہے، انہی ذخائرِ کتب کا ثمرہ ہیں جن کا فیضان ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں بلا امتیازِ مذہب و ملت، قوم و فرقہ سب پر عام تھا یہ ثقافتی مراکز ہر ایک کو استفادہ و افادہ کی دعوت عام دے رہے تھے۔

اقالیمِ خراسان و ماوراء النہر اور عراق عرب کو جو اربابِ کمال کا مرزبوم تہذیب و تمدن اور علم و عرفان کا سرچشمہ تھیں، مسجدوں، مدرسوں، دانشگاہوں، رباطوں، خانقاہوں کی کثرت اور خزائن

کتب کی فراوانی میں نظیر نہ رکھتی تھیں، علوم و فنون کی نشوونما و ارتقاء میں بھرپور حصہ لے رہی تھیں ان کے ذخائر کتب کے اوراق بنی نوع انسان کی کتابِ زندگی کو سنوارنے میں سرگرم عمل تھے ظلمتکدہِ جہل کو علم کی روشنی سے بقعہ نور بنا رہے تھے کہ تاتاریوں نے ان پر یورش کی اور انہیں زیر و زبر کرتے ہوئے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

ثمّ انقضت تلك البلاد وأهلها　　فكأنّما وكأنّهم أحلام

رافضی وزیر ابن العلقمی کی سازش اور نصیر الدین طوسی کے ایماء سے دار الخلافہ و مرکز علوم و فنون بغداد پر حملہ آور ہوئے اس کے ذخائر کتب کو دجلہ و فرات میں ڈبو کر دریائے خون کا رنگ سیاہ کر دیا (۳۹)۔

تاتاریوں کی اس یورش سے اسلام اور بنی نوع انسان کے ثقافتی مراکز و علمی ذخائر کو جیسا عظیم نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی نہیں کی جاسکتی۔

لمثل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب ایمان واسلام ☆

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ اسلامی تہذیب و تمدن کی عمارت کسی اینٹ گارے سے نہیں بنائی گئی تھی یہ افکار و نظریات پر تعمیر کی گئی تھی، دینی و کتابی تہذیب تھی اور یہ ایک ایسا قیمتی سرمایہ تھا جس کی پھر انہیں بھی قدر کرنی پڑی چنانچہ اس بے پناہ تباہی کے باوجود بغداد سے چار لاکھ (۴،۰۰،۰۰۰) کتابوں کا ذخیرہ مراغہ منتقل کیا گیا اور اس کے خزانہ کتب و رصد گاہ سے ان کے افکار و نظریات میں ایسا انقلاب آیا کہ ایک نئی صدی میں انہیں بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اس شاندار دینی و کتابی تہذیب کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنا پڑا۔ یہ تبدیلی یہ انقلاب اس دینی و کتابی تہذیب اور اس کے ثقافتی ورثہ کی جس کا یہ تحقیقی مقالہ آئینہ دار ہے، عظمت، رفعت، صداقت، دلکشی، سودمندی اور پائیداری کی نہایت روشن دلیل ہے۔ یہ شاندار و درخشاں دینی و کتابی تہذیب سعدی کے حسبِ ذیل شعر کا مصداق ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایان
میرد تشنۂ مستسقی و دریا ہمچنان باقی

دادیم نشان بگنجِ مقصود ترا　　گر ما نہ رسیدیم، تو شاید برسی

فہرست ماخذ

(۱) منّاع القطان، ''القیم الانسانیہ فی الحضارۃ الاسلامیہ اضواء الشریعہ، العدد الرابع (جمادی الاولیٰ، ۱۳۹۳ھ) ص ۳۲۔۳۳

(۲) جے، بی ٹرینڈ "Spain and Portugal" میراث اسلام، ص ۱۳

(۳) الفرڈ گلیوم "Philosophy and Theology" میراث اسلام ص ۳۹۱۔۳۹۲

(۴) جی، سارٹن، مقدمہ تاریخ سائنس Introduction to the Histroy of Science ترجمہ نذیر نیازی (لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء) ج ۱ حصہ ۲، ص ۹۸۳۔۹۸۴

(۵) ارنسٹ بارکر Crusades میراث اسلام، ص ۷۶

(۶) ایضاً، ص ۸۷۔۸۷

(۷) ٹرینڈ ایضاً ص ۴۲

(۸) بیرن کیرا دیوکس، "Astronomy and Mathematics" میراث اسلام، ص ۵۲۶

(۹) ایضاً، ص ۵۲۷۔۵۲۸

(۱۰) تھامس ارنولڈ "Islamic Art and its Influence on Painting in Europe" میراث اسلام، ص ۱۵۲

(۱۱) دیوکس میراث اسلام، ص ۵۲۴۔۵۲۵

(۱۲) گلیوم، میراث اسلام، ص ۳۴۰

(۱۳) سیویو، ص ۳۶۹------ قدری حافظ طوقان، تراث العرب العلمی فی الریاضیات والفلک، ط: ۲ (القاہرہ، دار القلم، ۱۹۶۳ء) ص ۲۵

(۱۴) مز، ج ۱، ص ۲۴۴

(۱۵) بریفالٹ، ص ۳۲۳

(۱۶) الذہبی، ج ۱، ص ۵

(۱۷) چشتی، ص ۱۳۰۔۱۳۱

(۱۸) ابن سعد، ج۵، ص۱۳۳

(۱۹) چشتی، ص۱۲۷

(۲۰) ابنِ کثیر، ج۹، ص۳۴۴

(۲۱) عبداللہ سید، تعلیمی خطبات، ص۵۴۷

(۲۲) یاقوت، ج۷، ص۵

(۲۳) ابن الجوزی، ج۶، ص۳۵۸------ السیوطی، الاتقان، اردو (کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت، کتب، ب، ت) مقدمہ محمد عبدالحلیم چشتی، ص۷۹

(۲۴) السیوطی، تدریب الراوی، ج۱، ص۵۳

(۲۵) ماکس مرہو، "Science and Medicine" میراث اسلام، ص۴۴۴

(۲۶) المسعودی، ج۲، ۴۰۱

(۲۷) عبدالقاہر البغدادی، اصول الدین، ج۱، ص۳۱۰

(۲۸) علی بن ربن الطبری، ص۸

(۲۹) مرہوف، ص۴۴۳

(۳۰) ابن ابی اصیبعہ، ج۱، ص۲۲۲ (المطبعہ الوہبیہ)

(۳۱) احمد عیسیٰ بک، تاریخ البیمارستانات فی الاسلام (دمشق، جمعیتہ التمدن اسلامی، ۱۹۳۹ء) ص۳۴۳-۴۲

(۳۲) ابن الانباری، ص۳۲۴

(۳۳) السیوطی، المزہر، ج۱، ص۹۷

(۳۴) ایضاً

(۳۵) مرہوف، ص۴۸۱

(۳۶) واعظ بلخی، ص۲۳۹

(۳۷) ابنِ تیمیہ، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، (مصر، مطبعۃ النیل، ۱۳۲۳ھ) ج۱، ص۲۲۰-۲۲۱

(۳۸) ایضاً، ج۴، ص۱۰۳ و۱۰۴

(۳۹) المقریزی، السلوک، ج۱، ق۲، ص۴۱۰------ ابن خلدون، جل ۳، ص۵۳۷ ابوالفداء، ج۳، ص۱۹۴------ الصفدی، ج۱، ص۱۷۹، الذہبی، دول الاسلام، ج۲، ص۱۱۹------ سیدیو، ص۱۳۹-۱۴۰

☆ ثمرات و نتائج تحقیق میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے ایک مضمون سے بھی استفادہ کیا گیا ہے

کتابیات

عربی کتب

آغا بزرگ طہرانی، (١٢٢٠ـ ١٢٩٤ھ / ١٨١٠ ـ ١٨٧٧م)

(١) الذریعة الی تصانیف الشیعة، النجف، مطبعة القضاء، ١٣٧٨ھ

الآلوسی، شہاب الدین ابوالثناء محمود بن عبد اللّٰہ الحسینی
(١٢١٧ـ ١٢٧٠ھ / ١٨٠٧ ـ ١٨٥٤م)

(٢) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، مصر، ادارة الطباعة المنیریة، 'ب'، 'ت'۔

الآمدی، ابو القاسم الحسن بن بشر بن یحیی (٠٠ـ ٢٧٠ھ / ٠٠ ـ ٩٨٠م)

(٣) المؤتلف والمختلف، تحقیق عبد الستار فراج، القاهرة، عیسی البابی الحلبی، ١٣٨١ھ

(٤) الموازنة بین شعر ابی تمام والبحتری، تحقیق احمد صقر، مصر، دارلمعارف ١٣٨٠ھ

ابراهیم عبد الطیف۔

(٥) الهدایة الی ضوابط الکتابة، القاهرة، شرکة مرکز کتب الشرق الاوسط، ١٩٧٢م۔

ابن الابار، ابو عبد اللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ بن ابی بکر القضاعی
(٥٩٥ـ٦٥٨ھ/ ١١٩٩ـ١٢٦٠م)

(٦) الحلة السیراء، تحقیق حسین مونس، القاهرة، مطبعةلجنة التالیف والترجمة والنشر، ١٩٦٣م۔

ابن ابی اصیبعة، موفق الدین ابو العباس احمد بن القاسم خزرجی
(٥٩٦ـ٦٦٨ھ / ١٢٠٠ـ١٢٧٠م)

(٧) عیون الانباء فی طبقات الاطباء، بیروت، دارالفکر، ١٣٧٦ـ١٣٧٧ھ، مصر، مطبعة الوهبیة، ١٢٩٩ھ

ابن ابی حاتم الرازی، عبدالرحمٰن بن محمد الحنظلی، (٢٤٠ـ٣٢٧ھ/ ٨٥٤ـ٩٣٨م)

(٨) آداب الشافعی و مناقبہ حدیث و فقہ، فراسة و طب، تاریخ و ادب، لغة و نسبة، تحقیق عبد الغنی عبد الخالق، القاہرة، عزت العطار الحسینی، ١٣٧٢ھ

(٩) تقدمة الجرح والتعدیل، حیدر آباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٧١ھ

(١٠) کتاب الجرح والتعدیل، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٧١ھ

ابن ابی داؤد، عبد اللہ السجستانی، (٢٣٠-٣١٦ھ/٨٤٥-٩٢٩م)

(١١) کتاب المصاحف، تحقیق آرتھر جفری (Aurthur Jeffery) مصر، المطبعة الرحمانیة ١٩٢٦م

ابن ابی الدبیع الشیبانی عبد الرحمٰن بن علی (٨٦٦-٩٤٤ھ / ١٤٦١-١٥٣٧م)

(١٢) تمیز الطیب من الخبیث علی السنة الناس من الحدیث، تحقیق احمد المیسر، بیروت دارالکتب العلمیة، ١٤٩٠ھ

ابن ابی الربیع، شہاب الدین احمد بن محمد (من رجال القرن السادس)

(١٣) سلوک المالک فی تدبیر الممالک، مصر، المطبعة الخاصة جمعیة المعارف المصریة، ١٢٨٦ھ

ابن ابی یعلی، ابو الحسن محمد بن محمد، (٤٥١-٥٢٦ھ/ ١٠٥٩-١١٣١م)

(١٤) طبقات الحنابلة، بتصحیح محمد حامد الفقی، القاہرة، مطبعة السنة المحمدیة، ١٣٧١ھ

ابن الاثیر، ابو الحسن عز الدین علی بن محمد، (٥٥٥-٦٣٠ھ/ ١١٦٠-١٢٣٤م)

(١٥) اسدالغابة فی معرفة الصحابة، مصر، المطبعة الوہبیة، ١٢٨٠م

(١٦) التاریخ الباہر، فی الدولة الاتابکیة، (بالموصل) تحقیق عبد القادر احمد، طلیحات، القاہرة، دارالکتب الحدیثة، ١٩٦٣م

(١٧) الکامل فی التاریخ، بیروت، دار صادر للطباعة والنشر، ١٣٨٥، ١٣٨٧ھ

(١٨) ....، القاہرة، مطبعة الاستقامة، ١٣٥٣ھ

(١٩) اللباب فی تهذیب الانساب، بغداد، مکتبة المثنی، 'ب'، 'ت'،

ابن الاثیر، مجد الدین المبارک بن محمد الجزری، (٥٤٤_٦٠٦ھ/ ١١٥٠_١٢١٠م)

(٢٠) جامع الاصول فی احادیث الرسول، تحقیق عبد القادر الارنا ووط، حلب، مکتبة الحلوانی، ١٣٨٩_ ١٣٩٣ھ

(٢١) النهایة فی غریب الحدیث والاثر، مصر، المبطعة العثمانیة، ١٣١١ھ

ابن الانباری، کمال الدین عبد الرحمٰن بن محمد، (٥١٣_٥٧٧ھ/ ١١١٩_١١٨١م)

(٢٢) نزهة الالباء فی طبقات الادباء، تحقیق ابراهیم السامرائی، بغداد، مطبعة المعارف، ١٩٥٩م

ابن بسام، ابو الحسن علی بن بسام الشنترینی، (٠٠_٥٤٢ھ / ٠٠_ ١١٤٧م)

(٢٣) الذخیرة فی محاسن اهل الجزیرة، القاهرة، مطبعة لجنة التالیف والترجمة والنشر، ١٣٥٨_ ١٣٦٤ھ

ابن بشکوال، خلف بن عبد الملک الخزرجی (٤٩٤_٥٧٨ھ/١١٠١_ ١١٨٣م)

(٢٤) کتاب الصلة، القاهرة، الدار المصریة للتالیف والترجمة، ١٩٦٦م

ابن بکار، زبیر القرشی، (١٧١_ ٢٥٦ھ / ٧٨٨_ ٨٧٠م)

(٢٥) جمهرة نسب قریش و اخبارها، تحقیق محمود محمد شاکر، القاهرة، مطبعة المدنی، ١٣٨١ھ

ابن تغری بردی، جمال الدین یوسف (٨١٣_ ٨٧٤ھ / ١٤١٠_ ١٤٧٠م)

(٢٦) النجوم الزاهرة فی ملوک مصر و القاهرة، القاهرة، مبطعة دارالکتب المصریة، ١٣٤٨_ ١٣٩٠ھ

ابن تیمیة، احمد بن عبد الحلیم الحرانی، (٦٦١_٧٢٨ھ / ١٢٦٣_١٣٢٨م)

(٢٧) الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، مصر، مطبعة النیل، ١٣٢٣ھ

(٢٨) منهاج السنة النبویة فی نقض قول الشیعة والقدریة، مصر، المطبعة

الکبریٰ الامیریة، ١٣٢١ھ

(٢٩) نقض المنطق، تحقیق محمد بن عبد الرزاق حمزة و سلیمان عبد الرحمٰن الصنیع، القاهرة، مطبعة السنة المحمدیة، ١٣٢٠ھ

ابن جبیر، محمد بن احمد، (٥٤٠_٦١٤ھ / ١١٤٥_١٢١٧م)

(٣٠) رحلة ابن جبیر فی مصر و بلاد العرب والعراق والشام و صقلیة عصر الحروب الصلیبیة، تحقیق حسین نصار، مصر، دار مصر للطباعة، ١٣٧٤ھ

(٣١) ایضاً، بیروت، دار صادر للطباعة والنشر، ١٣٧٩ھ

ابن الجزری محمد بن محمد الدمشقی، (٧٥١_٨٣٣ھ/ ١٣٥٠_١٤٢٩م)

(٣٢) غایة النهایة فی طبقات القراء، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٥٧ھ

ابن جلجل، ابو داؤد سلیمان بن حسان (٠٠_٣٧٢ھ / ٠٠_ ٩٨٢م)

(٣٣) طبقات الاطباء والحکماء، تحقیق فواد سید، القاهرة، المعهد الفرنسی، الاثار الشرقیة، ١٩٥٥م۔

ابن جماعة، بدرالدین ابراهیم الکتانی، (٦٣٩_٧٣٣ھ / ١٢٤١_١٣٣٣م)

(٣٤) تذکرة السامع والمتکلم فی آداب العالم و المتعلم، حیدر آباد الدکن، جمعیة دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٠٣ھ

ابن جنی، عثمان (٠٠_ ٣٩٢ھ / ٠٠_ ١٠٠٢م)

(٣٥) الخصائص، تحقیق محمد علی النجار، القاهرة، دارالکتب المصریة، ١٣٧٦ھ

ابن الجوزی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی البکری، (٥١٠_٥٩٧ھ/ ١١١٦_١٢٠١م)

(٣٦) اخبار الاذکیاء، تحقیق محمد موسی الخولی، القاهرة، داراهرام ١٩٧٠م

(٣٧) زاد المسیر فی علم التفسیر، بیروت، المکتبة الاسلامیة للطباعة والنشر، ١٣٨٨ھ

(٣٨) صید الخاطر، تحقیق محمد الغزالی، مصر، دار الکتب الحدیثة، 'ب'، 'ت'

(٣٩) الطب الروحانی، دمشق، مطبعة الترقی، ١٣٤٨ھ

(٤٠) الحلل المتناهیة فی الاحادیث الواهیة، تحقیق ارشاد الحق الاثری،

بیروت، دار الکتب العلمیة، ۱٤۰۳ھ

(٤١) مناقب الامام احمد بن حنبل، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٤٩ھ

(٤٢) مناقب بغداد، تحقیق محمد بهجة الاثری، بغداد، مطبعة دار السلام، ١٣٤٢ھ

(٤٣) کتاب الموضوعات، تحقیق عبد الرحمٰن محمد عثمان، مصر، محمد عبدالمحسن ١٣٨٦ھ

(٤٤) المنتظم فی تاریخ الملوك والامم، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٥٧ـ١٣٥٨ھ

(٤٤)الف المنتظم فی تاریخ الملوك والامم، تحقیق محمد عبدالقادر عطا، بیروت، دارالکتب العلمیة، ١٤١٢ھ

(٤٥) نقد العلماء او تلبیس ابلیس، (ط:٢)، القاهرة، ادارة الطباعة المنیریة، 'ب'، 'ت'

ابن الحبیب محمد الهاشمی، (٠٠ـ٢٤٥ھ / ٠٠ـ٨٦٠م)

(٤٦) کتاب المحبر، حیدر آباد الدکن، مطبعة جمعیة دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٦١ھ

ابن حجر، شهاب الدین ابو الفضل احمد بن علی، (٧٧٣ـ٨٥٢ھ / ١٣٧٢ـ١٤٤٩م)

(٤٧) تبصیر المنتبه بتحریر المشتبه، تحقیق علی محمد البجاوی، مصر، الدارالمصریة، للتالیف و الترجمة، ١٣٤٨ـ ١٣٨٦ھ

(٤٩) توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس، مصر، المطبعة المنیریة، ١٣٠١ھ

(٥٠) تهذیب التهذیب، حیدر آباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة، ١٣٢٥ـ١٣٢٧ھ

(٥١) الرحمة الغیثیة با لترجمة اللیثیة، مصر، المطبعة المنیریة، ١٣٠١ھ

(٥٢) رفع الاصر عن قضاة مصر، تحقیق حامد عبد المجید، محمد المهدی ابو السنة، محمد اسماعیل الصاوی، القاهرة، المطبعة الامیریة، ١٩٧١م

(٥٣) فتح الباری شرح صحیح البخاری، القاهرة، مطبعة مصطفی البابی الحلبی، ١٣٧٨ـ ١٣٨٢ھ

(٥٤) لسان المیزان، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة،

١٣٢٩ھ

(٥٥) نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، بتحشیة محمد عبد اللّٰه التونکی، کانفور، المطبع القیومی، ١٣٤٧ھ

(٥٦) هدی الساری مقدمة فتح الباری، مصر، ادارة الطباعة المنیریة، ١٣٤٧ھ

ابن حزم، ابو محمد علی ابن احمد القرطبی، (٣٨٤ـ٤٥٦ھ / ٩٩٤ـ١٠٦٤م)

(٥٧) الاحکام فی الاصول الاحکام، تحقیق احمد محمد شاکر، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٤٧ھ

(٥٨) التوقیف علی شارع النجاة باختصار الطریق، تحقیق احسان رشید عباس، مصر، مطبعة دارالسنا، ببولاق، 'ب'، 'ت'

(٥٩) جمهرة انساب العرب، تحقیق عبد السلام محمد هارون، مصر، دارالمعارف، ١٣٨٢ھ

(٦٠) رسالة التلخیص لوجوة التخلیص، تحقیق احسان عباس طبعت مع رسالة الرد علی ابن النغریلة الیهودی ورسائل اخریٰ، القاهرة، مکتبة دارالعروبة، ١٣٨٠ھ

ابن حزم و ابن سعید والشقندی

(٦١) فضائل الاندلس واهلها، تحقیق صلاح الدین المنجد، بیروت، دارالکتاب العربی، ١٣٧٤ھ

(٦٢) مراتب العلوم، (المجموعة الاولیٰ)، تحقیق احسان رشید عباس، مصر، مطبعة دارالسنا ببولاق، 'ب'، 'ت'

ابن حنبل الشیبانی، احمد بن محمد (١٦٤ـ٢٤١ھ ـ ٧٨٠ـ٨٥٥م)

(٦٣) المسند، بهامشة، منتخب کنزالعمال للمتقی، مصر، المطبعة المیمنیة، ١٣١٣ھ

ابن حوقل، محمد النصیبی البغدادی، (٠٠ـ٣٦٧ھ / ٠٠ـ٩٧٧م)

(٦٤) کتاب صورة الارض، بیروت، دار مکتبة الحیاة، 'ب'، 'ت'

ابن خالویه، حسین بن احمد الهمدانی، (٠٠ـ٣٧٠ھ / ٠٠ـ٩٨٠م)

(٦٥) کتاب اعراب ثلاثین سورة من القرآن الکریم، القاهرة، مطبعة دارالکتب المصریة، ١٣٦٠ھ

ابن الخطيب، لسان الدين محمد بن عبد الله بن سعيد سليمان الغرناطي (٧١٣-٧٧٦هـ / ١٣١٣- ١٣٧٤م)

(٦٦) الاحاطة في اخبار غرناطة، تحقيق محمد عبد الله عنان، القاهرة، دار المعارف، ١٣٧٥هـ

ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، (٨٣٢- ٨٠٨هـ / ١٣٣٢- ١٤٠٦م)

(٦٧) تاريخ ابن خلدون المسمى (كتاب العبر و ديوان المبتداء و الخبر في ايام العرب و العجم و البربر ومن عاصر هم من ذوى السلطان الاكبر) (ط: ٣)، بيروت دارالكتاب اللبناني، ١٩٥٦- ١٩٦٧م

(٦٩) المقدمة، مصر، مطبعة بولاق، ١٢٨٤هـ

ابن خلكان، شمس الدين احمد بن محمد (٦٠٨-٦٨١هـ/ ١٢١١-١٢٨٢م)

(٧٠) وفيات الاعيان و انباء ابناء الزمان، مصر، المطبعة الميمنية، ١٣١٠هـ

(٧١) وفيات الاعيان، تحقيق احسان عباس، بيروت، دار الثقافة، ١٩٦٩م

ابن خير، ابوبكر محمد الاشبيلي، (٥٠٢-٥٧٥هـ / ١١٠٩- ١١٧٩م)

(٧٢) فهرسة ماروٰاة عن شيوخة من الدواوين المصنفة في ضروب العلم وانواع المعارف، (ط:٣)، القاهرة، موسسة الخانجي، ١٣٨٢هـ

ابن الدبيثي محمد بن سعيد بن محمد الواسطي، (٥٥٨- ٦٣٧هـ/ ١١٦٣-١٢٣٩م)

(٧٣) المختصر المحتاج من تاريخ الحافظ ابي عبد الله ابن الديثي انتقاء محمد بن احمد بن عثمان الذهبي، تحقيق مصطفىٰ جواد، بغداد، مطبعة المعارف، ١٣٧١هـ

ابن درستوية، عبد اللّٰه بن جعفر، (٢٥٨- ٣٤٧هـ / ٨٧٢- ٩٥٨م)

(٧٤) كتاب الكتاب، تحقيق ديويس شيخو، (ط:٢)، بيروت المطبعة الكاثوليكية، ١٩٣٧م

ابن دريد، ابو بكر بن الحسن الازدي، (٢٢٣- ٣٢١هـ / ٨٣٨- ٩٣٣م)

(٧٥) الاشتقاق، تحقيق عبد السلام محمد هارون، القاهرة، مطبعة السنة المحمدية، ١٣٥٨هـ

ابن ربن الطبری، ابو الحسن علی بن سہل، (٠٠_٢٤٧ھ / ٠٠_ ٨٦١م)

(٧٦) الدین والدولة فی اثبات نبوة النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تحقیق، عادل نویہض، بیروت، دارالافاق، ١٩٧٣م

(٧٧) فردوس الحکمة، تحقیق محمد زبیر الصدیقی، برلین، مطبع افتاب، ١٩٢٨م

ابن رجب، زین الدین ابو الفرج، عبد الرحمٰن بن احمد البغدادی، (٧٣٦_٧٩٥ھ / ١٣٣٥_١٣٩٣م)

(٧٨) کتاب الذیل علی طبقات الحنابلة، بتصحیح محمد حامد الفقی، القاہرة، مطبعة السنة المحمدیة، ١٣٧٢م

(٧٩) شرح علل الترمذی، تحقیق صبحی جاسم الحمید، بغداد، مطبعة العانی، ١٣٩٦ھ

(٨٠) القواعد، مصر، مکتبة الخانجی، ١٣٥٢ھ

ابن الزبیر، ابو جعفر احمد

(٨١) القسم الاخیر من کتاب صلة الصلة، الرباط، المطبعة الاقتصادیة، ١٩٣٨م

ابن ساعد، محمد بن ابراہیم السنجاری، (٠٠_٧٤٩ھ / ٠٠_ ١٣٤٨م)

(٨٢) ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد، مصر، مطبعة الموسوعات، ١٣١٨ھ

ابن الساعی، ابو طالب علی بن انجب الخازن، (٥٩٣_٦٧٤ھ / ١١٩٧_١٢٧٥م)

(٨٣) الجامع المختصر فی عنوان التواریخ وعیون السیر، تحقیق مصطفیٰ جواد، بغداد، المطبعة السریانیة الکاثرلیکیة، ١٩٣٤م

(٨٤) نساء الخلفاء المسمی جہات الائمة الخلفاء من الحرائر والاماء، تحقیق مصطفیٰ جواد، مصر، دارالمعارف، 'ب'، 'ت'

ابن سعد، ابو عبد اللہ البصری کاتب الواقدی، (١٦٨_٢٣٠ھ/ ٧٨٤_٨٤٥م)

(٨٥) الطبقات الکبیر، لیدن، مطبعة بریل، ١٣٢٣ھ

(٨٦) ایضاً، بیروت، دار صادر، 'ب'، 'ت'

ان سيد الناس محمد بن محمداليعمرى الاندلسى، (٦٧١_٧٣٤هـ/ ١٢٧٣_١٣٣٤م)

(٨٧) عيون الأثر فى فنون المغازى والشمائل والسير، القاهرة، مكتبة القدسى، ١٣٥٦هـ

ابن سيده، على بن اسماعيل المرسى، (٣٩٨_٤٥٨هـ/ ١٠٠٧_١٠٦٦م)

(٨٨) كتاب المخصص، مصر، المطبعة الكبرىٰ الاميرية، بولاق، ١٣١٦_١٣٢١هـ

ابن سينا، ابو على حسين بن عبد الله البلخى ثم البخارى، (٣٧٠_٤٢٨هـ/ ٩٨٠_١٠٣٧م)

(٨٩) النجاة فى الحكمة المنطقية والطبعية والالهية، (ط:٢)، مصر، مطبعة السعادة، ١٩٣٨م

ابن شداد، محمد بن على بن ابراهيم الحلبى (٦١٣_٦٨٤هـ/ ١٢١٧_١٢٨٥م)

(٩٠) الاعلاق الخطيرة فى ذكر امراء الشام والجزيرة، تحقيق سامى الدهان، دمشق، المعهد الفرنسى، للدراسات العربية، ١٣٧٥هـ

ابن شيبة، ابو يوسف يعقوب البصرى، (١٨٠_٢٦٢هـ/ ٧٩٨_٨٧٥م)

(٩١) مسند عمر بن الخطاب، تحقيق سامى، حداد، بيروت، المطبعة الامريكانية، ١٣٥٩هـ

ابن الصابونى، محمد بن على المحمودى، (٦٠٤_٦٨٠هـ/ ١٢٠٧_١٢٨٢م)

(٩٢) تكملة اكمال الكمال فى الانساب والالقاب، تحقيق مصطفىٰ جواد، بغداد، مطبعة المجمع العلمى العراقى، ١٣٧٧هـ

ابن الصلاح، تقى الدين عثمان بن عبدالرحمٰن الشهرزورى (٥٧٧_٦٤٣هـ/ ١١٨١_١٢٤٥م)

(٩٣) علوم الحديث، تحقيق نور الدين عتر، حلب، مطبعة الاصيل، ١٣٨٦هـ

(٩٤) مقدمة ابن الصلاح و شرحه التقييد ولايضاح، حلب، المطبعة العلمية، ١٣٥٠هـ

ابن الطقطقی، محمد بن علی بن طبا طبا العلوی، (٦٦٠-٧٠٩ھ/ ١٢٦٢-١٣٠٩م)

(٩٥) تاریخ الدول الاسلامیة وھو کتاب الفخری فی الاداب السلطانیة والدول الاسلامیة، بیروت، دار صادر للطباعة والنشر، ١٣٨٠ھ

ابن طولون، محمد الدمشقی الصالحی الحنفی، (١٤٧٥-١٥٤٦م)

(٩٦) الشذرة فی الاحادیث المشتھرة تحقیق کمال بن بسیونی زغلول، بیروت، دارالکتب العلمیة، ١٤١٣ھ

ابن طیفور، احمد الخراسانی، (٢٠٥-٢٨٠ھ/ ٨١٩-٨٩٣م)

(٩٧) کتاب بغداد، القاھرة، عزت العطار الحسینی، ١٣٦٨ھ

ابن عابدین، محمد امین بن عمر، (١١٩٨-١٢٥٢/ ١٧٨٤-١٨٣٦م)

(٩٨) حاشیة رد المحتار شرح تنویر الابصار، (ط:٢)، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٢٨٦ھ

ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللّٰہ القرطبی (٣٦٨-٤٦٣ھ/ ٩٨٧-١٠٧١م)

(٩٩) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، تحقیق علی محمد لبجاوی، مصر، مطبعة النھضة، ١٣٧٠ھ

(١٠٠) الانباہ علی قبائل الرواۃ، یہ کتاب القصد والامم کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

(١٠١) الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الثلاثة الفقھاء، مالک والشافعی وابی حنیفة رضی اللّٰہ عنھم وذکر عیون من اخبارھم واخبار اصحابھم للتعریف بجلالة اقدارھم، مصر، مکتبة القدسی، ١٣٥٠ھ

(١٠٢) جامع بیان العلم و فضله وما ینبغی فی روایته و حمله، مصر، ادارۃ الطباعة المنیریة، "ب.ت"

(١٠٣) القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم، القاھرة، مطبعة السعادة ١٣٥٠ھ

ابن عبد الحق، عبد المؤمن البغدادی، (٦٥٨-٧٣٩ھ/ ١٢٦٠-١٣٣٨م)

(١٠٤) مراصد الاطلاع علی الامکنة والبقاع، تحقیق علی محمد البجاوی، القاھرة، عیسی البابی الحلبی، ١٣٧٣ھ

ابن عبد ربه، احمد بن محمد الاندلسی، (٢٤٦-٣٢٨ھ)

(١٠٥) کتاب العقد الفرید، تحقیق احمد امین، احمد الزین، ابراھیم الابیاری،

القاهرة، مطبعة لجنة التاليف و الترجمة و النشر، ١٣٧٥هـ

ابن العبری، غریغور یوس بن تارون الملطی،(٦٢٣ـ٦٨٥هـ/ ١٢٢٦ـ١٢٨٦م)

(١٠٦) تاریخ مختصر الدول (ط:٢)، بیروت المطبعة الكاثولیكیة، ١٩٥٨م

ابن عذاری المراكشی ابو عبدالله محمد، (٠٠ـ٦٩٥هـ / ٠٠ـ١٥٥٦م)

(١٠٧) البیان المغرب فی اخبار المغرب، بیروت، مكتبة الصادر، ١٩٥٠م

ابن عراق، علی بن محمد الكنانی، (٤٦٨ـ٥٤٣هـ / ١٥٠١ـ١٥٥٦م)

(١٠٨) تنزیه الشریعة المرفوعة من الاخبار الشنیعة الموضوعة، تحقیق عبد الوهاب عبد اللطیف، محمد الصدیق، مصر، مكتبة القاهرة، ١٣٧٥هـ

ابن العربی، محمد بن عبد الله المعافری،(٤٢٨ـ٥٤٣هـ/ ١٠٧٦ـ١١٤٨م)

(١٠٩) احكام القرآن، تحقیق علی محمد البجاوی، (ط:٢)، القاهرة، عیسیٰ البابی الحلبی، ١٣٨٨هـ

ابن عساكر ابو القاسم علی بن الحسن الدمشقی، (٤٩٩ـ٥٧١هـ/ ١١٠٥ـ١١٧٦م)

(١١٠) التاریخ الكبیر، بترتیب تهذیب عبد القادر افندی بدران، دمشق، مطبعة روضة الشام، ١٣٢٩ـ ١٣٥١هـ

(١١١) تاریخ مدینة دمشق، تحقیق صلاح الدین المنجد، دمشق مجمع العلمی العربی، ١٩٥١م

(١١٢) تبیین كذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری، دمشق، مكتبة القدسی، ١٣٤٧هـ

ابن العماد، عبد الحی بن احمد بن محمد الحنبلی، (١٠٣٢ـ١٠٨٩هـ/ ١٦٢٣ـ١٦٧٩م)

(١١٣) شذرات الذهب فی اخبار من ذهب، القاهرة، مكتبة القدسی، ١٣٥٠ـ١٣٥١هـ

ابن الفارس ابو الحسن احمد، (٣٣٩ـ٣٩٥هـ / ٩٤١ـ١٠٠٤م)

(١١٤) معجم مقائیس اللغة، تحقیق عبد السلام محمد هارون، القاهرة، عیسیٰ البابی الحلبی، ١٣٦٦ـ ١٣٧١هـ

(١١٥) الصاحبی فی فقة اللغة وسنن العرب فی کلامها، تحقیق احمد صقر، القاهرة، عیسیٰ البابی الحلبی، ١٩٧٧م۔

ابن فرحون، برهان الدین ابراهیم بن علی بن محمد الیعمری المالکی، (٧١٩-٧٩٩ھ / ١٣١٩-١٣٩٧م)

(١١٦) الدیباج المذهب فی معرفة اعیان علماء المذهب وبها مشة کتاب نیل الابتهاج بطریز الدیباج، مصر، عباس بن عبد السلام بن شقرون، ١٣٥١ھ

ابن الفرضی، ابو الولید عبد اللّٰه بن محمد الازدی، (٣٥١-٤٠٣ھ/ ٩٦٢-١٠١٣م)

(١١٧) تاریخ العلماء و الرواة للعلم بالاندلس بتصحیح عزت العطار الحسینی، القاهرة، مکتبة الخانجی، ١٣٧٣ھ

ابن فضل اللّٰه العمری (٧٠٠-٧٤٩ھ / ١٣٠١-١٣٤٩م)

(١١٨) مسالك الابصار فی ممالك الامصار، تحقیق احمد زکی پاشا، القاهرة، مطبعة دارالکتب المصریة، ١٣٤٢ھ

ابن الفوطی، عبد الرزاق بن احمد البغدادی، (٦٤٢-٧٢٣ھ/ ١٢٤٤-١٣٢٣م)

(١١٩) تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب، دمشق، المطبعة الهاشمیة، ١٩٦٣م

(١٢٠) الحوادث الجامعة والتجارب النافعة فی المئة السابعة، بغداد، المکتبة العربیة ١٣٥١ھ

ابن القارح، علی بن منصور امجلبی

(١٢١) رسالة ابن القارح تحقیق عائشة عبد الرحمٰن بنت الشاطی، (ط:٦)، القاهرة، دارالمعارف ١٣٩٧ھ، رسالة الغفران ابی العلاء المصری کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

ابن قتیبة، عبد اللّٰه بن مسلم الدینوری، (٢١٣-٢٧٦ھ / ٨٢٨-٨٨٩م)

(١٢٢) تاویل مختلف الحدیث فی الرد علی اعداء اهل الحدیث، مصر، مطبعة کردستان العلمیة، ١٣٢٦ھ

(١٢٣) تاویل مشکل القرآن، تحقیق احمد صقر، (ط:٢)، القاهرة، دارالتراث،

١٩٧٣م

(١٢٤) عيون الاخبار، القاهرة، مطبعة دار الكتب المصرية، ١٣٤٣-١٣٤٩هـ
ايضاً، القاهرة، المطبعة الاسلامية، ١٣٥٣هـ

ابن القلانيسى ابو يعلى حمزة بن اسد، (٤٦٤-٥٥٥هـ / ١٠٧٢-١١٦٠م)

(١٢٥) تاريخ ابى يعلى حمزة ابن القلانيسى المعروف بذيل تاريخ دمشق، بيروت، مطبعة الاباء اليسوعين، ١٩٠٨م

ابن القيسرانى محمد بن طاهر، (٤٤٨-٥٠٧هـ / ١٠٥٦-١١١٧م)

(١٢٦) الانساب المتفقة فى المتماثلة فى النقط والضبط، ليدن، اى، جى، بريل، ١٨٦٥م

ابن القيم الجوزية، محمد بن ابى بكر، (٦٤١-٧٠١هـ / ١٢٩٢ - ١٣٥٠م)

(١٢٧) الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية، تحقيق محمد جميل غازى، القاهرة، مطبعة المدنى، ١٣٩٨هـ

ابن كثير، عماد الدين ابو الفداء اسماعيل بن عمر الدمشقى، (٧٠٠-٧٧٤هـ/ ١٣٠١-١٣٧٣م)

(١٢٨) البداية والنهاية، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٥١-١٣٥٨هـ

(١٢٩) تفسير القرآن العظيم، لاهور، سهيل اكيدمى، ١٣٩٣هـ

ابن ماجة، محمد بن يزيد القزوينى، (٢٠٩-٢٧٣هـ / ٨٢٤-٨٨٧م)

(١٣٠) سنن ابن ماجة، تحقيق محمد فواد عبدالباقى، القاهرة، مطبعة عيسى البابى الحلبى، ١٣٧٢هـ

(١٣١) سنن المصطفىٰ بحاشية السندى، مصر، المطبعة التازية، ١٣٤٩هـ

ابن ماكولا ابو نصر على بن هبة الله العجلى (٤٢١-٤٧٥ هـ / ١٠٣٠-١٠٨٢م)

(١٣٢) الاكمال فى رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والكنى والانساب، تحقيق عبد الرحمٰن بن يحيىٰ اليمانى، حيدرآباد الدكن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٨١-١٣٨٤هـ

ابن مطرف الكنانى، ابو عبد الله محمد بن احمد، (٣٨٧-٤٥٤هـ / ٩٩٧-١٠٦٢م)

(١٣٣) القرطين، مصر، مكتبة الخانجى، ١٣٥٥هـ

ابن المعتز، عبد اللّٰہ، (٢٥٧-٢٩٦ھ / ٨٦٣-٩٠٨م)

(١٣٤) طبقات الشعراء فی مدح الخلفاء والوزراء، لیدن، ای، جے، بریل، ١٩٣٩م

(١٣٥) طبقات الشعراء، تحقیق عبد الستار احمد فراج، (ط:٢)، القاهرة، دارالمعارف، ١٩٦٨م

(١٣٦) رسائل ابن المعتز فی النقد والادب والاجتماع، تحقیق محمد عبدالمنعم، خفاجی، مصر، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٣٦٥ھ

ابن مفلح، محمد المقدسی، (٧١٠-٧٦٣ھ / ١٣١٠-١٣٦٢م)

(١٣٧) کتاب الاداب الشرعیة فی المصالح المرعیة، القاهرة، مطبعة المنار، ١٣٤٩ھ

ابن منظور الافریقی، جمال الدین محمد بن مکرم بن علی، ٦٣٠-٧١١ھ / ١٢٣٢-١٣١١م)

(١٣٨) لسان العرب، مصر، المطبعة الکبریٰ الامیریة، بولاق، ١٣٠٠-١٣٠٨ھ

ابن منقذ، اسامة الشیزری، (٨٠٨-٨٨٤ھ / ١٠٩٥-١١٨٨م)

(١٣٩) کتاب الاعتبار، تحقیق فیلپ حتی، برستن، مطبعة جامعة برستن، ١٩٣٠م

ابن الندیم، محمد بن اسحاق الوراق البغدادی، (٠٠-٤٣٨ھ/ ٠٠-١٠٤٧م)

(١٤٠) الفهرست، مصر، مطبعة الرحمانیة، ١٣٤٨ھ

(١٤١) ایضاً، تحقیق فلوجل (Gustav Fugel) (١٢١٧-١٢٨٧ھ / ١٨٠٢-١٨٧٠م) بیروت، مکتبة الخیاط۔

ابن الوردی، ابن عمر بن مظفر المصری، (٦٩١-٧٤٩ھ/ ١٢٩٢-١٣٤٩م)

(١٤٢) تتمة المختصر فی اخبار البشر المعروف بتاریخ ابن الوردی، مصر، المطبعة الوهبیة، ١٢٨٥ھ

(١٤٢) الف ایضاً، تحقیق رضا تجدد، کراچی، کارخانۂ تجارت کتب، ١٩٩٠م

ابن هبل البغدادی، علی بن احمد علی، (٥١٥-٦١٠ھ / ١١٢٢-١٢١٢م)

(١٤٣) کتاب المختارات فی الطب، حیدرآباد الدکن، مطبعة جمعیة دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٦٢ھ

ابن هبة اللّٰه، ابی بکر الحسینی (٠٠_١٠١٤ھ)

(١٤٤) طبقات الشافعیة بغداد، مکتبة العربیة، ١٣٥٦ھ

ابن الهمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد الاسکندری، (٧٩٠_٨٦١ھ/١٣٨٨_١٤٥٧م)

(١٤٥) فتح القدیر للعاجز الفقیر، القاهرة، مصطفیٰ البابی الحلبی۔

ابو البقاء الحسینی الکهنؤی، ایوب بن موسیٰ، (٠٠_ ١٠٩٤ھ/ ٠٠_١٦٨٣م)

(١٤٦) الکلیات، مصر، دار الطباعة القاهرة، ١٢٥٣ھ

ابو البقاء، ابو بکر عبد اللّٰه بن محمد البدری، (٨٤٧_٨٩٤ھ / ١٤٤٣_١٤٨٩م)

(١٤٧) نزهة الشام فی محاسن الشام، مصر، المطبعة السلفیة، ١٣٤١ھ

ابو حیان، علی بن محمد التوحیدی، (٠٠_١٠١٠م / ٠٠_ تقریباً ٤٠٠ھ)

(١٤٨) اخلاق الوزیرین مثالب الوزیزین اخلاق الصاحب ابن عباد و ابن العمید، تحقیق ابراهیم کیلانی، دمشق دار الفکر، ١٩٦١م

(١٤٩) کتاب الامتاع والموانسة، تحقیق احمد امین احمد الزین، بیروت، دار المکتبة الخیاط، 'ب'، 'ت'

ابو حیان محمد بن یوسف، (٦٥٤_٧٤٥ھ / ١٢٥٦_١٣٤٤م)

(١٥٠) البحر المحیط وبهامشه تفسیران احد هما النهر الما د من البحر و ثانیهما الدر الملتقط من البحر المحیط، لاحمد بن محمد بن کلثوم القیسی، المتوفیٰ ٧٤٩ھ، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٢٨ھ

ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، (٢٠٢_٢٧٥ھ / ٨١٧_٨٨٩م)

(١٥١) سنن ابی داؤد، بتصحیح محمود حسن الدیوبندی، دهلی، المطبع المجتبائی، ١٣١٨ھ

ابو زید الانصاری البصری، سعید بن اوس النصاری (١١٩_٢١٥ھ/ ٧٣٧_٨٣٠م)

(١٥٢) کتاب النوادر فی اللغة تحقیق محمد عبد القادر احمد، القاهرة، دار الشروق، (١٤٠١ھ)

ابو السعود، محمد بن محمد مصطفى العمادى الحنفى، (٥٩٩_٦٦٥هـ / ١٤٩٣_١٥٧٤م)

(١٥٣) ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم، مصر، ادارة الطباعة المصرية، ١٢٧٥هـ

ابو شامة، شهاب الدين ابو محمدعبد الرحمٰن بن اسماعيل، (٥٩٩_٦٦٥هـ/ ١٢٠٢_١٢٦٧م)

(١٥٤) تراجم رجال القرنين السادس والسابع المعروف بذيل على الروضتين، بتصحيح محمد زاهد الكوثرى، القاهرة، عزت العطار الحسينى، ١٣٦٦هـ

(١٥٥) كتاب الروضتين فى اخبار الدولتين النورية والصلاحية، تحقيق محمد حلمبى محمد احمد، القاهرة، مطبعة لجنة التاليف والترجمة ولنشر، ١٩٥٦م

ابو الطيب اللغوى، عبد الواحد بن على، (٣٥١هـ)

(١٥٦) مراتب النحويين، تحقيق محمد ابو الفضل ابراهيم، القاهرة، مكتبة نهضة، مصر، ١٣٧٥هـ

ابو عبيد، قاسم بن سلام الهروى، (١٥٧_٢٢٤هـ / ٧٧٤_٨٣٨م)

(١٥٧) غريب الحديث، حيدر آباد الدكن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٨٤_١٣٨٧هـ

ابوالفداء، عمادالدين، اسماعيل بن ايوب، (٦٧٢_٧٣٢هـ / ١٢٧٤_١٣٣١م)

(١٥٨) المختصر فى اخبار البشر، مصر، المطبعة الحسينية المصرية، ١٣٢٥هـ

ابو الفرج، على بن الحسين بن احمد الاصفهانى، (٢٨١_٣٥٦هـ / ٨٩٧_٩٦٧م)

(١٥٩) كتاب الاغانى، القاهرة، مطبعة دار الكتب المصرية، ١٣٧١_ ١٣٨١هـ

(١٦٠) ايضاً تحقيق، ابراهيم الابيارى القاهرة، دارالشعب، ١٣٨٩هـ

ابو الليث نصر بن محمد بن احمد الثمرقندى، (٠٠_٣٩٣هـ / ٠٠_١٠٠٣م)

(١٦١) بستان، بترجمة اردو، دهلى، مطبع فاروق، ١٣٠١هـ

ابو مخرمة عبد اللّٰه الطيب بن عبد اللّٰه بن احمد، (٨٧٠_٩٤٧هـ/ ١٤٦٥_١٥٤٠م)

(١٦٢) تاريخ ثغر عدن مع نخب من تواريخ ابن المجودر والجندى والاهدل، ليدن، مطبعة بريل، ١٩٣٦م

ابو نعيم، احمد بن عبد اللّٰه الاصبهانى، (٣٣٦_٤٣٠هـ / ٩٤٨_١٠٣٨م)

(١٦٣) حلية الاولياء وطبقات الاصفياء، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٥١_١٣٥٧هـ

(١٦٤) كتاب ذكر اخبار اصبهان، ليدن، مطبعة، اى، جى، بريل، ١٩٣١_١٩٣٤م

ابو يوسف القاضى، يعقوب بن ابراهيم الكوفى البغدادى، (١١٣_١٨٢هـ/ ٧٣١_٧٩٨م)

(١٦٥) اختلاف ابى حنيفة و ابن ابى ليلىٰ، تحقيق ابى الوفاء الافغانى، مصر، لجنة احياء المعارف النعمانية، ١٣٥٨هـ

(١٦٦) الرد على سير الاوزاعى، تحقيق ابى الوفاء الافغانى، مصر، لجنة احياء المعارف النعمانية، حيدرآباد الدكن، ١٣٥٧هـ

احمد امين بك مصرى، (٠٠_١٣٠٠هـ / ٠٠_١٩٣٦م)

(١٦٧) ضحى الاسلام، (ط:٥)، القاهرة، مطبعة لجنة التاليف والترجمة و النشر، ١٣٧١هـ

(١٦٨) ظهر الاسلام، (ط:٣)، القاهرة، مطبعة لجنة التاليف والترجمة و النشر، ١٣٦٤_١٣٧٣هـ

احمد عيسىٰ بك، معجم الاطباء، مصر، مطبعة فتح اللّٰه الياس نورى، ١٣٦١هـ

(١٦٩) تاريخ البيمارستانات فى الاسلام، دمشق، جمعية التمدن الاسلامى، ١٣٥٧هـ

احمد محمد شاكر، (١٣٠٩_١٣٧٧هـ/ ١٨٩٢_١٩٠٨م)

(١٧٠) الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث للحافظ ابن كثير، (ط:٣)، مطبعة محمد على صبيح، ١٣٧٠هـ

احمد نگری، عبد النبی بن عبد الرسول العثمانی

(١٧١) جامع العلوم الملقب بدستور العلماء، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة، ١٣٢٩ھ

اخوان الصفاء،

(١٧٢) رسائل اخوان الصفاء و خلان الوفاء، تحقیق خیر الدین الزرکلی، بیروت، دارالطباعة و النشر، ١٩٥٢م

الاربلی، عبد الرحمٰن سنبط فسنیتو (٦٤٠_٧١٧ھ / ١٢٤٢_١٣١٧م)

(١٧٣) خلاصة الذهب المسبوك من مختصر سیر ة الملوك، بغداد، مکتبة المثنی، ١٩٦٤م

الارزنجانی، اویس وفاء بن محمد، (بعد١٣٢٧/ ...... بعد١٩٠٩م)

(١٧٤) منهاج الیقین شرح ادب الدنیا و الدین، آستانة، محمود بك، مطبعة قدسی، ١٣٢٨ھ

الازدی، عبدالغنی بن سعید (٣٣٢_٤٠٩ھ/ ٩٤٤_١٠١٨م)

(١٧٥) کتاب المؤتلف و المختلف فی اسماء نقلة الحدیث، اله آباد، مطبع انوار احمدی، ١٣٢٧ھ

الازهری، محمد بن احمد، (٢٨٢_٣٧٠ھ / ٨٩٥_٩٨٠م)

(١٧٦) تهذیب اللغة، تحقیق عبد السلام محمد هارون، القاهرة، دارالقومیة العربیة للطباعة، ١٣٨٤ھ

استرنج 'لی'

(١٧٧) بغداد فی عهد الخلافة العباسیة، بغداد، المطبعة العربیة، ١٩٣٦م

اسماعیل بن محمد امین پاشا (٠٠_١٣٣٩ھ / ٠٠_١٩٢٠م)

(١٧٨) هدیة العارفین اسماء المولفین و آثار المصنفین، استنبول، مطبعة المعارف، ١٩٥١م

اسماعیل محمد هاشم

(١٧٩) المقومات الثقافیة للمجتمع العربی، بیروت، دارالنهضة العربیة، ١٩٦٥م

الاسنوی، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن، (٧٠٤_٧٧٢ھ / ١٢٠٥_ ١٣٠٧م)

(١٨٠) طبقات الشافعية، تحقيق عبد الله الجبورى، بغداد، مطبعة الارشاد، ١٣٩٠ـ١٣٩١هـ

الاصطخرى، ابو اسحاق ابراهيم بن محمد الكرخى، (٠٠ـ٣٤٦هـ / ٠٠ـ ٩٥٧م)

(١٨١) المسالك والمالك تحقيق محمد جابر عبد العال الحسينى، القاهرة، وزارة الثقافة والارشاد القومى، ١٣٨١هـ

الالبانى، محمد ناصر الدين

(١٨٢) سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة واثرها السيئى فى الامة، (ط:٣)، دمشق، المكتب الاسلامى، ١٣٨٤هـ

الياس الطون، (١٢٩٤ـ١٣٧١هـ / ١٨٧٧ـ١٩٥٣م)

(١٨٣) القاموس العصرى، انكليزى، عربى، (ط:١)، الياس مادرن پريس، ١٩٥٦م

امير الحجاج، محمد بن محمد الفاسى، (٨٢٤ـ٨٧٩هـ / ١٤٢٢ـ١٤٧٤م)

(١٨٤) المدخل، مصر، مطبعة مصطفىٰ البابى الحلبى، ١٩٦٠م

الامير الصنعانى، محمد بن اسماعيل، (١٠٩٩ـ١١٨٢هـ / ١٦٨٨ـ١٧٦٥م)

(١٨٥) توضيح الافكار لمعانى تنقيح الانظار، تحقيق محمد محى الدين عبد الحميد، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٦٦هـ

الانصارى، زكريا بن محمد، (٨٢٦ـ٩٢٦هـ / ١٤٢٣ـ١٥٢٠م)

(١٨٦) فتح الباقى على القية العراقى، تحقيق محمد بن الحسين العراقى، طبع مع شرح الفية العراقى المسماة بالتبصرة والتذكرة، فاس، المطبعة الجديدة، ١٣٥٤هـ

نيس فريحة

(١٨٧) الخط العربى، نشأتة و شكلة، بيروت، فواد بيبان و شركاة، ١٩٦١م

لاهوانى، محمد فواد

(١٨٨) الكندى فليسوف العرب، القاهرة، موسسة العصرية العامة للطباعة النشر.

'ب'،'ت'

الباخرزی، ابو الحسن علی بن الحسن الشافعی، (٠٠_٤٦٧هـ / ٠٠_١٠٧٥م)

(١٨٩) دمية القصر و عصرة اهل العصر، حلب، المطبعة العلمية، ١٣٤٨هـ

الباقلانی، ابو بکر محمد بن الطیب بن محمد (٣٣٨_ ٤٠٢هـ/ ٩٥٠_١٠٢٣م)

(١٩٠) نکت الانتصار لنقل القرآن، تحقیق محمد زغلول سلام، الاسکندرية، منشاة المعارف، ١٩٧١م

البخاری، ابو عبد اللّٰه محمد بن اسماعیل الجعفی، (١٩٤_٢٥٦هـ/ ٨١٠_٨٧٠م)

(١٩١) الادب المفرد، القاهرة، ولی الدین الخطیب، ١٣٧٩هـ

(١٩٢) التاریخ الکبیر، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٦١هـ

(١٩٣) صحیح البخاری، بحواشی احمد علی السهارنبوری؛ لکهنؤ، المطبع المصطفائی، ١٣٠٧هـ

بدری، محمد فهدی،

(١٩٤) العامة ببغداد، فی القرن الخامس الهجری، بحث تاریخی فی الحیاة الاجتماعية لجماهیر بغداد، مطبعة الارشاد، ١٣٨٧هـ

بدیع اتابك، منتخب الدین

(١٩٥) کتاب عتبة الکتبة، مجموعة مراسلات دیوان سلطان سنجر، طهران، شرك سهامی، ١٣٢٩، 'ف'

بدیع الزمان احمد بن امین الهمدانی، (٣٥٨_ ٣٩٨هـ / ٩٦٩_١٠٠٨م)

(١٩٦) رسائل بدیع الزمان الهمدانی، (ط:٣)، القاهرة، مطبعة هندية، ١٣٤٩هـ

البدیعی، یوسف، (٠٠_١٠٧٣هـ / ٠٠_١٦٦٢م)

(١٩٧) الصبح المنبی عن حیثية المتنبی، تحقیق مصطفیٰ السقا محمد شتا، عبده زیاده عبده، القاهرة، د لمعارف، ١٩٦٣م

البستانی، فواد، افرام

(١٩٨) دائرة المعارف قاموس عام لكل فن و مطب، بيروت، 'ب'، 'ت'، ١٩٥٦_١٩٦٩م (همزة ارثملين)

البستى، ابو حاتم محمد ابن حبان، (٢٧٠_٣٥٤هـ / ٨٨٧_٩٦٥م)

(١٩٩) كتاب مشاهير علماء الامصار، تحقيق م، فلاشهمر، القاهرة، مطبعة التاليف و الترجمة و النشر، ١٣٧٩هـ

البصرى، على بن ابى الفرج (٠٠_٦٥٦هـ)

(٢٠٠) كتاب الحماسة البصرى، تحقيق عادل جمال سليمان، القاهرة، المجلس الاعلىٰ للشئون الاسلامية، ١٩٧٨م

البغدادى، عبد القاهر بن طاهر الشافعى، (٠٠_٤٢٩هـ / ٠٠_١٠٣٨م)

(٢٠١) اصول الدين، الستانبول، مطبعة الدولة، ١٣٤٦هـ

(٢٠٢) الفرق بين الفرق و بيان الفرقة الناجية منهم، تحقيق محمد زاهد الكوثرى، القاهر، عزت العطار الحسينى، ١٣٦٧هـ

البغوى، الحسين بن مسعود الفراء، (٠٠_٥١٦هـ / ٠٠_١٠٢٢م)

(٢٠٣) شرح السنة، تحقيق شعيب الارناو و ط و محمد زهير الشاويش، دمشق، المكتب الاسلامى، ١٣٩٠هـ

البكرى، ابو عبد الله بن عبد العزيز، (٤٣٢_٤٨٧هـ / ١٠٤٠_١٠٩٤م)

(٢٠٤) معجم ما استعجم من اسماء البلاد و المواضع، تحقيق مصطفىٰ السقا، القاهرة، مطبعة التاليف و الترجمة و النشر، ١٣٢٦هـ

البلاذرى، احمد بن يحى بن جابر (٠٠_٢٧٩ هـ / ٠٠_٨٩٢ م)

(٢٠٥) فتوح البلدان، تحقيق عبد اللّٰه انيس الطباع، عمر انيس الطباع، بيروت دار النشر للجامعين، ١٣٧٧هـ

البغدادى، فتح بن على صبهانى، (٥٨٦_٦٤٣ هـ / ١١٩٠_١٢٤٥م)

(٢٠٦) الشاهنامة للفردوسى ترجمها نثراً البندارى، تحقيق عبد الوهاب عزام، القاهرة، مطبعة دار الكتب المصرية، ١٩٣٢م

(٢٠٧) كتاب تاريخ دولة آل سلجوق، مصر، مطبعة الموسوعات، ١٣١٨هـ

البيرونى، ابو ريحان محمد بن احمد الخوارزمى، (٣٦٢_٤٤٠هـ / ٩٧٣_١٠٤٨م)

(٢٠٨) الأثار الباقية عن القرون الخالية، تحقيق سخاو (Sachau) ليبزك، اوتو

هاروسو، (Otto Harrassov)، ١٩٢٣م

(٢٠٩) الجماهر فی معرفة الجواهر، حیدر آباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ١٩٣٦م / ١٣٥٥هـ

(٢١٠) کتاب البیرونی فی تحقیق ما للهنّد من مقولة فی العقل او مزدولة، حیدر آباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٧٧هـ

البیهقی، ابراهیم بن محمد (٠٠_بعد ٣٢٠هـ / ٠٠_ بعد ٩٣٢م)

(٢١١) المحاسن والمساوی، لبیسك، مطبعة غلیوم در دغولین، ١٣١٨هـ

البیهقی، ابوبکر احمد بن الحسین، (٣٨٤_٤٥٨هـ / ٩٩٤_١٠٦٦م)

(٢١٢) مناقب الشافعی، تحقیق احمد صقر، القاهرة، مکتبة دار التراث، ١٣٩١هـ

البیهقی، ظهیرالدین ابو الحسن علی بن ابی القاسم زید، (٤٩٩_٥٦٥هـ/ ١١٠٦_١١٤٢م)

(٢١٣) کتاب تتمة صوان الحکمة، تحقیق محمد شفیع، لاهور، بنجاب یونیورسٹی، ١٣٥١هـ

التجانی، عبد الله بن محمد بن احمد التجانی

(٢١٤) الرحلة التجانی، تحقیق حسن حسنی عبد الوهاب، تونس، المطبعة الرسمیة ١٣٧٧هـ

الترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ بن سورة (٢١٠_٢٧٩هـ / ٨٢٥_٨٩٢م)

(٢١٥) صحیح الترمذی بشرح الامام ابی بکر العربی المالکی، مصر، مطبعة الصاوی، ١٣٥٣هـ

(٢١٦) الجامع الصحیح وهو سنن الترمذی، تحقیق ابراهیم عطوه عوض، مصر، مصطفیٰ البابی، الحلبی، ١٣٥٨هـ

(٢١٧) سنن الترمذی، بتحشیة احمد السهارنبوری، تصحیح مملوك العلیٰ، دهلی، مطبع العلوم ١٢٦٥هـ

(٢١٨) تعریف قدماء لأبی العلاء، القاهرة، دارالکتب، المصریة، ١٣٦٣هـ

التفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر (٧١٢_٧٩٣هـ / ١٣١٢_١٣٩٠م)

(٢١٩) شرح المقاصد، آستانة، محرم افندی، ١٣٠٥هـ

(٢٢٠) مجموعة تحفة شاهجهانی، شرح تهذیب، کانبور، مطبع نظامی، ١٣١٢ھ

التمیمی، عبد القادر الغزی (١٠١ھ)

(٢٢١) الطبقات السنة فی تراجم الحنفیة، تحقیق عبد الفتاح محمد علی، القاهرة، المجلس الاعلیٰ لشئون الاسلامیة، ١٣٩٥ھ

التهانوی، محمد اعلیٰ بن علی، (٠٠_١١٥٨ھ / ٠٠_١٧٤٥م)

(٢٢٢) کتاب کشاف اصطلاحات الفنون، کلکته ، ایشیاٹك سوسائیٹی آف بنجال، ١٨٦٢م

تیمور پاشا احمد، (١٢٨٨_١٣٤٨ھ / ١٨٧١_١٩٣٠م)

(٢٢٣) المذاهب الفقهیة الاربعة الحنفی، المالکی، الشافعی، الحنبلی و انتشارها عند جمهور المسلمین مع دراسة تحلیلیة لابی زهرة، القاهرة، لجنة نشر المولفات التیموریة، 'ب'،'ت'

الثعالبی، ابو منصور عبد المالك بن محمد افنیسابوری، (٣٥٠_٤٢٩ھ / ٩٦١_١٠٣٨م)

(٢٢٤) تتمة الیتیمة، طهران، مطبعة فروین، ١٣٥٣ ف

(٢٢٥) ثمار القلوب فی المضاف و المنسوب، تحقیق محمد ابو الفضل ابراهیم، القاهرة، مطبعة المدنی، ١٣٨٤ھ

(٢٢٦) سحر البلاغة و سرالبراعة، دمشق، مطبعة الترقی، ١٣٥٠ھ

(٢٢٧) فقة اللغة و سرالعربیة، تحقیق مصطفیٰ السقا ابراهیم الابیاری، عبد الحفیظ شلبی، (ط:٢)، مصر، مطبعة مصطفیٰ البانی، ١٣٧٣ھ

(٢٢٨) لطائف المعارف، تحقیق ابراهیم الابیاری، حسن کامل الصیرفی، مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ١٣٧٠ھ

(٢٢٩) یتیمة الدهر فی محاسن اهل العصر، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید القاهره، مطبعة حجازی، ١٣٦٦ھ

جابر بن حیان بن عبد الله الکوفی، (٠٠_٢٠٠ھ / ٠٠_٨١٥م)

(٢٣٠) الحدود المختارات من رسائل جابر بن حیان، تحقیق کراویس، القاهرة، ......، ١٣٥٤ھ

الجاحظ، ابو عثمان، عمرو بن بحربن محبوب الکنانی البصری (١٥٠_٢٥٥

هـ / ٧٦٧_٨٦٩م)

(٢٣١) رسالة الجد و الهزل، تحقيق عبد السلام محمد هارون، القاهرة، مكتبة الخا نجى، ١٣٨٤هـ

(٢٣٢) رسائل الجاحظ، تحقيق عبدالسلام هارون، القاهره، مكتبة الخا نجى، ١٣٨٤هـ

(٢٣٣) كتاب التاج فى اخلاق الملوك، تحقيق احمد زكى پاشا، القاهرة، المطبعة الاميرية، ١٣٢٢هـ

(٢٣٤) كتاب الحيوان، تحقيق عبد السلام محمد هارون، مصر، مكتبة مصطفىٰ البابى الحلبى، ١٣٥٦_١٣٦٤هـ

(٢٣٥) المحاسن والاضداد، بيروت، دارمكتبة العرفان، 'ب'، 'ت'

(٢٣٦) موجز المحاسن و الاضداد، القاهرة، دار الهلال، 'ب'، 'ت'

جامعة دمشق

(٢٣٧) الحلقة الدراسية للخدمات المكتبة، والوراقية، الببليو غرافيا، والتوثيق والمخطوطات العربية والوثائق القومية، دمشق، مطبعة جامعة دمشق، ١٣٩٢هـ

(٢٣٨) المحاضرات العامة خلال العام الجامعى، ١٩٦٠_١٩٦١م، دمشق، مطبعة جامعة دمشق، ١٩٦٢م

(٢٣٩) محاضرات المجمع العلمى دمشق، مطبعة المجمع العلمى، ١٩٢١م

الجرجانى، السيد الشريف على، (٧٤٠_٨١٦هـ / ١٣٣٩_١٤١٣م)

(٢٤٠) كتاب التعريفات، بيروت، مكتبة لبنان، ١٩٦٩م

ابو الحسن، على بن عبد العزيز، (٠٠_٣٩٣هـ / ٠٠_١٠٠٢م)

(٢٤١) ابو ساطة بين المتنبى و خصوصة، تحقيق محمد ابو الفضل ابراهيم على محمد البجاوى، القاهرة، مطبعة عيسىٰ البابى الحلبى، ١٣٦٦_١٣٨٦هـ

الجصاص، احمد بن على، (٣٠٥_٣٧٠هـ / ٩١٨_٩٨١م)

(٢٤٢) احكام القرآن، آستانة، مطبعة الاوقاف، ١٣٢٥هـ

الجعدى، عمر بن على بن سمرة (٥٤٧_٥٨٦هـ / ١١٥٢_١١٩٠م)

(٢٤٣) طبقات فقهاء اليمن، تحقيق فواد سيد، القاهرة، مطبعة السنة المحمدية،

١٩٥٧م

جلال موسیٰ

(٢٤٤) منهج البحث العلمي عند العرب في مجال العلوم الطبعية والكونية، بیروت، دارالکتاب، اللبنانی، 'ب'،'ت'

الجمحی، محمد بن سلام (١٥٠_٢٣٢هـ / ٧٦٧ _ ٨٤٦م)

(٢٤٥) طبقات الشعراء، لیدن، مطبعة بریل، ١٩١٣م

الجمیلی، رشید

(٢٤٦) دولة الاتابكة فی الموصل بعد عماد الدین زنگی، ٥٤١_٦٣١هـ، بغداد، دارالنهضة العربیة، ١٩٧٠م

جواد علی

(٢٤٧) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، بیروت، دارالعلم للملایین، ١٩٦٨م

الجوالیقی، موهوب بن احمد(٤٦٥_٥٤٠هـ / ١٠٧٢_١١٤٥م)

(٢٤٨) المعرب من الكلام الاعجمی علی حروف المعجم، تحقیق احمد محمد شاكر، القاهرة، مطبعة دارالكتب المصریة، ١٣٦١هـ

الجوهری، اسماعیل بن حماد (٠٠_٣٩٣هـ / ٠٠_١٠٠٣م)

(٢٤٩) تاج اللغة وصحاح العربیة، تحقیق احمد عبد الغفور عطار، مصر، دارالكتاب العربی، ١٣٧٧هـ

حاجی خلیفة مصطفیٰ بن عبد اللّٰه الشهیر بكاتب چلپی (١٠١٧_١٠٦٧هـ/ ١٦٠٩_١٦٥٧م)

(٢٥٠) كشف الظنون عن اسامی الكتب والفنون، استانبول، مطبعة وكالة المعارف الجلیلة، ١٣٦٠هـ

الحاكم ابو عبد اللّٰه محمدبن عبد اللّٰه النیشاپوری، (٣٢١_٤٠٥هـ / ٩٣٣_١٠١٤م)

(٢٥١) تاریخ نیشا پور تلخیص احمد بن محمد المعروف بالخلیفة النیشاپوری، تهران، كتابخانة ابن سینا، ١٣٣٧هـ

(٢٥٢) كتاب المدخل فی اصول الحدیث، حلب المطبعة العلمیة، ١٣٥١هـ

(٢٥٣) المستدرك على الصحيحين، الرياض، مكتبة النصر الحديث، 'ب'، 'ت'

(٢٥٤) معرفة علوم الحديث، تحقيق معظم حسين، القاهرة، مطبعة دارالكتب المصرية، ١٩٣٧م

الحجازى ابو محمد وغيره

(٢٥٥) المغرب في حلي المغرب، تحقيق شوقي ضيف، مصر

الحربى، ابراهيم بن اسحاق، (١٩٨_٢٨٥ هـ / ٨١٤_٨٩٨م)

(٢٥٦) كتاب المناسك و اماكن طرق الحج و معالم الجزيرة، تحقيق حمد الجاسر، الرياض، دار اليمامة للبحث و الترجمة و النشر، ١٣٨٩هـ

الحريرى، قاسم بن على، (٤٤٦_٥١٦هـ / ١٠٥٤_١١٢٧م)

(٢٥٧) المقامات الادبية، مصر، مطبعة مصطفى البابى الحلبى، ١٣٣٨هـ

حسن ابراهيم حسن (١٣١٠_١٣٨٨هـ / ١٠٥٤_١١٢٧م)

(٢٥٨) تاريخ الدولة الفاطمية، (ط:٢)، القاهرة، مكتبة النهضة المصرية، ١٩٥٨م

حسن پاشا

(٢٥٩) الفنون الاسلامية و الوظائف على الاثار العربية، القاهرة، دارالنهضة العربية، ١٩٦٥_١٩٦٦م

حسن احمد محمود

(٢٦٠) قيام دولة المرابطين، صفحة مشرقة من تاريخ المغرب فى العصور الوسطى، القاهرة، مكتبة النهضة المصرية، ١٩٠٧م

الحسنى، عبد الحى بن فخر الدين الكهنوى، (١٢٨٦_١٣٤١هـ)

(٢٦١) نزهة الخواطر و بهجة المسامع و النواظر، حيدرآباد الدكن، مطبعة دائرة المعارف العثمانية، ١٣٦٦_١٣٩٦هـ

حسين بن يوسف موسى و عبد الفتاح الصعيدى

(٢٦٢) الافصاح فى فقة اللغة، (ط:٣)، القاهرة، دارالفكر العربى، ١٣٨٧هـ

حماده، 'محمد ماهر'

(٢٦٣) المكتبات فى الاسلام نشاتها وتطورها، ومصائرها، بيروت، موسسة الرسالة، ١٩٧٠م

الحميدى، ابو عبد الله محمد بن فتوح بن عبد الله (٤٢٠_٤٨٨ /

١٠٢٩_١٠٩٥م)

(٢٦٤) جذوة المقتبس فى ذكر ولاة الاندلس واسمام رواة الحديث واهل الفقة والادب وذوى النباهة والشعر، تحقيق محمد بن تاويت الطنجى، القاهرة، مكتب نشر الثقافة الاسلامية، ١٣٧٢هـ

الحوت، محمد بن ادريس البيروتى، (٠٠_١٢٧٦هـ / ٠٠_١٨٥٩م)

(٢٦٥) اسنى المطالب فى احاديث مختلفة المراتب، تحقيق عبد الحليل صالح بن سليمان، مصر، المكتبة التجارية الكبرى، ١٣٥٥هـ

الخانجى، محمد امين، (١٢٨٢_١٣٥٨هـ / ١٨٦٥_١٩٣٩م)

(٢٦٦) منجم العمران فى المستدرك على معجم البلدان، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٢٥هـ

الخطيب، ابو بكر احمد بن على البغدادى، (٣٩٢_٤٦٣هـ / ١٠٠٢_١٠٧١م)

(٢٦٧) تاريخ بغداد مدينة الاسلام، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٤٩هـ

(٢٦٨) تقييد العلم، تحقيق يوسف العش، دمشق، المعهد الفرنسى، ١٩٤٩م

(٢٦٩) الفقيه والمتفقه، تحقيق اسماعيل الانصارى، بيروت، دار احياء السنة النبوية، ١٣٩٥هـ

(٢٧٠) الكفاية فى علوم الرواية، حيدرآباد الدكن، مطبعة جمعية دائرة المعارف العثمانية، ١٣٥٧هـ

(٢٧١) كتاب موضح اوهام الجمع والتفريق، حيدرآباد الدكن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٧٨هـ

الخطيب العمرى، ياسين و خير اللّٰه

(٢٧٢) منحة الادباء فى تاريخ الموصل الحدماء، الموصل تحقيق سعيد الموصلى ديوة جى، ١٩٥٥م

الخفاجى، شهاب الدين احمد بن محمد المصرى، (٩٧٧_١٠٦٩هـ / ١٥٦٩_١٦٥٩م)

(٢٧٣) شفاء الغليل فيما فى كلام العرب من الدخيل، تحقيق محمد عبد المنعم خفاجى، مصر، المطبعة المنيرية،، ١٣٧١هـ

الخوارزمى، محمد بن احمد يوسف الكاتب، (٠٠_٣٨٧هـ / ٠٠_٩٩٧م)

(٢٧٤) مفاتيح العلوم، مصر، مطبعة الشرق، ١٣٤٢هـ

الخوارزمی ابو عبد اللّٰه محمد بن موسیٰ، (٠٠ـ٣٣٥هـ / ٠٠ـ٨٥٠م)

(٢٧٥) كتاب الجبر و المقابلة، تحقيق علي مصطفیٰ شرفة و محمد سری احم (ط:٢)، القاهرة، دارالكاتب الغربی، ١٣٦٨هـ

الخوارزمی ابو بكر محمد بن العباس، (٣٢٣ـ٣٨٣هـ / ٩٣٥ـ٩٩٣م)

(٢٧٦) رسائل ابی بكر الخوارزمی، بيروت، دار مكتبة الحياة، ١٩٧٠م

الخوانساری، محمد باقر الموسوی الاصفهانی، (١٢٢٦ـ١٣١٣هـ ١٨١١ـ١٨٩٥م)

(٢٧٧) روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات، تحقيق محمد علی وضاتی، دارالكتب الاسلامية، ١٣١٩هـ

(٢٧٨) دائرة المعارف الاسلامية، تهران، انتشارات جهان، 'ب'،'ت'

الدارمی، عبد اللّٰه بن عبد الرحمٰن، (١٨١ـ٢٥٥هـ / ٧٩٧ـ٨٦٩م)

(٢٧٩) سنن الدارمی، دمشق، مطبعة الاعتدال، ١٢٤٩هـ

الدانی، ابو عمرو عثمان بن سعيد القرطبی، (٣٧١ـ٤٤٤هـ ٩٨١ـ١٠٥٢م)

(٢٨٠) الحكم فی النقط، تحقيق عزة حسن، دمشق وزارة الثقافة ، الارشادالقومی، ١٣٧٩هـ

الداؤدی، احمد بن علی ، (٠٠ـ٨٣٨هـ / ٠٠ـ١٤٤٤م)

(٢٨١) عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب، تحقيق نزار رضا، بيرو دارالكتب الحياة، ١٣٥٨هـ

الداؤدی محمد بن علی (٠٠ـ٩٤٥هـ/٠٠ـ١٥٣٨م)

(٢٨٢) طبقات المفسرين، بيروت، دارالكتب العلمية، 'د'،'ت'

الدباغ، عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللّٰه الانصاری، (٠٠ـ٦٩٦هـ)

(٢٨٣) معالم الايمان فی معرفة اهل القيروان، تونس، ١٣٢٠هـ

دروزه، محمد عزت

(٢٨٤) العرب والعروبة، دمشق، داريقظة العربية، ١٩٥٩هـ

الدلجی، شهاب الدين احمد بن علی، (٠٠ـ٨٣٨هـ / ٠٠ـ١٤٣٥م)

(٢٨٥) الفلاكة والمفلوكون، النجف، مطبعة الآداب، ١٣٨٥هـ

لدهلوى، عبد الحق بن سيف الدين، (٩٨٥-١٠٥٢هـ / ١٥٥٢-١٦٤٢م)

(٢٨٦) لمعات التفقيح فى شرح مشكاة المصابيح، لاهور، مكتبة المعارف العلمية، ١٣٩٠هـ

الديلمى، شيروية بن شهردار، (٣٤٠-٣٧٩هـ / ٩٥١-٩٨٩م)

(٢٨٧) الفردوس بماثور الخطاب، بيروت، دارالكتب العلمية، ١٤٠٦هـ

الذهبى، شمس الدين ابو عبد اللّٰہ محمد بن احمد بن عثمان (٦٧٣-٧٤٨هـ / ١٢٧٤-١٣٤٨م)

(٢٨٨) تاريخ الاسلام وطبقات المشاهير والاعلام، القاهره، مكتبة القدسى، ١٣٦٧هـ

(٢٨٩) تذكرة الحفاظ، (ط:٣)، الهند، مبطعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٧٥-١٣٧٧هـ

(٢٩٠) ترجمة الامام احمد من تاريخ الاسلام، تحقيق احمد محمد شاكر، القاهرة، دارالمعارف للطباعة والنشر، ١٣٦٥هـ

(٢٩١) دول الاسلام، (ط:٢)، حيدرآباد الدكن، مطبعة جمعية دائرة المعارف العثمانية، ١٣٦٤هـ

(٢٩٢) العبر فى خبر من غبر، تحقيق صلاح الدين المنجد، الكويت، مطبعة حكومة الكويت، ١٩٦٠-١٩٦٦م

(٢٩٣) معرفة القرام الكبار على الطبقات و الاعصار، تحقيق محمد سيد جاد الحق، القاهرة، دارالكتب الحديثة، ١٩٦٩م

(٢٩٤) مناقب الامام ابى حنيفة و صاحبية ابى يوسف و محمد بن الحسن، تحقيق محمد زاهد الكوثرى، و ابى الوفاء الافغانى، مصر، لجنة احياء المعارف النعمانية، ١٣٦٦هـ

(٢٩٥) ميزان الاعتدال فى نقد الرجال، تحقيق على محمد البجاوى، مصر، عيسىٰ البابى الحلبى، ١٣٨٢هـ

الرازى، فخر الدين محمد بن عمر (٥٤٣-٦٠٦هـ / ١١٤٩-١٢١٠م)

(٢٩٦) التفسير الكبير (لمسمىٰ بمفاتيح الغيب)، مصر، المطبعة البهية المصرية، 'ب'،'ت'

(٢٩٧) مناظرات فخر الدین الرازی فی بلاد ماوراء النهر، تحقیق فتح الله الحلیف، بیروت، دار المشرق، ١٩٦٦م

الرازی، محمد بن زکریا، (٣١٣ـ٢٥٠هـ)

(٢٩٨) اخلاق الطبیب، تحقیق عبد اللطیف محمد العبد، القاهرة، مکتبة النهضة العربیة، ١٤٠٢هـ، یہ رسالہ، رسائل التراث العربی الاسلامی کے ساتھ طبع کیا گیا۔

الراغب، ابو القاسم حسین بن محمد الاصفهانی، (٠٠ـ٥٠٢هـ / ٠٠ـ١١٠٨م)

(٢٩٩) الذریعة الی مکارم الشریعة، النجف، المطبعة الحیدریة، ١٣٨٧هـ

(٣٠٠) محاضرات الادباء و محاورات الشعراء البلغاء، بیروت، دار مکتبة الحیاة

(٣٠١) المفردات فی غریب القرآن، تحقیق محمد سید کیلانی، مصر، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٣٨١هـ

(٣٠٢) مقدمة التفسیر، کراشی، نور محمد، اصح المطابع، 'ب'،'ت'

الرافعی، مصطفیٰ صادق، (١٨٨١ـ١٩٣٧هـ / ١٢٩٨ـ١٣٥٦م)

(٣٠٣) تاریخ آداب العرب، مصر، ١٣٣٢هـ

الرامهرمزی، الحسن بن عبد الرحمٰن بن خلاد (٣٦٠ـ٢٦٥هـ)

(٣٠٤) المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، تحقیق محمد عجاج الخطیب، بیروت، دار الفکر، ١٣١٩هـ

الرحبی الحنفی البغدادی، محمد عبد العزیز بن محمد (٠٠ـ١١٨٤هـ)

(٣٠٥) فقه الملوك و مفتاح الرتاج المرصد علی خزانة کتاب الخراج، تحقیق احمد الکبیسی، بغداد، مطبعة الارشاد، ١٩٧٣م

الرصاع، محمد انصاری (٠٠ـ٨٩٤هـ / ٠٠ـ١٤٨٩م)

(٣٠٦) فهرست الرصاع، تحقیق محمد العتابی، تونس، المکتبة العتیقة، ١٩٦٧م

الرفاعی، احمد فرید

(٣٠٧) عصر المامون، (ط:٤)، القاهرة، مطبعة دار الکتب، المصریة، ١٣٤٦هـ

روزنتهال، فرانز (Rosenthal, Franz)

(٣٠٨) علم التاریخ عند المسلمین، ترجمة صالح احمد العلی، بغداد، مکتبة المثنی، ١٩٦٣م

(٣٠٩) مناهج العلماء فی البحث العلمی، ترجمة، انیس فریحة، بیروت، دارالثقافة، ١٩٦١م

زامباور(Edward Von Zambaer)

(٣١٠) معجم الانساب والاسرات الحاكمة فی التاریخ الاسلامی (Muhammedan Dynasties) اخرجة زکی محمد حسن بك و حسن احمد محمود، القاهرة، مطبعة جامعة فواد الاول، ١٩٥١_١٩٥٢م

الزبیدی، ابوبکر **محمد** بن الحسن الاشبیلی، (٣١٦_٣٧٩ھ / ٩٢٨_٩٨٩م)

(٣١١) طبقات الحنویین واللغویین، تحقیق محمد ابو الفضل ابراهیم، مصر، محمد سامی امین الخانجی، ١٣٧٣ھ

الزبیدی، محب الدین ابو الفیض محمد بن محمد الملقب بمرتضیٰ البلگرامی (١١٤٥_٢١٠٥ھ / ١٧٣٢_١٧٩٠م)

(٣١٢) اتحاف السادة المتقین بشرح احیاء علوم الدین، بیروت، داراحیاء التراث العربی، 'ب'، 'ت'

(٣١٣) تاج العروس من جواهر القاموس، مصر، المطبعة الخیریة، ١٢٠٦ھ

(٣١٤) ترویح القلوب فی ذکر الملوك بنی ایوب، تحقیق صلاح الدین المنجد، دمشق، مطبعة الترقی، ١٩٧٠م

الزرخانی عبد العظیم

(٣١٥) مناهل العرفان فی علوم القرآن، (ط:٣)، القاهرة، عیسیٰ البای الحلبی، ١٣٧٢ھ

الزرقانی، **محمد** بن عبد الباقی بن یوسف المالکی (١٠٠٠_١١٢٢ھ / ١٢٤٥_١٧١٠م)

(٣١٦) مختصر المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الالسنة، تحقیق محمد لطفی الصباغ، (ط:٣)، بیروت، المکتب الاسلامی، ١٤٠٣ھ

الزرکلی، خیر الدین

(٣١٧) الاعلام قاموس تراجم لاشهر الرجال والنساء من العرب والمستعر بین

والمستشرقين، (ط:٣)، بيروت (الزركلى)، ١٩٦٩ـ١٩٧٠م

الزرنوجى، برهان الدين

(٣١٨) تعليم المتعلم طريق التعلم، مصر، مكتبة محمد على صبيح، ١٣٥٧هـ

زكى المحاسبى

(٣١٩) المتنبي، القاهرة، دارالمعارف، ١٩٨٠م

الزمحشرى، جار الله محمود بن عمر (٤٦٧ـ٥٣٥هـ / ١٠٥٧ـ١١٤٤م)

(٣٢٠) اساس البلاغة، تحقيق عبد الرحيم محمود، القاهرة، دارالكتب، المصرية، ١٩٥٣م

(٣٢١) الكشاف عن حقائق التنزيل و عيون الاقاويل في وجوه التاويل و كتاب الانصاف فيما تضمنه الكشاف من الاعتزال، لناصر الدين احمد بن محمد الاسكندرانى مع حاشية السيد الشريف على الجرجانى، مطبعة مصطفىٰ البابى الحلبى، ١٣٨٥هـ

زهدى، حسن جار الله

(٣٢٢) المعتزلة، القاهرة، مطبعة، مصر، ١٣٦٦هـ

زيدان، جرجى (١٢٧٨ـ١٣٣٢هـ / ١٨٦١ـ١٩١٤م)

(٣٢٣) تاريخ آداب اللغة العربية، تحقيق شوقى ضيف، القاهرة، دارالهلال، ١٩٥٧م

الزيلعى، فخر الدين عثمان بن على (٠٠ـ٧٤٣هـ / ٠٠ـ١٣٤٣م)

(٣٢٤) تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، وبها مشة حاشية الشيخ شهاب الدين احمد الشلبى، مصر، المطبعة الكبرىٰ الاميرية، ١٣١٥هـ

السامرائى، ابراهيم

(٣٢٥) الاعلام العربية، بغداد، مطبعة اسد، ١٩٦٤م

السامرائى، فاصل صالح

(٣٢٦) دراسات النحوية واللغوية، بغداد، دارالنذير للطباعة والنشر والتوزيع، ١٩٧٠م

سبط ابن الجوزى، شمس الدين ابوالمظفر يوسف بن فراوغلى (٥٨١ـ٦٥٤هـ / ١١٨٥ـ١٢٥٦م)

(٣٢٧) مراة الزمان فی تاریخ الاعیان، الهند، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ١٣٧٠ھ

السبکی، تاج الدین عبد الوهاب بن علی الشافعی (٧٢٧_٧٧١ھ/ ١٣٢٧_١٣٧٠م)

(٣٢٨) طبقات الشافعیة الکبری، تحقیق محمود محمد الطفاحی، عبدالفتاح محمدالحلو، القاهرة، مطبعة عیسیٰ البابی الحلبی، (١٣٨٣م)

(٣٢٩) طبقات الشافعیة الکبری، مصر، المطبعة الحسینیة المصریة، ١٣٢٤ھ

(٢٣٠) عروس الافراح فی شرح تلخیص المفتاح، مصر، مطبعة عیسیٰ البابی الحلبی، ١٣١٠ھ۔ یہ شروح التلخیص الاربعة کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

(٢٣١) معید النعم و مبید النقم، تحقیق محمد علی النجار ابو زید شلبی، محمد ابو العیون، القاهرة، دارالکتاب العربی، ١٩٣٨م

السخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن الشافعی، (٨٣١_٩٠٢ھ / ١٤٢٧_١٤٩٧م)

(٢٣٢) الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، تحقیق فرانز روزنتهال، بغداد، مطبعةالعانی، ١٩٦٢م

(٣٣٣) فتح المغیث شرح الفیة الحدیث للعراقی، تحقیق عبدالرحمٰن محمد عثمان، المدینة المکتبة السلفیة، ١٣٨٨ھ

(٣٣٤) المقا صد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علیٰ الا لسنة، تحقیق عبد الله الصدیق، مصر، مکتبة الخانجی، ١٣٧٥ھ

السدوسی، المؤرج بن عمرو (٠٠_٠٠)

(٣٣٥) کتاب حذف من نسب قریش، تحقیق صلاح الدین المنجد، القاهرة، دارالعربیة ١٩٠٨م۔

سعادة علی پاشا مبارک علی بن مبارک الرومی (١٢٣٩_١٣١١ھ/ ١٨٢٤_١٨٩٣م)

(٣٣٦) الخطط التوفیقیة الجدیدة، القاهرة، ومدنها وبلادها القدیمة والشهیرة، مصر، المطبعة الکبری الامیریة، ١٣٠٦۔

السلامی، محمد بن رافع (٧٠٤_٧٧٤ھ/ ١٣٠٥_١٣٧٢م)

(٣٣٧) تاریخ علماء بغداد المسمی منتحب المختار، تحقیق عباس العزاوی

بغداد مطبعة الاهالی، ۱۳۵۷ھ

السمعانی، تاج الدین أبو سعد عبدالکریم بن محمد، (۵۰۶-۵۶۲ھ / ۱۱۱۳-۱۱۶۶م)

(۳۳۸) أدب الاملاء والاستعلاء، تحقیق مکسرویسویلر، لیدن، مطبعة بریل ۱۹۵۲م۔

(۳۳۹) التحیر فی المعجم الکبیر، تحقیق منیرة ناجی سالم، بغداد، مطبعتة الارشاد، ۱۳۹۵ھ

(۳۴۰) کتاب الانساب، بمقدمة مارگولیتھ، لیدن، ای، جے، بریل، ۱۹۱۲م۔

(۳۴۱) الانساب، تحقیق عبدالرحمن الیمانی، الهند، حیدرآباد دکن، مطبعتة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ۱۳۸۲م۔

(ب) الانساب، بیروت، دارالکتب العلمیة ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸م

السمهودی، نورلایدن ابوالحسن علی بن عبدالله بن احمد (۸۴۴-۹۱۱ھ / ۱۴۴۰-۱۵۰۵م)

(۳۴۲) خلاصة الوفاء بأخبار دارالمصطفی، مکة، المطبعة العربیة، ۱۳۱۶م

(۳۴۳) وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفی، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، مصر، مطبعة السعادة، ۱۳۷۴م۔

السندی، مسعود بن شیبة بن الحسین

(۳۴۴) کتاب مقدمة کتاب التعلیم، تحقیق محمد عبدالرشید النعمانی، حیدرآباد، پاکستان، لجنة إحیاء الادب السندی، ۱۳۸۴ھ

السنهوتی، یسین ابن ابراهیم،

(۳۴۵) الانوار القدسیة فی مناقب النقشبندیة، مصر، مطبعة السعادة، ۱۳۴۴ھ

السهمی، حمزة بن یوسف (۳۴۰-۴۲۷ھ / ۹۵۱-۱۰۳۶م)

(۳۴۶) تاریخ جرجان، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة، ۱۳۶۹ھ

سهیل انور

(۳۴۷) الخطاط البغدادی علی بن الهلال المشهور بابن البواب، ترجمة محمد بهجة الاثری، عزیز سامی، البغدادی، بغداد، مطبعة المجمع العلمی العراقی، ۱۳۷۷ھ

سید الاهل عبد العزیز

(۳۴۸) الامام الاوزاعی فقیه الشام، القاهرة، لجنة المجلس الاعلیٰ الشؤن الاسلامیة۔

سیدیو، (Sedfittot) ۱۲۲۳-۱۲۹۲ھ/۱۸۰۸-۱۸۷۵م

(۳۴۹) Louies Pierre, Eugene, Amelie خلا صة تاریخ العرب، مصر، مطبعة محمد افندی مصطفیٰ، ۱۳۰۹ھ

سیراتی، ابو سعید الحسن بن عبد اللّٰه (۲۸۴ـ ۳۶۸ ھ / ۸۹۷ـ۹۷۹م)

(۳۵۰) اخبار النحوین البصریین، تحقیق طهٰ محمد الزینی، محمد عبد العنعم خفاجی، مصر، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۴ھ۔

سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر المصری (۸۴۹ـ۹۱۱ھ / ۱۴۴۵ـ۱۰۰۵م)

(۳۵۱) الاتقان فی علوم القرآن، (ط:۲)، القاهرة، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۱ھ

(۳۵۲) ایضاً، (ط:۳)، ۱۳۷۰ھ

(۳۵۳) بغیة الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة، تحقیق محمد ابو الفضل ابراهیم، مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۴ھ

(۳۵۴) تاریخ الخلفاء، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید ویلیة اوجز السید لخیر البشر لابن فارس، کراچی، نورمحمد کارخانه تجارت کتب، ۱۳۹۷ھ

(۳۵۵) تحذیر الخواص عن اکاذیب القصاص، تحقیق محمد الصباغ، بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۳۹۳ھ

(۳۵۶) تد ریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، تحقیق عبد الوهاب عبد اللطیف، (ط:۲)، مصر، مطبعة السعادة، ۱۳۸۵ھ

(۳۵۷) تزین الممالك بمناقب الامام مالك، مصر، المطبعة الخیریة، ۱۳۲۵ھ

(۳۵۸) حسن المحاضرة فی اخبار مصر و القاهرة، تحقیق محمد ابو الفضل ابراهیم، مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۷ھ

(۳۵۹) الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، طهران، المکتبة الاسلامیة، 'ب'، 'ت'

(۳۶۰) الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشتهرة، تحقیق خلیل محی الدین المیر،

بيروت، المكتب الاسلامى، (١٤٠٤هـ)

(٣٦١) طبقات المفسرين، طهران، 'ب'، 'ت'، ١٩٦٠م

(٣٦٢) كتاب الاقتراح فى علم اصول النحو، تحقيق احمد محمد قاسم القاهرة، مطبعة السعادة، ١٩٧٦م / ١٣٩٦هـ)

(٣٦٣) اللالى المصنوعة فى الاحاديث الموضوعة، مصر، المكتبة الحسينية، المصرية، ١٣٥٢هـ

(٣٦٤) المزهر فى علوم اللغة و انواعها، تحقيق محمد احمد جاد المولى بك وغيره، (ط:٣)، مصر، عيسىٰ البابى الحلبى، 'ب'، 'ت'

(٣٦٥) نزهة الجلساء فى اشعار النساء، تحقيق صلاح الدين المنجد، بيروت، دارالمكشوف، ١٩٤٨م

الشابشتى، ابو الحسن على بن **محمد** (٠٠_٣٨٨هـ / ٠٠_٩٩٨م)

(٣٦٦) الديارات، تحقيق كوركيس عواد، بغداد، مطبعة المعارف، ١٩٥١م

الشاطبى، ابراهيم بن موسىٰ بن **محمد** (٠٠_٧٩٠هـ)

(٣٦٧) الاعتصام، القاهرة، المكتبة التجارية الكبرىٰ، 'ب'، 'ت'

الشافعى **محمد** بن ادريس (١٥٠_٢٠٤هـ / ٧٦٧_٨٢٠م)

(٣٦٨) كتاب الام، مصر، مكتبة الكليات الازهرية، ١٣٨١هـ، مطبعة المنار، ١٣١٠هـ

(٣٦٩) ايضاً، مطبعة المنار (١٣١٠هـ)

الشبلى، شهاب الدين ابوالعباس احمد بن محمد السعودى المصرى (٠٠_١٠٢١هـ/٠٠_١٦١٢م)

(٣٧٠) حاشية الشبلى على تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، مصر، المطبعة الاسلامية، ١٣١٣هـ

الشرتوتى، سعيد بن عبد الله الجوزى (١٣٦٥_١٣٣٠هـ / ١٨٤٩_١٩١٢م)

(٣٧١) اقرب الموارد فى فصح العربية والشوارد، بيروت، مطبعة مرسيلى اليسوعية، ١٨٩٣م

الشهر ستانى، محمد بن عبد الكريم (٤٧٩_٥٤٨هـ/١٠٨٦_١١٥٣م)

(٣٧٢) نهاية الاقدام فى علم الكلام، تحقيق الفرد جيوم، بغداد، مكتبة المثنى،

'ب'،'ت'

الشوكانى، محمد بن على (١١٧٣ـ١٢٥٠هـ / ١٧٦٠ـ١٨٣٤م)

(٣٧٣) الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة، تحقيق عبد الرحمٰن بن يحيٰ اليمانى، القاهرة، مطبعة السنة المحمدية، ١٣٨١هـ

(٣٧٤) فتح القدير الجامع بين فنى الرواية والدراية من علم التفسير، مصر، مصطفىٰ البابى، الحلبى، ١٣٥٠هـ

الشيبانى، محمد بن الحسن

(٣٧٥) الحجة على اهل المدينة، تحقيق مهدى حسن الكيلانى، الهند، مطبعة المعارف الشرقية، ١٣٨٥هـشيخ زاده محى الدين محمد بن مصلح الدين مصطفى (٠٠ـ٩٥١هـ/١٥٤٤م)

(٣٧٦) حاشية شيخ زاده على تفسير القضى البيضاوى (آستانه المطبعة العثمانية، ١٢٨٢هـ)

الشيرازى ابو اسحاق ابراهيم بن على بن يوسف ٣٩٣ـ٤٧٦هـ/ ١٠٠٣ـ١٠٨٣م

(٣٧٧) طبقات الفقهاء ، تحقيق احسان عباس، بيروت ،دارالرا ئد العربى، ١٩٧٠م

الشيرازى، جنيد معين الدين ابو القاسم العمرى

(٣٧٨) شد الازار فى حط الاوزار عن زوار المزار، تحقيق محمد قزوينى و عباس اقبال، طهران، چاپخانه مجلس، ١٣٢٨ف

الصابى، ابو الحسين هلال بن المحسن، (٤٢٠ـ٤٦٢هـ / ٩٧٠ـ١٠٥٦م)

(٣٧٩) تحفة الوزراء فى تاريخ الوزراء، تحقيق عبد الستار احمد فراج، القاهرة، عيسىٰ البابى الحلبى، ١٩٥٨م

صاعد، ابو القاسم بن احمد الاندلسى (٤٢٠ـ٤٦٢ هـ / ١٠٢٩ـ١٠٧٠م)

(٣٨٠) طبقات الامم، مصر، مطبعة التقدم، 'ب'،'ت'

الصائغ عبد الرحمٰن بن يوسف (٠٠ـ٨٤٥هـ / ٠٠ـ١٤٤١م)

(٣٨١) تحفة اولى الالباب فى صناعة الخط والكتاب، تحقيق هلال ناجى، تونس، دار بو سلامة النشر والتوزيع، ١٩٦٧م

الصغانى، الحسن بن محمد اللاهورى (٦٩٦_٧٦٤هـ / ١١٨١_١٢٥٢م)

(٣٨٢) التكملة والذيل والصلة للكتاب تاج اللغة وصحاح العربية، تحقيق محمد ابو الفضل ابراهيم، محمد مهندى علام، القاهرة، مطبعة دارالكتب، ١٩٧٣م

الصفدى، صلاح الدين خليل بن ايبك (٦٩٦_٧٦٤هـ / ١١٩٦_١٢٦٣م)

(٣٨٣) امراء دمشق، تحقيق صلاح الدين المنجد، دمشق، مطبعة الترقى، ١٩٥٥م

(٣٨٤) نكت الهميان في نكت العميان، مصر، المطبعة الجمالية، ١٢٢٩هـ

(٣٨٥) الوافي بالوفيات باعتناء هلموت، ريتر، قيسبادن، دارالنشر فرانز شتائز، ١٣٨١_١٣٩٣هـ

الصقلى، عمر بن خلف مكى (٠٠_٥٠١هـ / ٠٠_١١٠٨م)

(٣٨٦) تثقيف اللسان وتلقيح الجنان، تحقيق عبدالعزيز مطر، القاهرة، المجلس الاعلى للشئون الاسلامية، ١٣٨٦هـ

الصولى، محمد بن يحى بن عبد الله (٠٠_٣٣٥هـ/٠٠_٩٤٦م)

(٣٨٧) اخبار ابى تمام، تحقيق خليل محمود عساكر، محمد عبده عزام، نظير الاسلام الهندى بيروت، المكتب التجارى، ب ت

(٣٨٨) اخبار الراضى بالله والمتقى لله، القاهرة، طبعة ح، هيورث، د، ن، ١٩٣٥م

(٣٨٩) ادب الكتاب، تحقيق محمد بهجة الاثرى، بغداد، المكتبة السلفية ١٣٤١هـ

الضبى، ابو جعر احمدبن يحى بن احمد (٠٠_٥٩٩هـ/٠٠_١٢٠٣م)

(٣٩٠) كتاب بغية الملتمس فى تاريخ رجال اهل الاندلس، مجريط مطبع روحس، ١٨٨٥م

الضبى، ابو العباس المفضل بن محمد بن يعلى (٠٠_١٦٨هـ/٠٠_٧٨٤م)

(٣٩١) المفضليات، تحقيق وشرح احمد محمد شاكر عبد السلام هارون، ط:٣، مصر، دار المعارف، ١٩٦٤م

طاش كبرى زاده، احمد بن مصطفى (٩٠١_٩٦٨هـ/١٤٩٥_١٥٦١م)

(٣٩٢) مفتاح السعادة ومصباح السيادة في موضوعات العلوم، تحقيق كامل

کامل بکری،عبد الوهاب ابو النور ،القاهرة، دارالکتب الحدیثة،١٩٦٨م

طه باقر، مقدمة

(٣٩٣) تاریخ الحضارات القدیمة تاریخ العراق القدیم، (ط:٣)،القاهرة، شرکة التجاریة و الطباعة المحدودة ،١٣٧٥ھ

المصری، طهٰ حسین (١٣٠٧_١٣٩٣ھ / ١٨٨٩_١٩٧٣م)

(٣٩٤) تجدید ذکری ابی العلاء ،ط:٢،القاهرة، دار المعارف،١٩٦٣م

الطباخ، محمدراغب محمود الحلبی(١٢٩٢_١٣٢٠ھ/١٨٧٥_١٩٥١م)

(٣٩٥) اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشهباء،حلب، المطبعة العلمیة، ١٣٤٢_١٣٤٥ھ

الطبرسی، رضی الدین ابونصرالفضل بن الحسن (٠٠_٥٤٨ھ/ ٠٠_١١٥٤م)

(٣٩٦) مجمع البیان فی تفسیر القرآن،طهران، چاپخانه دانشگاه،١٣٤٠ھ

الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر (٢٢٤_٣١٠ھ / ٨٣٩ _ ٩٢٣م)

(٣٩٧) تاریخ الطبری، تاریخ الرسل والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراهیم، القاهرة، دارالمعارف، ١٩٦٠_١٩٦٩م

(٣٩٨) جامع البیان عن ای القرآن، (ط:٢)، مصر، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٣٧٣ھ

ایضاً القاهرة، دارالمعارف ١٣٧٤ھ

الطحاوی، احمد بن محمد (٢٢٩_٣٢١ھ / ٨٥٣_٩٣٣م)

(٣٩٩) شرح معانی الآثار، تحقیق محمد زهری النجار، القاهرة، مطبعة الانوار المحمدیة، ١٩٦٨م

الطحطاوی، احمد بن محمد بن اسماعیل (٠٠_١٢٣١ھ / ٠٠_١٨١٦م)

(٤٠٠) حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، مصر، دارالطباعة، ١٢٥٤ھ

طلس، محمد اسد

(٤٠١) التربیة والتعلیم فی الاسلام، بیروت، دارالعلم للملایین، ١٩٥٧م

الطوسی، ابو جعفر محمد بن الحسن (٣٨٥_٤٦٠ھ / ٩٩٥_١٠٦٧م)

(٤٠٢) رجال الطوسی، تحقیق محمد صادق آل بحر العلوم، النجف، المطبعة

الحيدرية، ١٣٨١هـ

(٤٠٣) الفهرست، تحقيق محمد صادق، (ط:٢)، النجف، المطبعة الحيدرية، ١٣٨٠هـ

الطونكي، محمود حسن (١٢٧٨_١٣٦٦هـ / ١٨٥٩_١٩٤٧م)

(٤٠٤) معجم المصنفين، بيروت، مطبعة وزنكو غراف طبارة، ١٣٤٤هـ

الطيبى، شرف الدين الحسين بن محمد بن عبد الله (٠٠_٧٤٣هـ / ٠٠_١٣٤٢م)

(٤٠٥) الخلاصة فى اصول الحديث، تحقيق صبحى السامرائى، بغداد، رياسة ديوان الاوقاف، ١٣١٩هـ

ظهير الدين، ابو شجاع محمد بن الحسين الروذرادرى (٤٣٧_٤٨٧ هـ / ١٠٤٥_١٠٩٤م)

(٤٠٦) ذيل كتاب تجارب الامم، مصر، مطبعة شركة التمدن الصناعية، ١٣٣٤هـ

العامرى، محمد بن يوسف، (٠٠_٣٨١هـ / ٠٠_٩٩١م)

(٤٠٧) كتاب الاعلام بمناقب الاسلام، تحقيق عبد الحميد غراب، القاهرة، دارالكاتب العربى للطباعة والنشر، ١٣٨٧هـ

عبادة، عبد الفتاح

(٤٠٨) انتشار الخط العربي في العالم الشرقي والغربي، مصر، مطبعة هندية، ١٩١٥م

العبيدى، محمد بن عبد الرحمٰن من رجال القرن الثامن،

(٤٠٩) التذكرة العربية فى الاشعار العربية، تخليق عبد الله جبورى بغداد، مكتبة الاهلية، ١٣١٩هـ

العتبى، محمد بن عبد الجبار (٠٠_٤٢٧ هـ / ٠٠_١٠٣٦م)

(٤١٠) تاريخ العتبى مع شرحه المنح الوهبى على تاريخ ابى نصر العتبى، لاحمد المنينى، مصر، المطبعة الوهبية، ١٢٨٦هـ ـ

عجاج، محمد عجاج الخطيب

(٤١١) لمحات فى المكتبة والبحث والمصادر، (ط:٢)، بيروت، دارالقلم

١٣٩١هـ

العجلونى، اسماعيل بن محمد الجراحى (١٠٨٧-١١٦٢هـ / ١٦٧٦-١٧٤٩م)

(٤١٢) كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على السنة الناس، (ط:٢)، بيروت، داراحياء التراث العربى، ١٣٥١هـ

عرشى، امتياز على

(٤١٣) الثورى و كتابه فى التفسير، المباحث العلمية فى المقالات السنية، حيدر آباد الدكن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٥٨هـ

العروسى، مصطفىٰ بن محمد بن احمد (١٢١٣-١٢٩٣ هـ / ١٧٩٩-١٨٧٦م)

(٤١٤) نتائج الافكار القدسية فى بيان معانى شرح الرسالة القشيرية، لشيخ الاسلام زكريا الانصارى، دمشق، عبد الوكيل الدروبى، ١٢٩٠هـ

عزام، عبد الوهاب (١٣١٢-١٣٧٩هـ / ١٨٩٠-١٩٥٩م)

(٤١٦) ذكرى ابى الطيب بعد الف عام، مصر، دارالمعارف، ١٣٧٥هـ

العسكرى، ابو هلال حسن بن عبد اللّٰه (٠٠ بعد ٣٩٥هـ / ٠٠-١٠٠٥م)

(٤١٧) كتاب التلخيص فى معرفة اسماء الاشياء، تحقيق عزت حسن، دمشق، مجمع اللغة العربية، ١٣٩٠هـ

العش، يوسف (١٣٢٩-١٣٨٧هـ / ١٩١١-١٩٦٧م)

(٤١٨) الخطيب البغدادى مؤرخ بغداد و محدثها، دمشق، المكتبة العربية، ١٣٦٤هـ

علام، نعمت اسماعيل

(٤١٩) فنون الشرق الاوسط القديم قبل ظهور الاسلام، مصر، دارالمعارف، ١٩٦٩م

العليمى، ابو اليمن مجير الدين عبد الرحمٰن بن محمد (٨٦-٩٢٨هـ / ١٤٥٦-١٥٦٦م)

(٤٢٠) المنهج الاحمد فى تراجم اصحاب الامام احمد، تحقيق محمد محى الدين عبد الحميد، القاهرة، مطبعة المدنى، ١٣٨٣هـ

عماد الاصفهانی، محمد بن محمد الکاتب (٥١٩_٥٩٧ھ / ١١٢٥_١٢٠١م)

(٤٢١) خریدة القصر و جریدة العصر، تحقیق محمد بهجة الاثری، بغداد، مطبعة المجمع العلمی العراقی، ١٣٧٥ھ

عماد عبد السلام روف العطار

(٤٢٢) مدارس بغداد فی العصر العباسی، بغداد، مطبعة دار البصر، ١٣٨٦ھ

العمیدی، محمد بن احمد (٠٠_٤٢٣ ھ / ٠٠_١٠٤٢م)

(٤٢٣) الابانة عن سرقات المتنبی، تحقیق ابراهیم الدسوقی الباطی، القاهرة، دارالمعارف، ١٩٦١م)

عواد کورکس،

(٤٢٤) خزائن الکتب القدیمة، فی العراق منذ اقدم العصور حتی سنة ١٠٠٠ للهجرة، بغداد، مطبعة المعارف، ١٩٨٤م

العیاری، محسن

(٤٢٥) حامد بن سعید الاندلسی حیاته و تراثه الفکری والادبی، (٦١٠_٦٨٥ھ / ١٢١٤_١٢٤٩م)، القاهرة، مکتبة النهضة العربیة، ١٩٧٢م

عیاض بن موسی الیحصبی (٤٧٩_٥٤٤ھ / ١٠٨٣_١١٤٩م)

(٤٢٦) الالماع الی معرفة اصول الروایة و تقیید السماع، تحقیق احمد صقر، القاهرة، دارالتراث، ١٣٨٩ھ

(٤٢٧) ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفة اعلام مذهب مالک، تحقیق احمد بکیر محمود، بیروت دار مکتبة الحیاة، ١٣٨٤ھ

العینی، بدر الدین محمود بن احمد الحنفی، (٧٦٧_٨٥٥ھ / ١٣٦١_١٤٥١م)

(٤٢٨) شرح الکنز، مصر، المطبعة المصریة، بولاق، ١٢٥٨ھ

(٤٢٩) عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری، مصر، ادارة الطباعة المنیریة، 'ب، 'ت'

غرس النعمة، محمد بن هلال الصابی (٠٠_٤٨٠ ھ / ٠٠_١٠٨٠_١١٦٩م)

(٤٣٠) الهفوات النادرة، تحقيق صالح الاشتر، دمشق، لجمع اللغة العربية، ١٣٨٧هـ

(٤٣١) تحفة اولى الالباب و نحبة الاعجاب، پيرس، ايمى نيشنل پريس، ١٩٢٥م

الغرناطى، ابو حامد محمد ابن عبد الرحيم (٤٧٣_٥٦٥هـ / ١٠٨٠_١١٦٩م)

الغزالى، ابو حامد محمد بن محمد الطوسى (٤٥٠_٥٠٥ هـ / ١٠٥٨_١١١١م)

(٤٣٢) رسالة اللدنية، طبعت مع رسائل الغزالى، "الجواهر الغوالى من رسائل الغزالى"، القاهرة، مكتبة الجندى، 'ب'، 'ت'

(٤٣٣) المنخول من تعليقات الاصول، تحقيق محمد حسن هيتو، دمشق، دارالفكر، ١٣٩٠هـ

(٤٣٤) المنقذ من الضلال، لاهور، هيئة الاوقاف، ١٩٧١م

الغسانى، الملك الاشرف، ابو الحسن على بن حسن الخزرجى(٠٠_٨١٢هـ / ٠٠_١٤١٠م)

(٤٣٥) المسجد المسبوك والجوهر المحكوك فى طبقات الخلفاء والملوك، تحقيق محمد شاكر محمود عبد المنعم (بغداد، دارالبيان، ١٣٦٥_١٩٥٧م)

غنيمة، محمد عبد الرحيم

(٤٣٦) تاريخ الجامعات الاسلامية الكبرى، تطوان، دارالطباعة المغربية، ١٩٥٣م

الفارابى، ابو نصر محمد بن محمد بن اوزلغ (٢٦٠_٣٣٩ هـ / ٨٧٤_٩٥٠م)

(٤٣٧) احصاء العلوم، تحقيق عثمان امين، (ط:٢)، مصر، مطبعة الاعتقاد، ١٩٤٨م

الفاخورى، حنا

(٤٣٨) تاريخ الادب العربى، (ط:٢)، بيروت المكتبة البولسية، 'ب'، 'ت'

الفارسى، مجد الدين ابو الحسن عبد الغافر بن اسماعيل (٤٥١_٥٢٩هـ /

١٠٥٩ـ١١٣٥م)

(٤٣٩) السياق وهو ذيل على تاريخ نيسا پورللحاكم ويليه المنتخب من كتاب السياق لعبد الغافر الفارسى لابراهيم بن محمد الصيريفينى، المتوفىٰ بعد ٦٢٢هـ ويليه جزء من تاريخ نيسا پور، تحقيق Richard N. Frye لندن، موٹن اينڈ كمپنى، Motton &Co.

الفارقى احمد محمد يوسف على (٥١٠ـبعد ٥٧٧هـ / ١١١٧ـ١١٨١م)

(٤٤٠) تاريخ الفارقى، تحقيق بدوى عبد اللطيف عوض، القاهرة، الهيئة العامة لشئون المطابع الاميرية، ١٣٧٩هـ

الفاسى، ابو الطيب تقى الدين محمد بن احمد الحسنى المكى (٧٧٥ـ٨٣٢هـ/ ١٣٧٣ـ١٤٢٩م)

(٤٤١) شفاء الغرام باخبار البلد الحرام، مصر، عيسى البابى الحلبى، ١٩٥٦م

(٤٤٢) العقد الثمين فى تاريخ البلد الامين، القاهرة، مطبعة السنة المحمدية، ١٣٧٨ـ١٣٨٨هـ

الفتنى، محمد طاهر الگجراتى (٩١٣ـ٩٨٦هـ / ١٥٠٧ـ١٥٨٧م)

(٤٤٣) تذكرة الموضوعات، تحقيق عبد الجليل صالح بن سليمان، القاهرة، ادارة الطباعة المنيرية، ١٣٤٣هـ

(٤٤٤) مجمع بحار الانوار فى غرائب التنزيل ولطائف الاخبار، لكهنؤ، نو لكشور، ١٢٨٣هـ

الفراء ابو زكريا يحيىٰ بن زياد (١٤٤ـ٢٠٧هـ / ٧٦١ـ٨٢٢م)

(٤٤٥) معانى القرآن، تحقيق احمد يوسف على النجار، القاهرة، دارالكتب المصرية، ١٣٤٧هـ

فريد وجدى، محمد فريد بن مصطفىٰ، (١٢٩٢ـ١٣٧٣هـ / ١٨٧٥ـ١٩٥٤م)

(٤٤٦) دائرة معارف القرن العشرين، (ط:٤)، القاهرة، مطبعة دائرة معارف القرن العشرين، ١٣٨٦هـ

فواد، محمد ذواد عبد الباقى

(٤٤٧) المعجم المفهرس للالفاظ القرآن العظيم، القاهرة، دارالكتب، المصرية، ١٣٦٤هـ

الفیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب الشیرازی، (۷۲۹ـ۸۱۷ھـ / ۱۳۲۹ـ۱۴۱۴م)

(۴۴۸) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز، تحقیق محمد علی النجار، القاهرة، المجلس الاعلی للشئون الاسلامیة، ۱۳۸۲ـ۱۳۹۰ھـ

القاری، الملا علی (۰۰ـ۱۰۱۴ھـ / ۰۰ـ۱۶۰۶م)

(۴۴۹) مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، بمبئی، مطبع اصح المطابع، 'ب'، 'ت'

قدری، ابن حافظ طوقان النابلسی ثم الاردنی (۱۳۲۸ـ۱۳۹۱ھـ/ ۱۹۱۰ـ۱۹۷۱م)

(۴۵۰) تراث العرب العلمی فی الریاضیات والفلك، (ط:۳)، القاهرة، ارالقلم، ۱۹۶۲ء

القرشی، محیی الدین عبد القادر ابن ابی الوفاء محمد (۶۹۶ـ۷۷۵ھـ/ ۱۲۹۷ـ۱۳۷۳م)

(۴۵۱) الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیة، حیدرآباد الدکن، مطبعة دائرة المعارف النظامیة، ۱۳۳۲ھـ

القرطبی، عریب ابن سعد (۰۰ـ۳۶۹ھـ/ ۰۰ـ۹۷۹م)

(۴۵۲) صلة تاریخ طبری، لیدن، مطبعة بریل، ۱۸۹۷م

القرطبی، محمد بن احمد الانصاری (۰۰ـ۶۷۱ھـ/ ۰۰ـ۱۲۷۳م)

(۴۵۲) الجامع لاحکام القرآن، القاهرة، مطبعة دار الکتب العصریة، ۹۳۵۴ـ۱۳۶۹ھـ

القزوینی، زکریا بن محمد بن محمود (۶۰۵ـ۶۸۲ھـ/ ۱۲۰۸ـ۱۲۸۳م)

(۴۵۳) آثار البلاد واخبار العباد، بیروت، دار صادر للطباعة والنشر، ۱۳۸۰ھـ

القشیری، ابو القاسم عبد الکریم بن هوازن بن عبد الملك، (۳۷۶ـ۴۶۵ھـ/ ۹۸۶ـ۱۰۷۳م)

(۴۵۴) الرسالة القشیریة، مصر، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۹ھـ

القفطی، جمال الدین ابو الحسن علی بن یوسف (۵۶۸ـ۶۴۶ھـ/ ۱۱۷۲ـ۱۲۴۸م)

(٤٥٥) انباه الرواة على انباه النحاة، تحقيق محمد ابو الفضل ابراهيم، القاهرة مطبعةدار الكتب المصرية، ١٣٦٩هـ

(٤٥٦) تاريخ الحكماء، تحقيقJulius ليك، تهيوذوروجر، ١٩٠٣م

القلقشندى، ابو العباس احمد ابن على (٧٥٦_٨٣١هـ/١٣٥٥_١٤١٨م)

(٤٥٧) كتاب صبح الاعشى فى صناعة الانشاء، القاهرة، المطبعة الاميرية، ١٣٣٣هـ

القنوحى، صديق حسن (١٢٤٨_١٣٠٧هـ/١٨٣٢_١٨٩٠م)

(٤٥٨) التاج المكلل من جواهر الطراز الاخر والاول، تحقيق عبد الحكيم شرف الدين، بمبئى، شرف الدين الكتبى، ١٣٨٣هـ

(٤٥٩) لف القماط على تصحيح بعض ما استعملته العامة من العرب و الدخيل والمولد والاغلاط، بهوپال، المطبع الصديقى، ١٢٩٦هـ

االقيروانى، ابراهيم بن على الحفرى (٠٠_٤٥٣هـ/ ٠٠_١٠٦١م)

(٤٦٠) زهرالآداب وثمرالالباب، تحقيق زكى مبارك (القاهرة، مكتبةالتجارية الكبرى، ١٩٢٩م)

القير وانى، ابو العرب محمدبن احمد بن تميم المغربى (٢٥١_٣٣٣هـ / ٨٦٥_٩٤٥م)

(٤٦١) طبقات علماء افريقية وتونس، تحقيق على الشابى ونعيم حسن البانى، بيروت، الدارالتونسية١٩٦٨م

الكاشانى، علاء الدين ابوبكر بن مسعود(٠٠_٥٨٧هـ/٠٠_١١٩١م)

(٤٦٢) بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، مصر، مطبعة الجمالية، ١٣٣٨هـ

الكاشغرى، عبد الرحمٰن(٠٠_١٩٧٣م)

(٤٦٣) المفيد معجم اللغة العربية المصرية، ڈهاكه المكتبة الامدادية، ١٣٨٠هـ

الكتانى، عبد الحى بن عبد الكبير (١٢٩٠_١٣٢٧هـ/ ١٨٧٢_١٩٠٤م)

(٤٦٤) التراتيب الادارية والعمالات والصناعات والمتاجر والحلالة العلمية التى كانت على عهد المدينة الاسلامية فى المدينة المنورة الطيبة، بيروت داراحياء التراب العربى، 'ب'، 'ت'

(٤٦٥) فهرس الفهارس والاثبات والمعاجم والمشيخات والمسلسلات، فاس، المطبعة الجديدة، ١٣٤٦هـ

الكتاني، محمد بن جعفر الحسنى (١٢٧٤-١٣٥٤هـ / ١٨٥٧-١٩٢٧م)

(٤٦٦) الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة، تحقيق محمد المنتصر الكتاني، (ط:٣)، دمشق، مطبعة دار الفكر، ١٣٨٣هـ

الكتبي، محمد بن شاكر بن احمد (٦٨١-٧٦٤هـ / ١٢٧٢-١٣٦٣م)

(٤٦٧) فوات الوفيات، تحقيق محمد محى الدين عبد الحميد، مصر، مطبعة السعادة، ١٩٥١م

(٤٦٨) فوات الوفيات والذيل عليها، تحقيق احسان عباس، بيروت، دارصادر، ١٩٧٤م

كحاله، عمر رضا

(٤٦٩) اعلام النساء في عالمى العرب والاسلام، دمشق، المطبعة الهاشمية، ١٩٥٩م

(٤٧٠) معجم المؤلفين تراجم مصنفى الكتب العربية، دمشق، مطبعة الترقى، ١٣٨٠هـ

كرد على، محمد بن عبد الرزاق (١٢٩٢-١٣٧٢هـ / ١٨٧٦-١٩٥٣م)

(٤٧١) الاسلام والحضارةالعربية ، (ط:٣)، القاهرة ، مطبعة لجنة التاليف والترجمة والنشر ، ١٩٦٨م

(٤٧٢) امراء البيان ، القاهرة، مطبعة لجنة التاليف والترجمة والنشر، ١٣٥٥هـ

(٤٧٣) كتاب خطط الشام ، دمشق، المطبعة الحديثة ، ١٣٤٣-١٣٤٦هـ

(٤٧٤) رسائل البلغاء، (ط:٤) القاهرة، مطبعة لجنة التاليف والترجمة والنشر ١٩٥٤م

(٤٧٥) القديم والحديث ، مصر، المطبعة الرحمانية، ١٩٢٥م

(٤٧٦) كنوزالاجداد، دمشق، مطبعة الترقى، ١٣٧٠هـ

الكرمانى ، شمس الدين محمد بن يوسف بن على ثم البغدادى (٧١٧-٧٨٦هـ/١٣١٧-١٣٨٤م)

(٤٧٧) البخارى بشرح الكرمانى ، القاهرة، المطبعة المصرية، ١٣٥١-١٣٥٦هـ

الكلاعى ابو الربيع ، سليمان بن موسى (٥٦٥-٦٣٤هـ /١١٧٠-١٢٣٧م)

(٤٧٨) برنامج ابن الربيع، القاهرة ،مطبعة مصر، ١٩٥٥م

الكنانى، عبد العزيز بن يحى (٠٠-٢٤٠هـ/٠٠-٨٥٤م)

(٤٧٩) الحيدة تحقيق جميل حليبا، دمشق، ١٣٨٤هـ

الكنتورى، كرامت حسين(١٢٦٩-١٣٣٥هـ)

(٤٨٠) فقه اللسان، لكهنؤ، نولكشور، ١٩١٥م

الكندى، ابو عمر محمد بن يوسف الكندى المصرى، (٢٨٤-٣٥٠ هـ / ٨٩٧-٩٦١م)

(٤٨١) كتاب الولاة وكتاب القضاة، تحقيق رفن گست (Rhuvon Guest)، بيروت، مطبعة الاباء اليسوعيين

كتون، عبد الله، (٠٠-١٣٥٨ هـ / ١٩٣٩م)

(٤٨٢) النبوغ المغربى فى الادب العربى، (ط:٢)، بيروت، دارالكتاب اللبنانى، ١٩٦١م

الكوثرى، محمد زاهد، (١٢٩٦-١٣٧١هـ / ١٨٧٩-١٩٥٢م)

(٤٨٣) تانيب الخطيب على ما ساقه فى ترجمة ابى حنيفة من الاكاذيب، القاهرة، مطبعة الانوار، ١٣١٤هـ

(٤٨٤) حسن التقاضى فى سيرة الامام ابى يوسف القاضى، حمص، راتب حاكمى، ١٣٨٨هـ

كيلانى، سامى

(٤٨٥) سيف الدولة و عصر الحمدانيين، القاهرة، دارالمعارف، ١٩٥٩م

الگنگوهى، رشيد احمد(١٢٤٤-١٣٢٣هـ)

(٤٨٦) لامع الدرارى، على جامع البخارى، تحقيق محمد زكريا الكاندهلوى، سهارنفور الهند، المكتبة اليحيوية، ١٣٧٩هـ

گولڈ زيهر، اجناس (Ignaz galdzi- her) (١٢٦٦-١٣٤٠هـ / ١٨٥٠-١٩٢١م)

(٤٨٧) العقيدة والشريعة فى الاسلام تاريخ التطور العقدى والتشريعى، فى الدين الاسلامى، ترجمة محمد يوسف موسى و زملاه، (ط:٢)، مصر، دارالكتب الحديثة، ١٩٥٩م

لامنس، هزيكوس (H, Kannebs) (١٢٧٨-١٣٥٦ هـ / ١٨٦٢-١٩٣٧م)

(٤٨٨) فرائد اللغة، بيروت، المطبعة الكاثوليكية الاباء، اليسوعيين، ١٨٨٩م

اللكهنوى، عبد الحى بن عبد الحليم (١٢٦٤_١٣٠٤ هـ / ١٨٤٨ _ ١٨٨٧م)

(٤٨٩) الفوائد البهية فى تراجم الحنفية، كراچى، كارخانۂ تجارت كتب، ١٣٩٣هـ

(٤٩٠) مقدمة الهداية، لكهنؤ المطبع المصطفائى، ١٣٢٠هـ۔ یہ کتاب الهدایہ کے ساتھ طبع کیا گیا ہے۔

المالقانى، عبد الله بن محمد بن حسن (١٢٩٠_١٣٥١هـ / ١٨٤٤_١٩٣٢م)

(٤٩١) تنقيح المقال فى احوال الرجال، النجف، المطبعة المرتضوية، ١٣٥٠هـ

المالقى، ابو الحسن على بن عبد الله النبهى (٧١٣_٧٩٢ هـ / ١٣١٣_١٣٨٩م)

(٤٩٢) تاريخ قضاة الاندلس، القاهرة، دارالكاتب المصرى، ١٩٨٤م

الماوردى، على بن محمد (٣٦٤_٤٥٠هـ / ٩٧٤_١٠٥٨م)

(٤٩٣) ادب الدنيا والدين، تحقيق مصطفىٰ السقا، (ط:٣)، مصر، مصطفىٰ البابى، الحلبى، ١٣٧٥هـ

المتقى على بن حسام الدين الهندى (٨٨٨_٩٧٥ هـ / ١٤٨٣_١٥٦٧م)

(٤٩٤) كنز العمال فى سنن الاقوال والافعال، حيدر آباد الدكن، مجلس دائرة المعارف انتظامية، ١٣١٣هـ

(٤٩٥) منتخب كنز العمال، یہ کتاب مسند احمد بن حنبل کے حاشیہ پر مصر سے ١٣١٣ھ میں شائع کی گئی۔

المتنبى ،احمد بن الحسين(٣٠٣_٣٥٤هـ/٩١٥_٩٦٥م)

(٤٩٦) ديوان المتنبى، تحقيق محمد اعزاز على، دهلى، كتب خانه رحيمية، ١٣٧٣هـ

المجوسى، على بن عباس، (٠٠ بعد ٣٨٤ هـ / ٠٠_٩٩٤م)

(٤٩٧) كامل الصناعة الطبية، القاهرة، المطبعة الكبرىٰ العامرة، ١٣٩٤هـ

محسن جمال الدين

(٤٩٨) ادباء بغداد يون فى الاندلس، بغداد، مكتبة النهضة، ١٩٢٦م

المحلاوی، محمد عبد الرحمٰن (٠٠ـ١٢٨٠ھ / ٠٠ـ١٨٦٢م)

(٤٩٩) تسهیل الوصول الی علم الاصول، مصر، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٣٤١ھ

المراکشی، عبد الواحد بن علی التمیمی (٥٨١ـ٦٤٧ھ / ١١٨٥ـ١٢٥٠م)

(٥٠٠) المعجب فی تلخیص اخبار المغرب تحقیق سعید العربان القاهرة، المجلس الاعلیٰ للشون الاسلامیة

المرزبانی، ابو عبید محمد بن عمران (٢٩٦ـ٣٨١ھ / ٩٠٩ـ٩٩٤م)

(٥٠١) معجم الشعراء، تحقیق عبد الستار احمد فراج، مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ١٣٧٩ھ

المرغینانی، برهان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل، (٠٠ـ٥٩٣ھ / ٠٠ـ١١٩٧م)

(٥٠٢) الهدایة بحواشی، محمد عبد الحی، لکهنؤ، المطبع المصطفائی، ١٢٩٣ھ

مز، آدم (Adam Mez)

(٥٠٣) Die Renaissance des Islams الحضارة الاسلامیة فی القرن الرابع الهجری، ترجمة محمد ابو زید، (ط:٢)، القاهرة، مطبعة لنجة التالیف والترجمة والنشر، ١٣٦٦ھ

المسعودی، علی بن الحسین بن علی (٠٠ـ٣٤٥ھ / ٠٠ـ٩٥٦م)

(٥٠٤) التنبیه والاشراف، تصحیح عبد الله اسماعیل لصاوی، مصر، دارالصاوی، للطبع والنشر والتالیف، ١٣٥٧ھ

(٥٠٥) مروج الذهب ومعادن الجوهر، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، (ط:٣)، مصر، مطبعة السعادة، ١٣٧٧ھ

مسکویه، احمد بن محمد (٠٠ـ٤٢١ھ / ٠٠ـ١٠٣٠م)

(٥٠٦) تجارب الامم، مصر، شرکة التمدن الصناعیة، ١٣٣٣ھ

المصری، عبد الرؤف

(٥٠٧) معجم القرآن، القاهرة، مطبعة حجازی، ١٣٦٧ھ

المصری، محمد لطفی جمعه الاسکندری (۱۳۰۳-۱۳۷۲ھ/ ۱۸۸٦-۱۹۵۲م)

(۵۰۸) تاریخ الفلاسفة، بیروت، 'ب'، 'ن'، 'ب'، 'ت' (۵۰۷) معجم القرآن، القاهرة، مطبعة حجازی، ۱۳٦۷ھ .

مصطفیٰ، جواد (۱۳۳۳_۱۳۸۹ھ / ۱۹۰۵_۱۹٦۹م) و احمد سوسة

(۵۰۹) دلیل خارطة بغداد المفصل فی خطط بغداد قدیماً و حدیثاً، بغداد، مطبعة المجمع العلمی العراقی، ۱۳۷۸ھ

مصطفیٰ غالب

(۵۱۰) اعلام الاسماعیلیة، بیروت، دارالیقظة، العربیة، للتالیف والترجمة، ۱۹٦٤م

المطرزی، ناصر بن عبد اللّٰه بن علی (۰۰_٦۱۰ ھ / ۰۰_۱۲۱۳م)

(۵۱۱) المغرب فی ترتیب المعرب، حیدرآباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة، ۱۳۲۸ھ

المعری، ابو العلاء احمد بن عبد اللّٰه (۳٦۳_٤٤۹ھ / ۹۷۳_۱۰۵۷م)

(۵۱۲) رسائل ابی العلاء المعری، تحقیق مرجیوثة، (D.S. Margalauth) آکسفورڈ کلیرنڈن، پیرس، ۱۸۹۸م

(۵۱۳) ایضاً، رسالة الغفران، و معها النص محقق من رسالة ابن القارح، تحقیق عائشة عبد الرحمٰن بنت، الشاطی، (ط:٦)، القاهرة، دارالمعارف، ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷م

(۵۱٤) سقط الزند، بیروت، دار صادر للطباعة و النشر، ۱۳۷٦ھ

مغلطای علاء الدین ابن قلیج بن عبد اللّٰه (٦۹۰_۷٦۲ھ / ۱۲۹۱_۱۳٦۱م)

(۵۱۵) سیرة مغلطای، مصر، مطبعة السعادة، ۱۳۲٦ھ

المقدسی، شمس الدین محمد الشاوی (۳۳٦_۳۷۵ھ / ۹٤۷_۹۸۵م)

(۵۱٦) احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم، لیدن، مطبعة ای، جے، بریل، ۱۹۰٦م

المقری، احمد بن محمد (۹۹۷_۱۰٤۱ھ / ۱۵۸۱_۱٦۳۱م)

(۵۱۷) ازهار الریاض فی اخبار عیاض، تحقیق مصطفیٰ السقا ابراهیم الابیاری و

عبد الحفيظ شبلى، القاهرة، مطبعة لجنة التاليف والترجمة، ١٩٣٩_١٩٤٢م

(٥١٨) نفع الطيب من غصن الاندلس الرطيب و ذكر وزيرها لسان الخَطيب، تحقيق محمد محى الدين عبد الحميد، بيروت، دارالكتاب العربى، ١٣٦٧_١٣٦٩هـ

المقريزى، شهاب الدين ابو العباس احمد بن على الحسينى (٧٦٩_٨٤٥هـ/ ١٣٦٧_١٤٤١م)

(٥١٩) اتعاظ الحنفاء باخبار الائمة الفاطمين الخلفاء، تحقيق جمال الدين الشمال، القاهرة، مطابع شركة الاعلانات الشرقية، ١٣٩٨٧_١٣٩٢هـ

(٥٢٠) السلوك لمعرفة دول الملوك، تحقيق محمد مصطفىٰ زيادة، القاهرة، مطبعة دارلكتب، المصرية، ١٩٣٤_١٩٧٢م

(٥٢١) كتاب المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والاثار المعروف بالخطط القريزية، القاهرة، دارالطباعة المصرية، ببولاق، ١٢٧٠هـ

(٥٢٢) كتاب المواعظ والاعتبار تحقيق كوسين ايست، القاهرة، امپريل انستى ثيوث فرانسيس، ١٣٢٤هـ

المناوى، زين الدين عبد الرؤف (٩٥٢_١٠٢١هـ / ١٥٤٥_١٦٢١م)

(٥٢٣) فيض القدير شرح الجامع الصغير، مصر، مطبعة مصطفىٰ محمد، ١٣٥٦_١٣٥٧هـ

(٥٢٤) الكواكب الدرية فى تراجم السادة الصوفية، القاهرة، مطبعة الزاوية التجانية، 'ب'،ت'

المنجد، صلاح الدين

(٥٢٥) قواعد الفهرست المخطوطات العربية، بيروت، دارالكتاب، العربى، ١٩٧٠م

(٥٢٦) مدينة دمشق عند الجغرافيين والرحالين المسلمين، بيروت، دارالكتاب، ١٩٦٧م

المنذرى، زكى الدين ابو محمد عبد العظيم بن عبد القوى (٥٨١_٦٥٦هـ / ١١٨٥_١٢٥٨م)

(٥٢٧) التكملة لوفيات النقلة، تحقيق بشار عواد معروف، النجف، مطبع

الادب، ١٣٨٨_١٣٩١هـ

(٥٢٨) مختصر سنن ابی داؤد للمنذری و معالم السنن للخطابی و تهذیب ابن القیم الجوزیة، تحقیق محمد حامد الفقی، القاهرة، مکتبة السنة المحمدیة، ١٣٦٨هـ

الموفق بن احمد المکی (٠٠_٥٦٨هـ / ٠٠_١١٧٢م)

(٥٢٩) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه و اکرم و مناقب لاعظم للکردری، حیدر آباد الدکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة، ١٣٢١هـ

المیناشی، ابو حفص عمر بن عبد المجید القرشی (٠٠-٥٨١هـ/ ٠٠_١١٨٥م)

(٥٣٠) ما لا یسمع الحدیث جهله، تحقیق صبحی السامرائی، بغداد، شرکة الطبع و النشر الاهلیة، ١٣٨٧هـ

المیدانی، احمد بن محمد النیسابوری (٠٠_٥٣١هـ)

(٥٣١) السامي في الاسامي، تحقيق محمد موسى هنداوى، بيروت، ١٩٦٧م

النابلسی، شمس الدین محمد بن عبد القادر (٧٢٧_٧٩٧هـ/ ١٣٢٧_١٣٩٥م)

(٥٣٢) اختصار طبقات الحنابلة، لابن الفرا دمشق، مطبعة الترقی، ١٣٥٠هـ

ناجی معروف

(٥٣٣) تاريخ علماء المستنصرية، (ط:٣)، القاهرة، دارالشعب، ١٩٧٦م

(٥٣٤) " " ، بغداد، مطبعة العانی، ١٣٧٩هـ

(٥٣٥) تاریخ علماء النظامیات ومدارس المشرق الاسلامي، بغداد، مطبعة الارشاد، (١٣٩٣هـ/١٩٧٣م).

(٥٣٦) عالمات بغداديات في العصر العباسي، بغداد، دارالجمهورية، ١٩٦٧م

(٥٣٧) مدارس قبل النظامية، بغداد، مطبعة المجمع العلمی العراقی، ١٣٩٣م

(٥٣٨) المدخل في تاريخ الحضارة العربية، مطبعة العانی، ١٩٦٠م

النبهانی، یوسف بن اسماعیل (١٢٦٨_١٣٥٠هـ /١٨٤٩_١٩٣٢م)

(٥٣٩) الفتح الکبیر فی ضم الزیادة الی الجامع الصغیر، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٣٥١م

النجاشی، احمد بن علی (٣٧٢_٤٥٠هـ / ٩٨٢_١٠٥٨م)

(٥٤٠) رجال النجاشی، طهران، چاپخانه، مصطفوی، 'ب'، 'ت'

النرشنجی

(٥٤١) تاریخ بخارا تعریب، تحقیق محمد امین عبد الحمید بدوی، القاهرة، دارالمعارف

النسفی، ابو البرکات عبد الله بن احمد (٠٠_٧١٠هـ / ٠٠_١٣١٠م)

(٥٤٢) مدارك التنزیل و حقائق التاویل القاهرة، المطبعة الامیریة، ١٩٤٣م

النعمانی، محمد عبد الرشید

(٥٤٣) ماتمس الیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجة، کراچی نور محمد کارخانه تجارت کتب، ١٣٧٦هـ

النعیمی، عبد القادر بن محمد الدمشقی، (٨٤٥_٩٦٧هـ/ ١٤٤١_١٥٢١م)

(٥٤٤) الدراس فی تاریخ المدارس، تحقیق جعفر الحسنی، دمشق، مطبعة الترقی، ١٣٦٧_١٣٧٠هـ

نللینو، کرلو، کارنو الفونسو، (Carlo Alfonso Nallino) (١٢٨٨_١٣٥٧هـ / ١٨٧٧_١٩٣٨م)

(٥٤٥) علم الفلك، تاریخه عند العرب فی القرون الوسطی، روم، ب،ن، ١٩١١م

النوبختی، ابو محمد الحسن بن موسیٰ (٠٠ بعد ٣٠٠هـ / ٠٠_٩١٣م)

(٥٤٦) کتاب فرق الشیة بتصحیح، ریتر (Hellmut Ritter) و مقدمة هبة الدین الحسینی الشهرستانی، استانبول، مطبعة الدولة، ١٩٣١م

النووی، محی الدین یحی بن شرف (٦٣١_٦٧٧ هـ / ١٢٣٣_١٢٧٨م)

(٥٤٧) الاشارات الی بیان اسماء المبهمات، لاهور، المطبعة الدخانیة، ١٣٤٠هـ

(٥٤٨) تهذیب الاسماء و اللغات، مصر، ادارة الطباعة المنیریة، ب، ت

(٥٤٩) صحیح مسلم بشرح النووی، القاهرة، مطبعة حجازی، ١٣٤٩هـ

النویری، شهاب الدین احمد بن عبد الوهاب (٦٧٧_٨٣٣هـ/ ١٢٧٩_١٣٣٣م)

(٥٥٠) نهایة الادب فی فن الادب، القاهرة، مطبعة دارالکتب المصریة، ١٣٥١هـ

النيسابوری، نظام الدين الحسن بن محمد القمی (٠٠ بعد ٨٥٠ هـ / ٠٠_١٤٤٦م)

(٥٥١) غرائب القرآن و رغائب الفرقان، تحقيق ابراهيم عطوه عوض، مصر، مطبعة مصطى البابى الحلبى، ١٣٨١_١٣٩١م

ابن عذيل علی بن عبد الرحمٰن من اعيان القرآن الثامن الهجری

(٥٥٢) عين الادب والسياسة و زين الحسب والرياسة، القاهرة، مطبعة مصطفى البابى الحلبى ١٣٥٧هـ

الهروی، ابو الحسن علی بن ابی بكر الموصلی (٠٠_٦١١هـ/ ٠٠_١٢١٥م)

(٥٥٣) الاشارات الى معرفة الزيارات، تحقيق جاين سورويل طومين، دمشق، المعهد الفرنسى، ١٩٥٢م

الهمدانی، محمد بن عبد المالك (٠٠_٥٢١هـ)

(٥٥٤) تكملة تاريخ الطبرى، تحقيق البرث يوسف كنعان، (ط:٣)، بيروت المطبعة الكاثوليكية ١٣٦١م

الهيتمی، عبد الله بن علی (٨١٦_٨٩١ هـ / ١٤١٣_١٤٨٦م)

(٥٥٥) العمدة، تحقيق بلال ناجى، بغداد، مطبعة المعارف، ١٩٧٠م

الهيثمی، نور الدين علی بن ابی بكر بن سليمان (٧٣٥_٨٠٧ هـ / ١٣٣٥_١٤٠٥م)

(٥٥٦) مجمع الزوائد و منبع الفوائد بتحرير الحافظين العراقى و ابن حجر، القاهرة، مكتبة القدسى، ١٣٥٢_١٣٥٣هـ

اليافعی، عبد الله بن اسعد (٦٩٨_٧٦٨ هـ / ١٢٩٨_١٣٦٧م)

(٥٥٧) مراة الجنان و عبرة اليقظان، حيدر آباد الدكن، مطبعة دائرة المعارف، النظامية، ١٣٣٧_١٣٣٩هـ

ياقوت شهاب الدين ابو عبد الله ياقوت بن عبد الله الحموى الرومى (٥٧٤_٦٢٦ هـ / ١١٧٨_١٢٢٩م)

(٥٥٨) ارشاد الاريب الى معرفة الاديب المعروف بمعجم الادباء و طبقات الادباء، بتصحيح، د، س، مرجليوت، (ط:٢)، مصر، طبعة هندية،

١٩٢٣_١٩٢٥

(٥٥٩) ايضاً، القاهرة، عيسىٰ البابى الحلبى، ١٣٥٧هـ

(٥٦٠) كتاب المشترك وضعاً والمفترق سقعاً بغداد، مكتبة المثنى، ب، ن

(٥٦١) معجم البلدان، بيروت، دار صادر للطباعة والنشر، ١٣٧٤_١٣٧٦هـ

اليعقوبى، احمد بن اسحاق بن جعفر المعروف بابن واضح (٠٠_٢٨٤هـ / ٠٠_٨٩٧م)

(٥٦٢) البلدان (ط:٢)، النجف، المطبعة الحيدرية، ١٣٧٧هـ

يغمورى، يوسف بن احمد الحافظ (من رجال القرآن السابع)

(٥٦٣) نور القبس المختصر من المقبس فى اخبار النحاة والادباء والشعراء والعلماء، للمرزبانى، تحقيق ردلف زلهايم (Rudalf Sullheim)

Franz Sleiner Verlag Gmbe, Wieshbaden, Germany, 1964

اليونينى، موسى بن محمد البعلبكى الحنبلى (٦٤٠_٧٢٦هـ / ١٣٤٢_١٣٢٦ء)

(٥٦٤) ذيل مراة الزمان، حيدرآباد الدكن، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٧٤_١٣٨٠هـ

اردو کتب

"آزاد"، 'ابوالکلام' احمد بن خیر الدین (۱۳۰۲-۱۳۷۷ھ / ۱۸۸۵-۱۹۵۸ء)

(۱) "ترجمان القرآن"، لاہور، مطبع مصطفائی، 'ب'، 'ت'۔

"ابو ظفر ندوی"، 'سید'

(۲) "ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے"، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۳۸۳ء۔ **(۲۔الف) نمبر ۴۲ کے بعد ملاحظہ فرمایئے**

(۳) "اردو دائرہ معارف اسلامیہ"، لاہور، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۶۴ء۔

"ارنولڈ"، 'تھامس'، 'والفرڈ گیام' (۰۰-۱۳۳۹ھ / ۰۰-۱۹۲۰ء)

(۴) "میراث اسلام"، ترجمہ: عبدالمجید سالک، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء

"استرنج"، 'لی'

(۵) "بلاد فلسطین و شام"، ترجمہ: سید ہاشمی فرید آبادی، حیدر آباد دکن، مطبع سرکار عالی، ۱۳۵۱ء

"بدر الدین چینی"

(۶) "چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج"، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۹ء

"برٹن"، 'کرین وغیرہ'

(۷) "تاریخ تہذیب"، ترجمہ و تحشیہ: غلام رسول مہر، لاہور، غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۵ء

"بریفالٹ"، 'رابرٹ'

(۸) "تشکیل انسانیت"، باردوم، ترجمہ: عبدالحمید سالک، لاہور، مجلس، ترقی ادب، ۱۹۶۶ء

"بلہوری"، "خرم علی" (۰۰-۱۲۷۳ھ)

(۹) "غایۃ الاوطار"، ترجمہ اردو در المختار، لکھنؤ، نولکشور، ۱۳۰۲ء

" بورَ"، 'وی'

(۱۰) " تاریخ فلسفہ اسلام"، ترجمہ: عابد حسین، دہلی، مطبع جامعہ ملیہ، ۱۹۲۷ء

" پنٹو"، 'اولگا'

(۱۱) " اسلامی کتب خانے" (عہد عباسیہ میں) ترجمہ: احمد میاں اختر جوناگڑھی، لکھنؤ، دارالناظر پریس، ۱۹۲۲ء

"جمیل احمد"، 'محمد'

(۱۲) " انبیائے قرآن"، لاہور، غلام علی اینڈ سنز، 'ب'، 'ت'

"جہلمی"، 'فقیر محمد' (۰۰-۱۲۶۰ھ / ۰۰-۱۸۴۴ء)

(۱۳) "حدائق الحنفیہ"، بار سوم، لکھنؤ، نولکشور پریس، ۱۳۲۴ء

"چشتی"، 'محمد عبدالحلیم'

(۱۴) " عہد رسالت سے دور اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء"، مقالہ بغرض جزوی تکمیل برائے امتحان ایم۔ اے۔ شعبۂ لائبریری سائنس، جامعہ کراچی، ۱۹۷۰ء

" حمیداللہ" **ولادت ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء**

(۱۵) "صحیفہ ہمام بن منبہ"، بار چہارم، حیدرآباد دکن، مکتبہ نشاۃ ثانیہ، ۱۳۷۸ء

"دریابادی"، 'عبدالماجد' (۱۸۹۲-۱۹۷۷ء)

(۱۶) "تفسیر ماجدی"، کراچی، تاج کمپنی لمیٹڈ، 'ب'، 'ت'

" دیبی پرشاد بدایونی"

، (۱۷) " ارژنگ چین"، لکھنؤ، نولکشور

" الرازی"، 'فخرالدین'

(۱۸) " جامع العلوم و حدائق الانوار الملقب بہ ستینی" یعنی ساٹھ علوم والی (کتاب) مترجم اردو، عبدالرحیم، لاہور، کاشی رام پریس، ۱۹۲۴ء

" سارٹن(Sarton)"

(۱۹) "مقدمہ تاریخ سائنس" (Introduction to the History of Science) ترجمہ: نذیر نیازی، لاہور، مجلس ترقی ادب۔

"سکندر پوری" 'وکیل احمد' (۱۲۵۸-۱۳۲۲)

(۲۰) "اخبار نجات"، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۱۴ھ

" شبلی نعمانی"، ' محمد شبلی بن حبیب اللہ' (۱۸۵۷ - ۱۹۱۲ء)

(۲۱) "مقالات شبلی" اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۳۷۰ھ

" شلبی نعمانی"

(۲۲) " تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" ترجمہ: محمد حسین، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۳ء

"صاعد"، ' اندلسی' (۴۲۰-۴۶۲ھ / ۱۰۲۹-۱۰۷۰ء)

(۲۳) " طبقات الامم"، اردو ترجمہ: احمد میاں اختر جوناگڑھی، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۳۴۶ھ

" صدیقی" 'محمد اسحاق'

(۲۴) " فن تحریر کی تاریخ"، علی گڑھ (ہند) انجمن ترقی اردو ۱۹۶۲ء

"طرابلسی" ' نوفل بن نعمۃ اللہ' (۱۲۲۰-۱۳۰۵ھ / ۱۸۱۲-۱۸۸۷ء)

(۲۵) " آئینہ عرب" ترجمہ کتاب: صناجۃ الطرب، محمد ہارون، لاہور، خادم التعلیم پریس، ۱۹۰۴ء

"عبدالسلام ندوی" (۰۰ - ۱۹۵۶ء)

(۲۶) "حکمائے اسلام" اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۹۵۳--۱۹۵۶ء

"عبداللہ"، 'سید' (۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء)

(۲۷) "تعلیمی خطبات"، لاہور، مجلس ارادتمندان سید، ۱۹۶۶ء

"عتبی"

(۲۸) "آئینہ چینی" ترجمہ : تاریخ یمینی، وکیل احمد سکندر پوری، لکھنؤ، مطبع مصطفائی، ۱۳۹۳ھ

"عثمانی" 'شبیر احمد بن فضل الرحمٰن (۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ / ۱۸۸۷-۱۹۴۹ء)

(۲۹) "فضل الباری (شرح اردو) صحیح البخاری" کراچی، ادارۂ علوم شرعیہ، ۱۳۹۳ھ

"عرشی" 'امتیاز علی' (-- - ۲۱ فروری، ۱۹۸۱ء)

(۳۰) "مقالات عرشی"، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء

"کانپوری" 'عبدالرزاق' (۱۸۹۸ / ۱۹۴۸ء)

(۳۱) "البرامکہ" کانپور، نامی پریس، ۱۸۹۷ء

"گستاولی" 'بان'

(۳۲) "تمدن عرب"، ترجمہ : سید علی بلگرامی، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۸۹۸ء

"مارہروی" 'محمد زبیر' (۱۹۰۶۔ فروری ۱۹۹۲ء)

(۳۳) "اسلامی کتب خانے"، دہلی ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۱ء

"محمد سلیمان اشرف" (۱۹۳۹ء)

(۳۴) "المبین"، علیگڑھ، مسلم یونیورسٹی، ۱۳۴۸ھ

"محمد شفیع" (۱۹۶۴ء)

(۳۵) "انتظام کتب خانہ"، عباسی لیتھو آرٹ پریس، کراچی۔

"معین الدین احمد ندوی" (۱۹۷۴ء)

(۳۶) "تاریخ اسلام"، باردوم، اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۴۹ء

"مودودی"، 'سید ابوالاعلیٰ' (۱۹۰۳-۱۹۶۹ء)

(۳۷) "تفہیم القرآن"، طبع پنجم، لاہور، ترجمان القرآن، ۱۹۷۴ء

(۳۸) "علمی تحقیقات کیوں اور کسطرح"، کراچی، ادارۂ معارف اسلامی، 'ب'، 'ت'

"نعمانی"، "محمد عبدالرشید"

(۳۹) "امام ابن ماجہ اور علم حدیث"، کراچی، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۷۶ھ

"نقوی"، "ذوالفقار علی" (۱۲۶۲-۱۳۴۰ھ)

(۴۰) "قضاء العرب من ذکر علماء النحو والادب"، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۳۱۶ھ

"وان کریمر" (Alfred Von Kremer)

(۴۱) "مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت، تجارت"، ترجمہ: محمد جمیل الرحمن، الہ آباد، کتابستان ۱۹۳۴ء

"ہیل"، "جوزف"

(۴۲) "عربوں کا تمدن"، ترجمہ: نذیر نیازی، دہلی، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۴۷ء

۲۔الف اختر- قاضی احمد میاں جوناگڑھی (۱۸۹۷- ۱۶ اگست ۱۹۵۵ء)، مترجم، اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں، لکھنؤ، الناظر پریس، ۱۹۲۸ء،

ترکی کتاب

"حبیب"

(۱) "خط و خطاطان"، قسطنطنیہ، مطبعہ ابو الضیاء، ۱۳۰۵ھ

فارسی کتب

آزر، لطف علی بیگ (۱۱۳۴ / ۱۱۹۵ھ)

(۱) آتش کدہ آذر، تہران، انتشارات امیر کبیر

(۲) آریانا دائرہ المعارف، کابل، مطبع عمومی کابل، ۱۳۲۸۔۱۳۳۵ء

ابن الراوندی، محمد بن علی بن سلیمان (۶۰۳ھ)

(۳) راحۃ الصدور وآیۃ السرور، تحقیق محمد اقبال، لیدن، ای، جے، بریل، ۱۹۲۱ء

ابن سینا ابو علی حسین بن عبداللہ بلخی ثم بخاری (۳۷۰-۴۲۸ھ / ۹۸۰-۱۰۳۷ء)

(۴) سرگزشت ابن سینا بقلم خود و شاگردش ابو عبید عبد الواحد جوزجانی با ترجمہ فارسی مقدمہ سعید نفیسی، تہران انجمن دوستداران کتاب ۱۳۳۱ف۔

اخوند میر غیاث الدین بن ہمام الدین بن خاوند شاہ (۰۰۔۹۰۳ھ)

(۵) روضۃ الصفاء فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء، لکھنؤ، نولکشور، ۱۹۱۳ء

اسفندیار، بہاء الدین محمد بن حسن (۰۰- بعد ۷۵۰ھ)

(۶) تاریخ طبرستان، تہران، کتابخانہ خاور، ب، ت

ایرانی، عبدالمحمد خان اصفہانی (۰۰-بعد ۱۳۴۵ھ)

(۷) پیدائش خط و خطاطان، طہران، چاپخانہ چہرہ نما، ۱۳۶۵ھ

حافظ شیرازی، شمس الدین محمد (۷۲۹-۷۹۲ھ)

(۸) دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، طہران، چاپخانہ مجلس، ۱۳۲۰ھ

خلیلی

(۹) سلطنت غزنویان، کابل، مطبعۂ عمومی، ۱۳۳۳ھ

دہخدا، علی اکبر (۱۲۵۸۔۱۳۴۴ف)

(۱۰) لغت نامہ، تہران، چاپخانہ دولتی ایران، ۱۳۳۷۔۱۳۴۱ف،

دہلوی، عبدالحق بن سیف الدین (۹۵۸-۱۰۵۲ء)

(۱۱) اشعۃ اللمعات، بار ہفتم، نولکشور، ۱۹۱۳ء

راہجری، علی

(۱۲) تذکرہ خوشنویسان معاصر، تہران، کتابخانہ ابن سینا، ۱۳۳۶ھ

رشید الدین فضل اللہ (۰۰۔۷۱۶ھ / ۰۰۔۱۳۱۶ء)

(۱۳) جامع التواریخ ذکر تاریخ آل سلجوق۔ بھی احمد آتشش، انقرہ، چاپخانہ انجمن تاریخ ترک، انقرہ، ۱۹۵۷ء

زمخشری، محمود بن عمر (۴۶۷-۵۳۵ھ / ۱۰۷۵-۱۱۴۴ء)

(۱۴) پیشرو ادب یا مقدمۃ الادب، محمد کاظم امام، تہران، چاپخانہ دانشگاہ، ۱۳۴۲ھ

سرہندی، احمد بن عبد الاحد (۹۷۱۔ ۱۰۳۴ھ)

(۱۵) درالمعرفت، کراچی، مطبع ایجوکیشنل، ۱۹۷۲ء

صفا، ذبیح اللہ

(۱۶) تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی تا اواسط قرن پنجم چاپ، دوم، تہران، چاپخانہ دانشگاہ، ۱۳۳۶ھ

عوفی، جمال الدین بن محمد بن یحی (۰۰۰-بعد ۶۲۵ھ)

(۱۷) لباب الالباب، تحقیق سعید نفیسی، تہران، چاپ اتحاد، ۱۳۳۳ف

فرشتہ، محمد قاسم ہندو شاہ (۰۰۔۱۰۱۷ھ)

(۱۸) گلشن ابراہیمی، معروف بتاریخ فرشتہ لکھنؤ، نولکشور، ۱۲۸۱ھ

کرمانی، ناصر الدین (۰۰۔۷۲۵ھ)

(۱۹) نسائم الاسحار من لطائم الاخبار در تاریخ وزراء، تحقیق جلال الدین حسینی ارموی، طہران، چاپخانہ انشگاہ، ۱۹۵۹ء

کریمان حسین

(۲۰) ری باستان، طہران، انجمن آثار ملی، ۱۳۳۵ھ

مظہر جانجانان شمس الدین بن مرزا جان تیموری (۱۱۱۱-۱۱۹۵ھ)

(۲۱) کلمات طیبات، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۸۹۱ء

منہاج الدین، عثمان بن سراج الدین محمد جوزجانی معروف بہ قاضی منہاج سراج (۵۸۹-بعد ۶۵۸ھ)

(۲۲) طبقات ناصری، تحقیق عبدالحی حبیبی قندھاری، بار دوم، کابل، بوہنی، مطبعۂ کابل، ۱۳۴۲-۱۳۴۳ھ

ناصر خسرو القبادیانی (۳۹۴-۴۸۱ھ / ۱۰۰۳-۱۰۹۰ء)

(۲۳) سفرنامہ، تحقیق محمد دبیر سیاقی، تہران، کتاب فروشی زوار، ۱۳۵۳ء

نخجوانی، ہندو شاہ بن سنجر

(۲۴) تجارب السلف در تواریخ خلفاء و وزرای ایشان، طہران، مطبعۂ فروین، ۱۳۱۳ف

نیک پرور، محمد

(۲۵) کتابخانہ ہاۓ آستان خراسان از آغاز اسلام تا عصر حاضر خراسان، چاپخانہ خراسان، ۱۳۵۱ھ

واعظ بلخی، ابوبکر عبداللہ بن عمر بن محمد بن داؤد

(۲۶) فضائل بلخ، ترجمہ فارسی عبداللہ محمد بن محمد حسینی بلخی بتحشیہ عبدالحی حبیبی، طہران، چاپخانہ داور پناہ، ۱۳۵۰ھ

وطواط، رشید الدین محمد بن محمد بن عبدالجلیل بلخی (۴۸۷-۵۷۳ھ)

(۲۷) دیوان رشید وطواط یا حدائق السحر فی دقائق السحر، تحقیق سعید نفیسی، طہران، کتابخانہ بارانی، ۱۳۳۹ھ

ENGLISH BOOKS

1. A. Moid, An Eleventh Centure (A.D.) Itemization of Islamic Sciences, (MS)

2 Ameer Ali Syed, A Short Histry of the Sarecens (London : 1961)

3 Arnold, Thomas & Guillaume, Alfred, The Legacy of Islam, 2nd ed. (London: 1968)

4 Brockelmann, Carl, Geschichte der Arabisehen Literature, (Leiden : 1843)

5 Browne, Edward G., Literary History of Persia, 4th ed., (London: 1956)

6 Deringer, David, The Alphabet: a Key to the History of Mankind, 2nd ed., (London: 1953)

7 Downs, Robert B. Books that changed the world, 2nd ed. Chicago America: 1978

8 Dozy R., Supplement Aux Dictionaries Arabes, Leiden : 1927

9 Fagan, Lavis, A Life of Sir Anthony Panizzi, (London : 1880)

10 Hessel, Alfred, A History of Libraries, (Washington : 1950)

11 Hitti, Philip K., History of the Arabs, 5th ed., (London : 1953)

12 Johnson, Elmer D., Communication, 2nd ed., (New York : 1960)

13 Lane, Edward W., Arabic English Lexicon, (New York : 1956)

14 Mittal, R. L. Library Administration : Theory and Practice (Delhi : 1964)

15 Margenthan, Hańs J., Politics Among Nations: The Struggle for Power and Peace, 5th ed., (New York: 1964)

16 Muhammad Asad, Islam at the Crossroad (Lahore: 1947)

17 Muhammad Nazim, Life and Time of Sultan Mahmud Ghaznavi, (London: 1931)

18 Munford, W. A. Penny Rate, (London : 1951)

19 Nicholson, Reynard Aheyne, A Literary History of the Arabs, 2nd ed., (London: 1958)

20 Ogden, C. K., and Richard, I. A., The Meaning of Meaning, (London: 1952)

21 Riew, C., Supplement to the Arabic Manuscript in the British Museum, (London: 1894)

22 Resonthal, Franz, A History of Muslim Historigraphy, 2nd ed., (London : 1968)

23 Sayers, W.C.B., An Introduction to Library Classification, 9th ed. (London: 1954)

24 ………… Manual Classification, 3rd ed., (London: 1955)

25 Shalaby, Ahmad, History of Muslim Education, (Berat: 1959)

26 Sprout, Margaret and Harald, Foundations of National Power, 2nd ed., (New York: 1951)

27 Thompson, Anthony, Library Buildings of Britain and Europe, (London: 1963)

28 Toynbee, Arnold J., A Study of History, (London: 1935 - 1961)

29 Wheeler, J. L., and Goldhor Hesbert, Practical Administration of Public Libraries, (New York: 1962)

30 Encyclopaedia of Britannica, 11th ed.,

31 Encyclopaedia America, (New York: 1968)

32 Encyclopaedia of Islam, 1st and 2nd ed.,

33 Encyclopaedia of Libraries and Information Sciences.